خطباتِ حکیم الاُمّت 32 جلدوں سے منتخب الہامی جواہرات

جواہراتِ حکیم الاُمّت

ازافادات

حکیم الاُمّت مجدد الملّت
حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

پسند فرمودہ

مفتی اعظم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
ودیگر اکابرین

جمع وترتیب

حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ
خلیفۂ مجاز
مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

جلد ۱
عقائد... نماز... حج
رمضان... روزہ
زکوٰۃ... سیرۃ النبی ﷺ

جلد ۲
علم وعرفان
شریعت کے اسرار ورموز
حکمت ومعرفت کا منتخب گنجینہ

جلد ۳
تصوف... اخلاق
باطنی تزکیہ کا دستور العمل
تصوف کی اصلاحات
کی تشریحات

جلد ۴
اتباع سنت
حقوق العباد... فقہی مسائل
معاملات... آخرت
سیاست
تعویذات وعملیات
لطائف وظرائف
معاشرت

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک ضروری گزارش!

معزز قارئینِ کرام! اس کتاب کو عام قاری کے مطالعہ، اُمتِ مسلمہ کی راہنمائی اور ثوابِ دارین کے خاطر پاکستان ورچوئل لائبریری پر شائع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کو میری یہ کاوش پسند آئی ہے یا آپ کو اس کتاب کے مطالعے سے کوئی راہنمائی ملی ہے تو برائے مہربانی میرے اور میرے والدین کی بخشش کے لئے اللہ رب العزت سے دُعا ضرور کیجئے گا۔ شکریہ

طالبِ دُعا سعید خان

ایڈمن پاکستان ورچوئل لائبریری

خطباتِ حکیم الامتؒ 32 جلدوں سے منتخب الہامی جواہرات

جواہراتِ حکیم الامتؒ ۳

عقائد... نماز... حج... زکوٰۃ... رمضان... آخرت، سیرۃ النبیؐ... اتباع سنت
تصوف... علم و عرفان... اوراد و وظائف... فقہی مسائل... اخلاق... معاملات... سیاست
حقوق العباد.. معاشرت... عملیات و تعویذات... لطائف و ظرائف

از افادات

حکیم الامت مجدد الملت
حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

پسند فرمودہ

مفتی اعظم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
و دیگر اکابرین

جمع و ترتیب

حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ
خلیفہ مجاز
مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

جواہرِ حکیم الامت

تاریخ اشاعت .... ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ

ناشر .... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت : فیصل فدا پرنٹنگ پریس ملتان فون: 4570046

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ ... چوک فوارہ ... ملتان
اسلامی کتاب گھر ... خیابان سرسید روڈ ... راولپنڈی
ادارہ اسلامیات .... انارکلی ... لاہور
دارالاشاعت ... اردو بازار ... کراچی
مکتبہ سید احمد شہید ...... اردو بازار ...... لاہور
مکتبۃ القرآن ..... بنوری ٹاؤن .... کراچی
مکتبہ رحمانیہ ..... اردو بازار ...... لاہور
مکتبہ دارالاخلاص ... قصہ خوانی بازار ...... پشاور
مکتبہ رشیدیہ ... سرکی روڈ .... کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE

119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

عرض ناشر

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد! حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے خواص وعوام کی دینی ضروریات پر کثیر تعداد میں کتب تصنیف فرمائیں حتی کہ آپ کو "سیوطی وقت" کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ تصانیف کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقریر ووعظ کے ملکہ سے بھی خوب نوازا اور سفر وحضر میں مواعظ کا سلسلہ جاری رہا۔ نصف صدی سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی آپ کے مواعظ وملفوظات کی تاثیر زندہ جاوید ہے کہ ہر پڑھنے والا یہی پکار اٹھتا ہے کہ علوم ومعارف اور ظاہر وباطن کی اصلاح پر مشتمل یہ مواعظ وملفوظات کسبی نہیں بلکہ الہامی ہیں کہ "از دل خیزد بر دل ریزد" کا حسی آئینہ ہیں۔ خطبات وملفوظات حکیم الامت کی افادیت اوران کے بارہ میں اکابر کے تاثرات تیسری جلد کے شروع میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تمام مواعظ جو کہ تقریباً 350 ہیں اور 32 ضخیم جلدوں پر محیط ہیں۔ عصر حاضر کی مصروفیات کے پیش نظر اہل علم اور خواص حضرات اور عامۃ المسلمین کا ان سے استفادہ کرنا مشکل ہے، جبکہ ان مواعظ میں بیسیوں عنوانات پر علم وحکمت کے ہزاروں موتی بکھرے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ (خلیفہ مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) کو جزائے خیر سے نوازیں جنہوں نے بندہ کی درخواست پر مواعظ کی 32 جلدوں سے منتخب جواہرات کی نہ صرف نشاندہی فرمائی بلکہ اہم عنوانات کے تحت ان کی تقسیم بھی فرمادی۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء

نیز ہر جوہر کے آخر میں وعظ کا نام اور جلد نمبر بھی دے دیا گیا ہے تاکہ بآسانی مراجعت کی جاسکے۔ مواعظ سے ماخوذ "جواہرات حکیم الامت" کا یہ نافع سلسلہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اسی طرح حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات کی 30 جلدوں کے جواہرات بھی زیر ترتیب ہیں۔ اللہ تعالیٰ حسب سابق ادارہ کے اس جدید اشاعتی سلسلہ کو شرف قبولیت سے نوازیں اور ہمیں تمام مراحل میں اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں کہ دور حاضر میں تمام شرور وفتن سے حفاظت کا یہی ایک مضبوط قلعہ اور سہارا ہے۔ والسلام

محمد اسحٰق غفرلہٗ ذیقعدہ 1431ھ بمطابق اکتوبر 2010ء

کلماتِ مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد! اخی فی اللہ، برادر محترم حضرت الحاج حافظ محمد اسحٰق صاحب ملتانی مدظلہ کے ارشاد کے مطابق خطبات وملفوظات حکیم الامت کو مختلف عنوانات کے تحت علیحدہ کر دیا، تا کہ ہر موضوع پر علیحدہ جلدیں شائع کر دی جائیں باوجود تقریباً روزانہ بلا ناغہ اس امر کو سرانجام دینے میں علالت اور ضعف کے سبب دو سال لگ گئے آج بفضلہٖ تعالیٰ بخیر و خوبی یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ الحمدللہ طیبا مبارکا فیہ

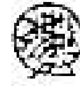
حق سبحانہ وتعالیٰ اس خدمت کو قبول فرما کر زادِ آخرت وسرمایہ نجات بنادیں اور ان کی اشاعت کے اسباب فرما کر ناشر اور ناچیز کیلئے صدقہ جاریہ بنادیں آمین

ان جلدوں میں مواعظ سے بفضلہٖ سبحانہ وتعالیٰ اتنا علمی وعملی مواد جمع ہو گیا ہے کہ قارئین حضرات اور علماء ومشائخ نیز جدید تعلیم یافتہ حضرات بھی مطالعہ کے بعد اپنے علم میں اضافہ اور ترقی محسوس کریں گے اور عمل کیلئے جذبہ ذوق وشوق پائیں گے۔ حضرات مشائخ اپنی مجالس میں انہیں اجتماعی طور پر سنیں تو ازحد نفع ہوگا۔

فقط والسلام خیر ختام دعاؤں کا ازحد محتاج

بندہ محمد اقبال قریشی غفرلہ

۱۲ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۸ جنوری ۲۰۱۰ء



محمد رفیع عثمانی

رئیس الجامعۃ دارالعلوم کراتشی والمفتی بہا

عضو مجلس الفکر الاسلامی الحکومۃ باکستان سابقاً

Mohammad Rafi Usmani

Mufti & President Darul-Uloom Karachi, Pakistan

Ex-Member Council of Islamic Ideology Pakistan

التاریخ ۲۸ ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۲۰۰۸ء   الرقم ________

عزیز محترم جناب محمد اقبال قریشی صاحب

وجناب حافظ محمد اسحاق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خیر و عافیت کے ساتھ رکھے۔

گرامی نامہ سے یہ معلوم ہو کر بہت مسرت ہوئی کہ خطبات حکیم الامت میں جو خطبات آئے ہیں، ان میں سے منتخب خطبات کو مبوّب کر کے ''جواہرات حکیم الامت'' کے نام سے چار جلدوں میں شائع کیا جا رہا ہے۔

ان شاء اللہ اس سے طالبین کو ہر موضوع سے متعلق حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات تلاش کرنا بہت آسان ہو جائے گا۔ امید ظن غالب کے درجہ میں یہ ہے کہ اس انتخاب میں بھی پچھلی تالیفات کی طرح اس بات کا التزام کیا جائے گا کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ اور عبارتوں میں ادنیٰ تغیر نہ ہو۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر کا آپ حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ لوگوں کو اس سے خوب خوب فائدہ پہنچے اور اسے آپ حضرات کیلئے ذخیرہ آخرت اور صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

والسلام

محمد رفیع عثمانی

(محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ)

رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی

JUSTICE MUHAMMAD TAQI USMANI

محمد تقي العثماني

Member Shariat appellate Bench
Supreme Court of Pakistan
Deputy Chairman, Islamic Fiqh Academy (OIC) Jeddah
Vice President Darul-Uloom Karachi-14 Pakistan.

قاضي مجلس التمييز الشرعي للمحكمة العليا باكستان
نائب رئيس، مجمع الفقه الإسلامي بجدة
نائب رئيس: دار العلوم كراتشي ١٤ باكستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی جناب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماشاء اللہ آپ نے تو حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے علوم کو پھیلانے کی بڑی سعادت حاصل کی ہے، انہی علوم میں یہ بات بھی ہے کہ کسی کتاب پر اسے دیکھے بغیر لکھنا دیانت کے خلاف ہے لہٰذا صرف فہرست دیکھ کر لکھنا مناسب نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ بندہ کی تقریظ کے اشتہار کے بغیر شائع کر دیں۔ آپ کا نام ہی کافی ہے۔

والسلام

بندہ

۱۰-۱۱-۱۴۲۵ھ

حکیم الامت رحمہ اللہ کے مواعظ وملفوظات کا تعارف

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ کے خلیفہ اجل حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحب رحمہ اللہ نے مآثر حکیم الامت میں حضرت کے مواعظ وملفوظات کا بڑا جامع اور مفصل تعارف تحریر فرمایا ہے۔ زیر نظر کتاب جواہرات حکیم الامت چونکہ حضرت کے مواعظ سے مرتب کی گئی ہے۔ ذیل میں ان کے اس مضمون کی تلخیص پیش خدمت ہے۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے مواعظ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ فرمان کا یہ طریقہ تھا کہ خطبہ ماثورہ کے بعد کلام اللہ کی کوئی ایک آیت یا کوئی حدیث شریف تلاوت فرماتے اور پھر اس کی تشریح کیلئے کئی کئی گھنٹے تک تقریر فرماتے۔ بعض اوقات کئی کئی ہزار آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا۔ سامعین میں ہر طبقے کے لوگ ہوتے۔ اہل علم' اہل باطن' موافق ومخالف' خواص وعوام' انگریزی تعلیم یافتہ' جج' وکلا' تجارت پیشہ' دفتری لوگ' شہری' دیہاتی' بوڑھے' جوان' بچے سب طرح کے لوگ ہوتے اور حضرت رحمہ اللہ کا انداز تخاطب ایسا دلکش اور دلنشین ہوتا کہ ہر شخص یہ سمجھتا کہ میرے دل کی بات کہہ رہے ہیں۔

اگر روئے سخن علماء کی طرف ہوگیا تو بیان میں عالمانہ نکات ہوتے' مگر عامی اور عالم دونوں سر دھنتے صوفیا کی طرف متوجہ ہوتے تو مشکل سے مشکل معارف وحقائق بیان فرماتے اور رفتہ رفتہ تقریر کو آسان کرتے کرتے عوام کے ذہنوں تک پہنچا دیتے۔

حضرت رحمہ اللہ کی نظر دل کی گہرائیوں تک پہنچتی اور ان کے شبہات واعتراضات و اشکالات حضرت خود ہی سامنے لاتے اور خود ہی جواب دیتے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کے سامنے عقل کو مغلوب اور کالعدم کر دیتے پھر جو کچھ کہنا چاہتے اجمال سے یا تفصیل سے' حکایتوں سے' روایتوں سے اور اشعار سے دل میں اتار دیتے۔ یہ

کرامت ہے ہمارے حضرت کی کہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو، دہریوں کو، فلسفیوں کو اور بدعتیوں کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی اور پکی بات سمجھا گئے اور عمل کرنے کیلئے آسان تدابیر بتا گئے۔

حضرت والا رحمہ اللہ کا ایک ملفوظ ہے فرمایا کہ الحمدللہ! یہ میری عادت نہیں ہے کہ مسلمانوں کی حالت کا تجسس کروں، نہ فرمائشی مضمون کبھی بیان ہو سکے۔ بلکہ تو کلا علی اللہ بیان شروع کیا اور جو باتیں اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتے ہیں بیان کر دیتا ہوں اور وہ اکثر سامعین کی ضرورت و حالت کے مطابق ہوتی ہیں۔ اس سے لوگوں کو شبہ ہو جاتا ہے کہ کسی نے ہماری حالت اس سے کہہ دی ہے ممکن ہے کہ بعض لوگ اس کو کشف سمجھیں مگر مجھے تو عمر بھر بھی کشف نہیں ہوا اور اس میں کشف کی کیا بات ہے، بس حق تعالیٰ جس سے جو کام لینا چاہتے ہیں لے لیتے ہیں۔ اتنی بات تو ہے کہ بحمدللہ بیان کے وقت یہ نیت ضرور ہوتی ہے کہ اے اللہ! ایسا مضمون بیان ہو جو ان لوگوں کی ضرورت کا ہو جس سے ان کی اصلاح ہو جائے۔ خدا تعالیٰ کو علم غیب ہے وہ سب کی حالت جانتے ہیں وہ اس نیت کے بعد ضرورت و حالت کے مطابق مضمون دل میں ڈال دیتے ہیں کہ آج کی مجلس میں یہ بیان کرو۔

حضرت رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں کسی کے فرمائشی مضمون پر کبھی وعظ نہیں کہتا بلکہ وقت اور حالات کی ضرورت کے مطابق جب منجانب اللہ میرے دل میں تقاضا پیدا ہوتا ہے اسی وقت میری زبان کھلتی ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کے مواعظ پڑھئے تو اندازہ ہوگا کہ حضرت رحمہ اللہ نے دین کے ہر شعبہ پر کس قدر مصلحانہ اور مجددانہ گہری نظر ڈالی ہے اور ان میں جو غلط فہمیاں اور گمراہیاں پیدا ہوگئی تھیں ان کو کس قدر حسن وخوبی کے ساتھ رفع کرنیکی تدابیر بتائی ہیں۔ مثلاً مغربی تعلیم و فلسفہ سے نوجوانوں میں الحاد وزندقہ کے رجحانات پیدا ہو گئے تھے، اسلامی شعائر سے مغایرت پیدا ہو رہی تھی، امور آخرت میں اوہام وشکوک پیدا ہو گئے تھے، پھر عبادات میں افراط وتفریط کی طرف مسلمانوں کی طبیعتیں مائل ہوگئی تھیں۔ بدعات ورسومات دین میں شامل کر لی گئی تھیں یا احکامات شریعت وسنت میں تاویلات پیدا کی جا رہی تھیں۔ اسی طرح معاملات میں اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدوں کو توڑا جا رہا تھا، اپنے مقاصد اور اغراض نفسانی کیلئے ہر ناجائز چیز کو

جائز اور ہر حرام چیز کو حلال کرنے کی تاویلیں جاری ہو گئی تھیں جس کی وجہ سے کاروباری اور خانگی زندگی بالکل درہم برہم ہو کر رہ گئی تھی۔ اسی طرح مسلمانوں کا معاشرہ مغربی تہذیب و تمدن سے بری طرح مسموم اور مجروح ہو رہا تھا اور احساس شرافت ہی ختم ہوتا جا رہا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اخلاق باطنی کا تو یکسر فقدان ہی فقدان پیدا ہو گیا تھا' نفسانی و شہوانی لذتوں کی فراوانی نے مسلمانوں کو مدہوش کرنا شروع کر دیا تھا۔ تعلقات باہمی ریا کاری' منافقت' فریب دہی اور بے مروتی نے زندگی کو بالکل بے کیف بنا دیا تھا۔ حضرت رحمہ اللہ نے انہی تمام باتوں کیلئے اصلاحی مضامین اپنے مواعظ میں بیان فرمائے ہیں میں نے چند خاص خاص باتوں کی طرف آپ کی توجہ اس لئے مبذول کرائی ہے کہ آپ اس دور کے مجدد و مصلح امت کے مواعظ پڑھیں اور اپنے عقائد و اعمال کا جائزہ لیں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضرت رحمہ اللہ سے دین کی تبلیغ و اشاعت کا کام لینا منظور تھا۔ اس لئے حضرت رحمہ اللہ نے تحصیل علوم سے فراغت کے بعد جب درس و تدریس کا کام شروع کیا تو ابتدائے سن ہی سے وعظ کہنا شروع کر دیا تھا اور وہ وعظ اہل ذوق قلمبند کرنے لگے۔ چنانچہ حضرت رحمہ اللہ کے اسی ابتدائی زمانے کے جو وعظ ہیں تو آج بھی اسی طرح نافع اور عقدہ کشائی باطن ہیں جیسے کہ اس وقت کے یوں تو حضرتؒ نے اپنی تریسٹھ سالہ مدت تبلیغ میں ہزاروں وعظ فرمائے ہیں لیکن جس قدر قلمبند ہو گئے ان کی تعداد بھی تقریباً ساڑھے تین سو یا کچھ زائد ہے اور بہت سے قلمبند شدہ مواعظ ایسے بھی ہیں جو شائع نہ ہو سکے۔

حضرت رحمہ اللہ کا ہمیشہ یہ معمول تھا کہ اشاعت سے پہلے ہر قلمبند شدہ وعظ کو خود بنظر اصلاح دیکھ لیتے تھے پھر شائع ہونے کی اجازت دیتے تھے۔ اس طرح ہر وعظ گویا حضرت کی خود ایک مستقل تصنیف ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے اس بات کی بھی تاکیداً وصیت فرمائی ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں جن تصانیف' مواعظ و ملفوظات پر نظر کر لی ہے بس وہی معتبر ہیں' میرے بعد جو بھی تصنیف میری طرف منسوب کی جائے گی میں اس سے بری الذمہ ہوں۔

حضرت رحمہ اللہ کے وعظ میں خداداد والہانہ انداز ہوتا تھا۔ سننے والوں کے دل روشن ہوتے' ذوق بدلتے' دین کی فہم پیدا ہوتی۔ حق و باطل میں امتیاز' عقائد کی پختگی' دین کی صحیح نظر اور پہچان ایسی پیدا ہوتی کہ بڑے سے بڑے زندقہ والحاد کے پردے چاک ہو جاتے' اوہام و شکوک

سے ذہن پاک وصاف ہو جاتے اور شیاطین ورہزنان طریق کی فریب کاری کا راز فاش ہو جاتا۔ الفاظ و انداز تحریر، مخلوق کی دلسوزی اور خدا تعالیٰ کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہوتے، اس لئے دل میں اتر جاتے اور "از دل خیزد بر دل ریزد" کا مصداق ہوتے۔ (مآثر حکیم الامت)

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے معارف کا آخری باب "اصلاحات" ہے اور یہ خاصہ اہم باب ہے۔ مسلمانوں کی اصلاح کی جو دقیق نظر ان کو بارگاہ الٰہی سے عنایت ہوئی تھی اس کا اندازہ ان کی اصلاحی کتب سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ اصلاح کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ بچوں، طالب علموں اور عورتوں سے لے کر مردوں اور علماء وفضلاء کے حلقہ تک پھیلا ہوا ہے اور سب کیلئے مفید ہدایات کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ دوسری طرف ان اصلاحات کی وسعت کا عالم یہ ہے کہ مجالس ومدارس اور خانقاہوں سے شروع ہو کر شادی وغمی کے رسوم اور روزمرہ کی زندگی تک کو وہ محیط ہیں۔ غرض ایک مسلمان جدھر اپنی زندگی میں رخ کرے ان کے قلم نے شریعت کی ہدایات کا پروگرام تیار کر رکھا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت رحمہ اللہ کی سب سے اہم چیز مواعظ ہیں واعظ تو بحمد للہ زمانہ خیر کے بعد اسلام کی دس بارہ صدیوں میں بے شمار گزرے ہوں گے، مگر شاید واعظین میں ابن نباتہ رحمہ اللہ اور ائمہ سلوک میں حضرت شیخ الشیوخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے مواعظ کے سوا کوئی دوسرا مستند اور مفید مجموعہ موجود نہیں لیکن یہ ان بزرگوں کے صرف چند مواعظ پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس اخیر دور میں امت اسلامیہ کی اصلاح کیلئے بہت بڑا فضل یہ فرمایا کہ حضرت کے مستفیدین کے دل میں یہ ڈالا کہ وہ حضرت کے مواعظ کو جو شہر بشہر ہوئے ہیں عین وعظ کے وقت لفظ بہ لفظ قید تحریر میں لائیں اور حضرت کی نظر سے گزار کر ان کو دوسرے مسلمانوں کے عام فائدہ کی غرض سے شائع کریں۔ چنانچہ اس اہتمام اور احتیاط کے ساتھ تقریباً چار سو مواعظ جو احکام اسلامی، رد بدعات، نصائح دل پذیر اور مسلمانوں کی مفید تدابیر وتجاویز پر مشتمل ہیں اور جن میں حقائق کے ساتھ ساتھ دلچسپیوں کی بھی کمی نہیں مرتب ہوئے اور اکثر شائع ہوئے اور مسلمانوں نے ان سے فائدے اٹھائے۔

سلسلہ اصلاح وتربیت میں حضرت رحمہ اللہ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ عموماً

واعظین صرف عقائد وعبادات پر گفتگو فرماتے ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے ان چیزوں کی اہمیت کے ساتھ مسلمانوں کے اخلاق ومعاملات اور عملی زندگی کے کاروبار کی اصلاح پر زور دیتے ہیں بلکہ اپنی تربیت وسلوک کی تعلیم میں بھی ان پر برابری کی نظر رکھتے تھے حالانکہ عام مشائخ نے اس سبق کو صدیوں سے بھلا دیا تھا۔ (حوالہ بالا)

محترم منشی عبدالرحمٰن خان مرحوم حضرت کے وعظ دنیا وآخرت کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں۔

پیش کردہ مواعظ کے اندر حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے انہی امور کی طرف انسان کی توجہ دلائی ہے اور اس پر نہایت احسن طریقے سے دنیا کی حقیقت' آخرت کی اہمیت اور اعمال صالحہ کی افادیت واضح کی ہے تاکہ وہ غفلت ومعصیت کی دلدل سے نکل کر اپنے سفر آخرت کی تیاری کرے جو ہر انسان کو ہر حالت میں پیش آتا ہے اور جس سے کسی کو مفر نہیں۔ ان میں بعض ایسے رموز ونکات اور حقائق ومعارف بھی آگئے ہیں جن کا مستقل تصنیف میں ملنا مشکل ہے اور جو اپنی انفرادی حیثیت سے نشان راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (دنیا وآخرت)

حضرت رحمہ اللہ کے ملفوظات

حضرت عارفی رحمہ اللہ آپ کے ملفوظات کا تعارف کراتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ایک دوسرا اہم مسئلہ ملفوظات کا ہے۔ بزرگوں کے ملفوظات مرتب کرنے کی رسم قدیم زمانہ سے قائم ہے' یہاں تک کہ چشتیہ حضرات میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری' حضرت قطب الدین بختیار کاکی اور حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ملفوظات بھی موجود ہیں لیکن افسوس ہے کہ اہل شوق اس کام کو پورے استیعاب سے نہ کر سکے کیونکہ ان اکابر کے جو ملفوظات قلمبند ہو سکے وہ چند سال بلکہ چند ماہ سے زیادہ کے نہیں ہیں اور نہ ان کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ لکھنے والوں نے ان کو ان بزرگوں کی نظر کیمیا اثر سے بھی گزارا تھا۔ تاہم چونکہ لکھنے والے خود اہل کمال واہل احتیاط تھے اس لئے ان کی صحت میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا اور وہ اس اختصار کے باوجود بھی ہمارے لئے بڑی خیر وبرکت کی چیزیں ہیں۔

ملفوظات کے اس مبارک سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہمارے حضرت (حکیم

الامت تھانوی) رحمہ اللہ کے ملفوظات بھی ہیں جو تقریباً ساٹھ مجلدات اور رسائل میں مدون ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک انکی نظر سے گزار کر چھاپا گیا ہے اور جن میں سے اکثر حسن العزیز وغیرہ ناموں سے چھپے ہیں۔

ان ملفوظات میں بزرگوں کے قصے' سنجیدہ لطیفے' قرآن وحدیث کی تشریحات' مسائل فقہ کے بیانات' سلوک کے نکتے' اکابر کے حالات' طالب علموں کیلئے ہدایات وتنبیہات' آداب واخلاق کے نکات' اصلاح نفس وتزکیہ کے خبریات وغیرہ اس خوبی اور خوش اسلوبی سے درج ہیں کہ اہل شوق کے دل ودماغ دونوں اس آب زلال سے سیراب ہوتے ہیں۔

چونکہ ہمارے حضرت رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت' قطب الارشاد وحجۃ اللہ فی الارض کے مناصب پر فائز فرمایا تھا' اس لے آپ دیکھیں گے کہ حضرت کی تمام تصانیف و تالیفات خصوصاً مواعظ وملفوظات حضرت کے ان ہی مراتب کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کیلئے ہر شعبہ زندگی میں' دنیا و آخرت کے تمام امور میں' شریعت وطریقت کے ہر مسئلہ میں جو دشواریاں اور اشکالات پیدا ہوتے رہے ہیں ان سب کا حل اور آسان طریقہ عمل حضرت رحمہ اللہ کے ملفوظات میں موجود ہے اور اس قدر تنوعات ہیں کہ جس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ (مآثر حکیم الامت)

مولانا مفتی محمد زید صاحب (انڈیا) تحفۃ العلماء کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی شخصیت اور آپ کے اصلاحی کارنامے مصنفات' مؤلفات' ملفوظات ومواعظ محتاج تعارف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا ملکہ نصیب فرمایا تھا کہ جس کسی مسئلہ کی تحقیق فرماتے تو اس کا حق ادا کردیتے' اس انداز سے بیان فرماتے ہیں کہ ہر طبقہ اسے تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ استشہاد واستخراج اور سرعت انتقال کی اللہ نے وہ صلاحیت نصیب فرمائی تھی کہ وقت کے ابن تیمیہ نظر آتے تھے' کسی مسئلہ کی تنقیح اور اس کے اصول ومقدمات بیان فرماتے تو ابن قیم معلوم ہوتے' تصوف وسلوک کے مباحث بیان کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ جنید وقت وشبلی زماں موتی بکھیر رہا ہے۔ علم عقائد اور مختلف مذاہب کی تردید واسلام کی حقانیت بیان کرنے پر آتے تو ایسا لگتا جیسے رازی

وغزالی کی زبان بول رہی ہے' کسی فقہی مسئلہ کو چھیڑتے تو ایسا لگتا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تمام مجتہدات ومستدلات دلائل عقلیہ ونقلیہ ان کے ذہنوں میں محفوظ ہیں۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ جیسے کچھ بھی تھے ملفوظات ومواعظ میں صاف آئینہ کی طرح نظر آتے ہیں۔ کتنی آیات کی تفسیر اور تفسیری نکات وفوائد ایسے ہیں جو خود حضرت کی تفسیر بیان القرآن میں مذکور نہیں' لیکن ملفوظات ومواعظ کے ضمن میں آ گئے ہیں۔ کتنی علمی مباحث اور فقہی تحقیقات ایسی ہیں جن سے خود حضرت کی مصنفات وفتاویٰ کا دامن خالی ہے لیکن ملفوظات ومواعظ نے انہیں اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ (تحفۃ العلماء جلد اول ص ۱۰'۱۱)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مواعظ علم وحکمت کا خزانہ ہوتے تھے۔ آپ کے وعظ کی مجلس میں زندگی کے ہر طبقہ کے لوگ ہوتے تھے۔ علماء' صلحاء' جج' وکلا' تاجر' شہری' دیہاتی' بوڑھے' جوان' بچے لیکن آپ کے وعظ کا موضوع اور انداز ایسا ہوتا تھا کہ ہر آدمی سمجھتا کہ آپ میرے دل کی بات کہہ رہے ہیں۔

آیات واحادیث کی روشنی میں روزمرہ کی سماجی الجھنوں کا حل' ذاتی زندگی کی پیچیدگیوں کے حل کیلئے مختصر وآسان نسخے' عبادات ومعاملات کے متعلق شرعی مسائل ایسے دلنشین انداز میں بیان فرماتے کہ ہر سطح اور ہر طبقہ کا آدمی اپنے دل ودماغ کا دامن بھر کر اٹھتا تھا۔ شرعی مسائل ومضامین کی تفہیم کیلئے آپ اپنے وعظ میں عام فہم حکایات' اشعار اور لطائف سے بھی کام لیتے تھے۔ اہل علم کیلئے علمی نکات بھی ایسے بیان فرماتے کہ بڑے بڑے اصحاب علم عش عش کر اٹھتے۔

آپ کے مواعظ گویا ایک نفخہ صور تھے جو مردہ دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی روح پھونک دیتے تھے۔ آپ کے مواعظ کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق آپ نے دینی تعلیمات کو مجددانہ اور مصلحانہ انداز میں پیش فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مواعظ سننے اور پڑھنے سے لوگوں کیلئے دین پر عمل کا راستہ آسان ہو گیا اور دل میں نیکی کی امنگ اور اتباع سنت کا ولولہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ جیسے جیسے آپ کے مواعظ کا دائرہ وسیع ہوتا گیا خلق خدا میں انقلاب آتا گیا۔

بے پناہ افادیت وضرورت کے پیش نظر حضرت رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں کئی سارے ماہنامے جاری ہوئے جن کا مقصد فقط یہی تھا کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے مواعظ ومضامین کو شائع کر کے زیادہ سے زیادہ پھیلا جائے۔

ماہنامہ النور ماہنامہ المبلغ اور الامداد تھانہ بھون سے شائع ہوئے۔ دہلی سے الہادی اور الابقاء شائع ہوئے۔ لکھنو سے ماہنامہ الاشرف جاری ہوا اور سہارنپور سے اشرف العلوم شائع ہونے لگا۔ اس طرح گویا پورے برصغیر میں آپ کے فیض تبلیغ وارشاد کی بہار چھا گئی۔ آپ کے مواعظ ومضامین اور ملفوظات شائع کرنے والے ماہنامے ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے اور لوگ پورا مہینہ بڑے کرب واضطراب کے ساتھ رسالہ کے انتظار میں گزارتے۔

پچھلے دنوں ۱۰ دسمبر ۲۰۰۲ء کے روزنامہ اسلام میں شعبہ زراعت کے نامور پاکستانی سائنسدان چوہدری محمد اختر کا انٹرویو شائع ہوا تو اس میں انہوں نے بتلایا کہ شاہ کوٹ میں ہمارا گھر ماموں کے گھر کے سامنے تھا۔ میں جب کالج کی تعلیم کے دوران چھٹیوں میں گاؤں گیا تو اپنے ماموں مولانا کرم الٰہی سے اصلاحی تعلق قائم کیا میرے ماموں حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مرید تھے۔ ان کے پاس حضرت کے مواعظ اور ہر قسم کے اخبارات بھی آتے تو میں وقت گزارنے ان کے ہاں چلا جاتا۔

میرے ماموں نے فرمایا آپ میری تین باتیں مان لیں تو زندگی بدل جائے گی (کیونکہ اس وقت طالب علمی کے زمانہ میں کوٹ پتلون وغیرہ زیب تن رہتی اور داڑھی نہ تھی۔ فرض نماز کبھی نہ چھوڑنا' سو دفعہ روزانہ کلمہ طیبہ کا ورد' حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ پر مشتمل رسالہ ہفت اختر کا روزانہ کچھ نہ کچھ مطالعہ کرلیا کرو۔

چنانچہ میں نے باقی کاموں کے ساتھ ہفتہ اختر کا مطالعہ شروع کردیا جب میں نے حضرت کے وعظ روح القیام اور روح الصیام والا باب پڑھا تو اس نے زندگی بدل کر رکھ دی۔ غیر شرعی بالوں' کپڑوں اور کاموں سے توبہ کرلی۔ یہاں سے میری زندگی بالکل بدل گئی جو اب تک قائم ہے۔

چنانچہ چوہدری محمد اختر صاحب کو عین جوانی کے زمانہ میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے مواعظ کے ذریعہ معرفت الٰہی کو ایسی لو لگی کہ پھر یہی صاحب حضرت حکیم الامت

تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ اجل اور جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز ہوئے۔ (ماخوذ از ماہنامہ محاسن اسلام)

مواعظ حکیم الامت' ایک عمدہ خزانہ

عالم ربانی حضرت مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کبیر والہ نے ارشاد فرمایا۔ بھائی! میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ بھی پڑھا کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت کے مواعظ میں بڑے علوم ہیں۔ پڑھ کے دیکھو' ان شاء اللہ آنکھیں کھل جائیں گی' ان میں ایسے حقائق و دقائق ہیں یہ عربی زبان میں ہوتے تو غزالیؒ اور رازیؒ کے علوم کے برابر ہوتے۔ ماشاء اللہ حضرت کے مواعظ میں بہت کچھ ہے۔

ہمارے استاذ حضرت مولانا ظہور الحق رحمہ اللہ ایک شعر پڑھا کرتے تھے۔

مزا برسات کا چاہو تو ان آنکھوں میں آ بیٹھو
سیاہی ہے' سفیدی ہے' شفق ہے' ابر باراں ہے

آنکھیں ایسی ہی ہوتی ہیں نا بھائی! ان میں سفیدی بھی ہوتی ہے' سیاہی بھی ہوتی ہے' کبھی سرخی بھی ہوتی ہے' اس سے پانی بھی بہتا ہے۔ میں نے اس شعر کو حضرت رحمہ اللہ کے مواعظ پر منطبق کیا ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت کے مواعظ پڑھو! ان شاء اللہ ہر چیز ملے گی۔ واقعات چاہتے ہو واقعات ملیں گے۔ قصص چاہتے ہو قصص ملیں گے' حکایات چاہتے ہو حکایات ملیں گے' اشعار چاہتے ہوئے اشعار ملیں گے' مثالیں چاہتے ہو مثالیں ملیں گی' تفسیر چاہتے ہو آیات کی تفسیر ملے گی' حدیث کی ترجیحات ملیں گی مسائل ملیں گے' ان میں عجیب و غریب علوم ہیں۔

یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں' بس حضرت بیٹھے اور بیان شروع فرما دیا' کئی کئی گھنٹے بیان ہوتا رہتا' ماشاء اللہ علوم کے دریا تھے۔ وعظ کے شروع میں کبھی لکھا ہوتا ہے کہ پچاس کا مجمع تھا اور تین گھنٹے بیان فرمایا۔ اخلاص دیکھئے! ورنہ ہم جیسا آدمی بھی کہتا ہے کہ بڑا مجمع ہو تو بیان کروں۔ حضرت نے پچاس آدمیوں کے سامنے تین گھنٹے بیان فرمایا اور کبھی لکھا ہوتا ہے کہ دس ہزار کا مجمع تھا' ایک گھنٹہ بیان فرمایا۔ اندازہ لگایئے! کس قدر اخلاص تھا؟ اور ماشاء اللہ حضرت نے ہر مسئلے پر بحث کی ہے۔ اکابر کا ذوق بتایا ہے۔

اکابر کا ذوق ایسے ہی معلوم ہوتا ہے، کتابیں پڑھنے سے اور بزرگوں کے پاس بیٹھنے سے بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ تو مواعظ بڑی عمدہ چیز ہیں۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کے مواعظ کو اہتمام کے ساتھ پڑھا کرو۔ (ماہنامہ محاسن اسلام)

شیخ الاسلام کی اہل علم کو نصیحت

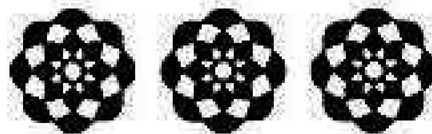
شیخ الاسلام حضرت اقدس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم (شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی) کا سالہا سال سے مستقل معمول ہے کہ آپ ہر سال اختتام بخاری شریف کے موقع پر دورہ حدیث میں شامل ''جوانان سعادت مند'' کو گرانبہا اور قیمتی نصائح سے نوازتے ہیں۔ آپ کی ان نصائح میں سب سے اہم اور مؤکد ترین نصیحت حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ وملفوظات کے مطالعہ سے متعلق ہوتی ہے۔

یہ نصیحت حضرت کس قدر دردمندی و دل سوزی سے فرماتے ہیں اس کا اندازہ حضرت کے الفاظ سے کیجئے۔ میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے اور ملک ملک پھرا ہوں، ہر ملک اور ہر طبقہ کی اردو، عربی، فارسی اور انگلش کی کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔ اصلاح نفس اور اصلاح ظاہر و باطن سے متعلق حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ سے بڑھ کر میں نے کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ اپنی حد سے زیادہ مصروفیات کے باوجود میں ہر روز سونے سے پہلے ان کا تقریباً پانچ منٹ ضرور مطالعہ کرتا ہوں۔ بعض اوقات دل ان میں ایسا لگتا ہے کہ یہ مختصر سا دورانیہ آدھے گھنٹے تک بھی چلا جاتا ہے۔ حضرت کا کوئی نہ کوئی وعظ ہمیشہ میرے سرہانے رکھا رہتا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں انکی افادیت تمہارے دل ودماغ میں کس طرح اتاروں؟

بس! میں آپ سے دست بستہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ میں سے ہر طالب علم حضرت رحمہ اللہ کے مواعظ (خطبات) کو اپنے روزانہ کے معمولات میں شامل کر لے۔ ممکن ہے کہ ابتدا میں آپ کا دل ان میں نہ لگے لیکن آپ جوں جوں آگے بڑھتے جائیں گے ان شاء اللہ دل ان میں کھنچتا چلا جائے گا اور ایک ہی مجلس میں آپ انہیں ختم کرنا چاہیں گے۔

ملاحظہ: حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ وملفوظات کے بارہ میں تفصیلی تعارف ادارہ کی مطبوعہ کتاب ''لطائف اشرفیہ'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔

فہرست مضامین



تصوّف

- ☆ تصوف وطریقت کی ضرورت واہمیت
- ☆ قرآن وحدیث میں مطلوب تصوف کی نشاندہی
- ☆ ظاہر وباطن کی اصلاح کیلئے باطنی تزکیہ کا دستور العمل
- ☆ تصوف کے اہم موضوع پر حکیم الامت رحمہ اللہ کے تجدیدی کارہائے نمایاں کی جھلک
- ☆ شیخ کامل کی علامت' صحبت صالح کی ضرورت واہمیت
- ☆ نفس وشیطان کے حربوں سے تحفظ کی تدابیر
- ☆ تصوف کی اصطلاحات کی دل نشین تشریحات پر مبنی منتخب جواہرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

رحمت خداوندی

قاضی یحییٰ بن اکثم ایک بزرگ ہیں جو بخاریؒ کے شیخ ہیں۔ان کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ ان سے سوال ہو رہا ہے اور عتاب آمیز سوال ہو رہا ہے اور وہ چپ خاموش کھڑے ہیں۔ جب عتاب ہو چکا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں تو حدیث میں پڑھا کرتا تھا کہ "ان اللّٰہ یستحیی من ذی الشیبۃ المسلم" کہ حق تعالیٰ شانہ بوڑھے مسلمان سے حیا فرماتے ہیں اور اس کو بخش دیتے ہیں مگر یہاں تو معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے۔اس پر ارشاد ہوا کہ جاؤ اگرچہ نیکی کچھ نہیں مگر تمہارے بڑھاپے پر رحم کر کے تم کو بخش دیا جاتا ہے۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا ہے۔بے شک ہم کو بوڑھے آدمی پر رحم آتا ہے۔اسی کو شیخ سعدی فرماتے ہیں:

دلم میدہد وقت وقت ایں امید　　　که حق شرم دارد زموئے سفید

(میرا دل ایسے وقت یہ امید دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سفید بالوں سے شرم رکھتے ہیں)

اس سے زیادہ حیرت انگیز دوسری حکایات ہیں کہ یہاں تو قاضی یحییٰ بن اکثم واقعی بوڑھے تھے۔ایک مسخرہ جوان کی حکایت ہے کہ جب مرنے لگا تو اس کو اپنی حالت پر خوف تھا کیونکہ عمل صالحہ کچھ نہ کیا تھا۔اس نے یہ وصیت کی کہ جب مجھ کو غسل و کفن دے چکو تو میری داڑھی پر ذرا سا آٹا چھڑک دینا۔ چنانچہ ورثاء نے وصیت پوری کی۔اس کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ اس سے سوال ہوا کہ تو نے یہ وصیت کیوں کی تھی۔اس نے عرض کیا کہ یا اللہ میرے پاس عمل تو کچھ تھا نہیں' اس لیے اپنی حالت پر اندیشہ تھا اور یہ حدیث میں نے سنی تھی۔"ان اللّٰہ یستحیی من ذی الشیبۃ المسلم" کہ خدا بوڑھے مسلمان سے شرماتا ہے' قسمت سے میں بڑھاپا بھی نہ تھا اور بوڑھا بننا اپنے اختیار میں نہ تھا' تو میں نے یہ وصیت کی کہ میرے بالوں میں آٹا لگا دینا کہ بوڑھوں کی سی صورت تو ہو جائے۔بس اتنی بات پر وہ شخص بخش دیا گیا۔سچ کہا ہے کہ رحمت حق بہانہ می جوید (اللہ تعالیٰ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے)

یہ تو حکایتیں اہل کشف کی ہیں جو خود حجت شرعیہ نہیں مگر حدیث میں بھی ان کی اصل موجود ہے۔ چنانچہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص کو صرف راستہ میں سے کانٹا ہٹا دینے پر بخش دیا گیا۔ جب ان کی اصل حدیث میں موجود ہے تو پھر ان کشفیات کو بھی تائید میں بیان کرنا صحیح ہو گیا کیونکہ کشف کا بھی حکم ہے کہ اگر حدیث و قرآن کے موافق ہو تو قبول ہے ورنہ رد ہے۔ (المراد ج۱۷)

زہد فی الدنیا کے درجے

زہد فی الدنیا کے چار درجے ہیں۔ گو مشہور تو تین ہی درجے ہیں مگر میرے قلب پر اس وقت ایک درجہ اور آیا ہے جو فی نفسہ بزرگوں کے کلام میں مذکور ہے مگر اس سلسلہ میں مذکور نہیں تھا۔ ایک درجہ علم کا' ایک عمل کا' ایک حال کا۔ یہ تو مشہور ہیں اور ایک میں نے بڑھایا ہے کیونکہ حال کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حال راسخ ایک حال غیر راسخ۔ تو میں نے حال میں تفصیل کی ہے کہ ایک درجہ حال غیر راسخ کا اور ایک درجہ حال راسخ کا جس کو سہولت ضبط کے لیے مقام سے تعبیر کرنا چاہیے اور حال غیر راسخ کو صرف حال کہنا چاہیے تو اب چار درجے یوں ہوئے۔ ایک درجہ علم کا' ایک عمل کا' ایک حال کا' ایک مقام کا اور اس کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ لوگوں کو اس میں دھوکا ہو جاتا ہے' بہت لوگ حال راسخ کا فی سمجھتے ہیں اور حال غیر راسخ بمعنی کیفیت غیر دائمہ کچھ کمال نہیں۔ یہ تو اکثر کو پیش آ جاتا ہے۔ اب اگر اسی پر درجات کا خاتمہ کر دیا جائے جیسا کہ تقسیم مشہور میں ہے تو لوگوں کے نزدیک یہی منتہی ہو گا حالانکہ یہ کچھ معتدبہ نہیں جب تک کہ راسخ نہ ہو۔ (غریب الدنیا ج۱)

معرفت کیا ہے؟

اس کا مطلب عارفین نے سمجھا ہے کیونکہ وہی زبان شناس نبوت ہیں۔ ان سے اس کا مطلب پوچھو' خود اپنی طرف سے تفسیر نہ کرو کیونکہ تم نبوت کی زبان نہیں سمجھتے۔

تو ندیدی گہے سلیمان را — چہ شناسی زبان مرغاں را

(جب تو نے سلیمان علیہ السلام کو دیکھا ہی نہیں تو پھر تو پرندوں کی بولیاں کس طرح سمجھے گا)

اس کا مطلب حضرت فرید عطارؒ بیان فرماتے ہیں:

ہر کہ اورا معرفت بخشد خدائے — غیر حق رادر دل اونیست جائے

نزد عارف نیست دنیا راخطر　　　بلکہ برخود نیستش ہرگز نظر
عارف از دنیا و عقبٰی فارغ ست　　　انچہ باشد غیرقولی فارغ ست

(جس کوخدائے بزرگ اپنی پہچان نصیب کردے تو اس دل میں غیراللہ کے لیے کوئی جگہ نہیں' عارف کے نزدیک دنیا کا ہونا نہ ہونا برابر ہے بلکہ خود اپنے وجود ہی کے ہونے نہ ہونے پر نظر نہیں' عارف دنیا و آخرت کے غم سے فارغ ہے اس لیے کہ فرمان الٰہی کے علاوہ جو کچھ ہے اس سے بے تعلق ہے)

فرماتے ہیں کہ معرفت اس کا نام ہے کہ دنیا کی قدر دل میں نہ ہو اور اس سے دل کو خالی رکھو۔ یہ نہیں فرمایا کہ ہاتھ کو بھی خالی رکھو۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

اے پسراز آخرت غافل مباش　　　بامتاع ایں جہاں خوش دل مباش
دربلیات جہاں صبا باش !　　　گاہ نعمت شاکر جبار باش !

(صاحبزادے! فکر آخرت سے غفلت میں نہ رہ' اس جہاں کے سامان زینت سے دل بستگی نہ کر' دنیا کے سرد گرم پر راضی برضا رہ اور ہمیشہ خدا کی نعمتوں کا شکر کرتا رہ)

شیخ فرید عطار رحمتہ اللہ علیہ نے یہ کتاب پند نامہ مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ کو دی تھی۔ چنانچہ مولانا رومیؒ نے اس کتاب کو اپنا دستور عمل بنایا۔ پھر معلوم ہے کہ وہ کس درجہ کے ہوئے۔ اس طرح شیخ فرید عطارؒ مولانا رومیؒ کے استاد ہوگئے۔ مولانا رومیؒ نے بعض مقامات پر ان کی بہت تعریف فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ہفت شہر عشق راعطار گشت　　　ماہنوز اندرخم یک کوچہ ایم

حضرت عطارؒ عشق کے سات شہروں کو طے کر چکے اور ہم تو ابھی تک ایک ہی گلی کے موڑ پر ہیں۔

تو اتنے بڑے شخص کا قول یہ ہے کہ دنیا سے دل نہ لگانا ہی معرفت ہے۔ باقی دنیا کا پاس ہونا مضر نہیں۔ ہاں بے ضرورت سامان جمع نہ کرے۔ فرماتے ہیں:

چیست تقویٰ ترک شبہات وحرام　　　ازلباس و از شراب و از طعام

تقویٰ کیا ہے؟ کھانے پینے' پہننے میں شبہ اور حرام سے بچنے کا نام ہے۔

ہرچہ افزوں ست اگر باشد حلال　　　نزد اصحاب ورع باشد وبال

زائد از ضرورت ہر شے چاہے حلال ہو متقی بندوں کے لیے وبال ہے۔ (غریب الدنیا ج۱)

ہر چیز میں ضرورت کا معیار یہ ہے کہ جس کے بغیر تکلیف ہو وہ ضروری ہے اور جس کے بغیر تکلیف نہ ہو' وہ غیر ضروری ہے اب اگر اس میں اپنا دل خوش کرنے کی نیت ہو تو مباح ہے اور اگر دوسروں کی نظر میں بڑا بننے کی نیت ہو تو حرام ہے۔ اس معیار کے موافق عمل کرنا چاہیے مگر اس سے ہر شخص خود کام نہیں لے سکتا بلکہ اس پر عمل کرنے کے لیے کسی مربی کی رائے کی ضرورت ہے۔ یہاں سے شیخ کی ضرورت معلوم ہوگئی۔ خوب فرمایا کہ

گرہوائے ایں سفر داری دلا　　دامن رہبر بگیر وپس بیا
یار باید راہ راتنہا مرو　　بے قلاوزاندریں صحرا مرو

اے دل! اگر طریق الفت میں تجھ کو چلنے کی خواہش ہے تو کسی شیخ کامل کا پلہ پکڑ اور خود رائی کو چھوڑ دے۔ واقف کار ساتھی کے بغیر اکیلا سفر میں مت چل۔ خصوصاً صحرائے محبت میں تو شیخ کامل کے بغیر ہرگز قدم نہ رکھ۔ اور اس کے لیے کسی سے بیعت ہو جانا کافی نہیں بلکہ اس کی ضرورت ہے کہ اپنے کو اس کے سپرد کر دے۔

چوں گزیدی پیر ہیں تسلیم شو　　ہمچو موسیٰ زہر حکم خضر رو
صبر کن در کار خضرائے بے نفاق　　تانگوید خضر روہذا فراق

جب تو نے شیخ کامل اختیار کر لیا تو سراپا اطاعت بن جا۔ موسیٰ علیہ السلام کی طرح خضر علیہ السلام کے حکم پر چل اے مخلص خضر راہ کے حکم کی علت معلوم کرنے میں جلدی مت کرنا کہ تجھ کو تیرا خضر راہ "هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ" (کہ یہ وقت ہماری اور آپ کی علیحدگی کا ہے) نہ کہہ دے۔

غرض ہر بات کو شیخ سے پوچھو کہ میں یہ کام کرنا چاہتا ہوں' یہ ضروری ہے یا غیر ضروری۔ اس سے پوچھ کر کچھ عرصہ کرو' ان شاء اللہ ایک دن تم بھی محقق ہو جاؤ گے۔ (غریب الدنیا ج ۱)

تصوف کی کنجی

مگر پیر کو پہلے دیکھ لو۔ ہر شخص کے ساتھ نہ ہو جاؤ۔ اس فرقے میں راہزن بہت ہیں۔ پیر کامل ہو۔ متبع سنت ہو۔ متبع شیطان نہ ہو۔ کامل مکمل ہو اور جامع ہو ظاہر و باطن کا۔ نہ ظاہر اس کا خلاف شرع ہو نہ باطن خوب پرکھ لو اس میں جلدی نہ کرو۔ اس میں جتنی دیر لگے گی اتنا ہی نفع زیادہ ہوگا۔ جب ایسا پیر مل جاوے تو ہمہ تن اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دو۔ اور وہ جو کچھ بتلاوے اسی کو صحیح سمجھ لو۔ کچھ اس میں شک وشبہ نہ کرو۔ اس کے حکم کو خدا کا حکم سمجھو اور یہ

پیر پرستی نہیں۔ وہ خدا نہیں ہے بلکہ یہ اس واسطے کہا جاتا ہے کہ وہ جو کچھ بتاتا ہے وہ خدا اور رسولؐ ہی کا حکم ہوتا ہے اور سب قرآن وحدیث کے موافق ہوتا ہے۔ (آخرالاعمال ج ۲)

مقام کی وضاحت

اصطلاح صوفیہ میں جس کو مقام کہتے ہیں اور جس کا مجھے انتہائی درجہ بیان کرنا ہے وہ یہ نہیں ہے۔ بلکہ نیک کام اختیار کرنے کو مقام کہتے ہیں اور اتنی ہی تخصیص اور ہے کہ نیک کام سے مراد بھی عمل باطنی ہے۔ عمل ظاہری کو مقام نہیں کہتے۔ مثلاً نماز پڑھنے کا کوئی عادی ہو گیا اور اچھی طرح اس کی تکمیل کر لی تو ان کی اصطلاح میں اس کو مقام نماز کے طے کرنے والا نہ کہیں گے۔ بلکہ اعمال باطنہ کا نام مقام ہے۔ جیسے تواضع یعنی اپنے آپ کو کم تر سمجھنا یا اخلاص یعنی عمل کو بلا کسی غرض کے کرنا یا جیسے صبر و شکر، رضا توحید وغیرہ جن کی تفصیل کتب فن میں موجود ہے۔ ان کے حاصل کرنے کو سلوک مقامات کہتے ہیں۔ تو جب کہیں فلاں شخص نے مقام تواضع طے کر لیا تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ اس ملکہ کی تکمیل کر لی۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس! (آخرالاعمال ج ۲)

مقام رضا

غرض مقام رضا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ہر فعل سے عقلاً راضی ہو گو طبعاً ناگواری بھی محسوس ہو۔ جیسے بیٹے کے مرنے سے رنج ہوا اور آنسو بھی نکل آئے مگر عقلاً جانتا ہے اور اچھی طرح یہ بات ذہن نشین ہے کہ ٹھیک وہی ہے جو حق تعالیٰ نے کی ایسے شخص کو مقام رضا حاصل ہے۔ (آخرالاعمال ج ۲)

اہل اللہ کے حالات

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ بارش ہوئی تو انھوں نے کہا آج کیا موقع پر بارش ہوئی ہے۔ الہام ہوا کہ او بے ادب اور بے موقع کب ہوئی تھی۔ بس ہوش ہی تو اڑ گئے کہ کیا تھا شکر اور ہو گئی گستاخی اور جواب طلب ہے۔ یہ ان کے مواخذے ہیں اور ہم لوگ یہ لفظ ہیں تو شکر ہو اور باعث ثواب ہو۔ دیکھئے لفظ آج پر یہ عتاب ہو گیا۔

ایک بزرگ کے وقت میں بن میں بارش ہوئی تو انہوں نے کہا کہ یہ بارش بستی میں ہوتی تو کیا اچھا ہوتا۔ بس اس لفظ پر اپنے رتبے سے گرا دیئے گئے مگر ان کو خبر نہ ہوئی۔ یہاں

سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ ہر واقعہ کی خبر اولیاء کو ہو جانا ضروری نہیں۔ لوگ اولیاء کو جانے کیا سمجھتے ہیں گو اپنے متعلق اکثر تو ہو جاتی ہے کبھی نہیں بھی ہوتی۔ چنانچہ ان بزرگ کو نہ ہوئی۔ دوسرے ایک بزرگ کو معلوم ہو گیا وہ ان سے ملنے آئے تھے مگر اس سے اس کو ظاہر نہ کیا اور وہاں سے جانے کے بعد ایک اور شخص سے کہا کہ ان پر عتاب ہے اس کلمہ کی وجہ سے۔ اس نے کہا آپ نے ان سے اس کو ظاہر کیوں نہ کر دیا کہا مجھے شرم آئی اور خیال کیا کہ ان کا دل برا ہوگا انہوں نے اجازت چاہی کہ میں ظاہر کر دوں انھوں نے اجازت دے دی۔ انہوں نے ظاہر کر دیا ان کی بری حالت ہوگئی اور فرمائش کی کہ اس کی تدبیر میں میری مدد کرو اور وہ علاج یہ کیا کہ رسی باندھ کر مجھے گھسیٹو چنانچہ ایسا کیا گیا اللہ اکبر! یہ ایک شیخ وقت کے حالات ہیں

ایں چنیں شیخ گدائے کو بکو

یہ حالتیں اہل اللہ پر گزرتی ہیں (آخر الاعمال ج ۲)

سلوک میں مقام فنا

بعض نے اخیر مقام فنا کو کہا ہے اور فنا کے معنیٰ موت نہیں ہے کبھی کوئی سمجھے کہ خودکشی کرلو بس سارے مقام طے ہوگئے۔ موت تو حیات کا آخر ہے۔ مقامات سلوک کا آخر نہیں۔ بلکہ فنا سے مراد معاصی و نامرضیات کے متعلق تقاضائے نفس کا فنا ہو جانا ہے نفس کا جب تک تقاضا فنا نہیں ہوا۔ اس وقت تک وہ فضولیات میں شہوات میں! اغراض میں مبتلا کرتا ہے۔ یہ باتیں جاتی رہیں اس کا نام فنا ہے اور تقاضے کا لفظ اس واسطے کہا کہ معاصی کی طرف نفس کا میلان بالکل جاتا رہنا ضروری نہیں البتہ نفس کا تقاضا کھونے کی ضرورت ہے اور یہ بات مجاہدہ سے حاصل ہو جاتی ہے۔ مجاہدہ سے نفس ایسا رام ہو جاتا ہے جیسے شائستہ گھوڑا کہ قابو میں آ جاتا ہے اور سوار کا مطیع ہو جاتا ہے اور اس کی قوت اور دوڑ دھوپ سب باقی رہتی ہیں۔ ہاں اتنا فرق ہو جاتا ہے کہ پہلے دوڑ دھوپ اپنی خواہش کے موافق تھی اور اب سوار کے موافق ہوگئی۔ (آخر الاعمال ج ۲)

مقصود حال نہیں اعمال ہیں

صاحبو! حال پیدا کرو بدوں حال کے کام نہیں چل سکتا۔ گو حال مقصود نہیں بلکہ مقصود اعمال ہیں، اگر بدوں حال کے بھی آدمی عمل پر جما رہے تو کامیاب ہو جائے گا مگر بدوں حال

کے عمل پر استقامت دشوار ہے اسکی ایسی مثال ہے جیسے ریل کو آدمی ٹھیلتے ہوں۔ آخر کہاں تک ٹھیلیں گے، تھوڑی دور چل کر رہ جائیں گے۔ پھر کچھ بھی حرکت نہ ہوگی اور حال کے ساتھ عمل کی ایسی مثال ہے جیسے انجن کی اسٹیم گرم ہوا اور وہ ریل کو لئے جا رہا ہو اب وہ بدوں روکے ہوئے تھوڑا ہی رکے گا۔ اگر اس کے روکنے کو راستہ میں لکڑ اور پتھر بھی رکھ دو گے تو وہ سب کو پھینک پھانک چل دے گا۔ عراقی اسی کی طلب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

صنما! رہ قلندر سزدار بمن نمائی — کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

''میرے مرشد مجھے تو طریق جذب کا رستہ دکھلا دے کیونکہ ریاضت و محنت کا راستہ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے''

رہ قلندر سے مراد طریق حالی ہے اور رسم پارسائی سے عمل محض کا طریق مراد ہے تو فرماتے ہیں کہ طریق عمل محض تو بہت دور دراز ہے اس میں غوائل بہت ہیں، آدمی کہاں تک اپنے کو ٹھیلتا رہے اور کہاں تک خلوص و اخلاص کی رعایت کرے، کبھی ریاء پیدا ہوتا ہے کبھی عجب پیدا ہوتا ہے سب سے الگ الگ کہاں تک بچے۔ چنانچہ اسی کو آگے فرماتے ہیں:

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم نداوند — کہ برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

بزمیں چو سجدہ کردم زز میں ندا برآمد — کہ مرا خراب کردی تو بسجدہ ریائی

بقمار خانہ رفتم ہمہ پاکباز دیدم — چو بصو معہ رسید ہمہ یافتم رہائی

''طواف کعبہ کے لیے میں گیا تو مجھے حرم کے در پر روک کر کہا کہ باہر کیا ہی کیا ہے جو اندر آ کر پورا کرنے کی آرزو ہے۔ جب زمین پر میں نے سجدہ کیا تو زمین پکاری مجھ کو تو نے ریائی سجدہ کر کے گندہ کر دیا' میں جوئے خانہ میں پہنچا تو وہاں سب کو جوئے کے عہدوں پر مخلص پایا' عبادت خانہ میں گیا تو اکثر کو خلوص سے خالی پایا۔''

غرض اخلاق عمل بدوں حال کے بسہولت نصیب نہیں ہوتا اور حال بدوں کسی شیخ کی صحبت کے حاصل نہیں ہوتا۔

نفس نتواں کشت الاظل پیر — دامن آں نفس کش راسخت گیر

''نفس کا شیخ کامل کی سرپرستی کے سوا قابو میں آنا مشکل ہے اس مصلح نفس کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لے''

بدوں طریق حالی کے ہوائے نفس کا غلبہ رہتا ہے۔ محض عمل میں نفس نہیں رہتا بلکہ غلبہ حال ہی سے دبتا ہے اور حال کیونکر پیدا ہوتا ہے دوام عمل اور کسی قدر ذکر اور صحبت کاملین سے' میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ان تین چیزوں کو اختیار کرلو' انشاء اللہ حال پیدا ہو جائے گا۔

پھر ضرورت ہے اس کے ابقاء کی' پھر ترقی کر کے یہی حال مقام ہو جائے گا اور دونوں میں یہ فرق ہوگا کہ صاحب مقام کی حالت تو ظاہر میں عوام متدین کی طرح ہوگی اور باطناً اس کو ترقی ہوگی۔ منتہی کی حالت یہ ہوجاتی ہے کہ دل سب سے الگ اور ہاتھ میں سب کچھ۔ اگر سلطنت بھی اس کے ہاتھ میں ہوتو اس سے بھی دل کو تعلق نہیں ہوتا۔ اگر ہزاروں لاکھوں روپے بھی اس کے پاس ہوں تو دل کو ان سے ذرا بھی لگاؤ نہیں ہوتا' جب اس سے کہا جائے کہ اٹھو چلو' اسی وقت سب کو چھوڑ کر الگ ہو جائے گا کیونکہ وہ اس کو اپنا مال ہی نہیں سمجھتا۔ اس پر تو ہر وقت یہ حال غالب ہے۔

فی الحقیقت مالک ہر شے خداست — ایں امانت چند روزہ نزد ماست

''حقیقت میں ہر چیز کا مالک تو خدا ہی ہے ہمارے پاس یہ چیزیں کچھ دنوں کے لیے امانت ہیں۔''

(غریب الدنیا ج ۱۷)

حدیث میں اسی مسافر سے تشبیہ ہے جسکی یہ شان ہو اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے۔

اسلام کی ابتداء اور انتہا

ان الاسلام بدء غریبا وسیعود غریبا فطوبیٰ للغرباء

کہ اسلام غریب ہو کر ظاہر ہوا اور اخیر میں بھی غریب ہو جائے گا۔ یہاں غریب کے معنیٰ مسکین نہیں کیونکہ دین کسی حال میں مسکین نہیں تھا۔ اگر مسکین ہوتا مالداروں کی خوشامد کرتا' ان سے دبتا۔ حالانکہ اسلام نے تو شروع ہی سے متکبرین کو نیچا دکھایا ہے ان کے آلہہ باطلہ کی صاف صاف مذمت کی ہے اور ان کو اپنی اتباع واطاعت کی دعوت دی ہے مسکین کہیں ایسے بھی ہوتے ہیں۔ ہاں ابتداء میں دین بے یارو بے مددگار اور اجنبی البتہ تھا کہ لوگوں نے اس کا ساتھ کم دیا۔ زیادہ آدمیوں نے مخالفت ہی کی۔ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اخیر میں بھی دین اجنبی اور بے یارومددگار ہو جائے گا کہ لوگ زیادہ تر اس کی مخالفت کریں گے' موافقت نہ کریں گے۔ ''**فطوبیٰ للغرباء**'' یعنی مبارکباد ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو اس حالت میں دین پر جمے رہیں اور دنیا میں اجنبی اور بے یارومددگار بن کر رہیں کیونکہ جس

زمانہ میں دین کی مخالفت ہوگی اہل دین کی بھی ضرور مخالفت ہوگی۔اس وقت اہل دین بھی غرباء ہوں گے۔یعنی بے یارومددگاراور یہ لوگ اہل حق ہیں جوحق پر جمے رہتے ہیں اور جس طرح وہ غرباء ہیں اسی طرح وہ غرباء کی طرح رہنے کا قصد بھی کرتے ہیں جس کی تعلیم اس حدیث میں ہے اس لیے ان کو کسی کی مخالفت کی پروانہیں ہوتی کیونکہ وہ تو ''کن فی الدنیا کانک غریب'' پر عمل کر کے دنیا میں اپنے کو بے یارومددگار سمجھتے ہیں۔وہ خدا کے سوا کسی کو اپنا ساتھی نہیں سمجھتے۔لہٰذا کسی کی مخالفت سے ان کو رنج نہیں ہوتا۔اگر تمام دنیا ان کو چھوڑ دے جب بھی ان کے حال میں فرق نہیں آتا۔وہ سب سے آزاد ہیں ان کی وہ حالت ہوتی ہے۔

زیر بارند درختاں کہ ثمر ہا دارند اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

''جو درخت پھل پھول والے ہیں بوجھ میں دبے ہوئے ہیں' سرو کتنا اچھا ہے جو ہر قسم کی خوشی وغمی سے آزاد ہے'' (غریب الدنیا ج۱)

شان صحابہ رضی اللہ عنہم

عارف وصحابہ کی عبادت اور ہماری عبادت کا فرق مراتب کا یہی راز ہے۔عارف وصحابہ کی عبادت خواہ مالی ہو یا بدنی اس کے مقابلہ میں کسی کی عبادت نہیں ہوسکتی۔صحابہ کی عبادت میں کیا بات زیادہ ہے؟ وہی علم وخلوص عارف کی دو رکعتیں ہماری دو لاکھ رکعتوں سے بہتر وافضل ہیں اس لیے کہ علم واذعان اور خلوص اس میں اس قدر پایا جاتا ہے جو ہماری عبادت میں کبھی پیدا نہیں ہوسکتا۔حضرت مرشدی نے فرمایا تھا کہ عارف کی دو رکعت غیر عارف کی لاکھ رکعت سے بہتر وافضل ہیں۔حضرت نے یہ غلط نہیں کہا اور نہ اس میں مبالغہ ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میرا صحابی آدھا مد غلہ خیرات کرے وہ احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے۔اگر اس حدیث کی بناء پر آدھ سیر غلہ کے مقابلے میں آدھ سیر سونا لیا جائے اور اس کی نسبت سے احد پہاڑ کو دیکھیں تو نسبت معلوم ہوگی کہ کیا ہے اور اگر یہ نسبت اس طرح لی جائے کہ بجائے آدھ سیر غلہ کے اس کی قیمت لے کر پھر سونے کی قیمت سے موازنہ کیا جائے تو اور زیادہ نسبت حاصل ہوگی اور یہ ثواب کی زیادتی صرف علم معرفت کی زیادتی سے ہے اور اس سے اچھی طرح صحابہ کی عبادت اور ہماری عبادت کی نسبت معلوم ہوسکتی ہے۔(تذکیر الآخرۃ ج۱)

عارفانہ زندگی

جولوگ عارف باللہ ہوتے ہیں انہیں ایسے تکلفات سے غرض نہیں ہوتی سادہ زندگی رکھتے ہیں اور عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور انکے قلب میں اس سامان کی وقعت ہوتی ہے۔ (تذکیراآ خرہ ج ۱)

مسئلہ سماع

حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ کی قبر پر سماع وقوالی نہیں ہوتی، محض قرآن خوانی ہوتی ہے۔اس کی وجہ بھی یہی بتلائی جاتی ہے کہ شیخ متبع سنت بہت تھے اس لئے قبر پر قوالی نہیں ہوتی اس جواب میں ان لوگوں نے یہ تسلیم کرلیا کہ سماع اور قوالی اور پختہ قبر بنانا یہ سب افعال خلاف سنت ہیں۔ جبھی تو تم اس بزرگ کی قبر پر یہ نہیں کرتے جس کو کامل متبع سنت سمجھتے ہو۔ گو یہ لوگ اس نیت سے کہ یہ امور خلاف سنت ہیں یہ جواب نہ دیتے ہوں مگر سچی بات تو بے ساختہ منہ سے نکل ہی جاتی ہے اور اہل انصاف تو صاف صاف اپنی غلطی کا اقرار کر لیتے ہیں۔

چنانچہ میں ایک بار حضرت شاہ سلطان نظام الدین قدس سرہٗ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اس وقت وہاں پر سماع کا سامان جمع کیا جا رہا تھا۔ میں فاتحہ پڑھ کر چلنے لگا، تو اہل سماع نے مجھے روکا کہ آپ سماع میں شریک کیوں نہیں ہوتے۔ آپ بھی تو چشتی ہیں اور چشتیہ تو سب صاحب سماع ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اس لئے شریک نہیں ہوتا کہ سلطان جی ناراض ہو جائیں گے۔ کہا کیوں؟ سلطان جی تو خود صاحب سماع تھے۔ میں نے کہا، ہاں! مگر سلطان جی نے اپنے رسالہ فوائد الفواد میں سماع کی چار شرطیں لکھی ہیں۔

۱۔سامع ۲۔مسمع ۳۔مسموع ۴۔آلہ سماع

سامع کے متعلق فرمایا ہے کہ ''اہل ہوی وشہوت نباشد''۔ اور مسمع کی نسبت ارشاد ہے کہ ''مرد تمام باشد، زن وکودک نباشد''۔ اور مسموع میں شرط لگائی ہے کہ ''ہزل وفحش نباشد''۔ اور آلہ سماع کے باب میں فرمایا ہے کہ ''چنگ ورباب درمیان نباشد''۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ یہاں یہ شرائط مجتمع نہیں۔ تو مجھ میں حضرت کے ناراض کرنے کی ہمت نہیں۔ پس یہ جواب سن کر سب شرمندہ ہو گئے۔ اگر میں عام مولویوں کی طرح وہاں بحث کرنے لگتا کہ سماع مطلقاً حرام ہے تو کوئی میری بات کو نہ سنتا

مگراس نرمی کے جواب کا یہ اثر ہوا کہ سب نے اقرار کرلیا کہ واقعی تم سچ کہتے ہو اور جیسا سماع ہم سنتے ہیں وہ بزرگوں کی شرائط کے خلاف ہے۔ (الفاظ قرآن ج ۲)

اہل اللہ کی باتیں

ایک بادشاہ کسی بزرگ کی زیارت کو گئے۔ خانقاہ کے دروازہ پر پہنچے تو دربان نے روک دیا کہ میں اول شیخ کو اطلاع کردوں۔ اگر اجازت دے دی تب اندر جانا۔ بادشاہ کو دربان کی یہ حرکت سخت ناگوار ہوئی مگر چونکہ معتقدانہ آیا تھا اسی لئے خاموش رہ گیا۔ دربان نے شیخ کو اطلاع کی کہ بادشاہ سلامت زیارت کو آنا چاہتے ہیں وہاں سے اجازت ہوگئی۔ جھلایا ہوا تو تھا ہی بزرگ کے سامنے جاتے ہی برجستہ یہ مصرع پڑھا کہ ؎

در درویش را درباں نہ باید — بزرگ نے فی البدیہہ جواب دیا۔

بباید تا سگ دنیا نیاید — بادشاہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

اسی طرح جب شاہ جہاں حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کی زیارت کو گئے تو شیخ پہلے تو پیر سمیٹے ہوئے بیٹھے تھے۔ بادشاہ کے پہنچنے پر پیر لمبے کرکے بیٹھ گئے۔ بادشاہ کے ساتھ ایک عالم بھی تھے۔ انہوں نے اس حرکت سے نفرت ظاہر کرتے ہوئے سوال کیا کہ آپ نے پیر لمبے کب سے کردیئے شیخ نے فی البدیہہ جواب دیا کہ جب سے ہاتھ سمیٹ لئے۔ (الفاظ قرآنی ج ۲)

اہل علم کو خطاب

میں علماء سے خاص طور پر کہتا ہوں کہ اپنے اندر یہ مذاق پیدا کرو اور اپنے اعمال واخلاق کو درست کرو۔ کہاں کے مناصب اور کیسی امامت؟ یاد رکھو! تم قوم کے ذمہ دار ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے ان افعال کی وجہ سے لوگ دین کو ذلیل سمجھنے لگیں۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ان حرکات پر یہ نتیجہ بدمرتب ہورہا ہے۔ لوگوں نے علماء کی طمع اور پارٹی بندی کی وجہ سے علم دین کو ذلیل سمجھ رکھا ہے۔ تم نے ہی قوم کو ڈبویا ہے۔ تم نے ہی ان کے اعمال کو خراب اور ستیاناس کیا ہے۔ جب عوام علماء کو پارٹی بندی کرتے دیکھیں گے تو بتلاؤ کیا وہ پارٹی بندی نہیں کریں گے۔ ضرور کریں گے پھر ان کی اصلاح کے لئے ہمارا کیا منہ رہے گا۔

صاحبو! تم مسلمانوں کے خادم ہو مخدوم نہیں ہو۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ راستہ میں چلتے

ہوئے کسی عامی کا سامنا ہو تو تم اس کو خود سلام نہیں کرتے بلکہ اس کے سلام کے منتظر رہتے ہو۔ یہ بھی وہی حب جاہ ہے کہ تم اپنے کو بڑا سمجھتے ہو۔ کہاں تک رووٴں؟ ہزاروں باتیں ہیں۔ بقول شاعر ؎

یک تن و خیل آرزو دل بچہ مدعا دہم　　　تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

ایک بات ہو تو اس کو رو دیا جائے۔ افسوس! ہم تو سر سے پیر تک ذمائم میں غرق ہیں۔

صاحبو! ہمارے اکابر تو ایسے نہ تھے بلکہ ان کی تو یہ حالت تھی کہ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار چارپائی کی پائینتی کی طرف بیٹھے ہوئے تھے کہ خط بنانے کو حجام حاضر ہوا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ بھائی بیٹھ جاوٴ۔ اس نے کہا، حضرت! میں تو سرہانے نہیں بیٹھ سکتا۔ آپ سرہانے بیٹھ جائیں تو میں بیٹھوں فرمایا، تو پھر اس وقت چلا جا۔ جب تو مجھے سرہانے بیٹھا ہوا دیکھے اس وقت آ کر حجامت بنا دینا۔ میں کہاں جھگڑا کروں کہ پائینتی چھوڑ کر سرہانے جا کر بیٹھوں۔ ایک دوسرے بزرگ اس وقت موجود تھے انہوں نے حجام سے کہا کہ ارے! یہ سرہانے نہیں بیٹھیں گے۔ تو ہی بیٹھ جا۔ صاحبو! ہمارے اکابر تو اس شان کے تھے۔ (الفاظ قرآنی ج ۲)

مجذوبوں کی مثال ایسی ہے جیسے سپاہی اور کوتوال کہ ان کے سپرد شہر کا انتظام ہوتا ہے شہر کے تمام حالات کی ان کو اطلاع ہوتی رہتی ہے۔ اور سالک کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کا محبوب کہ اسے شہر کے حالات کی کچھ خبر نہیں ہوتی کہ کیا ہو رہا ہے۔ ہاں بادشاہ کا مزاج شناس اس درجہ ہوتا ہے کہ کوتوال کو اس کی ہوا بھی نہیں لگتی۔ (تعیم التعلیم ج ۲)

صحبت کی ضرورت

اگر کسی سے تعلیم و تعلم کا مشغلہ بالکل ہی نہ ہو سکے اس کو چاہئے کہ کم از کم علماء سے ملتا جلتا رہے اور ان سے دین کے مسائل پوچھتا رہے اور ان کی صحبت میں کچھ عرصہ تک مقیم رہے بلکہ یہ ایسی چیز ہے کہ علم میں مشغول ہونے کے ساتھ بھی اس کو اختیار کرنا چاہیے۔ فقط کتابیں پڑھ لینے پر کفایت نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ ایک چیز ایسی ہے جو بدون صحبت کے حاصل نہیں ہوتی وہ دین کی مناسبت ہے۔ دین کے ساتھ تعلق اور مناسبت بدون صحبت کے نہیں ہوتی۔ صحبت کا وہ اثر ہے جس کو شیخ سعدیؒ نے بیان فرمایا ہے ؎

گلے خوشبو ے درحمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکے یا عبیرے — کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گل ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہم نشیں درمن اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

دیکھئے گلاب کے پاس رہنے سے مٹی میں خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔اسی طرح اہل محبت کے پاس رہنے سے خدا کی محبت اور دین کے ساتھ مناسبت حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت صحبت ہی کی وجہ سے ہوئی۔ کہ آج کوئی امام اور فقیہ اور کوئی بڑے سے بڑا ولی ادنیٰ صحابی کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ حالانکہ وہ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے بلکہ بہت سے علوم تو صحابہ کے بعد پیدا ہوئے۔ان کے زمانہ میں ان علوم کا پتہ بھی نہ تھا جو آج کل کثرت سے موجود ہیں۔ انکا یہی کمال تھا کہ وہ ان علوم میں مشغول نہ ہوئے تھے کیونکہ

دلفر یبان نباتی ہمہ زیور بستند — دلبر ماست کہ با حسن خداداد آمد
زیر باراند درختہا کہ ثمر ہا دارند — اے خوشا سرد کہ از بند غم آزار آمد

پس صحابہ کا بڑا کمال یہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ان کو نصیب تھی۔ پس یاد رکھو کہ صحبت بدون علم متعارف کے مفید ہو سکتی ہے۔مگر علم متعارف بدون صحبت کے بہت کم مفید ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج کل بہت سے علماء نظر آتے ہیں مگر ان میں کام کے علماء دو چار ہی ہیں۔جن کو کسی کامل کی صحبت نصیب ہوئی ہے۔(تعمیم التعلیم ج۲)

استغراق غیر مقصود ہے

محویت واستغراق کے غیر مقصود ہونے کی دلیل یہ ہے کہ نصوص میں اس کی فضیلت کہیں وارد نہیں ہوئی بلکہ حدیث میں تو خشوع کی یہ حقیقت بتلائی گئی ہے۔

من تو ضاء فاحسن الوضؤ ثم صلی رکعتین مقبلا علیهما بقلبه لایحدث فیهما نفسه غفر له ماتقدم من ذنبه او کما قال.

(جس نے وضو کیا اور اچھی طرح کیا پھر دو رکعت اس طرح پڑھے کہ دل سے ان پر متوجہ ہو اور ان میں اپنے نفس سے باتیں نہ کرے، وہ جنت میں داخل ہو گا ۱۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا **لاتتحدث فیهما نفسه** (کہ اس کا دل بھی باتیں نہ کرے)

بلکہ لایحدث فیھما نفسہ فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اختیار سے وساوس نہ لائے گو خود آ جائیں اس کا مضائقہ نہیں۔ اور جب وساوس کا آنا مذموم نہیں تو اس کا نہ آنا مطلوب بھی نہیں۔ ہاں وسوسہ کا از خود لانا مطلوب ہے۔ پس جو خود وسوسہ نہ لاتا ہو اس کو مطلوب حاصل ہے اب اس کو یہ چاہنا کہ بلا قصد بھی وساوس نہ آیا کریں غیر مقصود کی طلب ہے۔

احادیث میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا وسوسہ کی شکایت کرنا وارد ہے۔ جس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی ایسا وظیفہ نہیں بتلایا جس سے وساوس کا آنا بند ہو جائے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عدم التفات کا امر فرمایا ہے:

بقوله ذالک صریح الایمان وبقوله فلیستعذ بالله ولینته.

جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے کو ذکر کی طرف متوجہ کر دے اور وسوسہ کی طرف التفات نہ کرے یعنی از خود اس طرف متوجہ نہ ہو یہی مفہوم ہے لینتہ کا نہ یہ کہ اس کی نفی کی طرف متوجہ ہو۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ وساوس کا نہ آنا مطلوب نہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مطلوبیت کو ظاہر فرماتے۔

شاید اس پر کوئی یہ شبہ کرے کہ گویا احادیث سے وسوسہ پر مواخذہ نہ ہونا معلوم ہوتا ہو مگر قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ وسوسہ پر بھی مواخذہ ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولقد خلقنا الانسان ونعلم ماتوسوس به نفسه

اس سے ظاہر میں شبہ ہوتا ہے کہ وسوسہ پر مواخذہ ہے چنانچہ بہت آیتوں میں **یعلم ماتفعلون** وغیرہ عنوانات کی دلالت اس پر متفق علیہ ہے۔ مگر اس شبہ کا منشاء عدم تدبیر ہے۔ اور قرآن میں اکثر اشکالات جو پیش آتے ہیں وہ سیاق وسباق میں غور نہ کرنے ہی سے وارد ہوتے ہیں ورنہ قرآن کے مضامین پر کوئی اشکال وارد نہیں ہو سکتا۔ واقعی **بینات من الھدی والفرقان** ہے مگر کس کے لئے، تدبیر کرنے والوں کیلئے۔ **کتاب انزلنا الیک مبارک لیدبروا ایاته** اب سنیئے کہ نعلم ماتوسوس بہ نفسہ سے یہ اشکال کیوں پیدا ہوا۔ منشا اشکال کا یہ ہے کہ لوگوں نے اس کو عتاب پر محمول کیا ہے کہ گویا حق تعالیٰ یوں فرمار ہے ہیں کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم اس کے وساوس قلبیہ کو خوب جانتے ہیں۔ اس لئے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ان وساوس کی کسی کو خبر نہیں۔ جیسے نحن اعلم بما

یصفون اور نحن اعلم بما یقولون وغیرہ میں عتاب ہے مگر سیاق وسباق میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جملہ کو عتاب سے کوئی تعلق نہیں۔ (کوثر العلوم ج ۲)

خشیت خداوندی

خشیت کے بارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

واسئلک من خشیتک ماتحول بہ بینی و بین معاصیک

اے اللہ! میں آپ کا خوف اتنا چاہتا ہوں جس سے مجھ میں اور معاصی میں رکاوٹ ہو جائے۔ اس سے زیادہ خشیت کو آپؐ نے طلب نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ اس کا زیادہ غلبہ مقصود نہیں وجہ یہ ہے کہ غلبہ خشیت بعض دفعہ جسمانی تکالیف کھڑی ہو جاتی ہیں۔ جسم حزن وغم سے گھلنے لگتا ہے۔ نیز بعض دفعہ حدود سے تجاوز ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی غلام پر آقا کا خوف بہت غالب ہو ہو تو اس کے سامنے جاتے ہی اس کے ہاتھ پیر بھول جاتے ہیں۔ پھر چاہتا کچھ ہے کرتا کچھ ہے۔ زبان سے بھی بے تکی باتیں نکلتی ہیں۔ کہنا کچھ چاہتا ہے اور زبان سے کچھ کا کچھ نکلتا ہے نیز بعض دفعہ اس غلبہ خشیت سے مایوسی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے ایسا غلبہ کمال نہیں اور اس لئے کاملین پر ایسا غلبہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام غالب علی الکیفیات ہوتے تھے مغلوب نہ ہوتے تھے ہاں گاہے کاملین پر بھی غلبہ ہوتا ہے مگر وہ زیادہ دیر تک نہیں رہتا۔ تھوڑی دیر کو ہوتا ہے پھر حق تعالیٰ جلدی ہی خود سنبھال لیتے ہیں اور واقعی ناقص کی سنبھال تو کاملین کے ذریعہ سے ہو جاتی ہے۔ کاملین کی سنبھال کون کرے سوا خدا تعالیٰ کے پس ان کو خود ہی سنبھالتے ہیں۔

اوبد وزد خرقۂ درویش را   اوبدلہا ہم نماید خویش را

یعنی حق تعالیٰ ہی خود اپنے کو عشاق کے سامنے ظاہر بھی فرماتے ہیں اور خود ہی ان کے نقص کو بھی کمال سے مبدل فرماتے ہیں۔ (کوثر العلوم ج ۲)

حصول خشیت کا طریقہ

باقی اور اصل مقصود وہ علم ہے جس کے ساتھ قلب میں خشیت بھی پیدا ہو۔ اس کا حاصل کرنا بھی ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے۔ مگر عادتاً یہ بدوں صحبت شیخ کے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے لیئے قال و قیل کو کچھ دنوں کے لیے ترک کرنا اور کسی شیخ کی جوتیاں سیدھی کرنا شرط ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

از قال وقیل مدرسہ حالے ولم گرفت　　　حالے امالہ ہے حالا کا

از قال وقیل مدرسہ حالے ولم گرفت ☆ یک چند نیز خدمت معشوق می کنم

(مدرسہ کے قیل وقال سے اب میرا دل رنجیدہ ہوگیا۔اب کچھ دنوں شیخ کامل کی خدمت کرتا ہوں۔)

قال رابگذار و مرد حال شو　　　پیش مرد کاملے پامال شو

(یعنی قال کو چھوڑ و حال پیدا کرو۔ یہ اس وقت پیدا ہوگا جب کسی اہل اللہ کے قدموں میں جا کر پڑ جاؤ) مگر اس میں ایک ترتیب بھی ہے اور وہ ترتیب ہر شخص کے لیے جدا ہے اس کو میں اس مجلس میں بیان نہیں کرسکتا۔ اس کو صحبت شیخ پر رکھو جب تم کسی سے رجوع کرو وہ خود ترتیب بتلا دے گا۔ (العلم والخشیہ ج ۲)

سالک کا نفع عام ہے

سالک سے ہر طرح کا نفع ہوتا ہے کیونکہ وہاں تعلیم بھی ہوتی ہے اور دعا بھی بلکہ مجذوب کے فکر میں پڑنے سے ضرر یہ ہوتا ہے کہ لوگ شریعت کو بیکار سمجھنے لگتے ہیں حاصل کہ کہ غیر مومن کو مقبول سمجھنا بالکل قرآن کا معارضہ ہے لہٰذا جوگیوں اور جاہل فقیروں کے پیچھے پڑنا اپنی عاقبت خراب کرنا ہے۔ (فضل العلم والعمل ج ۲)

شیخ کامل کی پہچان

شیخ کامل ہونا چاہیے اور اس کے پہچاننے میں اکثر غلطی ہو جاتی ہے لہٰذا اس کی پہچان معلوم کرنا ضروری ہے۔ سو پہچان یہ ہے کہ۔

۱: علم دین بقدر ضرورت رکھتا ہو خواہ پڑھ کر یا علماء کی صحبت سے۔

۲: عمل میں مستقیم ہو۔

۳: امر بالمعروف ونہی عن المنکر طالبین کو کرتا ہو۔

۴: کسی مسلم شیخ سے تعلق رکھتا ہو۔

۵: علماء سے نفور نہ ہو ان سے استفادے میں عار نہ کرے۔

۶: اس کی صحبت میں رغبت آخرت ونفرت عن الدنیا کی خاصیت ہو۔

پس جس شخص میں یہ علامتیں ہوں وہ کامل ہے اس سے ارتباط پیدا کرلو۔

(فضل العلم والعمل ج ۲)

حقیقت شجرہ

شجرہ کا حاصل دعا التوسل ہے اور دعا ذکر کی فرد ہے یہ تو وہ شجرہ ہے جس میں بزرگوں کے واسطہ سے دعا مانگی جائے۔ جیسے ہمارے حاجی صاحب کا شجرہ ہے اور ایک شجرہ دوسرا ہے کہ پیر کے نام کا وظیفہ پڑھا جائے۔ (جیسے یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ ۱۲) یہ ناجائز ہے۔ (اکبرالاعمال ج ۲)

ادب کی تعلیم

مقربین کو تو ذرا ذرا سی بات پر گوشمالی کی جاتی ہے ہمارا جہل ہمارے کام آ گیا کہ ہم سے ان باتوں پر گرفت نہیں ہوتی یا کم ہوتی ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ کسی چیز کی نسبت ان کی زبان سے یہ نکل گیا تھا کہ بہت لطیف ہے اس پر ان سے مواخذہ ہوا کہ او بے ادب لطیف ہمارا نام ہے دوسرے پر اس کو کیوں جاری کیا؟ مجھے خوب یاد ہے کہ جب سے یہ حکایت دیکھی تھی۔ برسوں کسی چیز کو میں نے لطیف نہیں کہا۔ (اکبرالاعمال ج ۲)

کرامات اولیاء

حضرت سلطان نظام الدین اولیاء کے یہاں شاہانہ ساز و سامان تھا۔ مگر اہتمام سے جمع نہ ہوا تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ بھیجتے تھے اس لیے جمع ہو گیا تھا۔ چنانچہ آپ کے یہاں وزراء اور سلاطین بھی بعض دفعہ دسترخواں پر حاضر ہوتے تھے اور سب کو ان کے مذاق کے موافق کھانا ملتا تھا۔

ایک بار وزیر حاضر تھا۔ کھانے کا وقت آ گیا خادم نے اطلاع کی کہ کھانا تیار ہے وزیر صاحب کے دل میں مچھلی کے کباب کا خیال آیا کہ اس وقت مچھلی کے کباب بھی ہوں تو اچھا ہے۔ سلطان جی کو اس خطرہ کا کشف ہو گیا خادم سے فرمایا ذرا ٹھہر و تھوڑی دیر کے بعد پھر آیا کہ کھانا ٹھنڈا ہوا جاتا ہے فرمایا ذرا اور ٹھہرو۔ اتنے میں ایک شخص سر پر خوان لیے ہوئے حاضر ہوا کہ حضور کو فلاں امیر نے سلام عرض کیا ہے اور حضرت کے لیے مچھلی کے کباب بھیجے ہیں حضرت نے ہدیہ قبول فرمایا اور خادم کو حکم دیا کہ کھانا لے آؤ۔ وزیر صاحب کو یہ بھی احتمال ہوا کہ شاید میری فرمائش ہی کی وجہ سے کھانے میں دیر کی گئی اور کباب کا انتظار کیا گیا تھا اور

یہ بھی احتمال ہوا کہ شاید اتفاق ہو۔ خادم نے دستر خوان بچھا کر سب کے سامنے کھانا رکھنا شروع کیا تو سلطان جی نے فرمایا کہ مچھلی کے کباب وزیر صاحب کے سامنے زیادہ رکھنا ان کو اس کا بہت شوق ہے۔ اب وزیر صاحب سمجھے۔ پھر سلطان جی نے فرمایا کہ وزیر صاحب فرمائش کا تو مضائقہ نہیں۔ مگر ذرا گنجائش رکھ کر فرمائش کرنا چاہیئے۔

دیکھئے اس وقت دیر ہونے سے سب کو تکلیف ہوئی۔ اب تو وزیر کو یقین ہو گیا ہوگا کہ حضرت کو میرے خطرہ کا کشف ہو گیا تھا۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار بھی ایسے ہی بزرگ ہیں جن کے یہاں بہت کچھ ساز و سامان تھا مگر اہل طریق ان کے کمال سے واقف تھے اور اپنے زمانہ میں وہ مشہور بزرگ تھے۔ چنانچہ مولانا جامی بھی شہرت سن کر آپ کے پاس کے پاس حاضر ہوئے تھے۔ مگر مولانا جامیؒ کے مذاق پر فقر کا غلبہ تھا وہ اہل باطن کے لئے باطنی فقر کے ساتھ ظاہری ظاہری فقر کو بھی ضروری سمجھتے تھے خواجہ صاحب کا ساز و سامان اور شان شوکت دیکھ کر مکدر ہوئے اور جوش میں یہ کہہ ڈالا ؎

نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد

اور خفا ہو کر مسجد میں چلے گئے۔ حق تعالیٰ کو ان کی دست گیری مطلوب تھی۔ اس لیے مسجد میں جو سوئے تو خواب دیکھا کہ میدان قیامت قائم ہے اور ایک شخص مولانا جامی کے سر ہو رہا ہے کہ تمہارے ذمہ میرے چند پیسے ہیں ادا کرو۔ ورنہ نیکیاں دو۔ یہ بڑے پریشان ہوئے۔ پھر دیکھا کہ خواجہ عبید اللہ احرار کی سواری آ رہی ہے۔ وہ ان کے پاس پہنچ کر رکے اور اس شخص سے فرمایا کہ فقیر کے کیوں سر ہو رہا ہے یہ میرا مہمان ہے۔ اس نے اپنے حق کا ذکر کیا۔ فرمایا ہم نے جو خزانے یہاں جمع کر رکھے ہیں ان میں سے اپنا حق لے لو۔

مولانا جامی یہ خواب دیکھ کر بیدار ہوئے تو نماز ظہر کا وقت تھا اور خواجہ صاحب مسجد میں داخل ہو رہے تھے اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ یہ شخص دنیا دار نہیں بلکہ مقبول بارگاہ ہے۔ دوڑ کر خواجہ صاحب کے قدموں میں گر پڑے اور خطرہ کی معافی مانگی اور خدمت میں قبول کرنے کی درخواست کی۔

خواجہ صاحب نے تسلی دی کہ اچھا جو چاہو گے ہو جائے گا۔ مگر ذرا اپنا وہ مصرع تو پھر سنا دو۔ مولانا نے عرض کیا کہ وہ تو میری حماقت تھی۔ فرمایا ایک بار تم نے اپنی خوشی سے پڑھا تھا۔ اب ہمارے کہنے سے پڑھ دو۔ انھوں نے حسب ارشاد سنایا ؎

نہ مردست آں کہ دنیا دوست دارد

خواجہ صاحب نے فرمایا صحیح مضمون ہے مگر محتاج اتمام ہے۔ اس لیے اس میں یہ اور ملا دو کہ ؎

اگر دارد برائے دوست دارد (اکبرالاعمال ج ۲)

ذکر لسانی کے درجات

چنانچہ ہمارے مشائخ چشتیہ تو ذکر لسانی میں بھی تدریج کرتے ہیں کہ بارہ تسبیح میں اول لا الہ الا اللہ کی تعلیم ہے۔ یہ مبتدی کے لئے مناسب ہے کیونکہ اس کے دل میں ابھی اغیار بھرے ہوئے ہیں۔ تو اس کو چاہیے کہ ان کو ذہن میں پیش کر کے تیغ لاَ سے نفی کرے۔ جب ان کی نفی ہوگئی اور دل اغیار سے خالی ہوگیا تو صرف ذکر اثبات الا اللہ مناسب ہے مگر اثبات میں بھی اغیار کو گونہ استحضار ہے اس لیے اس کے بعد اللہ اللہ بتلاتے ہیں۔ جس میں محض ذات حق پر توجہ ہے مگر اس میں بھی توجہ بواسطہ اسم کے ہے اس لیئے بعضے مشائخ اس کے بعد ذکر ھوھوہ کی تعلیم کرتے ہیں جس میں ذات پر توجہ ہوتی ہے اسم کا بھی واسطہ نہیں رہتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

علامہ ابن تیمیہ لا الہ الا اللہ کے سوا ان سب اذکار کو بھی بدعت کہتے ہیں کیونکہ سنت سے ان کا ثبوت نہیں۔ اگر میں اس وقت ہوتا۔ تو ادب کے ساتھ ان سے استفسار کرتا کہ علماء دین اس مسئلہ پر کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک شخص قرآن حفظ کرتے ہوئے اذ السماء انفطرت کے کلمات کو الگ الگ یوں یاد کرتا ہے کہ اول اذ السماء ن اذ السماء ن یاد کرتا ہے پھر فطرت یاد کرتا ہے۔ اس کے بعد دونوں کو ملا کر اذ السماء انفطرت کے کلمات کہتا ہے تو اس کو اس طرح یاد کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اور شبہ کی وجہ یہ ہے کہ اذ السماء ن لفظ بے معنی ہے اسی طرح فطرت فطرت بے معنی ہیں۔ تو میں حلفاً کہتا ہوں کہ ابن تیمیہ اس کو ضرور جائز کہتے اور وجہ یہ بتلاتے کہ یہ تلاوت نہیں ہے نہ اس وقت اس شخص کو تلاوت مقصود ہے بلکہ مقصود ذہن میں جمانا ہے تو اس پر میں کہتا کہ پھر الا اللہ اور الا اللہ کرنا کیوں بدعت ہے۔ اس میں بھی تو ذکر اللہ کا ذہن میں جمانا ہے اور ہم دعوی سے کہتے ہیں کہ بناء بر تجربہ رسوخ ذکر کے لیے یہ ترتیب بے حد نافع ہے اس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ جس کو شک ہو تجربہ کر کے دیکھ لے۔ (اکبرالاعمال ج ۲)

حضرت جنیدؒ سے کہا گیا کہ کچھ لوگ واصل ہونے کے مدعی ہیں اور نماز روزہ کچھ

نہیں کرتے تو جواب دیا کہ صدقوا فی الوصول ولکن الی السقر۔ یعنی سچ کہتے ہیں کہ ہم واصل ہو گئے مگر جہنم واصل ہو گئے نہ واصل الی الجنۃ یا واصل الی اللہ۔ (مگر اس مذاق کے لوگ اب بہت ہیں اور ایسے بے ہودوں کے معتقد ہیں اور ان کو خدا رسیدہ سمجھتے ہیں۔ یہ خدا رسیدہ تو کیا ہوتے جہنم رسیدہ البتہ ہوں گے)

اور حضرت جنیدؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ہزار برس کی عمر بھی مجھ کو مل جاوے تو بلا عذر شرعی ایک وقت کا وظیفہ بھی قضا نہ کروں۔ یہ ان لوگوں کے اقوال ہیں جو بالاتفاق واصل الی اللہ ہیں کہ ایک وظیفے کو بھی چھوڑنا گوارا نہیں ہے چہ جائیکہ ضروریات دین جیسے نماز روزہ۔ حضرت جنیدؒ کے ہاتھ میں کسی نے تسبیح دیکھی تو عرض کیا کہ اب آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے آپ تو واصل ہو چکے جواب دیا کہ اسی کی بدولت تو واصل ہوئے پھر کیا ایسے رفیق کو الگ کر دیا جاوے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک پتھر کو دیکھا کہ رو رہا ہے پوچھا کیوں روتا ہے؟ کہا میں نے سنا ہے کہ پتھر بھی دوزخ میں جھونکے جائیں گے اس خوف سے روتا ہوں حضرت کو اس پر بہت رحم آیا اور دعا کی کہ یا اللہ اس کو تو مستثنیٰ کر دے۔ حق تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور وعدہ کر لیا کہ اس کو جہنم سے بچاویں گے۔ آپ نے اس کو خوشخبری سنادی اور آگے چلے گئے۔ ایک دفعہ پھر ادھر گزر ہوا دیکھا کہ وہ اب بھی رو رہا ہے۔ فرمایا اب کیوں روتے ہو۔ اب تو تمہیں نجات کا وعدہ مل چکا ہے کہا اس رونے ہی کی بدولت تو یہ نعمت نصیب ہوئی پھر میں ایسے عمل کو کیوں چھوڑ دوں۔ جس کی یہ برکات ہیں۔

مولانا نے لکھا ہے کہ اگر ایک دن بلی کو کسی سوراخ میں سے چوہا ہاتھ لگ جاوے تو روز اسی پر پہنچتی ہے۔ پھر کیا حال ہے ان طالبین کا کہ بلی کے برابر بھی ان کو حس نہیں۔

اور واقعی کیسے حیف کی بات ہے کہ جس کی بدولت کمال حاصل ہوا اسی کو ذبح کیا جاوے اعمال ہی سے توقیر پاویں اور انہیں کو چھوڑ بیٹھیں۔ عقل کے بھی خلاف قرآن کے بھی خلاف عشق کے بھی خلاف۔ فطرت سلیمہ کے بھی خلاف۔ قرب میں اور زیادہ قرب کی کوشش کرو۔ قرب خداوندی کی کوئی انتہا نہیں ان واصلین نے خدا جانے کس چیز کو دیکھ لیا۔ جس کو وصول سمجھ لیا۔ اگر مقصود کو پہچانتے تو ہرگز نہ ٹھہرتے وہ بہت دور ہے اس تک سعی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ اصلی چیز کا ان کو پتہ ہی نہیں چلا ہے اور اس کی لذت کا احساس ہی نہیں ہوا اور نہ اس کو

چھوڑ نہ سکتے ان کو صرف مجاہدہ کے مکدر لطف کا احساس ہوا اور مجاہدہ ختم ہو چکا تو ان کی دوڑ بھی ختم ہو گئی۔ حالانکہ لطف خالص آگے تھا۔ (آخر الاعمال ج ۲)

اصطلاحات صوفیا

صوفیہ کی اصطلاح میں مجاہدہ کی انتہا کا نام سیر الی اللہ ہے اور مجاہدہ کے لفظ کی سیر کا نام فی اللہ ہے یہ دونوں بہت ہی موٹی باتیں ہیں اور ان کی نظیریں ہمارے عادات و محاورات میں موجود ہیں۔ مثلاً جب تک کہ طالب علم نے درسیات ختم نہیں کی ہیں تو اس کے مطالعہ کو سیر الی الکتب کہہ سکتے ہیں اور جب ختم کر چکے اور پھر مطالعہ کرے۔ (حظ اٹھانے کے لیے اور بصیرت بڑھانے کے لیے) کیونکہ علم ایک عجیب لذیذ چیز ہے تو اس مطالعہ کو سیر فی الکتب کہیں گے۔ یا مثلاً کسی نے دہلی کا ارادہ کیا اور چل دیا تو اس قطع مسافت کو سیر الیٰ دہلی کہیں گے۔ اور جب دہلی پہنچ گیا اور وہاں کا سیر تماشا کرنے لگا تو اس کو سیر فی دہلی کہیں گے۔ یہ کس قدر موٹی باتیں ہیں انہیں لفظوں کو جاہل فقیر عوام کے سامنے بولتے ہیں اور معنوں میں اینچ پیچ دیکر تصوف کو ہاؤ بنا دیتے ہیں مگر دیکھ لیجئے کس قدر کھلے ہوئے اور بے غبار دقائق ہیں واقعی تصوف ایسی سہل اور مانوس چیز ہے کہ ہر مذاق میں فطرۃً موجود ہے۔ (آخر الاعمال ج ۲)

فن سلوک کے ماہرین اور محققین نے اکثر مقامات یعنی اعمال باطنہ میں ترتیب کا حکم کیا ہے اور ان مقامات کی مثال درسیات کے سبق کی سی ہے کوئی سبق تو ایسا ہے کہ اس میں اور دوسرے اسباق میں ترتیب ضروری ہے جیسے الف بے اور سیپارہ کہ یہ ممکن نہیں کہ الف بے کو سیپارہ پر مقدم نہ کیا جاوے اور بعضے سبق ایسے ہیں کہ کئی کئی ہو سکتے ہیں جیسے کافیہ اور قطبی لوگ اس فن سے چونکہ بالکل نا آشنا ہو گئے ہیں اس واسطے قاعدہ اور طریقہ جانتے نہیں جو چال سمجھ میں آجاتی ہے اختیار کر لیتے ہیں اور مدتوں پریشان رہتے ہیں اور حاصل کچھ بھی نہیں۔ (آخر الاعمال ج ۲)

ہمہ اوست کے معنیٰ

ہاں ابتدا میں بعض اوقات کیفیات کے جوش اور غلبہ سے یہ حالت ہوتی ہے کہ گناہ کی طرف اصلاً میلان ہی نہیں ہوتا مگر چونکہ کیفیات دیرپا نہیں ہیں یہ حالت بعد چندے زائل ہو جاتی ہے اور پھر یہ ایک کیفیت راسخہ اعتدال کے ساتھ مانع عن المعصیت نصیب

ہوتی ہے۔ جس کو عدم تقاضائے معصیت سے تعبیر کیا جا رہا ہے مگر سالک ناواقفی سے اس پہلی حالت کو دوسری حالت سے اکمل سمجھ کر یہ سمجھتا ہے کہ مجھ کو تنزل ہوا اور میری حالت خراب ہوگئی اور اس طرح سے اس کو دھوکا ہو جاتا ہے اور شیخ سے شکایت کرتا ہے کہ مجھ میں وہ جوش نہیں رہا جو پہلے تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے تعلق کم ہوگیا۔ اور یہ سالک کے لیے ایسی بات ہے کہ جان دے دینا بھی اس پر گوارا کر لیتا ہے۔

سو حقیقت اس کی یہ ہے کہ تعلق کم نہیں ہوا۔ ہاں رسوخ کیفیت سے اس سے افعال اعتدال سہولت کے ساتھ ہونے لگتے ہیں اس قلت جوش سے وہ سمجھتا ہے کہ محبت کم ہوگئی اور یہ نہیں جانتا کہ اگر جوش ہمیشہ رہے تو آدمی مر جاوے یہ حالت بری نہیں۔

اس کی شرح ایک بزرگ نے خوب کی تھی۔ یہ بزرگ مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی ہیں کسی نے مولانا سے یہی شکایت کی تھی کہ اب ذکر میں وہ جوش وخروش نہیں رہا۔ فرمایا۔ پرانی جورواماں ہوجاتی ہے۔ دیکھئے لفظ تو بہت عامی ہے۔ مگر حقیقت اس سے پوری ادا ہوتی ہے۔

پس مطلب یہ ہے کہ جو جوش بی بی کی طرف پہلے تھا وہ پرانی ہونے کے بعد نہیں رہتا تو اس سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ محبت نہیں رہی۔ محبت تو ابھی بڑھی ہے مگر جوش نہیں رہا۔ (آخر الاعمال ج ۲)

بعض نے عبدیت کو اخیر مقام کہا ہے اس کو بقاء بھی کہتے ہیں فنا کے بعد ایک حالت اور پیدا ہوتی ہے وہ عبدیت ہے۔ فنا میں حال غالب ہوتا ہے اس حالت میں آ کر وہ حال مغلوب ہو جاتا ہے اور سکون ہو جاتا ہے اور حالت بالکل مبتدی کی سی ہو جاتی ہے وہ حال عروج پر تھا اور یہ نزول ہے۔

بعض نے کہا ہے (تصریح تو نہیں ہے مگر تلویحات سے معلوم ہوتا ہے) کہ محبوبیت اخیر مقام ہے اور اس کا ثبوت ان کے پاس یہ حدیث ہے:

ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوا فل حتیٰ احببته فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یده الذی یبطش به .

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بندہ مجھ سے قرب حاصل کرتا جاتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں اور اس وقت میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔

اس حدیث کے الفاظ بہت صریح ہیں اس باب میں۔ کیونکہ حتی کا لفظ موجود ہے جو انتہا پر دال ہے۔ اور انتہا قرب ہی کی بیان فرمائی تو مطلب یہ ہوا کہ انتہائی درجہ قرب کا یہ ہے۔ حاصل یہ کہ ایک قول یہ بھی ہوا جو بعض کے کلام سے نکلتا ہے کہ محبوبیت اخیر مقام ہے۔ (آخرالاعمال ج ۲)

ذکر اللہ کے ثمرات

حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ تو ہماری تو نیت ذکر کرنے سے یہ ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کے دربار میں ہمارا ذکر ہوگا۔ یہ وہ غرض ہے کہ شیطان اس میں کسی قسم کا وسوسہ بھی نہیں ڈال سکتا کہ شاید حق تعالیٰ تم کو یاد نہ کریں۔ کیونکہ اس کا تو قرآن میں صریح وعدہ ہے۔ میں اسی تقریر کو دوسری طرح کہتا ہوں کہ ثمر دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو موعود ہیں جیسے تمہارے ذکر اللہ کرنے سے اللہ تعالیٰ کا تم کو یاد فرمانا۔ اس کا طالب ہونا تو مذموم نہیں بلکہ مطلوب ہے۔ دوسرے وہ جو موعود نہیں جیسے کیفیات و احوال اس کے طلب کرنے میں یہ کوتاہی ہے کہ جو موعود نہیں تو اس کا طالب کیوں ہے اور جب مطلوب نہیں تو مقصود کیوں بنایا جائے۔ حاصل یہ کہ اورغرضوں کا مل جانا یہ بھی اخلاص کے خلاف ہے۔ طالب کا مذہب تو یہ ہونا چاہئے۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو　　　دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(یعنی زندہ رکھیں آپ کی عنایت ہے۔ اگر قتل کریں آپ پر قربان ہیں۔ دل آپ پر فریفتہ ہو گیا۔ جو کچھ ہمارے ساتھ تصرف کریں ہم راضی ہیں)(دین و دنیا ج ۳)

صحبت کی تاثیر

پرانے لوگوں میں بھی گنہگار تو ہیں فاسق بھی ہیں مگر ان کی حالت یہ ہے کہ اہل علم کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ اگر ان کو عذاب آخرت سے ڈرایا جائے تو ڈر جاتے ہیں۔ وہ اپنے کو اہل الرائے نہیں سمجھتے۔ اسی لئے ان کا ایمان سلامت ہے۔ باقی جہاں نئی تعلیم ہے اور نری تعلیم ہی تعلیم ہے وہاں تو ایمان کی خیر صلا ہے۔ نہ ان میں دین کی محبت ہے نہ اہل دین کی عظمت ہے۔ ہر شخص اپنے کو صاحب رائے سمجھتا ہے اور علماء سے مسائل دینیہ میں مزاحمت کرتا ہے باقی جہاں نئی تعلیم کے ساتھ یہ دونوں دولتیں بھی

ہوں یعنی دین کی محبت اور اہل اللہ کی صحبت تو وہاں اس سے دین کا کچھ ضرر نہیں ہوتا بلکہ وہاں دنیا کے ساتھ دین بھی جمع ہو جاتا ہے۔ اسی محبت وعلم دین کی نسبت کہتے ہیں۔

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است صراحی مے ناب و سفینہ غزل است

اس زمانہ میں جو رفیق خلل سے خالی ہے وہ محبت الٰہی اور دین ہے۔

صراحی مے ناب سے محبت مراد ہے یہ ان کی خاص اصطلاح ہے اور سفینہ غزل سے علم دین مراد ہے۔ جس کا ایک طریق تو تعلم ہے۔ اگر یہ میسر نہ ہو تو صحبت اہل اللہ ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو دین کی کتابوں کا مطالعہ ہے۔ مگر کتاب کے لئے بھی صحبت کی ضرورت ہے۔ نری کتب بینی سے دین کا صحیح علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کسی عالم سے سبقاً سبقاً نہ پڑھا جاوے خواہ وہ کتاب اردو زبان ہی میں کیوں نہ ہو۔ جیسے اردو میں طب کی کتابیں دیکھ کر کوئی شخص طبیب نہیں بن سکتا۔ جب تک کسی طبیب کے پاس رہ کر نہ پڑھے۔ (تفصیل الدین ج ۳)

تصوف کی حقیقت

پانچواں جزو دین کا تصوف ہے۔ اس کو تو لوگوں نے بالکل چھوڑ رکھا ہے۔ اکثر لوگوں نے تصوف کے متعلق یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ بہت ہی مشکل ہے کیونکہ اس میں بیوی بچوں کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ صاحبو! تصوف کی حقیقت ہے خدا تعالیٰ سے تعلق بڑھانا۔ سو اس میں تعلقات ناجائز تو بے شک چھوڑنا پڑتے ہیں۔ باقی تعلقات جائزہ ضرور یہ تو پہلے سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔ صوفیہ کے تعلقات اور معاملات بیوی بچوں کے ساتھ خوشگوار ہوتے ہیں کہ اہل تمدن کے بھی ویسے نہیں ہوتے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تصوف والے سنگ دل ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ ایسے رحم دل ہوتے ہیں کہ انسان تو انسان جانوروں پر تک رحم کرتے ہیں۔ چنانچہ ان حضرات کے پاس رہ کر معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ ہر شخص کی راحت کا کس قدر خیال کرتے ہیں لہٰذا اس سے متوحش ہونا نادانی ہے جس کی وجہ سے اسلام کا ایک ضروری جزو لوگوں سے فوت ہو رہا ہے۔ یہ جزو ایسا ضروری ہے کہ قرآن شریف میں اس کی تحصیل کا جابجا امر ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ۔ ''یعنی اے ایمان والو! حق تعالیٰ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے'' اس میں تکمیل تقویٰ کا امر ہے۔ یہی تصوف کا حاصل ہے اور مشاہدہ ہے کہ ایسا ڈرنا سوائے صوفیہ کرام اہل اللہ کے کسی کو بھی نصیب نہیں ہے۔

ان کی بات بات میں خشیت ہوتی ہے بیبا کی اور آزادی کہیں نام کو بھی نہیں ہوتی۔ اب حدیث میں اس کی تاکید کیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ان فی ابن ادم مضغة اذاصلحت صلح الجسد کله واذافسدت فسدالجسد کله الاوھی القلب (الصحیح للبخاری ۱:۲۰الصحیح لمسلم کتاب المسافات: ۱۰۳)

"یعنی انسان کے بدن میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے۔ سن لو وہ دل ہے" اس میں اصلاح قلب کی کتنی تاکید ہے کہ اسی کو مدار اصلاح قرار دیا گیا ہے اور یہی تصوف کا حاصل ہے اس میں بھی اصلاح قلب کا اہتمام ہوتا ہے۔ (تفصیل الدین ج ۳)

تقویٰ کہاں ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ سن لو کہ تقویٰ یہاں ہے یعنی تقویٰ کا محل قلب ہے۔ ایک مقدمہ تو یہ ہوا اس کے ساتھ دوسری حدیث کو ملائیے۔

الا ان فی الجسد مضغة اذاصلحت صلح الجسد کله واذافسدت فسدالجسد کله الا وھی القلب. (الصحیح للبخاری ۴:۸، ۶:۱۶۰، الصحیح لمسلم کتاب المساقات)

یعنی جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہو جاتا ہے تو تمام بدن درست ہو جاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے۔ سن لو۔۔۔۔ وہ قلب ہے۔ اس حدیث سے اصلاح قلب کا صلاحیت کاملہ ہونا ثابت ہے۔ (الکمال فی الدین ج ۳)

رحمت حق

حدیث قدسی میں وارد ہے۔

من تقرب الی شبراً تقربت الیه ذراعاً و من تقرب الی ذراعاً تقربت الیه باعاً ومن اتانی یمشی اتیته ھرولة (مجمع الزوائد للھیثمی ۱۰:۱۹۶، ۱۹۷ کنزالعمال: ۱۱۷۹، ۱۱۸۰)

''جو شخص میری طرف ایک بالشت چل کر آتا ہے میں اسکی طرف ایک ہاتھ جاتا ہوں اور جو میری طرف ایک ہاتھ چلتا ہے میں اسکی طرف کھلے ہوئے دو ہاتھ آتا ہوں اور جو میری طرف آہستہ چل کر آتا ہے میں اسکی طرف دوڑ کر جاتا ہوں''۔

اس حدیث میں بالشت اور گز وغیرہ اور دوڑ کر آنا سمجھانے کیلئے ایک مثال ہے مقصود یہ کہ جو میری طرف ذرا بھی توجہ کرتا ہے میں اس کی طرف دو چند اور سہ چند توجہ کرتا ہوں۔

واقعی سچ ہے اگر حق تعالیٰ اتنی توجہ اور رحمت نہ فرمائیں تو انسان کی کیا مجال تھی جو ان تک پہنچ سکے۔ آخر انسان کو خدا سے نسبت ہی کیا ہے وہ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہیں اس کا وہم و گمان بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا تو جو ذات اس قدر بالاتر ہو اس کی معرفت اور محبت اور مشاہدہ انسان خود کیوں کر سکتا ہے پس یہ انہی کی عنایت ہے جو کچھ حصہ معرفت وغیرہ کا انسان کو عطا ہو جاتا ہے ورنہ واقعی وہ مسافت تو ایسی ہے۔

نہ گردد قطع ہرگز جادہ عشق از دویدنہا   کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

عشق کا راستہ دوڑنے سے طے نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ راستہ مثل انگور کے درخت کے قطع کرنے سے اور بڑھ جاتا ہے۔ (الکمال فی الدین ج ۳)

شہوت کے اقسام

صبر عن الشہوت گو فی نفسہ دشوار ہے مگر جب آدمی اس کا ارادہ کرتا ہے تو آسانی شروع ہو جاتی ہے حتیٰ کہ پھر کبھی دشواری نہیں رہتی ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ شہوت عورتوں اور لڑکوں ہی کے تعلق میں منحصر نہیں بلکہ لذیذ غذاؤں کے فکر میں رہنا بھی شہوت ہے عمدہ لباس کی دھن میں رہنا بھی شہوت ہے ہر وقت باتیں بگھارنے کی عادت بھی شہوت ہے اور ان سب شہوتوں سے نفس کو روکنا بھی یہ صبر عن الشہوت میں داخل ہے۔

آج کل لوگوں کو باتیں بنانے کا مرض ہے بس جہاں کام سے فارغ ہوئے مجلس آرائی کر کے فضول باتیں کرنے لگے میں صرف عوام کی شکایت نہیں کرتا بلکہ میں علماء مشائخ کو بھی مجلس آرائی سے منع کرتا ہوں کیونکہ یہ مرض ان میں بھی بہت ہے۔

(الکمال فی الدین ج ۳)

نیک صحبت کی ضرورت

تعلیم بقدر ضرورت عام ہونی ضروری ہے اور تعلیم کامل کا بدل ایک دوسری چیز ہے یعنی اہل اللہ کی صحبت کہ اس سے بھی وہی فائدہ ہوتا ہے بلکہ یہ ایسی چیز ہے کہ تعلیم کامل کے بعد بھی اس کی ضرورت ہے۔ دیکھئے! بہت سے صحابہ کرام ایسے تھے کہ وہ بالکل بھی پڑھے نہ تھے اور اسی حالت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فخر فرماتے ہیں۔

نحن امة امية لا نكتب و لا نحسب (المسند للامام احمد بن حنبل ۲: ۱۲۲)

لیکن چونکہ حضور کی صحبت اور معیت حاصل تھی وہی بالکل کافی ہوگئی۔ یہ تو دینی پہلو سے گفتگو تھی۔

اب میں تمدنی پہلو سے صحبت کی ضرورت اور بدون صحبت کے تعلیم کامل کے مفاسد بتلاتا ہوں۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اجتماع اور تمدن کے تمام مصالح علی وجہ الکمال امن وامان سے اس وقت پورے ہو سکتے ہیں کہ جب تمام لوگوں کی زندگی میں نہایت سادگی اور معاشرت میں بالکل بے تکلفی ہو۔ بناوٹ اور چالاکی کے ساتھ تمام مصالح کا پورا ہونا ممکن نہیں۔ نیز یہ بھی مشاہد ہے کہ اگر علم کامل ہو اور تربیت نہ ہو تو چالاکی اور دھوکہ دہی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح اگر جاہل ہو اور تربیت نہ ہو تب بھی یہی حالت ہوتی ہے اور مصالح تمدن کا پورا ہونا ضروری ہے۔ (طریق النجاۃ ج ۳)

ثمرات صحبت

صحبت سے وہ بات حاصل ہوگی جس کی بدولت اسلام دل میں رچ جائے گا اور یہی مذہب کی روح ہے کہ دین کی عظمت دل میں رچ جائے اگرچہ کسی وقت نماز روزے میں کوتاہی ہو جائے اگرچہ یہ بات میرے کہنے کی نہیں ہے کیونکہ اندیشہ ہے کہ کوئی شخص نماز وروزے کو خفیف سمجھ جائے مگر مقصود میرا جو کچھ ہے ظاہر ہے غرض ضرورت اس کی ہے کہ مذہب دل میں رچا ہو اور اگر دل میں یہ حالت نہیں ہے تو نہ ظاہری نماز کام کی اور نہ روزہ وہ حالت ہے جیسے طوطے کو سورتیں رٹا دیں کہ وہ محض اس کی زبان پر ہیں۔ ایک شاعر نے طوطے کی وفات کی تاریخ لکھی ہے لکھتا ہے۔

میاں مٹھو جو ذاکر حق تھے   رات دن ذکر حق رٹا کرتے

گر بہ موت نے جو آدابا   کچھ نہ بولے سوائے ٹے ٹے ٹے

اس میں ۱۲۳۳ھ تاریخ موت نکلتی ہے یہ تاریخ اگر چہ ہے تو مسخرہ پن لیکن غور کیا جائے تو اس نے ایک بڑی حکمت کی بات کہی ہے یعنی یہ بتلا دیا کہ جس تعلیم کا اثر دل پر نہیں ہوتا مصیبت کے وقت وہ کچھ کام نہیں دیتی تو اگر دین کی محبت دل میں رچی ہوئی نہ ہو تو حافظ قرآن بھی ہوگا تب بھی آٹے دال کا بھاؤ ہی دل میں لے کر مرے گا۔ جیسا کہ اس وقت غالب حالت رہتی ہے کہ دل میں سے اسلام کا اثر کم ہوتا جاتا ہے اور صاحبو! اسی کو دیکھ کر میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں سے اسلام نکلا جاتا ہے خدا کے لئے اپنی اولاد پر رحم کرو اور ان کو اسلام کے سیدھے ڈگر پر چلاؤ۔ (طریق النجاۃ ج ۳)

نیک صحبت کے آداب

صحبت کے کچھ آداب ہیں بدون ان کے صحبت نافع نہیں۔ منجملہ ان آداب صحبت کے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے پاس جا کر دنیا کی باتیں نہ بنایئے جیسے کہ اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ بزرگوں کے پاس جا کر بھی دنیا بھر کے قصے جھگڑے اخبار کے واقعات ذکر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

نیز حتی الوسع بزرگوں کو تعویذ گنڈوں کی تکلیف بھی نہ دینی چاہئے ان حضرات سے تعویذ گنڈے لینا ایسا ہے جیسا کہ سنار کے پاس کھرپا یا کلہاڑی بنوانا بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص ہاتھ میں ہاتھ لیتا ہے وہ اللہ میاں کا نعوذ باللہ رشتہ دار ہو جاتا ہے کہ جو کام بھی اس سے کہا جائے وہ اللہ میاں سے ضرور پورا کرا دیتا ہے حالانکہ ایسا مختار سمجھنا خلاف توحید ہے کسی کی کیا مجال ہے کہ بجز عرض کے ذرا کچھ دخل دے سکے۔

مولانا فضل الرحمان صاحب کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میرا مقدمہ مولانا نے فرمایا کہ دعا کروں گا۔ اس نے کہا کہ دعا کرانے نہیں آیا۔ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں یوں کہہ دیجئے کہ میں نے یہ کام پورا کر دیا۔ مولانا ناخوش ہوئے۔

پہلی بھیت میں ایک بزرگ کے پاس ایک بڑھیا آئی اور کچھ عرض کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے۔ اس نے سنا نہیں ایک شخص اور بیٹھے تھے انہوں نے حکایت کے طور پر اس سے کہا کہ یوں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔ وہ بزرگ سخت برہم ہوئے اور کہا کہ مجھ کو کیا خبر کہ فضل کرے گا یا نہ کرے گا۔ تم نے اپنی طرف سے گا کیسے

بڑھایا۔ اسی طرح تعویذوں کی فرمائش بھی ان حضرات کے مذاق کے بالکل خلاف ہے بھلا جس نے عمر بھر طالب علمی اور اللہ اللہ کیا ہو وہ کیا جانے کہ تعویذ کیا ہوتے ہیں اور ان کو کس طرح لکھا جاتا ہے اور پھر لطف یہ کہ تعویذ بھی دنیا سے نرالے کاموں کے لئے۔

بمبئی سے ایک پہلوان کا خط آیا کہ میری کشتی ہونے والی ہے۔ مجھے ایک تعویذ لکھ دو کہ میں جیت جاؤں۔ میں نے لکھا کہ اگر تمہارا مقابل بھی کسی سے تعویذ لکھا لے تو کیا ہوگا۔ پھر تعویذ تعویذ میں کشتی ہوگی۔ عجب نہیں کہ لوگ چند روز میں مردوں کے بچہ پیدا ہونے کے لئے بھی تعویذ ہی لکھوالیا کریں جس میں نکاح ہی کی ضرورت نہ رہے کیونکہ جب تعویذ میں ایسا اثر ہے کہ وہ ہر ایک کام میں کام آ سکتا ہے تو مردوں کے بچہ پیدا ہونے میں بھی ضرور کام آنا چاہئے۔ صاحبو! اہل اللہ کے پاس اللہ کا نام دریافت کرنے کے لئے جاؤ۔

خلاصہ اس سب تقریر کا یہ ہے کہ اپنی اولاد کے لئے اہل اللہ کی صحبت طویلہ کو تجویز کرو۔ یہ تو مردوں اور تندرستوں کے لئے ہے۔

صحبت نیک کا بدل

جو اپاہج یا عورتیں ہوں تو ان کے لئے صحبت کا بدل یہ ہے کہ ایسے بزرگوں کے ملفوظات دیکھا کریں یا سنا کریں۔ ان کے توکل صبر و شکر تقویٰ طہارت کی حکایتیں دیکھنا سننا یہی صحبت کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ ان دونوں کے متعلق کسی نے خوب کہا ہے۔ صحبت کے متعلق تو کسی کا قول ہے۔

مقام امن و مے بیغش و رفیق شفیق — گرت مدام میسر شود زہے توفیق

امن کا تو مقام ہو اور شراب بغیر کسی دھوکے کے ہو اور سچا دوست موجود ہو تو اگر یہ چیز ہمیشہ کے لئے حاصل ہو جائے تو بڑی خوش قسمتی ہے۔

اور ان کے حکایات وارشادات کے متعلق کسی کا شعر ہے۔

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی خلل ست — صراحی مئی ناب و سفینہ غزل ست

اس زمانہ میں وہ دوست جو برائی سے خالی ہو عمدہ شراب کی بھری صراحی اور غزل کی کشتی

مگر وصیت کرتا ہوں کہ مثنوی اور دیوان حافظ یعنی علوم مکاشفہ اور اہل حال کا کلام نہ دیکھیں کیونکہ اکثر اوقات ان کی بدولت ہلاک ہوتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

نکتہا چوں تیغ فولادست تیز — چوں نداری تو سپر واپس گریز

پیش ایں الماس بے اسپر میا کز بریدین تیغ را نبود حیا!

تصوف کے نکتے فولاد کی تلوار کی طرح تیز ہیں اگر تیرے پاس ڈھال حفاظت کا سامان نہ ہوتو واپس جا اس الماس کے سامنے بغیر ڈھال کے مت جا کیونکہ تلوار کو کاٹتے وقت کسی کا شرم ولحاظ نہیں ہوتا۔

اور جب اہل حال صادق کے کلام میں اس قدر احتمال مضرت ہے تو جاہل بے شرع بدلگام ہیں ان کا کلام تو کس درجہ مضر ہوگا۔ان لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں۔

ظالم آں قومے کہ چشماں دوختند از سخنہا عالمے را سوختند

وہ لوگ کیسے ظالم ہیں جو آنکھیں بند کر کے اپنی باتوں سے دنیا کو جلائے دیتے ہیں۔

اسی طرح جو لوگ محض بزرگوں کے کلام کی نقل بے سمجھے کیا کرتے ہیں ان کی تحریر و تقریر سے بھی بوجہ اس کے اصل سے بدلی ہوئی ہوتی ہے کچھ نفع نہیں ہوتا ایسوں کی نسبت فرماتے ہیں۔

حرف درویشاں بدزد مردِدوں تا بہ پیش جاہلاں خواند فسوں

ناسمجھ کمینے لوگ درویشوں کے الفاظ کو چرا کر ناواقف لوگوں کے سامنے منتر کی طرح پڑھتے ہیں۔ہاں احیاء العلوم کا ترجمہ دیکھو اربعین کا ترجمہ دیکھو ان شاءاللہ تعالیٰ ہر طرح کا فائدہ ہوگا۔یہ بیان ختم ہو چکا۔اس بیان میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے وہ نسخہ بتلایا ہے کہ اس میں نہ معاش کا حرج ہے نہ کوئی نقصان ہے اور مسلمانوں کو اس کی بڑی ضرورت ہے۔(طریق النجاۃ ج ۳)

ضرورت مرشد

محقق وہی شخص ہوگا جو شریعت وطریقت دونوں کا جامع ہو۔بدوں کسی محقق کے اتباع کے اصلاح نفس نہیں ہو سکتی بعض لوگ اس خبط میں ہیں، کہ کتاب میں نسخے دیکھ کر اپنا علاج خود کر لیں گے مگر یہ خیال ایسا ہی ہے جیسے کوئی مریض کتاب میں نسخے دیکھ کر اپنا علاج خود کرنا چاہے کہ اس کا انجام بجز ہلاکت کے کچھ نہیں حضرت اگر کبھی طبیب بھی بیمار ہوتا ہے تو وہ اپنا علاج خود نہیں کر سکتا بلکہ دوسرے طبیب کا محتاج ہوتا ہے پھر جو بیمار طبیب بھی نہ ہو اس کو اپنے علاج سے صحت کیونکر ہو سکتی ہے، باقی اس کے لئے بیعت ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ کسی کو متبوع بنانے کی ضرورت ہے اور جو پیر بدوں بیعت کے تعلیم نہ کرے اس کو چھوڑ دو وہ محقق نہیں ہے۔(العبد الربانی ج ۴)

استغراق اور اس کے آداب:۔

سالکین کو ذکر میں یکسوئی ہوتی ہے اور بعض مرتبہ وہ یکسوئی اس قدر بڑھتی ہے کہ وہ نیند تو نہیں ہوتی مگر مشابہ نیند کے اس بات میں ہوتی ہے کہ جیسے نائم کو اس عالم سے غیبت ہو جاتی ہے ایسے ہی اس ذاکر کو بھی ہو جاتی ہے اس حالت کا نام استغراق ہے چنانچہ اس کے نیند کے مشابہ ہونے پر مجھے حکایت یاد آئی کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ تھانہ بھون میں رہ کر ذکر و شغل فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت اپنے حجرہ میں مراقب بیٹھے تھے حضرت حاجی صاحب نے ایک سوار فوجی کو جو مہمان آئے تھے ارشاد فرمایا کہ جاؤ مولانا کو بلاؤ انہوں نے آکر دیکھا تو حضرت کی گردن جھکی ہوئی تھی اور آنکھیں بند بے چارہ فوج کا آدمی اس کو کیا خبر یہ کیا کر رہے ہیں جا کر عرض کیا کہ حضرت وہ تو ٹول رہے ہیں حضرت حاجی صاحب سمجھ گئے کہ مشغول ہیں پھر نہ بلایا اور حضرت کا مولانا کو نہ بلانے کا راز ایک بزرگ کے ایک ملفوظ سے معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جو شخص مشغول مع اللہ کو اپنی طرف مشغول کرے اور کہ المقت فی الوقت یعنی اس کو اسی وقت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی لاحق ہوتی ہے بڑی زیادتی اور بے احتیاطی کرتے ہیں وہ لوگ جو کہ مشغول باللہ کو اپنی طرف متوجہ کریں اکثر لوگ بزرگوں کے پاس جاتے ہیں اور ان کو مشغول پاتے ہیں تو یہ چاہتے ہیں کہ ان کو اپنی طرف متوجہ کریں تو ایسی حرکتیں کرتے ہیں جس سے دل بٹ جائے بعضے تو السلام علیکم پکار کر کرتے ہیں یاد رکھو جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہو یا ذکر و شغل میں مشغول ہو اس کو سلام مت کرو جا کر دیکھو کہ وہ کس حالت میں ہے اگر سلام کا موقعہ ہو تو سلام کرو ورنہ چپکے سے ایسے طور سے بیٹھ جاؤ کہ ان کو تمہارے آنے کی بھی خبر نہ ہو۔ (التہذیب ج ۴)

ایثار کی حقیقت

فقہاء نے صرف معاملات میں اس کا اہتمام کیا ہے اور صوفیاء نے ہر امر میں اس کی سعی کی ہے۔ حتیٰ کہ عبادات میں بھی فرائض و واجبات کے اندر تو نہیں مگر مستحبات و فضائل میں وہ ایثار کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر کبھی کوئی صوفی صف اول میں کھڑا ہو جائے اس کے بعد کوئی بزرگ آ جائیں استاد یا شیخ تو وہ پیچھے ہٹ کر اپنے بزرگ کو صف اول میں جگہ دے دیتے

ہیں۔اسی طرح یہ حضرات خاص حالات میں صف اول میں دائیں جانب کھڑا ہونے کا زیادہ اہتمام نہیں کرتے بلکہ بائیں جانب کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور عام عادت یہ ہے کہ لوگ صف میں دائیں طرف کا بہت اہتمام کرتے ہیں حتیٰ کہ بائیں طرف بہت ہی کم لوگ ہوتے ہیں اور اس کو افضل سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے پس سب سے افضل تو وہ شخص ہے جو امام کے پیچھے ہے اس کے بعد وہ افضل ہے جو اس کے دائیں طرف ہو پھر وہ جو اس کے بائیں طرف ہو اسی طرح جب اس کے بعد ایک آدمی دائیں طرف اور آ جائے تو اب دوسرے کو بائیں طرف کھڑا ہونا چاہیے اس وقت اس کا بائیں طرف کھڑے ہونا دائیں طرف کھڑے ہونے سے افضل ہے کیونکہ اس صورت میں بائیں طرف ہو کر یہ امام کے زیادہ قریب ہوگا اور دائیں طرف کھڑے ہونے سے بعد ہو جائے گا۔ (خیر الارشاد الحقوق العباد ج ۴)

درجات ذکر

اس اعتبار سے ذکر کے تین درجے ہوئے، ایک تو وہ جس میں صرف زبان کو حرکت دی جائے اور قلب متوجہ نہ ہو، یہ درجہ سب سے کم ہے۔دوسرا درجہ وہ جس میں زبان کو حرکت نہ دی جائے صرف قلب سے ذکر کیا جائے۔ یہ پچھلے درجہ سے بڑھ کر ہے۔تیسرا درجہ یہ ہے کہ زبان کو بھی حرکت دی جائے اور قلب کو بھی متوجہ کیا جائے یہ سب سے بڑھ کر اور افضل ہے۔

کیونکہ جب ذکر لسانی سے ممانعت ہوگئی تو اب یا تو بالکل ہی ذکر سے محروم رہو یا محض دل دل سے یاد کرتے رہو۔ظاہر ہے کہ دوسری صورت یقیناً بہتر ہے کیونکہ صورت اولیٰ میں پوری محرومی ہے ذکر سے اور اس صورت میں کچھ تو ذکر ہوتا رہے گا اور قطعی محرومی سے یقیناً وہ صورت بہتر ہے جس میں فی الجملہ ذکر باقی ہے اور ایسے وقت میں یہ بقاء ذکر قلبی محض سے ممکن ہے۔اب اس ذکر کو ذکر نہ کہنا "حرمان عن البركة" (برکت سے محروم ہونے کا) مشورہ دینا ہے تو بہر حال جہاں ذکر لسانی نہ ہو سکے وہاں ذکر قلبی جاری رکھے یعنی تصور رکھے، توجہ رکھے اور یاد رکھے، دھیان رکھے، پس ذکر ہر حالت میں مطلوب ہے تو جس حالت میں جو بھی ممکن ہے کرتا رہے۔

اب وہ شبہ جاتا رہا کہ وہ کونسا کام ہے جس سے وساوس بند ہو جاویں اور نفس ہر دم کسی شغل میں لگا رہے کیونکہ نفس کو بے کار چھوڑیں گے تو یہ خود اپنے لیے کوئی مضر مشغلہ تجویز کرے گا۔اب معلوم ہو گیا ہے کہ وہ کام ذکر قلب ہے جو ہر وقت ممکن ہے۔بس نفس کو اس شغل میں لگا دو تو پھر وہ کوئی مضر شغل خود بخود تجویز نہ کرے گا نہ غفلت میں مبتلا ہوگا۔

ضرورت مرشد

بنمائے بصاحب نظرے گوہر را عیسیٰ نتواں گشت بہ تصدیق خرے چند

(کسی صاحب نظر کو اپنا جوہر دکھاؤ، چند احمقوں کی تصدیق سے عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہوئے)

یعنی کسی کامل سے تشخیص کراؤ کہ یہ حالت کمال کی ہے یا نہیں ورنہ حالت ہوگی جیسے دق والے کو ایک دن بخار نہیں آیا تو وہ سمجھے کہ میں اچھا ہوگیا اور علاج چھوڑ بیٹھے۔ یاد رکھو! مرض کا نکس (یعنی ٹوٹنا) بداء سے (یعنی شروع ہونے سے) بھی اشد ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری بے احتیاطی سے مرض پھر لوٹے اور علاج مشکل ہو جائے تو جس طرح بعض مریض ظاہری ذرا بخار نہ آنے کو صحت سمجھ لیتا ہے اسی طرح بعض اہل طریق بھی جہاں تھوڑی سی سنسناہٹ بدن میں پیدا ہوئی اور سمجھ گئے کہ بس ہم کامل ہوگئے پھر تسبیح بھی چھوٹ گئی اور مجاہدہ بھی گیا اور یہ گمان ہوگیا کہ بس اب تو ہم منتہی ہوگئے اب کسی ریاضت کی حاجت نہیں رہی اور اس کے مصداق ہوگئے۔ ''خلوت و چلہ بر ولازم نماند'' (خلوت اور چلہ اس پر لازم نہ رہے) حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اجی تم تو جیسے تھے ویسے ہی ہوگئے بلکہ اس سے بھی بدتر ہوگئے کیونکہ ابتدائے مرض سے جیسے عود مرض سخت ہوتا ہے اسی طرح تمہاری یہ حالت اشد ہے۔ پہلی مجوبی کی حالت سے جس پر یہ حالت پیش آئے وہ خود غور کر کے دیکھ لے کہ اس وقت بہ نسبت پہلے کے طبیعت کی کیا کیفیت ہے۔ (الصلاح والاصلاح ج ۴)

ترک لذات

تارکین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کو بوجہ افلاس کے یہ لذائذ ملے ہی نہیں اور ایک وہ جن کو لذائذ ملے اور پھر ترک کیا۔ پہلی قسم پر کوئی اشکال نہیں۔ لیکن پھر اس دوسری قسم میں دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ترک لذات کو عبادت سمجھ کر ترک کیا یہ البتہ قابل اعتراض ہے اور بدعت ہے کیونکہ ترک لذات کو عبادت سمجھنا نصوص کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ عبادت سمجھ کر ترک نہیں کیا بلکہ بطور معالجہ واصلاح نفس کے ترک کیا۔ جیسا کہ بیماری میں حکیم کے کہنے سے بہت سی لذات سے پرہیز کرتا ہے وہ اس کو عبادت نہیں سمجھتا بلکہ محض علاج وتدبیر سمجھتا ہے۔ سو جن محققین صوفیہ سے ترک لذات منقول ہے وہ صرف علاج وتدبیر کے طور پر ترک کرتے تھے اس لئے ان پر اعتراض کا حق نہیں۔

یہاں ایک بات طالب علموں کے کام کی ہے وہ یہ کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ جو دنیا میں شراب پئے اور حریر پہنے گا' وہ آخرت میں ان سے محروم رہے گا۔ اس میں بعض علماء نے تو یہ کہا ہے کہ ایک خاص زمانہ تک محروم رہیں گے۔ دخول اولیٰ میں یہ نعمتیں ان کو نہ ملیں گی اور بعض نے کہا ہے کہ دواماً محروم رہیں گے۔ اس معصیت کا یہ اثر ہے کہ اس کے ارتکاب سے آخرت میں اس کی نظیر سے محرومی ہوگی۔ جیسے معتزلہ کے بارہ میں بعض علماء نے کہا ہے کہ بوجہ انکار رویئت کے آخرت میں یہ لوگ رویئت حق سے محروم رہیں گے گو جنت میں جائیں گے کیونکہ معتزلہ کافر نہیں مسلمان ہیں۔ مگر اس معصیت سے اعتقاد کی یہ نحوست ہوگی کہ جنت میں جا کر بھی رویت سے محروم رہیں گے اور ان سے کہہ دیا جائے گا کہ تم تو رویت حق کو جنت میں بھی محال سمجھتے تھے تو بس اب تم محال کی تمنا نہ کرو تم کو رویئت نہ ہوگی۔ (نور النور ج۵)

مقام علماء وصوفیاء

صوفیاء اور علماء میں جب بعض اوقات نزاع ہوا ہے تو بعض اہل کشف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گوشہ خاطر علماء کی حمایت ورعایت کی طرف معلوم ہوا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ جب میں مدینہ منورہ میں تھا تو وہاں ایک صوفی نے وحدۃ الوجود پر رسالہ لکھا۔ ایک عالم نے اس کا رد لکھا۔ شاہ ولی اللہ صاحب چونکہ بڑے محقق ہیں' وہ صوفی کا مطلب صحیح سمجھے ہوئے تھے۔ عالم کا رد دیکھ کر جو کہ حقیقت ناشناسی سے لکھا گیا تھا۔ ان کو جوش ہوا اور صوفی کی حمایت میں عالم کے رد کا جواب لکھنا چاہا۔ یہ ارادہ ہی کر رہے تھے کہ اسی زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ مفصل واقعہ مجھے یاد نہیں رہا۔ اتنا محفوظ ہے کہ شاہ صاحب کو اس وقت یہ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاہ صاحب کے جواب لکھنے کو پسند نہیں فرماتے۔ یہ دیکھ کر شاہ صاحب خاموش ہو گئے اور اس ارادہ سے رک گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سرکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں علماء کی رعایت زیادہ ہے اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ غیر محقق صوفیاء کی نظر صرف ایک پہلو پر ہے کہ اپنے جذبات پر عمل کر کے جی خوش کر لیا۔ جو بات معلوم ہوئی کہہ ڈالی اور علماء کی نظر صوفیا کے جذبات کے ساتھ دوسروں کے جذبات پر بھی ہے کہ نظام اسلام میں فرق نہ آئے۔ اور نظام اسلام سے مراد تمدن اور دنیوی

مصلحت نہیں ہے جیسا کہ بعض جاہل اسی کو مقصود شریعت سمجھتے ہیں بلکہ خوب سمجھ لو کہ نظام شریعت کی غایت یہ ہے کہ رضائے حق کے اسباب میں خلل نہ پڑے۔ (المورد الفرخی فی المولد الرزخی ج ۵)

صبر و رضا

حدیث میں حضور کے یہ الفاظ وارد ہیں۔

العین تدمع والقلب یحزن ولانقول الامایرضی ربنا وانا بفراقک یاابراھیم لمحزونون (کنزالعمال: ۴۲۴۸۳، ۴۲۸۹۸، تلخیص الحبیر لابن حجر ۲: ۱۳۹، الطبقات الکبری لابن سعد ۱: ۱: ۸۹)

یعنی گو دل غمگین ہے اور آنکھ بہ رہی ہے مگر ہم کہیں گے وہی بات جو حق تعالیٰ کو پسند ہے۔ اب بھی بعضے اللہ کے بندے ایسے موجود ہیں جو دونوں کا حق ادا کرتے ہیں۔

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کا مکان گر پڑا۔ رنج بھی ہوا۔ پھر قہقہہ مار کر ہنسے کہ اب ہم کہاں رہیں گے۔ اس میں خدا تعالیٰ کے فعل پر رضا کا اظہار تھا کہ وہ پریشان کر کے تھوڑی دیر نچانا چاہتے ہیں تو ہم کو اس پر بھی راضی رہنا چاہئے۔ یہ تو اہل مقام حضرات ہیں اور بعضے اہل حال ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے کسی عزیز کی موت پر مطلق نہیں روئے بلکہ ہنس دیئے مگر وہ ہمارے مدرسہ سلوک کے مڈل پاس ہیں۔ بی اے نہیں۔

گو آپ تو شاید یہی کہیں گے کہ بڑا کامل ہے مگر حقیقت میں وہ بڑا کاہل ہے کہ رویا بھی نہیں۔ ارے جب حق تعالیٰ رلانا چاہتے ہیں تو دو آنسو بہانا چاہئیں تھے وہ حال کے زوال کے بعد بھی اپنی رائے سے یہ سمجھتے ہیں کہ ایک کا تو حق ادا کریں یعنی محبت حق کا کہ خدا کے فعل پر راضی رہے۔ اب اگر طبیعت کا حق بھی ادا کریں اور رونے لگیں تو اس سے دوسرا حق فوت ہو جائے گا۔ حالانکہ یہ غلطی ہے دونوں کا حق ساتھ ساتھ ادا ہو سکتا ہے۔ اس طرح کہ طبعاً رنج کرو اور عقلاً راضی رہو۔ اس میں خدا تعالیٰ کی محبت اور مخلوق کی محبت کہ اس محبت کا حق خدا تعالیٰ ہی نے بنایا بھی ہے۔ دونوں کا حق ادا ہو گیا یہ حالت کامل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے واقعہ میں روئے ہیں اور حضرات صحابہ بھی روئے ہیں جو انبیاء کے بعد اکمل الناس ہیں۔ (المورد الفرخی فی المولد الرزخی ج ۵)

اصلاح قلب کی اہمیت

الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسدالجسد کله الاوھی القلب. (إتحاف السادة المتقین ۳: ۱۵۳، مسند الإمام أحمد ۴: ۲۷۰.)

(یادرکھو کہ جسم کے اندرایک لوتھڑا ہے گوشت کا۔ اگر وہ سنوارا ہوا ہوتا ہے تو سارا بدن سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ یادرکھو کہ وہ قلب ہے۔)

واقعی قلب ہی کے اوپر دارومدار ہے اصلاح وفساد کا۔ صوفی تو اس کے قائل ہیں۔ سارے فقہاء بھی اس کے قائل ہیں۔ دیکھئے آخر بدوں نیت کے نماز ہی صحیح نہیں ہوتی اور نیت ہی سے ایک نماز سنت ہوتی ہے اور دوسری فرض مثلاً چار ہی رکعت سنت میں ہیں اور چار ہی فرض میں تو اگر سنت کی نیت کر لی سنت ہوگئی فرض کی نیت کر لی فرض ہو گئے برخلاف اس کے یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ نیت تو کی جائے سنت کی اور ہو جائے فرض اور یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ اگر محض قلب میں نیت کر کے نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی زبان سے چاہے کچھ بھی نہ کہے۔ لیکن چونکہ ہمارا قلب پریشان رہتا ہے اور ہم کو قلب سے نیت کرنا دشوار ہے۔ اس لئے فقہاء نے احتیاطاً زبان سے بھی نیت کے الفاظ کہہ لینا تجویز کر دیا ہے ورنہ اگر زبان سے ایک لفظ بھی نہ کہے مگر دل میں سمجھے کہ میں ظہر کی نماز ادا کرتا ہوں تو نیت متحقق ہو جاوے گی اور نیت وہ چیز ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

انما الاعمال بالنیات (الصحیح للبخاری ۱: ۲، ۸: ۱۷۵، ۹: ۲۹، سنن أبی داود: ۲۲۰۱، سنن الترمذی: ۱۶۴۷، سنن النسائی کتاب الطهارة باب: ۵۹، کتاب الایمان والنذور باب: ۱۹، سنن ابن ماجة: ۴۲۲۷، السنن الکبری للبیهقی ۱: ۴۱، ۲۱۵، الترغیب والترهیب ۱: ۵۶.)

(سارے اعمال کا دارومدار نیت ہی پر ہے۔)

اب بتلایئے فقہا کے نزدیک بھی قلب ہی کے اوپر سارا دارومدار ہوا یا نہیں۔ نیت وہ چیز ہے کہ اگر ظہر کے وقت میں نیت فرض کر لی تب تو فرض ادا ہوں گے ورنہ اگر کسی نے ہزار نفلیں بھی ظہر کے وقت میں پڑھ ڈالیں مگر اس کے ساتھ نیت فرض نہ کی تو اس کے ذمہ فرض موجود اور

عذاب تیار۔ اور حضرت قلب تو وہ چیز ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ جل وعلا شانہ کے ساتھ معاملہ کا سارا مدار اسی پر ہے۔ تو اب یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ قلب کے متعلق کوئی عمل نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ گناہ صرف اعضاء ظاہری ہی کے متعلق نہیں ہیں بلکہ قلب کے متعلق بھی ہیں جیسا کہ بالتفصیل ثابت کر دیا گیا ہے۔ لیجئے اس جماعت کا تو فیصلہ ہوا۔ (نقد اللبیب فی عقد الحبیب ج ۵)

عاشق اور معشوق میں کوئی پردہ نہیں۔ تو خودی حجاب ہے اے حافظ درمیان سے علیحدہ ہو۔

اہل جذب کی باتیں

حضرت بہلول نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ کیا حال ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہو اس کی خواہش کے موافق ہوتا ہو پھر اسے کا ہے کی تکلیف۔ حضرت بہلول نے کہا کہ حضرت یہ تو سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ ہنسنے لگے اور کہا کہ اس پر تو تمہارا ابھی ایمان ہے کہ بدوں خدا کے ارادہ کے کچھ نہیں ہوتا جب یہ سمجھ گئے تو اب یہ سمجھ لو کہ جس نے اپنی خواہش ہی نہ رکھی ہو اور اپنی مرضی کو بالکل خدا کی مرضی میں فنا کر دیا ہو تو جو کچھ ہوگا وہ خدا کی مرضی کے موافق ہی تو ہوگا۔ اور اس کی مرضی بھی وہی ہے جو خدا کی مرضی ہے بس وہ اس کی خواہش کے موافق بھی ہوگا۔ اس کا کوئی خاص ارادہ ہی نہیں نہ یہ کہ ابھی مر جائیں نہ یہ کہ دس برس زندہ رہیں کہ ذرا بیمار ہوئے اور دھڑکا پیدا ہوا کہ ہائے ابھی تو ایک ہی برس گزرا ہے ابھی نو برس اور باقی ہیں۔ نہ یہ خواہش کہ غریب ہو کر رہیں نہ یہ خواہش کہ امیر ہو کر رہیں۔ جیسے زاہدوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کمل ہی ملے دوشالہ نہ ملے۔ اگر دوشالہ ملا تو ناک منہ چڑھ گیا اور دنیا دار کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دوشالہ ملے اگر کمل ملے گا تو اس کا ناک منہ چڑھ گیا۔ سو غور کرو تو تم کیا اور تمہاری مرضی ہی کیا۔ اگر کمل دیں کمل اوڑھو اگر دوشالہ دیں دوشالہ اوڑھو۔ اگر غریب بنائیں خوشی سے اسے گوارا کرو اور اگر بادشاہ بنائیں بادشاہ بن جاؤ ایک جوڑا روز بدلنے کو دیں ایک جوڑا روز پہنو اور اگر ایک جوڑا ایک برس میں دیں تو ایک برس میں پہنو۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ کو ان کے شیخ نے کرتہ دیا تھا۔ وہ اسے ساری عمر پہنے رہے۔ جب پھٹ جاتا گھوڑے پر سے گدڑے چیتھڑے جوڑ بٹو کر دھوتے اور دھو کر پیوند لگا لیتے تھے۔ وہ کرتہ اب بھی موجود ہے اور زائرین نہایت عقیدت سے اسے آنکھوں سے لگاتے ہیں اور بادشاہوں کے تخت و تاج کا پتہ بھی نہیں اور نہ کوئی انہیں پوچھتا ہے وجہ یہ کہ وہ

عطیہ تھا سرکاری۔ اور گو یہ بھی عطیہ سرکاری ہے مگر بادشاہ اسے عطیہ سرکاری نہیں سمجھتے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا ہے ہم نے حاصل کیا ہے ہمیں اس کا استحقاق ہے اس خودی کی وجہ سے وہ مٹادیا گیا اور اس میں یہ برکت عطا کی گئی کہ وہ اب تک باقی ہے۔ (الشریعت ج ۶)

اصلاح باطن

اعمال دو قسم کے ہیں ایک تو وہ کہ ان کی اصلاح کرنے سے معاش کی گاڑی کچھ اٹکتی ہے اور دوسرا وہ کہ ان کی اصلاح سے معاش کا کچھ بھی نقصان نہیں۔ مثلاً وضع شریعت کے موافق بنائے نماز روزہ کرے حج کرے تکبر نہ کرے باجا گاجا چھوڑ دے۔ تو بتلایئے اس میں معاش کا کیا نقصان ہے۔ تو اس میں تو آج ہی سے اصلاح کر لیجئے پس زیادہ اعمال تو آپ کے آج ہی سے درست ہو جائیں گے کیونکہ پچاس عمل میں چالیس ایسے نکلیں گے کہ محض گناہ بے لذت ہیں کہ خواہ مخواہ آپ نے ان کو اپنے پیچھے لگا رکھا ہے۔ آگے دس ہی رہ جائیں گے اس میں اگر آپ کی اصلاح نہ بھی ہوئی تو چونکہ غالب درجہ اعمال صالح کا موجود ہوگا اس لئے حق تعالیٰ سے امید ہے کہ بقیہ اعمال کو جو کہ مغلوب و قلیل ہیں درست فرمائیں گے۔ (نفی الحرج ج ۶)

توبہ اور دُعا

ایک دستور العمل ایسا بتلاتا ہوں کہ اس سے ایسے جرائم خفیف ہو جاویں گے وہ یہ کہ اس میں دو برتاؤ کرنا چاہئیں ایک تو یہ کہ ہر روز توبہ کیا کرے۔ اب تو یہ غضب ہے کہ لوگ توبہ کی حقیقت نہیں سمجھتے۔ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ کیا اس پر پچھتائے اور دعا کیجئے کہ اے اللہ! مجھے معاف فرمایئے مواخذہ نہ کیجئے تو یہ کیوں نہیں کرتے۔ کیا ایسا کرنے سے نوکری سے موقوف ہو جاؤ گے؟ ہرگز نہیں بلکہ تم نوکر ہی رہو گے۔ دوسرے یہ دعا کیا کرو کہ اے اللہ کوئی دوسری سبیل میرے لئے نکال دیجئے۔ تو اس میں یا تو کوئی سبیل نکلے گی اور جو کوئی دوسری سبیل نہ نکلے تو یہ شخص شرمندہ گنہگاروں کی فہرست میں تو لکھا جاوے گا۔ جری گنہگاروں کی فہرست میں نہیں لکھا جاوے گا اور یہ توسع آپ میری ہی زبان سے سنیں گے اور اس توسع میں راز شرعی یہ ہے کہ اگر چھوڑنے پر مجبور کیا جاوے تو شاید اس کو چھوڑ کر اس سے بھی زیادہ کسی گناہ شدید میں مبتلا ہو جائے مثلاً یہی کہ چلو آریہ بنیں۔ تو یہ توسع این بلا دفع بلاہائے بزرگ کا مصداق ہے۔ اور میں کفر سے بچا رہا ہوں۔ کیونکہ جب آدمی نادار ہوتا ہے تو خدا جانے کیا کیا اس کو سوجھتا ہے۔ (نفی الحرج۔ ج ۶)

جمال محبوب

کسی نے حضرت جنید رحمہ اللہ کو دیکھا ہاتھ میں تسبیح لئے ہوئے پوچھا کیا آپ مبتدی ہیں۔آپ نے فرمایا اسی نے تو منتہی اور واصل الی اللہ بنایا تو کیا ایسا رفیق چھوڑ دیں۔

ایک بزرگ اسی معنی میں فرماتے ہیں۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است　　افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

یعنی مجھ کو اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انہوں نے محبوب کے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے قدموں پر فدا ہوتا ہوں کہ ان کا گزر محبوب کے کوچہ میں ہوا ہے۔

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را　　کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

یعنی اپنے ہاتھ کو ہزاروں بوسے دیتا ہوں کہ انہوں نے محبوب کا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے۔ اپنے ہاتھ پیر پر ناز کرتے ہیں اور جان فدا کرتے ہیں۔حقیقت میں ان حضرات کا فہم بہت عالی ہوتا ہے اپنے ہاتھوں کو اپنا سمجھ کر نہیں چومتے بلکہ یہ سمجھ کر کہ اس سے طاعت وعبادت ہوتی ہے آنکھ پر اپنی آنکھ سمجھ کر ناز نہیں کرتے بلکہ اس لئے کہ اس نے انوار محبوب کا معائنہ کیا ہے اور یہی عالی فہمی تو ہے جس کی وجہ سے افلاطون نے صوفیا کو حکماء سے اکمل بتلایا ہے۔(حق الاطاعت ج ۶)

کشف وکرامات کی حقیقت

کشف وکرامت وغیرہ جس کو آج کل لوگ مقصود سمجھتے ہیں یہ چیزیں انابت کے اندر کچھ دخل رکھتی ہیں یا نہیں۔اس میں حقیقت بتلاتا ہوں سنیئے! انابت کے لئے قرب ضروری ہے پس جس بات سے قرب ہو وہ انابت میں دخل رکھتی ہے اور جس بات سے کچھ قرب نہ ہو اس کو انابت میں کچھ دخل نہیں کیونکہ ان سے کچھ قرب نہیں ہوتا اور اگر تین مرتبہ سبحان اللہ کہئے تو اس سے قرب ہوتا ہے پس ہزار کشف وکرامت سے تین مرتبہ سبحان اللہ کہنا افضل ہے حضرت جن اعمال کو آپ حقیر سمجھتے ہیں وہی اصل مقصود ہیں۔(اتباع المنیب ج ۶)

ضرورت شیخ کامل

بعضے اتباع تو اہل انابت ہی کا کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ یہ خود رائی کرتے ہیں کہ ان منیبین میں سے کسی ایک کو اتباع کے لئے متعین نہیں کرتے جس مسئلہ میں ان میں سے

جس کا چاہا اتباع کر لیا۔ یہ خود رائی بھی بہت مضر ہے۔ مناسب یہ ہے کہ زندہ لوگوں میں سے ایک شخص کو اپنی متبوعیت کے لئے پسند کر لیجئے اور میں یہ بہت فائدہ کی بات بتلاتا ہوں۔ تجربہ سے معلوم ہے کہ سلامتی اسی کے اندر ہے گو اہل انابت متعدد ہوں مگر متبوع ان میں سے ایک کو بنا لیا جائے اور اسی کے سبیل کا اتباع کیا جائے۔

پس اب ان میں سے ایک کو ترجیح دینے کا طریقہ معلوم ہونا چاہئے۔ سو وہ یہ ہے کہ جس کا انابت زیادہ ہو یعنی یہ دیکھ لیجئے کہ اس کا علم کیسا ہے تقویٰ کی کیا حالت ہے۔ پھر دیکھئے کہ نسبت مع اللہ کیسی ہے اور یہ معلوم ہوگا کہ اس کی صحبت میں رہنے سے یعنی اگر اس کے پاس بیٹھنے سے دنیا کی محبت کم ہو تو سمجھو کہ اس کی نسبت کامل ہے اور وہ متبوع بنانے کے قابل ہے اور اگر اپنی استعداد ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کی صحبت کا اپنے اندر یہ اثر محسوس نہ ہو کہ دنیا کی محبت کھو دو تو صرف اتنی بات سے بدگمان نہ ہو جائے کیونکہ استعداد ضعیف ہونے کی وجہ سے اثر بھی بہت ضعیف ہوتا ہے جس کا ابھی احساس نہیں ہوتا۔ سالہا سال کے تجربہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کیا اثر ہوا۔ پس جب اپنے اندر اثر محسوس نہ ہو تو اس کے پاس کے رہنے والوں کو دیکھے کہ ان لوگوں کی حالت کیسی ہے۔ اگر ان میں سے اکثر کی حالت اچھی دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ شخص کامل ہے۔

حضرت یہ تجربہ ہوا ہے کہ جو اہل باطل ہوتا ہے اس کے مخصوصین اور مقربین نہایت بدتر حالت میں ہوتے ہیں ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ لوگ ان کو بزرگ سمجھتے تھے اور ان سے پانی پڑھوا کر لے جاتے تھے ان کے مخصوصین کی یہ حالت تھی کہ موٹے موٹے دانوں کی تسبیح لوگوں کو دکھلانے کے لئے پاس رکھتے تھے اور نماز روزہ کچھ نہ کرتے تھے۔

اہل باطن کے پاس رہنے والوں میں اکثر کی حالت اچھی ہو تو سمجھ لو کہ ضرور وہ شخص کامل ہے۔ اس کو متبوع بنا لو اور ہرگز نہ چھوڑو اور اگر اس کے مخصوصین میں اکثر کی حالت خراب دیکھو تو سمجھو کہ اسی کی حالت خراب ہے۔ خود اسی کے پاس کے رہنے والوں میں کہاں سے آئے۔

بقول رامپور کے ایک شخص کے کہ وہ اہل باطن میں سے ایک شخص کے ہاتھ میں جا پھنسا تھا اور بات کی پچ کی وجہ سے اس کو نہیں چھوڑتا تھا کسی نے اس سے کہا کہ میاں تم کو پیر سے کچھ حاصل بھی ہوا؟ اس نے کہا کہ جب سقاوہ ہی میں نہ ہو تو بدھنے میں کہاں سے آئے۔

ایسے شخص کو چھوڑو۔ وہاں اتنی بات ہے کہ اس کو برا مت کہو برا کہنے سے کیا فائدہ۔

اگر کسی طبیب کا علاج پسند نہ آئے تو اس کا علاج نہ کرو مگر اس کو برا بھلا کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ پس منبیین کے تعدد کی حالت میں جس میں انابت اقویٰ معلوم ہو اس کو اختیار کرلو اور اس کے ہوتے ہوئے صرف اسی کا اتباع کرو۔ اسی میں راحت ہے۔ فی نفسہ یہ بھی جائز ہے مختلف لوگوں کا اتباع ہو۔ مثلاً کسی شیخ سے کوئی شغل پوچھ لیا اور کسی دوسرے سے اور کوئی شغل پوچھ لیا تو اسی طرح متعدد کا اتباع بھی فی نفسہ جائز ہے۔ (اتباع المنیب ج ٦)

بیعت کے معنی

ایک درویش تھے ان کا لقب تھا رسول نما۔ اور وجہ لقب کی یہ تھی کہ ان کو ایسی قوت تصرف تھی کہ جو شخص طالب ہوتا تھا کہ مجھ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرادو وہ اس پر متوجہ ہوتے تھے اس کی نظروں سے درمیانی حجاب مرتفع ہو جاتے تھے اور وہ زیارت جمال با کمال نبوی سے مشرف ہو جاتا تھا۔ وہ بزرگ جس وقت اپنے شیخ سے بیعت ہونے گئے تو شیخ نے فرمایا کہ استخارہ کرلو کہ سنت ہے وہ ایک گوشہ میں بیٹھ کر ۵ منٹ سے بھی کم میں واپس آ گئے۔ شیخ نے پوچھا کہ استخارہ کرلیا۔ کہا کہ حضور کرلیا شیخ نے فرمایا کہ اتنی دیر میں آپ نے کیسے استخارہ کرلیا۔ وضو نہیں کیا' نماز نہیں پڑھی' دعا استخارہ نہیں پڑھی کہنے لگے کہ میں نے اس طرح استخارہ کیا ہے کہ میں نے اپنے نفس سے کہا کہ اے نفس! تو جو بیعت کرتا ہے تو بیعت کے معنی دوسرے کے ہاتھ بک جانا ہیں تو تجھ کو اپنے تمام اختیارات سلب کر دینے اور بدست غیر ہو جانے سے کیا نفع ہے۔ نفس نے جواب دیا کہ بلا سے خدا تو ملے گا۔ میں نے کہا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ خدا ملے ہی۔ خدا کے ذمے کسی کا قرض تو نہیں ہے۔ نفس نے کہا کہ خیر کچھ حرج نہیں خدا کو خبر تو ہوگی کہ فلاں شخص نے ہم کو طلب کیا تھا اس پر میں کچھ جرح نہیں کر سکا۔ شیخ نے فرمایا کہ تمہارا استخارہ سب سے اچھا ہے۔ پس غلامی واقعی طبعاً گراں ہے جس کو کچھ ملا ہے اسی کی بدولت ملا ہے۔ (شرط الایمان ج ٦)

حسن تربیت

حضرت شیخ فرید کے ایک مرید کو ان کی ایک کنیزک کے ساتھ تعلق ہو گیا اور حضرت شیخ کو اس کی خبر ہو گئی بجائے اس کے کہ اس کو ملامت کریں کیونکہ بعض اوقات عشق ملامت سے

بڑھ جاتا ہے۔ آپ نے ایک لطیف تدبیر کی۔ وہ یہ کہ اس لونڈی کو دوائے مسہل پلا دی۔ چنانچہ مادے کا اخراج شروع ہوا اور بہت سے دست اس کو آئے اور سب مادے کو ایک طشت میں جمع رکھنے کا حکم دیا۔ دست آنے سے اس لونڈی کا رنگ و روغن جاتا رہا اس کے بعد اس لونڈی کے ہاتھ کھانا اس مرید کے پاس بھیجا۔ بجائے اس کے کہ اس لونڈی کی طرف ملتفت ہو اس کو ایک نفرت ہوئی۔ اور اس کی طرف التفات بھی نہ کیا اس لئے کہ اس کا عشق تو اس کے رنگ و روغن ہی کی وجہ سے تھا۔ اس کے رنگ ہی کے ساتھ عشق بھی رخصت ہو گیا۔

عشقہائے کز پئے رنگے بود   عشق نبود عاقبت ننگے بود

جو عشق محض رنگ و روپ پر ہوتا ہے وہ واقع میں عشق نہیں بلکہ محض ننگ ہوتا ہے یعنی اس کا انجام حسرت و ندامت ہے۔

عشق با مردہ نباشد پائیدار   عشق را با حی و با قیوم دار

مردہ کے ساتھ عشق کو پائیداری نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ حی و قیوم کا عشق اختیار کرو جو ہمیشہ باقی ہے۔

حضرت شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ وہ نجاست لے آؤ وہ لائی گئی اس مرید سے فرمایا کہ یہ کنیزک تو وہی ہے۔ اس میں سے صرف یہ نجاست کم ہو گئی ہے اس سے تمہارا میلان جاتا رہا۔ معلوم ہوا کہ تمہارا محبوب یہ تھا محبوب حقیقی کو چھوڑ کر تم اس گندگی پر گرے تھے۔ طبع اس کی سلیم تھی فوراً تائب ہو گیا اور اس سے نفرت ہو گئی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بدکاری کی اجازت دے دیجئے۔ اگر آج کل کے علماء خشک سے کوئی یہ کہے تو بے حد برہم ہوں۔ لیکن کیا ٹھکانہ ہے تحمل کا۔ بجائے اس کے کہ زجر و توبیخ فرمائیں فرماتے ہیں کیا تو راضی ہے کہ تیری ماں کے ساتھ ایسا فعل ہو اس نے عرض کیا کہ نہیں۔ پھر فرمایا کیا تو پسند کرتا ہے کہ تیری بہن کے ساتھ ایسا ہو کہا کہ نہیں۔ فرمایا تو پھر کسی کی ماں بہن کے ساتھ تم کیسے اس کو پسند کرتے ہو۔ اس کی سمجھ میں آ گیا اور توبہ کی۔

لیکن اس طرز سے کام لینا ہر ایک کا کام نہیں۔ اس لئے کہ اہل مداہنت بھی اپنی مداہنت پر اس سے استدلال کر سکتے ہیں۔ نرمی اور سختی دونوں کے حدود ہیں۔ یہ کام شیوخ کاملین اور اکابر امت کا ہے۔ ہر شخص اپنے کو اس پر قیاس نہ کرے۔ یہ حکیم کا کام ہے جو حکمت موہوبہ من

اللہ (اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکمت موہوبہ) کے ساتھ لوگوں کو راہ پر لاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرز کی ہدایت فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن

یعنی آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔ (شرط الایمان ج ۶)

اہل جذب وجنون

مجاذیب اکثر امور تکوینیہ کو ظاہر کر دیا کرتے ہیں۔ مگر بعض مجذوب مؤدب بھی ہوتے ہیں۔ جیسے حافظ غلام مرتضیٰ صاحب کی تعریف میں نے حضرت حاجی صاحب سے سنی ہے سالکین کی زبان سے مجذوبوں کی تعریف کم سنی جاتی ہے۔ ہمارے حافظ غلام مرتضیٰ صاحب کی تعریف حضرت نے بہت کی ہے اور یہ حافظ صاحب صرف ایک کمبل میں رہتے تھے مگر کبھی برہنہ نہیں دیکھے گئے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک بار جلال آباد تشریف لے گئے وہاں کے پٹھانوں نے کہا، حضور نے قدم رنجہ فرمایا۔ تو ان کو ادب سکھلایا کہ بزرگوں سے یوں نہیں کہا کرتے کہ قدم رنجہ فرمایا۔ کیا ہم کسی کے نوکر ہیں کہ قدم رنجہ فرماتے بلکہ یوں کہا کرتے ہیں کہ حضور نے کرم فرمایا۔ (الغالب للطالب ج ۶)

بری صحبت کے نقصانات

صوفیہ کو صحبت کا اہتمام سب سے زیادہ ہوتا ہے چنانچہ صحبت بد کے بارہ میں ان کا ارشاد ہے۔

تاتوانی دور شواز یار بد　　　یار بد بدتر بود از مار بد

(جہاں تک ممکن ہو برے دوستوں سے بچو برا دوست سانپ سے زیادہ برا ہے۔ ایک لمحہ اولیاء اللہ کی صحبت سو سولہ بے ریا عبادت سے افضل ہے)

اور صحبت نیک کے بارے میں فرماتے ہیں۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء　　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

صحبت صالح کا اثر تو یہ ہے کہ مسارقت کے بعد مشارفت ہوئی ہے دونوں انوار سے منور ہو جاتے ہیں اور صحبت بد کے اثر کا کچھ نام صوفیہ نے لکھا مگر میں کہتا ہوں کہ

وہاں مسارقت کے بعد مبارقت ہوتی ہے کہ دونوں طرف سے بجلی چمکتی ہے۔ اور سوختن و افروختن کا سلسلہ شروع ہوتا ہے کہ دونوں کا دین جل کر خاک سیاہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ایک عارف صحبت صالح کی تاکید میں فرماتے ہیں۔

جہد کن وبا مردم دانا بنشین با صدق و صفا یا باصنم لطیف رعنا بنشین باشرم و حیاء
زیں ہر دوگرت یکے میسر نشود از طالع خویش اوقات مکن ضائع و تنہا بنشین در یاد خدا

(کوشش کر اور صدق وصفا کے ساتھ عقلمند انسان کی صحبت اختیار کر یا شرم وحیا ملحوظ رکھتے ہوئے خوبصورت اور لطیف محبوب کی صحبت میں بیٹھ اگر شومئی قسمت سے یہ دونوں میسر نہ ہوسکیں تو اپنا وقت ضائع نہ کرے بلکہ یاد خدا میں یہ دونوں میسر بلکہ (یاد خدا میں تنہائی اختیار کر)

مطلب یہ ہے کہ یا تو کسی عارف کے پاس صدق وخلوص سے رہو اگر یہ نہ ہو سکے تو اپنی بیوی کے پاس رہو۔ مگر آج کل نوجوان کو بیوی سے تو جاڑہ چڑھتا ہے اگر ماں باپ کی لائی ہوئی دلہن ہے تو وہاں تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ صاحب پنچوں کی بلا سر دھر لی گئی۔ کیا کریں دولہا کو پسند نہیں۔ گو شرافت تو یہ ہے کہ ماں باپ کی لائی ہوئی کی قدر اپنی لائی ہوئی سے زیادہ کی جائے تا کہ ماں باپ کو شرمندگی نہ ہو) مگر زیادہ شکایت تو ان لوگوں کی ہے جو خود طلب ورغبت سے نکاح کرتے ہیں۔ اور پھر بھی بیوی کے حقوق ضائع کرتے ہیں۔ ان کی قدر نہیں کرتے۔ رات دن دوست احباب کی صحبت میں رہتے ہیں ان سے دل لگی مذاق اور فحش مذاق کیا جاتا ہے اور بیوی سے جس کے ساتھ ایسی باتیں کرنا جائز بھی ہے اور ثواب بھی سیدھے منہ بات بھی نہیں ہوتی وہاں منہ کو گوند لگ جاتا ہے اور کہنے کو یہ دعویٰ ہے کہ ہم کو شرم آتی ہے ارے تم کو مردوں کو فحش مذاق کرتے ہوئے غیرت نہ آئی ڈوب مرو۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو نہ شیخ میسر ہو نہ دلبر رعنا یعنی بیوی بھی میسر نہ ہو خواہ اس واسطے کہ نکاح کا سامان نہیں یا اس واسطے کہ بیوی مرگئی ہے تو اس کو چاہیے کہ یاد خدا میں تنہا بیٹھے اور صحبت بد میں ہرگز نہ بیٹھے ورنہ دین کی خیر نہیں تو صوفیہ کے کلام سے معلوم ہوا کہ اخلاق باطنہ میں تعدیہ ہوتا ہے۔ (الغالب للطالب ج۲)

اصلاح کیلئے مناسبت کی شرط

حضرت مرزا صاحب کا ایک اور واقعہ یاد آیا کہ آپ کی خدمت میں مولانا غلام یحییٰ

بہاری جن کا حاشیہ رسالہ قطبیہ پر مشہور ہے حاضر ہوئے ان کی ڈاڑھی بہت بڑی تھی کہ ایک مشت سے بھی بہت زیادہ تھی۔ بعض لوگوں کو ڈاڑھی بڑھانے کا شوق ہوا کرتا ہے بس مرزا صاحب کے سامنے پہنچے اور آپ کی نظر ان کی ڈاڑھی پر پڑی فوراً آنکھوں پر ہاتھ دھر لیا اور فرمایا جلدی کہو جو کچھ کہنا ہے۔ کیسے آئے ہو۔ عرض کیا بیعت ہونے آیا ہوں۔ فرمایا پیرو مرید میں مناسبت شرط ہے آدمی اور ریچھ میں کوئی مناسبت نہیں۔ مجھ سے آپ کو فیض نہ ہوگا مولانا غلام یحییٰ نے ایسی بات کب سنی تھی وہ تو مولانا اور مقتدا بنے ہوئے تھے۔ اس جواب پر خفا ہو کر چلے گئے کہ ہم کسی اور سے بیعت ہو جائیں گے کوئی آپ ہی ایک شیخ نہیں رہ گئے۔ کہنے کو تو کہہ گئے مگر سارے جہان میں مرزا صاحب جیسا کوئی نہ ملا۔ یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں کوئی اور شیخ ہی نہ تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی سے مناسبت نہ ہوئی بس وہ حال تھا۔

ہمہ شہر پر ز خوباں منم و خیال ماہے　　　چہ کنم کہ چشم بدخو نہ کند بکس نگاہے

اور مناسبت کا ہونا نہ ہونا یہ کسی کے اختیار میں نہیں یہ تو عالم ارواح میں ہو چکی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

الارواح جنود مجندة ماتعارف منها ائتلف وماتنا کر منها اختلف

(الصحیح للبخاری، ۴: ۱۶۲)

ارواح لشکر جمع کردہ ہیں جن میں وہاں آشنائی ہو چکی ہے وہ مالوف و مانوس ہیں اور جن میں وہاں تناکر و تنافر ہو چکا ہے وہ یہاں بھی اختلاف رکھتے ہیں۔

عورتیں اس مسئلہ کو خوب سمجھتی ہیں جب کسی لڑکی کا نکاح بری جگہ ہو جاتا ہے تو ان کو زیادہ رنج نہیں ہوتا بلکہ یوں کہتی ہیں کہ سنجوک یوں ہی ملا ہوا تھا اور کہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جوڑیاں ملا دی ہیں جس کا جوڑ جس کو بنایا ہے اسی سے نکاح ہوتا ہے۔ اسی طرح مریدین و مشائخ میں بھی جوڑیاں ملی ہوئی ہیں جس کو جس سے مناسبت ہوتی ہے اسی سے تعلق حاصل کرتا ہے۔

شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ترکستان سے شیخ کی تلاش میں چلے مگر کوئی ایسا بزرگ نہ ملا جس سے مناسبت ہوا آخر ہندوستان پہنچ کر شیخ علاء الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ سے مناسبت ہوئی اور ان ہی سے فیض ہوا آخر کار مولانا غلام یحییٰ بعد میں پھر آئے اور اس وقت ڈاڑھی ٹھیک کر کے آئے یعنی ایک مشت سے جو زائد تھی اس کو ترشوا دیا۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ ہاں اب آدمیوں کی صورت سے آئے ہو۔ اب مجھ سے مناسبت ہو جائے گی۔ چنانچہ بیعت فرمایا اور خانقاہ میں رکھا۔

زیادتی عمر نعمت ہے

شاہ فضل الرحمٰن صاحب ایک دفعہ بیمار ہوئے پھر اچھے ہو گئے تو فرمایا کہ ہم ایک بار بیمار ہو گئے ہم کو مرنے سے بہت ڈر لگتا ہے ایک رات حضرت سیدہ فاطمہ زہرہؓ کو خواب میں دیکھا انہوں نے ہم کو چھاتی سے لگالیا بس صبح ہی کو اچھے ہو گئے مولانا بڑے صاف تھے تصنع بالکل نہ تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تو حدیث میں آیا ہے کہ جب ملک الموت ان کے پاس قبض روح کے واسطے آئے تو آپ نے ان کے ایک طمانچہ مارا وہ بے چارے حق تعالیٰ کے پاس واپس گئے اور عرض کیا۔

انک ارسلتنی الی رجل لا یرید الموت

آپ نے مجھے ایسے شخص کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۔

سو طمانچہ مارنے کی خواہ کچھ ہی توجیہ ہو لیکن ملک الموت کے قول سے موسیٰ علیہ السلام کی شان لا یرید الموت کی تو معلوم ہوئی جس پر کوئی نکیر نہیں کیا گیا معلوم ہوا کہ طول حیات کی خواہش بھی منافی کمال دلالت نہیں وہ دنیا کی عمر کو موجب زیادت سمجھ کر یہ چاہتے تھے کہ اور زندہ رہیں تاکہ قرب میں اور ترقی ہو۔ (العید والوعید ج ۶)

حدیث میں صرف اتنا ہے کہ دو رکعت نماز پڑھے اور یک سوئی کا منتظر رہے۔ بعض جو جانب قلب میں راجح ہو جاوے اس پر عمل کرے۔

چنانچہ انہوں نے وہاں سے ذرا ہٹ کر پھر واپس آ کر عرض کیا کہ میں نے استخارہ کر لیا۔ ان بزرگ نے کہا ایسا مختصر استخارہ کیسے کر لیا، وہ کہنے لگا کہ اس استخارہ کو سمجھ لیجئے میں نے الگ بیٹھ کر نفس سے پوچھا کہ بیعت کے معنی فروخت شدن کے ہیں (یعنی بکنا) اور بکنے سے تو غلام ہو جاوے گا پھر غلام ہو جانے کے بعد اگر پیر بتاوے گا کہ جاگو جاگنا پڑے گا، اگر کہے گا کہ بھوکے رہو تو بھوکا مرنا ہوگا، اگر ٹھنڈا پانی پینے کو منع کرے گا پیاسا رہنا ہوگا، مثلاً تو کیوں بیوقوف ہوا ہے کہ اچھی خاصی آزادی کو چھوڑ کر دوسرے کے قبضے میں اپنے کو دیئے دیتا ہے۔ نفس نے یہ جواب دیا کہ یہ سب کچھ سچ ہے مگر خدا تو ملے گا، میں نے کہا اگر خدا بھی نہ ملے تو کیونکہ وہ تیرا قرض دار تو نہیں تو اس نے جواب دیا:

ملنے کا اور نہ ملنے کا مختار آپ ہے — پر تجھ کو چاہیے کہ تگ و دو لگی رہے

(وہ نہ ملیں ان کو اختیار ہے مگر ان کو یہ تو خبر ہو جاوے گی کہ یہ کم بخت بھی ہمارا طالب ہے بس اتنا ہی کافی ہے۔)

ہمینم بس کہ داند ماہر ویم — کہ من نیز از خریداران اویم

ہمینم بس اگر کاسد قماشم — کہ من نیز از خریدارانش باشم

(یہی بہت ہے کہ محبوب کو معلوم ہو جائے کہ میں بھی اس کے خریداروں میں ہوں۔ یہی بہت ہے اگر میں کھوٹی پونجی یعنی غریب ہوں کہ اس کی خریداروں کی لڑی میں بھی ہو جاؤں۔)(العبادات ج ۷)

دینی رہبر کی ضرورت

دین میں ہر جگہ حکیم کی ضرورت ہے۔ ہر کام میں کسی محقق کو رہبر بناؤ اور اس سے ایک ایک جزئی پوچھو۔ البتہ اس کے انتخاب میں بڑے غور و خوض کی ضرورت ہوگی۔ اب اول تو انتخاب ہی میں غلطی ہوتی ہے اور اگر انتخاب بھی صحیح ہو تو اتخاذ شیخ اس واسطے کرتے ہیں کہ ان سے مقدمات میں دعا کرایا کریں گے، تعویذ گنڈے کرایا کریں گے۔ گویا شیخ ان کے نوکر ہیں، ششماہی نذرانہ تنخواہ میں پاتے ہیں اور اگر زیادہ خوش اعتقاد ہوئے تو اس خیال سے پیر بناتے ہیں کہ بس وہ خدا کے ہاں بخشا لیں گے، چاہے وہ خود بھی نہ بخشے جائیں۔ حضرت شیخ ان کاموں کے لیے نہیں ہے وہ تو طبیب ہے ان کے سامنے اپنے امراض ظاہر کرو اور ان سے اپنی حالت کا فیصلہ کراؤ اور جو وہ علاج بتائیں اس پر عمل کرو، جب ایسا انتظام ہوگا تو حضرت اس بارے میں شیخ ہی کے مشورہ پر عمل ہوگا کہ کہاں سلام نہ کریں اور کہاں کریں کہاں مصلحت ہے اور کہاں مفسدہ۔

یار باید راہ را تنہا مرو — بے قلاوز اندریں صحرا مرو

(ساتھی ضرور چاہیے، تنہا راستہ مت چل خصوصاً اس طریق میں بلا رہبر کے قدم مت رکھ)

اور اگر کسی کے پاس رہبر محقق نہیں ہے تو وہ اگر دین پر عمل کرنا چاہے گا تو ہر صورت میں بہت چیزیں متشابہ ہیں جو واقع میں اضداد ہیں۔

گہ چنیں بنماید وگہ ضد ایں — جز کہ حیرانی نباشد کار دیں

(کبھی یہ دکھلاتے ہیں کبھی اس کی ضد، دین کے کاموں میں سوائے حیرانی کے اور کچھ نہیں)

(آثار العبادت ج ۷)

عشق مجازی کی تباہ کاریاں

کانپور میں ایک بوڑھے آدمی تھے۔ وہ ایک یہودن پر عاشق ہوئے، میں ان کے بڑھاپے کی وجہ سے ان کا ادب باپ کا سا کرتا تھا اور وہ طالب علم سمجھ کر میرا ادب کرتے تھے مگر اس حیا سوز عشق میں یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ سب ادب و حیا کو بالائے طاق رکھ کر ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ اگر وہ یہودن ہے تو میں یہودی ہوں، اگر وہ عیسائن ہے تو میں عیسائی ہوں، نعوذ باللہ! وہ تھے تہجد گزار مگر دیکھئے ایک بدنگاہی سے سب ختم ہوگیا، اسی لیے میں کہتا ہوں کہ اس سے بہت بچنا چاہیے۔

ابن القیم نے دواء الکافی میں ایک حکایت لکھی ہے۔ ایک نہایت حسین عورت نے ایک آدمی سے حمام منجاب کا راستہ پوچھا، کچھ نظر اور کچھ اس کی باتوں سے اور کچھ اس کی صورت سے یہ گرویدہ ہوگیا اور اسے دھوکہ دیا کہ اپنے ہی مکان کو حمام منجاب بتادیا۔ جب وہ مکان میں گئی یہ بھی اندر گھس گیا، وہ تھی عفیفہ اس کی بدنیتی کو سمجھ گئی۔ اس نے کہا کہ میں تو خود تجھ پر فریفتہ ہوں مگر اس وقت میں بہت بھوکی ہوں، پہلے میرے لیے کچھ کھانے کو لاؤ، آپ بازار میں گئے جب اس نے گھر اکیلا پایا تو چپکے نکل کے چل دی، اب جو کھانا لے کر آیا اور اسے نہ پایا تو مارے غم کے بیمار پڑگیا اور یہاں تک کہ وقت اخیر ہوگیا۔ لوگوں نے کہا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہو، تو یہ بجائے اس کے یہ کہتا ہے:

یارب سائلۃ یوما وقد تعبت   این الطریق الی حمام منجاب

(اے رب حمام منجاب کو پوچھنے والی کہاں ہے)

اور اسی پر خاتمہ ہوگیا۔ (آثار العبادت ج ۷)

بڑھاپے میں حفاظت نظر

عشق نفسانی میں ایک بڑی آفت ہے وہ یہ کہ اگر کسی نے جوانی میں احتیاط اور توبہ نہ کی ہو تو یہ مرض بڑھاپے میں اور بڑھ جاتا ہے۔ اس پر ایک تفریع فقہی کرتا ہوں وہ یہ کہ بوڑھے آدمی سے اپنے سیانے لڑکے اور سیانی لڑکی کو زیادہ بچانا چاہیے۔ وجہ یہ کہ جوانی میں اگر شہوت زیادہ ہوتی ہے تو قوت ضبط بھی ہوتی ہے اور اس قوت ضبط ہی سے قوت شہوت میں لذت

ہوتی ہے تو اگر کوئی خوف حق سے ابھی ضبط نہ کرے گا تو لذت ہی کے لیے ضبط کرے گا اور یہ لذت معین ہو جاوے گی، ادامت ضبط پر اور اس سے رفتہ رفتہ وہ اس ضبط میں خوف حق کی نیت کر کے متقی بن جائے گا اور بوڑھے میں گو قوت شہوت کم ہے مگر قوت ضبط بھی کم ہے کیونکہ شہوت اور ضبط کا دارومدار حرارت غریزیہ پر ہے اور وہ بڑھاپے میں کم ہو جاتی ہے اس لیے اس میں ضبط کم ہو گا پس وہ زیادہ احتیاط کے قابل ہے۔ گو وہ بزرگ ہی کیوں نہ ہو۔

مشائخ کے فرائض

مشائخ کو چاہیے کہ وظیفہ وغیرہ بتلانے سے پہلے دو کام بتلائیں، ایک اخلاق کی درستی، دوسرے بقدر ضرورت علم کی تحصیل۔ پہلے زمانہ میں اسی پر عمل تھا، مریدوں کی برسوں تک اصلاح اخلاق کرتے تھے اس کے بعد وظیفے تعلیم فرماتے تھے اور جو طالب علم دین سے کورا ہوتا اس کو تحصیل علم کی تاکید فرماتے تھے۔

چنانچہ شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ کے پاس شیخ عبدالقدوس رحمتہ اللہ علیہ حاضر ہوئے تو شیخ نے پوچھا کہ علم دین کہاں تک حاصل کیا ہے، کہا کچھ نہیں۔ فرمایا جاہل ولی نہیں ہو سکتا، جاؤ پہلے علم دین بقدر ضرورت حاصل کر کے آؤ۔ چنانچہ شیخ عبدالقدوس رحمتہ اللہ علیہ واپس ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد پھر حاضر ہوئے تو حضرت شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ کا وصال ہو چکا تھا تو آپ نے شیخ کے پوتے سے بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے بھی وہی سوال کیا کہ کیا پڑھا ہے؟ عرض کیا کافیہ تک پڑھا ہے، فرمایا: کافیہ کافی است باقی دردسر (کافیہ کافی ہے باقی دردسر ہے) اور بیعت فرمالیا۔ پھر گو ظاہر میں پوتے سے بیعت ہوئے تھے مگر روحانی فیض آپ کو شیخ عبدالحق رودلوی رحمتہ اللہ علیہ سے بہت زیادہ ہوا تو محققین مشائخ کی یہ عادت تھی کہ ہر شخص کو فوراً بیعت نہ کرتے تھے بلکہ اول اس کو مبادی کی تحصیل کا امر کرتے تھے اور اگر کوئی شخص مبادی کو حاصل کر کے آیا ہو اس کو بھی جلدی بیعت نہ کرتے تھے بلکہ امتحان طلب کے بعد بیعت فرماتے تھے۔ (اصل العبادت ج ۷)

کراہت کی قسمیں

کراہت دو قسم کی ہے۔ ایک کراہت طبعی ایک کراہت عقلی۔ تو اطاعت کے

خلاف مطلق کراہت نہیں ہے بلکہ صرف کراہت عقلی ہے اور وضو میں جو ناگواری ہے وہ طبعی ہے اور وہ مضر نہیں کیونکہ شریعت کو رغبت وطوع مطلوب ہے جو وسع میں ہو اور وہ عقلی ہے اور کراہت طبیعہ بوجہ غیر مقدور ہونے کے شریعت کو مطلوب ہی نہیں تو اس کا فقدان یعنی کراہت طبعی مضر بھی نہیں۔ (اسرار العبادت ج ۷)

فرقہ ملامتیہ

صوفیاء کرام کی ایک جماعت کا لقب ملامتی بھی ہے لوگوں نے اس کے معنی بھی بدل دیئے ہیں کہ جو خلاف شرع کام کرے اس کو ملامتی کہتے ہیں۔ حالانکہ فرقہ ملامتیہ صوفیاء کے نزدیک وہ ہیں جو اعمال کے اخفاء کا اہتمام کرتے ہیں اور ان فرق صوفیاء کی اصل احادیث سے ملتی ہے۔

چنانچہ قلندر کی اصل اس حدیث میں ہے کہ ایک صحابی کا گزر ایک مجمع پر ہوا، مجمع میں سے ایک صحابی نے ان کو دیکھ کر کہا "انی لابغض ھذا" میں اس سے نفرت کرتا ہوں۔ کسی نے ان کو خبر کر دی۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر شکایت کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم ان سے بغض کیوں رکھتے ہو، کہا یا رسول اللہ! یہ ضابطہ سے زیادہ نہ ایک نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں نہ خیرات کرتے ہیں تو یہ کیسا مسلمان ہے جو ضابطہ سے زیادہ کچھ بھی نہیں کرتا۔ پہلے صحابی نے کہا یا رسول اللہ! ان سے پوچھئے کہ میں جو کام کرتا ہوں کیا اس میں کچھ نقص رہ جاتا ہے یا میں اسے کامل طور پر ادا کرتا ہوں۔ دوسرے صحابی نے کہا کہ نقص تو کچھ نہیں رہتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تو ان سے بغض نہ کرو ان سے محبت کرو، یہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے ہیں او کما قال۔ یہ حدیث مسند احمد میں ہے۔

ملامتی کی اصل ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ میں ہے کہ مہمان کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے، کھانا تھوڑا تھا، چراغ گل کر دیا، مہمان سمجھا کہ یہ بھی کھا رہے ہیں مگر انہوں نے سب مہمان کو کھلا دیا۔ (دواء الغفلت ج ۷)

اہل اللہ کا طریق

حضرات اولیاء اللہ کی یہ حالت تھی کہ اپنے نفس سے محاسبہ کرتے تھے اور حدیث میں

بھی ارشاد آیا ہے "حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا" (اپنے نفس کا خود محاسبہ کرلو اس سے پہلے کہ تمہارا حساب لیا جائے) دیکھو اگر کوئی پٹواری اپنے کاغذات کو حاکم کے معائنہ سے پہلے درست کرلے تو معائنہ کے وقت اس کو ندامت نہ ہوگی اور معائنہ سے پہلے پہلے ہر وقت اس کو فکر بھی رہے گی کہ دیکھئے کیا پیش آتا ہے۔ (الخضوع ج ۷)

خشوع کی حقیقت

خشوع کے معنی ہیں دب جانا پست ہو جانا یعنی سکون، جیسا کہ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

وَمِنْ اٰيَاتِهٖ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ

(یعنی منجملہ اس کی (قدرت اور توحید کی) نشانیوں کے ایک یہ ہے کہ اے مخاطب تو زمین کو دیکھ رہا ہے کہ دبی دبائی پڑی ہے پھر جب اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے)

چونکہ اهتزت وربت سے خاشعۃ کا مقابلہ کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اہتزاز اور بڑھنے اور ابھرنے میں حرکت ہے تو خاشعۃ کے معنی سکون اور پستی والے کے ہوں گے اور اس مقابلہ سے ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ خود لغت شاہد ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر شے کی حرکت وسکون جدا گانہ ہوتا ہے مثلاً اگر کہا جاوے کہ ہاتھ چل رہا ہے تو اس کے معنی ہلنے اور نقل مکانی کے ہوں گے اور اگر کہا جاوے کہ فلانے کی طبیعت خوب چلتی ہے تو یہاں یہ معنی نہیں مراد ہوں گے بلکہ یہاں اور معنی ہوں گے یعنی ذکر کرنا اور سوچنا جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سنئے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو دو قسم کی چیزیں عنایت فرمائی ہیں ظاہر اور باطن یا یوں کہو کہ جوارح اور قلب پس کمال خشوع کے یہ معنی ہوئے کہ جوارح بھی ساکن رہیں اور قلب بھی لیکن دونوں کا سکون جدا جدا ہے۔

جوارح کا سکون تو یہ ہے کہ ادھر ادھر دیکھے نہیں، ہاتھ پیر نہ ہلائے اور اس کے مقابلات کا نام حرکت ہوگا اور قلب کا سکون اس کی حرکت کے مقابل ہے۔ حرکت تو یہ ہے کہ خیال کرنا، تصور کرنا، فکر کرنا یعنی سوچنا فعل اختیاری ہے اور قدرت واختیار ضدین سے متعلق ہوتا ہے پس جب یہ حرکت اختیاری ہے تو اس کے مقابل سکون بھی یعنی نہ سوچنا اختیاری ہوگا۔ اور آدمی اختیاری ہی چیزوں میں مکلف ہوتا ہے لہٰذا خشوع کے معنی یہ ہوں کہ اپنے اختیار سے دوسرا خیال نہ لانا۔ یہ نہیں کہ دوسرے خیال کا دل میں نہ آنا یہ

دونوں چیزیں الگ الگ ہیں خیال کا آنا تو اختیاری نہیں ہے اور خیال کا لانا اختیاری ہے پس خشوع کے یہ معنی ہوئے کہ اپنے اختیار سے دوسرے خیالات دل میں نہ لاوے رہا اگر کوئی خیال بلا اختیار آوے تو وہ خشوع کے منافی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہؓ نے پوچھا کہ ہمارے دل میں ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا ان سے آسان معلوم ہوتا ہے آپؐ نے فرمایا اوجدتموہ قالو انعم قال ذلک صریح الایمان یعنی آپؐ نے دریافت فرمایا کیا تم نے اس کو پایا ہے یعنی کیا ایسے خیالات آتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں آپ نے فرمایا یہ تو صریح ایمان ہے اور کیوں نہ ہو چور تو وہیں آتا ہے جہاں مال ہو متاع ہو۔ اسی طرح شیطان وہیں آتا ہے جہاں متاع ایمان ہو۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

دیو آید سوئے انساں بہر شر　　　پیش تو ناید کہ از دیو بتر

(شیطان تو انسان کی طرف شر کے لئے آتا ہے تیرے پاس نہ آئے گا کہ تو شیطان سے بدتر ہے)

(الخشوع مواعظ اشرفیہ ج ۷)

حصول خشوع کا طریقہ

ایک حدیث میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے اس طرح کہ مقبلا علیھا بقلبہ یعنی حال یہ ہو کہ اپنے دل سے نماز پر متوجہ رہے۔

اب نماز دیکھنا چاہئے کہ نام کس کا ہے سو اس میں بعضی چیزیں تو مختلف ہیں ان کی طرف توجہ کرنے میں مبتدی کو یکسوئی حاصل ہونا ذرا تکلف ہے اس لئے دیکھنا چاہئے کہ اس میں کونسی چیز ہے جو نماز میں برابر ہوتی رہتی ہے سو وہ ذکر اللہ ہے کہ ابتدا سے انتہا تک پایا جاتا ہے تو اب نماز میں متوجہ ہونے کی صورت میں اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی کہ ذکر اللہ کی طرف برابر توجہ رہے یعنی جو کچھ پڑھا جائے سوچ سوچ کر پڑھا جائے پہلے سوچ لو پھر زبان سے نکالو یہ نہیں کہ ریل گاڑی ہے جہاں ڈرائیور نے کل چلا دی اور گاڑی اڑی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ اسٹیشن آ گیا اور ڈرائیور نے روکی تو تھمی اس طرح سے اپنے اندر کی ریل گاڑی کو اگر ہم چلائیں گے تو لڑے گی اس کا کیا نتیجہ ہوگا کہ سارے قوائے محمودہ کے مسافر پاش پاش ہو جائیں گے اور زمین باطن میں ہلچل پڑ جائے گی۔ دنیاوی ریل کے لڑنے کا حال تو اسی وقت آنکھوں سے نظر آ جاتا ہے ہماری اندرونی ریل کے لڑنے کا حال قیامت میں کھلے

گا بہر حال چاہئے یہ کہ ہر ہر لفظ کو سوچ سوچ کر پڑھو اگر چہ اس میں دو چار دن مشقت معلوم ہو گی جی گھبرائے گا کیونکہ جی روکنا پڑے گا لیکن جہاں ہم اپنے دنیاوی ذرا ذرا سے کاموں میں مشقت اٹھاتے ہیں خدا کیلئے بھی ذرا سی مشقت اٹھانا گوارا کر لیں۔ جب دنیا بے مشقت نہیں ملتی تو خدا کو چاہتے ہو کہ بے مشقت ہی مل جائے۔

اہتمام خشوع کا طریق

اگر کوئی شخص کام کر رہا ہو اور اسے معلوم ہو جائے کہ اس وقت ہمارا مالک اور حاکم دیکھ رہا ہے تو وہ شخص کام بالکل ٹھیک کرنے لگے گا اور احتیاط رکھے گا کہ کوئی خرابی نہ ہونے پائے اور اگر کہیں خود حاکم کو دیکھ لیا تب تو کچھ پوچھنا ہی نہیں ہے اپنی انتہائی کوشش صرف کر کے کام کو خوب اچھی طرح سے انجام دے گا۔

چنانچہ طالب علموں ہی کو دیکھئے کہ استاد کی عدم موجودگی میں آپس میں بیٹھتے ہیں تو ظرافت اور ہنسی کی باتوں میں بھی باک نہیں ہوتا۔ دل کھول کر ایک دوسرے سے بولتے ہیں کہیں پیر پھیلائے ہیں کہیں کوئی شعر پڑھ رہے ہیں اور جہاں کسی نے دیکھ لیا کہ مولوی صاحب دیکھ رہے ہیں فوراً مودب ہو کر بیٹھ گئے اور خاموشی اختیار کر لی اور اگر کہیں اپنی نظر استاد پر پڑ گئی تب تو ادب کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں ہوتا خلاصہ یہ کہ حاکم کی نظر کے سامنے ہونے کے وقت کام خوب عمدگی سے ہوتا ہے تو مطلب اس حدیث کا یہ ہوا کہ خدا کی ایسے حسن وخوبی سے عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو (یعنی اگر فرضاً تم خدا کو دیکھتے تو سوچو کہ اس وقت تمہاری عبادت کس طرح کی ہوتی اب بھی اسی حالت کے مطابق تمہاری عبادت ہونا چاہئے) اس لئے کہ اگر تم اسے نہ بھی دیکھتے ہو تو کیا ہوا وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے (یہ اس لئے بڑھایا کہ پہلے جملہ سے یہ سوال ہو سکتا تھا کہ جب واقع میں ہم نہیں دیکھتے تو اس طرح کی تحسین عبادت کس طرح ممکن ہے اس کا جواب اس سے مفہوم ہو گیا کہ دیکھنے والے کی سی تحسین کے لئے حق تعالیٰ کی رویت کا تعلق بھی کافی ہے) غرض فان لم تکن تراہ میں فائے تعقیب نہ لی جائے بلکہ فائے علت قرار دی جائے۔ (الخشوع مواعظ اشرفیہ ج ۷)

مسئلہ فناء الفناء

مسئلہ فناء الفناء کی توضیح اس مثال سے اچھی طرح ہو سکتی ہے کہ اگر کسی کا کوئی دلربا

معشوق ہو اور عاشق اس کے خیال میں مستغرق ہو اس حالت میں اس عاشق کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ میں خیال کر رہا ہوں۔ کسی کو یاد کیجئے اس یاد کی طرف ذرا بھی ذہن نہیں جاتا۔ آدمی سوتا ہے مگر اس وقت یہ خبر نہیں ہوتی کہ میں سوتا ہوں اور اگر یہ خبر ہو جائے تو وہ سوتا ہوا نہیں ہے۔ اور ان احوال حالیہ کو سن کر یہ ناامیدی نہ چاہیے کہ بھلا ہم کو یہ دولت کب میسر ہو سکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل بڑا واسع ہے۔ اس کو کچھ دشوار نہیں۔

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست　　　　با کریماں کارہا دشوار نیست

(تو یہ خیال مت کر کہ بھلا ہماری پہنچ اس دربار تک کہاں ہے، کریموں کو کوئی کام مشکل نہیں ہوتا) (مہمات الدعاء ج ۷)

ہر قدم پر راہبر ضروری ہے

ایک وکیل سے ریل میں ملاقات ہوئی۔ ان کا سہارنپور میں مقدمہ تھا وہاں جا رہے تھے۔ میں نے کہا کہ آپ کو تو وکیل کرنے کی حاجت نہ ہوتی ہو گی کہا کہ ہوتی ہے کیونکہ اپنا معاملہ ہونے کی وجہ سے طبیعت پر تشویش کا اثر ہوتا ہے جس سے عقل کام نہیں دیتی۔

اسی طرح عارف کو بھی اپنے معاملہ میں پریشانی ہوتی ہے اور دوسروں کی ضرورت پڑتی ہے بلکہ کبھی اپنے سے چھوٹوں سے بھی نفع ہوتا ہے تو بڑوں سے تو کیسے استغناء ہو سکتا ہے۔ مولانا فریدالدین عطار ایسی رہبری کی حاجت کے متعلق فرماتے ہیں۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق　　　　عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق

(بلا مرشد کے طریق عشق میں جس نے قدم رکھا اس نے عمر ضائع کی اور عشق سے آگاہ نہ ہوا)

مولانا فرماتے ہیں۔

یار باید راہ را تنہا مرو　　　　بے قلاؤز اندریں صحرا مرو

(راہ سلوک میں مددگار ہونا چاہئے اس میں تنہا قدم مت رکھو بلا مرشد کے اس عشق کی وادی میں مت چلو)

ہر کہ تنہا نادر ایں راہ را برید　　　　ہم بعون ہمت مرداں رسید

(اگر شاذ و نادر کسی نے اس راستہ کو اکیلے طے کیا تو وہ بھی ہمت مرداں کی مدد (غالباً بزرگوں کی دعاؤں سے) طے کیا ہے) (شکر العطاء ج ۷)

علامات صحبت صالح

چند بار روایت میں دیکھا ہے کتاب کا نام یاد نہیں۔

ان ابا بکر لم بفضلکم بکثرۃ الصیام و الصلوٰۃ لکن بھا وقر فی قلبہ او کما قال

یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بزرگی صحابہؓ پر اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ وہ اوروں سے زیادہ نماز روزہ کرتے تھے لیکن اس چیز کی وجہ سے جو ان کے قلب میں القاء کی گئی تھی۔ بزرگی زیادہ نفلوں کی وجہ سے نہیں بلکہ وہ ایک خاص مناسبت ہے جس کو حقیقت شناس اور اہل نظر پہچانتے ہیں اور طالب علامات سے معلوم کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بزرگ کی صحبت میں یہ اثر ہوتا ہے کہ دین کی رغبت معاصی سے نفرت، دنیا سے زہد آخرت کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور دین کی سمجھ دینی علم اور اس میں ایک خاص اثر پیدا ہو جاتا ہے اسی طرح اجتہاد ایک کیفیت ہے جس کا ادراک ذوق سے ہوتا ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی حرص کرنا کہ ہم مجتہد ہیں محض دعویٰ ہے۔

آنچہ مردم میکند بوزینہ ہم

(جو انسان کرتے ہیں وہی بندر بھی کرتا ہے)

ایک نائی نے کسبت رکھی بندر استرہ لے گیا اور درخت پر جا بیٹھا اور استرہ باوجود مختلف تدبیروں کے نہیں دیا نائی نے ایک دوسرا استرا اپنی ناک پر رکھ کر آہستہ آہستہ پھیرا اس نے بھی ناک پر رکھ کر خوب پھیرا ناک کٹ گئی۔ بڑا فرق ہے۔ (شعبان ج ۷)

اللہ تعالیٰ سے کمال محبت

کامل محبت کے دو اثر ہیں ایک دوام ذکر اور دوسرے سہولت اطاعت اور یہی علامت کامل ایمان کی ہے۔ اگر ہم میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں تو ہم کو اپنی حالت پر افسوس کرنا چاہیے۔ صاحبو! یہ تو بفضلہٖ تعالیٰ بلا غبار ثابت ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کی محبت کاملہ کا دعویٰ بدون ذکر دائم و سہولت اطاعت کے غلط ہے۔

اب یہ بات باقی رہی کہ آیا خدا تعالیٰ اس محبت کاملہ کے مستحق بھی ہیں یا نہیں، سو اس کو بھی سمجھ لو کہ درحقیقت خدا تعالیٰ ہی مستحق محبت ہیں اور یہ ایسی ظاہر بات ہے کہ شریعت کے علاوہ عقل بھی اس کا فتویٰ دیتی ہے اس لیے کہ محبت کے تین اسباب ہوا کرتے ہیں۔

یا یہ کہ کوئی شخص ہم پر احسان کرتا ہو اور اس کے احسان کی وجہ سے ہم کو اس سے محبت ہے۔

یا یہ کہ وہ خود نہایت حسین و جمیل ہو اور اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اس کی طرف میلان خاطر ہو۔ یا یہ کہ اس میں کوئی کمال پایا جاتا ہو اور وہ کمال باعث محبت ہو، جیسے حاتم طائی سے اس کی سخاوت کے سبب اور رستم سے اس کی قوت کے سبب اور کسی عالم فاضل سے اس کے علم و فضل کے سبب سے محبت ہے۔

اب غور کیجئے کہ ان تینوں وجوہ محبت میں سے کوئی وجہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ میں نہ پائی جاتی ہو، منعم وہ اتنے بڑے ہیں کہ کوئی ان کے برابر ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ سب ان کی مخلوق و مملوک ومحتاج ہیں۔ جمال ان کا اس حد تک ہے کہ کسی کو حاصل ہونا ممکن ہی نہیں۔ بڑے بڑے حسین و جمیل ان ہی کے حسن و جمال کے فیض سے حسین جمیل بنے بیٹھے ہیں۔

چہ باشد آں نگار خود کہ بندد ایں نگارہا

(جس نے ایسے خوب صورت نقش و نگار بنائے ہیں وہ خود کتنا حسین و جمیل ہوگا)

علیٰ ہذا صاحب کمال اتنے بڑے ہیں کہ علم کامل انہیں کو ہے۔ نیز ہر صفت کمال علیٰ وجہ الکمال ان ہی میں پائی جاتی ہے تو انعام ونوال اور حسن و جمال اور فضل و کمال ہر طرح سے عقلاً ونقلاً ان ہی میں ہے۔ پس وہی مستحق محبت ہیں، بس اب اپنے قلب کو ٹٹولو کہ خدا تعالیٰ سے محبت کاملہ ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے۔ سو وہ تدبیر یہ ہے کہ تم چند باتوں کا التزام کرلو، ایک تو یہ کہ تھوڑی دیر خلوت میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرلیا کرو۔ اگر چہ پندرہ بیس منٹ ہی ہو لیکن اس نیت سے ہو کہ اس کے ذریعے سے خدا تعالیٰ کی محبت پیدا ہو۔

دوسرے یہ کیا کرو کہ کسی وقت تنہائی میں بیٹھ کر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرو اور پھر اپنے برتاؤ کو غور کیا کرو کہ ان انعامات پر خدا تعالیٰ کے ساتھ ہم کیا معاملہ کر رہے ہیں اور ہمارے اس معاملے کے باوجود بھی خدا تعالیٰ ہم سے کس طرح پیش آ رہے ہیں۔

تیسرے یہ کرو کہ جو لوگ محبان خدا ہیں ان سے علاقہ پیدا کرلو، اگر ان کے پاس آنا جانا دشوار ہو تو خط و کتابت ہی جاری رکھو لیکن اس خیال کا رکھنا ضروری ہے کہ اہل اللہ کے پاس اپنے دنیا کے جھگڑے نہ لے جاؤ نہ دنیا پوری ہونے کی نیت سے ان سے ملو بلکہ خدا کا راستہ ان سے دریافت کرو، اپنے باطنی امراض کا علاج کراؤ اور ان سے دعا کراؤ۔

چوتھے یہ کرو کہ خدا تعالیٰ کے احکام کی پوری پوری اطاعت کیا کرو کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جس کا کہنا مانا جاتا ہے اس سے محبت بڑھ جاتی ہے، وقت میں گنجائش نہیں ہے ورنہ میں اس کو مفصل طور پر بتلاتا۔

پانچویں یہ کہ خدا تعالیٰ سے دعا کیا کرو کہ وہ اپنی محبت عطا فرمادیں۔ یہ پانچ جز کا نسخہ اس کو استعمال کر کے دیکھئے، ان شاء اللہ تعالیٰ بہت تھوڑے دنوں میں خدا تعالیٰ سے کامل محبت ہو جائے گی اور تمام امراض باطنی سے نجات حاصل ہو جائے گی اور آپ "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ" (اور ایمان والے سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت رکھتے ہیں) کے پورے مصداق ہو جائیں گے مگر ان پانچ اجزاء میں جو ایک جزو ہے اطاعت وہ اس وقت ہو سکتی ہے کہ جب احکام کا علم ہو اور احکام کا علم اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب ان کو سیکھا جائے۔ لہٰذا ایک چھٹے جزو کی اور ضرورت ہو گی۔ (آثار المحبت ج ۷)

حصول علم کا آسان طریقہ

وہ یہ ہے کہ علم دین سیکھا جائے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر شخص مولوی عالم بنے۔ عالم بننے کے لیے تو صرف وہ لوگ مناسب ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے فراغ اور وقت دیا ہے۔ آپ صرف اتنا کریں کہ اردو کے چھوٹے چھوٹے رسائل دینیہ جو اسی غرض سے لکھے گئے ہیں کسی سے پڑھ لیں اور اگر پڑھنے کیلئے وقت نہ ہو یا عمر زیادہ ہو جانے کی وجہ سے یہ دشوار معلوم ہو تو کسی سے سن لیں۔ سو اس کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ ہر شہر میں ایک دو عالم ایسے رہیں کہ جن سے یہ دو کام یعنی ان سے پڑھنے اور سننے کے لیے جائیں۔ (آثار المحبت ج ۷)

شیخ کامل کا معیار

شیخ کامل کے معیار کی چند صفات ہیں ان صفات کو سب سے پہلے دیکھنا چاہئے۔

ایک یہ کہ بقدر ضرورت اس کو علم دین حاصل ہو۔ جاہل محض نہ ہو۔ دوسرے اس کو علماء سے موانست ہو نفرت نہ ہو۔ اگر پیر جاہل ہے اور اس کو علماء سے نفرت ہے تو جب اسے مسائل کی ضرورت ہو گی تو اپنی رائے پر عمل کرے گا اور گمراہ ہو گا۔

تیسری بات یہ ہے کہ وہ عامل ہو شریعت پر متبع سنت ہو شریعت کے خلاف عمداً نہ کرتا ہو کیونکہ جو شخص گو صحیح تعلیم پر قادر ہو خود عمل نہ کرتا ہو تو اس کی تعلیم میں برکت نہ ہوگی۔

چوتھے یہ کہ کسی شیخ مسلم عند العلماء سے مجاز بھی ہو۔

پانچویں یہ کہ اس کی صحبت میں یہ اثر ہو کہ روز بروز دنیا سے دل افسردہ ہوتا جاتا ہو اور آخرت کی رغبت بڑھتی جاتی ہو۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔

کار مردان روشنی و گرمی ست　　　　کار دوناں حیلہ و بے شرمی ست

اور مکار پیروں کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　　　پس بہر دستے نباید داد دست

تو یہ منصب بھی بہت بڑا ہے اس میں بھی وہی تفصیل ہے کہ کسی شیخ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو اب تو پیری بھی ایک رسم ہو گئی ہے وہ یہ کہ کسی خاندان میں کوئی ان کے بڑے پیر ہو گئے۔ بس ان کی نسل میں پیری چل پڑی۔ جب ان میں کسی کو صاحب سجادہ بناتے ہیں تو سب لوگ جمع ہو کر ان کے سر پر پگڑی باندھتے ہیں۔ گویا یہ مرید لوگ پیر کو پیر بناتے ہیں۔ (کیونکہ پیر کی نسل تو خود پیر ہوتی ہے پھر ان کے سر پر پیری کی پگڑی باندھی تو اور زیادہ پیر ہو گئے) پھر ان میں جو اہل ہوتے ہیں وہ تو کسی شیخ کامل کی طرف بغرض اصلاح رجوع کر لیتے ہیں ورنہ دوکاندار تو ہیں ہی۔ (احکام الجاہ ج ۸)

حجاب نورانی وظلمانی

حضرت حاجی صاحب ان تجلیات کے متعلق فرماتے تھے کہ حجاب نورانی اشد ہیں حجاب ظلمانی سے کیونکہ سالکین کو جو انوار نظر آتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ خدا تو نہیں غیر خدا ہیں مگر یہ عجیب ہونے کے سبب ان کی طرف متوجہ کرتا ہے ان سے مزے لیتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات ان کو مقصود سمجھنے لگتا ہے بخلاف حجاب ظلمانی کے کہ ان کی طرف ایسا التفات نہیں ہوتا اس لئے وہ اشد نہیں مگر لوگ ان ثمرات مانع ہی کو چاہتے ہیں اور انہی کو مقصود سمجھتے ہیں سو ان کے آنے کا ہرگز قصد نہ کرے اور اگر بلا قصد آویں تو ان کی طرف التفات نہ کرے۔

ان کی مثال ایسی ہے جیسے بچہ کو لڈو دے کر یا پیسہ دے کر بہلاتے ہیں اسی طرح مبتدی سلوک کو اس رنگ آمیزی سے بہلایا کرتے ہیں کہ نشاط سے کام میں لگا رہے سو مقصود کام ہی

ہے اسی لئے اکثر یہ انوار عقلاء کو نہیں دکھائے جاتے بلکہ کم عقلوں کو دکھاتے ہیں تا کہ ذکر اللہ کا چسکہ لگ جاوے اور آگے کو قدم بڑھاوے اور میں جوان انوار کی نفی کر رہا ہوں وہ بدرجہ مقصودیت ہے ورنہ فی نفسہ وہ محمود ہیں گو مقصود نہیں۔ ان کو مذموم نہ سمجھنا چاہیے۔ اگر خود آئیں آنے دو ان کے دور کرنے میں بھی پریشانی مت اٹھاؤ۔ اگر نہ آئیں تو مغموم مت ہو کیونکہ مقصودیت کے درجہ میں تو ہیں نہیں۔ نہیں آتے بلا سے مت آئیں۔ (خیر المال للرجال ج ۸)

اہل طریق کا جو قول ہے کہ غیر اللہ سے مستغنی ہو جاؤ اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کے سوا دوسری چیزوں کو کوئی مقصود سمجھنے لگے۔ اس سے استغناء ہونا چاہیے۔ باقی اس حیثیت سے کہ ان چیزوں کو تعلق ہے اللہ تعالیٰ سے اس حیثیت سے ان کے ساتھ تعلق رکھے تو اس سے استغناء نہ ہونا چاہئے بلکہ ان چیزوں کی طرف اپنے کو محتاج سمجھے یہ عین عبدیت ہے۔ (خیر المال للرجال ج ۸)

اکثر لوگوں میں دو مرض بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ایک حب مال' دوسرے حب جاہ' گو دونوں کا رنگ مردوں اور عورتوں میں مختلف ہے یعنی مردوں میں حب مال اور حب جاہ کا اور رنگ ہے اور عورتوں میں دوسرا رنگ ہے مگر دونوں میں یہی دو مرض زیادہ ہیں۔ مردوں میں حب جاہ اس رنگ سے ہے کہ اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں۔ عورتیں اپنے کو بڑا تو نہیں سمجھتیں مگر اپنے کو بڑا ظاہر کرنا چاہتی ہیں۔ ایسی باتیں اور ایسے طریقے اختیار کرتی ہیں کہ جن سے ان کا بڑا ہونا دوسرے پر ظاہر ہو۔

اسی طرح حب مال کے رنگ بھی دونوں میں مختلف ہیں۔ مردوں کو زیادہ روپے سے محبت ہوتی ہے اور کسی چیز سے اتنی نہیں۔ اسی واسطے اس کے جوڑنے اور جمع کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ اور عورتوں کو زیور اور کپڑے اور برتن وغیرہ خانگی سامان سے زیادہ محبت ہوتی ہے کہ رنگ برنگ کے کپڑے ہوں' قسم قسم کے برتن ہوں' مختلف قسم کے زیور ہوں علیٰ ہذا مگر اس بارہ میں مردوں کی سمجھ عورتوں سے اچھی ہے۔ کیونکہ روپیہ تو ایسی چیز ہے جس سے ہر چیز حاصل ہو سکتی ہے جس کے پاس روپیہ ہے اس کے پاس سب کچھ ہے کیونکہ وہ ہر چیز کا بدل ہو سکتا ہے اور ہر چیز اس سے حاصل ہو سکتی ہے بخلاف کپڑے اور برتن وغیرہ کے کہ وہ ہر چیز کا بدل نہیں ہو سکتے اور ہر چیز اس سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ (خیر الاثاث للاناث ج ۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازالہ حرص کا صحیح علاج بتاتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے ویتوب

الله علىٰ من تاب اس میں توبہ کوعلاج حرص بتلایا گیا ہے۔جس کے معنی ہیں توجہ الی اللہ۔ اوراس کا حرص کے لئے علاج ہونا ایک قاعدہ فلسفہ سے سمجھ میں آ جائے گا۔وہ قاعدہ یہ ہے۔

النفس لاتتوجه الى شيئين فى آن واحد

کہ نفس ایک وقت میں دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔

اور ظاہر ہے کہ حرص کی حقیقت توجہ اور میلان الی الدنیا ہے اب اس توجہ کو کسی دوسری شے کی طرف پھیر دیا جائے تو توجہ الی الدنیا باقی نہ رہے گی پھر جس چیز کی طرف توجہ کو پھیرا جائے اگر وہ طبعاً بھی محبوب ہوتو اس کی طرف توجہ اشد ہوگی اور اس سے توجہ الی الدنیا کا ازالہ بھی قوی ہوگا اور اگر ایسی شے کی طرف توجہ کی جائے جو طبعاً محبوب نہ ہوتو اس صورت میں توجہ کمزور ہوگی۔ (علاج الحرص ج ۸)

توجہ الی اللہ کی حقیقت

توجہ الی اللہ کی حقیقت یہی ہے کہ خدا کی طرف دل سے متوجہ ہومگر ہر حقیقت کی ایک صورت بھی ہوتی ہے اور توجہ الی اللہ کی صورت وہی ہے جو شریعت نے بتلائی ہے پس دونوں کو جمع کرنا چاہئے کہ دل سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو اور ظاہر سے اعمال شرعیہ کے پابند رہو طاعات کو بجالاؤ اور معاصی سے بچنے کا اہتمام کرو۔ نگاہ کو روکو اور نامحرموں کی باتیں بھی نہ سنو۔ اس کے بعد بھی اگر نورانیت حاصل نہ ہوتو ہم پر ہنسنا۔اس وقت میں وہی کہتا ہوں جو ایک صاحب طریق نے کہا ہے۔

چشم بند لب بہ بند و گوش بند　　　　گر نہ بینی نور حق بر ما بخند

''اگر آنکھوں' لبوں اور کانوں کو گناہوں سے بند کرلو اسکے بعد بھی اگر دل میں نور حق محسوس نہ کروتو ہم پر ہنسنا''(علاج الحرص ج ۸)

حال وکمال

اولیاءاللہ میں بعض ایسے گزرے ہیں جن کے کلام میں یہ مضمون پایا جاتا ہے کہ نہ ہم کو جنت کی طلب ہے نہ دوزخ کا خوف ہے تو یا تو جنت مطلوب نہیں یا وہ لوگ مخالف قرآن ہیں۔

جیسے ایک صاحب حال کی نقل ہے (یہ قصہ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کا ہے) کہ ایک روز غلبہ حال میں ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں پانی لے کر

نکلیں۔لوگوں نے عرض کیا حضرت یہ کیا۔کہا تمام عالم کو جنت اور دوزخ ہی کے خیال نے تباہ کر دیا میرے مالک کا نام کوئی نہیں لیتا آج میں فیصلہ کئے دیتی ہوں پانی سے دوزخ کو ٹھنڈا کروں گی اور آگ بہشت میں لگاؤں گی۔

سو بات یہ ہے کہ یہ اقوال و حکایات اہل حال کے ہیں اور غلبہ حال سے ان کو معذور سمجھا جاوے گا۔ہم سوالوں کو تو ان لوگوں کے اقوال کو نقل کرتے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے۔ایسی بات جذب میں کوئی کہہ جائے باقی قصداً کہنا یا اس کو کمال سمجھنا بڑی غلطی ہے خوب یاد رکھئے کہ جذب کوئی کمال نہیں اور نہ وہ اختیاری چیز ہے جو لوگ اختیار سے ایسے لفظ کہتے ہیں۔حاشا وکلا جو اعلیٰ وادنیٰ کسی درجہ میں بھی وہ شمار ہوں غلبہ کے تو معنی ہی بے اختیاری کے ہیں پھر بے اختیاری کا اختیار سے ہونا کیا معنی۔آج کل لوگوں نے اسی کو کمال سمجھ رکھا ہے۔جو کوئی واہی تباہی کلمات بیبا کانہ بکتا ہو اس کو بڑا پہنچا ہوا سمجھتے ہیں کہ فلاں بزرگ مست ہیں۔سو خوب سمجھ لیجئے کہ جن بزرگوں سے ایسے کلمات منقول ہیں ان کے لئے بھی یہ حالت کچھ کمال کی نہ تھی۔ ہاں غلبہ حال کی وجہ سے معذور تھے کوئی الزام ان پر عائد نہیں ہوتا اور رہے نقال سو وہ تو کسی طرح معذور ہی نہیں ہو سکتے۔ان کے اقوال کے دعوے کے ساتھ نقل سخت بے ہودگی ہے۔غرض ان لوگوں کی ایک حالت معذوری کی تھی ورنہ جس چیز کا مطلوب ہونا قرآن سے ثابت ہو اور جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب فرماویں۔**اللّٰھم انی اسالک الجنۃ و ماقرب الیھا من فعل او عمل** (اے اللہ میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں اور وہ چیز جو اس جنت کے قریب کر دے قول ہو یا عمل) اس کی نسبت دوسرے کا کیا منصب ہے کہ ایسا کہے۔(وعظ میرٹھ ج ۸)

جنت کے راستے

طرق طلب جنت کا حاصل دو امر ہیں۔اب یا تو ایک دونوں میں سے اصل ہے اور دوسرا معین یا دونوں اصل ہیں۔مجھے یوں معلوم ہوتا ہے اپنے مذاق سے کہ اصل نہی النفس ہے اور خوف اس کے لئے معین ہے میں یہ اپنے دل سے نہیں کہتا ہوں بلکہ اس حدیث سے کہ **نسالک من خشیتک ماتحول بہ بیننا و بین معاصیک** دعا مانگتے ہیں رسول اللہ کہ اے اللہ ہم مانگتے ہیں خوف میں سے اس قدر کہ حائل ہو جاویں آپ اس سے ہم میں اور معصیت میں۔

تعلیل سے یہ بات نکلتی ہے کہ خشیت معصیت سے بچنے کے لئے مطلوب ہے۔ بالذات مقصود نہیں ورنہ نسالک خشیتک (ہم تیرا خوف مانگتے ہیں) مطلقاً فرماتے کسی چیز کی حد مقرر کرنے سے صاف یہی بات مفہوم ہوا کرتی ہے کہ اس سے زیادہ مطلوب نہیں۔ خوف کی حد فرمادی کہ اس قدر چاہتے ہیں کہ معصیت سے مانع ہو۔ معلوم ہوا کہ اگر خوف اس سے زیادہ ہو جائے تو محمود نہیں۔ خوف مع الرجاء یہی ہے اور اگر خوف ہی خوف ہو کہ رجا نہ رہے اور ناامیدی تک نوبت پہنچ جائے تو یہ کفر ہے اس سے معصیت چھوٹتی نہیں بلکہ آدمی یہ سمجھ کر طاعت سے کیا ہوگا زیادہ معصیت میں پڑ جاتا ہے میں نے خود دیکھا ایک مغلوب کو تب معلوم ہوا کہ شریعت میں جو توسط ہے اس میں یہ مصلحت ہے۔ (وعظ میرٹھ ج ۸)

امید و خوف

بڑھاپے میں امید غالب رکھے اور جوانی میں خوف بوڑھے آدمی سے ویسے ہی کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگر اور خوف غالب ہو جائے گا تو رہے سہے بھی ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور امید میں کچھ نہ کچھ کئے ہی جائے گا اور جوانی میں قوت ہوتی ہے خوف کا تحمل ہو سکتا ہے جتنا خوف زیادہ ہوگا نفس کو تنبیہ ہوگی۔ معصیت سے اجتناب ہوگا اور اعمال حسنہ کی کوشش کرے گا۔ ہر وقت کے واسطے تدبیر جداگانہ ہے۔ باطن طب بھی ظاہری طب کی طرح ہے۔ کبھی دوا سرد دیتے ہیں کبھی گرم۔ کبھی تنقید کرنا پڑتا ہے کبھی تقویت۔ اسی طرح باطنی امراض کی تدبیریں بھی مختلف ہیں۔ (وعظ میرٹھ ج ۸)

ایثار کی نادر مثال

صحابہ کا ایک قصہ کتاب میں آتا ہے کہ ایک غزوے میں بہت سے آدمی شہید ہوئے چند آدمی نزاع کی حالت میں تھے موت کے وقت تشنگی کا غلبہ ہوتا ہے۔ ایک شخص نے آواز دی کہ کوئی میرے حلق میں ذرا سا پانی ڈال دے تو بڑا کام کرے ایک بندہ خدا کاسہ میں پانی لے کر پہنچے اور چاہتے تھے کہ ان کے منہ میں ڈالیں کہ اتنے میں ایک طرف سے اور آواز آئی کہ ذرا سا پانی کوئی پلاتا۔ انہوں نے پڑے پڑے کہا کہ پہلے ان کو پلاؤ' پھر مجھے پلانا یہ شخص پیالہ لے کر ان کے پاس پہنچے پلانا ہی چاہتے تھے کہ اسی طرح اور ایک آواز آئی غرض

مقتل میں چھ سات جگہ اسی طرح پانی لئے پھرے اور سب یہی کہتے رہے کہ پہلے میرے بھائی کو پلاؤ۔ اخیر میں جن کے پاس پہنچے ان کو پلانے کی نوبت نہ آئی تھی کہ دم آخر ہو گیا۔ یہ شخص واپس ہوئے اور پہلوں کے پاس پانی لائے جس کو دیکھا دم آخر ہو چکا ہے۔ ایک نے بھی پانی نہ پیا اور پیالہ بھرا ہوا لے کر چلے آئے۔ ایثار اس کو کہتے ہیں۔ (وعظ میرٹھ ج ۸)

گناہ سے بچنے کا راستہ

اب صرف اس کا طریق سہل بتائے دیتا ہوں اس کو سوچنا شروع کیجئے اور اس کے لئے ایک وقت مقرر کیجئے مثلاً سونے کا وقت اس وقت آپ کے کسی دنیا کے کام میں بھی حرج نہ ہوگا دنیا کے لئے تو سارا وقت دیا ہے اللہ میاں کے لئے نکما ہی وقت دو۔ اتنا تو کرو۔ اللہ میاں اس میں تمہارا کام بنا دیں گے۔ وہاں تو بہانہ ڈھونڈتے ہیں کہ بندہ ذرا ادھر کو منہ کرے اور رحمت کے انبار اس پر بکھیر دیں۔ پندرہ بیس منٹ دیر میں سوئے لیٹ کر یا بیٹھ کر یاد کیا کیجئے کہ آج کیا کیا گناہ کئے۔ فہرست گناہ تیار کیجئے پھر دل میں خیال جمائیے۔ گویا میدان قیامت موجود ہے اور میزان کھڑی ہے اپنا مددگار کوئی بھی نہیں دشمن بہتیرے ہیں حیلہ کوئی چل نہیں سکتا۔ زمین گرم تانبے کی طرح کھول رہی ہے آفتاب سر پر دوزخ سامنے ہے اور ان گناہوں کا حساب ہو رہا ہے کوئی جواب معقول بن نہیں پڑتا۔ یہ سب حالات پیش نظر ہوں گے تو بے اختیار ہاتھ جوڑ کر حاکم کے روبرو معذرت کرے گا کہ بے شک خطاوار ہوں کہیں ٹھکانا نہیں اگر کچھ سہارا ہے تو صرف حضور کے رحم کا۔ اسی کو استغفار کہتے ہیں رات کو یہ کیجئے پھر صبح اٹھ کر یاد رکھئے کہ کل فلاں فلاں گناہ کئے تھے اور رات ان سے استغفار اور عہد کیا ہے۔ سو آج وہ گناہ نہ ہونے پائے۔ اس سے اگر اسی دن تمام گناہ یک لخت نہ چھوٹ جائیں گے تو کمی تو ہو ہی جائے گی۔ اور چند روز میں تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ گناہ رہ سکیں یہ ایسی تدبیر ہے کہ چند ہی روز کرنے سے آدمی معاصی سے بالکل محفوظ ہو جاتا ہے اور دل میں گناہ کے وقت خود ایک ہراس پیدا ہو جاتا ہے۔ (وعظ میرٹھ ج ۸)

رجال اور احوال

تین قسم کے لوگ ہوئے۔ مبتدی، متوسط، منتہی۔ منتہی کی حالت ظاہر میں مبتدی کے مشابہ

ہوتی ہے۔اس لئے عوام کو دونوں میں امتیاز نہیں ہوتا اور اہل حال کی حالت ہے ممتاز اس لئے عوام ان کو بہت بڑا سمجھتے ہیں حالانکہ وہ ابھی درمیان میں ہیں چونکہ منتہی کی حالت مشابہ ہوتی ہے مبتدی کے اس لئے جیسے مبتدی کو بیٹے کے مرنے سے رونا آتا ہے منتہی کو بھی آتا ہے گو کہ اس کے رونے اور اس کے رونے میں زمین آسمان کا فرق ہے مگر ظاہری صورت دونوں کی یکساں ہوتی ہے۔

دیکھئے رسول اللہ اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کے انتقال پر روئے اور جب بعض صحابہ نے اس پر تعجب کیا تو فرمایا کہ یہ رونا تو رحمت ہے۔ترحم اور شفقت سے رونا آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل ہوگا اور آپ کی حالت یہ تھی کہ آپ کو صاحبزادہ کے انتقال پر رونا آیا۔پس معلوم ہوا کہ رونا کمال کے منافی نہیں۔جو کامل ہوتا ہے اس کو ایسے واقعات میں ضرور رونا آتا ہے اور یہ شخص صاحب مقام ہوتا ہے۔

البتہ صاحب حال نہیں روتا۔عوام اہل حال کو کامل سمجھتے ہیں مگر واقع میں کامل وہی شخص ہے جو بیٹے کے مرنے پر روتا ہے۔بظاہر تو اس کا رونا مبتدی کے مشابہ ہے مگر واقع میں مشابہ نہیں۔مبتدی کا رونا تو محض داعیہ نفس کی وجہ سے ہوتا ہے منتہی کا رونا ترحم کی وجہ سے ہوتا ہے اس کے اور اس کے رونے میں بہت فرق ہے اور صرف رونے ہی میں نہیں بلکہ اس کے اور اس کے کھانے پینے اور ہر بات میں بہت فرق ہے۔گو ظاہری صورت دونوں کی یکساں ہی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے عوام نے انبیاء کو نہیں پہچانا اور ان کو ظاہری نظر سے اپنے ہی مثل سمجھے۔کیونکہ ان کی ظاہری حالت کوئی ممتاز نہ تھی اسی واسطے تو حضرت ہود کے بارہ میں ان کی قوم نے کہا تھا۔

ماھذا الابشر مثلکم یاکل مماتاکلون منه و یشرب مما تشربون

نہیں ہیں یہ مگر ایک بشر تمہاری مثل۔وہی کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتے ہیں جو تم پیتے ہو۔

غرض کہ اہل حال کو اہل مقام سے افضل سمجھنا بڑی غلطی ہے۔پس اہل حال کی رضا طبعی ہوتی ہے اور اہل مقام کی رضا عقلی۔رضا ان میں بھی ہوتی ہے مگر وہ طبعی رضا سے آگے بڑھ گئے ہیں۔پس یہ درجہ میں اہل حال سے زیادہ ہیں۔(وعظ الحیٰوۃ ج ۸)

رزق کیا غیبی نظام

ایک بار حضرت رابعہ کے یہاں مہمان آئے۔آپ کے گھر میں کل دو روٹیاں تھیں۔ تھوڑی دیر میں ایک فقیر سائل آ گیا آپ نے وہ روٹیاں سائل کو دے دیں۔مہمانوں کو

حیرت ہوئی کہ اتنے تو مہمان گھر میں ہیں اور سوائے دو روٹیوں کے کچھ اور ہے ہی نہیں وہ بھی گھر میں نہ رکھیں۔ مگر کسی کو کیا معلوم کہ خدا کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا۔ تھوڑی دیر میں ایک شخص خوان لایا کہ فلاں رئیس نے حضرت کے واسطے کھانا بھیجا ہے۔ فرمایا لاؤ دستر خوان کھول کر۔ آپ نے روٹیاں شمار کیں تو اٹھارہ تھیں۔ فرمایا واپس لے جاؤ۔ یہ میرے واسطے نہیں دی ہیں کسی اور کو دی ہوں گی کیونکہ میرے لئے بیس سے کم نہیں ہو سکتیں۔ میں نے ابھی فقیر کو دو روٹیاں دی ہیں اور میرے محبوب کا وعدہ ہے۔ **الحسنة بعشرة امثالها** تو اس حساب سے پوری بیس روٹیاں ہونا چاہئیں۔ قاصد نے کہا حضور آپ کا حساب درست ہے۔ دو روٹیاں میں نے چرائی تھیں وہ یہ ہیں۔ اب آپ نے وہ کھانا قبول کیا اور مہمان سمجھ گئے کہ حضرت رابعہ نے دو روٹیاں سائل کو کس لئے دی تھیں۔ حضرت جب نسبت راسخ ہو جائے گی تو اس وقت آپ بھوکے بھی رہیں گے تو مزے میں رہیں گے اور یوں کہیں گے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت   سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

دشمن کا مقدر یہ نہ ہو کہ آپ کی تلوار سے ہلاک ہو جائے۔ آپ کے خنجر آزمانے کیلئے دوستوں کا سر سلامت رہے۔   اور یوں کہیں گے۔

ناخوش تو خوش بود برجان من   دل فدائے یار دل رنجان من

محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو وہ طبیعت کو ناخوش ہی کیوں نہ ہو مگر وہ میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو اس پر قربان کرتا ہوں۔

(مظاہر الاموال ج ۸)

معاملات کی درستگی

ایک مرتبہ ایک شخص نے یہاں پانچ روپے بھیجے۔ اور یہ لکھا کہ طلباء سے دعا کرا دینا۔ میں نے روپے واپس کر دیئے۔ اور یہ لکھ دیا کہ یہاں دعا کی دوکان نہیں ہے اور دعا بکتی نہیں ہے۔

ایک مرتبہ کا اور واقعہ ہے کہ ایک شخص پانی پت کے قریب کے رہنے والے تھے اور مجھ سے بیعت تھے انہوں نے مدرسہ کے لئے پندرہ روپیہ مجھے دیئے۔ میں نے کہا کہ باوجود پانی پت میں مدرسہ ہونے کے جو آپ سے قریب ہے آپ یہاں کے مدرسہ میں کیوں دیتے ہیں۔ اس میں مجھے یہ شبہ ہے کہ تم یہاں اس نیت سے دیتے ہو کہ مدرسہ میں بھی یہ روپیہ صرف ہوگا۔ اور پیر صاحب بھی خوش ہوں گے۔ دونوں باتیں حاصل ہو جاویں گی اور

میں نے یہ بھی کہا، دیکھو سچ بتانا اخفاء نہ کرنا۔ انہوں نے کہا جی ہاں مقصود تو یہی تھا میں نے کہا ایسے روپیہ کو میں پسند نہیں کرتا جس سے خوشنودی خدا تعالیٰ اور میری خوشی دونوں مقصود ہوں میں اسے شرک سمجھتا ہوں آپ نے تقرب خدا تعالیٰ میں مجھے بھی شریک کیا۔ ان کی سمجھ میں آ گیا اور واپس لینے پر رضا مند ہو گئے پھر صبح کو انہوں نے کہا کہ بے شک اس وقت تو میرا یہی مقصود تھا لیکن اب رات کو میں نے سوچا تو اب میرا جی یہی چاہتا ہے کہ اسی مدرسہ میں دوں اور دوسری نیت سے توبہ کر لی۔ اس وقت وہ روپے میں نے لے لئے۔ میری اس غیرت سے اخروی فائدہ تو ظاہر تھا مگر ظاہری اور دنیاوی فائدہ بھی نہ ہوا۔ (تاسیس البنیان ج ۸)

خواص کی حالت

ستم یہ ہے کہ صوفیوں نے بھی جن کا مشرف اپنے کو مٹانا اور گمنام کرنا ہے نام ونمود کی بعض صورتیں نکالی ہیں۔ چنانچہ ہر سال جابجا عرس ہوتے ہیں جن میں چار طرف سے مدعیان تصوف کا ہجوم ہوتا ہے تا کہ لوگ جان لیں کہ عرس میں جتنے حضرات تشریف لائے ہیں یہ سب صوفی ہیں پھر قوالی میں حال اور وجد سے تو اچھی طرح اپنے تصوف کو ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ ہاں ہمارے اندر بھی کچھ ہے۔

صاحبو! حقیقی صوفی کبھی ان صورتوں کو پسند نہیں کر سکتا۔ علماء کے فتوے سے بھی قطع نظر کر لی جائے وہ یہ عرس وغیرہ اسباب شہرت ہونے کی وجہ سے خود طریق کے بھی خلاف ہیں۔ آہ! اب مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب جیسے بے نفس کہاں ہیں جو شہرت ونام سے بھاگتے تھے اور اپنے کو مٹانا چاہتے تھے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ کا لباس ایسا موٹا جھوٹا ہوتا تھا کہ صورت سے کوئی نہ سمجھے کہ یہ بھی کوئی بڑے عالم یا شیخ ہیں مگر

نور حق ظاہر بود اندر ولی   نیک بیں باشی اگر اہل ولی

ولی کے اندر اللہ کا نور ہوتا ہے۔ اگر تم ٹھیک دیکھنے والے ہو تو دیکھ لو گے وہ کتنا ہی اپنے کو چھپاتے بھلا کیوں چھپ سکتے تھے پہچاننے والے پہچان ہی لیتے تھے تو پھر آپ نے اس کا یہ انتظام فرمایا کہ جب کہیں سفر میں جاتے ساتھیوں کو نام ظاہر کرنے سے منع فرما دیتے کہ میرا نام کسی کو نہ بتلانا۔ اگر کوئی مولانا ہی سے پوچھتا کہ جناب کا نام کیا ہے تو فرماتے حافظ خورشید حسن۔ یہ مولانا کا تاریخی نام تھا اس لئے کذب بھی نہ ہوتا اور سائل کو پتہ بھی نہ

چلتا۔ کیونکہ یہ نام مشہور نہ تھا۔ لوگوں میں مشہور نام مولانا محمد قاسم ہی تھا۔ خورشید حسن سن کر سائل یہ سمجھتا کہ یہ کوئی اور شخص ہے۔ مولانا محمد قاسم صاحب نہیں ہیں۔

اگر کوئی پوچھتا کہ آپ کا وطن کہاں ہے فرماتے ہیں الہ آباد۔ بعض مخلصین کو شبہ ہوا کہ اس میں تو کذب ہو گیا تو مولانا سے عرض کیا کہ حضرت آپ کا وطن الہٰ آباد کدھر سے ہو گیا۔ فرمایا کہ نانوتہ بھی تو خدا تعالیٰ ہی کا آباد کیا ہوا ہے تو لغۃً وہ بھی الہ آباد ہی ہے۔ مولانا تھے بڑے ذہین۔ بات بات سے ذہانت ٹپکتی تھی۔ (حقیقت الصبر ج۹)

حسن معاشرت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم گاہے صحابہؓ سے مزاح فرمایا کرتے تھے اور حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ کی ہے تو کیا تمہارے نزدیک معاذ اللہ حضورؐ نے بھی یہ کام فضول کئے ہیں معلوم ہوا کہ کوئی مباح اپنی ذات سے فضول نہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ جن کاموں کو تم فضول سمجھتے ہو ان میں ابھی کوئی دینی حکمت ہو چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح میں ایک حکمت مناسب نبوت تھی وہ یہ کہ آپ کا جلال خداداد بہت بڑھا ہوا تھا جو صحابہؓ کو آپ کے سامنے دل کھول کر بات کرنے سے مانع تھا اس لئے آپ نے ان کو اپنے سے بے تکلف کرنے کے لئے مزاح شروع فرمایا کیونکہ افادہ واستفادہ کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ طرفین کے دل کھلے ہوئے ہوں کسی کو انقباض نہ ہو۔ انقباض مانع فیض ہوتا ہے خواہ طالب کی طرف سے ہو یا مربی کی طرف سے ہو اسی طرح ہر کامل کے ہنسی اور مزاح میں اس کے مناسب حال کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے جس پر ناقص کی نظر نہیں پہنچتی اسلئے وہ اعتراض کرتا ہے۔

حضورؐ نے جو حضرت عائشہؓ کے ساتھ دوڑ کی ہے اس میں یہ حکمت تھی کہ آپ نے امت کو تعلیم دی ہے کہ اگر زیادہ عمر والا کمسن لڑکی سے، شادی کرے تو اس کو یہ نہ چاہئے کہ اپنی طرح اس بچی کو بھی دانا بنا کر رکھے بلکہ اس کے جذبات کی بھی رعایت کرے بچیوں کی طبیعت کھیل کو چاہا کرتی ہے تو اس کو اس کا موقع دینا چاہئے اور اگر وہ شوہر کے لحاظ وادب سے کھیل کود میں شرم کرتی ہو تو اس کو صرف قولاً ہی نہیں بلکہ عملاً اجازت دینی چاہئے اسی لئے آپؐ خود حضرت عائشہ کے ساتھ دوڑے اور بعض دفعہ آپؐ نے انہؓ کو حبشی بچوں کا کھیل بھی دکھلایا جو مسجد کے فناء میں نیزوں سے کھیل رہے تھے ان کو گڑیوں سے کھیلنے کی بھی اجازت

دی اور کبھی ایسا ہوتا کہ محلّہ کی لڑکیاں حضورؐ کو گھر میں تشریف لاتے دیکھ کر گڑیوں کے کھیل سے متفرق ہو جاتیں تو آپ ان کو جمع کر کے لاتے کہ میں کچھ نہیں کہتا تم اطمینان سے کھیلو۔

ان امور میں امت کو تعلیم دی گئی ہے کہ بوڑھا مرد کمسن لڑکی سے شادی کر کے اس کے ساتھ کیونکر معاشرت کرے پس چونکہ حضورؐ کے ان افعال کو حسن معاشرت میں دخل ہے جو شرعاً مطلوب ہے نیز امت کو بھی حسن معاشرت کی تعلیم ہے اس لئے یہ فضول نہیں ہیں، مگر ناقصین کی نظر چونکہ صورت ہی پر پہنچتی ہے حکمت تک نہیں پہنچتی اس لئے وہ کامل پر اعتراض کر دیتے ہیں اسی لئے کفار کہتے تھے۔

مالھذا الرسول یا کل الطعام ویمشی فی الاسواق

یہ کیسے رسول ہیں جو ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔

انبیاءؑ نے ایسے اعتراضوں کا جواب دیا۔

ان نحن الا بشر مثلکم ولکن اللہ یمن علی من یشاء

بے شک ہم تم جیسے ہی بشر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس پر چاہتے ہیں احسان فرما دیتے ہیں۔

بس ہم میں اور تم میں اتنا فرق ہے کہ ہم پر خدا تعالیٰ کا خاص احسان ہے اور تم پر وہ احسان نہیں غرض صورت میں کامل اور غیر کامل یکساں معلوم ہوتا ہے کامل کو من الٰہی سے امتیاز ہوتا ہے اور من خداوندی کی اطلاع کسی کو نہیں ہو سکتی بجز اس کے جس کی آنکھیں ہوں اس لئے کامل کا پہچاننا بڑا مشکل ہے مولانا فرماتے ہیں:

در نیابد حال پختہ ہیچ خام ‎ ‎ ‎ ‎ پس سخن کوتاہ باید والسلام

(ماعلیہ الصبر ج۹)

علاج بالاضداد

صوفیاءؒ فرماتے ہیں کہ خلوت طویلہ سے طبیعت گھبرا جائے تو چند روز کے لئے خلوت کو چھوڑ کر لوگوں سے ملنا ملانا دوستوں سے باتیں کرنا اور ہنسی مزاح کرنا چاہئے یا کچھ دنوں کے لئے سفر کر کے کسی شہر میں سیر و تفریح کے لئے چلا جانا چاہئے بلکہ امام غزالیؒ نے تو اس حالت میں ان امور کے اختیار کرنے کو واجب لکھا ہے جس کی وجہ سے ان پر کفر کا فتویٰ بھی لگایا گیا کہ انہوں نے مباحات بلکہ بظاہر فضولیات کو واجب کہہ دیا مگر امام کی رائے صحیح ہے کیونکہ قاعدہ فقیہہ ہے

مقدمة الواجب واجب   کہ واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے

اور جب طبیعت اعمال طاعات سے گھبرانے لگے تو اس کو طاعات کی طرف مائل کرنا واجب ہے ورنہ یہ حالت بڑھتے بڑھتے تعطل کی طرف مفضی ہو جائے گی اور جب کثرت اعمال سے طبیعت اکتا جائے تو اس صورت میں انشراح وانبساط کے لئے اختلاط وسیر وتفریح و مزاح بھی مفید ہوتا ہے اس راز کو محقق ہی سمجھ سکتا ہے غیر محقق تو ایسے موقع میں یہ بتلائے گا کہ ۔یا باسط کا وظیفہ پڑھو یا فتاح کا ورد کرو مگر محقق اس کی رائے پر ہنستا ہے اور کہتا ہے

بے خبر بودند از حال دروں   استعیذ اللہ مما یفترون

اندر کے حال سے بے خبر تھے میں ان کے افترا سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ (ماعلیہ الصبر ج۹)

اعمال پر مداومت

ناگوار واقعات کے وقت دو چیزیں دیکھنے کے قابل ہیں ایک یہ کہ جو طریق حق تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے لئے اختیار کیا گیا ہے اس میں تو خلل نہیں آیا خواہ وہ واجبات ہوں یا مستحبات کیونکہ مستحبات کی پابندی بھی خواص کے لئے ایک درجہ میں ضروری ہے حدیث میں ہے:

احب الاعمال الی اللہ ادومھا

کہ حق تعالیٰ کی طرف سے سب اعمال میں زیادہ محبوب وہ ہیں جن پر دوام کامل ہو۔

اس میں لفظ احب عاشق کی نظر میں دوام کی ضرورت کو بتلا رہا ہے کیونکہ جب ایک چیز حق تعالیٰ کو محبوب ہے تو عاشق کو ان کے سامنے محبوب ہی چیزیں پیش کرنا لفظ احب سے دوام کی عدم ضرورت پر ہی استدلال کرے گا جس میں محبت وعشق نہ ہو ورنہ عاشق تو یہ سن کر کہ محبوب فلاں چیز سے خوش ہوتا ہے اس پر جان نثار کر دے گا اور جب تک محبوب ہی منع نہ کرے اس وقت تک اس کو اپنے ذمہ لازم کر لے گا۔

میں پوچھتا ہوں کہ آخر عبادت اور عمل سے مقصود کیا ہے ظاہر ہے رضائے حق مطلوب ہے تو عامل کو ضروری ہے کہ عمل اس طرح کرے اور اس میں وہ طریق اختیار کر لے جس سے محبوب خوش ہوتا ہے اور حدیث سے معلوم ہو چکا کہ حق تعالیٰ دوام سے خوش ہوتے ہیں تو دوام کا اہتمام ضروری ہے اور دوسری حدیث میں تو اس کی تصریح ہے حضور فرماتے ہیں۔

یا عبد اللہ لا تکن مثل فلان کان یقوم من اللیل ثم ترک

اے عبداللہ بن عمرؓ تم فلاں شخص کی طرح نہ ہو جانا جو رات کو اٹھا کرتا تھا پھر قیام لیل ترک کر دیا۔

اس میں حضورؐ نے ایک معمول مستحب کے ترک پر صراحۃً کراہت کا اظہار فرمایا ہے پس ثابت ہوا کہ مستحب کو معمول بنا کر بلا عذر ترک کر دینا ایک گونہ مکروہ ہے تو دوام ضروری ہے۔

اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ عمل تھوڑا سا اختیار کرو جس پر نباہ ہو سکے اور اگر کسی وقت زیادہ کا شوق ہو تو میں کہتا ہوں کہ اس وقت زیادہ کرلو مگر اپنے ذمے زائد کو لازم نہ سمجھو کبھی نشاط و سرور ہو تو زیادہ بھی کرلو مگر اس کی پابندی کو لازم نہ سمجھو اس کی صورت میں اگر کبھی زیادہ نہ ہو سکا تو قلیل کو ادا کر کے تسلی ہو جائے گی کہ ہاں معمول پورا ہو گیا کیونکہ تجربہ یہ ہے کہ بغیر معمول پورا کیے تسلی نہیں ہوتی اور یہی حکمت ہے صوفیاء کے اس فعل کی کہ وہ طالبین کے لئے ذکر کی کوئی مقدار معین کر دیتے ہیں حالانکہ ذکر ایسی چیز ہے کہ اس کے لئے کوئی مقدار معین نہ ہونا چاہئے جتنا بھی زیادہ ہو اچھا ہے مگر بغیر تعیین مقدار کے ذاکر کی تسلی نہیں ہو سکی وہ ہر دن اسی فکر میں رہے گا کہ نہ معلوم جتنا ذکر میں کر رہا ہوں یہ وصول الی المطلوب کے لئے کافی بھی ہے یا نہیں اور جب شیخ نے ایک مقدار معین کر دی اب اس کو پورا کر کے تسلی ہو جاتی ہے۔ (ماعلیہ الصبر ج ۹)

شیطانی وساوس کا علاج

بعض لوگ اعمال و معمولات پر پابندی کرنا چاہتے ہیں مگر جب کام کرنے بیٹھتے ہیں فوراً شیطانی وساوس اور نفسانی خطرات آ کر گھیر لیتے ہیں اور بعض دفعہ ایسے واہیات کفریہ وسوسے آتے ہیں جن سے سالک پریشان ہو جاتا ہے اور یہ سمجھ لیتا ہے کہ میں طریق سے ہٹ گیا اور خدا تعالیٰ کے یہاں سے مردود ہو گیا ہوں اس حالت میں بہت سے لوگ کام کو چھوڑ بیٹھتے ہیں کیونکہ یہ وسوسے کام ہی کے وقت آتے ہیں مگر یہ بڑی غلطی ہے اس طرح تو تم نے شیطان کی مراد پوری کر دی وہ یہی تو چاہتا تھا۔

چنانچہ ایک صاحب نے اس حالت کی وجہ سے تلاوت قرآن مجید بالکل چھوڑ دی تھی کیونکہ جب وہ قرآن پاک پڑھنے بیٹھتے ساتھ ہی ساتھ دل میں خدا اور رسولؐ کی شان میں گالیوں کے خطرات آتے تھے۔ ایک تفسیر تو جلالین کی تھی ایک تفسیر وبالین کی خود بخود ان کے ذہن میں آتی

تھی۔آخر وہ گھبرا گئے۔اور تلاوت چھوڑ بیٹھے مجھ سے یہ حال بیان کیا میں نے کہا کہ اس کا یہ علاج نہیں اس کا علاج یہ ہے کہ خوب تلاوت کرو اور گالیاں ذہن میں آویں تو آنے دو یہ تو ویسا حال ہو گیا

بحر تلخ و بحر شیریں ہم عناں　　درمیاں برزخ لا یبغیان

کڑوا اور شیریں سمندر اکٹھے ہیں درمیان میں ایک برزخ ہے

کام کے ساتھ ان وساوس و خطرات سے کچھ بھی تنزل یا بعد نہیں ہوتا ہاں جب کام چھوڑ دو گے تو بعد کا اندیشہ ہے کہ گو وساوس بھی نہ ہوں اسلئے سالک کو طریق پر قائم ہو کر بے فکر رہنا چاہئیے عارف فرماتے ہیں

درطریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست　　بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

طریقت پہ جو کچھ پیش آتا ہے وہی خیر ہے صراط مستقیم پر جو چل رہا ہے وہ گمراہ نہیں۔

یعنی جب تک مستقیم پر جما رہے یعنی اعمال اختیاریہ میں خلل نہ ڈالے تو بے فکر رہے اب اس کے بعد چاہے بلا اختیار کچھ ہی ہوتا رہے کفر کے وسوسے آویں یا معصیت کے سب بے ضرر ہیں بلکہ بخدا صراط مستقیم پر رہ کر تمام ظلمتیں انوار ہیں جیسے نور عین کے وہ منبع انوار ہے مگر خود سیاہ ہے اور صوفیاء نے فرمایا ہے کہ لطیفہ اخفی کا لون بھی سیاہ ہے۔اور تجلی ذاتی اصطلاحی سیاہ رنگ میں بھی ظاہر ہوتی ہے پس اگر اعمال اختیاریہ میں خلل نہیں تو قلب میں کیسی ہی ظلمات ہوں وہ سب خیر و نور ہی ہیں چاہے وساوس کفریہ ہی کیوں نہ ہوں لہذا ان سے گھبرا کر کام میں ہرگز خلل نہ ڈالنا چاہئے اس طرح تو یہ قیامت تک بھی پیچھا نہ چھوڑیں گے اس کا علاج یہی ہے کہ کام میں لگا رہے اور ان پر التفات بھی نہ کرے جب شیطان دیکھے گا کہ یہ تو خطرات سے گھبراتا ہی نہیں نہ کام میں کمی کرتا ہے تو وہ جھک مار کر خود پیچھا چھوڑ دیگا۔(ماعلیہ الصبر ج۹)

فتویٰ اور معالجہ

مشائخ کا طُرق علاج

چنانچہ بعض دفعہ وہ سالک کو عشق مجازی میں مبتلا کرتے ہیں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ اس کا دل علائق مختلفہ میں پھنسا ہوا ہے تو عشق مجازی میں مبتلا کر کے وہ ان سب تعلقات کو قطع کرنا چاہتے ہیں۔پھر صرف ایک تعلق کا قطع کرنا باقی رہ جاتا ہے اس کا قطع کرنا سہل ہے پس یہ جو مشہور ہے کہ

متاب از عشق روگرچہ مجازی ست

اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ عشق مجازی کی اجازت دیتے ہیں بلکہ اس سے ایک کام لیتے ہیں۔ یعنی عارض قوی کا ازالہ اور علائق مختلفہ کا استیصال کرنا چاہتے ہیں اور عشق مجازی بھی وہ ایسا تجویز کرتے ہیں جو حرام نہ ہو یعنی امرد یا عورت اجنبیہ کا عشق تجویز نہیں کرتے بلکہ حلال محبت تجویز کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک بزرگ نے اپنے ایک مرید سے پوچھا کہ تجھے کسی چیز سے محبت بھی ہے کہاں۔ ہاں۔ میرے ایک بھینس ہے مجھے اس سے بہت محبت ہے فرمایا۔ اچھا تم بھینس کا مراقبہ کیا کرو۔ چالیس دن تک ایک خاص وقت میں اسکا مراقبہ کیا کرو۔ اب اس کی یہ حالت ہوئی کہ فنا فی الجاموس ہو گیا چالیس دن کے بعد شیخ نے اس کو حجرہ سے باہر آنے کا حکم دیا۔ تو وہ کہتا ہے۔ کیسے آؤں۔ سینگ دروازہ سے اٹکتے ہیں۔ اب اس کا یہ حال تھا کہ

ہر چہ پیدا میشود از دور پندارم توئی

”جو کچھ بھی سامنے پڑتا ہے سمجھتا تھا کہ تو ہی ہے۔

اور یہ حال تھا کہ

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

مجھ میں اور تجھ میں اتنا اتصال ہو گیا کہ دونوں کو الگ الگ کہنا بے جا ہے گویا کہ میں تو ہو گیا اور تو میں ہو گیا۔ میں بدن ہو گیا اور تو جان بن گیا۔ اب اس کے بعد کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ میں اور تو جدا جدا ہیں۔ شیخ اس حالت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ہاتھ پکڑ کر اسے باہر نکالا اور کہا اب نہیں اٹکتے تو باہر آ۔ تیرا مراقبہ کامیاب ہو گیا۔ سب علائق قطع ہو گئے۔ اب صرف بھینس کا تعلق قطع کرنا باقی رہا۔ تو یہ کچھ مشکل نہیں۔ (الصبر والصلوٰۃ ج۹)

تفویض میں راحت ہے

خود اپنی رائے سے کوئی درجہ تقویٰ کا اپنے واسطے اختیار نہ کرو کیونکہ تم علیل ہو۔ رائے العلیل علیل۔ بلکہ شیخ سے تجویز کراؤ۔ مریض کو خود حلوا نہ کھانا چاہئے۔ بلکہ طبیب سے پوچھ کر کھانا چاہئے۔ ممکن ہے وہ بھی حلوا کھلا دے۔ مگر قیود کے ساتھ کھلائے گا۔ مثلاً مقدار کم بتلائے

گایا بہت ہی کھلا دے۔ مگر نسخہ میں اس کی رعایت کر لے گا۔ اور یہ قاعدہ کچھ دین ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دنیا کے کاموں میں بھی جاننے والے کا اتباع کرنا چاہئے اسی میں سلامتی ہے۔

پس سالک کو جائز نہیں کہ خود تجویز کرے کہ اس گناہ کے ذریعہ میں کفر سے بچ جاؤں گا۔ لاؤ کرلوں بلکہ شیخ سے دریافت کرے کہیں وہ بھی خود ایسا کرتے ہیں کہ مرید کو معصیت میں مبتلا دیکھتے ہیں اور نہیں روکتے بلکہ موقع کے منتظر رہتے ہیں۔

مثلاً ایک شخص حرام نوکری پر ملازم ہے مگر پریشان ہے اس ملازمت سے کڑھتا ہے۔ بار بار چھوڑنے کا ارادہ کرتا ہے۔ مگر توکل کی قوت نہیں نہ اس میں نہ بال بچوں میں۔ اس وقت شیخ سوچتا ہے کہ ملازمت چھڑانے میں اس کے دین پر اندیشہ ہے۔ ممکن ہے کہ اس سے زیادہ مفسدہ میں مبتلا ہو جائے مثلاً چوری کرنے لگے۔ قرض کر کے مارنے لگے یا عیسائی ہو جائے یا کوئی اور مذہب اختیار کر لے۔

غرض نوکری چھڑانے میں ہزاروں مصائب کا سامنا ہے۔ اس وقت شیخ بھی یہی تجویز کریگا جو تم تجویز کرتے ہو کہ ملازمت نہ چھوڑو۔ مگر اتنا فرق ہے کہ جب شیخ سے استفتاء کرو گے تو اس کے فتوی میں کچھ قیود ہوں گی اور تمہارے فتویٰ میں آزادی ہو گی۔

مثلاً شیخ ایک یہ قید لگائے گا کہ اس نوکری کو حرام سمجھتے رہو۔ دوسرے سونے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار کرتے رہو۔ تیسرے یہ کہ اپنے احباب سے کہہ دو کہ میرے واسطے حلال ملازمت کی تلاش رکھنا اسی طرح انشاءاللہ بہت جلد حلال ملازمت مل جائے گی۔ مگر حلال نوکری ملنے کے بعد بھی شیخ فوراً پہلی ملازمت کے چھوڑنے کا مشورہ نہیں دیتا۔ بلکہ وہ رائے دیتا ہے کہ رخصت لے لو۔ دوسری نوکری کی حالت دیکھ کر پہلے سے استعفیٰ نہ دینا۔ اس لئے ضرورت ہے تجویز شیخ کی۔ کیونکہ تمام پہلوؤں کی رعایت تم خود نہیں کر سکتے۔ (الصبر والصلوٰۃ ج ۹)

شیخ محقق کا قاعدہ

شیخ محقق کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ صفات نفسیہ کے ازالہ کی کوشش نہیں کرتا۔ بلکہ ان کے امالہ کی تدبیر کرتا ہے کیونکہ صفات نفسیہ سب محمود ہیں۔ ان میں برائی اس سے آتی ہے کہ بے موقعہ استعمال کیا جاتا ہے ورنہ حب و بغض و کبر و بخل و غضب فی نفسہٖ سب محمود ہیں اگر ان کا مصرف صحیح ہو۔ (الصبر والصلوٰۃ ج ۹)

وساوس کا علاج

صوفیا نے لکھا ہے کہ وساوس کی مثال ہوا کی طرح ہے کہ جو شخص برتن میں سے تنہا ہوا نکالنا چاہے وہ عاجز ہو جائے گا کیونکہ خلا محال ہے ہاں! برتن میں پانی بھر دو۔ جب بھر جائے گا پھر ہوا کا نام بھی نہ رہے گا۔ پس تم اپنے قلب میں لقاء رب و رجوع الی اللہ کا خیال اچھی طرح بھر لو پھر وساوس کا نام بھی نہ رہے گا۔ (الصبر والصلوٰۃ ج ۹)

صحیح استغراق

ایک قصہ استغراق کا حضرت شبلیؒ کا ہے کہ ایک دن وہ حضرت جنیدؒ کے گھر میں بلا اطلاع گھس گئے۔ حضرت جنیدؒ کی بیوی پردہ کے خیال سے اٹھنے لگیں۔ حضرت جنیدؒ نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا اور کہا ان سے پردہ کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ اس وقت اپنے حواس میں نہیں چنانچہ وہ دیر تک بیٹھے ہوئے ہنس ہنس کر مقامات میں گفتگو کرتے رہے اور حضرت جنیدؒ اپنی بیوی کو اٹھنے سے روکتے رہے یہاں تک کہ کسی بات پر حضرت شبلیؒ پھوٹ کر روئے تو حضرت جنیدؒ نے بیوی کو اشارہ کیا کہ اب چلی جاؤ۔ اب ان کو ہوش آ گیا ہے۔

تو بعض دفعہ استغراق ایسا قوی ہوتا ہے جس میں صاحب استغراق کو مطلق خبر نہیں ہوتی کہ یہاں کوئی عورت بھی ہے یا نہیں۔ مگر اسکا پہچاننا حضرت جنیدؒ جیسوں کا کام ہے۔ (الجبر بالصبر ج ۹)

اختیاری مجاہدہ تو یہ ہے کہ تقلیل الکلام (کم بولنا) تقلیل الاختلاط مع الانام (لوگوں سے کم ملنا جلنا) تقلیل المنام (کم سونا) تقلیل الطعام (کم کھانا) جس سے اس زمانہ کے لئے صرف اول کے دو جز کافی ہیں مگر یہ مجاہدہ بعض امراض کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ اس کے لئے مجاہدہ اضطراری کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بدوں امداد غیبی کے قصد و اختیار سے نہی شرعی کے سبب ناممکن ہے مثلاً اگر کوئی سنکھیا کھائے اور کسی طرح اپنے کو بیمار کر ڈالے یا ہلاک کرے تو ناجائز ہے اس لئے وہ خدا کی طرف سے بیمار کیا جاتا ہے اس کی بیوی بچوں کو موت دیدی جاتی ہے اگر یہ خود مارے تو ناجائز ہے پس یہ رحمت ہے کہ تمہارا کام ادھر ہی کر دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر ہی سے نشتر دلوایا جاتا ہے۔ اپنے ہاتھ سے کوئی نہیں دیتا۔ اور اگر ڈاکٹر مشورہ دے کہ نشتر نہ دو تو بس علاج ہو چکا۔ خیر خواہ ڈاکٹر مریض کی رائے پر کبھی عمل نہیں کرتا۔ (الامتحان ج ۹)

حضرت امام احمد بن حنبلؒ باوجودیکہ جلیل القدر مجتہدین میں سے ہیں حضرت حافیؒ کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ حالانکہ حضرت بشر حافیؒ علوم ظاہری میں کوئی معتدبہ درجہ نہ رکھتے تھے۔ مگر خدا کی محبت میں سرشار تھے۔ ایک طالب علم نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ انکو علوم میں کچھ بھی دسترس نہیں پھر آپ ان کی اس قدر تعظیم کیوں کرتے ہیں۔؟

فرمایا میں ان کی تعظیم اس لئے کرتا ہوں کہ میں کتاب کا علم رکھتا ہوں اور یہ کتاب والے کا علم رکھتے ہیں۔ طالب علم نے کہا میں ان سے کوئی مسئلہ پوچھوں؟ فرمایا ان سے مسئلہ نہ پوچھنا۔ طالب علم نے نہ مانا اور جاکے پوچھا کہ حضرت نماز میں سہو ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے۔ فرمایا ایسے غافل قلب کو سزا دینی چاہئے جو خدا کے سامنے سہو کرے۔ پوچھا کسی کے پاس مال ہو تو زکوٰۃ کس حساب سے دے؟ فرمایا تمہاری زکوٰۃ تو یہ ہے کہ جب بقدر نصاب مال جمع ہو جائے اور سال گذر جائے تو چالیسواں حصہ مساکین کو دیدو اور ہماری زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ سب بھی دیں اور اوپر سے نفس کو اس کی سزا دیں کہ اتنا جمع ہی کیوں کیا وہ طالب علم گھبرائے کہ ان سے سوال کرنے سے تو دل پر کچھ اور ہی اثر پڑتا ہے۔ یہ تو اپنی طرف کھینچتے ہیں پھر فقہ کون حاصل کرے گا۔ (الامتحان ج۹)

مشائخ کی طبائع

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ جس وقت جامع مسجد میں نماز پڑھ کر واپس ہوتے وہاں ایک بزرگ برآمدہ میں بیٹھے ملتے۔ مرزا صاحب ان کے پاس جاکر ان کی جانماز الگ پھینک دیتے، تسبیح کو ادھر ادھر کر دیتے، عمامہ سر سے اتار دیتے، ایک دھول لگا دیتے اور وہ بےچارے سب چیزوں کو سمیٹ سماٹ کر پھر بیٹھ جاتے۔ لوگوں کو یہ قصہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی کہ حضرت مرزا صاحب کی بزرگی اور ایک بزرگ کے ساتھ یہ حرکت۔

بالآخر بعض لوگوں نے جرأت کر کے اس کا سبب دریافت کیا تو مرزا صاحب نے فرمایا کہ جب ہم جوان تھے اور ہماری صورت شکل بھی اچھی تھی تو ہمارے چاہنے والے بہت تھے ان ہی میں یہ بزرگ بھی تھے اور اس زمانہ میں ہمارا ان کے ساتھ یہی معمول تھا جس سے یہ خوش ہوتے تھے جب ہمارے داڑھی آ گئی تو سب عشاق ایک ایک کر کے رخصت ہوتے گئے کیونکہ؎

عشق ہائے کز پئے رنگے بود ۔۔۔ عشق نبود عاقبت ننگے بود

جو عشق کہ رنگ کی خاطر ہوگا۔ وہ عشق نہیں ننگ ثابت ہوگا۔

مگر یہ شخص محبت میں ثابت قدم رہے۔ ہمارے پاس اسی طرح آتے جاتے رہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو نسبت باطنیہ سے نوازا تو ہمارے دل میں یہ آیا کہ یہ شخص وفادار ہے۔ لاؤ! ہم بھی اس کے ساتھ کچھ احسان کریں کہ جو دولت باطنیہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو عطا فرمائی اس میں سے اس کو بھی حصہ دیں۔ چنانچہ یہ ارادہ کرکے میں ایک دن ان کی طرف متوجہ ہوا تاکہ ان کے دل میں القائے نسبت کروں تو مجھے معلوم ہوا کہ ان کا تو بڑا بلند مقام ہے۔

نقشبندیہ کے یہاں تصرفات بہت ہیں۔ القائے نسبت بھی ان ہی میں سے ایک تصرف ہے جس کی حقیقت استعداد نسبت کا القاء ہے جس سے دوسرے کے دل میں ایک قسم کا نشاط اور یکسوئی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد عمل کی ضرورت ہوتی ہے مگر عمل میں سہولت ہو جاتی ہے اور کسی وقت نسبت حقیقہ حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اگر اس تصرف کے بعد کسی نے عمل نہ کیا تو القاء سے خاک بھی نہ ہوگا۔ اور یہی حقیقت ہے سلب نسبت کی کہ وہ بھی دراصل نشاط عمل کا سلب ہے اور جب عمل میں نشاط نہیں رہتا تو عادۃً عمل میں کمی ہو جاتی ہے حتیٰ کہ کبھی فرائض و واجبات میں کمی آ کر نسبت باطنیہ سلب ہو جاتی لیکن اگر کوئی شخص سلب نشاط کے بعد عمل میں کوتاہی نہ کرے تو اس سلب سے کچھ ضرر نہ ہوگا۔ اس لئے یہ تصرف اسی مقام پر جائز ہے جہاں سلب نشاط سے ترک عمل کا اندیشہ نہ ہو بلکہ کسی کو غلبہ میں حقوق واجبہ کا بھی اہتمام نہ رہا تھا۔ اس غلبہ کو سلب کر لیا گیا یہ جائز ہے اور جہاں اس کا اندیشہ ہو وہاں حرام ہے۔

غرض مرزا صاحب نے فرمایا کہ ہم اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ یہ تو بڑے عالی مقام بزرگ ہیں اسی وقت ہم ان کا ادب کرنے لگے اور بے تکلفی برتاؤ بدل دیا جو پہلے سے معمول تھا۔ اس پر یہ کہنے لگے کہ مرزا اپنی خیر چاہتا ہے تو اسی طرح رہو جس طرح اب تک رہے تھے۔ اور اگر تم نے اپنا طرز بدلا تو یاد رکھنا سب دولت سلب کر لوں گا۔ جو پوٹلہ کی طرح بغل میں دبائے پھرتا ہے تو اب اپنی دولت کا سلب کون چاہتا ہے۔ (اداب المصاب ج۹)

اسلام کی تعلیم تو یہ ہے کہ **من حسن اسلام المرء ترک ما لا یعنیہ** کہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے گو وہ معصیت نہ ہوں کیونکہ یہ مفضی الی المعصیت ہو جاتی ہیں۔ مگر ان کو اس کا شبہ بھی نہیں۔ غرض خوبی اسلام کی یہ ہے کہ لغو کلام سے بچو۔

ایک بزرگ دیوبند میں تھے جن کی نگاہ اور آواز بھی بلا ضرورت نہ اٹھتی تھی اور نہ نکلتی تھی تو

وہ ہر فضول سے بچتے خواہ وہ کلام ہو یا نظر۔ حضورؐ نے اوپر کی حدیث میں ہر لغویات سے ممانعت فرمادی ہے۔ عام ہے کہ نظر ہو یا کلام ہو سب کو ممنوع فرمایا ہے اور نظر بھی بڑی بری بلا ہے۔ بعض نظر کی نسبت بزرگوں نے فرمایا ہے **النظر سهم من سهام ابليس**. حقیقت میں نظر ایک ایسا تیر ہے جو نظر ہی نہیں آتا کہ کہاں اور کیسے لگا اور دل شکار ہو جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے

درون سینہ من زخم بے نشان زدہ بحیرتم کہ عجب تیر بے گماں زدہ

''میرے سینے میں تو نے بے نشان تیر مارا۔ میں حیران ہوں کہ عجیب بے گماں تیر مارا۔''

تو ایسا کرے ہی کیوں کہ زدہ کہنا پڑے۔ بس نظر ہی ذرا نیچے رکھے اسی نظر کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں **يعلم خائنة الاعين** (پ۲۴) اور ان پر دز دیدہ نظر تو کیا مخفی ہوتی۔ اس کی تو یہ شان ہے کہ آگے فرماتے ہیں **وما تخفي الصدور** کہ وہ دلوں کی باتیں بھی جانتا ہے اور اس میں باری تعالیٰ کو غیرت بھی آتی ہے کہ ہمارے غیر کو نظر محبت سے کوئی کیوں دیکھے الا باذن۔ واقعی اس دل میں گنجائش غیر کی ہونا نہ چاہئے جیسے معبودیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ایسا ہی مقصودیت میں بھی نہ ہونا چاہئے اور توحید حقیقی یہی ہے۔

تو وہ بزرگ اتنا بچتے کہ نگاہ فضول نہ اٹھاتے اور کلام تو بہت بڑی چیز ہے غرض اسکو بھی چھوڑنا چاہئے۔ (دواء الضیق ج۹)

دفع وساوس کا طریقہ

ذاکر مبتدی کو جو کہ مذکور کا استحضار نہیں کرسکتا۔ جب وساوس ستانے لگیں تو شیخ کا تصور کرلے کہ اس طرف متوجہ ہوجانے سے دوسرے تصورات دفع ہوجاویں گے۔ مگر یہ تصور جو ہو تو اسطرح نہ کہا یہاں موجود ہے بلکہ اس طرح کہ فلاں جگہ میں شیخ کو ملا تھا کیونکہ یہ تصور کرنا کہ یہاں موجود ہے ایک گونہ بے ادبی ہے کہ گویا شیخ اس کے پاس آکر حاضر ہو۔ دوسرے جو اس سے مقصود ہے وہ حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ خلاف واقع ہے اور خلاف واقع پر دھیان نہیں جمتا اور بے دھیان جمے وساوس دفع نہ ہوں گے پھر اس میں عقیدہ حاضر و ناظرہ کا بھی ہوگا اور اس میں احتمال شرک کا ہے۔

غرض! اس طرح سے تصور کرے چونکہ شیخ بہ نسبت اوروں کے زیادہ محبوب ہوتا ہے اسلئے حضرات صوفیاء دفع وساوس کے لئے اس کو تجویز فرماتے ہیں۔ پھر جب خطرات دفع ہوجاویں تو اس تصور کو ترک کردینا چاہئے خلاصہ یہ ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے تصور کرلے کیونکہ مشغولی بشیخ عارضی ہے اصل مقصود تو حق تعالیٰ کی مشغولی ہے۔

یہاں بعضے قلوب میں یہ وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے کہ شیخ کی طرف جتنا ہمارا دل کھنچتا ہے خدا کی طرف نہیں کھنچتا تو اس میں مجھ کو گناہ ہوتا ہوگا تو سمجھ لو کہ یہ محبت طبعیہ ہے اور خدا کے ساتھ محبت عقلیہ زیادہ ہونی چاہئے سو وہ حاصل ہے۔ چنانچہ اس شخص سے اگر کوئی اس کا بڑا محبوب یہ کہے کہ اگر خدا سے تعلق رکھو تو ہم سے نہیں رکھ سکتے اور اگر ہم سے رکھنا چاہو تو خدا کو چھوڑ دو اسی وقت یہ شخص یہی جواب دے گا کہ ہمیں تم سے تعلق رکھنا منظور نہیں۔

روز ہا گر رفت گو رو باک نیست تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست

دن چلے گئے تو کیا غم البتہ تم نہ جاؤ کہ تمہارے سوا اور کوئی پاک نہیں۔" (دواء الضیق ج۹)

تصوف کا ایک مسئلہ

اخلاق رذیلہ کا جو مجاہدہ سے علاج کیا جاتا ہے اس سے بھی تخفیف ہی مقصود ہے یعنی انسان کا ایسا تقاضا نہیں رہتا جو مفضی الی المعصیت ہو جائے زوال مقصود نہیں کہ مطلق داعیہ واثر ہی نہ رہے۔ پس مجاہدہ کے بعد اگر رذیلہ کا اثر خفیف باقی رہے تو اس سے بددل نہ ہوں اور اس کو مجاہدہ کی ناکامی نہ سمجھیں کیونکہ تمام رذائل طبعی ہیں اور ان میں فی نفسہ مذموم کوئی نہیں بلکہ بوجہ افضاء الی المعصیت کے مذموم لغیرہ ہو جاتے ہیں۔

اور اگر کسی میں خلق رذیل موجود ہو مگر اس سے معصیت صادر نہ ہو تو وہ خلق رذیل ہی نہیں۔ نہ اس کے بقاء سے غم ہونا چاہئے۔ (الاجر النبیل ج۹)

سالک کیلئے دنیاوی واقعات کی مثال

صاحبو! واللہ اگر حق تعالیٰ سے تعلق ہو جائے تو سب کا فنا ہو جانا بھی سہل ہو جائے اور جس کو تعلق مع اللہ نصیب ہو گیا۔ اور تفویض محض اختیار کر لی اس کے سامنے دنیا کے واقعات کیا چیز ہیں ان کو تو وہ چٹکیوں میں اڑا دیتا ہے۔ صاحبو! تم اسی غرض سے سلوک اختیار کر لو کہ اس کے ذریعے سے حوادث ومصائب سہل ہو جائیں گے۔

سالک کے سامنے واقعات دنیویہ کی ایسی مثال ہے جیسے سلطان محمود سبکتگین کے لشکر میں نقارۂ جنگ اٹھانے والے اونٹ تھے یہ نقارے بہت بڑے بڑے اور بھاری تھے۔ ایک دفعہ لشکر جا رہا تھا اور نقارۂ جنگ کا اونٹ ایک کھیت میں سے گزرا۔ کاشتکار کے لڑکے نے

ڈھپر یا بجائی تا کہ اس کی آواز سے اونٹ بدک کر کھیت میں سے نکل جائے۔ ڈھپر یا کود یکھ کر اونٹ بہت ہنسا کہ میری کمر پر تو اتنا بڑا نقارہ بجتا ہے جس کی صدا سے زمین وآسمان گونج اٹھتے ہیں۔ اس سے تو میں ڈرتا ہی نہیں تیری ڈھپر یا سے ضرور ڈروں گا۔ (الاجر النبیل ج۹)

اضطراری اور اختیاری غم

شریعت نے مطلق غم سے جس کا ایک درجہ اضطراری ہے ممانعت نہیں کی۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون. بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو غم خود ہو جاوے اسے ہونے دو۔ اپنے اختیار سے نہ بڑھاؤ۔ پس ممانعت اختیاری غم ہے اس کا پتہ خود قرآن سے چلتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ امر و نہی اعمال اختیار یہ پر ہوتی ہے اگر غم بالکل غیر اختیاری شئے ہے تو لا تخافی و لا تحزنی میں یہ لانہی کا کیسا۔

پس حاصل یہ ہے کہ کچھ غم تو اضطراری ہے اس میں تو حکمت ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ اور کچھ ہم لوگ تدبیریں پیدا کر لیتے ہیں۔ بس اس کی ممانعت ہے کیونکہ یہ ضرر رساں۔

وہ تدبیریں غم بڑھانے کی یہ ہیں کہ واقعہ کو قصداً سوچتے رہو۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اس سے غم بڑھتا ہے اور سوچنا اور بلاضرورت تذکرہ کرنا جو کہ سبب ہے غم کا وہ اختیار میں ہے تو جب ان اسباب کو بند کر دو گے اور اس طرف سے توجہ اٹھالو گے تو اتنا غم نہ ہوگا۔ یہی راز ہے اس کا کہ شریعت نے مواقع غم میں ذکر اللہ کی تعلیم کی ہے جس سے توجہ دوسری چیز کی طرف منعطف ہو جاتی ہے اور دوسری چیز بھی ایسی جس کی شان یہ ہے الابذکر اللہ تطمئن القلوب (پ۱۳)(سلوۃ الحزین ج۹)

اہل علم میں ایک کمی

اہل علم میں ایک وہ ہیں جو الفاظ قرآن کو تو پڑھتے ہی ہیں اس کے ساتھ معانی کو بھی پڑھتے ہیں۔ ترجمہ بھی جانتے ہیں اور اہل علم بھی ہیں مگر ان میں ایک اور بات کی کمی ہے۔ وہ یہ کہ تدبر نہیں کرتے۔ لفظی تحقیق تو بڑی لمبی چوڑی کریں گے۔ مثلاً قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی (بامراد ہوا جو شخص (خبائث عقائد و اخلاق سے) پاک ہو گیا) میں قد حرف تحقیق ہے اور افلح ماضی کا صیغہ ہے اور من اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر فاعل ہے۔ یہ ساری لمبی چوڑی

تحقیق کر لیں گے مگر حق تعالیٰ کا مقصود اس سے کیا ہے اس کی طرف التفات بھی نہیں۔قرآن شریف کو اس نظر سے دیکھتے ہی نہیں کہ یہ ہماری اصلاح کا کفیل ہے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے حکیم محمود خاں سے نسخہ لکھوایا اور اس کو اس نظر سے دیکھنے لگا کہ اس نسخہ کا خط کیسا ہے، دائرے کیسے ہیں۔اس نظر سے نہیں دیکھا کہ اجزاء کیسے ہیں۔مزاج کی کیسی رعایت کی ہے۔صرف یہ دیکھا کہ خوشخط ہے، دائرے خوب بنائے ہیں۔اور اس پر کہنے لگا کہ محمود خان بڑے طبیب ہیں، ان کے دائرے کیسے عمدہ ہیں اس سے معلوم ہوگا کہ یہ شخص نسخہ کی حقیقت ہی نہیں سمجھا۔نسخہ کی حقیقت تو یہ ہے کہ مرض کے موافق ہو۔اس سے اصلاح ہوتی ہو۔نسخہ کو اس نظر سے دیکھنا چاہیئے۔(الصلوٰۃ ج ۱۰)

توکل کی حقیقت

جو لوگ توکل توکل کا سبق ورد زبان رکھتے ہیں ان صاحبوں نے آخرت ہی کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے۔دنیوی اسباب جمع کرنے میں توکل نہیں کرتے۔اس میں تو بڑے چست و چالاک ہیں۔ان کے جمع کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔باوجودیکہ حق تعالیٰ نے روزی کی ذمہ داری بھی کرلی ہے چنانچہ ارشاد فرمایا: وما من دآبۃ فی الارض الاعلی اللہ رزقھا.(کہ زمین پر کوئی چلنے والا نہیں مگر اللہ پر اس کا رزق ہے) اور اس میں کوئی قید طلب وغیرہ کی نہیں لگائی اور جہاں آخرت کا ذکر کیا ہے وہاں مقید کیا ہے سعی کے ساتھ۔چنانچہ ارشاد فرمایا ہے:

ومن اراد الآخرۃ وسعیٰ لھا سعیھا

کہ جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور اس کے لئے سعی کی۔یعنی ہم ذمہ داری نہیں کرتے۔سن لو جو نیک عمل کرے گا جنت میں جائے گا۔

تعجب ہے کہ جس میں ذمہ داری کی ہے اس میں توکل کو عیب سمجھتے ہیں اور جس کی ذمہ داری نہیں کی اس میں توکل اختیار کرتے ہیں۔

بس جی جو بات جس طرح اپنی سمجھ میں آئی اس طرح کرلی۔انبیاء علیہم السلام بھی صرف امور دنیوی میں سے اسباب ظنیہ کو ترک کر دیتے ہیں۔اسباب قطعیہ کو وہ بھی ترک نہیں کرتے۔کھانے کو ترک نہیں کرتے کیونکہ وہ تو اسباب قطعیہ سے ہے ہاں انہوں نے تدابیر معاش کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ اسباب ظنیہ سے ہے۔مولانا فرماتے ہیں۔

انبیاء در کار دنیا جبری اند — کافراں در کار عقبیٰ جبری اند
انبیاء را کار عقبیٰ اختیار — کافراں را کار دنیا اختیار

انبیاءتو جبری اس معنی کو ہیں کہ امور دنیویہ کے بارے میں حس وحرکت نہیں کرتے ان کو چھوڑ دیتے ہیں اور کافر کار عقبیٰ میں جبری ہیں کہ اس کے اندر حس وحرکت نہیں کرتے ان کو ترک کئے ہوئے ہیں۔ انبیاء کار عقبیٰ کو اختیار کئے ہوئے ہیں ان کو نہیں چھوڑتے اور کافر کار دنیا کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ سو انبیاء کے جبری ہونے کے یہ معنی ہیں۔ جب انبیاء کی یہ حالت ہے کہ وہ اسباب قطعیہ کو ترک نہیں کرتے گو دنیوی ہی ہوں اور اخروی گو بدرجہ اولیٰ، تو اور لوگوں سے بڑی حیرت ہے کہ انہوں نے آخرت کے بارہ میں توکل کیسے اختیار کر رکھا ہے کہ اس کی تحصیل میں حرکت ہی نہیں کرتے۔ مانا کہ اہل توکل تو یہ بھی ہیں مگر ایسی چیز میں توکل اختیار کیا ہے کہ اس میں توکل درست نہیں۔ (الصلوٰۃ ج ۱۰)

تزکیہ باطن

قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربه فصلی. یہاں تین اعمال بیان کئے ہیں۔ ایک تزکی ایک **ذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ** ایک **صلّی.** یہاں پر تزکیہ سے عام بھی مراد لے سکتے ہیں۔ ذمائم باطنی سے بھی تزکیہ ہو اور معاصی جوارح سے بھی مگر دوسری آیت سے **معلوم** ہوتا ہے کہ ذمائم باطنی سے پاکی مراد ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

ونفس وما سوھا فالھمھا فجورھا وتقوٰھا قد افلح من زکھا

(اور قسم ہے انسان (جان) کی اور اس ذات کی جس نے اس کو درست بنایا پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری (دونوں باتوں کا) اس کو القاء کیا یقیناً وہ مراد کو پہنچا جن نے اس (جان) کو پاک کرلیا)

زکھا میں مفعول کی ضمیر نفس کی طرف ہے کہ نفس کا تزکیہ کرلیا۔ اس آیت میں تصریح ہے اس بات کی کہ مدار فلاح کا تزکیہ نفس پر ہے اور ظاہر ہے کہ نفس کا تزکیہ اور اس کی پاکی ذمائم باطنی کے ازالہ سے ہوتی ہے۔ کیونکہ نفس بلا واسطہ انہیں کے ساتھ متصف ہے نہ کہ اعمال جوارح کے ساتھ۔ پس اس کا تزکیہ بھی انہی ذمائم سے ہوگا۔ لہٰذا اولیٰ یہ ہے کہ یہاں بھی ذمائم باطنی ہی سے تزکیہ مراد ہو۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ظاہری اعمال کی ضرورت

نہیں جیسا کہ بعض لوگ آج کل کہتے ہیں۔ سوتزکیہ باطن کا حکم دینے سے حق تعالیٰ کا یہ مقصود نہیں کہ تزکیہ ظاہر ضروری ہیں۔ اگر یہ مقصود ہوتا تو آگے وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی کیوں فرماتے بلکہ مقصود یہ ہے کہ نفس کا پاک کرنا اصل ہے اور ظاہر اس کی فرع ہے۔

اسی طرح ایک موقع پر یزکیھم فرمایا ہے تو اس سے بھی اسی قرینہ سے تزکیہ نفس مراد ہے کیونکہ اصل چیز تو تزکیہ باطن ہی ہے۔ اگر تزکیہ باطن اصل چیز نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث میں یہ کیوں فرماتے۔

التقویٰ ھھنا و اشار الی صدرہ۔ کہ تقویٰ یہاں پر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرمایا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الغنیٰ غنی النفس۔ کہ غنیٰ نفس کا غنا ہے

اس کا یہ مطلب نہیں کہ غنا ظاہری کوئی چیز نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اصل غنا تو نفس ہی کا ہے اور جب نفس میں غنا ہوتا ہے تو پھر ویسے ہی افعال صادر ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ مطلب نہیں کہ تقویٰ ظاہری کوئی چیز نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کی جڑ تو قلب میں ہے اور جب تقویٰ قلب میں ہوتا ہے تو افعال بھی اچھے ہی صادر ہوتے ہیں۔ بخلاف اس کے کہ اگر تقویٰ قلب میں نہ ہوگا تو اچھے افعال کے صادر ہونے کا تقاضا نہ ہوگا۔

غرض خوب سمجھ لیجئے کہ جب قلب کی اصلاح ہوجاتی ہے تو اعمال بھی درست ہوجاتے ہیں۔ سو اصل قلب ہی کی اصلاح ہوگی مگر اصلاح قلب سے درستی اعمال ہوجانے کا یہ مطلب نہیں کہ بعد اصلاح ہوجانے کے اعمال کے قصد کی بھی ضرورت نہ ہوگی بلکہ معنی یہ ہیں کہ قلب کی اصلاح ہونے پر اعمال کا کرنا سہل ہوجائے گا یعنی قبل اصلاح کے جو اعمال مشکل تھے وہ بعد اصلاح کے آسان ہوجاویں گے۔ مگر قصد کی پھر بھی ضرورت رہے گی۔ اصلاح کا تو بس اتنا ہی اثر ہوتا ہے کہ اصلاح کے قبل بری باتوں کا چھوڑنا باوجود قصد کے بھی نہایت دشوار تھا۔ اصلاح کے بعد آسان ہوگیا۔ جو لوگ اصلاح شدہ ہوتے ہیں ان میں اور جو اصلاح شدہ نہیں ہوتے ان میں بس یہی فرق ہے کہ قصد تو سب کو کرنا پڑتا ہے۔

مگر جن لوگوں کی اصلاح ہوچکتی ہے ان کا کام تو معمولی قصد اور اشارہ ہی سے چلتا ہے اور جنہوں نے اپنی اصلاح نہیں کی ہوتی ان کو برے کاموں کے چھوڑنے میں سخت مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اور بڑی دشواری پیش آتی ہے۔

رہا میلان معاصی کی طرف سو وہ دونوں کو ہوتا ہے۔ ایسا کوئی شخص بھی نہیں کہ اس کو میلان نہ ہو ہاں قبل ریاضت داعیہ قوی ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا روکنا مشکل ہے اگر طاقت سے باہر نہیں صرف دشواری ہے اور نفس اس دشواری کو گوارا نہیں کرتا مثلاً نگاہ کا نیچا کرنا کہ یہ طبیعت کو بہت گراں ہوتا ہے۔ نفس اس گرانی کا تحمل نہیں کرتا پس وہ اس کی طرف نگاہ کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ پھر توبہ کر لیں گے۔ بخلاف ریاضت کے کہ داعیہ تو ہوتا ہے مگر ہوتا ہے ضعیف۔ اور پھر ریاضت سے مدافعت کی قوت پیدا ہو جاتی ہے بہت زیادہ۔ اس لئے وہ بہت آسانی سے اس کی مدافعت کر سکتا ہے کہ داعیہ ضعیف ہے اور قوت دافعہ زبردست ہے۔ بس اس واسطے ریاضت مجاہدہ کرتے ہیں۔

سوتزکیہ نفس کا جو حکم کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اثر ہے کہ اس کی اعانت سے ظاہر اعمال بھی درست ہو جاتے ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے نفس کے متعلق فرمایا۔ **قد افلح من تزکی**. (بامراد ہوا جو شخص (خبائث عقائد و اخلاق سے) پاک ہو گیا)
باقی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ صرف یہی کافی ہے ظاہری اعمال کی ضرورت نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ فقط قلب کا درست کر لینا کافی ہے۔ یہ لوگ شریعت کو منہدم بلکہ منعدم کرنا چاہتے ہیں کیونکہ تمام شریعت بھری ہوئی ہے اصلاح ظاہر و باطن سے اور تصوف کی حقیقت بھی یہی ہے کہ **تعمیر الظاهر والباطن** (ظاہر و باطن دونوں کی اصلاح ہو) اور دونوں ہی کی ضرورت بھی ہے۔ بعض وجوہ سے اصلاح باطن کی اور بعض وجوہ سے اصلاح ظاہر کی۔ بہرحال صرف اصلاح باطن کافی نہیں کہ ظاہر ترک کر دیا جائے۔ اور باطن ہی پر اکتفا کیا جائے اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ محض باطن مقصود ہے مگر یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ **الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمه** . جب کوئی چیز پائی جائے گی تو اپنے لوازم کیساتھ پائی جائیگی
یہ قاعدہ مسلمہ ہے۔ مثلاً آفتاب کے لئے دھوپ لازم ہے جب آفتاب نکلے گا تو دھوپ ضرور ہو گی (الصلوٰۃ ج ۱۰)

ریا کی حقیقت

بعض لوگ ریا کے خوف سے ذکر نہیں کرتے کہ جب ذکر کرتے ہیں تو ریا کا خیال ہوتا ہے۔ یہ بھی شیطان کا دھوکہ ہے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ اول ریا ہوتی ہے پھر عادت ہو جاتی ہے پھر عبادت چنانچہ مشاہدہ کر لیجئے کہ اول اول جب کسی کو نماز میں امام بناتے ہیں تو وہ

خوب بنابنا کر پڑھتا ہے کہ مقتدیوں کو اچھا معلوم ہو۔ مگر دو چار دن کے بعد اس طرف التفات بھی نہیں رہتا۔ ریا ہمیشہ ریا نہیں رہتی۔

دوسرے یہ کہ جو ریا بلاقصد کے ہو تو یہ اس کے دور کرنے کا مکلّف ہی نہیں پس ریا کے دو درجے ہیں۔ ایک صورت ریا دوسری حقیقت ریا۔ یہ صورت ریا کو حقیقت ریا سمجھ لیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب وہ تمہارے اختیار سے پیدا نہیں ہوئی ہے تو اس میں حرج کیا ہے۔

مجھ سے ایک شخص نے شکایت کی ریا کی۔ تو میں نے کہا کہ بلاقصد ہے یا بالقصد، اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ انہوں نے کہا کہ غیر اختیاری ہے اس پر میں نے کہا کہ بس یہ وسوسۂ ریا ہے ریا نہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حتیٰ کہ اگر کفر کا بھی وسوسہ آئے اس میں بھی حرج نہیں۔ چنانچہ دیکھئے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی تھی کہ ہمارے قلب میں ایسی باتیں آتی ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا گوارا ہے مگر ان کا زبان پر لانا گوارا نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر کے وسوسے ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: الحمد للہ الذی ردامرہ الی الوسوسۃ (کہ خدا کا شکر ہے کہ اس کی کوشش وسوسہ ہی کے اندر محدود کر دی) پس جب کہ وسوسہ کفر بھی مضر نہیں تو وسوسہ ریا تو کسی درجہ میں بھی مضر نہیں ہو سکتا پس اس کا علاج یہ ہے کہ کام کئے جائے کچھ پرواہ نہ کرے شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی طرف کچھ خیال نہ کرے۔

کارخود کن کار بیگانہ مکن (اپنا کام کرو دوسرے کا کام مت کرو)

ذکر میں لگنا اپنا کام ہے۔ وسوسہ آنا نہ آنا اپنا کام نہیں۔ اپنے کام میں لگنا چاہیے۔ اور جو اپنا فعل نہیں ہے۔ اس میں کیوں مشغول ہوئے کہ وہ مخل مقصود ہے۔ (الصلوٰۃ ج ۱۰)

فاروقی معرفت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیماری میں کراہ رہے تھے جو بزرگ عیادت کو گئے تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کا مزاج کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا نہیں۔ وہ بولے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے استقلالی کی بات فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیا میں خدا کے روبرو پہلوان بنوں۔ وہ ضعیف بنائیں اور میں قوی بنوں۔ جب خدا نے عجز کے لئے بیمار کیا ہے تو میں کس لئے قوی بنوں۔ یہ ہیں عارفین۔

یہ حضرات گویا مزاج شناس ہوتے ہیں جس میں حق تعالیٰ کی رضا دیکھتے ہیں اس کے موافق عمل کرتے ہیں کہ اس وقت یہ مناسب ہے اور اس وقت یہ مناسب ہے یہ حکایت اس مناسبت سے بیان ہوئی تھی کہ حزن وغم بڑی ریاضت ہے۔

کمال انسانی کی طرق

تکمیل کے دو درجے ہیں۔(الصلوٰۃ ج ۱۰)

ایک تخلیہ (اخلاق رذیلہ کو دور کرنا)　　ایک تحلیہ (اخلاق حمیدہ پیدا کرنا)

یا ایک تجلیہ اور ایک تحلیہ میں بھی تخلیہ ہی ہوتا ہے۔ جیسے برتن کی جب تکمیل کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اس کو میل کچیل سے صاف کرتے ہیں جس کا نام تجلیہ ہے۔ پھر اس پر قلعی یا اور دوسرا کام کرتے ہیں۔ یا مریض کی مثال سمجھئے کہ جب کسی کا علاج طبیب کرتا ہے تو پہلے مادہ فاسد کو نکالتا ہے۔ اس کے بعد ایسی دوائیں استعمال کراتا ہے جس سے طاقت پیدا ہو۔ جسم میں رونق و تازگی آ جائے یا کسی مکان میں فرش اور جھاڑ فانوس وغیرہ سے زیبائش کرتے ہیں تو پہلے اس کو خس و خاشاک سے پاک کر لیا جاتا ہے یا کسی کو عمدہ لباس اس وقت پہناتے ہیں جب کہ اس کے جسم سے غسل کرا کر میل کچیل دور کر دیا جائے۔

غرض یہ کہ سب چیزوں میں تکمیل دو ہی طریقہ سے ہوتی ہے تجلیہ اور تحلیہ سے اور عادۃً تجلیہ مقدم ہوتا ہے تحلیہ سے کیونکہ بدون تجلیہ کئے ہوئے تحلیہ ناقص رہتا ہے جیسے کوئی بدون برتن کا میل صاف کئے ہوئے اس پر قلعی کر دے۔ ظاہر ہے کہ پوری صفائی اس میں نہ آئے گی۔ ہاں بعض اوقات بوجہ بعض مصالح کے تحلیہ مقدم ہوتا ہے تجلیہ پر۔ جیسے کسی مکان کی آرائش مدنظر ہو اور مہارت اس قدر نہ ہو کہ پہلے پوری صفائی کر کے پھر آرائش کریں۔ تو یہ کرتے ہیں کہ پہلے سامان آرائش کر کے تدریجاً صفائی کرتے رہتے ہیں۔ سو یہ تو عارض کی وجہ سے ہوتا ہے اور عام قاعدہ پہلا ہی ہے۔

اسی طرح صوفیا کرام تجلیہ اور تحلیہ مریدین کا کرتے ہیں کہ پہلے ان سے اخلاق رذیلہ دور کر کے پھر اخلاق حسنہ کا رنگ ان پر چڑھاتے ہیں۔ بالکل طبیب جیسی حالت ہے کہ پہلے مسہلات سے تجلیہ کرے اور پھر قوت وغیرہ کی دوائیں استعمال کرائے۔ متقدمین شیوخ کا یہی طریقہ تھا کہ پہلے تجلیہ کر کے پھر تحلیہ کرتے تھے۔ (ندا رمضان ج ۱۰)

ریاضت کی مثال سے وضاحت

ریاضت مجاہدہ کی مثال وضو کی سی ہے کہ نہ نرا وضو کافی ہے بلکہ نماز مستقل علیحدہ فعل ہے جو مستقل اہتمام سے ادا کرنا ہوگی۔ اور نہ نماز کا تحقق بغیر وضو کے ہوتا ہے اس لئے کہ وہ شرط ہے ہاں اگر کسی کو پہلے ہی سے وضو ہوگا مثلاً غسل کیا ہو تالاب میں غوطہ لگایا ہو تو پھر مستقل افعال وضو کی ضرورت نہ ہوگی۔

اسی طرح نہ نرا مجاہدہ کافی ہے اور نہ مجاہدہ سے استغنا ہے بہرحال مجاہدہ شرط ہے۔ آگے مقصود کا ترتیب وہ حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے طالب کی تو یہ شان ہونا چاہیے ۔

ملنے کا اور نہ ملنے کا مختار آپ ہے　　　پر تجھ کو چاہیئے کہ تک لو لگی رہے

ہمارے حضرت ایسے موقع پر یہ پڑھا کرتے تھے ۔

یابم اورا یا نیابم جستجوئے می کنم　　　حاصل آید یا نیاید آرزوئے مے کنم

محبوب کو پاؤں یا نہ پاؤں اس کی جستجو میں لگا ہوا ہوں ملے یا نہ ملے اس کی آرزو کرتا ہوں۔

اس شعر میں یابم یا نیابم (پاؤں یا نہ پاؤں) اور حاصل آید یا نہ آید (ملے یا نہ ملے) جو تعمیم ہے مبالغہ کے لئے ہے ورنہ وعدہ تو یہ ہے۔ "والذین جاھدوا ، الخ"

یعنی جو لوگ ہمارے راستہ میں مجاہدہ کرتے ہیں تو ہم ان کو ضرور ہدایت کرتے ہیں۔

مجاہدہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنے گھونسے مارا کرے بلکہ مجاہدہ نفس کے خلاف کرنے کا نام ہے اور مجاہدہ محض سبب عادی کے درجہ میں ہے ورنہ کار بفضل است باقی بہانہ (کام فضل سے بنتا ہے باقی سب بہانہ ہے) ملتا تو ہے سخی کے دینے سے لیکن مانگنا اور جھولی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ مالدار تو جب ہی ہوگا جب سرکار گنیاں جھولی میں اپنے ہاتھ سے بھر دیں گے لیکن جھولی ہونا بھی ضروری ہے۔ پس یہ استعداد مثل جھولی کے ہے۔ حافظ شیرازی کے اندر استعداد پہلے سے تھی۔ چنانچہ طلب کے اندر تمام جنگلوں میں بھٹکتے پھرتے تھے۔ دفعۃً اللہ تعالیٰ نے فضل فرمادیا۔ پس تم بھی اگر ایسی استعداد حاصل کرلو تو بے شک ایک نظر ہی کافی ہوگی۔ پیاس لگالو، پانی بہت ہے۔ (الصیام ج ۱۰)

صحبت کے ثمرات

آب کم جو تشنگی آور بدست۔　پانی مت ڈھونڈو، پیاس پیدا کرو۔ پانی بہت ہے۔

جمالِ ہمنشیں درمن اثر کرد

گلے خوشبوئے درحمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیرے کہ ازبوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گل ناچیز بودم ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہم نشین درمن اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(میرے ہمنشیں پھول نے میرے اندراثر ڈال دیا حمام خانہ کی خوشبودار مٹی ایک دن میرے محبوب کے ہاتھ سے مجھے ملی میں نے کہا کہ تو مشک ہے یا عنبر ہے کہ تیری خوشبو سے میں مست ہورہا ہوں کہا کہ میں ایک ناچیز مٹی ہوں لیکن کچھ مدت تک پھول کی صحبت میں رہی ہوں ،میرے ہم نشین پھول نے میرے اندراپنااثر ڈال دیاورنہ میں تو وہی خاک ہوں جو پہلے تھی)

بس یہ تھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس دولت ۔کسی کی طویل صحبت تھی کسی کی کم ۔ مگر کمال سے کوئی بھی خالی نہیں رہا۔البتہ اکملیت کے مراتب میں تفاوت تھا۔ چاہے زبان حاصل کی ہو یا نہ کی ہو۔کمال تو ہر شخص نے حاصل کرلیا تھا۔زبان اور چیز ہے کمال اور چیز ہے ۔اب کتابیں تو بہت سی پڑھ لیتے ہیں لیکن اہل مہارت کی صحبت میں رہنے کا بالکل اہتمام نہیں جہاں تم نے کتابیں پڑھی تھیں اگر کسی مربی کی صحبت میں اٹھائے ہوتے تو اپنے کو کبھی اہل مہارت میں سے نہ سمجھتے بھائی تم تو پہلے مربہ بنو پھر مربی بننا چندروز کے لئے اپنے آپ کو کسی مربی کی سپردگی میں دیدو۔وہ تمہیں تاؤ دے دیکر مربہ بنائے گا۔جب خوب گھل جاؤ گے اورمربہ بنانے والے بھی تصدیق کردیں گے کہ ہاں اب مربہ بن گئے تب مربہ بنو گے۔تمہارا خود ہی یہ سمجھ لینا کہ ہم اب مربہ ہوگئے ہرگز کافی نہیں کیونکہ اے مربہ! تیرے پاس کوئی ایسی مہک اورکوئی ایسا معیارنہیں جس سے تو یہ جانچ لے کہ میں مربہ ہوگیا۔ جب تیرے پاس کوئی مہک اورمعیارنہیں تو تواپنی ذات کو بلاآلہ کے دیکھے گا تو تو اپنے نفس کو دیکھے گا اپنے نفس ہی سے، جو ناقص ہے اورمربی تیرے نفس کو دیکھے گا اپنے نفس سے اوروہ ہے کامل ۔لہٰذااس کی جانچ معتبر ہوگی اور تیری جانچ ہرگز معتبر نہ ہوگی کیونکہ اس کے پا س تو آلہ شناخت ہےاور تیرے پاس کوئی آلہ شناخت ہے نہیں ۔(رمضان فی رمضان ج۱۰)

کشف سے متعلق وضاحت

کشف دلیل بزرگی اور مقبولیت کی نہیں۔اس کی بناء محض مجاہدہ اور کثرت ریاضت پر ہے اکثر ہنود کو بھی ہونے لگتا ہے اور مرنے کے بعد تو سب ہی کو ہوگا۔البتہ اہل کشف کو اس اعتبار سے ضرور فضیلت ہے کہ دنیا میں رہ کر جو ذوق ان کو حاصل ہے دوسروں کو نہیں اور کشف کی حقیقت معلوم ہوجانے سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ بعض ناواقف لوگ جو کشف کے درپے ہوتے ہیں اور اس کو بڑی چیز سمجھتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے۔بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کشف نہ ہونے کی صورت میں اگر عمل ہو تو وہ زیادہ کمال کی بات ہے۔چنانچہ خداوند جل وعلا جائے مدح فرماتے ہیں۔الذین یؤمنون بالغیب (جولوگ غیبت پر ایمان لاتے ہیں)

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا **ای الخلق اعجبهم ایماناً**۔ یعنی تمام خلق میں سب سے زیادہ عجیب ایمان کس کا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا الملائکۃ یارسول اللہ! الخ، یعنی فرشتوں کا ایمان سب سے زیادہ عجیب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے ایمان نہ لانے کی کیا وجہ ہوتی جب کہ ہر وقت کلام واحکام سے مشرف ہوتے ہیں۔صحابہؓ نے کہا کہ پھر انبیاء علیہم السلام کا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھلا وہ کیوں ایمان نہ لاتے۔ہر وقت تو ان پر وحی نازل ہوتی ہے صحابہؓ نے کہا کہ پھر ہمارا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کیوں ایمان نہ لاتے۔ہر وقت مجھے دیکھتے ہو۔مجھ سے سنتے ہو آخر صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے جنہوں نے نہ مجھ کو دیکھا ہوگا نہ نزول قرآن کی کیفیت دیکھی ہوگی۔محض چند لکھے ہوئے کاغذ دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ان کا ایمان زیادہ عجیب ہے۔

مقصود اس سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ مکاشفہ کی نسبت عدم مکاشفہ کی حالت زیادہ افضل اور اسلم ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مطلقاً غیر مکاشفین مکاشفین سے افضل ہیں۔ اگر اہل کشف میں اور فضائل بھی ہوں جیسے انبیاء علیہم السلام تو وہ افضل ہوں گے اور اعجب ہونا دوسری بات ہے۔(احکام العشر الاخیرہ ج ۱۰)

تصرفات مشائخ

اکثر محققین صوفیا نے مریدوں پر متعارف توجہ دینے کے طریق کو بالکل ترک فرمادیا۔ وجہ یہی ہے کہ اس طریق توجہ میں مریدوں کے اندر کسی کیفیت کے القاء کے لئے اس قدر استغراق کرنا شرط تصرف ہے کہ بجز اس مقید القاء کے کسی طرف التفات نہ ہو اور تمام تر خیالات سے بالکل خالی ہو جائے۔ حتیٰ کہ واقعی اس وقت حق تعالیٰ کی طرف بھی توجہ کم ہو جاتی ہے۔ سو اس قدر توجہ مستغرق خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ ان کو غیرت آتی ہے اور ان پر سخت گراں گزرتا ہے کہ یہ شخص خدا سے بالکل غائب ہو جائے۔

فرمایا کہ ایک ضرر شیخ کو توجہ متعارف میں یہ ہوتا ہے کہ اپنے تصرفات دیکھ کر چند روز میں عجب پیدا ہو جاتا ہے۔ دوسرا یہ ضرر ہوتا ہے کہ اس متعارف طریق توجہ سے شہرت ہو جاتی ہے۔ اور جس شہرت کے اسباب مقدور الترک ہوں وہ اکثر مضر ہوتی ہے۔

تیسرا یہ ضرر ہوتا ہے کہ شیخ اگر ضعیف القویٰ ہو تو بیمار پڑ جاتا ہے۔

یہ تین ضرر شیخ کو ہوتے ہیں اور مرید کو یہ ضرر ہوتا ہے کہ وہ شیخ پر اتکال کر لیتا ہے اور خود کچھ نہیں کرتا۔ اس لئے اس کی نسبت محض انعکاسی ہوتی ہے اکتسابی نہیں ہوتی اور نسبت انعکاسی کو قیام نہیں ہوتا۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ یہ توجہ تو خود حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ **غطنی فبلغ منی الجھد** سو اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس غط کو توجہ کہنا محض بے دلیل ہے اس کا حاصل صرف الصاق بالصدر مع شدت ہے نہ کہ توجہ متعارف اور اگر تسلیم بھی کیا جائے تو ممکن ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بوجہ قوت ملکی توجہ میں اس قدر استغراق کی ضرورت نہ ہوئی ہو جو توجہ الی الحق کو مانع ہو۔ و ذاک **لایضر** (اور یہ مضر نہیں)

اگر کہا جائے کہ ممکن ہے کہ منفعل کی تفاوت استعداد سے کسی وقت کمال استغراق کی ضرورت نہ ہو۔ تو جواب یہ ہے کہ فاعل کو ہر صورت میں کمال استغراق کی ضرورت ہوگی البتہ تفاوت استعداد سے منفعل میں فرق ہوگا کہ تام الاستعداد بسہولت اور جلد متاثر ہوگا اور ناقص الاستعداد بدیر متاثر ہوگا۔ (احکام العشر الاخیرہ ج ۰ ۱)

توجہ الی اللہ

نفس توجہ اگر چہ زیبا ہو لیکن جب کہ اس نے خدا سے ہٹا دیا تو یقیناً زشت ہے۔ اسی طرح تصور شیخ کا شغل بھی محققین نے اکثروں کو بتلانا بالکل ترک کر دیا ہے۔ سبب یہی ہے کہ تصور شیخ میں مرید کی پوری توجہ شیخ کی طرف ہوتی ہے۔ ذات باری کی طرف بالکل التفات نہیں ہوتا اور یہ غیبت کاملین کے ہاں جرم ہے خوب کہا ہے ؎

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی شاید کہ نگا ہے کند وآگاہ نباشی

(اس بادشاہ سے ایک پلک جھپکنے کے برابر بھی غافل نہ رہنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ وہ متوجہ ہو اور تجھے خبر نہ ہو)

ممکن ہو کہ جس وقت یہ شخص پیر کے تصور میں مصروف ہے وہی وقت ادھر کی طرف کی توجہ کے نافع ہونے کا ہو۔ اسی کے جرم ہونے کو کہا گیا ہے ؎

ہرآں کہ غافل ازحق یک زماں ست درآں دم کافراست اما نہاں ست

(جو تھوڑی دیر کے لئے ہی حق تعالیٰ سے غافل ہے اتنی دیر کے لئے کافر ہے اگر چہ ظاہر نہیں ہے)

کفر سے مراد فقہی کفر نہیں اصطلاحی کفر ہے اسی لئے اس سے کاملین کی طبیعت اچٹتی ہے اور ان کو سخت وحشت ہوتی ہے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے اوجھڑی کہ اس کو حلال تو ضرور کہیں گے اگر غلاظت سے صاف ہو لیکن ایک لطیف المزاج آدمی سے پوچھو کہ اس کے خیال سے بھی وحشت ہوتی ہے۔ اور صاحبو! اصل تو یہ ہے کہ جب ایک دل میں دو خیال نہیں آسکتے۔ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں پھر کیوں کر کہا جائے کہ جو توجہ کہ اس میں خدا تعالیٰ کا خیال ضعیف اور مخلوق کا خیال غالب ہو۔ پھر اس کو قصداً پیدا کیا جائے، وہ مطلوب ہوگی۔ (احکام العشر الاخیرہ ج ۱۰)

ترغیب ذکر اللہ

اہل سلوک ابتداء میں یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو ذکر میں لذت آنے لگے اور جب لذت حاصل نہیں ہوتی تو پریشان ہوتے ہیں اور بعض اوقات ذکر کو چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ سخت غلطی ہے کیونکہ ذکر میں لذت آنے کا اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں کہ ذکر کی زیادتی

کرے جس قدر ذکر زیادہ ہوگا قلب زیادہ منقاد ہوگا۔ دوسرے خیالات کمزور پڑیں گے۔ذکر میں خود بخود لذت حاصل ہوگی۔(احکام العشر الاخیرہ ج۱۰)

منازل سلوک کی ترتیب

سلوک کی ترتیب یہ ہے کہ اول کسی صاحب محبت کوڈھونڈ کر اس کے پاس جا پڑو اور اس کی حسب ہدایت کام میں لگ جاؤ۔ثمرات کے طالب نہ ہو خود بخود ہوں تو خدا کا فضل سمجھو۔ طاعت میں لذت نہ ہو تو اس کو چھوڑ و مت۔کثرت سے ذکر کرو۔(احکام العشر الاخیرہ ج۱۰)

اس میں قرآن بھی داخل ہے۔اگر پڑھتے ہوئے طبیعت اکتانے لگے، تو اسی کی کثرت کرو۔اگر الفاظ بھی صحیح نہ ہوں تو اپنے امکان بھر کوشش تصحیح کی کرو۔اگر پوری کامیابی نہ ہو تو دلگیر مت ہو اسی طرح قبول ہے۔الفاظ پر تو انہیں سے گرفت ہوگی جو الفاظ درست کر سکتے ہیں اور پھر نہیں کرتے۔ورنہ زیادہ تر دیکھ بھال، اور چھان بین دلوں کی ہوگی۔ اگر موٹی زبان کا آدمی غلط پڑھتا ہے لیکن دل سے پڑھتا ہے تو خدا کے نزدیک یہ غلط اس صحیح سے ہزار درجہ بہتر ہے جس کی غرض ریا یا اظہار کمال ہو۔

خوف وحزن اور وساوس کا دفعیہ

خوف وحزن کے رفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک تو اس کا تذکرہ نہ کرے اس کا سبق روزہ مرہ نہ پڑھا کرے۔دوسرے یہ کہ اپنے ذہن کو اس کی طرف سے ہٹانے کی کوشش کرے اور کسی اور بات کی طرف لگائے۔اسی سے صوفیا نے کام لیا ہے۔ وساوس کے بارے میں کہ سالکین کو جو خطرات ووساوس پیش آیا کرتے ہیں اس کے علاج میں وہ عدم التفات ہی کی تعلیم دیا کرتے ہیں کہ ان کی طرف توجہ والتفات نہ کرو چاہے کفر ہی کے وسوسے کیوں نہ ہوں اور یہی علاج حدیث میں بھی آیا ہے مگر اہل ظاہر اس کو سمجھ نہیں سکتے۔عارفین ہی نے سمجھا ہے۔چنانچہ مشکوۃ میں حدیث متفق علیہ ہے۔ **یاتی الشیطن احدکم فیقول من خلق کذامن خلق کذا حتی یقول من خلق ربک فاذابلغه فلیستعذ بالله ولینته.** (تم میں سے کسی ایک کے پاس شیطان آئے گا پس کہے گا کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا اور فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا

اور فلاں چیز کو کس نے بنایا یہاں تک کہ کہے گا تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنی چاہئے اور چاہئے کہ وہ اس وسوسہ سے دور ہو جائے)

یہاں ولینتہ صیغہ امر ہے جس میں انتہا کا امر ہے اگر اس سے مراد انتہا عن الوسوسہ ہے کہ اس وسوسہ سے رک جائے تو لازم آئے گا۔ کہ وسوسہ امر اختیاری ہو حالانکہ وسوسہ امر غیر اختیاری ہے اور اگر یہ مراد نہیں تو پھر کیا مراد ہے۔

عارفین کہتے ہیں کہ ولینتہ سے مراد انتہا عن الالتفات ہے کہ اس کی طرف التفات نہ کرے اور التفات امر غیر اختیاری ہے اس سے معلوم ہوا کہ عدم التفات کو دفع وساوس میں خاص دخل ہے۔ یہ تو حدیث سے استدلال تھا۔ آگے تجربہ شاہد ہے کہ عدم التفات سے بڑھ کر اس کا کوئی علاج نہیں اور جتنی تدابیر کی جاتی ہیں سب سے وسوسہ کو اضافہ ہی ہوتا ہے کیونکہ ان تدابیر میں اس طرف التفات ہوتا ہے کہ ہم وسوسہ کو دفع کرنا چاہتے ہیں اور اتنا التفات بھی غضب ہے۔ بس التفات کے وقت یہ حال ہوتا ہے کہ

تڑپو گے جتنا جال کے اندر جال گھسے گا کھال کے اندر

وسوسہ کی مثال تار برقی جیسی ہے کہ اس کو نہ تو پکڑنے کے واسطے ہاتھ لگاؤ نہ ہٹانے کے واسطے ہاتھ لگاؤ۔ بلکہ اس سے دور ہی رہو۔ جو لوگ وسوسہ کی طرف التفات کرتے ہیں ان کو غلطی یہ پیش آتی ہے کہ وہ وسوسہ کو مضر سمجھتے ہیں اور ان کا یہ خیال ہے کہ ہم سے وساوس پر مواخذہ ہوگا۔ اس لئے ان پر غم سوار ہو جاتا ہے اور وہ اس سے عدم التفات پر قادر نہیں رہتے ۔ حالانکہ نص صریح موجود ہے **لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا** (کسی شخص کو اللہ تعالیٰ اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) اور ظاہر ہے کہ وسوسہ کا نہ آنا قدرت سے خارج ہے۔

دوسری حدیث میں تصریح ہے کہ صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وساوس کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **ذاک صریح الایمان**۔ (یہ صریح ایمان ہے) اس سے زیادہ اور کیا اطمینان چاہتے ہو۔ (عصم الصنوف ج ۱۰)

تزکیہ اور باطن

تزکیہ لغت میں کہتے ہیں میل کچیل سے کسی شے کو صاف کر لینے کو اور یہ ظاہر ہے کہ جیسی شے ہوگی اسی طرح کا اس کا تزکیہ ہوگا۔ مثلاً کپڑا یا برتن یا بدن اگر آلودہ نجاست و میل

کچیل ہے تو اس کا تزکیہ یہی ہے کہ پانی سے اس کی تطہیر وتنظیف کر لی جائے اور مکان میں اگر کوڑا کرکٹ جمع ہے تو اس کا تزکیہ یہ ہے کہ اس میں جھاڑو دی جائے۔ غرض! جس قسم کی شے ہے ویسا ہی اس کا تزکیہ ہوگا اور ظاہری گندگی سے پاک کرنا تزکیہ ظاہری ہوگا۔

باطنی نجاست سے صفائی کرنا تزکیہ باطنی ہوگا۔

تزکیہ ظاہری کی طرف سے اس قدر بے التفاتی نہیں ہے جس قدر کہ لوگوں کو تزکیہ باطنی سے ہے۔ اس لئے کہ جن چیزوں سے تزکیہ ظاہری کا تعلق ہے ان میں سے بعض سے بچنا طبعی امر ہے اور بعض سے شرعی مثلاً قاذورات سے اپنے بدن یا کپڑے کو بچانا امر طبعی ہے۔ یہاں طبع کا اقتضا ہے کہ ان چیزوں سے بچو اور بعض نجاست وہ ہیں کہ ان کو شریعت نے نجاست قرار دیا ہے۔ جیسے منی نکلنے سے تمام بدن کا تزکیہ کرایا ہے اور حیض ونفاس سے بھی تمام بدن دھلوایا ہے۔ بہر حال تزکیہ ظاہری خواہ طبیعت کی وجہ سے یا شریعت کے اتباع سے ہو اس کا اہتمام اور اس کی ضرورت کو سب مسلمان تسلیم کرتے ہیں اور جانتے ہیں اور ان سے بچنے کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔

بخلاف تزکیہ باطنی کے کہ بعض تو اس کی ضرورت ہی کو تسلیم نہیں کرتے اور جو کرتے ہیں وہ اس کی طرف سے بے التفاتی کرتے ہیں۔ ایسے افراد تو بہت پائے جائیں گے جو شراب سے بچیں گے پیشاب سے محترز ہوں گے۔ اگر کہیں چھینٹ لگنے کا احتمال بھی ہوگا تو تمام کپڑا ہی دھوڈالیں گے لیکن ایسے بہت کم ہیں کہ ان کا تقویٰ اکل وشرب میں بھی پایا جاتا ہو۔ چنانچہ رشوت کا مال کھا جائیں گے۔ سود کی کچھ پرواہ نہیں کریں گے۔ قرض لے کر نہ دینے کو ریاست کا جزو سمجھیں گے۔ (التھذیب ج ۱۰)

معرفت خداوندی

جس قدر معرفت بڑھتی ہے نظر صحیح ہوتی جاتی ہے اور حق تعالیٰ کے حقوق اور عظمت کا مشاہدہ زیادہ ہوتا ہے اور اس کے لئے لازم ہے کہ اپنا عجز اور کوتاہی بھی ساتھ ساتھ بڑھے۔ پس سالک کی جس قدر معرفت بڑھے گی اس کو یہ معلوم ہوگا کہ میں ہیچ در ہیچ ہوں۔ اور میں نے راستہ کا ایک قدم بھی طے نہیں کیا اور خدا تعالیٰ کا ایک حق بھی ادا نہیں کیا۔ اگر خدا تعالیٰ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگیں تو کہیں ٹھکانہ نہیں۔ اس لئے کہ حقوق تو ہم ادا

کر ہی نہیں سکتے اسی واسطے اس کا مواخذہ نہ ہوگا کہ ہمارے حقوق پورے کیوں نہیں ادا کئے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ادائے حقوق میں کیوں نہیں لگے۔ (التھذیب ج ۱۰)

دشنام محبت

بعض دفعہ قبض میں سالک یوں سمجھتا ہے کہ فرعون مجھ سے افضل ہے گو وہ کافر تھا مگر اس کو تو ایک دفعہ لا الہ الا اللہ کہنے سے نجات ہو جاتی ہے اور مجھے ہزار دفعہ بھی لا الہ الا اللہ کہنے سے اس مصیبت سے نجات نہیں ہوتی چنانچہ بعض نے اس حالت میں خودکشی بھی کر لی ہے ان کو مستہلکین کہا جاتا ہے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا ان کو عذاب ہوگا۔ فرمایا جا ظالم! وہ تو خدا کی محبت میں شمشیر عشق سے جان دے رہا ہے اور تجھے فتوے کی سوجھی ہے اس شعر میں اسی کا فیصلہ ہے۔

گر خطا گوید وراخاطی مگر — درشود پر خود شہیدا ورامشو

خود شہیدان راز آب ولی ترست — ایں خطا ازصد ثواب اولیٰ ترست

''اگر کوئی غلطی کرے تو اس کو خطاوار نہ کہو اور شہید اگر خون میں نہا جائے تو اس کو غسل مت دو۔ شہداء کا خون آب حیات سے بہتر ہے اور یہ خطا سو ثوابوں سے بہتر ہے''

اس حالت میں جو شخص خودکشی سے مر جائے معذور ہے گو ماجور نہیں مگر مازور بھی نہیں یہ تین لفظ بھی میں نے مقفی اختیار کئے ہیں تین حالات کے اعتبار سے یعنی اگر کوئی شخص حدود شرعیہ سے باختیار خود نکلے وہ تو مازور ہے (گنہگار ہے) اگر بلا اختیار نکلے معذور اگر حدود کے اندر ہے ماجور ہے (اس کو ثواب ملے گا ترقی ہوگی) باطن کے مصائب میں سے ایک یہ صورت بھی ہے کہ ایک سالک کو اثناء ذکر میں آواز آئی۔ جو چاہے کر تو تو کافر ہو کر مرے گا، اس آواز سے وہ سہم گیا شیخ کے پاس گیا اور سارا حال عرض کیا سبحان اللہ شیخ بھی کیسی دولت ہے جس کو میسر ہو فرمایا گھبراؤ نہیں یہ دشنام محبت ہے محبوبوں کی عادت ہے کہ عشاق کو یوں ہی تنگ کیا کرتے ہیں اس پر سوال ہوتا ہے کہ یہ بات جھوٹ تھی اگر ایسا ہے تو معاذ اللہ حضرت حق کی طرف کذب کی نسبت لازم آتی ہے علماء ظاہر تو امکان کذب ہی میں آج تک لڑ رہے ہیں اس میں تو وقوع کذب لازم آ گیا اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں کذب نہیں کیونکہ کافر باصطلاح صوفیہ بمعنی فانی ہے خسرو فرماتے ہیں۔

کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست ۔۔۔ ہر رگ من تار گشتہ حاجت زنار نیست

''میں عشق میں فانی ہوں بقا مجھے درکار نہیں ہے میری ہر رگ تار بن چکی ہے مجھے زنار کی ضرورت نہیں ہے''

اے فانی عشقم تو اس غیبی آواز کا مطلب یہ ہوا کہ جو چاہے عمل کر تو فانی ہو کر مرے گا اب یہ کلام ایسا ہو گیا جیسا حدیث میں آیا ہے **لعل الله اطلع الی اهل بدر فقال اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم** اورصوفیہ نے یہ اصطلاح لغت سے لی ہے کیونکہ لغت میں کفر بمعنی ستر ہے اور فانی بھی اپنی ہستی کا ساتر ہے صوفیہ کی اصطلاحات کہیں لغت سے ماخوذ ہیں کہیں عرف عام سے کہیں فلسفہ سے کہیں علم کلام سے کہیں کسی اور فن سے اور یہ خلط بحث انہوں نے اس لئے کیا تا کہ اسرار پر پردہ پڑا رہے نا اہل تک نہ پہنچ جائیں کیونکہ

بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی ۔۔۔ بگذار تا بمیر دور رنج خود پرستی

''ظاہر پرستوں کے سامنے اسرار عشق و مستی مت بیان کرو بلکہ ان کو اپنے رنج و مزے دو''

اسی لئے ان علوم و اسرار کو برسر منبر بیان کرنے کی ممانعت ہے یعنی بلا ضرورت بیان نہ کرے اور میں اس وقت ضرورت سے بیان کر رہا ہوں۔ غرض یہ غیبی صدا صوفیہ کی اصطلاح میں تھی عام اصطلاح میں نہ تھی اور یہ عنوان مزاح کیلئے اختیار کیا گیا تا کہ ذرا تھوڑی دیر کو عاشق پریشان ہو جائے۔ (المرابط ج ۱۱)

وحدۃ الوجود

تصوف کی یہی حقیقت ہے کہ طلب پیدا کرے اور عمل کا اہتمام کرے تصوف کوئی دشوار چیز نہیں متقدمین نے صوفی کی تفسیر عالم باعمل سے کی ہے۔ مگر آجکل لوگوں نے اس کو ہوا بلکہ بدنام بنا دیا ہے یہاں تک کہ ایک عیسائی انگریز بھی کہنے لگا کہ ہم تو تین ہی خدا کے قائل ہیں اور تمہارا ٹوپی (صوفی) تو ہر چیز کو خدا کہتا ہے۔ یہ وحدۃ الوجود کے مسئلہ کو بگاڑا ہے اور غضب ہے کہ بہت سے جہلاء وحدۃ الوجود کے معنی یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ ہر چیز خدا ہے حتی کہ میں نے فرنگی محل میں ایک مولوی صاحب کو درس میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ نعوذ باللہ واجب الوجود کلی طبعی ہے جزئی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ کلی طبعی کا وجود جداگانہ نہیں ہوتا بلکہ افراد کے ضمن میں ہوتا ہے تو نعوذ باللہ خدا کا وجود مستقل کوئی نہیں بلکہ موجودات کے ضمن ہی

میں ہے یہ وحدۃ والوجود نہیں بلکہ کفر صریح ہے وحدۃ الوجود تو یہ ہے کہ اپنی ہستی کو مٹا کر خدا کی ہستی کا مشاہدہ کرے نہ یہ کہ خدا کی ہستی کو مٹا کر اپنی ہستی کا مشاہدہ کرے۔ ایک بزرگ نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ منصور نے بھی انا الحق میں خدا ہوں کہا اور فرعون نے بھی انا ربکم الاعلی میں تمہارا بلند مرتبہ والا رب ہوں کہا جس کا حاصل انا الحق ہی ہے پھر وہ مقبول ہوئے یہ مردود ہوا اس کی کیا وجہ الہام ہوا کہ منصور نے اپنے کو مٹانے کیلئے انا الحق کہا تھا اور فرعون نے ہم کو مٹانے کیلئے انا الحق کہا تھا اس لئے وہ مقبول ہوا یہ مردود ہوا مولانا اسی کو فرماتے ہیں

گفت منصورے انا الحق گشت مست　　　گفت فرعونے انا الحق گشت پست

رحمۃ اللہ آں انا را دروفا　　　لعنت اللہ ایں انا را در قفا

''منصور نے انا الحق (میں خدا ہوں) کہا مقبول ہوا فرعون نے انا الحق کہا مردود ہوا۔ راہ وفا میں انا (میں) کہنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور راہ جفا میں انا کہنا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے''

اصلاح نفس

ہمیشہ نفس کو بد پرہیزی سے بچانا چاہیے کہ احکام الٰہیہ کی مخالفت نہ کرے اور صوفیہ نے یہ سب طریقے حدیثوں سے معلوم کر کے مقرر کئے ہیں۔ مثلاً حدیث میں ہے **حاسبوا قبل ان تحاسبوا** اس میں محاسبہ کا ذکر ہے اور ایک حدیث میں ہے **من استطاع منکم البائۃ فلیتزوج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء** جو تم میں سے نکاح کی استطاعت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ شادی کر لے اور جو استطاعت نہیں رکھتا اسے چاہیے کہ روزہ رکھے کیونکہ وہ اس کی رگ شہوت کو مل دے گا۔ (المرابطہ ج۱۱)

اصلاح نفس بہ واسطہ روزہ

جو شادی کر سکے وہ نکاح کرے اور جس کو اس کی وسعت نہ ہو وہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس کی رگ شہوت کو مل دیگا یہ مجاہدہ ہے اور ترک جمعہ پر تصدیق دینار کا امر ہے یہ معاقبہ ہے اسی طرح نصوص میں غور کرنے سے سب کی اصل مل سکتی ہے۔ (المرابطہ ج۱۱)

علاج الغضب

بعض لوگ غلبہ غضب کی شکایت کرتے ہیں تو ان سے یہ سوال کرتا ہوں کہ غضب

اختیاری ہے یا غیر اختیاری وہ کہتے ہیں کہ غیر اختیاری ہے پھر سوال کرتا ہوں کہ اس کے مقتضا پر عمل کرنا اختیاری یا غیر اختیاری وہ کہتے ہیں کہ اختیاری ہے اس پر میں کہتا ہوں کہ جب یہ اختیاری ہے تو بس غضب کے مقتضا پر عمل نہ کرو یہاں تک تو تبلیغ ہے اور یہی شیخ کے ذمہ ہے آگے طالب کا کام ہے کہ ہمت کر کے غضب کے مقتضا پر عمل نہ کرے مگر شفقت کے طور پر بعض کو سہولت کا طریقہ بھی بتلا دیتا ہوں مثلاً یہ کہ اس جگہ سے خود ہٹ جائے یا مخاطب کو الگ کر دے اگر قدرت ہو۔ اگر قدرت نہ ہو تو خود ہی الگ ہو جائے۔ اور بعض طریقے غصہ کم کرنے کے حدیث میں بھی آئے ہیں مثلاً یہ کہ پانی پی لے وضو کر لے یا اعوذ باللہ پڑھ لے مگر یہ طریق لطیف ہیں جو لطیف طبائع کے مناسب ہیں آج کل طبائع کثیف ہیں اس لئے سخت تدابیر کی ضرورت ہے جن میں سے ایک تدبیر وہ ہے جو میں نے بیان کی کہ وہاں سے ہٹ جائے یا مخاطب کو الگ کر دے اور یہ زیادت علی الحدیث نہیں ہے بلکہ اسی سے مستنبط ہے کیونکہ ان سب تدابیر کا راز یہ ہے کہ غصہ کے وقت توجہ کو ہٹانا اور دوسری طرف متوجہ کر دینا غصہ کم کر دیتا ہے پس توجہ کے ہٹانے کی جو صورت بھی ہوگی وہ حدیث ہی کے تحت میں ہوگی۔ رہا صورتوں کا بدلنا یہ تبدیل علاج بہ تبدیل مزاج میں داخل ہے آجکل کی طبائع ایسی کثیف ہیں کہ اعوذ باللہ تو کیا سارا قرآن بھی پڑھ دو جب بھی اثر نہ ہو کیونکہ لوگ آجکل محض زبان سے اعوذ باللہ پڑھتے ہیں دل سے نہیں پڑھتے ہماری تو حالت یہ ہے۔

اللہ اللہ می کنی بہر زبان　　　بے طمع پیش آ و اللہ را نجواں

(المرابطہ ج۱۱)

غم کا علاج

یہی صرف توجہ بڑا علاج ہے۔ غم کا جس وقت کسی کے یہاں موت ہو جاتی ہے تو میں یہی علاج بتلاتا ہوں کہ اس واقعہ کا تذکرہ نہ کرو غم کو تازہ نہ کرو واقعہ کو سوچو نہیں اس سے بہت جلد غم زائل ہو جاتا ہے۔ (المرابطہ ج۱۱)

مجاہدہ نفس کی ضرورت

مجاہدہ نفس اور مخالفت نفس یہ بات بہت قابل قدر ہے اس کو معمولی نہ سمجھئے۔ اب تجربہ سے

اس کی ضرورت کو معلوم کیجئے کہ یہ تو سب مسلمان جانتے ہیں کہ نماز فرض ہے اور نماز پڑھنے کو بہت لوگوں کا جی بھی چاہتا ہے ترک صلوۃ سے ان کا دل بھی برا ہوتا ہے مگر پھر بھی بہت لوگ نماز نہیں پڑھتے باوجودیکہ سب کو عقیدہ فرضیت صلوۃ کا حاصل ہے۔ اسی طرح بعضے ارادہ کر کے پڑھتے بھی ہیں مگر وہ ارادہ بعض عوائق سے مضمحل ہو کر موثر نہیں رہتا اور اس وجہ سے نماز پر دوام نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صدور و دوام اعمال کے لئے صرف اصلاح عقائد یا ارادہ ضعیفہ کافی نہیں ہے بلکہ کسی اور شے کی ضرورت ہے جس کے بعد صدور دوام ورسوخ اعمال ضروری ہے اور وہ تکمیل اعمال کا موقوف علیہ ہے اور وہ شے مجاہدہ نفس اور مخالفت نفس ہے۔ (المجاہدہ ج ۱۱)

نظر بد

مثلاً بعض لوگ نظر بد کے گناہ میں مبتلا ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نگاہ نیچی رکھو اور مت دیکھو کیوں کہ دیکھنا اختیاری امر ہے اس کا ترک بھی اختیاری ہے تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم نظر کے روکنے پر قادر نہیں مگر واللہ یہ جواب بالکل غلط ہے یہ شخص قادر ضرور ہے مگر وہ مشقت سے گھبراتا ہے اور یوں چاہتا ہے کہ بدون مشقت کے قادر ہو جاؤں اس کے نزدیک قدرت کے معنی یہی ہیں کہ بدون مشقت کے آسانی سے کام ہو جائے سو اس معنی کو واقعی قادر نہیں مگر ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی یوں چاہے کہ بدون منہ میں لقمہ دیئے کھانا کھالوں اور جب اس طرح پیٹ نہ بھرے تو کہنے لگے کہ کھانا بہت مشکل ہے ہاتھ ہلاؤ روٹی تک لے جاؤ اس کو توڑو پھر لقمہ بناؤ منہ میں دو پھر چباؤ پھر نگلو۔ اگر اسی کا نام دشواری ہے کہ کچھ بھی نہ کرنا پڑے تو واقعی نظر بد سے بچنا دشوار ہے اور تم اس کے روکنے پر قادر نہیں مگر اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ قدرت علی العمل کے معنی یہ ہیں کہ اس میں اصلا مشقت نہ ہو اور عجز عن العمل کے معنی یہ ہیں کہ اس میں کسی قدر مشقت ہو جب یہ معنی مسلم نہیں تو وہ لوگ جو اپنے کو غض بصر سے عاجز کہتے ہیں غور کریں کہ ایسی حماقت میں مبتلا ہیں انہوں نے قدرت و عجز کی حقیقت ہی غلط سمجھ رکھی ہے ورنہ یہ لفظ کبھی زبان پر نہ لاتے کہ ہم غض بصر پر قادر نہیں۔ غرض لوگ یوں چاہتے ہیں کہ بغیر مشقت کے نظر بد کو روک لیں سو قرآن میں اس کا ذمہ کہاں ہے وہاں تو مطلق حکم ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (مسلمانوں کو حکم دید یجئے کہ

اپنی نگاہیں نیچی رکھیں) یعنی خواہ تکلیف ہو یا نہ ہو مشقت ہو یا نہ ہو کچھ پرواہ نہیں ان کو ہر حال میں غض بصر کرنا چاہیئے بلکہ اگر غور کیا جائے تو خود اس آیت کا مطلب یہی ہے کہ باوجود مشقت کے غض بصر کرنا چاہیئے۔ اور اس مشقت کو برداشت کرنا چاہیئے۔

علاج امراض باطنہ

بس امراض باطنہ کے بھی علاج کا وہی طریقہ ہے جو امراض جسمانیہ کا ہے کہ جب مرض لاحق ہو اسی وقت اس سے دور رہنے اور بچنے کی تدبیر کرو اور اس کو لپٹانے کا بھی نام نہ لو اور گو گناہ سے بچنے میں کسی قدر مشقت ہوتی ہے مگر وہ تھوڑی دیر کی مشقت ہے پھر راحت ہی راحت ہوگی مثلاً کسی کو حسن پرستی کا مرض ہو تو اس کو چاہیے کہ حسین سے باتیں کرنا ملنا بلانا اس کو گھورنا بالکل چھوڑ دے کہ یہ سخت مضر ہے گو اس وقت ٹھنڈک پہنچتی ہے مگر اس کے بعد جڑ مضبوط ہو جاتی ہے اور عمر بھر کی مصیبت جان کو لگ جاتی ہے چونکہ اس وقت مجھے زیادہ تر فروع ہی کا بیان مدنظر ہے اس لئے چند فروع مجاہدہ کی اور بھی بیان کرتا ہوں مثلاً غضب کے روکنے میں بعض وقت تکلیف ہوتی ہے اور یہ مجاہدہ ہے مگر اس کے بعد ایک خاص فرحت وراحت ہوتی ہے اور اگر غصہ کو نہ روکا گیا بلکہ جو زبان پر آیا کہتا گیا تو اس وقت تو نفس خوش ہوتا ہے مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد دل میں کدورت ہوتی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہی نفس جو پہلے بہکا رہا تھا بعد میں ملامت کرتا ہے اور اس کے بعد غصہ کے نتائج بد دیکھ کر تو بہت ہی قلق ہوتی ہے گو نفس ان کی تاویلات بھی کرے مگر پھر بھی اس کو کدورت ضرور ہوتی ہے تجربہ کر کے دیکھا گیا کہ غصہ روکنا ہمیشہ اچھا ہوا اور جب اس کو جاری کیا گیا تو اس کا انجام ہمیشہ برا ہوا اور دل کو قلق بھی ہمیشہ ہوا جیسے مریض کو طبیب کہتا ہے کہ پرہیز کرو دوا پیو تو اس کو بد پرہیزی سے ہمیشہ ندامت ہوتی ہے کیونکہ بد پرہیزی کا برا انجام بہت دنوں تک رہتا ہے اسی طرح گناہ کر کے ہمیشہ ندامت ہوتی ہے ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ گناہ کے بعد نفس خود اپنے کو ملامت نہ کرے پھر بعضے اس ندامت کے بعد ہمیشہ کے لئے گناہ سے توبہ کر لیتے ہیں اور بعضے ایک بار توبہ کر کے پھر گناہ کرتے ہیں توبہ کرتے ہیں تو یہ تو دل لگی ہوئی اگرچہ یہ ثابت ہے کہ توبہ اگر سو بار بھی ٹوٹ جائے تب بھی قبول ہو جاتی ہے مگر یہ شرط تو ضروری ہے کہ توبہ کی حقیقت تو پائی جائے مگر اکثر حالت تو یہ ہے کہ جو لوگ ایک گناہ سے بار

بار توبہ کرتے ہیں ان کی توبہ صرف زبانی ہوتی ہے ورنہ عین توبہ کے وقت بھی ان کا یہ عزم ہوتا ہے کہ یہ گناہ پھر بھی کریں گے میں اسی کو دل لگی کہہ رہا ہوں۔ اس لئے جب کوئی شخص اعمال صالحہ کا قصد کرے یا اصلاح نفس کا ارادہ کرے تو وہ اپنے کو اس کام کے لئے پہلے تیار کرلے کہ اول اول مشقت برداشت کرنا اور نفس کی مخالفت کرنا پڑے گی پھر مجاہدہ ومخالفت نفس کے مراتب مختلف ہیں ایک مرتبہ مبتدی کے مجاہدہ کا ہے ایک منتہی کے مجاہدہ کا ہے۔ مبتدی کو تو مجاہدہ میں اول اول دشواری زیادہ ہوتی ہے اور منتہی چونکہ اپنے نفس کو مہذب کرچکا ہے اس سے اعمال صالحہ بلا تکلف صادر ہونے لگتے ہیں۔ (المجاہدہ ج۱۱)

اخلاق طبعیہ مجاہدہ سے زائل نہیں ہوتے

اب یہاں سے میں سالکین کی ایک غلطی پر تنبیہ کرتا ہوں وہ یہ کہ آپ کو معلوم ہوگیا کہ بعض دفعہ مہذب نفس بھی شوخی شرارت کرنے لگتا ہے سو بعض لوگوں کو یہ حقیقت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نفس میں کوئی برا میلان دیکھ کر بڑے گھبراتے ہیں کیونکہ ان کے ذہن میں یہ جم گیا ہے کہ مجاہدہ سے اخلاق رذیلہ بالکل زائل ہوجاتے ہیں اور منشا اس خیال کا یہ ہے کہ اکثر وسط طریق میں وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ تقاضائے معاصی گویا بالکل نہیں رہا حالانکہ اخلاق طبعیہ مجاہدہ سے زائل نہیں ہوتے بلکہ مغلوب و مضمحل ہوجاتے ہیں اور اکثر سلوک کے وسط میں غلبہ حالات وکیفیات کی وجہ سے بہت زیادہ مغلوب و مضمحل ہوجاتے ہیں اس طرح کو زائل معلوم ہونے لگتے ہیں پھر انتہا میں جب غلبہ حالات کم ہوجاتا ہے اور تمکین حاصل ہوتی ہے تو اخلاق طبعیہ پھر ابھرتے ہیں اس وقت سالک گھبراتا ہے اور رنج کرتا ہے کہ افسوس ہنوز روز اول ہی ہے میرا تو سارا مجاہدہ ہی بیکار گیا نفس تو اسی حالت میں ہے جس حالت میں پہلے تھا اور یہ رنج اس لئے مضر ہے کہ اس کے اس رنج وغم سے شیطان کو راہ ملتا ہے کہ وہ اس کو تعطل کی طرف لے جاتا ہے اور اس حالت میں اس شخص میں شکستگی بھی بے حد ہوجاتی ہے کہ بات بات میں کہتا ہے کہ میں کسی قابل نہیں ہوں اور ظاہر میں تو یہ تواضع ہے مگر اس میں رنگ شکایت کا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو بھلا کر یہ سمجھتا ہے کہ جب میرے اندر گناہ کا تقاضا موجود ہے تو اب میرے پاس کوئی نعمت نہیں حالانکہ یہ سخت ناشکری ہے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ شخص اپنی تمام ریاضات گذشتہ کو یاد کرکے اپنے دل میں یوں کہتا ہے کہ میں بڑا بدقسمت ہوں کہ اتنی محنت کے

بعد بھی مجھے ناکامی ہی رہی بس اب میرے واسطے کیا رہا کچھ نہیں۔ اور بعض اوقات یہ شخص اپنی کامیابی سے مایوس ہو کر نفس کو بالکل آزادی دے دیتا ہے کہ جب مجاہدات کے بعد یہی ناکامی ہی ہے تو نفس کو مصیبت میں کیوں ڈالا یہ شخص اس غلطی میں اس لئے مبتلا ہوا کہ اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ میں مجاہدہ کر کے تقاضائے گناہ سے بھی معصوم ہو گیا اور اب میرے اندر سے اخلاق رذیلہ بالکل نکل گئے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کشاکشی ہمیشہ رہتی ہے ہاں مبتدی جیسی نہیں رہتی اس لئے میں کہتا ہوں کہ اعمال صالحہ کا جب قصد کرے تو اول ہی سے نفس کو یہ سمجھا لے کہ ان اعمال میں مشقت ہمیشہ رہے گی اور عمر بھر مجاہدہ کرنا ہوگا اور یہاں سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ شیخ کتنی بڑی نعمت ہے کہ وہ کیسے کیسے عقبات سے سالک کو نکالتا ہے اور اس کا عقبات سے نکالنا یہی ہے کہ وہ حقائق صحیحہ پر مطلع کرتا اور غلط اعتقادات سے بچاتا ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں۔

گر ہوائے ایں سفر داریٔ دلا　　　دامن رہبر بگیر وپس برآ
بے رفیقے ہر کہ شددر راہ عشق　　　عمر بگذشت ونشد آگاہ عشق

"اگر اس سفر عشق پر روانہ ہونے کی خواہش رکھتا ہے تو مرشد کا دامن پکڑ لے اور آجا بلا مرشد کے جس نے طریق عشق میں قدم رکھا اس نے عمر ضائع کی ہے اور عشق سے آگاہ نہ ہوا"

اور فرماتے ہیں۔

صد ہزاران دام ودانہ ست اے خدا　　　ماچو مرغان حریص بے نوا
بے عنایات حق وخاصان حق　　　گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

"اے خدا لاکھوں دام اور دانے والے موجود ہیں اور ہماری حالت مرغان حریص کی ہے بغیر حق سبحانہ تعالیٰ اور خاصان حق کی مہربانی کے اگر فرشتہ بھی ہوگا تو اس کا نامہ اعمال سیاہ رہے گا"

خدا کے خاص بندوں کی کسی پر عنایت ہو جائے تو یہ بہت بڑی بات ہے۔

بہرحال خوب سمجھ لو کہ اعمال صالحہ میں مشقت ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ وہ اعمال نفس کی خواہش کے خلاف ہیں نفس ان میں منازعت ضرور کرتا ہے قلیل یا کثیر اس لئے مخالفت نفس کی عمر بھر ضرورت ہے اور یہی مجاہدہ کی حقیقت ہے۔ (المجاہدہ ج ۱۱)

اصلاح نفس

ایک شخص مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے ایسا وظیفہ بتلا دو جس سے نماز قضا نہ ہو میں نے کہا

کہ اگر وظیفہ قضا ہونے لگا تو اس کے واسطے دوسرا وظیفہ پڑھو گے پھر اس کے واسطے تیسرا یہ تو سلسلہ غیر متناہی چلے گا اس کا علاج تو یہ ہے کہ جس دن نماز قضا ہو اس دن بھوکے رہو یا ۴، ۸ صدقہ کرو اور یہ صدقہ نہ تو اتنا زیادہ ہو جس کا تحمل نہ ہو نہ اتنا کم ہو جس کی نفس کو خبر بھی نہ ہو بلکہ درمیانی درجہ کا ہو جس سے نفس پر کسی قدر گرانی ہو اور اس سے کہہ دو کہ جب تو نماز قضا کرے گا میں تجھ کو یہی سزا دوں گا۔ اور یہ علاج میں نے یا صوفیہ نے اپنی طرف سے اختراع نہیں کیا بلکہ نصوص سنت میں اس کی اصل موجود ہے حدیث میں ہے من قال تعال اقامرک فلیصدق یعنی جس کی زبان سے یہ کلمہ نکل جائے کہ آ ؤ جوا کھیلیں وہ صدقہ کرے اسی طرح حیض کے زمانہ میں غلطی سے جماع ہو جائے تو وہاں بھی صدقہ کا حکم ہے ابتدائے حیض میں ایک دینار اور آخر میں نصف دینار۔ اور اس میں راز یہ ہے کہ صدقہ کرنے سے نفس پر زیادہ مشقت پڑتی ہے وہ اس سے بچنے کے لئے تھوڑی مشقت کو برداشت کر لیتا ہے اور یہ کام اس سے چھوٹ جاتے ہیں تو دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مواقع کے لئے کوئی وظیفہ نہیں بتلایا بلکہ ایسا علاج بتلایا جس میں نفس کو مشقت ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصلاح نفس کا طریقہ مجاہدہ ہی ہے وظیفوں سے اصلاح نہیں ہوا کرتی۔

اعتدال مجاہدہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا یعنی خدا کے خاص بندے وہ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ وہ خرچ کے درمیان میں معتدل ہوتا ہے پس مجاہدہ میں بھی اعتدال کی رعایت کرنا چاہیے۔ مگر اس اعتدال کو بھی آپ اپنی رائے سے تجویز نہ کیجئے کیونکہ بیمار کی رائے بیمار ہوتی ہے اس طریق میں اپنی رائے سے کامیابی نہیں ہوتی۔

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست   کفر ست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

''اپنی رائے اور فکر کو راہ سلوک میں کچھ دخل نہیں اس راہ میں خود بینی اور خود رائی کفر ہے''

اب یہاں ایک بات اور سمجھئے کہ مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں ایک مجاہدہ جسمانی کہ نفس کو مشقت کا عادی کیا جائے مثلاً نوافل کی تکثیر سے نماز کا عادی کرنا اور روزہ کی کثرت سے حرص طعام وغیرہ کم کرنا اور ایک مجاہدہ بمعنی مخالفت نفس ہے کہ جس وقت نفس معصیت پر

داعی ہو اس وقت اس کے تقاضے کی مخالفت کرنا اصل مقصود یہ دوسرا مجاہدہ ہے اور یہ واجب ہے اور پہلا مجاہدہ بھی اسی کی تحصیل کے واسطے کیا جاتا ہے کہ جب نفس مشقت برداشت کرنے کا عادی ہوگا تو اس کو اپنے جذبات کے ضبط کرنے کی بھی عادت ہوگی۔لیکن اگر کسی کو بدون مجاہدہ جسمانیہ کی مخالفت نفس پر قدرت ہو جائے تو اس کو مجاہدہ جسمانیہ کی ضرورت نہیں مگر ایسے لوگ شاذ و نادر ہیں اسی واسطے صوفیہ نے مجاہدہ جسمانیہ کا بھی اہتمام کیا ہے اور ان کے نزدیک اسی کے چار ارکان ہیں ترک طعام، ترک کلام، ترک منام، و ترک اختلاط مع الانام اور ترک سے مراد تقلیل ہے ترک کلی مراد نہیں۔ جو شخص ان ارکان اربعہ کا عادی ہو جائے گا واقعی وہ اپنے نفس پر قابو یافتہ ہو جائے گا کہ تقاضائے معصیت کو ضبط کر سکے گا

راحت کی جگہ عالم آخرت ہے

آج کل بعض سالکین کو سہولت کی بہت تلاش ہے جس کی وجہ صرف راحت طلبی ہے جیسے ایک طبیب ماہر کہتا ہے کہ کوئی صورت ایسی ہوتی کہ سارا کھانا ایک دم سے پیٹ میں اتر جایا کرے، لقمہ لقمہ نہ کھانا پڑے تا کہ تداخل طعام نہ ہو، خیر اس شخص کی اس رائے کی بنا تو ایک مصلحت بھی ہے لیکن آج کل تو ایسا ممکن بھی ہوتا تو اس کی بنا راحت طلبی ہی ہوتی۔افسوس آج کل سالکین بھی یہی چاہتے ہیں کہ ہم کو کچھ کرنا نہ پڑے خود بخود سارا کام ایک دن میں ہو جائے یہ سخت غلطی ہے! راحت کی جگہ تو عالم آخرت ہے اور وہاں بھی جو راحت حاصل ہوگی وہ بھی دنیا کی جہد کا ثمرہ ہے۔(التحصیل والتسہیل مع التکمیل والتعدیل ج ۱۱)

درجات اعمال

ہمارے احوال کے تین درجے ہیں جن کی ترتیب سمجھ لینی چاہیے، اول درجہ تو یہ ہے کہ ابھی پہلی تبدیل بھی نہیں ہوئی۔عوام الناس کی تو یہ حالت ہے اور یہ ہے قابل تبدیل لیکن بتبدیل اول۔باقی اول ہی سے دوسری تبدیل کی کوشش نہ کرے اس واسطے کہ دوسری تبدیل جب ہی معتبر ہے کہ جب بعد تبدیل اول ہو اور اگر کہا جائے کہ اس کے عکس میں کیا حرج ہے کیونکہ کمال کی بات تو یہ ہے کہ مثلاً غصہ ہو اور اس غصہ کو نہ چلا وے تو یہ تو اب بھی ممکن ہے پھر تبدیل اول کی تقدیم کی ضرورت ہی کیا ہے۔سو حضرت قبل تبدیل اول کے دوسری تبدیل پر

قدرت حاصل کر لینا کارے دارد۔ یہ ایسا ہے جیسے بے قاعدہ بغدادی پڑھے کوئی سپارہ پڑھنے لگے تو کیا وہ سپارے پڑھنے پر قادر ہو جائے گا اور اگر کچھ شد بد پڑھ بھی لیا تو کیا اس سے مہارت کاملہ پیدا ہو سکتی ہے اسی طرح یہاں بھی گو شاذ و نادر کبھی ایسا بھی ہو گیا ہے کہ قبل تبدیل اول دوسری تبدیل پر ابتداء ہی قدرت حاصل ہو گئی ہے مگر یہ کرامت ہے خواہ سالک کی خواہ کسی شیخ کی اور کرامت دائم نہیں ہوا کرتی۔ (تکمیل الاعمال بتبدیل الاحوال)

تصوف کا حاصل

تصوف کا حاصل یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی ہو سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کر لے اور جس گناہ کا تقاضا ہو تقاضا کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچ جاوے، دیکھئے یہ ہے تو چھوٹی سی بات کہنے میں مگر وقوع میں کتنی عظیم الشان ہے، شیخ کا بس یہی کام ہے کہ وہ اس بات کے حاصل کرنے کی تدبیریں بتلاتا ہے اور کچھ نہیں کرتا۔ (تکمیل الاعمال بتبدیل الاحوال)

اصطلاح قلندر

متقدمین کی اصطلاح میں تو قلندر وہ ہے جس میں اعمال غیر واجبہ کی تقلیل ہو اور متاخرین نے اس کے معنی میں وسعت کی ہے یعنی قطع نظر اس سے کہ اعمال میں تقلیل ہو یا تکثیر ہو لیکن خلق سے آزاد ہو اور یہ دونوں اصطلاحیں جدا جدا ہیں لیکن ایک نکتہ کی بنا پر یہ دونوں اصطلاحیں متوافق بھی ہو جاتی ہیں یعنی یہ جو کہا جاتا ہے کہ قلندر کے اعمال میں تقلیل ہوتی ہے تو قلت اور کثرت امور اضافیہ میں سے ہیں یعنی بمقابلہ دوسرے اہل اعمال کے تو وہ عمل میں بھی بڑھا ہوا ہے یعنی اوروں سے تو اس کا عمل بھی غالب ہے لیکن خود اس میں جو محبت اور عمل دو چیزیں جمع ہیں ان میں محبت کا حصہ عمل سے بڑھا ہوا ہے۔ پس اس کمی کا یہ مطلب نہیں کہ عمل میں فی نفسہ کوئی کمی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ گو عمل بھی بہت بڑھا ہوا ہے لیکن محبت میں اس سے زیادہ بیشی ہے۔ عمل تو کامل ہے ہی مگر محبت کامل سے بھی آگے یعنی اکمل ہے۔ (طریق القلندر ج ۱۱)

فنا کا کام

فنا کا درجہ جس کو کہتے ہیں وہ اعلیٰ درجہ ہے محبت کا یعنی تمام تعلقات غیر اللہ اس قدر مغلوب ہو جائیں کہ کوئی نہ معبود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے۔ لا الہ الا اللہ کا اور نہ

مقصود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے "فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَلاَ يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ اَحَدًا" (پس نیک عمل کرے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے) کا اور نہ سالک کی نظر میں موجود ہونے میں شریک رہے جو حاصل ہے۔ "کل شیء هالک الا وجهه" (سوائے حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے سب فانی ہیں) (طریق القلند رج ۱۱)

شیخ کامل کی علامات

شیخ کی پہچان یہ ہے کہ شریعت کا پورا متبع ہو بدعت اور شرک سے محفوظ ہو کوئی جہل کی بات نہ کرتا ہو اس کی صحبت میں بیٹھنے کا یہ اثر ہو کہ دنیا کی محبت گھٹتی جائے اور حق تعالیٰ کی محبت بڑھتی جائے اور جو مرض باطنی بیان کرو اس کو بہت توجہ سے سن کر اس کا علاج تجویز کرے اور جو علاج تجویز کرے اس علاج سے دمبدم نفع ہوتا چلا جائے اور اس کے اتباع کی بدولت روز بروز حالت درست ہوتی چلی جائے۔ یہ علامت ہے شیخ کامل کی ایسا شخص اگر مل جائے تو وہ اکسیر اعظم ہے تو یہ ہے طریقہ محبت پیدا کرنے کا اس سے تو ہوگی محبت آگے رہا عمل تو اسکے لیے ضرورت ہوگی۔ (طریق القلند رج ۱۱)

مرشد کامل کی رہبری

یہ امر بھی قابل توجہ وضروری عمل ہے کہ تعلیم کے بعد کسی شیخ و بزرگ کی صحبت بھی اختیار کرنا چاہیے باوجود اس کے کہ یہ امر بہت مہتم بالشان ہے لیکن لوگ اس سے اس درجہ غافل ہیں کہ اس کو امر فضول سمجھتے ہیں اور بعضے لوگ جو کسی درجہ میں ضروری سمجھتے ہیں وہ بھی محض برائے نام یعنی چار ہی دن کے لیے آتے ہیں۔ اگر ان سے پوچھئے کہ کس واسطے تشریف لائے ہو فرمائیں گے اصلاح نفس کے لیے کتنی مدت قیام ہوگا جواب میں ارشاد ہوتا ہے چار دن یعنی اصلاح نفس کے حرفوں کی برابر بھی تو دن تجویز نہیں کرتے بلکہ دو دو حرفوں کے مقابلہ میں ایک ایک دن مقرر کرتے ہیں نہ معلوم اصلاح نفس کو کچھ کھیل سمجھ رکھا ہے یا محض آمد و رفت ہی کا نام اصلاح نفس رکھ لیا ہے بعض آٹھ دن کے لیے آتے ہیں بعض نے بہت ہمت کی تو مہینہ دو مہینہ کو آ گئے بھلا تمام عمر کے کہنہ اور جبلی امراض اور ان کے معالجہ کے لیے چار دن یا ایک ہفتہ یا ایک دو مہینہ تجویز ہوتے ہیں نہ معلوم یہ کس امر کا مقتضاء ہے دیکھئے کوئی شخص اگر چار سال میں تپ دق میں مبتلا ہو اور طبیب

کے پاس علاج کرانے جائے اور کہے کہ چار دن میں چار سال کے مرض کا علاج ہو جائے تو طبیب کیا اس بات کی سماعت کرے گا یا اس کی جانب التفات وتوجہ کرے گا ہرگز نہیں بلکہ بات بھی نہ کرے گا، کہے گا اس کو خلل دماغ ہے کہ چار برس کے مرض کا چار دن میں علاج کرانا چاہتا ہے جب اطباء ظاہری سے ان امراض ظاہری میں جو قلیل عرصے سے صحت کو خراب کر رہے ہیں ایسے شخص کے علاج کرنے کی توقع نہیں تو اطباء روحانی تمہارے ان امراض باطنی کا جو عمر بھر سے تمہاری صحت روحانی خراب کر رہے ہیں کس طرح چار دن میں علاج کر دیں گے۔ حیرت ہے کہ تعلیم الفاظ میں تو آٹھ آٹھ دس دس سال خرچ کر دیتے ہیں اور اصلاح نفس معالجہ روحانی کے واسطے ایک سال رہنا بھی دشوار اور مشکل معلوم ہوتا ہے حالانکہ علم الفاظ آلہ اور مقدمہ ہے اور اصلاح نفس مطلوب بذاتہ ومقصود ہے کہ مقصود ہمیشہ مقدمات ومبادی سے اولیٰ وافضل ہوا کرتا ہے۔ قیاس کا تو مقتضیٰ یہ تھا کہ اگر تعلیم رسمی میں ایک سال صرف ہوا ہے تو تعلیم مقصود میں چار سال تو خرچ ہوں گے لیکن یہاں اس کے عکس کی بھی نوبت نہیں آتی کہ آٹھ سال میں اگر تعلیم سے فارغ ہوں تو دو ہی سال اصلاح نفس ومجاہدہ وریاضت میں صرف کریں بلکہ بعض حضرات تو اصلاح نفس کے لفظوں کی برابر آٹھ روز مقرر کرتے ہیں کہ بس ایک ہفتہ میں مشیخت کی گٹھڑی ہاتھ آ جائے گی اور بعض افراد ۴۰ دن متعین فرماتے ہیں کہ ایک چلہ میں تکمیل ہو جائے گی، نہ معلوم یہ زچہ عورت ہیں کہ چالیس روز میں چلہ نہا کر پاک صاف بن جائیں گے تمام امراض سے صحت بھی ہو جائے گی اور بچہ بھی مل جائے گا وہ بچہ کیا ہے مجاہدہ وریاضت کا اثر اور نتیجہ یعنی نسبت مع اللہ افسوس اس گوہر نایاب کی کیسی بے قدری کی جا رہی ہے اے صاحبو اس کے حاصل کرنے کے لیے کم از کم اتنی مدت تو تجویز کی ہوتی جس میں رضاعت وفطام وغیرہ کا طریقہ تو معلوم ہو جاتا لیکن اتنی فرصت کہاں بس چالیس روز میں شیخ کامل ہونا چاہتے ہیں، بعض صاحب چھ ماہ اصلاح نفس کے لیے وقف کر دیتے ہیں جو کہ اولیٰ مدت حمل ہے یعنی چھ ماہ میں بچہ یعنی وہی نسبت مع اللہ ضرور ہو جانا چاہیے۔ کیا مطلب چھ ماہ میں پیری وراہ گیری کی سند مل جانی چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ اچھا چھ ماہ میں حمل ٹھہر بھی گیا لیکن اگر وہ پیٹ کے اندر مر گیا تو اب بتلاؤ اسے کون جنا دے تم تو حمل ٹھہرنے کے بعد چھ ماہ میں چل دیئے اب وہ مردہ بچہ اندر سے کیونکر نکلے گا، پس وہ تو اپنے سمیت تم کو ہلاک ہی کرے گا۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاح نفس کا نام بدنام

ہی کرنے کے واسطے لیا جاتا ہے اصل مقصود محض ریاء وسمعاً نمود وشہرت ہوتی ہے کہ وطن جا کر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جناب عالی مولوی مولانا بھی ہو گئے اور ساتھ ہی ساتھ درویش وشیخ بھی بن گئے ورنہ حقیقت میں آج کل جو اصلاح نفس یا تربیت باطن زبان سے کہا جاتا ہے ان لفظوں کا کچھ بھی ملول نہیں محض بے معنی الفاظ ہوتے ہیں۔ ایک شخص میرے پاس پانی پت سے آئے' فرمایا میں قاری صاحب سے تجوید پڑھتا ہوں' آج کل قاری صاحب دو مہینے کے واسطے باہر گئے ہیں میں بے کار تھا لہٰذا اصلاح نفس کے لیے آیا ہوں' دیکھئے ایسا فضول اور زائد کام سمجھا کہ آؤ آج کل بے کار ہیں اسے ہی کرلو' تفریح بھی ہو جائے گی افسوس میں نے کہا کہ مجھے معاف فرمایئے میں اس کام کو انجام نہیں دے سکتا' جناب کو یکسوئی نہ ہو گی کبھی یہاں کا خیال ہو گا کبھی وہاں کی فکر ہو گی' کشمکش میں اصلاح نفس نہیں ہوا کرتی دوسری اتنی مدت میں ہو بھی کیا سکتا ہے۔

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے صوفی نشود صافی تادر نکشد جامے

(یعنی صوفی جب تک بہت سے مجاہدے نہ کرے خام ہی رہتا ہے' پختگی مجاہدات کے بعد حاصل ہوتی ہے)

بھائی تم تو اپنی طرف سے اس مہتم بالشان امر کے لیے ایک وسیع وقت نکالو' گو شیخ کی توجہ اور اللہ تعالیٰ شانہ کے فضل و کرم سے تھوڑے ہی دنوں میں کام ہو جائے' (دستور سہارنپور ج ۱۱)

وساوس کا اثر

جناب فخر دارین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی مطلوب ہے کہ آپ کا کوئی امتی حیران و پریشان نہ ہو لیکن اگر کوئی شخص خواہ مخواہ پریشانی میں گھسے' مصیبت میں پھنسے تو اس کا کیا علاج' مثل مشہور ہے خود کردہ را علاج نیست اسی طرح باطنی معاملات میں بعض دفعہ سالک کو وساوس اور توہمات سے پریشانی ہوتی ہے۔ مثلاً کفر کے خیالات آنے لگتے ہیں جس سے یہ اپنے آپ کو کافر سمجھنے لگتا ہے حالانکہ یہ غلطی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا ہے:"ان اللہ تجاوز عن امتی ما وسوست بہ صدورھا" (یقیناً اللہ تعالیٰ نے درگزر فرما دیا' میری اُمت کو ان وسوسوں سے جو ان کے دلوں میں صادر ہوتے ہیں) پس کفر کے وسوسہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا بلکہ مومن کامل رہتا ہے اس میں مبتلا ہونے والوں کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کا دھوپ میں چولہے کے پاس بیٹھنے سے ہاتھ گرم

ہو جائے بس اس کی روح نکلنے لگے کہ اب جان گئی مصیبت آ ئی' اب بچنا دشوار ہے' جھٹ پٹ حکیم صاحب کے پاس جائے کہ میں سخت مرض میں مبتلا ہوں علاج کر دیجئے' حکیم صاحب نے نبض دیکھی کہا ارے میاں تم تو اچھے خاصے تندرست ہو تم کو بیمار کس نے کہا ہے یہ تو محض تمہارا وہم ہے کہا واہ صاحب میں تو سخت مریض ہوں بخار چڑھا ہوا ہے مجھے تو خدا کے واسطے جلاب و مسہل دو تا کہ مادہ کا خروج ہو جائے۔ حکیم صاحب نے کہا تم کو تو یہ حرارت عارضی ہے خود جاتی رہے گی' کچھ فکر کی بات نہیں لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو گو مرض نہیں لیکن خود وہم کیا تھوڑا مرض ہے اور اس وہم کا منشاء محض ناواقفیت ہے اس طرح سالک ناواقف کو وساوس سے وہم اور وہم سے غم پیدا ہو جاتا ہے جو کہ گور میں جا سلاتا ہے۔ صاحبو! وسوسہ کا علاج تو صرف بے فکر اور بے التفات ہو کر مسرور و خوش ہونا ہے نہ کہ غم کو لے کر بیٹھ جانا ہے' جتنا فکر کرو گے' اتنا ہی غم بڑھتا جائے گا' مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے وساوس و خطرات کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا: ''**وجد تموہ قالو انعم قال ذا الصریح الایمان**'' (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم ان وساوس و خطرات کو پاتے ہو' صحابہؓ نے عرض کیا ہاں' آپؐ نے فرمایا یہ صریح ایمان ہے) سبحان اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وسوسہ کے غم کا کیا عجیب علاج فرمایا کہ وہ تو پریشان آئے تھے آپؐ نے بشارت کمال ایمان کی سنا کر مسرور واپس کر دیا۔ عارفین وصوفیاء کرام نے اس سے مستنبط کیا ہے کہ وسوسہ کا علاج مسرور ہونا ہے۔ جس کو یہ مرض لاحق ہو اس کے لیے لازم ہے محزون نہ ہو ہمیشہ مسرور و خوش رہے تا کہ حدیث پر عمل ہو اور اس کی حالت سنت کے موافق ہو اور اس مسرور رہنے سے وسوسہ دفع ہونے کا راز یہ ہے کہ شیطان انسان کو محزون و غمگین رکھنا چاہتا ہے۔ جب تم اس کے خلاف کرو گے اور اس کو اس کی سعی و کوشش میں کامیاب نہ ہونے دو گے یعنی اپنے کو خوش و خرم رکھو گے رنج و غم نہ کرو گے تو وہ مایوس ہو جائے گا اور تم کو نہیں ستائے گا' سمجھے گا کہ وساوس ڈالنے سے یہ تو الٹا خوش ہوا اور اس کو خوش ہونا گوارا نہیں اس لیے وسوسے ڈالنا چھوڑ دے گا۔ یاد رکھو یہ شیطانی وسوسے اس وجہ سے نہیں کہ اپنے نفس سے سوءظن پیدا ہو اور تم معاصی سے بچنے لگو بلکہ یہ کم بخت پرانی دشمنی کی وجہ سے دل میں اس لیے وسوسے پیدا کرتا ہے تا کہ تم کو یاس ہو جائے' پس کافر بن جاؤ۔ اس سے بھلائی کبھی متصور نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ اگر یہ کوئی اچھا کام بھی کرتا ہے تو اس میں بھی برائی کا پہلو ضرور مضمر ہوتا ہے (دستور سہارنپور ج ۱۱)

علماء طلباء کو انقیاد اور تسلیم کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ انمیں یہ مرض استنکاف اور تاویل کا زیادہ ہے چاہیے تو یہ تھا کہ علم کے بدولت ان میں یہ رذائل کم ہوتے کیونکہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں "هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ" (کیا برابر ہوسکتے ہیں وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو علم نہیں رکھتے) لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ آج کل ان امراض میں زیادہ تر مولوی صاحبان ہی مبتلا ہورہے ہیں، خصوصاً کبر میں کہ اپنی خطا اور غلطی ماننے سے ان کو عار آتی ہے، طالب علمی کی ابتداء سے تاویل وتوجیہ کی عادت ہوتی ہے ہر غلطی میں توجیہ کی پچر لگادیتے ہیں کبھی غلطی وخطا کا اقرار نہیں کرتے، میرے پاس جو لوگ طالب حق آتے ہیں ان میں مولوی صاحبان بکثرت غلطیوں کی تاویلیں کیا کرتے ہیں، خطا کا اقرار کرتے ہوئے موت آتی ہے جہاں کسی امر خلاف شان پر متنبہ کیا فوراً تاویل گھڑ دی، میں تو کہہ دیتا ہوں جب تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو کہ میں تو ایک بات کو مرض کہوں تم اس کو صحت بتلاتے ہو، تو یہاں آنے کی کیا حاجت تھی، گھر بیٹھے تاویلوں توجیہوں سے اصلاح نفس کرلی ہوتی، غرض میرا تجربہ ومشاہدہ ہے کہ عیب پر تنبیہ کرنے کے وقت مولوی صاحبان خطا پر زیادہ اصرار کرتے ہیں یہ کبھی توجیہ سے نہیں چوکتے۔ گویا ان کے اندر کوئی عیب ہی نہیں پایا جاسکتا بالکل بے عیب ہیں۔ (دستور سہارنپور ج ۱۱)

خودی وکبر کا ازالہ

حضرت بایزیدؒ نے ایک مرتبہ حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، موقع اچھا تھا انہوں نے موقع کا سوال بھی کیا، عرض کیا "یا رب دلنی علی اقرب الطریق الیک" یعنی مجھ کو ایسا راستہ بتلا دیجئے جو آپ کی طرف پہنچنے کے لیے سب سے زیادہ نزدیک ہو، وہاں سے ارشاد ہوا "یا بایزید دع نفسک وتعال" اے بایزید بس اپنے نفس کو چھوڑ دو اور چلے آؤ، مطلب وہی ہے کہ خودی اور کبر کو زائل کردو پھر کوئی حجاب نہیں۔ واقعی بہت ہی مختصر اور قریب راستہ بیان فرمایا اور حق تعالیٰ سے زیادہ اس بات کو کون بتلاسکتا ہے تو یہ کبر وہ بلا ہے جس کی وجہ سے سارا ذکر وشغل بے کار ہوجاتا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کے مرید کو ذکر وشغل سے نفع نہ ہوتا تھا، شیخ نے بہت سی تدابیر کیں مگر سب بیکار ثابت ہوئیں۔ آخر ایک دن انہوں نے اس کو بلا کر پوچھا کہ بھائی تم جو ذکر وشغل کرتے

ہواس میں تمہاری نیت کیا ہے۔ کہنے لگا میری نیت یہ ہے کہ حق تعالیٰ میری اصلاح کردیں تو میں دوسروں کی اصلاح کروں' مخلوق کو نفع پہنچاؤں' فرمایا کہ اب چور معلوم ہوا' تم پہلے ہی بڑے بننے کی فکر میں ہو اس لیے نفع نہیں ہوتا' اس خیال کو دل سے نکالو اور مخلوق کے نفع کو چولہے میں ڈالو۔ محض رضاء حق کی نیت رکھو اور تمام خیالات دل سے دور کرو۔ چنانچہ وہ شخص طالب تھا' نیت درست کر لی۔ اگلے ہی دن سے نفع شروع ہو گیا' خوب سمجھ لو۔ یہ حب ریاست بھی بڑا اسد راہ ہے' لوگ ذکر شروع کر کے اگلے ہی دن سے پیر بننے کے خواب دیکھنے لگتے ہیں ایسی مثال ہے جیسے لڑکا بلوغ سے پہلے ہی باپ بننا چاہے تو بجز اس کے کہ اپنی صحت کو خراب کر لے گا اور کچھ نفع نہ ہو گا۔ (ترک مالا یعنی ج ۱۱)

اتباع شیخ

بعض اوقات مشائخ طریق مریدین کو ایسے امور کا حکم دیتے ہیں جو بظاہر لایعنی معلوم ہوتے ہیں جس سے ظاہر بین کو شبہ ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کے خلاف کر رہے ہیں تو اس کی حقیقت سمجھنے کی ضرورت ہے پھر اس کے ساتھ جبکہ یہ بھی تاکید کی جاتی ہے کہ شیخ کی اطاعت کامل طور پر بجالائیں تو یہ اشکال اور قوی ہو جاتا ہے۔ سو اول سمجھنا چاہیے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ خلاف شریعت بھی اگر وہ امر کرے تو اطاعات کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب وہ خلاف شرع نہ کرے بلکہ شریعت کے موافق حکم کرے اس میں اس کی اطاعت بجالاویں لیکن بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ شیخ شریعت کے موافق امر کرتا ہے مگر مرید اس کو کم فہمی سے خلاف شرع سمجھ جاتا ہے اس لیے اس کا معیار یہ ہے کہ بیعت ہونے سے پہلے ہی اس کی حالت کا تجربہ کر لیا جائے جب تجربہ سے اس کا متقی اور کامل دیندار ہونا ثابت ہو جائے اور جتنی شرائط شیخ کامل کی ہیں وہ سب اس کے اندر معلوم ہو جائیں اس کے بعد بیعت ہوں پھر اس کے حکام میں پس و پیش نہ کریں کیونکہ شیخ کامل ہرگز شریعت کے خلاف امر نہیں کر سکتا اور خلاف شرع امر کے وہ شیخ کامل نہ ہو گا البتہ اگر اس کا موافق شرع ہونا سمجھ میں نہ آوے تو ادب کے ساتھ شیخ سے تحقیق کر لینا ضروری ہے اگر وہ نہ سمجھا سکا تو ادب کے ساتھ عذر کر دے مگر گستاخی و سرتابی نہ کرے لیکن اگر بکثرت ایسا ہونے لگے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ کامل نہیں ہے لطف کے ساتھ اس کو چھوڑ دینا چاہیے اس تمہید کے بعد اب سمجھئے کہ بعض دفعہ

شیخ کامل بعض مریدوں کو کسی اطاعت غیر واجبہ سے روک دیتا ہے مثلاً حکم دے دیا کہ تمام نوافل اور ذکر واذکار یک لخت موقوف کر دو حالانکہ ان کا ترک لایعنی ہے اور بعض دفعہ بعض مباحات میں مشغول ہونے کا حکم دیتا ہے کہ خوب کھاؤ پیؤ ہنسو بولو جنگل کی سیر کرو تفریح طبائع کے لیے سفر کرو حالانکہ بظاہر یہ امور لایعنی ہوتے ہیں تو اس سے کم فہموں کو غلطی پیش آ سکتی ہے کہ یہ عجیب شیخ ہے جو لایعنی امور کا حکم دیتا ہے اور مایعنی سے یعنی مفید کاموں سے منع کرتا ہے سو خوب سمجھ لو اس میں شیخ کی غلطی نہیں بلکہ تمہارے فہم کا قصور ہے اس کا راز یہ ہے کہ وہ اطاعت جو فی نفسہ مایعنی ہے اس مریض کے حق میں مایعنی نہیں ہے بلکہ کسی عارض کی وجہ سے مضر ہو رہی ہے اس لیے وہ اس کو ان خاص طاعات سے منع کر رہا ہے۔ مثلاً شیخ دیکھتا ہے کہ اس مریض کو زیادہ نوافل اور ذکر و شغل کرنے سے عجب پیدا ہو گیا ہے یہ اپنے کو صاحب کمال سمجھنے لگا ہے اس لیے وہ اس کو اذکار و اشغال سے منع کر دیتا ہے جیسے طبیب مریض کو کسی حلوے سے روک دیتا ہے حالانکہ اس میں میوہ جات پڑے ہوئے ہوتے ہیں مفرحات بھی اس میں موجود ہیں لیکن مریض کا معدہ کمزور ہے وہ اس کو ہضم نہیں کر سکتا، پس طبیب اس کو حلوے سے روک دیتا ہے اور کڑوی دوا پلاتا ہے کہ اس کے لیے کڑوی دوا ہی مفید ہے اسی طرح طاعات واذکار اگرچہ شیریں ہیں مگر بعض دفعہ ذاکر کا مزاج اس متحمل نہیں ہوتا بلکہ امراض کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے اس کو اذکار سے منع کر کے بعض مباحات میں مشغول کیا جاتا ہے اس وقت طالب کو شیخ کا اتباع کرنا چاہیے اور ہمہ تن اپنے کو اس کے سپرد کر دینا چاہیے کہ وہ اس میں جو چاہے تصرف کرے اس کو مولانا فرماتے ہیں:

قال را بگذار مرد حال شو ... پیش مرد کاملے پامال شو

(قال کو چھوڑ و حال پیدا کرو، حال پیدا کرنے کے لیے فرد کامل کے قدموں میں پڑ جاؤ)

چون گزیدی پیر ہیں تسلیم شو ... ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

صبر کن در کار خضر اے بے نفاق ... تانگوید خضر رو ہذا فراق

گر خضر در بحر کشتی را شکست ... صد درستی در شکست خضر ہست

آں پسر را کش خضر ببرید حلق ... سر آں را در نیابد عام خلق

(جب تم پیر بنا لو تو یاد رکھو کہ ہمہ تن تسلیم بن جانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح زیر حکم حضرت خضر علیہ السلام چلنا یعنی مرشد کے افعال پر صبر و سکوت کرنا تاکہ خضر علیہ السلام یوں

نہ کہہ دیں کہ جاؤ ہماری تمہاری جدائی ہے‘ اگر حضرت خضر علیہ السلام نے دریا میں کشتی کو توڑا تھا مگر واقع میں خضر علیہ السلام کے توڑنے میں سود درستی یعنی حفاظت تھی‘ حضرت خضر علیہ السلام نے اس لڑکے کو قتل کر ڈالا تھا اس کا راز عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتا) (ترک مالایعنی ج۱۱)

طریق تسلیم وتفویض

طریقت میں تسلیم وتفویض بہت ضروری ہے بدون اس کے کام نہیں چل سکتا بشرطیکہ شیخ کوئی گناہ نہ کروائے‘ ہاں مباحات ومستحبات اس کی قلمرو ہیں ان میں وہ جس طرح چاہے تصرف کرے اسے اختیار ہے اگر وہ کسی مستحب کام سے روک دے تو اس میں اس کی اطاعت لازم ہے کیونکہ وہ تم کو ایک مستحب سے روک کر اس سے افضل اور ضروری کام میں لگائے گا۔ اس راستہ میں نفس وشیطان کے مکائد بہت دقیق ہوتے ہیں‘ بعض دفعہ شیطان ایک مستحب کام کی رغبت دلاتا ہے مگر اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس میں مشغول ہوکر دوسرے اہم اور ضروری کام سے یہ رہ جائے گناہ کی رغبت تو سالک کو وہ اس لیے نہیں دلاتا کہ جانتا ہے کہ گناہ کا وسوسہ ڈالنے سے یہ فوراً سمجھ جائے گا کہ وسوسہ شیطانی ہے اور مستحب کام کی رغبت کو شیطانی وسوسہ ہر شخص نہیں سمجھ سکتا بلکہ ناواقف تو اس کو الہام رحمانی سمجھنے لگتا ہے مگر شیخ کامل سمجھ لیتا ہے کہ بعض دفعہ شیطان بھی مستحب کام کی رغبت دلایا کرتا ہے نہ اس لیے کہ وہ مستحبات سے خوش ہے یا سالک کا مستحبات میں مشغول ہونا اس کو پسند ہے بلکہ محض اس لیے کہ ایک ادنیٰ مستحب ہے اس کو مشغول کر کے اعلیٰ اور اہم کام سے روک دے چنانچہ ایک بار ایک طالب کے قلب پر تقاضا ہوا کہ فلاں جگہ چلو وہاں قتال ہو رہا ہے وہاں چل کر خدا کے راستہ میں جان دینا چاہیے وہ بے چارہ اس وقت تک خلوت نشین تھا‘ ذکر وشغل و مجاہدات میں مشغول تھا کہ دفعۃً ایک دن جہاد کا داعیہ قلب میں پیدا ہوا اب اس خطرہ کو شیطانی وسوسہ کوئی کہہ سکتا تھا‘ ظاہر میں تو بہت اچھا خیال تھا مگر وہ شخص چونکہ سچا طالب تھا اس لیے حق تعالیٰ نے دستگیری کی کہ اس نے اس خطرہ پر عمل نہیں کیا بلکہ حق تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھ کو اس خطرہ کی حقیقت سے مطلع کر دیا جائے۔ آخر الحاح وزاری کے بعد حقیقت منکشف ہوئی کہ یہ خطرہ نفسانی ہے تمہارا نفس مجاہدات سے پریشان ہو گیا۔ ہے اس لیے وہ تم کو جہاد کی

رغبت دلاتا ہے کہ اس میں ایک دم سے خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ روز کی مصیبت تو نہ رہے گی تو آپ نے نفس کی چال دیکھی وہ ان کو فرض سے فرض کفایہ میں مشغول کرنا چاہتا تھا کیونکہ جہاد کرنے والے اور بہت مسلمان موجود تھے ان کے ذمے فرض عین نہ تھا اور اصلاح نفس فرض عین ہے اور اس کی منشاء راحت طلبی تھی وہ چاہتا تھا کہ بس جہاد میں جا کر ایک دم سے فیصلہ ہو جائے یہ روز روز کی مشقت اور چکی پیسنا ختم ہو جائے۔ پس نفس و شیطان کے ان مکائد کو شیخ پہچان لیتا ہے اس لیے بعض دفعہ وہ مستحبات سے روک دیتا ہے جس سے اہل ظاہر متوحش ہوتے ہیں کیونکہ وہ حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ میرے ایک دوست نے ذکر و شغل بہت زیادہ کیا' دفعۃً ان کو شدید قبض طاری ہوا انہوں نے مجھے اطلاع کی میں نے کہا کہ سب کام چھوڑ دو اور خوب کھاؤ پیو' ہنسو' بولو' سیر و تفریح میں مشغول ہو اور لکھنؤ جا کر سیر کر و یا کسی دوسری جگہ کا سفر کر و اس علاج سے ان کو بہت وحشت ہوئی کہ ذکر و شغل چھڑا کر اچھا کام بتلایا مگر باوجود حقیقت سمجھ میں نہ آنے کے انہوں نے اس پر عمل کیا' تین چار دن میں بسط قوی حاصل ہو گیا اور سارا قبض جاتا رہا' بڑے خوش ہوئے تو یہ بات تھی کہ کثرت مجاہدات سے نفس تھک گیا تھا جیسے بعض دفعہ روز روز مٹھائی کھانے سے جی اکتا جاتا ہے اس لیے تبدیل ذائقہ کی ضرورت تھی جیسے جب غذا ہضم نہ ہو تو کھانے کے ساتھ چٹنی کھا لیا کرتے ہیں چنانچہ جب نفس کو مجاہدات سے چھڑا کر سیر و تفریح میں مشغول کیا گیا ذائقہ بدل گیا تو وہ انقباض بھی جاتا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راز کو خوب سمجھا ہے اسی لیے حدیث میں ہے جب رات کو نماز پڑھتے پڑھتے نیند آنے لگے تو سو جاؤ پھر اٹھ کر کام کرنے لگو۔ ''ولن یمل اللہ حتی تملوا'' ہمارے حضرت استاد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سبق کا تکرار ایسے وقت ختم کرنا چاہیے جبکہ کچھ شوق ختم ہو جائے مثلاً بارہ دفعہ کہنے کا شوق ہو تو دس باری کہہ کر ختم کر دو تا کہ آئندہ کے لیے شوق باقی رہے اس سے اکتا کر ختم نہ کرنا چاہیے۔ اس سے آئندہ کو ہمت ہار جاتی ہے اور اس کی ایک عجیب مثال بیان فرمائی۔ گویا معقول کو محسوس کر دیا فرمایا دیکھو چلتی پھراتے ہوئے کچھ ڈورا اس کے اوپر لپٹا ہوا چھوڑ دیتے ہیں تا کہ اس ڈورے پر آسانی سے پھر لوٹ آوے اور اگر کبھی غلطی سے سارا ڈورا اتر جاتا ہے پھر دقت سے لوٹتی ہے۔ غرض اسی طرح اور بہت نظیریں ہیں جن میں شیخ مستحبات سے روک کر مباحات میں مشغول کرتا ہے

مگر وہ مباحات ہی مالایعنی ہیں اور مستحبات اس شخص کے لیے لایعنی ہوتے ہیں باقی اس کے لیے قواعد ہیں یہ نہیں کہ جب چاہا جو چاہا حکم دے دیا' قواعد ضرور ہیں مگر وہ پاس رہنے والے کو بتلائے جائیں اور وہ ان سے کام لینے لگے۔ (ترک مالایعنی ج ۱۱)

عمل کی مثال

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے جس شخص کو علوم بہت سے حاصل ہوں اور عمل نہ کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سپاہی ہو اس کے پاس بہت سے ہتھیار ہوں اس کو راہ میں دشمن ملے اور مقابل ہوا لیکن وہ ان اسلحہ کا استعمال نہیں کرتا تو کیا دشمن پر غالب ہوگا۔ یہ علوم بمنزلہ ہتھیاروں کے ہیں' شیطان کے دفع کرنے کے لیے ہتھیار بھی کیسے بلا لائسنس کے مگر صرف ہتھیاروں کے لگانے سے خوش نہ ہونا چاہیے اکثر لوگ بزرگوں سے سن کر یا کتابیں دیکھ کر کچھ طریقے وصول الی اللہ یاد کر لیتے ہیں اور ان پر ان کو ناز ہے لیکن جب ان پر عمل ہی نہ کیا تو کیا فائدہ ایسے ہی لوگوں کے لیے ارشاد ہے: "**فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ**" (جو علم ان کو حاصل ہے اس سے بہت خوش ہیں) اگر کوئی خارش والا خارش کے بہت سے نسخے یاد کر لے تو اس سے کیا نفع جب تک کہ ان کو کوٹ پیس کر کام میں نہ لایا جائے۔ پس جب آپ کو یہ طریقہ نماز میں دل لگانے کا معلوم ہو گیا تو آج عصر ہی کے وقت سے اس پر عمل شروع کر دو۔ الحاصل یہ ایک تفریع مفید تھی اس پر کہ "**النفس لاتوجه الی شیئین فی آن واحد**" (نفس ایک آن میں دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا) اور مقصود مقام یہ ہے کہ شغل مع غیر اللہ مانع طریق ہے پس اس رکوع میں ان موانع کی فہرست ہے اور وہ دو کلیوں میں منحصر ہے ایک وہ حالت جو بہت ناگوار ہو' دوسری وہ کیفیت جو زیادہ گوارا ہو اس لیے جو شئے کم گوارا ہو وہ قلب کو مشغول نہیں کرتی۔ مثلاً آپ کچھ کام کر رہے ہیں' عین مشغول حالت میں کسی مچھر نے کاٹ لیا یا عین کام کے وقت آپ نے ایک چنے کا دانہ اٹھا کر کھا لیا۔ تو یہ دونوں حالتیں کام کی مانع نہ ہوں گی۔ مانع وہ حالت ہے جو زیادہ ناگوار ہو یا وہ حالت جو زیادہ گوار ہو جو زیادہ نہ گوار ہو۔ وہ مصیبت کہلاتی ہے اور جو زیادہ گوار ہو وہ نعمت ہے پس قلب کو مشغول کرنے والی دو چیزیں ہوئیں مصیبت اور نعمت لیکن ان کی ذات مانع نہیں ہے بلکہ مانع اس وقت ہے جب کہ قلب ان سے متاثر ہو۔

پس مصیبت اور نعمت کا ہر درجہ مانع نہیں ہے یہاں سے ایک اشکال دفع ہو گیا' تقریر اشکال کی یہ ہے کہ جب نعمت اور مصیبت مانع ہیں تو مصائب تو صلحاء اور اولیاء وانبیاء پر بہت آئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: "اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالا مثل" (بلاؤں میں سب سے زیادہ حضرات انبیاءؑ مبتلا ہوئے اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام پر دنیوی نعمتیں بھی بہت فائض ہوتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے: "وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَالَهُمْ اَزْوَاجاً وَّذُرِّيَّةً" (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہم نے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے ان کو بیبیاں اور اولاد بھی دی) تو اگر مصیبت اور نعمت شاغل ہیں تو انبیاء کے لیے بھی شاغل ہوں گی۔ جواب یہ ہے کہ نعمت اور مصیبت کی ذات شاغل نہیں ہے بلکہ ان سے متاثر ہونا مانع ہے۔ (رفع الموانع ج ۱۱)

معمول اہل تصوف

اہل سلوک کے لیے چند ضروری معمول بیان کیے گئے ہیں قیام لیل یعنی تہجد۔ تلاوت قرآن تبلیغ دین ذکر و تبتل توکل اور چونکہ تعلق خلق کی دو قسم ہیں ایک موافقین کے ساتھ اس کا بیان اشارتاً "اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلاً" (بے شک آپ کو دن میں بہت کام رہتا ہے) میں ہوا ہے جس کا حاصل تبلیغ دین اور ارشاد و تربیت ہے چونکہ موافقین سے تعلق محبت ہے اس کے حقوق بوجہ اس کے کہ وہ حالت طبعی ہے تقاضائے حب کی وجہ سے خود بخود ادا ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اس میں زیادہ اہتمام کی ضرورت نہ ہوئی۔ البتہ مخالف کے معاملہ میں ممکن تھا کہ کچھ افراط تفریط ہو جاتی اس لیے اس کا بیان اہتمام سے فرماتے ہیں: "وَاصْبِرْ عَلٰی مَايَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلاً" (اور یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کیجئے اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ رہیں) مطلب یہ کہ مخالف کی ایذا پر صبر کیجئے اور ان سے علیحدہ رہیے اچھے طور پر' کہیں ایسا نہ ہو کہ سختی سے ان کی آتش عناد اور بھڑک اٹھے اور زیادہ تکلیف پہنچائیں ہجر جمیل سے مراد قطع تعلق ہے اس طرح پر کہ قلب میں تنگی نہ ہو پھر جب صبر کی تعلیم دی گئی تو اس تسہیل کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی اپنے انتقام لینے کی خبر سنا کر آپ کو تسلی بھی فرمائی جاتی ہے: "وَذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِيْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلاً" (ان جھٹلانے والوں' نازو نعمت میں رہنے والوں کو موجودہ

حالت میں چھوڑ دو اور ان لوگوں کو تھوڑے دنوں اور مہلت دو) یعنی مخالفین کے معاملہ کو ہم پر چھوڑ دیجئے ہم ان سے پورا بدلہ لے لیں گے یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ اہل حق کے مخالفین سے پورا انتقام لیتے ہیں اس لیے بھی مناسب یہی ہے صبر اختیار کیا جائے کیونکہ جب اپنے سے بالا دست بدلہ لینے والا موجود ہے تو کیوں فکر کیجئے خدا تعالیٰ کی اس سنت کے موافق مخالف کو آخرت اور دنیا دونوں میں رسوائی ہو جاتی ہے۔

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات   با درد کشاں ہر کہ درافتاد بر افتاد

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد   تا دلے صاحبدلے نامد بدرد

(اس دیر مکافات میں بہت تجربہ ہم نے کیا ہے کہ جو شخص اہل اللہ سے الجھا ہلاک ہو گیا' خدا تعالیٰ نے کسی قوم کو رسوا نہیں کیا جب تک اس نے کسی صاحب دل کو رنجیدہ نہیں کیا)

الغرض اہل تصوف کی معمول بہ چند چیزیں ہوئیں جن کا بیان اس مقام پر ہوا قیام لیل یعنی تہجد۔ تلاوت قرآن تبلیغ دین ذکر و تبتل توکل' صبر اس لیے اس مجموعہ بیان کو جو کہ اہل تصوف کے معمولات کو بفضلہٖ حاوی اور شامل ہے سیرۃ الصوفی کے لقب سے بلقب کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور ''یایھا المزمل'' (اے چادر لپیٹنے والے) میں دو لطیفے معلوم ہوئے ایک یہ کہ جس طرح آپ بوجہ غایت حزن والم اپنے اوپر چادر اوڑھے ہوئے تھے اسی بعض اہل طریق کا معمول ہوتا ہے کہ چادر ایسے طور پر لپیٹ لیتے ہیں کہ نظر منتشر نہ ہو اور اس کا قلب منتشر نہ ہو اور جمعیت کے ساتھ ذکر میں لگا رہے دوسرا لطیفہ یہ کہ المزمل کے معنی عام میں کمبل اوڑھنا بھی ہوتا ہے تو ''یایھا المزمل'' (اے چادر لپیٹنے والے) میں اشارہ ہوگا لقب ''یایھا الصوفی'' کی طرف کیوں کہ لفظ صوفی میں گو اختلاف ہے مگر ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مراد موٹا کپڑا کمبل وغیرہ مراد لیا جائے پس صوفی اور مزمل متقارب المعنی ہوئے اور اہل تصوف نے یہ لباس اس لیے اختیار کیا تھا کہ جلدی پھٹے نہیں جلدی میلا نہ ہو اور بار بار دھونا نہ پڑے اور بعض اہل شفقت اس خاص وجہ سے بھی یہ شعار رکھتے تھے مستور ہونے کی حالت میں بعض لوگ ان کو ایذا پہنچا کر مبتلائے ہمال ہو جاتے تھے اس لیے انہوں نے ایک علامت مقرر کی جیسے آیت ''ذَالِکَ اَدْنیٰ اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلاَ یُؤْذَیْنَ'' اس کی نظیر ہے بس یہ حکمتیں تھیں اس لباس میں اور اب تو محض ریاء و سمعہ کی غرض سے پہنتے ہیں جو بالکل اس شعر کا مصداق ہے۔

نقش صوفی نہ ہمہ صافی بیغش باشد   اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

(صوفی کی موجودہ حالت اگر بالکل درست اور بےغش نہ ہو وہ صوفی نہیں اگرچہ خرقہ پہن لے' ایسے شخص بہت سے خرقہ آگ میں جلانے کے قابل ہیں)(سیرت صوفی ج ۱۱)

بزرگی کے معنی

اگر کوئی کہے ہمیں تمام رات جاگنے کی ہمت تو ہے نہیں۔ یہ تو مشکل کام ہے۔ سو اس کا شرط لازم ہونا ہی غلط بات ہے۔ رات بھر جاگنے کو کون کہتا ہے۔ خربوزے اور تربوز چھوڑنے کو کس نے کہا' اناج غلہ چھوڑ دینے کو بزرگی کس نے کہا' اس کو بزرگی نہیں کہتے۔ بزرگی کے معنی ہیں خدا کے اوامر کا امتثال کرنا' اور منہیات کو چھوڑنا۔ کھانا پینا چھوڑنے کو کون کہتا ہے خوب کھاؤ پیو۔ بایزید کو نوافل پڑھنے کی ہمت تھی' ان کے قویٰ قوی تھے وہ زیادہ مجاہدے کر سکتے تھے اسلئے کئے۔ اور ہم کو صرف فرائض واجبات وسنن ادا کرنے کی ہمت ہے کیونکہ ہمارے قویٰ کمزور ہیں۔ تو ہمارے لئے یہی کافی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ صاحب ہم کو تو سب فرائض کی بھی قدرت نہیں چار وقت کی تو قدرت ہے۔ فجر۔ ظہر۔ عصر۔ مغرب' باقی عشاء کی طاقت نہیں ہے نیند سے مغلوب ہو جاتے ہیں تو وہ غلط کہتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماوے کہ تم کو قدرت ہے اور تم خدا کی بات کو غلط کرنا چاہتے ہو۔ رہا یہ کہ حق تعالیٰ نے کہاں فرمایا ہے۔ سنئے ارشاد فرماتے ہیں۔ **لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا** کہ اللہ تعالیٰ نے وسعت وطاقت سے زیادہ کسی کو کسی حکم کا مکلف نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ جملہ اوامر شرعیہ داخل قدرت بشریہ ہیں اور انہی میں سے عشاء کی نماز بھی ہے۔ تو قرآن سے معلوم ہوا کہ یہ سب داخل قدرت ہے اور یہ شخص کہتا ہے کہ مجھے قدرت نہیں جھوٹا ہے۔ یا کسی نے کہا تھا کہ صبح کو تو آنکھ نہیں کھلتی اور آنکھ کھلنا اختیار میں نہیں' اول تو ہم اس عذر کو مانتے نہیں کیونکہ تجربہ ہے اگر اس شخص کو جو کہ یہ کہتا ہے کہ صبح کو آنکھ نہیں کھلتی۔ ریل پر جانا ہو تو کیسا جلدی سے چار بجے اٹھ کر اسٹیشن پر پہنچتا ہے۔ اگر سویرے اٹھنا اختیار اور قدرت میں نہیں تو آج کیسے اٹھ بیٹھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بات دل کو لگی ہوئی تھی۔ اس لئے آنکھ کھل گئی۔ اور نماز دل کو لگی ہوئی نہیں اس لئے آنکھ نہیں کھلتی۔ ورنہ ممکن نہیں کہ صبح ہو اور آنکھ نہ کھلے۔ مگر خیر ہم نے آپ کے اس عذر کو بھی مانا۔ مگر کیا یہ بھی قدرت سے خارج ہے کہ سورج نکلنے کے بعد ہی فوراً پڑھ لو قضا ہی سہی۔ تو پھر صبح کی نماز وسعت سے کہاں خارج ہوئی۔

بہر حال اپنی وسعت کے موافق کرتے رہو جو تم سے بن پڑے کئے جاؤ۔ یہ کون کہتا ہے کہ وسعت سے زائد کرو۔ بلکہ شیوخ محققین کی اس بارہ میں وصیت ہے کہ طالب کو اس کی ہمت سے زیادہ بتلانا ہی نہ چاہیے۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

خستگان راچو طلب باشد و ہمت نبود

گرتو بیدادکنی شرط مروت نبود

کمزوروں کو جب طلب ہو اور قوت نہ ہو تو انکی قوت سے زیادہ کام لینا ظلم ہے جو شرط مرّوت کے خلاف ہے۔ اور مولاناؒ فرماتے ہیں۔

چار پارا قدر طاقت بار نہ　　　　برضعیفاں قدر ہمت کار نہ

چوپایوں پر انکی طاقت کے موافق بوجھ رکھ۔ کمزوروں سے طاقت کے موافق کام لو۔

طفل راگر نان دہی برجائے شیر　　　　طفل مسکین راازاں نان مردہ گیر

شیر خوار بچہ کو اگر دودھ کی جگہ روٹی دینے لگے تو وہ غریب اس روٹی سے مر ہی جائے گا۔ اور فرماتے ہیں۔ غرض اس طریق میں ہر شخص کو اس کی طاقت کے موافق کام دیا جاتا ہے۔ تو اب اگر یہ طریق اختیار کرو گے تو بایزید سے بھی افضل ہو سکتے ہو۔ باوجود کم محنت کرنے کے۔ (النعمۃ الاسلام الاتمام ج ۱۲)

رہبر کی ضرورت

اگر کوئی اندھا دہلی جانا چاہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وہ لوگوں سے راستہ پوچھتا پھرے اور کوئی اس کو دہلی کا راستہ بتادے کہ فلاں راستہ پر جانا پھر فلاں مقام آوے گا اس سے داہنی طرف کو جانا مگر کوئی سوانکھا اس کے ساتھ نہیں ہے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ کہیں گڑھے میں گر کر مر جائے گا اور اگر جس سے راستہ پوچھا ہے وہ شفیق ہے تو وہ یہ کرے گا کہ کوئی سوانکھا جارہا ہے اس کے ساتھ اندھے کو کردے گا اب وہ بے کھٹکے پہنچ جائے گا تو دیکھئے اندھے کو خود تو پہنچنا بہت مشکل تھا مگر چونکہ سوانکھا ساتھ ہے اس لئے اب وصول آسان ہو گیا اسی طرح اصلاح اصلاح باطنی کی حالت ہے بطور خود اصلاح بہت مشکل ہے مگر کسی واصل کا ہاتھ پکڑ لیا جاوے تو اب آسان ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

قال رابگذار مرد حال شو　　　　پیش مرد کا ملے پامال شو

قال کو چھوڑ و حال پیدا کرو اس کے لئے کسی شیخ کامل کے سامنے پامال ہو جاؤ۔

اورفرماتے ہیں

یار باید راہ راتنہا مرو ہر کہ تنہا نادرایں راہ را برید
بے قلاوز اندریں صحرا مرو ہم بعون ہمت مردان رسید

راہ سلوک میں مددگار ہونا چاہیے اس میں تنہا قدم مت رکھو بلا (مرشد) کے اس عشق کی وادی میں مت چلو۔ اتفاقاً اس سلوک کو جس شخص نے اکیلے خود طے کیا ہے وہ مردان خدا (اللہ والوں) کی توجہ سے طے کیا ہے۔

اورشیخ فریدفرماتے ہیں۔

بے رفیقے ہر کہ شد درراہ عشق گرہوائے ایں سفر داری دلا
عمر بگذشت ونشد آ گاہ عشق دررا رادت باش صادق اے فرید
دامن رہبر بگیرد پس در آ تابیابی گنج عرفاں را کلید

بغیر مرشد عمر کے جس نے طریق عشق میں قدم رکھا اس نے عمر ضائع کی اور عشق سے آ گاہ نہ ہوا۔ اے دل اگر محبت کے سفر کو طے کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو کسی رہبر کامل کا دامن مضبوط پکڑے چلا آ۔ اے فرید حسن عقیدت اور ارادت کا دامن کبھی نہ چھوڑنا تا کہ تجھ کو گنج معرفت کی کنجی حاصل ہو جائے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

طالب اور درویش

مولنا یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے ہر طالب علم کہ چون وچرا کند وہر درویشے کہ چون وچرا کند ہر دورا بہ چراگاہ باید فرستاد یعنی طالب علموں کو احکام کے علل ونکات پوچھنے کی اجازت ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس پر بناء احکام رکھے یہ تو مصلحت اور حکمت ہے اس پر احکام کا مدار ہرگز نہیں ہاں فن دانی کی حیثیت سے اگر پوچھ لے تو مضائقہ نہیں کیونکہ طالب علم سمجھ سکتا ہے کہ کونسا موقع سوال کرنے کا ہے اور کونسا نہیں۔ وہ یہ تمیز کرسکتا ہے۔ چنانچہ طالب علم یہ سوال کبھی نہ کریگا کہ نماز پانچ وقت کی کیوں ہے ہاں یہ پوچھے گا کہ قعدہ اخیرہ فرض کیوں ہے؟ کیونکہ یہ بحث علمی ہے اجتہادی مسئلہ ہے۔ عوام کو اس کی بھی اجازت نہیں۔ عوام کیلئے تو بس یہ ہی ہے کہ جب معلوم ہوگیا کہ حکم شریعت کا ہے بلا چون وچرا عمل کریں۔ یہی مطلب ہے اس فقرہ کا کہ ہر درویشے کہ چون وچرا کند۔ درویش سے مراد فقط

سالک ہی نہیں ہے بلکہ درویش سے مراد طالب عمل ہے۔ پھر وہ طالب عمل خواہ عامی ہو یا سالک۔ یہاں درویش سے سالک ہی مراد لینا غلط ہے کیونکہ اس جگہ درویش طالب علم کے مقابلہ میں ہے۔ اگر طالب عمل مراد نہ لیا جاوے تو کلام حاصر نہ ہوگا بلکہ ایک قسم جو کہ نہ طالب علم ہے نہ سالک بلکہ عامی ہے خارج ہو جائے گی پس ثابت ہو گیا کہ درویش سے طالب عمل مراد ہے خواہ عامی ہو خواہ عالم ہو اور دوسرا جواب یہ ہے کہ درویش سے مراد سالک ہی ہو مگر ہر مسلمان درویش ہے اور سالک بھی۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

عشق کا طوق

حضرت علیؓ سے کسی نے شادی کے متعلق دریافت کیا تھا فرمایا سرور شہر ایک ماہ تک تو خوشی ہی خوشی ہے۔ دعوت ہوتی ہے۔ چاروں طرف سے سلام کلام ہوتے ہیں۔ سائل نے کہا ثم ماذا پھر کیا ہوگا فرمایا لزوم مہر یعنی اس کے بعد مہر لازم ہوگا وہ بھی عرب میں ہندوستان میں نہیں ہندوستان میں تو اس کو دین ہی نہیں سمجھتے سائل نے کہا ثم ماذا پھر کیا ہوگا فرمایا غموم دہر کہ پھر ساری عمر کا غم ہے آج آٹا نہیں ہے آج دال نہیں پوچھا ثم ماذا پھر کیا ہوگا فرمایا کسور ظہر یعنی پھر ہڈیاں ٹوٹنے لگیں گی کمر جھک جائیگی غرض ایک مہینہ تک تو بادشاہ تھے اب ابا جان نے گھر سے الگ کر دیا۔ اب بڑی مشکل اس کی خبر نہ تھی نواب صاحب کو اب بی بی کہتی ہے اناج لاؤ لکڑی لاؤ۔ گھی لاؤ اب میاں کہتے ہیں کہ تم نے یہ کیا پخ لگائی ہے۔ میں نے تجھے قبول کیا تھا۔ اناج لکڑی گھی کو تو نہیں قبول کیا تھا؟ بیوی نے کہا نادان مجھے قبول کرنا ان سب کو سر دھرنا ہے۔ لگی دونوں میں لڑائی ہونے۔ تو اب محلّہ کے لوگ جمع ہو گئے اور اس وقت آپ بھی جو آمنا کیلئے عشقنا کو لازم نہیں مانتے تھے وہاں قاضی بن کر پہنچے۔ سو آپ بھی اور سب لوگ یہی کہیں گے کہ تو نے بیوی کو قبول کیا تھا وہ کہتا ہے ہاں مگر اناج لکڑی کو قبول نہ کیا تھا اس پر آپ کہیں گے کہ بھائی یہی تو غضب کی پوڑ یہ ستم کی پوڑ یہ تھی جب تو نے ایجاب قبول کیا تو اناج بھی دینا ہوگا لکڑی اور گھی بھی۔ غرض پورا نان نفقہ دینا ہوگا فرمایئے یہ فیصلہ صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے اور ضرور صحیح ہے؟ تو یہی فیصلہ آپ پر بھی جاری ہوگا کہ جب آپ نے اتنا کہا تو انقیاد واطاعت عشق ومحبت سب کو قبول کیا اب جاتے کہاں ہو؟ تم تو عاشق ہو گئے اور اس کے مذہب میں لم اور کیف نہیں ہوتا ہے اگر عشق سے گھبراتے ہو تو آمنا سوچ کے کہا ہوتا اس وقت خیال کرنا تھا۔ خوب کہا ہے۔ عارف شیرازیؒ نے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ج ۱۲)

من از آں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردہ عصمت بروں آرد زلیخارا

محقق نے تو اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ آمنا کہا اور عشق کا طوق گردن میں ڈال لیا۔

فرائض کی اہمیت

صوفیہ نے تصریح کی ہے کہ بہ نسبت نوافل کے فرائض سے قرب زیادہ ہوتا ہے اس سے ہماری غلطی معلوم ہوگئی کہ آج کل ان لوگوں کی زیادہ قدر ہے جو مستحبات میں مشغول ہوں، گو فرائض میں کوتاہی کرتے ہوں اور تعجب یہ ہے کہ فرض ادا کرنے والا بھی اپنے کو کچھ نہیں سمجھتا، یہ خیال کرتا ہے کہ میں کرتا ہی کیا ہوں صرف فرائض ادا کرتا ہوں اس میں در پردہ فرائض کا استخفاف ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس نعمت پر شکر ادا کرنیکی توفیق کم ہوتی ہے اور جو مستحب میں مشغول ہو گو فرائض ولایتی طریقہ سے ادا کرتا ہو۔ لوگ بھی اس کے معتقد ہیں۔ اور وہ خود بھی اپنا معتقد ہوتا ہے، سمجھتا ہے کہ میں رات کو جاگتا ہوں گو فرائض میں بھاگتا ہی ہو، بھاگنا یہ کہ صرف اٹھک بیٹھک کرتا ہے ارکان کو تعدیل سے ادا نہیں کرتا۔ اسی غلطی کا اثر یہ ہے کہ لوگوں کو نعمت اسلام کی قدر زیادہ نہیں اگر کوئی شخص دولت اسلام سے مشرف ہو اور دیگر فرائض و واجبات میں کوتاہی کرتا ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس کیا ہے کچھ نہیں۔ حالانکہ اس کے پاس ایک بہت بڑی دولت ہے۔ یعنی اسلام، گو دوسرے فرائض میں کوتاہی کرنے سے اس کو گناہ ہو لیکن پھر بھی اس کے پاس ایک ایسی دولت ہے، کہ اگر اس کو صحیح سلامت اپنے ساتھ لے گیا تو انشاء اللہ نجات ہو جائے گی۔ (محاسن اسلام ج ۱۲)

ضرورت صحبت

صاحبو! بدوں صحبت اہل اللہ کے توحید بھی کامل نہیں ہوتی کیونکہ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی سے خوف و طمع نہ ہو۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش   امید وہراسش نباشد زکس
چہ فولاد ہندی نہی برسرش   ہمیں است بنیاد توحید وبس

مؤحد اور عارف کے قدموں میں چاہے سونا ڈال دو یا س کے سر پر تلوار رکھ دو۔ امید اور خوف اس کو بغیر خدا کے کسی سے نہیں ہوتا۔ توحید کی بنیاد بھی اسی پر ہے۔

مگر ہماری یہ حالت ہے کہ ہم اسلام کے درجہ ناقص پر کفایت کرتے ہیں۔ بس پھر تو وہی حالت ہوتی ہے کہ جیسا موقعہ دیکھا ویسا کرلیا۔ اپنی اغراض کے موافق فتویٰ نکال لیا (محاسن اسلام ج ۱۲)

ایمان کی برکات

جس کو حق تعالیٰ سے تعلق ہے اس کو دنیا میں کوئی پریشانی نہیں ہوتی اور آخرت میں وعدہ صادقہ ہے جنت کا اور اگر جنت بھی چند روز گناہوں کے سبب نہ ملے تب بھی آخرت کی تکلیف مومن کے لئے دنیا کی راحت سے افضل ہے کیونکہ اس تکلیف کے انقطاع کی ہر وقت یقینی امیدوار یہاں کی راحت کے زوال کا ہر وقت یقینی خوف۔ اور ان مضامین کا اکثر حصہ حال سے سمجھ میں آ سکتا ہے نرے قال سے نہیں (احسان الاسلام ج ۱۲)

کشف کی حقیقت

یاد رکھو کہ علوم کشفیہ کو تصوف سے کچھ تعلق نہیں مگر چونکہ بعض صوفیہ اہل کشف تھے اور انہوں نے اپنی کشفیات کو تقریراً (تحریراً) ظاہر کیا جس سے ناقص الفہم گمراہ ہونے لگے۔ اس لئے محققین صوفیہ نے ان کی حقیقت ظاہر کر کے اشکالات کو رفع کرنا چاہا۔ اس لئے علوم کشفیہ تصوف سمجھے جانے لگے۔ اگر حضرات اہل کشف اپنے علوم کو ظاہر نہ کرتے تو محققین کو ان سے بحث کرنے کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ وہ اصل مقصود ہی کی تحقیق میں رہتے۔ یعنی علوم معاملہ کی تفصیل میں کیونکہ قرب حق کا مدار معاملہ پر ہے نہ کہ علوم کشفیہ پر خوب سمجھ لو۔ اب یہاں سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ متکلمین پر جو بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے علوم قرآن کو چھوڑ کر خواہ مخواہ تدقیق سے کام لیا۔ یہ ان کی کوتاہ نظری ہے۔ کیونکہ متکلمین نے ضرورت سے مجبور ہو کر ایسا کیا ہے جب کہ لوگ خود تدقیق کرنے لگے اور شبہات میں پڑ گئے تھے۔ اگر لوگ شبہات میں نہ پڑتے تو ان کو ضرورت نہ تھی۔ پس تم بھی شبہات میں نہ پڑو اور سنداجت اصلیہ پر رہو تو واقعی اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں۔ (الدوام علی الاسلام والاعتصام بالانعام ج ۱۲)

درجات وحدۃ الوجود

اس مسئلہ کے دو درجے ہیں ایک علم کا اور ایک حال کا۔ تو یہ مسئلہ درجہ علم میں تو عقلی اور بدیہی ہے کوئی شخص بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا اور اس درجہ میں یہ مسئلہ تصوف کا نہیں اور نہ معرکتہ الآ راء ہے مگر صوفیہ یوں کہتے ہیں کہ اس درجہ میں یہ مسئلہ مقصود نہیں اور نہ کوئی کمال ہے اس درجہ میں تو اس مسئلہ کا علم ایسا ہے جیسے کھانے کا علم پینے کا علم اور سونے جاگنے کا علم کہ یہ سب باتیں ضروری ہیں اور سب کو معلوم ہیں اور ان کا معلوم ہونا کچھ بھی کمال نہیں۔ اور ایک درجہ حال کا ہے صوفیہ کو وہی مقصود ہے وہ کہتے ہیں کہ اے سالک وہ حال حاصل کرے کہ اگر تمام دنیا کو اور تمام کمالات کو حضرت حق کے سامنے دیکھے تو سوائے حضرت حق کے کچھ بھی نظر نہ آوے اور وہ حال ایسا راسخ ہو کہ سوچنے کی ضرورت نہ ہو یہ نہ ہو کہ ایک ایک چیز کو سوچ کر اس کے وجود کی حقارت ذہن میں حاضر کرے بلکہ یہ حالت ہو کہ کسی چیز پر سوائے حضرت حق کے نظر ہی نہ پڑے بس ایک حال طاری ہو جائے پہلا درجہ علم کا تھا یہ درجہ عمل کا ہے وہ درجہ عقلی تھا اور یہ درجہ ذوقی ہے۔ پہلے درجہ میں یہ کچھ کمال نہ تھا اس درجہ میں کمال ہے اور پہلے درجہ میں یہ مسئلہ کچھ مشکل بھی نہ تھا اس درجہ میں بہت مشکل ہے یعنی باعتبار حصول کے اس کے لئے جس قدر مجاہدات چاہئیں ان کے لئے بڑے حوصلہ کی ضرورت ہے یہ کھانے پینے اور سونے جاگنے کی طرح نہیں ہے کہ ہر شخص کو بآسانی اس کا علم حاصل ہے اس کا نام لینے کے لئے منہ چاہیے غرض اس درجیہ میں یہ مسئلہ عقلی نہیں اس واسطے اس کو اہل حق نے تصوف میں داخل کیا ہے۔ (اسلام الحقیقی ج ۱۲)

تکوینی وتشریعی اموران کی علل

بس سمجھ لو کہ جیسے حق تعالیٰ کو تکوینیات میں ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے کوئی کام تکوینیات کے متعلق تم سے پوچھ کر نہیں کرتے اور جو کرتے ہیں وہی ٹھیک ہو جاتا ہے ایسے ہی تشریعیات میں بھی ہر قسم کے تصرف کا حق ہے کسی حکم میں تم سے پوچھنے اور رائے لینے کی ضرورت نہیں جو چاہیں حکم دیں اور جو حکم دیں وہی ٹھیک ہے۔ حضرت کچھ خدا ہی کو سستا پالیا ہے کہ اس کے متعلق سوالات کی ہمت کرتے ہو ذرا غور تو کیجئے کہ آپ کا ایک باورچی ہو اور آپ اسکو حکم دیں کہ پچاس آدمی کا کھانا پکاؤ اور اس وقت پانچ آدمی موجود بھی نہ ہوں تو اس

کو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ آدمی تو پانچ بھی نہیں پچاس کا کھانا کیوں پکوایا جاتا ہے لیکن اس کی یہ مجال نہ ہوگی کہ آپ سے اس حکم کی علت دریافت کرے کہ اس میں کیا مصلحت ہے کھانے والے تو موجود ہیں نہیں پھر پچاس آدمیوں کا کھانا کیوں پکوایا جاتا ہے اگر وہ ایسا کرے گا تو آپ اس کو علت اور حکمت سمجھانے نہیں بیٹھیں گے بلکہ ایک دھول اس کے سر پر لگائیں گے کہ نالائق تیرا کیا منہ ہے وجہ پوچھنے کا ہم کسی کو کھلائیں یا کہیں بھیجیں یا فرض کرلو کہ ہم پھینک ہی دیں گے تو تیرے باوا کا کیا آتا ہے تو جس کام کا نوکر ہے وہ کر جب آپ کو اپنے ایک ہم جنس پر یہ اختیار ہے کہ بلا بیان علت کے آپ اس کو حکم دے سکتے ہیں اور اس پر آپ کی حکومت کا یہ اثر ہے کہ وہ علت نہیں پوچھ سکتا تو خداوند جل جلالہٗ کو کیوں بندوں پر ایسا اختیار نہیں حالانکہ ان کے اختیار میں اور آپ کے اختیار میں بڑا فرق ہے آپ اپنے باورچی کے مالک نہیں خالق نہیں آپ کو جو کچھ اس پر اختیار ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ آپ اس کو کچھ پیسے دے دیتے ہیں اور وہ بھی جب ہے، جب اس نے ان پیسوں کو لینا اپنی خوشی سے منظور ہی کرلیا ہو گویا اپنی زبان کی وجہ سے وہ خود مجبوری میں پڑ گیا ہے ورنہ اس سے پہلے آپ کو یہ بھی حق نہ تھا کہ اس کو نوکری پر مجبور کرتے اور حق تعالیٰ کو تم پر پورا اختیار حاصل ہے کیوں کہ وہ مالک ہیں اور خالق ہیں وہاں آپ کو خوشی کا سودا نہیں کہ اگر چاہیں ان کے پابند رہیں اور چاہیں نہ رہیں جیسے باورچی کو تھا کہ چاہے نوکری کرے اور چاہے نہ کرے اور چاہے کرنے کے بعد چھوڑ دے آپ ان کی پابندی اور طاعت سے کسی وقت باہر نہیں ہو سکتے نہ ابتداء نہ انتہاء کیونکہ ان کی پابندی اور طاعت آپ کی زبان دینے سے آپ کے ذمہ نہیں ہوئی بلکہ یہ جبر ہوئی ہے آپ ان کی مٹھی میں ہیں جس طرح چاہیں آپ کو رکھیں جب آپ کو باورچی کا علت دریافت کرنا اتنے سے اختیار کی بدولت جو آپ کو چار پیسے کی بدولت اس پر حاصل ہے ناگوار ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کو آپ کا ان کے احکام میں لِمَ پوچھنا باوجود ان اختیارات کاملہ کے جو ان کو بوجہ خالق اور مالک ہونے کے حاصل ہیں کیوں ناگوار نہ ہوگا ذرا تو غور کیجئے اور ہوش سے کام لیجئے۔ صاحب مسلمان کا مذہب تو یہ ہونا چاہیے۔

زبان تازہ کردن باقرار تو نہ انگیختن علت از کار تو،

آپ کی ربوبیت کا اقرار کرنا آپ کے کاموں میں علتیں نکالنے کو مانع ہے۔

اور یہ مذہب ہے مومن کا۔

زندہ کنی عطائے تو وربکشی فدائے تو جاں شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

زندہ کریں آپ کی عطا ہے اور اگر قتل کریں آپ پر فدا۔ دل آپ پر فریفتہ ہے جو کچھ کریں میں آپ سے راضی ہوں۔

ہر حال میں منقاد اور فرمانبردار رہے ان کے حکم کے سامنے آنکھ نہ اٹھاوے سر جھکا کر مان لے وجہ اور علت کیا چیز ہوتی ہے اور حکمت کس کو کہتے ہیں ان کا حکم ہی ہر چیز کی علت ہے اور وہی حکمت ہے اصل مذہب یہی ہے۔ (الاسلام الحقیقی ج ۱۲)

اسلام کے بغیر قرب خداوندی نہیں مل سکتی

گنگوہ میں حضرت مولانا قدس سرہ کے پاس ایک ہندو مرید ہونے آیا اور تعجب یہ کہ وہ ایک بہت بڑے بزرگ زمانہ سے مرید تھا۔ ان کا انتقال ہوگیا تھا۔ اس لئے مولانا کے پاس تجدید بیعت کے لئے آیا اور ان مرحوم بزرگ کے ایک معتقد کا خط لایا۔ حضرت مولانا نے صاف فرما دیا۔ کہ بیعت کرنے سے انکار نہیں۔ مگر ہمارے یہاں بیعت کی سب سے اول شرط اسلام ہے۔ مسلمان ہو جاؤ۔ ہم مرید کرلیں گے۔ اس نے یہ شرط قبول نہ کی۔ حضرت نے مرید نہ کیا، بعد میں بعضوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر اس کو اسی حالت میں مرید کرلیا جاتا۔ تو اسلام سے قریب ہو جاتا۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ بلکہ اور بعید ہو جاتا۔ کیونکہ ذکر و شغل میں خاصیت ہے کہ اس سے کیفیات طاری ہوتی ہیں اور کیفیات میں خاص لذت بھی ہوتی ہے۔ جس کو یہ شخص قرب حق کی لذت سمجھتا اور اس کو کافر رہ کر بھی یہ کیفیات حاصل ہو جاتیں۔ تو اس کا یہ خیال پختہ ہو جاتا کہ قرب الٰہی میں اسلام کو کچھ دخل نہیں۔ نہ اسلام کی ضرورت ہے۔ بلکہ کافر رہ کر بھی قرب حق حاصل ہوسکتا ہے۔ تو پھر کسی وقت بھی اس کے اسلام لانے کی امید نہ رہتی اور اب جو کورا جواب دیا گیا ہے۔ کہ بدوں اسلام کے خدا کا راستہ نہیں مل سکتا۔ اب امید تو ہے کہ شاید کسی وقت اسلام کی ضرورت کا خیال اس کے دل پر غالب ہو۔

اور ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کفار کو مرید کرنا اسلام سے ان کو قریب کرنا نہیں ہے۔ بلکہ بعید کرنا ہے۔ (التواصی بالصبر ج ۱۳)

علامت قبول

حاجی صاحبؒ نے اس سے ایک مسئلہ مستنبط فرمایا ہے کہ جس طاعت کے ایک دفعہ کرنے کے بعد دوبارہ اس کی توفیق ہو جائے تو سمجھو کہ پہلی طاعت قبول ہو چکی۔ یہ علامت قبول کی ہے اور گو یہ استنباط قطعی نہیں۔ مگر ظاہر عادۃ اللہ اور وسعت رحمت اسی کو مقتضی ہے۔ پس تغلیب رجا میں یہ بہت نافع ہے۔ جو کہ شرعاً مامور بہ ہے۔

لا یموت احدکم الا وھو یحسن الظن بربه. (تم میں سے کسی کی موت اس حالت میں نہ آئے کہ وہ اپنے رب سے حسن ظن نہ رکھتا ہو)

(سنن أبی داؤد: ۳۱۱۳، حلیۃ الأولیاء ۸: ۱۲۱) (التواصی بالصبر ج ۱۳)

محقق وغیر محقق کا فرق

کہ محقق دھتکارتا بھی ہے۔ تو کچھ دے کر اور غیر محقق عمر بھر پچکارتا ہے۔ مگر محروم کا محروم رکھتا ہے۔ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا ہے اور ان کا واقعہ سنا ہے کہ ان کے پاس ایک بڑھیا آئی اور آ کر فقر وغیرہ کی شکایت کی۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ اس سے کہہ دو خدا فضل کرے۔ مرید نے یوں کہا کہ حضرت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔ بس یہ بزرگ اس خادم کے سر ہو گئے۔ کہ میں نے گا کب کہا تھا۔ تم نے یہ گا اپنی طرف سے کیوں لگایا۔ حضرت غور کیا جائے تو یہ بات ٹوکنے کی ضرورت تھی۔ کیوں کہ اس تغیر سے کلام کے معنی بدل گئے۔ صورت اولیٰ میں دعا تھی کہ اللہ فضل کرے اور اس صورت میں پیشین گوئی ہوگی۔ کہ بے فکر رہو خدا فضل کر دے گا۔ اسی لئے ان بزرگ نے سخت تنبیہ کی۔ کہ تم نے میری بات کو کیوں بدلا۔ مجھے غیب کی کیا خبر۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ ذرا ذرا سی بات پر بگڑنا ظلم ہے۔ تو میں کہتا ہوں۔ کہ یہ ظلم نہیں بلکہ عدل ہے۔ اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے ڈاکٹر و طبیب بیمار کی بد پرہیزی پر روک ٹوک کرتا ہے۔ یقیناً اس کو کوئی ظلم نہیں کہہ سکتا۔ ایسے ہی یہ بھی ظلم نہیں۔ (التواصی بالصبر ج ۱۳)

نفس کا دھوکہ

یہ سمجھنا کہ مجھے کمال حاصل ہو گیا ہے۔ یہ تو صاف اعجاب اور کبر کا شعبہ ہے۔

صاحب تھوڑی سی سنسناہٹ پیدا ہو جانے سے کمال حاصل نہیں ہو جاتا۔ اسے کسی شیخ کی تشخیص پر چھوڑ دو۔ اپنی رائے سے کچھ مت سمجھو۔

صوفی نشود صافی تا درنکشد جامے　　بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

(ضرورت تبلیغ ج ۱۳)

منتہی کی طاعت

اسی طرح مبتدی و منتہی کی طاعت میں بڑا فرق ہے۔ یہ ضروری نہیں۔ کہ جتنے مجاہدے ریاضات مبتدی کرتا تھا۔ اتنے ہی منتہی بھی کرے۔ مگر یہ تو ضرور ہے کہ منتہی بھی کچھ کرے۔ اس کے تھوڑے مجاہدے بھی مبتدی کے بیسوں مجاہدوں سے افضل ہیں اور صورت بھی دونوں مجاہدوں کی جدا جدا ہو جاتی ہے۔ اور مولانا نے جو منتہی کی نسبت فرمایا ہے:

خلوت و چلہ　بر و لازم نماند (خلوت اور چلہ اس پر ضروری نہیں) (ضرورت تبلیغ ج ۱۳)

رہبر کامل چاہیے

ایک شخص صاحب قبض ایک صاحب ارشاد کے پاس گیا۔ انہوں نے پوچھا تم کون ہو۔ کہا میں شیطان ہوں۔ فرمایا اگر شیطان ہو تو **لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ**۔ یہ جواب سن کر اس کو مردودیت کا یقین ہو گیا۔ کہ جب ایک شیخ صاحب ارشاد نے بھی مجھ پر لاحول پڑھ دی۔ تو میرے مردود ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔ تو اس نے اپنے خادم سے کہا۔ کہ اب اس زندگی سے موت بہتر ہے۔ اس لئے اب میں خودکشی کروں گا۔ اگر کچھ رہے تو تم پوری کر دینا۔ چنانچہ اس نے خودکشی کی اور جان نکلنے کے بعد مرید نے الجھی ہوئی کھال کو الگ کر دیا۔ اسی حالت میں وہ گرفتار کیا گیا۔ اس نے کہا تم مجھے کیا گرفتار کرتے ہو۔ میں تو خود زندگی سے بیزار ہوں۔ جب میرا پیر نہ رہا تو میں زندہ رہ کر کیا کروں گا۔ تم شوق سے مجھے پھانسی دے دو۔ اس بیان سے حاکم کو اس کے قاتل ہونے میں شبہ پیدا ہوا۔ تو اس نے واقعہ دریافت کیا۔ اس نے سب واقعہ بتلا دیا۔ یہ خبر ان صاحب ارشاد شیخ کو بھی پہنچی۔ انہوں نے بھی تصدیق کی۔ کہ ہاں وہ قبض میں مبتلا تھا اور میرے پاس آیا تھا۔ کہ کچھ تعجب نہیں۔ کہ اس نے خودکشی کر لی ہو۔

یہ حکایت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنی۔ تو فرمایا۔ کہ ہم تو ان صاحب ارشاد کو شیخ سمجھتے تھے۔ مگر معلوم ہوا۔ کہ وہ کچھ بھی نہیں۔ ان کو چاہیے تھا۔ کہ جب اس نے کہا تھا کہ

میں شیطان ہوں۔تو جواب میں یوں کہتے کہ پھر کیا حرج ہے۔شیطان بھی تو اسی کا ہے۔نسبت اب بھی قطع نہیں ہوئی اس سے تسلی ہو جاتی۔شاید تم یہ کہو۔کہ ان الفاظ سے کیا ہوتا۔تو تم اس کو کیا جانو؟

مجھ پر خود ایک حالت گزاری ہے۔جس میں الفاظ کے اثر کا مجھے پورا مشاہدہ ہوا ہے۔ ایک بار مجھے سخت مرض ہوا اور ایک حکیم صاحب کے پاس قارورہ بھیجا۔انہوں نے قارورہ دیکھ کر یہ کہا۔کہ اس شخص میں تو حرارت عزیزیہ نام کو بھی باقی نہیں۔یہ زندہ کیسے ہے۔قارورہ لے جانے والے نے یہ عقل مندی کی۔کہ حکیم کا مقولہ مجھ سے آ کر بیان کر دیا۔جس کا مجھ پر بہت زیادہ اثر ہوا۔میں نے ان کو دھمکایا۔کہ یہ بات کیا میرے سامنے کہنے کی تھی۔تم نے بڑی حماقت کی۔جاؤ اس کا تدارک کرو۔انہوں نے تدارک پوچھا۔میں نے کہا کہ مکان کے باہر جاؤ اور کچھ دیر میں آ کر مجھ سے یوں کہو۔کہ میں پھر حکیم صاحب کے پاس گیا تھا۔ انہوں نے مکرر دیکھ کر یہ کہا۔کہ پہلے جو بات میں نے کہی تھی وہ غلط تھی۔حالت اچھی ہے۔کچھ خطرے کی بات نہیں۔وہ کہنے لگے کہ جب آپ کو معلوم ہے۔کہ میں آپ کی سکھلائی ہوئی بات کہوں گا۔تو اس کا کیا اثر ہوگا۔میں نے کہا تم خواص اشیاء کو کیا جانو۔جس طرح میں کہتا ہوں تم اسی طرح کرو۔چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔اس وقت میں نے محسوس کیا کہ ان لفظوں کے سننے سے میری پہلی سی حالت نہ رہی۔بلکہ ایک گونہ قوت بدن میں پیدا ہوئی۔یہاں تک کہ رفتہ رفتہ علاج سے قوت بڑھتی گئی اور حق تعالیٰ نے پوری شفا عطا فرما دی۔تو الفاظ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اثر رکھا ہے۔گو ہماری سمجھ میں نہ آئے۔اطباء سے پوچھو۔کہ خفقان میں کہرباء کی تعلیق کیوں مفید ہے؟ وہ اس کی وجہ بجز تجزیہ کے کچھ نہیں بتلا سکتے۔اسی طرح اہل طریق کو کلمات و الفاظ کے اثر کا تجربہ ہو چکا ہے۔مگر ان کے تجربہ کو اہل ظاہر نہیں جانتے۔(اتباع علماء ج ۱۳)

اتباع شیخ

مرید کو شیخ کی رائے سے مخالفت کا حق نہیں۔اگرچہ دوسری شق بھی مباح ہو۔کیونکہ مرید کا تعلق شیخ سے استاد شاگرد جیسا نہیں ہے۔بلکہ اس طریق میں مرید شیخ کا معاملہ ایسا ہے۔جیسے مریض اور طبیب کا معاملہ ہے کہ مریض کو فتویٰ طبیب کی مخالفت جائز نہیں۔ایسے ہی یہاں مرید مریض ہے اور شیخ طبیب ہے۔اس لئے مرید کو شیخ کی مخالفت جائز نہیں۔ہاں

دوسرا شیخ اس شیخ کے اجتہاد سے مزاحمت کرسکتا ہے۔ جیسے ایک طبیب دوسرے طبیب سے مزاحمت کرسکتا ہے۔ مگر مرید تو تربیت میں طبیب نہیں اور جب تک طبیب نہیں۔ اس وقت تک مریض ہے۔ پس اس کے ذمہ اتباع قول طبیب لازم ہے۔ ہاں یہ شرط ہے کہ اس کا قول خلاف شریعت نہ ہو۔ اگر مرید کے نزدیک شیخ کا قول خلاف شرع ہو تو مخالفت جائز بلکہ لازم ہے۔ مگر ادب کے ساتھ (گو واقع میں خلاف شریعت نہ ہو۔ مگر یہ تو اپنے علم کا مکلّف ہے) جیسے حضرت سید صاحب بریلوی کو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تصور شیخ تعلیم فرمایا۔ تو سید صاحب نے اس سے عذر کیا۔ کہ مجھے اس سے معاف فرمایا جائے۔ شاہ صاحب نے فرمایا

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید — کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

(وہ امر مباح جو بظاہر طریقت کے خلاف ہو، اگر تجھ کو مرشد بتلائے تو اس پر عمل کرو کیونکہ جو شخص راہ چلا ہوا اور راہ دیکھا ہوا ہو وہ منازل کے طریق اور آثار سے بے خبر نہیں ہوتا)

سید صاحب نے عرض کیا۔ کہ مے خواری تو ایک گناہ ہے۔ آپ کے حکم سے میں اس کا ارتکاب کرلوں گا۔ پھر توبہ کرلوں گا۔ مگر تصور شیخ تو میرے نزدیک شرک ہے۔ اس کی کسی حال میں اجازت نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ جواب سن کر سید صاحب کو سینہ سے لگالیا کہ شاباش، جزاک اللہ، تم پر مذاق توحید و اتباع سنت غالب ہے۔ اب ہم تم کو دوسرے راستہ سے لے چلیں گے۔ تصور شیخ وغیرہ کی کچھ ضرورت نہیں۔ (اتباع علماء ج ۱۳)

درجات استقامت

استقامت کے چند درجے ہیں۔ ایک اعلیٰ۔ ایک ادنیٰ۔ ایک متوسط۔ اور یہ قاعدہ عقلیہ مسلم ہے۔

لا تشکیک فی الماهیات

حقائق و ماہیات میں تشکیک نہیں ہوتی۔ بلکہ تشکیک محض افراد میں ہوتی ہے۔ پس ہر درجہ میں حقیقت استقامت کا موجود ہونا ضروری ہے اور جب استقامت ہر درجہ میں حاصل ہے تو اس کی فضیلت بھی ہر درجہ میں حاصل ہے۔ جو لوگ استقامت میں غلو کرتے ہیں وہ اس کو اعلیٰ درجہ میں منحصر کرتے ہیں۔ مگر یہ رحمت الٰہی کو تنگ کرنا ہے۔ حالانکہ خدائے تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ کہ ایک اعرابی نے نماز کے بعد دعا کی۔

اللھم ارحمنی ومحمدًا ولا تشرک فی رحمتنا احدا

یعنی اے اللہ! مجھ پر رحم کیجئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ہمارے ساتھ رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا۔

لقد تحجرت واسعًا (جامع المسانید ۲:۱۹۷)

تو نے وسیع شے کو تنگ کر دیا۔ وہ بے چارہ یہ سمجھا ہو گا۔ کہ سب پر رحمت ہوئی۔ تو بٹتے بٹتے کم رہ جاوے گی۔ باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس نے خاطر کی وجہ سے شریک کر لیا ہو گا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تو ایمان ہی نصیب ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو شریک کر لینا چاہیے۔ باقی اور سب کی صاف نفی کر دی۔

مگر ان گاؤں والوں کی بے ادبی معاف ہے۔ کیوں کہ وہ جاہل ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک بدوی نے سورۂ والتین والزیتون سنی تھی۔ اس کو خیال ہوا۔ کہ حق تعالیٰ نے انجیر و زیتون کی قسم کھائی ہے۔ تو یہ ضرور مزے دار ہوں گے۔ کھانا چاہیے۔ چنانچہ اول انجیر خریدا تو مزے دار تھا۔ کہنے لگا۔ صدقت ربنا۔ اے اللہ آپ نے سچ کہا۔ پھر زیتون خریدا اور اسے بھی کھالیا۔ وہ بڑا بکٹا تھا۔ تو کہنے لگا واہ اللہ میاں (نعوذ باللہ) چکھنے سے پہلے ہی قسم کھالی۔ یہ تو خدا تعالیٰ کے ساتھ برتاؤ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ برتاؤ تھا۔ کہ ایک دفعہ بہت سے اعرابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہو گئے۔ کہ ہم کو کچھ مال دلوایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا۔ کہا نہیں ابھی دلوایئے اور یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر زور سے کھینچ لی۔ جس سے گردن مبارک پر نشان ہو گیا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو کچھ نہیں دھمکایا۔ بس ہنس کر یہ فرمایا۔

ردائی ردائی ارے بھائی میری چادر تو دے دو۔ (الاستقامت ج ۱۳)

طلب صادق

ایک شیخ کی حکایت یاد آ گئی کہ ان سے ان کے کسی مرید نے شکایت کی مجھے ترقی نہیں ہوتی، شیخ نے اول تو اس کی تدابیر بتلائیں جب ان تدابیر سے بھی نفع نہ ہوا اور بار بار اس نے شکایت کی تو شیخ کو غصہ آ گیا اور کہا میں کیا کروں تیری قسمت میں ہی نہیں جا کر دیوار میں سر مار لے، مرید طالب صادق تھا اس نے سچ مچ دیوار میں جا کر سر پھوڑ لیا مرید کو تو فوراً بسط ہو گیا اور راستہ کھل گیا، اطاعت شیخ کی وجہ سے مگر شیخ پر معاً عتاب ہوا الہام ہوا او نامعقول

ہمارے طالبوں کا سر پھوڑ واتا ہے تجھ کو شرم نہیں آتی .... یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر شیخ سے طریق تربیت میں غلطی بھی ہو جائے جس پر خواہ اس کو محبوبانہ عتاب بھی ہو جائے لیکن پھر بھی مرید کو اس پر عمل کرنے سے نفع ہی ہوگا کیونکہ نفع دینے والے تو حق تعالیٰ ہیں جب وہ طالب کی طلب صادق کو دیکھتے ہیں اور اس کو اپنے ولی کی اطاعت میں پختہ دیکھتے ہیں تو اس کے حال پر کرم فرما دیتے ہیں، چاہے شیخ سے غلطی ہی ہوئی ہو اس راستہ میں اطاعت و انقیاد بڑی چیز ہے، اطاعت شیخ کے ساتھ کسی کو محروم ہوتے ہوئے نہیں دیکھا اور خود رائی کے ساتھ کسی کو کامیاب ہوتا ہوا نہیں دیکھا مولانا فرماتے ہیں ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(فہم و خاطر تیز کرنا یہ حق پہنچنے کی راہ نہیں ہے فضل خداوندی سوائے شکستہ لوگوں کے اور کسی کو قبول نہیں کرتا'' اور فرماتے ہیں ؎

ہر کجا دردے ست دوا آنجا رود، ہر کجا پستی ست آب آں جا رود

(جس جگہ بیماری ہوتی ہے وہاں دوا کی ضرورت ہوتی ہے جہاں پستی ہوتی ہے وہاں پانی پہنچتا ہے)

اور اگر کسی کو کسی شیخ سے نفع ہی نہ ہوتا ہو تو اُس کو دوسرے شیخ کی طرف رجوع کرنے کی اجازت ہے مگر یہ لازم ہے کہ پہلے شیخ کی شان میں گستاخی نہ کرے کیونکہ مربی اول وہی ہے اور مربی کے ساتھ بے ادبی و گستاخی سخت چیز ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

بے ادب را اندریں رہ بار نیست جائے او بر دار شد در دار نیست

(جمال الجلیل ج ۱۴)

غالب علی الاحوال

بعض اہل مقام ایسے بھی ہیں جو غالب علی الاحوال ہوتے ہیں کہ جس حالت پر چاہیں غلبہ حاصل کر لیں اور جس وقت جو حالت چاہیں اپنے اوپر وارد کر لیں ان کو ابوالوقت کہتے ہیں اور ایسے حضرات جو کبھی ایسا کرتے ہیں کہ اپنی اصلی حالت کے خلاف دوسری حالت اپنے اُوپر وارد کر لیتے ہیں تو اس کا منشا کبھی تو اپنی ضرورت ہوتی ہے، کہ اس وقت اصلی حالت کا غلبہ کسی ضروری کام میں مخل ہے اس لئے وہ دوسری حالت کو اپنے اوپر غالب کر لیتے ہیں اور اس کی نظیر دنیوی معاملات میں بھی موجود ہے مثلاً ایک شخص کا بیٹا مر گیا جس سے طبیعت پر حزن و ملال کا

غلبہ ہے مگر اتفاق سے اُسی دن اس کو مقدمہ کی پیروی کے لئے عدالت میں جانا پڑ گیا تو گو اس کی اصلی حالت رنج و ملال کی ہے۔ جس کا مقتضا یہ ہے کہ جواب دہی نہ کر سکے مگر اس وقت یہ شخص قصداً اپنے اوپر عقل کو غالب کرتا ہے اور رنج و ملال کو مغلوب کر کے جواب دیتا ہے اسی طرح عارف بھی کبھی اپنی کی ضرورت کے وقت حالت اصلیہ کے خلاف دوسری حالت کو غالب کر لیتا ہے اور کبھی مرید کی مصلحت سے ایسا کرتا ہے کہ شیخ پر تو خوف کی تجلی غالب ہے مگر مرید کے لئے تجلی رجاء مفید ہے اس وقت شیخ اس مرید کی مصلحت سے اپنے اوپر تجلی رجاء کو غالب کر لیتا ہے۔ تا کہ اس کی طرف منتقل ہو اور دوسرے مرید کے لئے تجلی شوق مفید ہے اس کی مصلحت سے تجلی شوق کو اپنے اوپر غالب کرتا ہے وعلیٰ ہذا جس شخص کے لئے جس حالت کی تجلی نافع ہے شیخ اس کے سامنے اسی حالت کی تجلی اپنے اوپر وارد کرتا ہے یہ بے چارہ عجب کشمکش میں رہتا ہے جیسے کسی کی دو بیویاں ہوں اور ہر ایک اپنی طرف کھینچے مگر وہاں تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں کو دو گھروں میں رکھ دیا جائے مگر یہاں تو ایک ہی گھر ہے اور اسی میں یہ سب انقلابات ہوتے رہتے ہیں جن پر گزرتی ہے وہ جانتے ہیں کہ قلب کے اندر کتنا بڑا محکمہ ہے کہیں پھول پھلواری ہے کہیں خار ہے کہیں خزاں ہے کہیں بہار ہے اسی کو اہلِ حال ظاہر کرتے ہیں ۔

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو وسمن درآ　　تو زغنچہ کم نہ دمیدۂ دردل کشا بچمن درآ

اے برادر عقل یک دم باخود آر　　دم بدم در تو خزان ست و بہار

(تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھاٹک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کر لو۔ اے بھائی تھوڑی دیر کے لئے ذرا عقل کو درست کر کے دیکھو کہ خود بخود تمہارے اندر دمبدم خزاں و بہار موجود ہے)

اور بعض کی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اندر اندر کیا ہو رہا ہے وہ حیران و پریشان منہ تکتے رہ جاتے ہیں اُن کی حالت اس طرح ظاہر کرتے ہیں ۔

گہ چنیں جاید وگہ ضد ایں　　جز کہ حیرانی نہ باشد کار دیں

(جمال الجلیل ج ۱۴)

عالم برزخ

قبر سے مراد احادیث میں یہ گڑھا نہیں بلکہ مراد قبر سے عالم برزخ ہے اور عالم برزخ اُس گڑھے کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ برزخ اس حالت کا نام ہے جو آخرت اور دنیا کے درمیان کی

حالت ہے اگر قبر میں دفن کر دیا وہی اس کا برزخ ہے اس سے وہاں ہی سوال جواب وعذاب ثواب ہوگا اور اگر بھیڑیئے وشیر نے کھالیا اس کے لئے وہی برزخ ہے اور اگر جلا دیا تو جہاں جہاں اس کے اجزاء ہیں اس سے وہاں ہی یہ سب واقعات پیش آئیں گے چونکہ شریعت میں دفن کرنے کا حکم ہے اس لئے عالم برزخ کو قبر سے تعبیر فرمایا ہے اور دفن کرنے میں بہت سی حکمتیں ہیں............اوّل تو یہ کہ روح کو بعد مرنے کے اس جسدِ خاکی سے ایک تعلق رہتا ہے جیسا کہ مثلاً آپ یہاں موجود ہیں اور آپ کا گھر مثلاً جلال آباد ہے تو آپ کو گھر سے تعلق ہے تو اگر مردہ کو جلا دیا جاوے گا اور قبر میں دفن نہ کیا جاوے گا تو روح کو چین نہ ہوگی اور اس کو اس جسد عنصری کے جلنے کا حزن ہوگا جیسے کسی کے گھر میں آگ لگا دی جاوے اس کو رنج ہوتا ہے یا جیسے مثلاً کسی شخص کا کچھ اسباب ایک جگہ رکھا ہے اور کچھ دوسری جگہ اس کی طبیعت پریشان رہتی ہے اسی طرح اگر اس جسم کے اعضاء منتشر ہوتے ہیں تو روح کو ایک پریشانی ہوتی ہے ایک حکمت یہ ہے کہ دفن کرنے میں ابقائے نفع باطنی ہے یعنی اگر کسی صاحب کمال کی وفات ہو جائے اور ان کو دفن کر دیا جائے تو بعد وفات باطنی نفع ان سے زیادہ ہوگا بہ نسبت اس کے کہ جلا دیا جائے یا اجزاء اس کے کسی وجہ سے منتشر ہو جاویں اور ایک حکمت دفن کرنے میں یہ بھی ہے کہ عنصر غالب خاک ہے تو مقتضاء عقل کا بھی یہی ہے کہ اس کے ہی جنس میں ملا دیا جاوے۔

اسی بناء پر ایک بزرگ کہتے تھے کہ ہندو جو جلاتے ہیں اس کی غالباً ایک وجہ یہ ہے وہ یہ کہ آدمیوں سے پہلے زمین پر جن تھے ان کی شریعت میں عجب نہیں کہ جلانے کا حکم ہو اس لئے کہ ان میں عنصر غالب نار ہے تو جلانے سے نار نار میں مل جائے گی، ہندوؤں نے اس مسئلہ میں ان کی تقلید کی اور یہ نہ سمجھے کہ ان میں تو جزو غالب نار تھا اس لئے جلانے کا حکم ہوا اور ہم میں جزو غالب خاک ہے اس لئے ہم کو دفن کا حکم ہوا حاصل یہ کہ قبر کے متعلق جس قدر شبہات ہیں وہ سب اس پر مبنی ہیں کہ قبر کی حقیقت نہیں سمجھتے اسی استنباط کی وجہ سے چونکہ اس کا بکثرت انکار کیا جاتا ہے۔(حیوٰۃ طیبہ ج ۱۴)

عالم قبر کی دنیاوی مثال

اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی حکمت سے اُس کا ایک نمونہ دنیا میں پیدا فرمایا ہے وہ کیا ہے خواب یعنی سونا......سوتے ہوئے دیکھتا ہے کہ سانپ نے کاٹ لیا ہے دریا میں

ڈوب گیا ہے کسی نے لٹھ مارا ہے اوراس کوالم محسوس ہورہا ہے۔ حالانکہ وہ نرم نرم بستر پر لیٹا ہوا ہے اگر گرمی ہے تو پنکھے چل رہے ہیں، خس کی ٹٹیاں لگ رہی ہیں، یا دیکھتا ہے کہ وہ مسند پر سریر آرائے سلطنت ہورہا ہے اور باندیاں اور غلام صف بہ صف دست بستہ کھڑے ہیں اور طرح طرح کے آرام وراحت کے سامان ہیں حالانکہ وہ زمین پر لیٹا ہوا ہے نہ تکیہ ہے نہ بستر ہے نہ کوئی پرسان حال ہے بیمار ہیں سخت درد میں مبتلا ہیں یہ سونے والے اگران حکایات کو بیان کرتے ہیں تو ان سے کوئی دلیل عقلی کا اِن واقعات پر مطالبہ نہیں کرتا، بلکہ اگر کوئی دلیل عقلی پوچھے بھی تو اس کو احمق بنایا جاتا ہے اوراس کو وہ سونے والا کہے گا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم کبھی سوئے نہیں، اللہ کرے تم سوؤ تو تم کو یہ سب باتیں واضح ہو جائیں گی، پس ہمارا بھی یہی جواب ہے کہ جب مروگے معلوم ہو جائے گا بقول شخصے ؎

پرسید یکے کہ عاشقی چیست ‌‌‌‌ گفتم کہ چو ماشوی بدانی

(کسی نے پوچھا کہ عاشقی کیا چیز ہے میں نے کہا جب مجھ جیسا ہو جائے گا معلوم ہو جائیگا)

غرضیکہ خواب برزخ کا پورا نمونہ ہے کہ جیسے ہم سونے والے کو دیکھتے ہیں کہ وہ آرام سے لیٹا ہے حالانکہ وہ سخت تکلیف کا مشاہدہ کررہا ہے یا یہ کہ وہ تکلیف میں ہے اور خواب میں مزے لوٹ رہا ہے، اسی طرح مردے کا حال ہے کہ اگر قبر کو کھود کر دیکھا جاوے تو جس طرح دفن کرآئے تھے اسی طرح ہے لیکن وہاں کے واقعات اس پر سب گزر رہے ہیں لیکن اس تقریر سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ بس معلوم ہو گیا کہ برزخ کے واقعات خواب جیسے ہیں، جس طرح خواب کی کوئی اصل نہیں اسی طرح فی الواقع یہ بھی کوئی شئے نہیں، مردے کو یہ واقعات محض متخیل ہوتے ہیں اس لئے کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ خواب نمونہ ہے یعنی خواب مشابہ برزخ کے ہے مماثل نہیں کہا۔

عالم برزخ کے واقعات حقیقت رکھتے ہیں، تحقیق اس کی یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ روح اس جسم سے تو مفارق ہو جاتی ہے اس لئے اس جسم کو تو ثواب عذاب تکلیف آرام کچھ نہیں ہوتا ہاں اس جسم سے روح کو تعلق قدیم کی وجہ سے ایک تعلق خاص ہوتا ہے جیسا کہ آدمی کو اپنے گھر سے یا کپڑے سے کہ وہ گھر اور کپڑا اس سے مفارق ہے لیکن اس سے تعلق ہے اوراسی تعلق کی بناء پر اگر مردے کے جسم کو کوئی مارے تو روح کو ایک قسم کی کوفت ہوتی ہے پس اس جسم عنصری کے ساتھ اس سے زیادہ کوئی تعلق نہیں رہتا مگر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عذاب و

ثواب کا مورد جسم ہی ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ برزخی ثواب وعقاب اور تمام برزخی واقعات اور سوال و جواب کے لئے روح کو ایک اور جسم عطا ہوتا ہے کہ اُس کو جسم مثالی کہتے ہیں اور یہ تکلیف وراحت سب اس کے ساتھ پیش آتے ہیں اور جسم مثالی کی حقیقت یہ ہے کہ سوائے اس عالم ظاہر کے ایک اور عالم ہے کہ صوفیہ کو اس کا انکشاف ہوا ہے اور نیز اشارات کتاب و سنت سے بھی اس کا وجود معلوم ہوتا ہے اس عالم میں تمام اشیاء اور تمام اعمال و افعال کی صورتیں ہیں خواب میں جو کچھ آدمی دیکھتا ہے وہ بھی اُسی عالم کی صورتیں دیکھتا ہے۔

مثلاً خواب میں دیکھتا ہے کہ میں کلکتے گیا ہوں اور وہاں کوٹھیاں بنگلے اور بازاروں کی سیر کر رہا ہوں تو یہ سب صورتیں چونکہ عالم مثال میں موجود ہیں، اس لئے وہ خواب میں نظر آتی ہیں، میں نے ایک رسالہ مسمّی الفتوح فی احکام الروح لکھا ہے اس میں روح کے متعلق مفصل بحث لکھی ہے اُس کے دیکھنے سے ان شاءاللہ تعالیٰ سب شُبہات جاتے رہیں گے۔(حیوٰۃ طیبہ ج ۱۴)

کمال دین

دین دار کامل تو وہ ہے کہ ظاہراً بھی دین دار ہو اور باطناً بھی کیونکہ اعمال کی دو قسمیں ہیں، ظاہری، باطنی، ظاہری تو روزہ نماز، حج زکوٰۃ وغیرہا اور باطنی اُنس، رضا، شوق صبر، قناعت وغیرہ ہیں اور ان کے مقابلہ میں بداخلاقیاں، غضب، حسد، تکبر، بے صبری، حرص ہیں، یہی دو چیزیں ہیں کہ جو مشائخ کے یہاں ملتی ہیں، اساتذہ کے یہاں تو ظاہر درست ہوتا ہے اور مشائخ کے یہاں یہ اخلاق دُرست ہوتے ہیں اور اسی کا نام بزرگی ہے آج کل تو درویشی اور بزرگی کشف وکرامت کو جانتے ہیں۔(حیوٰۃ طیبہ ج ۱۴)

حکیمانہ برتاؤ کی تاثیر

شاہ اسحاق صاحب کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا کہ حضرت فلاں شخص کے نام ایک رقعہ لکھ دیجئے اس سے میرا ایک کام ہے آپ کا رقعہ دیکھنے سے وہ کر دے گا وہ شخص حضرت کا سخت مخالف تھا، حضرت نے رقعہ لکھ دیا اس نے جا کر اس شخص کو دیا اس نے رقعہ کی بتی بنا کر دی اور یہ کہا کہ شاہ صاحب سے کہو اس کی بتی بنا کر فلاں جگہ رکھ لو، اس شخص نے اسی طرح آ کر یہ مقولہ شاہ صاحب کی خدمت میں نقل کیا، شاہ صاحب

نے فرمایا کہ بھائی اگر اس فعل سے تیرا کام چلتا تو مجھے اس سے بھی دریغ نہ ہوتا یہ جواب اس کو پہنچا وہ شخص یہ بات سن کر تڑپ گیا اور اس قدر متاثر ہوا کہ شاہ صاحب کی خدمت میں آ کر اس نے معذرت کی اور اس کو ہدایت ہوگئی۔ دس برس کے مجاہدہ میں بھی وہ بات نہ ہوتی جو شاہ صاحب کے ایک کلمہ میں ہوگئی، اب بتلایئے کہ ایسی نفع رسانی آج کس میں ہے آج ترقی کا دم بھرنے والے اس کو پست ہمتی کہتے ہیں۔(حیوٰۃ طیبہ ج ۱۴)

ذکر اللہ سے دقت

میرے پاس ایک صاحب کا خط آیا جو اہلِ علم ہی میں سے ہیں گو مشاہیر و ممتازین سے نہیں وہ لکھتے ہیں کہ......اوراد سے میرا جی بڑا گھبراتا ہے کہ یہ کہاں کا جنم روگ لگا کہ روز صبح کو سورۃ یٰسین پڑھو، ظہر کے بعد ہر روز انا فتحنا پڑھو، بعد عشا کے سورۂ ملک پڑھو اور روزانہ چکی کی طرح کئی ہزار دفعہ ذکرِ اسم ذات کرو۔ ہاں مطالعہ کتب میں بہت جی لگتا ہے مگر انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں اس وسوسہ کو دفعہ کرتا ہوں اور ہمت کر کے سب اوراد پورے کرتا ہوں یہ علم کا اثر تھا کہ وسوسہ کی غلطی پر متنبہ ہوگئے مگر میں کہتا ہوں کہ یہ وسوسہ ہی کیوں آیا کبھی روٹی کھانے کے متعلق وسوسہ نہ آیا کہ یہ روز گیہوں کی روٹی کھانا کہاں کا جنم روگ لگا ،کبھی بیوی کے پاس لیٹنے میں یہ خیال نہ ہوا کہ یہ کہاں کا جنم روگ پیچھے لگ گئی اور اگر کوئی کسی پر عاشق ہو جائے اور معشوق اس کے پاس روزانہ آیا کرے تو کیا اس کو کبھی یہ خیال ہوگا کہ یہ کہاں کا جنم روگ پیچھے لگا، کمبخت روز ہی آتا ہے، ہرگز نہیں بلکہ وہ تو یہ بہانہ ڈھونڈے گا کہ اور تھوڑی دیر بیٹھے عاشق محبوب کے ساتھ مجالست اور محادثت میں کبھی اختصار کا طالب نہیں ہوتا بلکہ اللہ سے یہ چاہتا ہے کہ وصل کی رات کبھی تمام ہی نہ ہو پھر وہ اس کی روزانہ آمد و رفت سے کیونکر گھبرا سکتا ہے۔ (المعرق والرحیق للمحرق والغریق ج ۱۴)

نفس کے مکائد

بعض جہلا کی عادت ہے بزرگوں کے سامنے کچھ ہدیہ پیش کرتے ہیں تو یوں کہا کرتے ہیں کہ ہے تو یہ حقیر ہدیہ اس قابل نہیں کہ پیش کیا جائے آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے نہ آپ کو اس کی پرواہ ہے مگر ہماری خاطر سے قبول کر لیجئے، یہ نہایت سخت کلمہ ہے نعم الٰہیہ

سے کسی کو استغناء نہیں مشائخ کی بزرگی بھی اسی وقت تک ہے جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ دونوں وقت کھانے کو دے رہے ہیں اور جو یہ نہ ہوتو نہ معلوم کیا حالت ہو۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا قصہ بیان فرماتے تھے یہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے بھائی ہیں مگر تقویٰ میں سب سے بڑھے ہوئے تھے، گو شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح زیادہ مشہور نہیں ہوئے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان کے سامنے دھیلہ کی کوڑیاں ہدیہ میں پیش کیں آپ کو اس کی غربت پر رحم آیا اور غریب ہونا تو اسی سے ظاہر تھا کہ بیچارے نے دھیلے کی کوڑیاں پیش کیں تو آپ نے فرمایا کہ بھائی ان کو تم ہی اپنے کام میں لے آؤ، اس نے اصرار کیا کہ حضرت میرا تو جی چاہتا ہے کہ آپ ہی ان کو قبول کرلیں میں نے آپ ہی کی نیت سے جمع کی ہیں مگر آپ نے عذر کردیا اور وہ بے چارہ واپس لے گیا، اس پر مبتلاء عتاب ہوگئے یا تو اس لئے کہ ایک مسلمان کی دل شکنی ہوئی تھی یا اس لئے کہ آپ کے نفس میں کوئی بات مخفی ہوگی ممکن ہے کچھ وسوسہ استغناء کا تحقیر ہدیہ کی بناء پر آگیا ہو کہ میں یہ کوڑیاں لے کر کیا کروں بعض دفعہ نفس میں کچھ دقیقہ مخفی ہوتا ہے اور کسی عمل میں نفس کا کچھ شائبہ ہوتا ہے جس کی مبتلا کو خبر نہیں ہوتی، اسی لئے بعض دفعہ شیخ مرید کی کسی ادنیٰ بات پر تشدد کرتا ہے جس سے مرید کو شبہ ہوجاتا ہے کہ شیخ بڑے متشدد ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر مواخذہ کرتے ہیں مگر حقیقت میں وہ بات مرید کی نظر میں خفیف ہوتی ہے اور شیخ کی نظر میں شدید ہوتی ہے کیونکہ اس میں نفس کا جو کید ہے وہ مرید کی نظر سے خفی ہے اور شیخ کی نظر میں جلی ہے، حدیث میں آیا ہے ''الشرک اخفی فی امتی من دبیب النمل علی الصفا'' کہ شرک میری امت میں چکنے پتھر پر چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ خفی ہے بھلا اوّل تو چیونٹی کی چال ہی کیا ہوتی ہے پھر وہ بھی چکنے پتھر پر اس میں تو کچھ بھی اس کا احساس نہیں ہوسکتا تو جو مرض ایسا خفی ہو دوسرے تو اس کو کالعدم سمجھیں گے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بھی شرک فرمارہے ہیں، تو کیا نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی متشدد تھے کہ اتنی ذرا سی بات کو شرک سے تعبیر فرماتے ہیں ہرگز نہیں پھر حق تعالیٰ کی نظر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ ہے وہ تو اس سے بھی خفی تر کو جانتے ہیں اس لئے بعض دفعہ حق تعالیٰ کسی ایسی بات پر مواخذہ فرماتے ہیں جس کا قابل مواخذہ ہونا مبتلا کو معلوم نہیں ہوتا گو وہ

کتنا ہی بڑا عارف ہو مبتلا کہ بعض دفعہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کام میں نفس کا کچھ شائبہ تھا مگر حق تعالیٰ کو معلوم ہوتا ہے اس لئے مواخذہ فرماتے ہیں۔ (المعرق والرحیق للمحرق والغریق ج ۱۴)

اہل عرفان کی باتیں

حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کا ارشاد ہے کہ مجھے بہت زمانہ کے بعد معلوم ہوا کہ عالم میں اہلِ غفلت بھی ہیں ورنہ ابتداء سے میں یہ سمجھتا تھا کہ سب لوگ ذاکر ہیں، اللہ سے غافل کوئی نہیں، خواجہ صاحب بچپن ہی سے صاحب نسبت تھے مادر زاد ولی تھے ان پر کبھی غفلت گزری ہی نہیں اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ سب ایسے ہی ہوتے ہوں گے بعد میں معلوم ہوا دنیا میں اہلِ غفلت بھی ہیں اس نمونہ کے ایک بزرگ اس زمانہ میں بھی ہوئے ہیں مولانا رفیع الدین صاحب مہتمم مدرسہ دیوبند کے والد صاحب مادرزاد ولی تھے، ایک دفعہ کوئی گوجر ان کی بھینس چرا لے گیا، حضرت نے تلاش کیا تو لوگوں نے اسی پر شبہ ظاہر کیا کہ حضرت فلاں شخص لے گیا ہے آپ نے اس سے فرمایا کہ بھائی ہماری اگر لی ہو تو دے دو اس نے قسم کھالی کہ حضرت میں نے آپ کی بھینس نہیں لی کسی نے جھوٹ موٹ میرا نام لے دیا ہے۔ آپ کو یقین آ گیا اور لوگوں سے کہا کہ اس نے نہیں لی وہ تو قسم کھا کر بَرِی ہو گیا، مگر اللہ تعالیٰ سے کیونکر چھوٹتا، غیب سے اس پر افتاد پڑی اور نقصان پر نقصان اموات پر اموات ہونے لگیں سمجھ گیا کہ یہ حضرت کے سامنے جھوٹی قسم کھانے اور ان کو تکلیف پہنچانے کا وبال ہے آخر جھک مار کر آیا اور اقرار کیا کہ حضرت میں نے آپ کی بھینس چرائی تھی میری خطا معاف کر دیجئے، فرمایا کہ تو نے قسم کھا کر کہا تھا میں نے نہیں لی، کہا میں نے جھوٹی قسم کھالی تھی، یہ سُن کر حضرت گھبرا گئے اور فرمایا اللہ کسوں (یعنی اللہ کی قسم یہ پرانا محاورہ تھا) مجھے تو آج خبر ہوئی کہ مسلمان جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے، پہلے بزرگوں کے محاورات سیدھے سادے ہوتے تھے، اللہ کی قسم کی جگہ اللہ کسوں کہتے تھے تو بعض مادرزاد ولی اور صاحب استغراق

اختلاف طبائع

حقیقت یہی ہے کہ ہر شخص کی طبیعت جدا ہے اور اس کے لئے طریقہ تربیت بھی الگ ہے سب کو ایک لاٹھی نہ ہانکنا چاہئے یہ میں نے اس واسطے کہہ دیا کہ شاید کوئی شخص چشتیہ سے

مرید ہوا اور صاحب حرارت نہ ہو بلکہ صاحب سکون ہو تو وہ یہ سمجھنے لگے کہ میں نہ تو نقشبندی ہو سکتا ہوں کیونکہ چشتیہ سے مرید ہوں اور نہ چشتی ہوں کیونکہ صاحب سکون ہوں تو بس میں کورا ہی ہوں صاحب کورا تو نہیں ہے ہاں کور بے شک ہے کہ اس کے پاس دولت موجود ہے مگر اندھا ہے خواہ مخواہ اپنے کو محروم سمجھتا ہے تو یہ غلطی ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ چشتیہ سے چشتی ہی پیدا ہوں، نقشبندی پیدا نہ ہوں بلکہ یہاں ہر ایک سے دونوں طرح کے رنگ حاصل ہوتے ہیں یہاں اب وولد میں مناسبت ضروری نہیں جیسا کہ ابوت و نبوت ظاہریہ میں بھی مناسبت تامہ ضروری نہیں چنانچہ کالے سے گورے اور گورے سے کالے پیدا ہوتے کبھی باپ احمق ہوتا ہے اور بیٹا ذہین کبھی برعکس مگر بعضے ایسے جامد ہوتے ہیں کہ نقشبندی خاندان میں بیعت ہو کر چشتی بننا گوارا نہیں کرتے بعضے چشتی سلسلہ میں مرید ہو کر نقشبندی بننا گوارا نہیں کرتے، حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نقشبندی کے مرید نے قبض کی شکایت کی حضرت نے اس کو ذکر جہر بتلایا کہنے لگا کہ میں تو نقشبندی ہوں میں ذکر جہر کیوں کروں، فرمایا پھر مت کرو سو یہ محض جہالت ہے۔(المعرق والرحیق للمحرق والغریق ج ۱۴)

طالب کو شیخ کے سامنے نہایت ادب سے رہنا چاہئے اور کسی کو اس کے سامنے بولتا ہوا دیکھ کر اپنے کو اس پر قیاس نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ ایک خاص حالت انشراح پر پہنچ چکا ہے، اس کا بولنا اور بحث کرنا سب ادب میں داخل ہے اور تمہارا بولنا بے ادبی میں داخل ہوگا اور بے ادب کا اس طریق میں کچھ کام نہیں ؎

بے ادب را اندریں رہ بار نیست　　　　جائے او بر دار شد در دار نیست

(بے ادب کے لئے اس راہ میں کچھ حصہ نہیں ہے، اس کا مقام دار پر ہے نہ کہ دربار میں ہے)

یعنی بے ادب کی جگہ دار پر ہے (یعنی سولی پر) اور دار کے اندر (یعنی گھر میں) اس کے لئے جگہ نہیں، صاحبو! بزرگوں نے جو شیوخ کے آداب لکھے ہیں وہ لغو نہیں ہیں اور ان تمام آداب کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ کا جی برا نہ کرو، اس کے قلب کو مکدر نہ کرو ورنہ تم کو فیض بھی گدلا ہی پہنچے گا حضرت حاجی صاحبؒ قدس اللہ فرماتے تھے کہ شیخ میزاب رحمت ہے جس کے واسطے سے تم کو فیض پہنچتا ہے پس میزاب رحمت کو میلا مت کرو ورنہ فیض بھی گدلا ہو کر آئے گا یہ خلاصہ ہے ان آداب کا مشائخ نے اپنی پرستش نہیں کرائی بلکہ تم کو خالص و مصفا

زلال رحمت پلانا چاہتے ہیں اوراس کا یہی طریقہ ہے کہ اس کا دل میلا نہ کرو پس ایک حق شیخ کا یہ بھی ہے کہ طالب اپنی رائے اور تجویز کو دخل نہ دے تم یہ مت سوچو کہ میرے واسطے غلبہ شوق مناسب تھا اور اب تک حاصل نہیں ہوا۔ (المعرق والرحیق للمحروق والغریق ج ۱۴)

شیخ سعدی اور عشق مجازی

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے جو گلستان و بوستان میں عشق مجازی کی کچھ حکایتیں لکھ دی ہیں اس سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدانخواستہ شیخ بھی آج کل کے لوگوں کی طرح عشق باز اور امردوں کو گھورنے والے تھے اور وہ عشق مجازی کو مطلقاً اچھا کہتے تھے، یہ بالکل غلط ہے شیخ نے جہاں کہیں عشق مجازی کی مدح کی ہے یا ایسے عشاق کی حکایتیں لکھی ہیں اس سے مراد وہی عشق ہے جو ازخود بلا اختیار لپٹ جائے چنانچہ باب عشق کے شروع ہی میں فرماتے ہیں:

ع — نہ عشقے کہ بندند برخود بزور

(وہ عشق جو بلا اختیار خود لپٹ گیا نہ کہ ازخود کیا گیا)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ؎

نداند صاحبدلاں دل بہ پوست — وگر ابلہے داد بے مغز اوست

(اہل دل ہرگز کسی غیر اللہ کو دل نہیں دیتے اور بے مغز لوگ ہی عشق مجازی میں مبتلا ہوتے ہیں)

وہ تو ایسے شخص جو ازخود مخلوق کو دل دے ابلہ اور بے مغز فرما رہے ہیں، پھر وہ اس کی مدح یا تعلیم کیونکر کر سکتے ہیں بلکہ فرماتے ہیں ؎

مکن بدبہ فرزند مردم نگاہ — کہ ناگاہ فرزندت آید تباہ

(کسی کے لڑکے کو بری نظر سے مت دیکھو ورنہ تمہارے لڑکے کو لوگ بری نظر سے دیکھیں گے)

کہ دوسروں کے لڑکوں کو بری نگاہ سے نہ دیکھو پھر وہ بھی تمہارے لڑکوں کو اس نگاہ سے دیکھیں گے واقعی جو شخص دوسروں کی اولاد سے بُرا تعلق رکھتا ہے دوسرے بھی اس کی اولاد سے ویسا ہی تعلق کرتے ہیں اگر کوئی یہ چاہے کہ میرا لڑکا لوگوں سے محفوظ رہے تو اس کو چاہئے کہ دوسروں کی اولاد سے بُرا تعلق نہ رکھے۔

بہرحال شیخ امرد پرست نہ تھے جیسا کہ جاہلوں کا خیال ہے انہوں نے تو ایک جگہ ایک امرد پرست کی حکایت بطورِ ذم کے لکھی ہے کہ بقراط کا ایک زاہد پر گزر ہوا جو بے ہوش پڑا تھا

، بقراط نے پوچھا کہ اسے کیا ہوا یہ کیوں پڑا ہے لوگوں نے کہا کہ ایک حسین لڑکے کو دیکھ کر اسے نور خداوندی کا مشاہدہ ہوا تو وجد سے بے ہوش ہو گیا۔ بقراط نے کہا کہ اس کو امرو نہی میں خدا کا نور نظر آیا میرے اندر نہ نظر آیا یہ جھوٹا ہے، محض نفس کی شرارت سے یہ اس پر عاشق ہوا ہے۔ اگر قدرت خدا کے مشاہدہ سے عاشق ہوا ہوتا تو اس کی نظر میں امرد اور داڑھی والا دونوں برابر ہوتے اور گو بقراط کا قول کوئی حجت نہیں۔ مگر فلسفی کے قول کی تائید محقق کوئی کر دے تو اس کو صحیح کہا جائے گا، چنانچہ اس حکایت کو نقل کر کے شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

محقق ہماں بیند اندر ابل کہ در خوبرویاں چین و چگل

(محقق جو صناعی قدرت اونٹ میں دیکھتا ہے وہ دوسرا چین و چگل کے خوبروؤں اور حسینوں میں نہیں دیکھتا) (محقق تو اونٹ میں بھی وہی جمال حق دیکھتا ہے جس طرح اور مخلوق کے حسن کو آئینہ جمال جمال حقیقی سمجھتے ہیں)

بہر حال مشائخ نے جس عشق مجازی کو عشق حقیقی کا زینہ کہا ہے وہ وہ ہے جس کا نہ حدوث اختیاری ہے نہ بقا اختیاری ہے یعنی نہ اس کو اختیار سے پیدا کیا گیا نہ اختیار سے باقی رکھا گیا ہے کہ نہ تو محبوب کے دیکھنے کو جاتا ہے نہ اس کی آواز سننے کا قصد کرتا ہے نہ سامنے آنے جانے پر قصداً نظر کرتا ہے نہ ارادہ سے اس کا خیال لاتا ہے۔ اگر ایسا کرے تو ان شاء اللہ بہت جلد حق تعالیٰ کا عشق اس کے قلب میں جوش زن و موج زن ہوگا اور یہ بھی نہ ہوا تو یہ شخص بڑا مجاہد ہوگا مجاہد بھی واصل ہے اور ایک حدیث اس کے متعلق مشہور ہے گو صحت کا حال معلوم نہیں جس میں اس کو شہید کیا گیا ہے۔ **من عشق فکتم و عف فمات فهو شهيد (اتحاف السادة المتقين ٧: ٤٤٠، كنز العمال: ١٢٠٣ ١ او كشف الخفاء للعجلوني ٢: ٣٦٣.)** (قلت قال فی الدر المنتثرة له طرق من حديث ابن عباس قلت اخرجه الحاكم فی تاريخ نيسا پور والخطيب فی تاريخ بغداد و ابن عساكر فی تاريخ دمشق و اخرجه الخطيب ايضاً من حديث عائشة بلفظ من عشق نعف ثم مات مات شهيد او لوردالديلمی بلا اسناد عن ابی سعيد العشق من غير ريته كفارة للذنوب اهر ص 208-12 جامع) اس میں دو شرطیں بیان کی گئی ہیں ایک عفت جس کے معنے ہیں معاصی سے بچنا اور معاصی کی چند مثالیں میں نے بیان کر دی ہیں جن سے عشق میں بچنا ضروری ہے، دوسری کتمان یعنی عشق کو چھپانا یہ اس واسطے ضروری ہے تا کہ دوسرے کی

(یعنی محبوب کی) بدنامی نہ ہو خصوصاً اگر عورت سے عشق ہو جائے تو وہاں کتمان بہت ضروری ہے کیونکہ اس صورت میں لوگوں کے گمان بہت دُور دُور پہنچتے ہیں کہ شاید دونوں میں ملاقات ہوئی ہوگی پھر اس سے عورت کی بہت بدنامی ہوتی ہے اور کسی کو بلاوجہ بدنام کرنا یا بدنامی کا سبب بننا گناہ ہے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جب عشق مجازی میں گھٹ گھٹ کر مر جانا شہادت ہے بوجہ تحمل مشقت شدیدہ کے تو عشق حقیقی میں گھٹ گھٹ کر مرنا شہادت کیوں نہ ہوگا کیونکہ اس میں بھی عشق مجازی سے مشقت کم نہیں ہوتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے۔

ایک شخص نے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے اوپر بجلی گری، فرمایا مبارک ہو نسبت چشتیہ حاصل ہوگی تو جو اس میں مر جائے وہ حریق نار کے مشابہ ہے اور نسبت سکون پانی جیسی ہے جو نہایت ٹھنڈی ہوتی ہے چنانچہ کبھی اس کا انکشاف بارش کی شکل میں ہوتا ہے کبھی دریا کی شکل میں اسی واسطے نقشبندیہ پانی کا مراقبہ بتلایا کرتے ہیں کہ یوں تصور کرے کہ گویا قلب پر عرش سے ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہے ہم بحمد اللہ دوتوں کے یہاں گئے ہیں چشتیہ کے پاس بیٹھ کر تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا آگ برس رہی ہے ان کی باتوں سے اور توجہ سے حرارت بڑھتی تھی اور بچپن میں مولانا رفیع الدین صاحب کے حلقہ میں بھی بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ نقشبندی تھے بعض دفعہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے قلب پر برف رکھ دیا ہو اور یوں خیال ہوتا تھا کہ شاید فرشتوں میں بھی ایسی ہی برودت وسکون کی کیفیت ہوگی جیسی اس وقت ہمارے اندر ہے اور جس طرح آگ سے کبھی موت کی نوبت آ جاتی ہے اسی طرح پانی بھی کبھی ڈبو دیتا ہے چنانچہ سکون وانس کے غلبہ سے بعض دفعہ استغراق پیدا ہو جاتا ہے جس میں انسان تدبیر بدن نہیں کر سکتا، نہ کھانے کے ہوش رہتے ہیں نہ پینے کے اس کا وہی حال ہوتا ہے جو پانی میں ڈوبنے والے کا ہوتا ہے کہ گھٹ گھٹ کر جان دیتا ہے غرض غلبہ ہر کیفیت کا قاتل ہے پھر یہ لوگ شہید کیوں نہ ہوں گے ضرور ہوں گے تو اب سالک کو کسی حال میں پریشان نہ ہونا چاہئے، خواہ غلبہ شوق ہو یا غلبہ انس ہو ہر حال میں راضی رہے ایک دن وصول ضرور میسر ہوگا اور نہ بھی ہوا اور یوں ہی طلب میں گھٹ گھٹ کر مر گیا، اللہ کے راستہ میں اگر جان بھی جائے تو کیا ہوا پھر اس وقت یہ شہید ہوگا اور شہید بھی واصل ہوتا ہے اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ نسبت چشتیہ آگ کے مشابہ ہے اس کا مطلب یہ نہیں۔ (المعرق والرحیق للمحرق والغریق ج ۱۴)

شیخ کا مقام:

اگر شیخ کے ارشاد سے مجاہدہ ہو تو جائز ہے کیونکہ وہ جو کچھ کہتا ہے باذن حق کہتا ہے اور حق تعالیٰ کو اپنی چیز میں تصرف کرنے کا اختیار ہے۔

آں کہ جاں بخشد اگر بکشد رواست   نائب است اُودست اودست خداست

(جو جان عطا کرے اگر وہ قتل کرے تو جائز ہے وہ جو نائب ہے اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے)

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم مشائخ سے دنیوی قصوں میں بھی مشورہ کر لیا کرو کیونکہ کسی سے سن لیا تھا کہ شیخ نائب حق ہوتا ہے سو خوب سمجھ لو کہ وہ نائب حق تعلیم طریق اور ایصال ہی میں ہے ہر کام میں نہیں۔ (المود الرحمانیہ ج ۱۴)

ادب

اور اس تعلیم کی برکت سے حضرات صحابہؓ بڑے مؤدب تھے۔ چنانچہ ایک صحابی سے کسی نے پوچھا کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی عمر کس کی زیادہ ہے تو وہ صحابی فرماتے ہیں رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اکبر منی و انا اسنّ منہ (الصحیح للبخاری 128:4) کہ بڑے تو حضور ہی ہیں ہاں عمر میری زیادہ ہے۔ سبحان اللہ! کیسا ادب ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے۔ مسجد میں کچھ لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خطاب کر کے فرمایا اجلسوا بیٹھ جاؤ اسی وقت ایک صحابی دروازہ مسجد پر پہنچے تھے اور اندر آنا چاہتے تھے مگر حضورؐ کا امر اجلسوا سن کر وہ دروازہ ہی پر بیٹھ گئے۔ حالانکہ حضورؐ کا مقصود ان لوگوں کو خطاب کرنا تھا جو مسجد میں کھڑے تھے۔ یہ مطلب نہ تھا کہ دروازہ سے بھی اندر نہ آؤ۔ اور دروازہ ہی پر بیٹھ جاؤ۔ مگر صحابی کا ادب دیکھئے کہ حکم کے سنتے ہی فوراً بیٹھ گئے۔ سننے کے بعد آگے قدم نہیں بڑھایا۔ اور یہ ادب ہی بڑی چیز ہے اسی سے ساری دولت حاصل ہوتی ہے۔

اہل اللہ کا ادب

مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کو جو علوم عالیہ عطاء ہوئے تھے اس کی کیا وجہ ہے ان میں کیا بات تھی کہ جس کی وجہ سے یہ علوم ان سے

ظاہر ہوئے مولانا نے اس کے چند اسباب بیان فرمائے منجملہ ان کے ایک سبب یہ بھی بیان فرمایا کہ مولانا میں ادب بہت تھا۔ واقعی مولانا بڑے مؤدب تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے ایک مرتبہ ایک مضمون نقل کے واسطے مولانا کو دیا۔ اس میں ایک جگہ املا کی غلطی تھی۔ (جو حضرت سے غالباً سہواً لکھی گئی) تو مولانا کا ادب دیکھئے کہ نہ تو اس لفظ کو غلط نقل کیا کہ یہ تو علم کے خلاف اور عمداً خطا تھی اور نہ اس کو صحیح نقل کیا کیونکہ اس میں حاجی صاحب کے کلام میں اصلاح تھی بلکہ اس لفظ کی جگہ خالی چھوڑ دی اور حضرتؒ سے عرض کیا کہ یہ لفظ سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لئے جگہ خالی چھوڑ دی۔ حضرت نے دیکھ کر فرمایا یہ تو غلط لکھا گیا پھر حضرت نے اس کو خود ہی درست کر دیا اسی طرح حضرات اہل اللہ بات چیت میں بھی ادب کا بہت لحاظ فرماتے ہیں۔

نعمت بلاء

ہمارے حضرت حاجی صاحب ایک مرتبہ بلاء کے نعمت ہونے پر تقریر فرما رہے تھے اس وقت یہ مسئلہ ہم لوگوں پر منکشف ہو رہا تھا۔ اور سب بلائیں نعمت معلوم ہوتی تھیں۔ اسی وقت دفعتاً ایک شخص آیا جس کا ایک ہاتھ زخم کی وجہ سے گلا ہوا تھا۔ اور اُس نے آ کر دعا کی درخواست کی کہ مجھے اس بیماری سے بہت تکلیف ہے۔ اللہ تعالیٰ سے شفاء کی دعا فرمایئے۔ اس وقت ہم لوگوں کو فکر ہوئی کہ حضرتؒ نے ابھی بلاء کا نعمت ہونا بیان فرمایا ہے۔ اب دیکھیں اس کے لئے رفع بلاء کی کیونکر دعا فرمائیں گے کیونکہ رفع بلاء کی دعا کرنا تو اس تقریر کی بناء پر زوال نعمت کی دعا کرنا ہے۔ مگر عارفین کسی موقع پر نہیں رُکتے کیونکہ ان کے سامنے حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ حضرت نے فوراً فرمایا کہ سب صاحب دُعا کریں اور پُکار کر یہ دعا فرمائی کہ یَا اَللّٰہ! اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ یہ بلاء بھی نعمت ہے مگر یہ لوگ اپنے ضعف کے سبب اس نعمت کا تحمل نہیں کر سکتے، اس لئے درخواست کرتے ہیں کہ اس نعمت کو نعمت عافیت سے مبدل فرما دیجئے یہ طرز دعا سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں کہ سبحان اللہ! کس طرح ضدین کو جمع کیا ہے کہ بلاء کا نعمت ہونا بھی باقی رکھا اور اس کے رفع کی دعا بھی فرما دی اور کس خوبی سے اس وقت کا ادب ملحوظ رکھا۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

مشائخ کی تعظیم و اطاعت میں ایسا غلو کرنا کہ وہ خلاف شرع بات کا حکم کریں۔ جب بھی ان کی اطاعت کی جائے یہ بھی ارضائے خلق میں داخل ہے جس کی مذمت حق تعالیٰ نے اس

آیت میں فرمائی ہےاور خوب سمجھ لو میں جو ارضاءِ خلق سے منع کر رہا ہوں اس سے مراد وہی ہے جو ارضاءِ حق کے معارض ہو اور جو معارض نہ ہو بلکہ ارضاءِ حق میں معین ہو وہ مراد نہیں پس اگر ارضاءِ حق کیلئے شیخ کو راضی کیا جائے تو یہ عین توحید ہے اور مذموم نہیں بلکہ ایک درجہ میں مطلوب ہے کیونکہ طریق باطن بغیر رفیق کے طے نہیں ہو سکتا اور اس کا رفیق شیخ ہی ہے فریدؒ عطار فرماتے ہیں۔

حکمتِ قبض

سالکین کو جو اہل محبت ہیں بعض دفعہ آثار سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت حق کا ہمارے ساتھ پہلا سا لطف نہیں تو اُن کے اوپر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے۔

بر دل سالک ہزاراں غم بود　　　گر نہ باغ دل خلالے کم بود

(سالک کے دل پر ہزاروں غم وارد ہوتے ہیں اگر قلبی حالت میں کچھ بھی کمی پاتا ہے)

حالانکہ وہ آثار عدم رضا عدم لطف کی علامت خاصہ نہیں ہیں کیونکہ سالکین کو محض قبض سے اس کا شبہ ہوتا ہے اور قبض کا سبب صرف عدم رضائے حق نہیں بلکہ بعض دفعہ حکمتوں کی وجہ سے قبض طاری کیا جاتا ہے سالک کی اصلاح کے لئے یا سنبھالنے کے لئے بسط کو سلب کرلیا جاتا ہے۔ مگر اس کی یہ حالت ہے کہ مرا جاتا ہے کیونکہ بچہ یہ سمجھتا ہے کہ ماں دودھ پلانے کے وقت تو مجھ پر مہربان ہے اور حجامت کے وقت دشمن ہے۔

خصوصاً حجامت عربیہ کے وقت یعنی پچھنے لگوانے میں، کیونکہ عربی میں پچھنے لگانے کو بھی حجامت کہتے ہیں، سر مونڈنے کو نہیں کہتے تو پچھنے لگوانے میں یا ختنہ کرانے کے وقت تو بچہ یہ سمجھتا ہے کہ ماں باپ سے زیادہ میرا کوئی دُشمن نہیں کہ زندہ کھال پر چھریاں لگوا رہے ہیں، مگر حقیقت میں وہ عین لطف ہے۔

طفل می لرزد زنیش احتجام　　　مادر مشفق ازآں غم شاد کام

(بچہ جراح کے نشتر لگانے سے ڈرتا ہے شفیق ماں اس سے خوش ہوتی ہے کہ اب اس کو آرام ہو جائیگا)

سب جانتے ہیں کہ یہ علامت عدم رضا ہرگز نہیں کیونکہ ایک حکمت کے لئے ماں باپ نے ایسا کیا ہے جس کا نفع بچہ ہی کو پہنچے گا مگر وہ نفع سے بے خبر ہے حکمت سے ناواقف ہے۔ اس لئے ناخوش ورنجیدہ ہوتا ہے۔

اسی طرح حق تعالیٰ بعض دفعہ آئندہ کے انتظام و اصلاح کے۔ لئے سالک پر قبض وارد

کرتے ہیں تا کہ عجب و کبر میں مبتلا نہ ہو۔ پس قبض ایسا اثر نہیں جس سے ناراضی یا عدم لطف کا یقین حاصل ہو جائے بلکہ ایسا اثر ہے جو لطف کے ساتھ بھی جمع ہوتا ہے۔ مگر جن کو پیش آتا ہے ان سے پوچھئے کہ اس وقت ان کی جان پر کیسی بنتی ہے اور کیسی گھٹن ہوتی ہے۔ بعض نے تو اس حالت میں خودکشی کرلی ہے محض اس لئے کہ پہلا سا برتاؤ پہلا سا لُطف ان کے خیال میں نہ رہا تھا تو جب محبت کا مقتضاء یہ ہے کہ قلت لطف کا بھی تحمل نہیں ہوسکتا تو ناراضی کا تحمل محبت سے کیونکر ہوسکتا ہے۔ چاہے ناراضی قلیل ہی ہو۔

بعض صوفیہ نے معتزلہ کے استبعاد کا ایک جواب دیا ہے کہ تجلی ذات حق تو فی نفسہٖ کیف اور جہت سے مقید نہ ہوگی۔ مگر رائی کو مکیف اور ذو جہت ہو کر مرئی ہوگی اور یہ کیف و جہت کا وجود مرئی میں نہ ہوگا، بلکہ رائی میں ہوگا جیسے پانی کا فی نفسہٖ کوئی رنگ نہیں لیکن ظرف کے اعتبار سے وہ ملون معلوم ہوتا ہے۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

فرشتہ غیبی

تاریخ میں لکھا ہے کہ جب حضرت یوشع علیہ السلام عمالقہ پر جہاد کرنے تشریف لے گئے تو عمالقہ میں بلعم باعور ایک عابد زاہد مستجاب الدعوات تھا وہ لوگ اس کے پاس گئے کہ یوشع علیہ السلام اور ان کی قوم پر بددعا کرو اس نے انکار کیا کہ وہ نبی ہیں اور نبی پر بددعا کرنا کفر ہے لوگوں نے اس کی بیوی کو مال وزر کا لالچ دیا کہ کسی طرح بلعم باعور کو بددعا پر آمادہ کرے بیوی نے اس پر زور دیا تو اس نے اس کو وہی جواب دیا کہ نبی کے مقابلہ میں بددعا کرنا کفر ہے ہرگز بددعا نہ کروں گا، بیوی نے کہا کہ اچھا تم اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرو وہ احمق استخارہ پر راضی ہوگیا حالانکہ یہ بات محل استخارہ نہ تھی کیونکہ استخارہ اُن امور میں مشروع ہے جس کی دونوں جانبیں اباحت میں مساوی ہوں اور جس فعل کا حسن یا قبیح دلائل شرعیہ سے متعین ہو ان میں استخارہ مشروع نہیں۔

درکارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست ہم در شرور حاجت ہیچ استخارہ نیست

(نیک کام میں استخارہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے برائیوں کے چھوڑنے میں استخارہ کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہے)

پہلی حماقت تو اس نے یہ کی کہ اس امر میں استخارہ کو حجت سمجھا پھر جب استخارہ کیا تو اس کو بذریعہ کسی فرشتہ کے غیب سے سخت تنبیہ کی گئی کہ اگر تو نے بددعا کی تو سب عبادت ومجاہدہ

وغیرہ غارت ہو جائے گا اور تو مردود ہو جائے گا۔ اس نے بیوی سے بیان کیا کہ مجھے سخت تنبیہ کی گئی ہے اور میں بددعا نہ کروں گا۔ اس نے کہا کہ ایک دفعہ کا استخارہ حجت نہیں ممکن ہے کہ تمہارے خیال میں جو بات جمی ہوئی ہے وہی استخارہ میں مختلط ہو گئی ہو چند بار اور استخارہ کرو چنانچہ دوسری دفعہ پھر کیا اور اب بھی سخت تنبیہ کی گئی تیسری بار پھر کیا اس دفعہ بھی سخت ملامت و زجر ہوا چوتھی بار استخارہ کیا تو اب کچھ تنبیہ نہ ہوئی بیوی نے کہا کہ بس معلوم ہو گیا کہ یہ فعل جائز ہے اور تین مرتبہ جو تم کو تنبیہ وزجر کا انکشاف ہوا ہے یہ وہی خیال منکشف ہوا ہے جو پہلے سے دل میں جما ہوا تھا۔ اگر یہ فعل ناجائز ہوتا تو چوتھی بار میں تنبیہ کیوں نہ ہوئی۔

اس کمبخت نے دوسری حماقت یہ کی کہ وہ بھی یہی سمجھ گیا کہ چوتھی دفعہ میں تنبیہ نہ ہونا اس کے جواز کی علامت ہے اور بددعا کے لئے آمادہ ہو گیا۔ یہ نہ سمجھا کہ تنبیہ وزجر بقدر ضرورت ہوا کرتا ہے اور تین بار تنبیہ ہونا تو قدر ضرورت سے بھی زیادہ تھا جب تو نے تین بار اس کو دفع کیا اور اُس سے متاثر نہ ہوا تو اب حق تعالیٰ کو بار بار تنبیہ کی کیا ضرورت تھی یہ ان کا تھوڑا افضل و احسان تھا کہ جس کام کے لئے استخارہ مشروع بھی نہ تھا اس میں تجھ کو تین دفعہ استخارہ ہی میں متنبہ کیا جب تو نے بار بار اعراض کیا تو ادھر سے بھی اعراض ہو گیا، چنانچہ کمبخت نے نبی کے مقابلہ میں بددعا کی۔ اور ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ بددعا کرتے ہی ایمان سلب ہو گیا۔ اور دنیا میں ہی یہ عذاب نازل ہوا کہ بددعا کے ساتھ ہی زبان کتے کی طرح باہر لٹک گئی۔

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ

(جس سے دنیا و آخرت دونوں کھو بیٹھا یہی کھلا نقصان ہے)

تو حضرت یہ کھٹک بھی ایک فرشتہ غیبی ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے آپ کو متنبہ کرتا ہے جب بار بار تم اس کو دباؤ گے تو وہ خاموش ہو جائے گا اور یہ سخت بات ہے۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

محق و محقق و پیر

پیر کے واسطے ضرورت ہے محق ہونے کی اور محقق ہونے کی محق ہونے کے تو معنی یہ ہیں کہ اس کے عقائد صحیح ہوں متبع سنت ہو اور محقق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وساوس نفس پر اس کی نظر گہری ہو بدوں ان دونوں کے پیر کامل نہ ہوگا پیر اگر محق ہوا اور محقق نہ ہوا تو اس کی نیت تو درست ہوگی مگر نگاہ دور تک نہیں پہنچے گی۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

جاہلانہ سوال

قاضی ابو یوسف کے مجلس املاء میں ایک شاگرد بالکل خاموش تھا امام نے فرمایا تم بھی کچھ پوچھا کرو اس کے بعد امام نے مسئلہ بیان کیا کہ یقینی غروب کے بعد پھر افطار میں تاخیر کرنا مکروہ ہے تو وہ فرماتے ہیں کہ کیوں حضرت! اگر کسی دن آفتاب غروب ہی نہ ہو تو روزہ کب افطار کرے۔ امام نے فرمایا بس تم خاموش رہو۔ تمہارا سکوت ہی اچھا تھا۔ میں نے خواہ مخواہ تم سے کہا کہ تم بھی سوال کیا کرو۔

واقعی بعض لوگوں کا نہ بولنا ہی بہتر ہوتا ہے جیسے ایک بہوتھی جس کی ماں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ ساس کے گھر جا کر زبان سے ایک حرف نہ نکالنا، خاموش ہی رہنا۔ چنانچہ وہ ہر وقت چپ رہتی، ساس نے ہر چند چاہا کہ یہ بھی کچھ بولے بات کرے مگر وہ کچھ نہ بولتی تھی۔ ایک دن ساس حسرت سے کہنے لگی کہ میری بہوتو بہت اچھی ہے صورت وسیرت سب بہتر ہے مگر بس اتنی کسر ہے کہ بولتی نہیں ہے، بہو نے کہا مجھے میری اماں نے بولنے سے منع کر دیا ہے۔ اس لئے میں نہیں بول سکتی۔ ساس نے کہا کہ تمہاری اماں پاگل ہے، بیٹی بہو کے بولنے بات کرنے ہی سے گھر میں رونق ہوتی ہے۔ تم ضرور بات چیت کیا کرو۔ بہو نے کہا اچھا بولوں تو تم بُرا تو نہیں مانو گی۔ ساس نے کہا میں کیوں بُرا مانتی میں تو اللہ سے چاہتی ہوں کہ تو بولے، کہاں میں یہ پوچھتی ہوں کہ اگر تمہارا لڑکا مر جائے تو تم میرا دوسرا بیاہ بھی کر دو گی یا یوں ہی بٹھائے رکھو گی۔ ساس نے کہا بیٹی! واقعی تیری ماں کی رائے درست تھی اور میری رائے غلط تھی تیرا خاموش ہی رہنا بہتر ہے، تو بولنے کے لائق نہیں۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

اہل طریق کا اجماع ہے کہ جو شخص دوسروں کی تربیت کرتا ہو اس کے لئے لازم ہے کہ ایک وقت اپنے لئے یکسوئی اور خلوت کا ضرور مقرر کرے ورنہ نسبت مع اللہ ضعیف ہو جائے گی معلوم ہوا کہ اصل مقصود نفع لازم ہے اور نفع متعدی مقصود نہیں بلکہ مقصود کا ذریعہ ہے خوب سمجھ لو اس غلطی میں بہت لوگ مبتلا ہیں۔ بعض سالکین اس نیت سے ذکر و شغل کرتے ہیں تا کہ اپنی تکمیل کے بعد مخلوق کی اصلاح کریں گے۔ یاد رکھو یہ خیال طریق میں راہزن ہے اور اس نیت کے ساتھ کچھ حاصل نہ ہوگا۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

مشورہ کی اہمیت

جس شیخ کو کوئی دوسرا شیخ نہ ملے تو وہ اپنے چھوٹوں ہی سے مشورہ کیا کرے۔اس طرح بھی غلطی سے محفوظ رہے گا۔

جب میں مشائخ کے لئے بھی اس کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ وہ بھی کسی کو اپنا بڑا بنائیں اور اپنے معاملات خاصہ میں محض اپنی رائے سے عمل نہ کیا کریں تو غیر مشائخ کے لئے تو اس کی ضرورت بہت زیادہ ہے پس ہر شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی رائے سے اپنے کو نفع متعدی کا اہل سمجھ لے اور اسی پر کفایت کر لے اور مبتدیان سلوک اور متوسطین کے لئے تو یہ بہت ہی مضر اور سدِّ راہ ہے ان کا تو یہ مذاق ہونا چاہئے۔ ؎

احمد تو عاشقی بہ مشیخت تراچہ کار دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شُد

(ارضاء الحق ج ۱۵)

عجیب واقعہ

اسی طرح جب حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی اپنے شیخ علی احمد صابرؒ کے حکم سے پانی پت تشریف لائے اور یہاں قیام کا ارادہ کیا تو پانی پت میں شاہ بوعلیؒ قلندر پہلے سے موجود تھے انہوں نے اپنے ایک مرید کے ہاتھ کٹورے میں پانی بھر کر شیخ شمس الدینؒ کے پاس بھیجا، شیخ شمس الدینؒ نے اس پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا۔لوگ اس رمز کو نہ سمجھے تو انہوں نے قلندر صاحبؒ سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی فرمایا کہ میں نے شیخ شمس الدین سے یہ کہا تھا کہ پانی پت میرے اثر سے ایسا بھرا ہوا ہے جیسے یہ کٹورا پانی سے بھرا ہے۔اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں آپ یہاں فضول تشریف لائے تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ میں یہاں اس طرح رہوں گا جیسے پانی پر پھول رہتا ہے کہ پانی کی جگہ کو نہیں گھیرتا یعنی میں آپ کے اثر میں تصرف نہ کروں گا۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

اس کے بعد شاہ بوعلی قلندرؒ خود ہی بستی چھوڑ کر جنگل کی طرف تشریف لے گئے گویا حضرت شیخ شمس الدینؒ کو اجازت دیدی کہ تم جس طرح چاہو تصرف کرو۔اب ہماری ضرورت نہیں رہی کیونکہ دوسرا صاحب کمال آ گیا ہے۔

اور یہ جو کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں کی نسبت سلب کر لی تو وہ محض کیفیت سلب ہوتی ہے ورنہ نسبت مع اللہ بھی کہیں کسی کے سلب کرنے سے سلب ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔

تصوف کا راہ اعتدال

صاحبو! میں اس وقت تصوف کو پانی کر رہا ہوں نہ تو میں آپ کو **لا موجود الا اللہ** کا مکلف کرتا ہوں کیونکہ یہ تو شیخ ابن عربی ہی کا کام تھا۔ ہمارا آپ کا کام نہیں۔ اور نہ ایسا آزاد چھوڑتا ہوں کہ تم خود کچھ نہ کرو۔ بلکہ میں آپ کو بین بین حالت کی وصیت کرتا ہوں کہ نہ تو بالکل بے فکر رہو کہ چھو منتر ہی کا انتظار کرتے رہو اور نہ **لا موجود الاَّ اللہ** کے درپے رہو بلکہ بحمداللہ **لا معبود الاَّ اللہ** کا درجہ تو آپ کو حاصل ہے ہی اعتقاداً بھی اور عملاً بھی بس اتنی کسر ہے کہ **لا مقصود الاَّ اللہ** کا درجہ حاصل ہو جائے۔ اعتقاداً تو یہ درجہ بھی آپ کو حاصل ہے صرف عمل میں کسر ہے سو ضرورت اس کی ہے کہ عملاً **لا مقصود الاَّ اللہ** پر عامل ہو جاؤ کہ ہر کام میں رضائے حق کا قصد کرو۔

بعض لوگوں کی نیت تو اس میں یہ ہوتی ہے کہ شیخ خوش ہوگا تو ہمارے حال پر زیادہ توجہ کرے گا اس میں تو اپنی غرض کا شائبہ بھی ہے گو یہ غرض محمود ہے کیونکہ توجہ سے مقصود اپنی اصلاح و تکمیل ہے اور اس سے مقصود رضائے حق ہی ہے۔ اور بعض کی نیت یہ ہوتی ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کا مقرب و مقبول ہے اس کے خوش کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوں گے۔ اس نیت میں اپنی غرض بھی نہیں ہے بلکہ خالص ارضائے حق ہی مطلوب ہے۔ بہر حال ارضائے خلق اگر بہ نیت ارضائے حق ہو۔ تو وہ ارضائے حق ہی میں داخل ہے۔ (ارضاالحق ج ۱۵)

حقیقت ریا

اس کا معیار کیا ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ وسوسۂ ریاء تھا نہ کہ حقیقت ریاء۔ تو ائمہ طریق نے اس کو بھی بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ریاء یہ ہے کہ اس کے دیکھنے والے چلے جائیں تو یہ ذکر وغیرہ کو قطع کر دے اور اگر اُن کے جانے کے بعد ذکر کو قطع نہ کرے تو دیکھنے والوں کے ہوتے ہوئے جو اُن کی طرف خیال گیا تھا یہ وسوسۂ ریاء تھا ریاء نہ تھا۔ خوب سمجھ لو بعض لوگ اس حقیقت کے نہ جاننے سے ذکر جہر میں پس و پیش کرتے ہیں کہ اس میں تو ریاء ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ایک شخص کو ذکرِ جہر تعلیم فرمایا تو اس نے یہی کہا کہ اس میں تو ریاء ہوگی خفی کرلیا کروں۔ مولانا نے فرمایا کہ جی ہاں! اس میں تو ریاء ہوگی خفی میں نہ ہوگی۔ ارے بیٹھو! ذکرِ خفی میں تو اس سے زیادہ ریاء ہوگی۔ کیونکہ ذکر جہر میں تو لوگ یہی جانیں گے بس لا الہ الا اللہ کررہے ہیں۔ اور جب گردن جھکا کر بیٹھو گے تو لوگ سمجھیں گے کہ نہ معلوم کہاں کہاں کی سیر کررہا ہے۔ عرش کی یا کرسی کی چاہے میاں سوتے ہی رہیں۔

چنانچہ مولانا نے فرمایا کہ جس زمانہ میں ہم تھانہ بھون حاجی صاحبؒ کی خدمت میں تھے اس وقت ایک نقشبندی بزرگ بھی آئے ہوئے تھے۔ رات کو ہم ذکرِ جہر کرتے تھے اور وہ ذکرِ خفی مگر صبح کو وہ روز شکایت کرتے تھے کہ آدھا ذکر ہوا تھوڑی دیر کے بعد نیند آ گئی تھی اور میں سر جھکائے سورہا اور ہم سب اپنا معمول پورا کرلیتے تھے تو حضرت ذکر خفی میں بعض دفعہ آپ سوتے ہی رہیں گے اور لوگ سمجھیں گے کہ شیخ صاحب مراقبہ میں ہیں تو یہ اچھا انسداد ریاء ہوا کہ ذکر ہی سے رہ گئے پس یہ وسوسہ لغو ہے ریاء کوئی خود نہیں لپٹتی پھرتی۔ جب قصد کروگے تب ہی ریاء ہوگی ورنہ محض وسوسہ ہوگا جو مضر نہیں۔ (ارضاالحق ج ۱۵)

تصوف کی حقیقت

حواشی قشریہ میں ہے۔

التصوف تعمير الظّاهر وَالْبَاطن: (تصوف ظاہر و باطن کی صفائی کا نام ہے) اور باطن کے متعلق دو چیزیں ہیں ایک عقیدہ اور دوسرے اخلاق، ان سب کی اصلاح بھی قرآن میں ہے۔ مگر صوفیہ نے اس کو تصوف سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن نے ایمان اور عمل صالح سے تعبیر کیا ہے تو تصوف کی حقیقت یہ ہے ثمرہ اس کا یہ ہے۔

تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى: (تم میں سے ہمارے قریب وہ ہے جو ایمان لایا اور نیک کام کئے) الحمد للہ اس وقت دو غلطیاں رفع ہوئیں ایک تو یہ کہ لوگ تصوف کی حقیقت کو غلط سمجھے ہوئے تھے یعنی تصوف میں تین چیزیں ہیں ایک تو ایمان اور عمل صالح کہ یہ عین تصوف ہیں۔ ایک وہ کہ اُن کو تصوف سے کچھ بھی علاقہ نہیں اور ان کی دو قسمیں ہیں ایک مباحات دوسرے ممنوعات۔ جیسے یہ عقیدہ کہ طریقت میں سب کچھ مباح ہو جاتا ہے یا کہ میرے پیر کو سب کچھ خبر ہے۔ جیسے چند روز ہوئے ایک پیر صاحب نے کہا کہ میرے سپرد پولیس کا کام

ہے اور ہر جمعرات کو سب اولیاء پیران کلیر میں جمع ہوتے ہیں اور اشرف علی بھی وہاں آتا ہے۔ وہ سمجھے تھے کہ یہ سن کر میں بہت خوش ہوں گا، اور ان کی تعریف کروں گا مگر مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں ان کو یقینی کاذب سمجھنے لگا تو گویا خدائی کو اپنا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح مُردوں کے اختیار میں کچھ سمجھنا بھی ایسا ہی ہے یہ تو وہ چیزیں ہیں کہ معاصی لعینہ ہیں۔ دوسری وہ چیزیں کہ وہ معصیت لغیرہ ہیں۔ جیسے سماع کا سننا کہ اگر کسی سے مجبوری کی وجہ سے سُن لینا منقول ہے تو وہ رحمت نہیں اور بلا عذر نا جائز ہے اور اب تو اس کی حالت نہایت گندر گند ہوگئی ہے اور واقع میں یہ سب اعمال فقیہ ہیں، ان کو تصوف سے کچھ علاقہ نہیں۔ (طریق القرب ج ۱۵)

غلو بیعت

اب میں اس پر ایک دوسرے مسئلہ کی تفریع کرتا ہوں جو چندروز سے میں نے تجویز کیا ہے جس میں مجبور ہوں۔ مگر لوگ میری معذوری کو اب تک نہیں سمجھے۔ اس بیان سے لوگوں کو یہ تو معلوم ہو گیا ہوگا کہ افراط فی الشفقت (شفقت میں زیادتی کرنا ۱۲ص) مضر ہے اور یہ مقدمہ پہلے سے معلوم ہے۔ مقدمہ المکرّوہ مکروہٌ ومقدمۃ الواجب واجبٌ کہ جو چیز کسی بُری شے کا سبب ہے وہ بھی بُری ہے اور جو ضروری شئے کا ذریعہ ہو وہ ضروری ہے تو چونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ افراط فی الشفقت مضر ہے اور مکروہ ہے اس لئے جو چیز افراط فی الشفقت کا سبب بنے وہ بھی واجب الترک ہوگی تو مجھے بیعت کرنے سے افراط فی الشفقت ہو جاتی ہے۔ اس لئے میں نے بیعت کرنا چھوڑ دیا ہے گو اس میں ایک فتویٰ کی بات بھی ہے کہ بیعت کی جو اصل تھی آج کل اُس سے تجاوز ہو گیا ہے۔ بیعت کا خلاصہ ہے معاہدۂ مرید بر اتباع (مرید کا معاہدہ اتباع پر ہوتا ہے۔ ۱۲ص) ومعاہدہ شیخ بر شفقت واصلاح (شیخ کا معاہدہ اصلاح وشفقت پر ہوتا ہے۔ ۱۲ص) اب لوگوں نے اپنی حد سے ایسا بڑھایا ہے کہ جس سے عقیدہ اور عمل میں تغیر پیدا ہو گیا ہے۔

عقیدہ میں تو یہ کہ جب تک ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت نہ کیا جائے صرف زبانی معاہدہ کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ ہم تم کو تعلیم دیں گے اور ہر طرح تمہاری اصلاح کی تدبیر کریں گے مگر وہ کبھی راضی نہیں ہوتا۔ گویا بزرگی کوئی برق ہے کہ جب تک پیر کے ہاتھ سے ہاتھ نہ ملایا جائے وہ برق نہیں دوڑتی۔

اگر یہی بات ہے تو لازم آتا ہے کہ ہمارا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے کیونکہ ایک زمانہ میں بزرگوں نے اس طریقہ سے بیعت کرنے کو ترک کر دیا تھا اس لئے کہ اس زمانہ میں بادشاہ رعایا سے اطاعت کی بیعت لیا کرتے تھے۔ تو اگر کسی دوسرے کو بیعت کرتے ہوئے دیکھا جاتا اس پر بغاوت کا گمان کیا جاتا تھا کہ یہ بھی طالب سلطنت ہے تو بزرگوں نے اس خوف سے کہ کوئی بادشاہ سے چغلی نہ کھا دیوے اس طریقہ بیعت کو ترک کر دیا تھا صرف زبانی معاہدہ پر اکتفا کرتے تھے۔ اور تعلیم فرمایا کرتے تھے تو بتلایئے اگر بدوں اس خاص طریقہ کے بیعت نہیں ہو سکتی تو آپ کا سارا سلسلہ نسبت ہی منقطع ہوا جاتا ہے اور اگر ہو سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ اُس سے انکار کیا جاتا ہے اور زبانی معاہدہ اور تعلیم کو نا کافی خیال کیا جاتا ہے جو چیز موقوف علیہ نہ ہو اس کو موقوف علیہ سمجھنا یہ غلو فی العقیدہ (عقیدہ میں غلو ۱۲ص) ہے یا نہیں ضرور ہے اور اس کی اصلاح ہونی چاہئے اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ ہے کہ اُس طریقہ کو اسی ہیئت سے جاری رکھا جائے اور زبان سے سمجھا دیا جائے کہ یہ ہاتھ میں ہاتھ دینا صرف ظاہری بیعت ہے۔ اصل بیعت کام کرنا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس ہیئت کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ دوسرے حضرات پہلے طریق پر عمل کریں اور مجھے چونکہ اس ہیئت خاصہ سے افراط فی الشفقت ہو جاتی ہے۔ اس لئے میں دوسرا طریق اختیار کرتا ہوں۔ اس طرح غلو فی العقیدہ کی بھی اصلاح ہو گئی اور ضرر کی بھی۔

دوسرا غلو بیعت سے آج کل عمل میں ہو گیا ہے وہ یہ کہ جتنا بڑا پیر کو سمجھنا چاہئے مُرید اس سے زیادہ بڑا سمجھتا ہے۔ ایسے ہی پیر مُرید کو اپنے سے بہت چھوٹا سمجھتا ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہ سمجھنا چاہئے۔ تواضع کے بالکل خلاف ہے اور خاصہ تکبر ہے پیر یوں سمجھتا ہے کہ میں اس کا حاکم ہوں اس کو میرے خلاف مرضی کوئی کام نہ کرنا چاہئے۔ اگر کبھی مُرید پیر کو کسی بات پر ٹوکے تو وہ سخت رنجیدہ ہوتا ہے کہ اس کو یہ منصب حاصل نہیں پھر ہمیں کیوں نصیحت کرتا ہے۔ معاذ اللہ پیر کے ساتھ بالکل خدا کا سا معاملہ طے کرتے ہیں۔ پیر کے سامنے الٹے پاؤں لوٹیں گے یا جب تک وہ بیٹھنے کا حکم خود نہ کرے کھڑے رہیں گے۔ ایک صاحب میرے پاس آئے اور کھڑے ہو گئے۔ بڑی دیر ہو گئی میں بڑا پریشان ہوا آخر میں نے بھی اُسے بیٹھنے کو نہ کہا جب دیر ہو گئی تو میں نے کہا بیٹھتے کیوں نہیں کہنے لگے۔ بلا اجازت کیسے بیٹھ سکتا ہوں۔ میں نے کہا تو پھر آٹھ دن تک بیٹھنے کی اجازت نہیں یہ سنتے ہی فوراً بیٹھ گئے۔ یہ تو ظاہر میں معاملہ ہے اور دل سے یوں

سمجھتے ہیں کہ خدا کا نائب مطلق ہے اگر پیر کسی کام کرنے کا حکم کرے تو مرید سمجھتا ہے کہ اگر یہ کام نہ کروں گا تو نہ معلوم کیا ہو جائے گا۔ اگر وہ کسی کو نوکر رکھنے کا حکم کرے تو چاہے اپنے آپ کو کلفت ہی ہو اور دل نہ چاہتا ہو مگر کیا مجال جو اُس کو نوکر نہ رکھے۔ (وحدۃ الحب ج ۱۵)

مبتدی کو ہدایات

مبتدی کو ابتداء میں وساوس و خطرات زیادہ آتے ہیں کیونکہ ایسی ذات کی طرف توجہ کا مربوط ہو جانا اول اول بہت دشوار ہوتا ہے جو نہ مشاہدہ میں آسکے نہ تصور میں پوری طرح آسکے اس لئے توجہ الی اللہ کا طریقہ بتلانے کی بہت ضرورت تھی۔ چنانچہ واذکر اسمَ رَبِّکَ (اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کر) میں بھی یہی طریقہ بتلایا گیا ہے اس لئے یہ جملہ زیادہ نہیں۔ حاصل طریقہ کا یہ ہے کہ گو ذات حق کی طرف توجہ تام نہیں ہوسکتی۔ مگر تم اس کو یاد ہی کرتے رہو۔ بس یہی توجہ ذکری کافی ہے اور اسی سے مطلوب حاصل ہو جائے گا۔ (الوصل والفصل ج ۱۵)

کمال اخلاص

حضرت رابعہ بصریہ کا واقعہ ہے کہ وہ ایک دن ایک ہاتھ میں پانی اور ایک ہاتھ میں آگ لئے ہوئے دوڑی جارہی تھیں کسی نے پوچھا حضرت یہ کیا ہے فرمایا لوگ کہیں جنت کے طالب ہیں کوئی دوزخ سے ڈرتا ہے میرے محبوب کا نام کوئی نہیں لیتا۔ (فناء النفوس ج ۱۵)

منتہی کی حالت

مگر کاملین کو لوگ اس واسطے اپنے اوپر قیاس کر لیتے ہیں کہ وہ متوسطین کی طرح شانِ امتیاز کے ساتھ نہیں رہتے۔

چنانچہ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ وہ حج کو گئے اور طواف کیا تو کعبہ کو ندار پایا یعنی روح کعبہ کو موجود نہ پایا۔ جو ایک خاص تجلی ہے۔ حق تعالیٰ سے دریافت کیا کہ کعبہ کہاں چلا گیا الہام ہوا کہ فلاں بزرگ کی زیارت کو گیا ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن بھی اس پر اکتفاء نہ کیا۔ بلکہ خود جہاد کر کے خود زیارت کعبہ کو تشریف لے گئے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور جملہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے اختیار سے کبھی فاقہ نہیں کیا اور روزہ بھی رکھا تو سحری میں پیشگی کچھ ضرور کھا

لیا۔ چاہے ایک چھوہارہ ہی ہو۔ کھانے کا نام تو ہوگیا اب اس حالت کو دیکھ کر لوگ کہیں گے کہ یہ کھانے کے کیسے پابند ہیں۔ روزہ بھی رکھا تو وہ وقت کھانے کا معمول نہ چھوڑا۔ اس حالت میں کامل کو کون پہچانے، اور اُس سے کون ڈرے۔ غرض منتہی کی حالت مبتدی کے مشابہ ہوتی ہے۔ اور یہ مبتدی کے لئے بھی فضیلت ہے کہ اس کو کاملین سے مشابہت ہے اس طرح مبتدی

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ: (الصحيح للبخاری 8:110، سنن الترمذی: 2333، سنن ابن ماجة: 4114 مشكوة المصابيح 5274)

(جو شخص جن لوگوں کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے)

کے قاعدے سے صورۃً منتہیین میں داخل ہوگیا۔ سُبحان اللہ! شریعت بھی کیا عجیب ہے کہ مبتدی کو بھی فضیلت سے محروم نہ رکھا۔

بہار عالم حسنش دل و جان تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت را ببوار باب معنیٰ را

(اس کے عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل و جان کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل و جان کو بو سے تازہ رکھتی ہے)

صوفیہ نے لکھا ہے کہ سالک کی دو قسمیں ہیں ایک تو صوفی ہے ایک متصوف ہے۔ یعنی صوفیوں کی صورت بنانے والا اس طریق میں متصوف کی بھی فضیلت ہے یہ بھی محروم نہ رہے گا۔ (فناء النفوس ج ۱۵)

محققین نے ایک بے التفاتی وعدم توجہ کے متعلق ایک اور بات بتلائی ہے وہ یہ کہ وسوسہ سے پوری بے توجہی اُس وقت تک نہیں ہوسکتی۔ جب تک نفس کو کسی اور شئے کی طرف متوجہ نہ کیا جائے۔ اس لئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ وسوسۂ سے توجہ ہٹا کر کسی اور شئے کی طرف متوجہ ہو جائے چاہے کعبہ کا تصور کر لے یا مدینہ کا یا کسی علمی مضمون کا یا اخیر میں بچا کھچا یہ شیخ رَہ گیا ہے۔ اس کا تصور کر لے اس سے بھی وسوسہ کی طرف بے توجہی ہو جاتی ہے۔

تصور شیخ

کار خود کن میں نے بچپن میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے ایک جملہ سنا تھا۔ اس وقت تو اُس کی حقیقت منکشف نہ ہوئی تھی۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ واقعی علم عظیم ہے۔ بچپن میں میرا حافظہ بہت اچھا تھا۔ اُس وقت کی باتیں بہت محفوظ ہیں۔ اب خراب

ہو گیا ہے۔اب تو چار دن کی بات بھی یاد نہیں رہتی۔مگر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ پھر بچپن کی باتیں اس وقت کیونکر یاد ہیں، بات یہ ہے کہ اس وقت یبس کا غلبہ ہے اور پتھر کی خاصیت ہے کہ اُس میں نئی لکیر تو مشکل سے پڑتی ہے لیکن جو لکیریں پہلے سے پڑی ہوئی ہوتی ہیں وہ نہیں مٹتیں۔تو مولانا نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ طلب مطلوب ہے وصول مطلوب نہیں۔کیونکہ طلب تو اختیاری ہے اور وصول غیر اختیاری ہے اور بندہ اختیاریات کا مکلّف ہے نہ کہ غیر اختیاری امور کا۔اس سے بڑی مشکلات حل ہو گئیں۔کیونکہ طالب اگر کسی وقت شاکی ہو تو اُس سے کہنا چاہیئے کہ تم کو طلب بھی ہے یا نہیں ہے تو پھر ثمرہ کا انتظار کیسا۔اوّل طلب تو پیدا کرو۔اور اگر کہے مجھے طلب تو ہے تو اُس سے کہنا چاہیئے کہ بس مدعا حاصل ہے تم طلب ہی کے مکلّف ہو۔تمہارا اتنا ہی کام ہے۔وصول کے تم مکلّف نہیں ہو۔نہ وہ تمہارا کام ہے بلکہ وہ خدا کا کام ہے۔اُن کو اختیار ہے تم اپنے کام میں لگو۔خدا تعالیٰ کے کام میں دخل نہ دو

؎ کار خود کن کار بیگانہ مکُن (اپنا کام کرو دوسرے کا کام نہ کرو)(فناء النفوس ج ۱۵)

لطافت شریعت

رنج خلاف توقع سے ہوتا ہے اگر آپ کو کسی سے یہ توقع ہو کہ میری تعظیم کرے گا۔اس کے خلاف سے رنج ہو گا اور اگر توقع کچھ نہ ہو تو کچھ رنج نہ ہو گا۔یہی تفویض کا حاصل ہے کہ تجویز و توقع کو قطع کر دیا جائے۔میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمام فلاسفہ کی کتابیں چھان مارو۔راحت کا جو طریق شریعت نے بتلایا ہے وہ کہیں نہ ملے گا۔مگر شریعت سے تو لوگوں کو جاڑا چڑھتا ہے۔حالانکہ اس کے حُسن کی یہ شان ہے ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل من می کشد جا اینجا است

(سر سے پاؤں تک (اول سے آخر تک) جس جگہ نظر کرتا ہوں میرے دل کا شوق دامن کھینچتا ہے کہ جگہ یہی ہے۔(التعرف بالتصرف ج ۱۵)

اصولِ مشائخ

مصلح پر بار نہ رکھنا چاہیئے۔اُس کی سہولت کے صورتیں نکالنی چاہئیں۔جن میں سے ایک جزو یہ بھی ہے کہ جس قدر تحقیقات شیخ سے سُنو سب کو اپنے احوال پر منطبق کرتے رہو۔اسی کو مولاناؒ فرماتے ہیں ؎

بشنوید اے دوستاں ایں داستاں خود حقیقت نقد حال ماست آں
نقد حال خویش را گرپے بریم ہم زدنیا ہم زعقبیٰ برخوریم

(دوستو اس داستان کو سنو جو ہماری موجودہ حالت کے موافق ہے اگر اپنی موجودہ حالت میں غور وفکر کرتے رہا کرو تو دونوں جہان کا ہم کو فکر حاصل کرو)

پس ہر مضمون کو ہمیں اپنا نقد حال سمجھنا چاہئے۔ مولانا نے بھی یہ حکایت جس کے یہ ابتدائی اشعار ہیں۔ ہماری ہی حالت کے موافق لکھی ہے۔

چنانچہ شیخ شبلیؒ کی حکایت ہے کہ ایک سبزی فروش سبزی فروخت کرتا پھر رہا تھا اور یہ صدا اور آواز لگا رہا تھا۔ کہ الخیار العشرة بدانق جس کا ترجمہ یہ ہے کہ دس ککڑی ایک دانگ میں۔ اور ایک لغت پر یہ ترجمہ بعید جو کہ مراد نہ تھا۔ نہ اس کا کوئی قرینہ تھا۔ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ دس نیک لوگ ایک دانگ میں۔ شیخ کے کان میں یہ آواز پڑی۔ شیخ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے کہ جب خیار (یعنی نیکوں) کی یہ حالت ہے تو ہم اشرار کو کون پوچھے گا۔ کیا اچھے لوگ تھے ۔

نگو یند از سر باز یچہ حرفے کزاں پندے نگیرد صاحب ہوش

(کھیل سے بھی لوگ جو بات کہتے ہیں اس سے بھی عقل مند نصیحت حاصل کرتے ہیں)

ظاہر میں تو کھیل کی بات تھی مگر واللہ ثم واللہ ہر شئے میں اپنا سبق ہے۔ ہر چیز میں اپنا نفع ہے۔ چنانچہ حضرت جنیدؒ مریدوں کی معیت میں تشریف لے جارہے تھے ایک چور نے چوری کی تھی۔ خلیفہ نے ہاتھ کاٹا۔ اس کے بعد چوری کی۔ خلیفہ نے پیر کٹوایا اس کے بعد پھر چوری کی۔ خلیفہ نے سولی پر چڑھوا دیا۔ تو شیخ جنیدؒ کا اس طرف گزر ہوا تو لوگوں نے اس کی سولی کا سبب پوچھا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ بار بار چوری کرنے سے سولی دیا گیا ہے تو دوڑ کر اُس کے پاؤں چوم لئے مریدوں کو حیرت ہوئی۔ شیخ سے سبب پابوسی کا دریافت کیا۔ شیخ نے جواب دیا کہ میں نے اس کے استقلال سے پاؤں چومے ہیں کہ کس درجہ مستقل ہے اور استقلال فی نفسہ ایک صفت حمیدہ ہے۔ گو اس نے بے موقع اس کو صرف کیا۔ ہر رذیلہ میں ایک جزو کمال کا بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس میں استقلال کی ایک کمال ہے۔ (اعانۃ النافع ج ۱۵)

مال کی محبت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عجیب ارشاد ہے آپ کے زمانہ میں کسی غزوہ میں بے شمار مال و دولت آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ کا ارشاد ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ .

خوش نما معلوم ہوتی ہے لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی عورتیں ہوئیں بیٹے ہوئے سونے اور چاندی کے۔ (پارہ ۳۔ رکوع ۱۰)

کہ لوگوں کے لئے شہوتوں کی محبت مستحسن کردی گئی۔ یعنی عورتوں اور اولاد اور سونے چاندی کے ڈھیروں کی محبت لوگوں کے قلوب میں آراستہ کردی گئی ہے اور اے پروردگار جب آپ نے کسی مصلحت سے اس کی محبت کو مزین کیا ہے تو یہ درخواست کرنا کہ ہمارے دل میں اس کی محبت نہ رہے۔ خلاف ادب ہے۔ اس لئے ہم یہ درخواست نہیں کرتے بلکہ یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس محبت کو اپنی مرضیات کا ذریعہ بنا دیجئے تو دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر آج کون عارف ہوگا۔ آپ نے زوال حُبِّ مال کی دُعا نہیں کی۔ کیونکہ حُبِّ مال میں بھی حکمتیں ہیں۔ ایک حکمت تو یہی ہے کہ اس سے بقدر ضرورت مال جمع کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ان کا تقویٰ مال ہی تک رہتا ہے۔ اگر مال ہے تو نماز روزہ بھی ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ (افناء المحبوب ج ۱۵)

غم کا علاج

طبعی حزن کی ممانعت نہیں جو غیر اختیاری ہے بلکہ عقلی حزن کی ممانعت ہے جو اختیار سے پیدا ہوتا ہے اور گو حزن طبعی کا حدوث غیر اختیاری ہے مگر تدبیر و علاج سے اس میں تقلیل ہوسکتی ہے اور علاج یہ ہے کہ طبیعت کو دوسری چیز کی طرف متوجہ کرے یہ عام قاعدہ ہے کہ دوسری چیز کی طرف متوجہ ہونے سے پہلی چیز کمزور ہو جاتی ہے اور بعض امور کو تو بعض کے ازالہ یا تضعیف میں خاص دخل ہوتا ہے مثلاً غم کی حالت میں بشارت کو یاد کرنا ازالۂ غم میں بہت مفید ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اوّل تو عقلی حُزن و خوف سے منع فرمایا پھر طبعی حُزن و خوف کے ازالہ کی یہ تدبیر فرمائی۔ (النفحات فی الاوقات ج ۱۵)

حصولِ توجہ

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ بعض اوقات ہماری طرف ایک خاص طور سے متوجہ ہوتے ہیں جس کو نفحات سے تعبیر فرمایا ہے۔ تو ضرورت اس کی ہے کہ ہم بھی ان کی طرف

متوجہ ہوں جس کا حاصل یہ ہے کہ تنہا اُدھر کی اس طرز کی توجہ پر کفایت مت کرو بلکہ کامیابی کے لئے تم بھی توجہ کرو۔ وہ توجہ اس طرز کی ہے جیسے ایک کریم سائل کی طرف دیکھ رہا ہو کہ یہ میری طرف نظر کرے تو میں اس کو روپیہ دیدوں۔ اب اگر کوئی سائل ایسا بد دماغ ہو کہ باوجود کریم کی نظر کے بھی اُس کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھے تو بتلایئے اسکو روپیہ کیونکر مل جاوے گا۔ بلکہ اس کی نظر کے بعد اس کا نگاہ نہ اُٹھانا اور دوسری طرف متوجہ رہنا قاعدہ سے موجب عتاب وطرد ہوگا۔

ہاں ایک دوسری قسم کی توجہ یہ بھی ہے کہ کریم سائل کی نظر کا انتظار نہ کرے۔ بلکہ اس کی بے خبری میں روپیہ جیب میں ڈال دے۔ مگر اس توجہ کا کچھ قانون نہیں۔ بلکہ یہ وہب محض ہے۔ قانون وہی ہے جو صورت اول میں مذکور ہوا کہ ان کی توجہ کے وقت تم بھی اُدھر متوجہ ہو تو دولت مل جائے گی۔ (النفحات فی الاوقات ج۱۵)

درجاتِ توجہ

توجہ کے چند درجے ہیں۔ ایک توجہ الی الصفات اور ایک توجہ الی الذات۔ توجہ الی الصفات کہ سمیع علیم، بصیر کا تصور کیا جائے جیسا کہ مشائخ بعض کو

اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی (کیا اس شخص کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے) کا مراقبہ بتلایا کرتے ہیں اور توجہ الی الذات یہ ہے کہ محض ذات کا تصور ہو کہ اس وقت صفات پر بھی نظر نہ ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُن کو تصور بالکنہ ہوتا ہے یہ تو محال ہے۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں کایں جا ہمیشہ باد بدست است دام را

(جال اٹھائے عنقا کسی کے جال میں نہیں پھنستا کہ اس جگہ ہمیشہ جال میں ہوا کے سوا کچھ نہیں آتا)

بلکہ جس کو بھی ہوتا ہے۔ تصور وجہ کا ہوتا ہے۔ مگر وہ وجہ کو مرآۃ ذات کا بناتا ہے۔ اور ملتفت الیہ خود ذات ہوتی ہے بس یہی توجہ الی الذات ہے اور ایسے تصور کے لئے کنہ کا علم شرط نہیں۔

(النفحات فی الاوقات ج۱۵)

نفع مراقبہ

مراقبات کا نفع یہ نہیں ہے کہ ان سے تصور کامل ہوتا ہے۔ بلکہ یہ نفع ہے کہ ان سے تصور ناقص راسخ ہو جاتا ہے۔ اور اسی رسوخ میں مشائخ عوام سے ممتاز ہیں۔ سو عوام سے ہم کو یہ شکایت نہیں کہ اُن کو تصورِ حق کامل طور پر کیوں نہیں ہے۔ بلکہ شکایت اس کی ہے کہ یہ

تصور ناقص راسخ کیوں نہیں ہے۔ کہ کسی وقت تو خدا تعالیٰ کی یاد ہے اور کسی وقت غفلت ہے اور رسوخ ذکر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ذات بحت کا تصور راسخ ہو جائے اور یہ پیدا ہوتا ہے کثرتِ ذکر سے مع تصور ذات بحت کے۔ (النفحات فی الاوقات ج ۵ ۱)

ذکر اِسم ذات

علامہ ابن تیمیہ نے بھی ایک رسالہ میں ذکر اسم ذات کو بدعت لکھا ہے اور اُن کے مقابلہ میں بعض بے علم صوفیہ نے اس کو ثابت بالقرآن اور ثابت بالسنۃ کہہ دیا ہے ۔ چنانچہ بعض نے قرآن سے اس ذکر کو ثابت کیا ہے۔ اور وہ دلائل ایسے کمزور ہیں کہ اُن کو ہم خود بھی رد کر دیتے ہیں۔ ابن تیمیہ تو کیوں ردّ نہ کرتے وہ تو بڑے محتاط ہیں۔ متشدد کا لفظ نہ کہوں گا۔ کیونکہ خلافِ ادب ہے چنانچہ بعض صوفیہ نے اس کو

قُلِ اللّٰهَ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِم یَلْعَبُوْنَ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے پھر انکو ان کے مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجئے)

سے ثابت کیا ہے کہ دیکھو اس میں حکم ہے کہ اللہ کہو نہ مبتداء ہے نہ خبر ہے بس صرف اللہ۔ کہنے کا امر ہے اُن سے کوئی پوچھے کہ پھر اَللّٰہُ کو نصب کیوں نہ ہو ارفع کیوں ہے۔ اوّل اس کے سباق کو دیکھو پھر سبق پورا ہو گا۔ او پر ایک آیت میں ذکر ہے مقولہ کفار کا وہ آیت یہ ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ

(ان لوگوں نے جیسا اللہ کی قدر پہچاننا واجب تھی ویسی قدر نہ پہچانی جبکہ یوں کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی)

وہ کہتے تھے کہ خدا نے بشر پر وحی کبھی نازل نہیں کی۔ حق تعالیٰ اس کا جواب دیتے ہیں۔

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّ هُدًی لِّلنَّاسِ تَجعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَها وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا وَ علمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَاۤ اٰبَآؤُ كُمْ.

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ علیہ السلام لائے تھے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کیلئے ہدایت ہے جس کو تم نے متفرق اوراق میں چھوڑا ہے جن کو ظاہر کر دیتے ہو اور بہت سی باتوں کو چھپاتے ہو اور تم کو بہت سی باتیں تعلیم کی گئی ہیں نہ جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا)

جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر انسان پر خدا نے کچھ نازل نہیں کیا تو بتلاؤ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جو موسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ جس میں لوگوں کے لئے نور و ہدایت ہے۔ یہ جواب اس لئے دیا گیا کہ

مَا اَنْزَ لَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ (اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی)

(النفحات فی الاوقات ج۵ ۱)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور ذکر

صحابہ سے فَطَرَتْ فَطَرَتْ (پھٹ جائیگا پھٹ جائیگا) کہنا بھی کہاں ثابت ہے۔ تو کیا عدم ثبوت کی وجہ سے تم اس کو حرام کہہ دو گے اور جب یہ حرام نہیں تو عدمِ ثبوت کی بناء پر اللہ اللہِ کو بدعت کیوں کہا جاتا ہے۔ بات یہ کہ صحابی کی استعداد کامل تھی۔ ان کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ ہی میں توجہ کامل ہو جاتی تھی۔ اس لئے وہ اختصار کے محتاج نہ تھے۔ اور ہماری توجہ بدوں ایک ایک کلمہ کے تکرار کے کامل نہیں ہوتی۔ جیسے بعض لوگ تو پوری آیت کا اعادہ کر کے اُس کو یاد کر لیتے ہیں۔ اُن کو ایک ایک کلمہ کے تکرار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور بعض لوگ پوری آیت کے تکرار سے حفظ نہیں کر سکتے۔ اُن کو ایک ایک بلکہ بعض دفعہ جز وکلمہ کے اعادہ کی حاجت ہوتی ہے۔ اور یہ بالاتفاق جائز ہے چنانچہ حفاظ کو عموماً اسی پر عمل ہے اور کسی نے آج تک اس کو حرام یا گناہ یا بدعت نہیں کہا۔ حالانکہ صحابہ سے یہ صورت بھی کہیں ثابت نہیں۔ پھر اگر ذکر اللہ اللہِ کو اسی غرض سے اختیار کیا جائے تو وہ بدعت و حرام کیوں ہو جائے گا۔ ہاں ایک بات البتہ لازم آئی وہ یہ کہ اس صورت میں اللہ اللہِ کہنا ذکر نہ ہوا۔ جیسے فَطَرَتْ فَطَرَتْ کہنا تلاوت نہیں۔ سو یہ ہم کو مسلم ہے۔ بے شک یہ ذکر نہیں مگر بحکم ذکر ضرور ہے کیونکہ یہ تہیؤ للذکر ہے۔ اور جو شخص مقدمات ذکر میں مشغول ہے۔ وہ گو حقیقۃً ذاکر نہ ہو مگر حکماً ذاکر ضرور ذاکر ہے جیسے حدیث میں ہے کہ انتظار صلوٰۃ بحکم صلوٰۃ ہے۔ اور جو شخص سفر حج میں ہوا۔ اُس کے سب افعال بحکم حج ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ م بَیْتِهٖ مُهَاجِراً اِلَی اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِکْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ .

(اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے پھر اس پر موت واقع ہو جائے تو اس کا اجر و ثواب اللہ کے ہاں ہے)

جس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مقدمات ہجرت میں مشغول ہے وہ حکماً مہاجر ہی ہے۔ علیٰ ہذا۔

(الصحات فی الاوقات ج ۱۵)

مشاہدہ ومعائنہ

جس طرح ایک قسم توجہ کی یہ تھی کہ صفات کا تصور کیا جائے اور اس کو مشاہدہ کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک قسم اُس کی یہ ہے کہ ذات بحت کا تصور کیا جائے اور اس کو معائنہ کہتے ہیں جس کے ذکر اسم ذات ایک سہل طریقہ ہے۔ اور یہ مشاہدہ ومعائنہ اصطلاحی الفاظ ہیں اس سے یہ مت سمجھنا کہ یہ فقیر لوگ خدا تعالیٰ کو دیکھتے ہیں۔ کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث موجود ہے۔

اِنَّکُمْ لَنْ تَرَوْا رَبَّکُمْ حَتّٰی تَمُوْتُوْا (مرنے سے پہلے تم حق تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے) کہ مرنے سے پہلے حق تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے اور یہ جو بعض جہلاء نے اس کے جواب میں کہا ہے۔

قَدْ مِتْنَا فَرَأَیْنَا رَبَّنَا کہ ہم تو مر چکے۔ اس لئے ہم خدا تعالیٰ کو یہیں دیکھ لیتے ہیں اور موت سے مراد وہ موت لی ہے جو مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوا میں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ معنی موت کے صوفیوں کی خاص اصطلاح ہے اور قرآن و حدیث صوفیوں کی اصطلاح میں وارد نہیں ہوئے۔ مگر آج کل یہ الٹا دستور نکلا ہے کہ قرآن و حدیث کو اپنی اصطلاح کے تابع کرتے ہیں۔ (الصحات فی الاوقات ج ۱۵)

تعیین طُرق

مقصود یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے لو لگ جائے۔ جس کے مختلف طریقے ہیں۔ کہیں محبت قائد ہوتی ہے کہیں خوف سائق ہوتا ہے اور دونوں طریقے مقبول ہیں۔ (الصحات فی الاوقات ج ۱۵)

تراویح میں مجاہدہ

جس طرح صوم کو تقلیل طعام میں دخل ہے۔ اسی طرح تراویح کو تقلیل منام میں دخل ہے اور جیسا روزہ میں تبدیل عادت کی وجہ سے مجاہدہ کی شان آئی تھی اسی طرح یہاں بھی شریعت نے محض تبدیل عادت سے مجاہدہ کا کام لیا ہے کیونکہ عام عادت یہی ہے کہ اکثر لوگ عشاء کے بعد فوراً سو رہتے ہیں تو نیند کے وقت میں تراویح کا امر کر کے عادت کو بدل دیا جس

سے نفس پر گرانی ہوتی ہے جو کہ مجاہدہ ہے۔ پھر قاعدہ ہے کہ نیند کا وقت نکل جانے کے بعد پھر دیر میں نیند آتی ہے۔ اس طرح بھی تقلیل منام ہو جاتی ہے۔ (تقلیل المنام بصورۃ القیام ج ۱۶)

صحبت اہل اللہ

مشہور ہے کہ ایک بہت بڑے عالم فلسفی حضرت نجم الدین کبریٰؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضرت کچھ تعلیم ذکر و شغل فرمایئے۔ حضرت نجم الدین کبریٰؒ نے تعلیم دی اور قاعدہ کے موافق فرما دیا کہ کیفیت سے اطلاع دیتے رہنا۔ جب یہ ذکر میں مشغول ہوئے خلوت میں تو انہیں یہ معلوم ہوا کہ کوئی چیز قلب سے نکلی جاتی ہے عرض کیا حضرت ذکر سے یہ کیفیت ہوئی آپ نے فرمایا کہ جو چیز نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے یہ علوم فلسفہ ہیں عرض کیا حضور یہ تو بڑی محنت سے حاصل کئے ہیں ان کا نکلنا تو گوارا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جاتے رہیں گے تو کیا ہے ان سے بہتر علوم حاصل ہوں گے۔

؎ بینی اندر خود علوم انبیاء — بے معید و بے کتاب و اوستا

(تم کو بے معین اور بغیر استاد و کتاب کے انبیاء جیسے علوم حاصل ہوں گے ۱۲)

ان کے بعد تم کو وہ علوم حاصل ہوں گے کہ نہ کتاب کا واسطہ ہوگا نہ استاد کی ضرورت ہوگی کسی طرح ان کی سمجھ میں نہ آیا اور یہ کہہ کر حضرت یہ ادھار ہے چلے گئے مگر ایک دن کی صحبت کام کر چکی تھی ایک دن تو بہت سے واقعی ایک ساعت بھی کام کر جاتی ہے۔

؎ صحبت نیکاں اگر یک ساعت است — بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

(نیک لوگوں کی صحبت اگر ایک گھڑی بھی ہے تو وہ سو برس کے زہد و طاعت سے بہتر ہے ۱۲)

؎ یک زمانے صحبت با اولیا — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(اللہ والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت بھی سو سال کی بے ریا عبادت و طاعت سے بہتر ہے ۱۲)

اس صحبت کا یہ اثر ہوا کہ جو اس علوم فلسفیہ کے ذہول (فراموشی) کو گوارا نہ کرتے تھے وہ بھی اس کی نسبت فرماتے ہیں۔

؎ نهاية اقدام العقول عقال — وغاية سعی العالمين ضلال
ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا — سوی ان جمعنا فيه قيل يقال

یعنی آخر یہ کہنا پڑا کہ ساری عمر بجز بک بک اور قیل و قال کے کچھ حاصل نہ ہوا اور عمر بھر یونہی ضائع کی۔
(روح القیام ج ۱۶)

اہل کشف

اہل کشف کو صورتیں اعمال کی نظر آ جاتی ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی مجلس میں ایک شخص کسی نامحرم عورت کو دیکھ کر آیا تھا آپ نے فرمایا کہ کیا حال ہے لوگوں کا کہ ہماری مجلس میں آتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے اسی طرح جب کوئی طاعت کرتا ہے تو اس کا ایک اثر اس میں پیدا ہوتا ہے جس کا اہل کشف کو علم ہوتا ہے فرشتوں کو تو اعمال ماضیہ کا نامہ اعمال دیکھنے سے علم ہوتا ہے اور اہل کشف کے لئے یہ شخص اپنا آپ نامہ اعمال ہے اسی کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

غذائک فیک و ما تبصر   دوائک منک و ما تشعر

(تمہاری غذا خود تمہارے اندر ہے اور تم دیکھتے نہیں تمہاری دوا تم ہی سے ہے اور تم نہیں شعور کرتے ۱۲)

وانت الکتاب المبین الذی   با حرفہ یظھر المضمر

(تم وہ کتاب ہو کہ اس کے حروف سے پوشیدگیوں کا ظہور ہوتا ہے ۱۲)

وتزعم انک جرم صغیر   و فیک انطوی العالم الاکبر

(تم اپنے آپ کو جرم صغیر سمجھتے ہو حالانکہ تمہارے اندر ایک عالم اکبر لپٹا ہوا ہے ۱۲)

خدا کی یاد بھی ایسی ہی ہے کہ سوائے خدا کے کسی اور کا دل میں خیال نہ ہو۔ حتیٰ کہ اس کا بھی کہ میں اس وقت خدا کو یاد کر رہا ہوں۔ (روح القیام ج ۱۶)

یہ اول درجہ ہے ذکر کا اس کا حاصل یہ ہے کہ قلب میں مذکور کا خیال ہو ذکر کا خیال نہ ہو۔ دوسرا مرتبہ ذکر کا یہ ہے کہ مذکور کی یاد نہ سہی تو ذکر ہی کی یاد سہی یعنی یہی سہی کہ میں اس وقت یاد کر رہا ہوں۔ یہ ذکر کی یاد ہے مذکور کی بلاواسطہ یاد نہیں۔ مگر یہ بھی کافی ہے حالانکہ یہ حق ذکر سے متنزل ہے چاہیے تو یہ تھا کہ کافی نہ ہوتا کیونکہ یہ ان کی یاد نہیں مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہم یاد کی بھی یاد نہیں کرتے اور مذکور کی تو کیا یاد کریں گے۔ نماز پڑھتے ہیں تو اس وقت یہ بھی خیال نہیں ہوتا کہ ہم نماز پڑھ رہے ہیں بلکہ دنیا بھر کے بیہودہ خیالات جمع ہو جاتے ہیں۔ نماز پڑھنے میں کہیں بیوی کا خیال ہے کہیں بچوں کا خیال ہے۔ مولویوں کو درس کا خیال ہے ؎

شب چو عقد نماز بر بندم   چہ خورد بامداد فرزندم

رات کو جب نماز کی نیت کرتا ہوں تو بجائے تکبیر تحریمہ کے یہ کہتا ہوں کہ صبح کو میرے بال بچے کیا کھائیں گے۱۲) (روح القیام ج ۱۶)

تفصیل مجاہدہ

نفس کی مخالفت کے تین درجے ہیں مخالفت فی المعاصی (گناہوں میں مخالفت کرنا) مخالفت فی الحظوظ (حظوظ میں مخالفت کرنا ۱۲) مخالفت فی الحقوق (حقوق میں مخالفت کرنا ۱۲) معاصی میں مخالفت تو فرض و واجب ہے اور مخالفت فی الحقوق معصیت ہے جیسا کہ عنقریب آتا ہے البتہ مخالفت فی الحظوظ میں تفصیل ہے۔ بالکل چھوڑ دینا مذموم ہے البتہ تقلیل اولیٰ ہے۔ کیونکہ بالکل چھوڑ دینے میں تنگ اور دق ہو کر تمام کام چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے بس نہ اسے بہت دق کرو نہ بالکل توسع کرو اوسط کی چال رکھو۔

اور بالکلیہ حظوظ کے نہ چھوڑنے میں ایک دوسرا راز بھی ہے کہ اس سے خدا سے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ دیکھو اگر گرم پانی پیو گے تو مری ہوئی زبان سے الحمدللہ نکلے گا اور اگر ٹھنڈا پانی پیو گے تو نفس کو راحت ہوگی تو روئیں روئیں سے الحمدللہ نکلے گا ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہی راز ہے کہ سفر حج میں زادراہ لے جانے کی ضرورت ہے تاکہ نفس تنگ نہ ہو۔ حضرت مولانا گنگوہی کو اسی وجہ سے ٹھنڈے پانی کا بڑا اہتمام تھا۔ ایک شخص نے مرزا مظہر جان جاناںؒ سے عرض کیا کہ ایک شخص خالص شوربا نہیں کھاتا پانی ملا کر کھاتا ہے۔ فرمایا کہ وہ ناقص ہے جو خدا کی خاص تجلی خالص میں ہے وہ اس پانی ملے میں کہاں ہے۔ (روح القیام ج ۱۶)

ارکان مجاہدہ

مجاہدہ اصل میں چار چیزوں کا نام تھا۔ قلت الطعام (کم کھانا) قلت المنام (کم سونا) قلت الکلام (کم بولنا) قلت الاختلاط مع الانام (لوگوں سے کم میل جول رکھنا) مگر اب دو اول حذف ہو گئیں اور دو اخیر کی رہ گئیں۔ ایک قلت الکلام دوسرے قلت الاختلاط مع الانام یعنی لوگوں سے کم ملنا۔ آج کل لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ بیٹھکوں اور چوپالوں میں بیٹھ کر ادھر ادھر کی گپیں لگایا کرتے ہیں کہیں اخبار پڑھتے ہیں کہیں شطرنج کھیلتے ہیں افسوس یہ لوگ اپنے فراغ کی قدر نہیں کرتے حالانکہ ان کو یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ

خوشا روز گارے کہ دارد کسے   کہ بازار حرصش نباشد بسے

ترجمہ: (فراغت عجب چیز ہے اگر کسی کو حاصل ہو۔ زیادہ کی اس کو طمع نہ ہو)

بقدر ضرورت یسارے بود   کند کارے ازمرد کارے بود

ترجمہ:۔ ضرورت کے موافق اس کے پاس مال بھی ہو تو اس کو کچھ کرنا چاہیے اپنے اوقات کو ضائع نہ کرنا چاہیے۔

غرض اس طرح سے لوگ اپنے (اوقات) ضائع کرتے پھرتے ہیں۔ اور جو دو متروک ہو گئیں وہ یہ ہیں۔ قلت الطعام۔ قلت المنام یعنی کم کھانا اور کم سونا۔ یعنی اس کی بالکل اجازت ہے کہ پیٹ بھر کھاؤ کم نہ کھاؤ لیکن جی بھر کے یعنی نیت بھر کر نہ کھاؤ۔ کیونکہ اس کا مرتبہ پیٹ بھرنے کے بعد بہت بعد ہے۔ ایک ہے پیٹ بھرنا ایک ہے نیت بھرنا تو نیت تو بھرو نہیں کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ دوسرے وقت بھوک نہیں لگتی طبیعت پر ثقل (گرانی) رہتا ہے۔ غذا جزو بدن نہیں بنتی۔ (روح القیام ج۱۶)

اہل اللہ کا حال

حضرت احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے عالم ارواح میں سب سے فرمایا کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ جو جس کو مانگنا تھا اس نے مانگا جب میری باری آئی اور مجھ سے ارشاد ہوا کہ مانگ کیا مانگتا ہے تو میں نے عرض کیا ارید ان لا ارید واختار ان لا اختار میں یہی مانگتا ہوں کہ کچھ نہ مانگوں۔ پھر فرماتے ہیں **فاعطانی مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر من اھل ھذاالعصر** پھر تو مجھے وہ کچھ دیا جو نہ آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔ نہ کسی بشر کے قلب میں گزرا اس عصر والوں میں سے سو حاصل یہ ہے کہ جن کا یہ مذاق ہوا نہیں پریشانی کیوں ہو۔ (روح القیام ج۱۶)

جلاء قلب کے آثار

مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ رومیوں اور چینیوں میں گفتگو ہوئی کہ صنعت میں کون بڑھا ہوا ہے بادشاہ کے پاس فیصلہ کے لئے گئے بادشاہ نے کہا دونوں اپنی اپنی صنعتیں دکھلاؤ ایک ایک برآمدہ آمنے سامنے دونوں کو دیدیا گیا اور درمیان میں پردہ حائل کر دیا کہ ایک

دوسرے کو نہ دیکھے۔ چینیوں نے دیوار پر تمام نقش و نگار بنانا شروع کیے رومیوں نے تمام پلستر رگڑنا شروع کیا۔ عین وقت تک رومیوں کے یہاں کچھ نہ تھا اور چینیوں نے بہت کچھ صناعی کر لی تھی۔ رومیوں نے اتنا کیا تھا کہ پلستر پر صیقل کر کے مثل آئینہ کے چمکدار کر دیا تھا۔ جب امتحان و مقابلہ کی تاریخ آئی تو درمیانی پردہ اٹھا دیا گیا۔ چینیوں کے تمام نقش و نگار رومیوں کی دیوار پر ان کی دیوار سے اچھا نظر آتا تھا۔ بس رومی جیت گئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ تم بھی نفس پر صیقل کر لو تو سب کچھ تمہارے نفس میں بھی نظر آنے لگے گا۔ بلکہ وہاں تو باہر سے انعکاس ہوا تھا اور یہاں تو علوم خود پہلے سے تمہارے اندر ہیں صحبت و تجلیہ سے ان کا ظہور ہو جاوے گا۔

اور دلیل اس کی کہ تمہارے اندر خود علوم پہلے سے موجود ہیں یہ ہے کہ دیکھو جب کبھی استاد کے سامنے بیٹھتے ہو اور وہ تقریر کرتا ہے تو کہتے ہو ٹھیک ہے اور طبیعت میں نشاط ہوتا ہے اور تصدیق ہوتی ہے پہلے علم سے چنانچہ ظاہر بھی ہے اور اس کا تائیدی مضمون ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے آپ سے کچھ سوالات کیے آپ نے جواب دیئے تو وہ تصدیق کرتا تھا صحابہ رضی اللہ عنہ کو اس کی تصدیق سے نہایت تعجب ہوا کیونکہ عجب اشکال ہے کہ اس کے سوال سے تو معلوم ہوتا تھا کہ جانتا نہیں ورنہ سوال کے کیا معنی۔ محض تحصیل حاصل ہے اور تصدیق سے معلوم ہوتا ہے کہ جانتا ہے ورنہ تصدیق کیسے کرتا کیونکہ تصدیق کے لئے پہلے سے جاننا ضروری ہے۔ خیر وہ تو جبرئیل علیہ السلام تھے کہ جانتے مگر ان کی تخصیص نہیں بلکہ اسی طرح جب استاد کی تقریر کسی مضمون کے متعلق ہوتی ہے تو اگر تقریر صحیح و عمدہ ہے تو کہتے ہو ٹھیک ہے اور اگر کہیں غلط ہے تو فوراً طبیعت کھٹک جاتی ہے تو اگر آپ پہلے سے نہیں جانتے تو اس انقباض و انبساط کے کیا معنی معلوم ہوا علوم آپ کے اندر بھی فطری ہیں صرف استاد کی صحبت سے جلا ہوتا چلا گیا۔ جب پورا جلا ہو چکا تو ظاہر ہو گیا۔ تو اس بناء پر ہر شخص اپنی ماں کے پیٹ سے عالم ہی پیدا ہوتا ہے مگر وہ نقوش چھپے ہوئے ہیں جیسے ایک صفحہ کتاب کا ہے اس پر مہرہ رکھا ہوا ہے جونہی وہ مہرہ اٹھے گا تمام نقوش نظر آنے لگیں گے۔ اسی طرح آپ کا نفس بھی ایک صفحہ ہے آپ اس پر مہرہ رکھے ہوئے ہیں تو علوم آپ میں خارج نہیں آ گئے۔ بلکہ نظر آ گئے خدا نے لکھی لکھائی تختی دی ہے اگر لکھا نہ ہوتا تو کیا لکھتے اور تم کہاں لکھنے جاتے۔ تمہیں تو آج تک یہ بھی

معلوم نہیں ہوا کہ علم کس مقولہ سے ہے۔ اگر تم علم حاصل کرتے تو کم از کم اس کا مقولہ تو معلوم ہوتا کوئی کہتا ہے مقولہ کیف سے ہے۔ کوئی کہتا ہے مقولۂ انفعال سے ہے۔ کوئی کہتا ہے مقولۂ اضافت سے ہے۔ کوئی کہتا ہے مختلف اعتبارات سے سب سے ہے بتاؤ اگر تمہارا حاصل کیا ہوا ہوتا تو تم واقف نہ ہوتے کہ کس مقولہ سے ہے۔ ع چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ روند (جب حقیقت نہ دیکھی افسانہ کی راہ تلاش کی)

ارے میاں تمہارا حاصل کیا ہوا ہی نہیں جو تم مقولہ ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ بہت سی کتابیں اسی تحقیق میں ہیں کہ علم کون سے مقولہ سے ہے۔ تمہیں وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ اپنے کام سے کام رکھو۔ اس سے کیا نفع کہ کون سے توے کی پکی ہوئی ہے۔ کس خبط میں پڑے چھوڑو اگر یہ معلوم ہی ہوگیا تو کیا ہوا اسی کو کہتے ہیں۔

در مصحف روئے اونظر کن — خسرو غزل و کتاب تاکے

(محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہو کر کتابوں اور غزلوں سے کب تک شغل رکھو گے ۱۲)

اور عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

حدیث و مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو — کہ کس نکشود نکشاید بحکمت ایں معمارا

(محبوب حقیقی اور ان کی محبت و معرفت کی طرف التفات کرو مسائل حکمیہ و اسرار دہر کی تحقیق کو چھوڑو اس لئے یہ معمہ حکمت سے کسی سے حل ہوا نہ حل ہو سکے ۱۲) تو غرض یہ ہیں نقوش جو لوح نفس کے صیقل کرنے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ (روح الجورج ۱۶)

وحدۃ و عزلت

شریعت نے جو خلوت تعلیم کی ہے اس میں عجیب اعتدال کی رعایت کی ہے اور شریعت نے اس کو خلوت سے تعبیر نہیں کیا اور لفظ خلوت اصطلاح صوفیہ کی ہے بہر حال چاہے خلوت سمجھو یا وحدت کہو ایک ہی چیز ہے۔

عباراتنا شتے و حسنک واحد — وکل الی ذاک الجمال یشیر

(عنوانات مختلف ہیں معنون ایک ہی جمال محبوب ہے ہر ایک عنوان اسی جمال کی طرف اشارہ کرتا ہے ۱۲)

اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے لفظی آداب کی بھی بڑی رعایت کی ہے حدیث

میں آیا ہے اگر کسی کا جی متلائے تو قلست نفسی (میرا جی متلا رہا ہے ۱۲) کہے خبیث نفسی (میرا جی برا ہے ۱۲) نہ کہے کیونکہ خبث ذرا ادب کے خلاف ہے اسی واسطے شریعت نے خلوت نہیں کہا کیونکہ اس وقت وہ خالی نہیں ہوتا۔ اس میں تو نور بھرا جاتا ہے اور صوفیہ نے صرف یہ عنوان اصطلاح کے طور پر مقرر کیا ہے ورنہ معنی خلو کے وہ بھی قائل نہیں۔ چنانچہ عنوان میں تو یہ کہا ہے۔

خلوت گزیدہ را بتماشہ چہ حاجت است چوں کوئے دوست ہست بصحرا چہ حاجت است

(خلوۃ نشین کو تماشہ کی کیا حاجت ہے جب محبوب کے دربار ہیں تو جنگل کی کیا ضرورت ہے یعنی تارکان تعلق ماسوائے اللہ کو کثرت کی طرف التفات نہ چاہئے اور اس بے التفاتی کے لئے اس کی ضرورت نہیں کہ بستی چھوڑ کر جنگل میں جا رہے بلکہ توجہ الی الحق کافی ہے ۱۲)

اور معنوں کے درجہ میں پر ہونے کو اس طرح کہا ہے۔

ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرد سمن ورآ تو زغنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا بہ چمن ورآ

تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھاٹک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کرلو۔

مولانا فرماتے ہیں۔

اے برادر عقل یک دم با خود آر دمبدم درتو خزاں است و بہار

(اے بھائی تھوڑی دیر کے لئے ذرا عقل کو درست کر کے دیکھو خود تمہارے اندر دمبدم خزاں و بہار موجود ہے ۱۲) تم کیا اس ظاہری خزاں و بہار کو لئے بیٹھے ہو تمہارے اندر خود خزاں بھی ہے۔ بہار بھی ہے۔ تو واقعی تم کیا اس ظاہری خزاں و بہار کو لئے بیٹھے ہوئے تمہاری شریعت نے وحدت و عزلت نام رکھا ہے۔ عزلت کا لفظ بھی خلوت پر دال نہیں۔ بہرحال کتاب و سنت میں یہ دونوں لقب یعنی وحدت و عزلت مذکور ہیں اور وہ صوفیہ کی اصطلاح میں ہے۔ یعنی لفظ خلوت تو یہ روح ہے اعتکاف کی۔ اور روح اس معنی کو نہیں کہ مجرد عن الجسد (جسم سے مجرد ہو ۱۲) ہو بلکہ اس کا نفخ (پھونکنا ۱۲) مشروط ہے اس جسد خاص یعنی اعتکاف کے ساتھ جو خلوت معتدلہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خلوت بھی ہے جلوت بھی ہے۔ سبحان اللہ کیسی اچھی طرح اعتدال کو ظاہر کر دیا۔ (روح الجورج ۱۶)

صحبت کی برکت

ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہارے پاس امراء آویں تو ان سے

دنیادار سمجھ کر بدخلقی نہ کرو کیونکہ اب وہ دنیادار نہیں ہیں۔ تمہارے پاس جو آئے ہیں تو دیندار ہو کر آئے ہیں۔ اب ان کی تعظیم کرنا دنیادار کی تعظیم کرنا نہیں ہے۔ نعم الامیر علی باب الفقیر اب جب کہ وہ فقیر کے دروازہ پر آ گیا تو اچھا امیر ہے۔ صرف امیر نہیں ہے اس کی تعظیم امیر کی تعظیم نہیں ہے۔ نعم کی تعظیم ہے اب وہ اللہ والا ہو گیا یہ برکت صحبت کی ہے اور یہ وہ چیز ہے کہ اس کے قصد ہی سے یہ برکت ہو گئی کہ نعم کا مصداق ہو گیا گو پہلے کچھ بھی نہ تھا۔ شیخ نے خوب کہا ہے

جمال ہمنشیں درمن اثر کرد   وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ہمنشیں کی صحبت نے مجھ میں اثر کر دیا ورنہ میں وہی مٹی ہوں جو تھی ۱۲)

صحبت وہ چیز ہے کہ جب ہوا چلتی ہے تو کنکر پتھر گیہوں میں پڑ جاتے ہیں اور اس کی صحبت کی وجہ سے گیہوں کے نرخ فروخت ہوتے ہیں۔ بھلا الگ ہو کر تو بکیں اس قیمت پر کوئی دمڑی کو بھی نہیں پوچھے گا۔ پھر وہ کنکر کے کنکر اور پتھر کے پتھر ہو جائیں گے۔

اسی واسطے ناقص کو اپنے شیخ سے جدا ہونا مضر ہے البتہ کامل کو مضر نہیں۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ بالکل جدا ہو جانا مضر ہے اور یہ معنی نہیں کہ ہر وقت بھوت کی طرح اس کے سر ہو جاؤ۔ جیسا کسی ساس نے اپنی آرام طلب بہو سے کہا تھا کہ بیٹی گھر کو لگا کرتے ہیں اس نے کیا کیا کہ بہت سا ماش کا آٹا سانا اور دیوار میں لگا کر اس سے چپک گئی تو کہیں تم بھی ایسا نہ کرنا کہ بھوت کی طرح پیر کو چمٹ جاؤ بلکہ مطلب یہ ہے کہ قطع تعلق مضر ہے۔ تو جس وقت وہ امیر یہاں آیا تو تھوڑی دیر کی صحبت بلکہ عدم صحبت کی برکت سے وہ اللہ والا ہو گیا۔ (روح الجوارح ۱۶)

اشتیاق عارف

اور موحد عارف کو تو عین مصیبت کے وقت اس کی حکمتیں اور اپنی ترقی محسوس ہو جاتی ہے اس لئے وہ تکلیف بھی لذیذ ہو جاتی ہے اور سب سے بڑھ کر مصیبت لوگوں کی نظر میں موت ہے۔ یہ منتہیٰ المصائب ہے کہ وہ تمام مصائب کا انتہائی درجہ ہے اور اسی کے اندیشہ سے آدمی تمام مصائب سے گھبراتا ہے مگر عارف موحد کے نزدیک یہ زہر کا پیالہ بھی شیریں ہے۔ وہ کہتا ہے

خرم آں روز کزیں منزل ویران بروم   راحت جاں طلبم و زپئے جاناں بروم

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے   تا در میکدہ شاداں و غزل خواں بروم

ترجمہ: وہ دن اچھا ہو گا جب میں اس جگہ سے جاؤں گا جہاں سے راحت پا کر جاناں

کی تلاش میں جاؤں گا میں نے نذر مانی ہے کہ اگر یہ غم ختم ہو گیا تو میں میکدے کے دروازے تک ناچتا ہوا جاؤں گا۔ (تقلیل الاختلاط مع الانام فی صورۃ الاعتکاف فی خیر مقدم ج ۱۶)

ضرورت خلوت

ہر سالک کے لئے ایک وقت خلوت کا ہونا ضروری ہے جس میں وہ یکسوئی کے ساتھ ذکر وفکر میں مشغول ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ کون ہوگا۔ آپ نے بھی اپنے لئے ایک وقت خلوت کا مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ آپ رات کو جب سب لوگ سو جاتے تھے اٹھ کر نماز وغیرہ میں مشغول ہوتے تھے حق تعالیٰ نے قیام لیل کی حکمت یہی بتلائی ہے کہ دن میں مشاغل کثیرہ کی وجہ سے یکسوئی کا وقت نہیں مل سکتا۔ اس لئے رات کو اٹھنا چاہیے۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا یعنی رات کے اٹھنے میں نفس پر مشقت بھی زیادہ ہے اور بات بھی اچھی طرح زبان سے نکلتی ہے تجربہ ہے کہ رات کو اٹھنے کے بعد نماز وغیرہ میں زبان سے ذکر وقرآن میں جو بات نکلتی ہے گویا دل سے نکلتی ہے آگے ارشاد ہے کہ دن میں آپ کو بہت شغل ہے اس لئے رات کو اٹھنا چاہیے اور اس وقت خدا کا ذکر کیجئے اور اسی کی طرف یکسو ہو جایئے۔ یہ خلوت شب تو حضورؐ نے عمر بھر اختیار کیا اور نبوت سے پہلے چھ مہینہ تک رات دن آپ خلوت میں رہتے تھے اور غار حرا میں جا کر جو مکہ سے فاصلہ پر ہے تنہا رہتے تھے۔ (تقلیل الاختلاط مع الانام فی صورۃ الاعتکاف فی خیر مقدم ج ۱۶)

حکمت خلوت

حکمت اس میں یہ ہے کہ خلوت میں جمعیت اور یکسوئی ہوتی ہے اور اسی پر مدار ہے تمام مجاہدات کے ثمرات کا اور خلوت میں یکسوئی اس لئے ہوتی ہے کہ پریشانی قلب کے اسباب مختلف ہیں۔ بعض آفاقی ہیں بعض انفسی ہیں یا یوں کہو کہ بعض خارجی ہیں بعض داخلی۔ یعنی بعضے اسباب تو ایسے ہیں کہ اس شخص کے اندر وہ نہیں ہیں بلکہ خارج سے اس کو لاحق ہوتے ہیں اور بعض اسباب ایسے ہیں کہ خود اس کے نفس کے اندر ہیں لیکن منشا ان کا بھی کوئی امر خارجی ہی ہے اور خلوت میں سب قطع ہو جاتے ہیں اور جو نفس میں باقی بھی

رہتے ہیں وہ بھی خارج ہی سے حاصل شدہ ہوتے ہیں۔ دیکھئے مجمع میں جب آدمی ہے تو ہر قسم کی صورتیں اس کو نظر آتی ہیں اور ہر قسم کی باتیں سننے میں آتی ہیں کوئی ناگوار بات معلوم ہوتی ہے کوئی گوارا ہوتی ہے بعض اوقات سخت سخت پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں اور خلوت میں یہ سب کم ہوجاتے ہیں۔ اسی واسطے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بزرگے دیدم اندر کہسارے　　　قناعت کرد از دنیا بغارے
چرا گفتم بشہر اندر نیائی　　　کہ بارے بندے از دل برکشائی
بگفت آنجا پریرو یاں نغز زند　　　چوگل بسیار شد پیلاں بلغزند

ترجمہ: ایک بزرگ کو میں نے پہاڑ میں دیکھا جو دنیا سے ایک غار پر قناعت کئے ہوئے تھے۔ میں نے اس سے کہا شہر میں کیوں نہیں آتے تا کہ بند دل کھول سکو۔ کہا وہاں خوبصورت پری چہرہ لوگ ہیں۔ کیچڑ بہت ہو تو ہاتھی بھی پھسل پڑتے ہیں۔

بڑی بڑی آفتیں اور بڑے بڑے واقعات مجمع میں بیٹھنے سے پیش آجاتے ہیں تو پریشانی کے تمام اسباب خارج ہی سے آتے ہیں۔ (التہذیب ج ۱۶۲)

علوم نبوت کا ثقل

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جس زمانہ میں وہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کی خدمت میں ذکر و شغل کے لئے مقیم تھے اس وقت اور سب حضرات اپنا اپنا حال حضرت حاجی صاحب سے عرض کرتے تھے مگر مولانا کچھ عرض نہ کرتے تھے تو ایک دن حاجی صاحب نے خود فرمایا کہ مولانا سب لوگ اپنی اپنی حالت بیان کرتے ہیں آپ کچھ نہیں کہتے۔ اس پر مولانا نے آبدیدہ ہو کر عرض کیا کہ حضرت میں کیا حال عرض کروں مجھ سے تو وہ کام بھی پورا نہیں ہوتا جو حضرت نے بتلا رکھا ہے۔ بس ذکر کرنے بیٹھتا ہوں ایسا بوجھ طاری ہوتا ہے کہ زبان وقلب دونوں بند ہوجاتے ہیں حضرت کے فیض میں تو کمی نہیں مگر میری کم نصیبی ہے۔

تہیدستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل　　　کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

ترجمہ: قسمت کے بروں کو کامل رہنما سے بھی فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ خضر سکندر کو آب حیات کے چشمہ سے بھی خالی واپس لایا تھا۔

حاجی صاحب نے اس حال کو سنتے ہی فرمایا کہ مولانا مبارک ہو یہ علوم نبوت کا ثقل ہے جو آپ کو

عطا ہونے والے ہیں اور یہ اسی ثقل کا نمونہ ہے جو نزول وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا تھا اس وقت وزبان کا ذکر سے بند ہو جانا غایت قرب کی وجہ سے ہے جس کو شاعر کہتا ہے ۔

سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آ جائے ہے   تھامتا ہوں دل کو پر ہاتھوں سے نکلا جائے ہے

اور جب دل کی یہ حالت ہوتی ہے تو زبان بھی نہیں اٹھتی ۔ اس واقعہ سے حضرت حاجی صاحب کا شیخ ومجتہد اور مجدد فن ہونا ظاہر ہوتا ہے حضرت حاجی صاحب نے یہ تشخیص ایسے وقت فرمائی جبکہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے علوم کا ظہور بھی نہ ہوا تھا بعد میں حاجی صاحب کے ارشاد کی تصدیق ظاہر ہوئی اور اگر حاجی صاحب یہ تشخیص نہ فرماتے تو مولانا تو اس حالت کو بعد ہی سے ناشی سمجھتے رہتے حاجی صاحب ہی کا کام تھا کہ ایسا ایسے جلیل القدر علماء کو سنبھالتے تھے ۔ (اکمال العدۃ ج ۱۶۷)

اولیاء کی ایک جماعت

بعض آیات کو سن کر بعض عشاق کی جان نکل گئی اور اگر کسی نے خود جان دی ہے تو وہ پاگل یا مغلوب الحواس تھے ان کا فعل حجت نہیں گو وہ خود معذور ہوں ان کو اولیاء مستہلکین کہتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو کسی وجہ سے اپنے درجہ سے گر گئے اس لئے غم میں جان دے دی اور بعض وہ ہیں جو ترقی سے رہ گئے ۔ ایک ہی مقام پر ایک ہی مقام پر اٹک گئے اور شطحیات ان سے صادر ہونے لگیں جن کی وجہ سے لوگوں نے قتل کر دیا ۔ منصور بھی اولیاء مستہلکین میں سے تھے ۔ حضرت غوث اعظم قدس اللہ سرہ کا ارشاد ہے کہ منصور کی کسی نے مدد نہ کی اگر میں اس زمانہ میں ہوتا تو میں ان کو اس ورطہ سے نکال دیتا ہمارے حاجی صاحب نے بھی اپنے بعض معاصرین کی نسبت فرمایا ہے کہ وہ ایک مقام پر اٹک گئے اگر میرے پاس آ جائیں تو میں ان کو اس سے نکال دوں ۔ واللہ حاجی صاحب بھی اپنے زمانہ میں عجیب چیز تھے آخر کوئی تو بات تھی جو تمام عالم ان کے کمال کو تسلیم کئے ہوئے ہے ۔ بہر حال جان دینا تو ممنوع ہے البتہ حق تعالیٰ نے تمہاری جان کے بدلہ میں تم سے جانور کی جان مانگی ہے اور جب یہ اس کا بدلہ ہے تو ان شاء اللہ اس میں بھی وہی ثواب ہوگا جو اپنی جان پیش کرنے میں ہوتا ۔ (تکمیل الانعام فی صورۃ ذبح الانعام ج ۱۷)

حج رب البیت

حج رب البیت ہر شخص پر فرض ہے گو حج البیت بھی اس شخص پر فرض نہ ہو کیونکہ حج رب

البیت کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف چلنا اس کی طلب اور دھن میں لگنا سو اس کے لئے کعبہ اور مکہ بھی شرط نہیں اسی کو عارف مسعود بک فرماتے ہیں

؎ اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید معشوق دریں جاست بیائید بیائید

(اے قوم جو نفلی حج کے لئے کعبہ شریف گئے ہو تم کسی اللہ والے سے اپنے نفس کی اصلاح جو فرض عین ہے کرو تو یہاں سے واصل باللہ ہو جاؤ)

مگر قوم بحج رفتہ سے مراد سب حجاج نہیں ہیں۔ بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن پر حج فرض نہیں اور ابھی تک انہوں نے نفس کی اصلاح بھی نہیں کی۔ اور حج کو جانے سے ان کو بعضی دینی مضرتیں پہنچنا بھی محتمل ہے ان کو خطاب فرماتے ہیں کہ تم پر حج تو فرض ہے نہیں اور نفس کی اصلاح فرض ہے تم حج کرنے کہاں چلے تم کو پہلے شیخ کی صحبت میں رہنا چاہیے۔ تمہارا مطلوب یہاں ہے اور جن پر حج فرض ہے ان کو یہ خطاب نہیں ہو سکتا کہ تم حج کرنے مت جاؤ۔ شیخ کے پاس رہو۔ کیونکہ جس پر حج فرض ہے اس کو خدا کا حکم ہے کہ پہلے حج سے فارغ ہو۔ اس کے لئے بدوں حج کے مطلوب حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ ترک حج کے گناہ کی وجہ سے کمال سے رہ جائے گا۔ کمال یہی ہے کہ جس وقت جو حکم ہو اس کو پورا کیا جائے تو جس پر حج فرض ہے اس کو حج ضرور کرنا چاہیے پھر کسی شیخ کی صحبت میں وہاں سے آ کر رہے۔ لیکن حج کے ساتھ جن احکام کا شریعت نے حکم کیا ہے ان کو بجالانا بھی ہر حاجی کے ذمہ فرض ہے۔ پس وہ اگر حج سے پہلے کامل نہیں بن سکتے تو کم از کم فکر اور سعی تو ابھی سے شروع کر دیں۔ اس طریقہ سے امید ہے کہ ان شاء اللہ اجر میں کاملین کی برابر ہو جاویں گے۔ (الحج المبرور ج۱۷)

عظمت حق سبحانہ وتعالیٰ

مشاہدہ مطلق علم باللہ کا نام نہیں کیونکہ فی الجملہ علم تو خدا تعالیٰ کا سب کو حاصل ہے تو پھر سب کو صاحب مشاہدہ کہنا چاہیے بلکہ مشاہدہ اس تعلق علم کا نام ہے جو حق تعالیٰ کی صفات کاملہ کے واسطہ سے ہو پھر یہ نہیں کہ ایک بار تعلق ہو گیا پھر نہ رہا بلکہ اس سے علم کا استحضار بھی مشاہدہ میں شرط ہے اسی کو معرفت کہا جاتا ہے (اور اس کے مقابل عدم معرفت سے بھی یہ مراد نہیں کہ حق تعالیٰ کا بالکل علم نہ ہو کیونکہ اس کا وقوع عالم میں نہیں اور کم از کم مسلمانوں میں تو ہے ہی نہیں بلکہ عدم معرفت سے مراد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا علم بواسطہ صفات کاملہ کے استحضار کے ساتھ نہ ہو ۱۲ جامع)

یہاں سے یہ شبہ زائل ہو گیا کہ جب مشاہدہ قرب علمی کا نام ہے تو جن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا علم حاصل ہے اور ایسے سب ہی مسلمان ہیں ان کو صاحب مشاہدہ کیوں نہیں کہا جاتا جواب یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا ویسا علم حاصل نہیں جیسا ہونا چاہیے۔ اول تو بہت سوں کو اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا علم نہیں اگر ہے تو اجمالاً ہے تفصیلاً نہیں پس ان کے علم کی وہی شان ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ میں نے بادشاہ کو دیکھا تھا اس کے ایک سونڈ تھی اور آنکھیں نہیں تھیں ظاہر ہے کہ جاننے والا یہی کہے گا کہ تو نے بادشاہ کو نہیں دیکھا اور جن لوگوں کو حق تعالیٰ کے صفات کاملہ کا تفصیلی علم بھی ہے جیسے بہت سے علماء ظاہر کی یہ شان ہے تو ان کو اس علم کا استحضار نصیب نہیں اس لئے وہ بھی صاحب مشاہدہ نہیں ہیں۔ پس مشاہدہ کے یہ معنی ہوئے کہ توجہ کرنا حق تعالیٰ کی طرف مرتبہ صفات میں یعنی بواسطہ صفات کے مع استحضار توجہ کے دائماً

اور ایک درجہ حضور کا اس سے آگے ہے اس کو معائنہ کہا جاتا ہے وہ توجہ کرنا ہے ذات حق کی طرف بلاواسطہ صفات کے یہ مطلب نہیں کہ اس شخص کو صفات کا علم نہیں ہوتا۔ صفات کا علم تو ہوتا ہے اور پہلے وہ بھی صفات کے واسطہ سے متوجہ بحق ہوتا ہے لیکن اب اس کی توجہ کے لئے واسطہ صفات کی ضرورت نہیں رہی بلکہ بلاواسطہ ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہے گو یہ توجہ اجمالی ہی ہو مبہم ہی ہو من وجہ ہی ہو لیکن ملتفت الیہ بالذات اس وقت عین ذات ہوتی ہے صفات ملتفت الیہ نہیں ہوتیں اور درجہ مشاہدہ میں ملتفت الیہ بالذات صفات تھیں اور ذات ملتفت الیہ بواسطہ تھی گو مقصود اس وقت بھی توجہ الی الذات ہی ہوتی ہے مگر چونکہ اس شخص کو بلاواسطہ صفات کے ذات کی طرف توجہ نہیں ہوتی اس لئے التفات اولیٰ صفات ہی کی طرف ہوتا ہے پس قصد کے لحاظ سے تو مشاہدہ میں بھی ذات مقصود بالذات ہے اور صفات مقصود بالعرض مگر التفات کے لحاظ سے صفات ملتفت الیہ بالذات ہیں اور ذات ملتفت الیہ بالعرض۔

توضیح کے لئے ایک مثال میں اس فرق کو سمجھئے مثلاً ایک شخص محبوب کے پاس حاضر ہے لیکن محبوب کے اور اس کے درمیان ایک پردہ پڑا ہوا ہے اس وقت مقصود تو اس کو بھی ذات محبوب کی طرف توجہ ہے لیکن حجاب کی وجہ سے یہ عین ذات کی طرف بلاواسطہ توجہ نہیں کر سکتا بلکہ محبوب کی صفات حسن و جمال کو ذہن میں حاضر کر کے لذت لیتا اور ان کو توجہ الی المحبوب کا واسطہ بناتا ہے اور ایک شخص محبوب کے پاس اس طرح حاضر ہے کہ

درمیان میں کوئی حجاب نہیں اس کی توجہ اولاً ذات کی طرف ہوگی گو طبعاً صفات کی طرف بھی التفات ہوگا تو پہلے شخص کا ملتفت الیہ بالذات صفات تھیں اور ذات ملتفت الیہ بالعرض۔ وہ تو صاحب مشاہدہ ہے اور دوسرے شخص کا ملتفت الیہ بالذات عین ذات ہے اور صفات ملتفت الیہ بالعرض یہ صاحب معائنہ ہے باقی قرب دونوں کو حاصل ہے صاحب معائنہ کو بھی اور صاحب مشاہدہ کو بھی گو کیفیت قرب میں تفاوت ہو۔

اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ صاحب معائنہ کے لئے کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔ سب حجابات مرتفع ہو جاتے ہیں نہیں حجاب اس کے لئے بھی باقی ہے۔ لیکن یہ حجاب التفات اولیٰ الی الذات سے مانع نہیں گو یہ التفات اجمالی ہی ہو مبہم ہی ہو مگر اولاً بالذات ذات ہی کی طرف ہے اور صاحب مشاہدہ کے درمیان جو حجابات ہیں وہ ذات کی طرف التفات اولیٰ ہی سے مانع ہیں یہ فرق ہے دونوں میں۔ خوب سمجھ لو۔

اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ معائنہ میں صفات کی نفی نہیں ان کی طرف التفات کی نفی ہے میں یہ مضامین دقیقہ مجمع میں بیان نہ کرتا مگر چونکہ آج کل تصوف کی کتابیں اردو میں بھی ترجمہ ہو گئی ہیں جن کو عوام دیکھتے ہیں اور سمجھتے نہیں جس سے بہت لوگوں کا ایمان غارت ہوتا ہے اس لئے میں نے یہ مضامین بیان کر دیئے کہ اگر کسی کی نظروں سے کتابوں میں یہ مضامین گزرے ہوں اور حقیقت سمجھ میں نہ آئی ہو وہ اس بیان سے حقیقت کو سمجھ لے اور جس کی نظر سے یہ مضامین نہ گزرے ہوں اس کو ان کے سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ (تحصیل المرام فی صورۃ حج بیت الحرام ج ۱۷)

طریق خشوع نماز

انسان کی خاصیت یہ ہے کہ غائب سے دفعۃً اس کا تعلق قوی نہیں ہوتا اب اس تعلق کے قوی کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو حق تعالیٰ خود سامنے ہوں یہ تو دنیا میں دشوار ہے دوسری صورت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ خاص تعلق رکھنے والی کوئی چیز اس کے سامنے ہو جس سے حق تعالیٰ کا خاص تعلق ہو کیونکہ تعلق عام توجہ خاص کیلئے کافی نہیں عاشق محبوب کے شہر میں جاتا ہے تو گو شہر سے بھی محبوب کو تعلق ہے مگر اتنا نہیں جتنا خاص اپنے گھر سے ہے۔ اسی لئے شہر میں جا کر عاشق کی وہ حالت نہیں ہوتی جو خاص گھر کو

دیکھ کر ہوتی ہے۔غرض دلائل سے اس کی ضرورت ثابت ہو گئی کہ کوئی چیز ایسی ہونی چاہیے جس کے ذریعے سے حق تعالیٰ کی یادداشت بڑھ جائے اور اس کی طرف توجہ جم جائے۔شریعت نے اس کا بہت اہتمام کیا ہے۔چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ

یا انس افعل بصرک حیث تسجد (کنز العمال ۲۰۰۰/۹)

یعنی نماز میں نظر ادھر ادھر نہ لے جاؤ بلکہ سجدہ کی جگہ پر نظر رکھو کہ سجدہ کی جگہ پر رحمت کا نزول ہوتا ہے جیسا ابھی آتا ہے اگر صاحب قرب کا مشاہدہ نہیں ہے تو کم از کم مقام قرار ہی کا مشاہدہ کرتے رہو۔اس سے توجہ الی اللہ میں اعانت ہوگی۔

اسی طرح نماز میں فعل عبث سے ممانعت ہے سکون کا امر ہے۔

قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا قام احدکم الی الصلوٰۃ ولا یمسح الحصافان الرحمۃ تواجھہ (سنن ترمذی ۳۷۹)

یعنی کنکریوں کو نماز میں نہ چھوؤ کیونکہ حق تعالیٰ کی رحمت سامنے ہوتی ہے۔اسی طرح نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کی ممانعت فرمائی اور علت اس کی یہ ارشاد فرمائی ہے:

لایزال اللّٰہ عزو جل مقبلاً علی العبد وھو فی صلاتہ مالم یلتفت فاذا التفت انصرف عنہ (شرح السنۃ للبغوی ۲۵۳/۳)

جب بندہ (خدا سے اعراض کر کے) ادھر ادھر متوجہ ہوتا ہے وہ بھی بندہ سے اعراض کرتے ہیں ان روایات میں مقام سجدہ اور جہت قبلہ کی طرف متوجہ رہنے کی کتنی تاکید ہے اب خدا تعالیٰ تو نظر نہیں آتے مگر وہی موقع جو مقام عبادت ہے اس کو خدا تعالیٰ سے خاص تعلق ہے ادھر متوجہ ہونا گویا خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ بواسطہ ہی ہو سکتی ہے غائب کی طرف توجہ بلا واسطہ دائم نہیں رہ سکتی ذرا توجہ کی اور اچٹ گئی اس لئے وسائط کی ضرورت ہے اور ان وسائط کو جس طرح بقاء توجہ میں دخل ہے حدوث توجہ میں بھی دخل ہے کیونکہ ان کو حق تعالیٰ سے تعلق ہے تو ان کی طرف متوجہ ہونے سے حق تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا بھی ہوگی اور متوجہ رہنے سے توجہ الی اللہ دائم بھی رہے گی اور چونکہ اس واسطہ کی تجویز اور طریق استعمال اور اس کے حدود و اصول اور حکمت توسط سب مشروط ہیں اور ورود نص کے ساتھ اس لئے ان وسائط پر دوسرے وسائط مبتدعہ و مخترعہ کو قیاس کرنا جائز نہیں جیسا رسالہ الوسط بین الخلق والحق میں اس کی خوب تحقیق کی گئی ہے منجملہ ان ہی وسائط

کے ایک واسطہ بیت اللہ ہے۔حق تعالیٰ نے انسان کی اس خاصیت کی رعایت کے لئے کہ اس کی توجہ غائب کی طرف بلاواسطہ دائم نہیں رہ سکتی دنیا میں ایک مقام کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا اور اس کو اپنا گھر کہا اور اس میں وہ انوار و برکات رکھے جن کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت صحیح ہوگئی ورنہ خدا تعالیٰ مکان سے منزہ ہے۔

پھر بندوں کو اس کے حج کا حکم دیا اب وہاں جا کر عشاق کی وہی حالت ہوتی ہے جو عاشق مجازی کی محبوب کے گھر کو دیکھ کر ہوتی ہے کیونکہ اس بیت کو بھی حق تعالیٰ سے ایک خاص تعلق ہے لیکن یہ وسائط نفع وضرر کے اعتبار سے کسی درجہ میں مقصود نہیں ہیں۔(تحصیل المرام فی صورۃ حج بیت الحرام ج۱۷)

حقیقت محمدیہ

ایک بات سمجھنے کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ بعضوں کو صوفیہ کی ایک اصلاح سے دھوکہ ہو گیا ہے کہ حضورؐ کے اندر شان قدم کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حقیقت محمدیہ قدیم ہے اس سے دھوکا ہوتا ہے کہ حضورؐ کے اندر شان قدم کی ہے حالانکہ یہ ان کی ایک اصطلاح ہے حقیقت محمدیہ سے مراد وہ علم الٰہی کا ایک مرتبہ لیتے ہیں اور اس کو حضورؐ کی طرف اس لئے نسبت کرتے ہیں کہ یہ شان الٰہی حضورؐ کی مربی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شان الٰہی کے مظہر ہیں۔حقیقت تو اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ایک امر باطن ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ اس شان سے فیضیاب ہوتے ہیں اس لئے اس کو آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

منشا دھوکہ کا یہ ہوا کہ حقیقت کے معنی وہ لے لئے جو منطقیوں نے لئے ہیں حالانکہ ان کی مراد یہ معنی نہیں معقول کی جدا اصطلاح ہے اور تصوف کی علیحدہ اس التباس کی وجہ سے یہ سمجھ گئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیم ہیں۔یادرکھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بجمیع اجزاءِ شریفہ حادث ہیں۔پس عرفی کا یہ شعر قرآن شریف کے بارہ میں تو بہت مناسب ہے۔(التہذیب اسرار حج ج۱۷)

شان اولیاء

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر ہنس کر حضرت مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ہوگئی تھی۔ایک جولاہہ شیخ کا مرید تھا۔مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے

پاس بھی جایا کرتا تھا۔ایک مرتبہ شیخ تھانیسر تشریف لے گئے وہ جولاہہ مولانا کے پاس گیا۔ انہوں نے کہا تمہارے پیرآئے ہیں جو ناچا کرتے ہیں اسے یہ فقرہ بہت ناگوار ہوا۔شیخ سے جا کر کہا کہ فلاں شخص ایسا کہتے تھے۔شیخ کو جلال آ گیا۔فرمایا کہ اب جانا تو کہہ دینا کہ وہ ناچا بھی کرتے ہیں اور نچایا بھی کرتے ہیں۔یہ سنکر بڑا خوش ہوا اور مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور قصداً چھیڑا۔حضرت کیا فرمایا تھا انہوں نے پھر فرمادیا اس نے عرض کیا"

"حضرت! وہ ناچا بھی کرتے ہیں اور نچایا بھی کرتے ہیں۔"

اس فقرہ کا سننا تھا کہ بس کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے۔اب کسی طرح سکون نہیں ہوتا۔حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا کہ خادم کو بھی بیعت کر لیجئے۔چنانچہ مرید ہوئے اور اس مرتبہ کو پہنچے کہ شیخ کے ارشد الخلفاء میں سے ہوئے۔ہمارے سلسلہ کے بزرگوں میں ہیں۔تو شیخ نے تو ذرا سی دیر کے لئے ان کی یہ حالت بنائی تھی اور یہاں پر مدتوں کے لئے یہ حالت بنائی گئی ہے۔یہ تو مکہ تک تھا۔(روح العج والثج ج ۱۷)

شان تربیت

ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ قبض شدید میں مبتلا ہوں جی نہیں لگتا وظیفے بھی بڑھائے نفلیں بھی بڑھائیں لیکن کچھ نفع نہیں ہوا۔انہوں نے مرض کا مرض سے علاج کیا۔جیسے کسی کو شربت نیلوفر پینے سے تو زکام ہوا اس نے اس کے علاج میں پھر شربت نیلوفر ہی پی لیا۔میں بفضلہ سمجھ گیا میں نے کہا وظیفے نفلیں سب یک لخت چھوڑ دو خلوت بھی چھوڑ دو۔ دوستوں سے ملو جلو ہنسو بولو لکھنؤ کے قریب رہتے تھے میں نے کہا لکھنؤ آؤ عیش باغ کی سیر کرو چوک میں پھرو خوب میوے کھاؤ گناہ تو کیجیو مت اور سب طرح کی تفریح کرو۔ ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ جس نے یہ باتیں بتلائی ہیں وہ بڑا اناڑی ہے لیکن اس پر عمل کرنے کے ساتھ ہی ان کا سب قبض رفع ہو گیا اور پھر خوب جوش وخروش اور ذوق وشوق پیدا ہوا۔پھر میں نے کہا کہ بس اب پھر حجرے میں بیٹھئے۔شگفتہ ہو گئے کھل گئے۔باغ و بہار لے کر اندر بیٹھ گئے۔اہل ظاہر نے ہر چیز کا الگ الگ علاج کیا۔توحید میں کسی نے وسوسہ کیا اس کی دلیل بیان کر دی۔قربانی میں وسوسہ کیا اس کی بھی دلیل بیان کر دی۔داڑھی میں

وسوسہ، پانچ وقت کی نماز کے تعین میں وسوسہ۔ ہر ہر حکم میں وسوسہ۔ سب کی دلیل بیان کر دی۔ مولانا سمجھے شفا ہو گئی۔ لیکن جب وہ پھر یاران طریقت کے جلسے میں پہنچا وہاں پھر ایک شبہ پیدا ہو گیا مولانا کا ذخیرہ سب ایک دم سے ختم ہو گیا سب مقدمات میں شبہ پڑ گیا۔

حضرت محی الدین بن عربی نے امام رازیؒ کو ایک خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم ایک روز بیٹھے رو رہے تھے۔ کسی نے سبب پوچھا تو تم نے کہا کہ ایک مسئلہ فلسفہ کا میں تیس برس سے محقق سمجھے ہوئے تھا۔ آج اس کے ایک مقدمہ میں شبہ پڑ گیا۔ میں اس لئے رو رہا ہوں کہ تیس برس تک جہل میں مبتلا رہا اور اب بھی جو کچھ علم ہے اس کی بابت یقین نہیں کہ یہ صحیح ہے سو تم نے دیکھا اپنے علم کو ہمارے علم میں قیامت تک بھی کوئی شبہ نہیں پڑ سکتا۔ اس کو حاصل کرو امام نے پھر تصوف کی طرف توجہ کی۔ حضرت نجم الدینؒ سے بیعت ہوئے شغل شروع کیا۔ اس میں کوئی چیز اپنے اندر سے انہیں سرسر نکلتی ہوئی معلوم ہوئی شیخ سے عرض کیا انہوں نے کہا فلسفہ نکل رہا ہے۔ انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ اتنے دن کی حاصل کی ہوئی چیز ہاتھ سے جاتی رہے بولے نا صاحب میں یہ نہیں چاہتا کہ میرا فلسفہ نکل جاوے۔ یہ کہہ کر وہاں سے چلے آئے۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں کی صحبت نے یہ اثر کیا کہ وہ حقیقت کو اجمالاً سمجھ کر کہتے ہیں

؎ نهاية اقدام العقول عقال وغاية سعى العالمين ضلال

(تمام عقلوں کے قدموں کی انتہا عقال کی طرف ہوئی تمام دنیا والوں کی کوشش کا خلاصہ ضلال ثابت ہوا)

ولم نستقدمن بحثنا طول عمرنا ای ان جمعنا فیه قیل بقال

(ساری عمر بجز بک بک اور قیل وقال کے کچھ حاصل نہ ہوا۔ عمر یونہی ضائع کی۔

حضرت مرتے وقت آپ کو علوم حقیقہ اور لفظیہ کی حقیقت معلوم ہوئی ہوگی مرتے وقت تو یہ معلوم ہی ہوگی یہیں معلوم ہو جاتی ہے۔ اھل اللہ کو کوئی شبہ ہی نہیں ہوتا یا نہیں رہتا بخلاف اہل قال کے۔ وجہ فرق یہ ہے کہ وہ ہر شبہ کا الگ الگ جواب نہیں دیتے۔ (روح الارواح ج ۱۷)

حسب موقع علاج

ایک ایسے ہی شاہ صاحب ہمارے دروازے پر پہنچے اور صدا لگائی اندر سے کچھ آٹا بھیجا گیا لیکن آٹا بھلا وہاں کیا قبول ہوتا لمبی چوڑی فرمائشیں شروع کیں۔ میں اوپر تفسیر

لکھ رہا تھا۔ دیر تک جھک جھک چق چق ہوتی رہی۔ میرا جی گھبرایا بالآخر خود مجھے نیچے آنا پڑا دیکھا تو ایک نہایت وجیہ شخص ہیں۔ بڑا چوغہ زیب تن کئے ہوئے لنگی باندھے ہوئے۔ بڑا سا عمامہ باندھے تسبیحیں بہت سی گلے میں ڈالے ہوئے عصا ہاتھ میں لئے جیسے کوئی شیخ المشائخ۔ میں نے کہا شاہ صاحب کیا تکرار ہے کہا ہم نقد لیں گے ہم آٹا نہیں لیتے۔ میں نے کہا شاہ صاحب جس کو جو توفیق ہو۔ وہی لے لینا چاہیے ہمیں آٹے کی توفیق ہوئی اسی کو قبول فرما لیا جاوے۔ میرے پاس کوئی عبا نہیں ہوتی۔ قبا نہیں ہوتی۔ سادہ کرتہ پاجامہ پہنتا ہوں۔ مجھے انہوں نے دھمکانا شروع کیا اور بڑے زور میں آ کر پڑھا

؎ ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی ست — شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

(ہر شخص کو خالی تصور نہ کرو شاید کہ کشف و کرامت اور محبت الٰہی سے لبریز خدا رسیدہ اور قطب و ابدال ہو)

میں نے کہا کہ جناب آپ کو بھی تو یہی خیال کرنا چاہیے کہ

؎ ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی ست — شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

(ہر شخص کو خالی گماں نہ کرو شاید کشف و کرامت اور محبت الٰہی سے لبریز خدا رسیدہ اور قطب و ابدال ہو)

پھر تو شاہ صاحب بڑے چکرائے اور سمجھے کہ یہ تو طالب علم نکلا۔ اس سے بے ڈھب پالا پڑا۔ پھر میں نے سختی کے ساتھ کہا کہ آپ کی عقل ماری گئی ہے آپ نے میری نرمی کی قدر نہ کی اب یا تو سیدھی طرح سے اپنا راستہ لیجئے ورنہ میں کان پکڑ کر باہر کر دوں گا بس پھر دم بھی نہیں مارا چپکے چلے گئے۔ ایسوں کا یہی علاج ہے۔

شاہجہاں پور میں ایک بنا ہوا فقیر آ پہنچا پٹھانوں کے پاس آ کر کہا کہ میں یہاں قطب ہو کر آیا ہوں۔ مجھ پر ایمان لاؤ۔ پٹھان بیچارے سیدھے سادھے ہوتے ہیں انہوں نے کہا اچھا بھائی تم قطب سہی ایک پٹھان بڑے چلتے ہوئے تھے ان کے پاس بھی جا کر یہی کہا کہ میں یہاں قطب ہو کر آیا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں آپ قطب ہوں گے لیکن میں تصدیق نہیں کر سکتا کیونکہ آپ سے پہلے میں یہاں کا قطب تھا۔ میرے پاس آپ کے قطب ہونے کی اطلاع نہیں پہنچی بلا اطلاع میں آپ کو چارج نہیں دے سکتا۔ یا تو آپ اپنی تقرری کی چٹھی میرے پاس بھجوائیے ورنہ میں سمجھوں گا کہ آپ باغی ہیں اور شہر سے پٹوا کر نکلوا دوں گا۔

غرض انہوں نے ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ اس کو پیچھا چھڑانا مشکل پڑ گیا۔ اور سوچا کہ بھائی یہاں دال نہیں گلے گی۔ اور دوسرے ہی دن غائب ہو گئے۔ اس خوف سے کہ کہیں پیٹا نہ جاؤں ساری قطبیت ختم ہو گئی۔ (روح الارواح ج ۱۷)

اولیاء کی شان

حضرت غوثؒ پاک فرماتے ہیں کہ اگر منصور میرے زمانہ میں ہوتا تو میں اس کو بچا لیتا۔ شیخ عبدالحقؒ ہمارے سلسلہ کے بزرگ فرماتے ہیں کہ۔ ''منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد ایں جا مرداںند کہ دریاہا فرو برند و آروغ نہ زنند'' (یعنی منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ سے جوش وخروش میں آ گیا۔ یہاں مرد ہیں کہ دریا کے دریا چڑھا جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے) حالانکہ شیخ اس قدر مغلوب تھے کہ چالیس برس یا کم وبیش ردولی کی مسجد میں پانچ وقت نماز پڑھی لیکن راستہ نہیں یاد ہوا۔ بختیار خادم آگے آگے حق حق کہتے جاتے تھے اس آواز پر چلتے تھے۔ رستہ کی خبر نہیں مگر باوجود اس کے اس قدر سنبھلے ہوئے ہیں کہ فرماتے ہیں کہ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد ایں جا مرداںند کہ دریاہا فرو برند و آروغ نہ زنند (منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ سے جوش وخروش میں آ گیا یہاں مرد ہیں کہ دریا کے دریا چڑھا جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے) کبھی شریعت کے خلاف نہیں کیا۔

بارہ برس حضرت مخدوم صابر مراقبہ ہو میں مدہوش رہے۔ لیکن ایک وقت کی نماز قضا نہیں ہوئی جہاں کان میں اذان دی گئی بس آنکھیں کھول دیں۔ پانی تیار رہتا تھا۔ وضو کر کے نماز پڑھ کر پھر بے ہوش۔ بارہ برس تک یہی حال رہا۔

ان کے پیر یعنی شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ نے ڈوم کو خیریت دریافت کرنے کے لئے بھیجا جس وقت پہنچا افاقہ کا وقت تھا۔ بس اتنا دریافت فرمایا کہ پیر اچھے ہیں اور پھر چپ آپ کی یہ حالت تھی کہ بارہ برس تک گولر کھائے اس روز فرمایا کہ پیر کا بھیجا ہوا ڈوم ہے آج نمک ڈال دینا پیر کا مہمان ہے۔ یہاں سے وہ ڈوم دہلی پہنچا۔

حضرت سلطان جی بھی حضرت شیخ کے مرید تھے۔ یہاں شاہی دربار تھا چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ وزیر شاہی حاضر خدمت تھا کھانے کا وقت آ گیا۔ وزیر نے خیال کیا کہ مچھلی کے کباب ہوں تو اچھا ہے جب خادموں نے کھانا لانے کے لئے اجازت چاہی

تو فرمایا ذرا ٹھہرو جب کچھ دیر ہوگئی تو پھر آ کر عرض کیا کہ حضرت کھانا بے لطف ہوا جاتا ہے آپ نے فرمایا کہ ذرا ٹھہرو تھوڑی دیر بعد ایک شخص سر پر خوان رکھے ہوئے آیا اور عرض کیا کہ فلاں صاحب نے مچھلی کے کباب بھیجے ہیں۔ سلطان جی نے حکم دیا کہ اب کھانا لایا جاوے۔ اب وزیر صاحب چونکے دستر خوان لگایا گیا وزیر کو خیال ہوا کہ مچھلی کے کباب اتفاقاً آ گئے ہیں سلطان جی نے خادم سے کہا کہ مچھلی کے کباب آپ کے سامنے زیادہ رکھنا۔ آپ کو زیادہ شوق ہے وزیر کو پھر بھی خیال ہوا کہ اتفاقی بات ہے۔ تب حضرت سلطان جی نے فرمایا کہ جناب وزیر صاحب فرمائش کا تو مضائقہ نہیں لیکن ذرا وقت گنجائش دیکھ کر ہونا چاہیے۔ عین وقت پر فرمائش کرنا تکلیف دینا ہے۔ ویسے مہمان کو حق ہے فرمائش کرنے کا۔ وزیر اب سمجھے کہ یہ میرے خطرہ کا جواب تھا۔

حضرت سلطان جی کو وزیر کی خواہش کا کشف ہوا آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ بادشاہ یہ لوگ ہیں۔ اور یہ حضرت اللہ میاں ہی سے کہتے ہیں جب کہتے ہیں جیسے کسی رئیسہ کا بچہ ہو کہ سارا حشم خدم اس کا فرمانبردار ہے لیکن جب اسے کسی چیز کی خواہش ہوگی تو اپنی ماں ہی سے مانگے گا کہ اماں یہ لوں گا۔ اماں چاہے جس کو حکم دے کر اسے دلوا دے۔ حضرت سلطان جی نے بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی سے عرض کیا کہ کباب دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک ادنیٰ پیادہ کو حکم دیا کہ لیجاؤ ہمارے محبوب کے سامنے۔

غرض یہاں یہ سامان تھا۔ جب پیر کا ڈوم قریب پہنچا تو حشم وخدم سے اس کا استقبال کرایا اور خوب خوب کھانے کھلائے۔ چلتے وقت انعام واکرام بھی دیا۔ ڈوم نے واپس ہو کر حضرت شیخؒ سے سلطان جی کی بڑی تعریف کی اور حضرت مخدوم کے بارہ میں کہا کہ وہ بڑے روکھے ہیں۔ مجھے تو کیا تمہیں بھی نہیں پوچھا۔ بس اتنا دریافت کیا کہ پیر اچھے ہیں۔ یہ سن کر حضرت فریدؒ رقص کرنے لگے کہ الحمدللہ میں ابھی تک انہیں یاد ہوں۔ ورنہ مجھے کچھ بھی نسبت نہیں رہی ہے ان کے مقام سے مگر مجھے اب تک یاد رکھتے ہیں۔

اگر ایسی جامعیت وضبط مطلوب ہے تو کسی متبع سنت شیخ کامل کا دامن پکڑنا چاہیے اور بہت ہی سنبھال کر قدم رکھنا چاہیے نیز شیخ کے تجویز کرنے میں بھی عجلت نہیں چاہیے۔ پہچان میں نہایت جانچ کی ضرورت ہے پس شیخ بنانے کے قابل وہ شخص ہے جو غلطیوں کا پکڑنے والا ہو یہ نہیں کہ ناتمام سا قال وحال دیکھ لیا اور پھنس گئے۔

؎ نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند　　　نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

(جوشخص بھی چہرہ کو برافروختہ کرے لازم نہیں کہ دلبری جانتا ہو جیسے جوشخص بھی آئینہ بناتا ہو لازم نہیں کہ سکندری بھی جانتا ہو یعنی جس نے کاملین کی وضع اختیار کی ضرور نہیں کہ کامل بھی ہو۔ خوب کہا ہے

؎ شاہد آں نیست کہ موئے ومیانے دارد　　　بندۂ طلعت آں باش کہ آنے دارد

محبوب وہ نہیں کہ جس کے بال عمدہ کمر پتلی ہو بلکہ محبوبیت اس کی آن اور ادا میں ہوتی ہے جو محبوب اور دل کش ہوتی ہے) (روح الارواح ج ۱۷)

اہل سلوک کی اصلاح

بعض اہل سلوک کو ایک دقیق غلطی ہوگئی۔ وہ غلطی اگر واقع نہ ہوتی تو ضرورت بیان کی بھی نہ تھی وہ یہ ہے کہ گناہ کے ترک کرنے کی تدابیر میں سے ایک یہ تدبیر انہوں نے تجویز کی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شیطان نے ان کو سکھلائی ہے اس لیے کہ یہ شیطان بہت پڑھا ہوا ہے ہر شخص کو اس کے طریق کے موافق بہکاتا ہے اور ایسی غامض اور گہری چالوں سے بری بات کو دل میں ڈالتا ہے کہ بظاہر وہ مصلحت جو معلوم ہونے لگتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی سالک گناہ میں مبتلا ہوتا ہے اور وہ اس سے دل تنگ ہوتا ہے اور اگر نفس کو روکتا ہے تو اور زیادہ ہیجان بڑھتا ہے تو اس وقت شیطان یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ تمام پریشانی تم کو اس لیے ہے کہ اس گناہ میں جو لذت ہے اس کو تم نے نہیں چکھا اس لیے بار بار اس کا اشتیاق ہوتا ہے اور اگر خوب سیر ہو کر اس گناہ کو کرلو تو پھر اس کی سب خواہش نکل جائے گی اور دل ہلکا ہو جائے گا پھر اس گناہ کی طرف رغبت نہ رہے گی۔ مثلاً زنا کرنے یا شراب پینے کو جی چاہا تو شیطان بہکاتا ہے کہ ایک دفعہ خوب پیٹ بھر کر کرلو تو ارمان نکل جائے گا اور ہوس ختم ہو جائے گی پھر خواہش گناہ کی نہ ہوگی اور توبہ خالص ہو جائے گی۔ پس دیکھئے کہ یہ کتنا بڑا دھوکہ ہے کہ گناہ کراتا ہے، گناہ کے ترک کے لیے تو چونکہ اکثر مقدمہ امر محمود کا محمود ہوتا ہے اس لیے وہ گناہ اس کی نظر میں بہت خفیف ہو جاتا ہے کہ گویا وہ اچھی نیت سے ہوتا ہے اول تو انسان ہے ہی ضعیف العقل کہ مصلحت غیر واقعیہ کو بھی واقعیہ سمجھتا ہے۔ چہ جائیکہ کوئی امر مصلحت واقعیہ کا رنگ لیے ہوئے بھی ہو ایسے مقام پر تو ضرور اس کو لغزش ہو جائے گی۔ پس معلوم ہوا کہ جو عام لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں وہ تو ہیں ہی بعض اچھے لوگوں پر بھی شیطان کا

داؤ چل جاتا ہے کہ شیطان ان کو اس طور سے قابو میں کرتا ہے کہ اگر یہ گناہ نہ کرو گے تو تمام عمر نزلہ سا بہتا رہے گا۔ ایک دفعہ جی بھر کر کرلو پھر توبہ کر کے بے فکر ہو جائیں گے۔ ایک مولوی صاحب مجھ کو ملے کہ وہ گناہ میں مبتلا تھے' خیر گناہ تو انسان سے ہوتا ہی ہے لیکن زیادہ افسوسناک امر یہ تھا کہ انہوں نے مجھ سے بھی پوچھا کہ اگر اس نیت سے گناہ کرلیں تو کیا حرج ہے میں نے کہا کہ توبہ کرو توبہ کرو اور میں نے ان کو سمجھایا کہ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے گناہ کیا جاتا ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ حرام چیزوں پر بسم اللہ کہے تو کافر ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس نے شریعت کا مقابلہ کیا' مسئلہ مجوثہ میں یہ تو نہ کہوں گا کہ کفر ہے لیکن ہاں اشد درجہ کا گناہ قریب بہ کفر اور بڑی شدید غلطی ہے جب ان کی سمجھ میں آیا اور توبہ کی اس روز سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اس غلطی میں مبتلا ہیں اور کاوش کی جائے گی تو ممکن ہے کہ اس غلطی میں ابتلاء اکثر لوگوں کو ہو۔ یہ ہے وہ مضمون اور غلطی جس کا رفع میں اس آیت سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ (ترجیح المفسدہ علی المصلحہ ج ۱۸)

کشف سے دھوکہ

بعض اہل کشف کو ایک سخت دھوکہ ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی گناہ کی نسبت یہ منکشف ہو جائے کہ یہ میری قسمت میں لکھا ہے تو اس کو جلدی سے کر لینا چاہیے اس کا غلط ہونا بھی اسی تقریر سے واضح ہو گیا اس لیے پہلی صورت میں تو ایک مصلحت بھی تھی اور یہاں تو کوئی مصلحت بھی نہیں۔ رہا کشف تو اول کشف ہمیشہ صحیح نہیں ہوتا اور اگر صحیح بھی ہو تو جب یہ مکشوف ہوا تھا کہ میری تقدیر میں یہ گناہ ہے آخر یہ بھی قطعی وحی کے ذریعے سے مکشوف ہو چکا ہے کہ اس سے گناہ ہوگا اور ندامت اور توبہ واجب ہوگی۔ پھر اس کے کیا معنی کہ جلدی کرنی چاہیے نیز یہ بھی وحی کے ذریعے سے پہلے سے مکشوف کرا دیا گیا ہے کہ باوجود اس کشف صدور کے' رکنے کی کوشش کرنا فرض ہے گو ناکامی ہی ہو۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید   یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

(ہاتھ طلب سے کوتاہ نہ کروں گا جب تک کہ میرا مقصد حاصل نہ ہو جائے وہ مقصد یہ ہے کہ یا تو تن محبوب کے پاس پہنچ جائے یا جان تن سے نکل جائے)

(ترجیح المفسدہ علی المصلحہ ج ۱۸)

حضرت حاجی صاحب قبلہ قدس سرہ کی بدولت حل ہوا۔ وہ یہ ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ جیسے جاہ عندالخلق مذموم ہے محققین کے نزدیک جاہ عندالحق بھی اسی درجے میں ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ جیسے نیک کام اس لیے کرنا کہ میں خلق کے نزدیک بزرگ اور بڑا بن جاؤں یہ برا ہے۔ اسی طرح اطاعت اس لیے اختیار کرنا کہ میں خالق کی نظر میں صاحب جاہ بنوں یہ بھی اہل بصیرت کے نزدیک امر منکر ہے' برا ہے اس لیے کہ کبریائی تو خاصہ خاص باری تعالیٰ کا ہے حق تعالیٰ کے ہوتے ہوئے جاہ کے کسی مرتبے کی بھی ہوس زیبا نہیں۔

وساوس کا علاج

ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ میں من جملہ دیگر کمالات کے یہ بھی ایک خاص بات دیکھی کہ جیسی حسن تربیت خاص حضرت اور حضرت کے لوگوں میں تھی ساری دنیا میں نہیں دیکھی' مشائخ اطراف کی جانب بھی میں نے رجوع کر کے دیکھا ہے لیکن سوائے وظیفوں اور تسبیح گھوٹنے کے کچھ نہ پایا اور ان حضرات کے یہاں ظاہر میں چند باتیں اور مختصر جملے ہیں مگر ان باتوں کی قدر وہ جانتا ہے جو کسی بلا میں مبتلا ہو۔ میں خود اپنا قصہ بیان کرتا ہوں: کہ مجھ کو وساوس کا غلبہ ہوا اور ایک سخت حالت واقع ہوئی۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا' فرمایا: کہ اس کا علاج یہ ہے کہ التفات نہ کرو' ظاہر میں تو ایک مختصر سی بات ہے لیکن اس کا نفع اس سے پوچھئے جو اس مصیبت میں مبتلا ہو چکا ہو۔ اگر کسی اور بزرگ سے رجوع کیا جاتا تو کوئی وظیفہ بتلا دیتے۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ حدیث میں وساوس کے لیے تعوذ آیا ہے اور یہ وظیفہ ہے۔ بات یہ ہے کہ اعوذ بھی دافع وساوس اسی واسطے ہے کہ نفس کو ذکر کی طرف التفات ہوگا اور اس طرف سے توجہ ہٹ جاوے گی۔ چنانچہ اس حدیث میں بھی "فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ" (پس اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ) کے بعد "وَلْيَنْتَهِ" آیا ہے اور حضرت کے فرمانے کا حاصل بھی یہی ہے۔ خطرات و وساوس کی مثال تار بجلی کی سی ہے کہ اس کو ذرا ہاتھ لگاؤ پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ ایسے ہی وساوس ہیں کہ مستقلاً دفع کرنے سے یہ رفع نہیں ہوتے اور نہ وظیفہ پڑھنے سے دفع ہوں گے۔ ان کا علاج بس یہی ہے کہ ان کی کچھ پروا نہ کرے۔ اس طرح خود ہی چھوٹ جائیں گے۔ چنانچہ میں نے اس تدبیر پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی۔ (البناح ج۱۸)

ایک تائب چور کی حکایت

ایک چور کسی بزرگ سے بیعت ہو گیا اور چوری سے توبہ کی اور خانقاہ میں رہنا شروع کیا۔ جب رات ہوتی تو چوری کا جوش ہوتا مگر عہد یاد آتا تو طبیعت کو روکتا' آخر جب طبیعت جہت بے چین ہوتی تو اٹھتا اور تمام لوگوں کے جوتے اِدھر سے اُدھر' اُدھر سے اِدھر کر دیتا اور پھر سو جاتا' تمام لوگ سخت پریشان ہوتے' آخر ایک دن لوگوں نے ان کو دیکھ لیا اور پکڑ کر پیر صاحب کے پاس لے گئے۔ پیر صاحب نے پوچھا کہ بھائی یہ کیا حرکت ہے تو نے تو توبہ کر لی تھی کہنے لگا جناب میں نے چوری سے توبہ کر لی ہے ہیرا پھیری سے نہیں کی۔ بات یہ ہے کہ میں رئیس السارقین ہوں پچاس برس کی بری عادت ہے ہر روز رات کو قلب میں تقاضا پیدا ہوتا ہے مگر چونکہ آپ سے عہد کیا ہے اس لیے روکتا ہوں' جب تقاضے سے مجبور ہوتا ہوں تو نفس کو اس پر راضی کرتا ہوں کہ لوگوں کے جوتے اِدھر سے اُدھر کر دوں گا یہ بھی ایک قسم کی چوری ہے اب آپ کو اختیار ہے اگر آپ اس کو چھڑائیں گے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ میں پھر چوری کرنے لگوں گا' پیر صاحب نے کہا کہ اچھا تم کو ہیرا پھیری کی اجازت ہے۔ تو جس چیز کا ملکہ ہوتا ہے وہ ضرور بار بار عود کرتا ہے۔ (تیسر الاصلاح ج ۱۸)

اخلاق حسنہ وذمیمہ

ایں خورد گردد پلیدی زوجدا　　　واں خورد گردد ہمہ نور خدا

(یہ جو کچھ کھاتا ہے سب پلیدگی اور گندگی ہو جاتا ہے اور اللہ سے جدا ہو جاتا ہے اور وہ جو کچھ کھاتے ہیں' سب خدا کا نور بنتا ہے)

کہ ایک کھاتا ہے تو اس سے پلیدی نکلتی ہے دوسرا کھاتا ہے تو اس سے نور خدا نکلتا ہے)

میں جب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مثنوی پڑھا کرتا تھا تو اس شعر میں مجھے خیال ہوا کہ یہ فرق محض شاعرانہ طور پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرما دیا ہے کیونکہ واقعی فرق تو اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب اہل اللہ کے پیٹ سے فضلہ نہ نکلتا جب سبق شروع ہوا تو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا کہ پلیدی سے مراد اخلاق ذمیمہ ہیں اور نور خدا سے مراد اخلاق حسنہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اہل اللہ کھاتے ہیں تو ان کو اخلاق حمیدہ

میں مدد ملتی ہے اور دوسرے لوگ کھاتے ہیں تو ان کو اخلاق ذمیمہ میں مدد ملتی ہے تو باوجود اس فرق عظیم کے کفار نے نہ سمجھا اور انبیاء علیہم السلام کو اپنی مثل کہا کیونکہ ان میں کوئی انوکھی بات نہ تھی، کھانا بھی کھاتے تھے پانی بھی پیتے تھے۔ (تفاضل الاعمال ج ۱۸)

مراقبہ کا طریقہ اور نفع

مراقبہ کا سہل طریقہ یہ ہے کہ زمین پر چلتے ہوئے یہ سوچو کہ اس وقت ہم اوپر چل رہے ہیں اور عنقریب زمین کے نیچے اتریں گے۔ موت کا خیال بھی نہ ہو تو صرف اتنا ہی سوچ لینا بھی کافی ہے۔ پھر اس سے یہ سوچ پیدا ہوگی کہ جب ہم کو زیر زمین جانا ہے تو اس وقت کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ اس وقت اعمال ہی کام دیں گے اور کوئی چیز ساتھ نہ جائے گی۔

صاحبو! یہ بات تو ذرا سی ہے مگر اس پر عمل کر کے دیکھو چند دن میں حالت بدل جائے گی دوا کا نفع نام بتانے سے نہیں ہوا کرتا استعمال کرنے سے ہوتا ہے آپ اس پر عمل کیجئے نفع خود معلوم ہوگا کہ کام تین قسم کے ہیں ایک وہ جو زیر زمین نافع ہیں دوسرے وہ جو مضر ہیں تیسرے وہ جو نہ نافع ہیں نہ مضر ہیں جو مضر ہیں ان کو تو فوراً چھوڑ دو گے۔ رہے وہ جو نہ نافع ہیں نہ مضر ہیں وہ بھی قابل ترک ہیں کیونکہ آدمی جب اپنے گھر میں آتا ہے تو ترکاری دال گوشت آٹا اناج وغیرہ لے کر داخل ہوتا ہے جو معاش کے لیے ضروری اور مفید ہیں سانپ بچھو لے کر گھر میں کوئی نہیں گھستا جو کہ مضر ہیں اور جیسے سانپ بچھو لے کر گھر میں نہیں آتے اسی طرح ڈلے پتھر لے کر بھی نہیں گھستے۔ آخر کیوں محض اس واسطے کہ فضول ہیں ان میں نفع کیا اور جو کوئی ڈلے پتھر لائے بھی تو بیوی سے بحث ہوگی وہ کہے گی کہ ان چیزوں کا گھر میں کیا کام تھا؟ آپ کہیں گے کہ ضرر بھی تو کچھ نہیں اس پر وہ آپ کو بیوقوف بنائے گی کہ میاں پھر ساری بستی کا کوڑا گھر ہی لا کر جمع کر دو کیونکہ اس میں فائدہ نہیں تو ضرر بھی کچھ نہیں غرض بیوی سے خوب بحث ہوگی اور انشاء اللہ وہی جیتے گی تو جب دنیا کے گھر میں تم فضولیات جمع نہیں کرتے، گو مضر بھی نہ ہو تو آخرت میں فضول اعمال کیوں لے جاتے ہو بس وہی کام کرو جو آخرت کے لیے ضروری اور مفید ہوں اور جو مضر یا فضول ہوں ان سب کو چھوڑ دو۔ صاحبو! اس مراقبہ کا نافع ہونا تجربہ میں آ گیا ہے۔ اول یہ مضمون بے ساختہ میرے قلب میں آیا تھا اس وقت کسی آیت سے استنباط کر کے میں نے اس کو نہ سوچا تھا بلکہ ویسے ہی گھر جا رہا تھا کہ دفعتہً چلتے

ہوئے خیال آیا کہ اس وقت تو ہم زمین کے اوپر چل رہے ہیں اور ایک دن اس کے اندر ہوں گے اس خیال کے آتے ہی حالت بدل گئی اور قلب پر خاص اثر ہوا اور کئی دن تک اس کا غلبہ رہا پھر آیات قرآنیہ میں بھی اس کی تعلیم نظر آئی اور میری عادت ہے کہ جو مضمون مجھے نافع معلوم ہوتا ہے جی چاہا کرتا ہے کہ اپنے بھائیوں کو اس سے مطلع کر دوں کیونکہ مثل مشہور ہے:

کہ حلوئی بہ تنہانہ بایست خورد (حلوہ اکیلا نہ کھانا چاہیے)

اس لیے میں نے یہ مضمون بیان کیا (مراقبۃ الارض ج ۱۸)

نگاہ کی خرابی

گناہوں میں سے بڑا بھاری گناہ جس کو لوگ ہلکا سمجھتے ہیں نظر کا گناہ ہے اور بھاری میں نے اس کو باعتبار آثار کے کہا اس کی ایسی مثال ہے جیسے گھڑی کے اندر بال کمانی ہوتی ہے کہ دیکھنے میں تو چھوٹی سی شے ہے لیکن سارا چرخہ گھڑی کا اسی پر چلتا ہے۔ اسی طرح آنکھوں سے جو شعاعیں نکلتی ہیں وہ بال کمانی سے بھی زیادہ باریک ہیں لیکن قلب جو سلطان جسم ہے اسی پر چلتا ہے پھر قلب پر تمام چرخہ جسم کا حرکت کرتا ہے۔ یہ آنکھیں تمام امراض کی جڑ ہیں اور اسی کو لوگ ہلکا سمجھتے ہیں' عام عادت ہوگئی ہے مطلقاً اس سے پرہیز نہیں جس کو چاہا گھور لیا جس کو چاہا تاک لیا' اصل گناہ زنا اور لواطت بھی اسی سے پیدا ہوتا ہے اگر کوئی کہے کہ نگاہ پر مدار ہوتا ہے تو اندھے زنا نہ کیا کرتے۔ صاحبو! اندھے بھی اسی کی بدولت مبتلا ہوتے ہیں آواز سن کر تصور کرتے ہیں کہ یہ لڑکا یا عورت خوبصورت ہوگا تو ان کے دل میں بھی یہی تصور اول ہوتا ہے۔ (التھذیب ج ۱۸)

مردوں کی فضیلت

سنت الٰہیہ یہی رہی کہ عورت نبی نہیں ہوئی۔ یوں قدرت ظاہر کرنے کے لیے کسی عورت کو نبی بنا دیا ہو وہ دوسری بات ہے لیکن نبوت کے متعلق جو کام ہیں وہ کسی عورت سے نہیں لیے گئے اور نہ عورت سے ہو سکتے ہیں ان کو مرد ہی کر سکتے ہیں۔

اسی سنت پر حضرات مشائخ نے عمل کیا ہے کہ مردوں ہی کو خلیفہ بنایا ہے' عورت اگرچہ صاحب نسبت اور قابلیت اس کی رکھتی ہو لیکن اس کو خلافت کسی نے نہیں دی اور اسی میں مصلحت ہے گو اس زمانہ میں لوگ اس فکر میں ہیں کہ عورتوں کو مردوں کے برابر سمجھا جائے

اور جہاں اس پر عمل شروع ہو گیا ہے وہ خود اس سے پریشان ہیں اس کے بعد سمجھنا چاہیے کہ عورتیں جن مصالح کے لیے پیدا کی گئی ہیں وہ مصالح پردہ میں بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ اکتساب کمالات کا زمانہ بچپن کا ہے۔ پس اگر لڑکوں کو پردہ میں رکھا جائے تو کمالات مختصہ بالرجال سے وہ محروم رہیں گے اور یہ سبب ہوگا اخلال تمدن و مصالح ضروریہ کا اس لیے ان کو تو اجازت آزاد پھرنے کی دی گئی اور عورتیں جن مصالح کے لیے موضوع ہوئی ہیں وہ پردہ میں رہ کر بھی حاصل ہو سکتے تھے بلکہ پردہ میں رہ کر خوبی کے ساتھ ان کی تحصیل ہو سکتی تھی اس لیے ان کو یہ آزادی نہیں دی گئی۔ (التھذیب ج ۱۸)

نصیحت پر عمل نہ کرنے کا وبال

ایک بزرگ کی خدمت میں چند آدمی جو سفر کرنے والے تھے ملنے اور رخصت ہونے آئے جب وہ جانے لگے تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم کو کچھ وصیت کیجئے۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ ہاتھی کا گوشت مت کھانا انہوں نے عرض کیا حضرت ہم کو تو ہاتھی کے گوشت کھانے کا خطرہ بھی نہیں گزرتا یہ آپ نے کیوں فرمایا فرمایا کہ میرے منہ سے اس وقت ایسا ہی نکلا واللہ اعلم۔ کیا وجہ ہے وہ لوگ رخصت ہو گئے اتفاقاً راستہ بھول گئے اور ایک بیابان میں پہنچ گئے اور بھوک اور پیاس سے بے تاب ہوئے۔ اتفاق سے ایک ہاتھی کا بچہ سامنے سے دکھائی دیا سب نے اتفاق کیا کہ اس کو کاٹ کر کھانا چاہیے ایک نے ان میں سے منع کیا کہ تم کو کیا حضرت کی وصیت یاد نہیں ہے انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی اور سب نے خوب اس کا گوشت کھایا لیکن اس ایک نے نہیں کھایا۔ اور گوشت کھا کر سو رہے کیونکہ تھکے ماندے ہو رہے تھے۔ مگر جس نے نہیں کھایا تھا اس کو نیند نہیں آئی جاگتا رہا۔ تھوڑی دیر میں ایک جماعت ہاتھیوں کی آئی اور ان میں ایک ہتھنی بھی تھی۔ اس ہتھنی نے اپنے بچہ کو تلاش کرنا شروع کیا تلاش کرتے کرتے وہاں بھی آئی جہاں یہ لوگ سوتے تھے اور ان سونے والوں میں سے ہر ایک کا منہ سونگھا تو اس کو گوشت کی بو آئی اس نے ایک ٹانگ پر پاؤں رکھا اور دوسری سونڈ سے پکڑ کر اس کو چیر ڈالا اسی طرح سب کا کام تمام کر دیا۔ پھر آخر میں اس کے پاس آئی چونکہ اس کے منہ سے بو نہ آئی اس کو سونڈ سے اٹھا کر اپنی کمر پر بٹھا لیا اور ایک

جانب کو لے چلی اور ایک میوہ دار درخت کے نیچے لے گئی اور ٹھہر گئی اس نے خوب سیر ہو کر میوے کھائے اس کے بعد اس کو راستہ پر چھوڑ آئی ان حضرات کی یہ شان ہو جاتی ہے۔

گفتۂ اوگفتہ اللہ بود گرچہ ازحلقوم عبداللہ بود

(اس کا کہا ہوا اللہ تعالیٰ کا کہا ہوا ہے اگر چہ بندے کے منہ سے نکلا ہو) (ذم ہوئی ج ۱۹)

ایک غلط قیاس

ناقصین کا اپنے کاملین پر قیاس کرنا اور اپنی نفسانی خواہش کو ان حضرات کی فراست و وجدان پر قیاس کرنا سخت غلطی ہے تم کو چاہیے کہ اپنے نفس پر ہر وقت بدگمانی رکھو اگر کسی وقت اس میں خواہش کو مفقود بھی پاؤ تب بھی اس کو نفس مردہ ہرگز نہ جانو۔ اس کی مثال اژدھے کی سی ہے۔ کوئی شخص پہاڑ پر چلا گیا کہ دیکھا کہ اژدھا مردہ پڑا ہے اور وہ جاڑے کی وجہ سے ٹھٹر رہا تھا مردہ نہیں تھا۔ اس نے اس کو پکڑ لیا اور شہر میں لایا اور سر مجمع اس کو لے کر بیٹھا تھوڑی دیر میں جو آفتاب نکلا اور اس کو گرمی پہنچی اور افسردگی اس کی جاتی رہی تو اس نے حرکت شروع کی اور لوگوں نے بھاگنا شروع کیا اور سینکڑوں اوپر تلے گر کر ہلاک ہو گئے۔

یہی حال نفس کا ہے اس کے پاس سامان نہیں ہے اس لئے یہ پژمردہ ہے سامان ہونے پر یہ دیکھنے کے قابل ہے مولانا فرماتے ہیں۔

نفس اژدہا ست او کے مردہ ست از غم بے آلتے افسردہ ست

(نفس اژدہا ہے، وہ نہیں مرا۔ غم بے آلتی سے افسردہ ہو رہا ہے)۔

ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ دو چار روز ذکر و شغل کیا تہجد پڑھنے لگنے سمجھنے لگے کہ ہم ولی کامل ہو گئے اور نفس پر اعتماد ہو جاتا ہے حالانکہ نفس خواہ کیسا ہی ہو جائے مگر اس سے بدگمان ہی رہنا چاہیے جو خیال آئے اور جو عمل کرو پہلے سوچ لو اور غور کر لو کہ اس میں کوئی آمیزش نفس کی تو نہیں ہے۔ بعض اوقات خلوص کے رنگ میں نفس اپنی خواہش پوری کرتا ہے۔ (ذم ہوئی ج ۱۹)

امام غزالی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ

امام غزالیؒ جب مدرسہ نظامیہ سے فارغ ہو کر نکلے تو بہت بڑے عالم ہوئے تین سو علماء ان کے ساتھ چلتے تھے۔ ایک مدت تک اسی حالت میں رہے اس کے بعد خدا طلبی

کا جوش ہو اور دل میں آیا کہ سب چھوڑ کر خلوت اختیار کریں ایک مدت امروز و فردا میں رہے۔ آخر ایک بار سب ترک کر کے صحرا اقدس میں جا کے معتکف ہو گئے اور مدت تک سخت مجاہدہ وریاضت کی۔ اور دس برس تک ان پر قبض واقع رہا اور بجز پوست اور استخواں کے کچھ باقی نہ رہا۔ قریب المرگ ہو گئے بعض آس پاس کے رہنے والے ان کی حالت دیکھ کر کسی نصرانی ڈاکٹر کو لائے اور ان کی نبض دکھائی اس نے نبض دیکھ کر کہا کہ ان کو محبت کا مرض ہے اور محبت بھی مخلوق کی نہیں بلکہ خالق کی ہے جب تک ان کو وصل میسر نہ ہوگا شفا نہ ہوگی۔

قَدْ لَسَعَت حَيَّةُ الْهَوٰى كَبدِى فَلا طَبِيْبٌ لَّهَا وَلَا رَاقِىْ
اِلَّا الْحَبِيْبُ الَّذِى شَغَفْتُ بِهٖ فَعِنْدَهٗ رُقْيَتِىْ وَتِرْيَاقِىْ

(میرے جگر کو عشق کے سانپ نے کاٹ لیا ہے نہ اس کیلئے کوئی طبیب ہے نہ جھاڑ پھونکنے والا بجز اس محبوب کے جس کی محبت نے میرے دل میں جگہ کر لی ہے اسی کے پاس میری جھاڑ پھونک اور میرے لیے تریاق ہے)۔

امام غزالیؒ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے غرض مدتوں کے مجاہدہ وریاضت کے بعد کامل ہوئے اور پھر بغداد میں آئے اور ہی شان سے آئے کہ علماء وطلباء وصوفیہ سب کے امراض روحانی بیان فرماتے تھے۔ اس پر بعض علماء دشمن ہو گئے اور کفر کا فتویٰ ان پر لگایا گیا۔ احیاء العلوم جلائی گئی۔

الحمدللہ! یہ سنت امام غزالیؒ کی ہم کو بھی نصیب ہوئی کہ مجھ پر کفر کا فتویٰ بھی دیا گیا اور میری کتاب ''بہشتی زیور'' جلائی گئی۔ حاصل یہ کہ کسی کیلئے ذوق وشوق مصلحت ہے کسی کیلئے گھلنا اور پگھلنا ہی حکمت ہے۔ اس لئے ان خیالات کو چھوڑ کر کام میں لگنا چاہیے۔ (ذم ہویٰ ج ۱۹)

ارکان تربیت

شیخ کے تو دو کام ہیں ایک اصلاح۔ ایک ذکر کی تعلیم اور ان میں بھی اصل کام اصلاح ہی ہے ذکر اس کی اعانت و برکت کیلئے ہے باقی اصلاح کیا چیز ہے سو وہ نفس کو پاک کرنا ہے ذمائم سے یعنی تربیت باطنی کرنا مگر اس کی اعانت کیلئے شیخ ذکر اللہ کی تعلیم کرتا ہے۔ یوں آدمی اصلاح کی خود بھی تدبیر کر سکتا ہے مگر شیخ کی تعلیم میں غیبی برکت ہوتی ہے۔ باقی نرا وظیفہ بدوں اصلاح کے مطلق کافی نہیں ہے۔ اس خیال کی بھی اصلاح ضروری ہے بہت لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ نرا وظیفہ ہی اصلاح کیلئے کافی ہے۔ حالانکہ اصلاح کی حقیقت ہے ہوا

کانفس سے نکالنا اگر ہوانفس کیلئے اندر رہی تو فرمایئے نراوظیفہ کیسے کافی ہوگا یہ کام تو شیخ کا تھااور مرید کا اصل کام ہے اتباع۔اوراتباع کی تکمیل کیلئے دوسرا کام ہے شیخ کوحالات کی اطلاع۔پس میں خلاصہ اور عطر تصوف کا بتلائے دیتا ہوں۔کہ اصل مقصود ہوی کو ہدی کے تابع کرنا ہےاور یہ جب ہوگا کہ نفس سے ہوانکل جائے یعنی ہوائے نفس مغلوب ہوجائے اور یہ بات شیخ کے واسطہ سے حاصل ہوجاتی ہے پس یہ ہے خلاصہ۔

دوسرا جملہ یہ کہ اگر کسی کو شیخ کامل نہ ملے تو وہ یہ تدبیر کرے کہ مشائخ کے ملفوظات واحوال کا مطالعہ کرے اور کتابوں سے فنائے نفس کا طریقہ معلوم کر کے عمل کرے مگر شیخ کی تلاش میں برابر رہے کیونکہ کتابوں کے مطالعہ سے شیخ کے برابر نفع نہیں ہوسکتا پس جس کو شیخ میسر ہو وہ تو ایسا ہے جیسے طبیب سے علاج کرانیوالا۔اور جس کو طبیب نہ ملے وہ خود کتابوں میں تدابیر دیکھ کر ایسا علاج شروع کردے جس میں خطرہ نہ ہولیکن ایسا نفع تھوڑا ہی ہوگا جیسا طبیب سے رجوع کرنے والے کو ہوتا ہے۔(الھوی والھدی ج ۱۹)

علامات شیخ کامل

شیخ کامل کی سات علامتیں ہیں ایک علامت ہے کہ اس کو علم دین بقدر ضرورت حاصل ہو۔ایک یہ کہ علمائے حق سے اس کو مناسبت ہو ایک یہ کہ جتنا علم رکھتا ہو اس پر عمل کا اہتمام ہو۔چوتھے اس کی صحبت میں یہ برکت ہو کہ روز بروز دنیا سے دل سرد ہونے لگے اور حق تعالیٰ سے محبت بڑھنے لگے۔پانچویں دقیق علامت ہے وہ یہ کہ اہل علم واہل فہم کی توجہ اس کی طرف زیادہ ہو یعنی علماء اور صلحاء کا میلان اس کی طرف زیادہ ہو۔امراء اور عوام الناس کا میلان زیادہ نہ ہو۔چھٹے یہ کہ وہ کسی شیخ کامل کا مجاز ہو یعنی کسی مشہور بزرگ نے اس کو بیعت وتلقین وغیرہ کی اجازت دی ہو۔ساتویں یہ کہ اس کے اصحاب میں زیادہ کی حالت اچھی ہو۔یعنی اس کے ہاتھ سے لوگوں کو شفا حاصل ہوتی ہو اور طریق باطن میں شفا اسی کا نام ہے کہ اپنی حالت شریعت کے موافق ہوجائے مولانا ان ہی شرائط کا خلاصہ فرماتے ہیں۔

کارمرداں روشنی وگرمی ست　　　کاردوناں حیلہ وبے شرمی ست

روشنی سے مراد معرفت ہے اور گرمی سے مراد محبت ہے یعنی شیخ کامل وہ ہے جسے معرفت بھی حاصل ہو اور محبت بھی۔ایک مقام پر مصنوعی پیروں کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　　پس بہر دستے نباید دادوست

حقوق شیخ

جب شیخ کامل مل جائے تو اس کے حقوق کے متعلق فرماتے ہیں ۔

نفس نتواں کشت الاظل پیر　　　دامن آں نفس کش راسخت گیر

اسی کو شیخ فرید عطار فرماتے ہیں ۔

درارادت باش صادق اے فرید　　　تابیابی گنج عرفاں راکلید

بے رفیقے ہرکہ شد درراہ عشق　　　عمر بگذشت ونشد آگاہ عشق

اور شیخ کے اور بھی حقوق ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اس کا جی برانہ کرے اس کی کوشش کرے کہ اس کا دل میلا نہ ہو یہاں تک کہ اگر وہ ادب و تعظیم سے خوش ہو تو اس کی تعظیم کرے اور جو تعظیم نہ کرنے سے خوش ہو تو تعظیم نہ کرے یہ نہ ہو کہ اپنی مرضی کے موافق عمل کرے اور شیخ کی مرضی کا اتباع نہ کرے۔ یہ حاصل ہے اتباع شیخ کا۔ (الھویٰ والھدیٰ ج۱۹)

مسلک ابوذر غفاریؓ

اگر کسی کو شبہ ہو کہ حدیث میں تو **البسوھم مماتلبسون واطعموھم مما تطعمون.** آیا ہے پھر عدم مساوات کی اجازت کہاں ہوئی جواب اس کا یہ ہے کہ یہ امر وجوب کیلئے نہیں بلکہ استحباب کیلئے ہے۔ اور بصورت وجوب اس لئے فرمایا کہ مخاطب اس کے ایک خاص شخص تھے اور ان کی خصوصیت وقتیہ کا مقتضا یہ ہوگا کہ اس میں تاکد ہو۔ واقعہ اس کا یہ ہوا تھا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ جو کہ نہایت جلیل القدر صوفی مشرب صحابی ہیں۔ اور ان کی شان دوسرے صحابہ کرام سے بالکل جدا ہے۔ ایک مرتبہ یہ ایک غلام سے لڑ رہے تھے۔ اسی اثناء میں انہوں نے اس کے نسب پر طعن کیا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر شکایت کردی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور یہ فرمایا کہ انک امرء وفیک جاھلیۃ اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو تمہارے قبضے میں کر دیا ہے ان کو حقیر نہ سمجھو بلکہ جو خود کھاؤ وہ کھلاؤ جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ تو اس واقعہ میں اگر تعلیم مجاہدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود کہا جائے تو اس کی خصوصیت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صیغے کو تاکد کیلئے بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور حضرت ابوذر غفاریؓ نے بھی اس پر یہاں تک عمل کیا

کہ ایک مرتبہ ان کے پاس دو چادرے تھے جن کے مجموعے کو عربی میں حلہ کہتے ہیں انہوں نے ایک تو خود پہنا اور ایک اپنے غلام کو دیدیا ایک شخص نے ان کو ایک چادرے میں دیکھا تو کہا اے ابوذرؓ! یہ چادرے دونوں اگر تم رکھتے تو پورا حلہ ہو جاتا اور اچھا معلوم ہوتا۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کہ یہ تو تم سچ کہتے ہو لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ یہ فرمایا تھا کہ جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ۔ اس روز سے میں اپنے اور غلام کے کھانے کپڑے میں کچھ فرق نہیں کرتا۔ یہ تو آپ کی خصوصیت کے اعتبار سے کلام تھا اور اگر عام لیا جائے اور ظاہر یہی ہے بھی تو پھر یہ امر استحباب کیلئے ہے اور دلیل استحباب کی وہی سابق حدیث ہے کہ کم سے کم ایک لقمہ ہی دیدیا کرو۔ تو تفاوت رکھنا تو جائز ہے لیکن یہ جائز نہیں کہ بالکل ہی رحم نہ کیا جائے اور خبر ہی نہ لی جائے۔ (احسان اللہ بیرج ۱۹)

کشف غیر ضروری ہے

حضرت یعقوب علیہ السلام نبی ہیں اور بڑے صاحب کشف ہیں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر سے بھائیوں کو قمیض دیا ہے کہ اس کو باپ کی آنکھوں پر ڈال دو اور ادھر وہ کرتہ لے کر چلے اور درمیان میں سینکڑوں مراحل۔ اس لئے کہ کہاں شہر کنعان یعقوب علیہ السلام کا مسکن اور کہاں مصر۔ بہت دور دراز کی مسافت درمیان میں ہے لیکن آپ فرماتے ہیں اِنِّیْ لَاَ جِدُرِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنَ ۔ یعنی بے شک میں یوسف کی بو پاتا ہوں اگر تم مجھ کو بہکا ہوا نہ کہو۔ قَالُوْا تَاللّٰہِ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْم. بیٹوں نے کہا قسم ہے خدا کی کہ آپ بے شک اپنی پرانی غلطی میں ہیں۔ فَلَمَّا اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ۔ یعنی جب خوش خبری دینے والا آیا کرتہ کو یعقوب علیہ السلام کے چہرہ پر ڈال دیا تو وہ بینا ہو گئے اور فرمایا۔ میں نے تم کو کہا نہ تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

اللہ اکبر! اتنا بڑا کشف ۔ اور باوجود اس کے یوسف علیہ السلام نے مصر میں سالہا سال سلطنت کی اور صاحب سلطنت کے واقعات اور اس کے حالات سے دور دور تک واقفیت ہوتی ہے اور یوسف علیہ السلام یوسف ہی کے نام سے مصر میں مشہور تھے۔ یہ بھی شبہ نہیں ہوسکتا کہ نام بدل لیا ہوگا۔ چنانچہ عزیز مصر نے زلیخا کے قصہ میں یوسف علیہ السلام کو

اس طرح خطاب کیا یُوسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اور دوسری جگہ ارشاد ہے یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا. ان آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یوسف کے ہی نام سے مشہور تھے اور یہ بھی نہ تھا کہ آمد و رفت ایک ملک سے دوسرے ملک میں نہ ہوتی ہو برابر قافلے آتے جاتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے جآءَ تْ سَیَّارَةٌ" فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ الخ خصوص قحط کے زمانہ میں تو قوافل کی آمدورفت بہت ہی تھی۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص کنعان سے مصر میں قحط کے زمانہ میں قافلے آتے جاتے تھے۔ چنانچہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر غلہ لینے کے لئے پہنچے اور چوری کے قصہ میں وہاں ایک بھائی روک لئے گئے تو بقیہ بھائیوں نے یعقوب علیہ السلام سے آ کر عرض کیا۔ واسئل القریة التی کنا فیها والعیر التی اقبلنا فیها وانالصدقون. یعنی آپ پوچھ لیجئے ان بستی والوں سے جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے جس میں ہم آئے ہیں اور بے شک ہم سچے ہیں۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کنعان سے مصر کو برابر آمدورفت تھی۔ بس جس حالت میں کہ اس قدر ذرائع علم کے یعقوب علیہ السلام کے پاس موجود تھے اس پر بھی یعقوب علیہ السلام کو پتہ نہ لگا اور یہی فرمایا۔ یٰبَنِیَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ وَلَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ بتلایئے وہ کشف کہاں گیا۔ اس قدرت کا نام خدائی ہے۔ (الغضب ج ۱۹)

حضرت مرزا رحمہ اللہ کا ایک واقعہ

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کا قصہ ہے کہ ان کا بچپن تھا اور ان کی مسجد میں ایک موذن تھے جو ظاہر میں خستہ اور شکستہ حال تھے لیکن باطنی دولت سے مالا مال تھے۔ مرزا صاحب جب مسجد میں آتے تو از راہ بچپن ان موذن صاحب کے ہمیشہ ایک دھول رسید کیا کرتے وہ بزرگ اپنی نظر بصیرت سے سمجھتے تھے کہ یہ بچہ ہونہار ہے کسی وقت کچھ ہوگا اس لئے کچھ نہ بولتے بلکہ خوش ہوا کرتے۔ جب مرزا صاحب کی آنکھیں کھلیں اور ان کو دیکھا کہ یہ بزرگ ہیں تو یہ عمل چھوڑ دیا اور معذرت کرنے لگے۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ مرزا اگر اپنی پونجی کی خیر منانی ہے تو وہ ہی دھول دھپے کا شغل رہے ورنہ سب چھین لوں گا۔ مجبوراً مرزا صاحب ہمیشہ ایک دھول لگاتے۔

پس بڑی شے راحت قلب ہے ادب وہ ہے جس میں دل کو راحت ہو بعض مرتبہ تعظیم سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔

سید حسن رسول نما کی کرامت

مجھے ایک حکایت یاد آئی دہلی میں ایک بزرگ تھے سید حسن رسول نما ان کی یہ کرامت تھی کہ بیداری میں جس کو چاہتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرادیا کرتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ قید بھی تھی کہ دو ہزار روپے لیا کرتے تھے مجھے اول اس سے دنیا طلبی کا شبہ ہوا تھا کہ یہ تو دنیا دار معلوم ہوتے ہیں۔ پھر یہ خیال ہوتا کہ اگر دنیا دار ہیں تو ان کو اتنی بڑی کرامت کیونکر حاصل ہو گئی مگر۔

درنیابد حال پختہ ہیچ خام   بس سخن کوتاہ باید والسلام

کامل کا حال ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر یہ شبہ ایک حکایت سے رفع ہوا وہ یہ کہ میں نے حاجی صاحب سے سنا کہ ایک دفعہ ان بزرگ کی بیوی نے درخواست کی کہ تم غیروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراتے ہو مجھے بھی کرادو۔ میرا تم پر زیادہ حق ہے فرمایا لاؤ دو ہزار روپے۔ کہا میرے پاس دو ہزار روپے کہاں۔ ہاں یہ صورت ہو سکتی ہے کہ تم مجھ کو دیدو پھر میں تم کو دیدوں گی۔ فرمایا اس سے کیا ہوتا ہے وہ بے چاری مایوس ہونے لگیں تو فرمایا اچھا تمہارے لئے ہم ایک اور صورت نکالتے ہیں وہ یہ کہ تم دولہن بنو۔ کہا بھلا بڑھاپے میں دولہن بنا کر کیا میرا انداق کرو گے فرمایا پھر نہ بنو تم نے ہی درخواست کی تھی ہم نے اس کی آسان ترکیب بتادی اگر تم سے نہیں ہو سکتا نہ کرو جب وہ سمجھ گئیں کہ یہ بدوں اس کے زیارت نہ کرائیں گے تو وہ دولہن بننے پر راضی ہو گئیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر مسلمان کو عشق ہے اور یہ عشق سب کچھ کرادیتا ہے۔

عشق را نازم کہ یوسف را بازآورد   ہمچو صنعا زاہدے راز یر زنار آورد

وہ بے چاری بڑھاپے میں دولہن بنیں اور لال جوڑا پہن کر سر سے پیر تک زیور سے آراستہ ہوئیں۔ ہاتھوں کو مہندی لگائی۔ اور دولہن کی طرح سر جھکا کر بیٹھ گئیں جب سب کچھ کر چکیں تو سید صاحب وہاں سے اٹھ کر اپنے سالے کے پاس آئے کہ ذرا یہاں آنا تم کو ایک تماشا دکھاؤں اور گھر میں بلا کر کہا کہ دیکھئے آپ کی ہمشیرہ صاحبہ کو کیا دن لگے ہیں۔ بڑھاپے میں آپ کو دولہن بننے کا شوق ہوا ہے بھائی تو لاحول پڑھ کر چلے گئے بھائی کے دیکھ لینے سے ان بی بی پر اتنا رنج و غم طاری ہوا کہ بے چاری روتے روتے بے ہوش ہونے کے قریب

ہوگئیں کہ مجھے کیا خبر تھی کہ یہ میرا فضیحتا ہوگا جب روتے روتے ان کا برا حال ہوگیا تب ان بزرگ نے توجہ کی اور اسی رنج وغم کی حالت میں بی بی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوگئی۔ حضور کی زیارت سے ان کا رنج وغم سب جاتا رہا۔ اور دل پر سرور کا غلبہ ہوگیا۔ تب بزرگ نے فرمایا کہ بی میں تم سے معافی چاہتا ہوں کہ تم کو مجھ سے تکلیف پہنچی مگر حقیقت یہ ہے کہ میں نے جو کچھ کیا یہ سب تمہاری درخواست پوری کرنے کی تدبیر تھی۔ بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بیداری میں ہوجانا ایک قسم کا کشف ہے اور کشف کے لئے مجاہدہ کی ضرورت ہے اور باقاعدہ مجاہدہ کے لئے تو زمانہ دراز چاہیے۔ میں نے سوچا کہ کوئی فوری مجاہدہ ایسا ہونا چاہیے جس سے دل پر گرانی سخت ہو تو میں نے دیکھا کہ مال خرچ کرنے سے دل بہت دکھتا ہے اس لئے میں نے مالی مجاہدہ تجویز کیا اور اس کی مقدار بھی اتنی رکھی ہے جس کا خرچ کرنا ہر شخص کو دکھتا ہے یعنی دو ہزار روپے جو شخص اتنی بڑی رقم اپنے ہاتھ سے نکالتا ہے اس کا دل ویسا ہی شکستہ ہوجاتا ہے جیسا کہ باقاعدہ مجاہدہ سے ہوتا ہے اس لئے میں نے دو ہزار روپے لے کر زیارت کراتا ہوں پھر جب تم نے درخواست کی تو میں نے دیکھا کہ مالی مجاہدہ تم کو نافع نہ ہوگا کیونکہ تم جو کچھ دوگی وہ میرا ہی دیا ہوگا پھر میرے پاس آکر بھی وہ تمہاری ہی چیز ہوگی۔ میاں بی بی میں کس نے بانٹ کی ہے اس لئے میں نے تمہارے لئے مجاہدہ کی یہ صورت تجویز کی کہ تم دولہن بنو اور دو چار میں تمہاری ہنسائی ہو جس سے تمہارے دل پر چوٹ لگے تب تم زیارت کشفیہ کے قابل ہوگی۔ واقعی۔

درنیا بدحال پختہ ہیچ خام   بس سخن کوتاہ بایدوالسلام

اب معلوم ہوا کہ ان کے دو ہزار روپے لینے میں کیا حکمت تھی سو چونکہ بڑھاپے میں کسی عورت کے دولہن بننے سے اس کی ہنسائی ہوتی ہے اس لئے میں نے نکاح کے اعلان کو ضروری امر نہیں دیا۔ ہاں اول دفعہ جب کسی عورت کا نکاح مرد سے ہو اس میں تو اعلان ہونا چاہیے اور خفیہ نکاح کرنا بہت سے مفاسد پیدا کرتا ہے مگر پھر کسی ضرورت سے اگر ان دونوں میں تجدید نکاح کی ضرورت ہو تو اب اعلان کرنا لازم نہیں (بلکہ عجب نہیں کہ اس وقت تو اخفاء ہی لازم ہو کیونکہ اس وقت اعلان نکاح سے فی الجملہ معصیت کا اظہار ہوگا لوگ سمجھیں گے کہ ان میاں بی بی میں سے کسی نے کوئی کلمہ کفر کا کہہ دیا ہوگا یا طلاق دی گئی ہوگی کہ وہ بھی منکر ہے وغیرہ

وغیرہ اوراظہار منکر جائز نہیں ۱۲) بہرحال فساد ذات البین کے یہ مفاسد ہیں جن سے دین بھی برباد ہوتا ہےاور دنیا کالطف بھی خاک میں مل جاتا ہے۔(اصلاح ذات البین ج۱۹)

اختیاری وغیراختیاری

حدیث میں ہے: اَلطُّھُورُ شَطرُ الایمَان (پاکی ایمان کا جزو ہے)

وارد ہے اسی طرح میں اس مسئلہ کو نصف السلوک سمجھتا ہوں کہ اختیاری میں کوتاہی نہ کرے اور غیراختیاری امور کے درپے نہ ہو لوگوں نے آج کل صرف نماز روزہ کا نام دین رکھ لیا ہے حالانکہ یہ عمل دین کا جزو ہیں کہ اختیاری امور کے درپے ہو، غیراختیاری کے درپے نہ ہو اور یاد رکھو کہ یہ امور غیراختیاریہ یعنی حالات و کیفیات وغیرہ اگر کبھی حاصل ہوتے ہیں اعمال اختیاریہ ہی میں مشغول ہونے سے حاصل ہوتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ عمل اختیاری سے غیراختیاری کی نیت بھی نہ کرے کیونکہ حصول میں تعجیل وتاجیل اختیار سے باہر ہے کبھی تو نقصان عمل کی وجہ سے تاجیل ہوتی ہے کبھی قلتِ استعداد وضعف استعداد کی وجہ سے دیر ہوتی ہے پس تم اس کواللہ تعالیٰ کے سپرد کرو خود ان کے درپے نہ ہو بلکہ ان اعمال کے درپے ہو جو تمہارے اختیار میں ہیں ؎

تو بندگی چو گدایان بشرط مزد مکن — کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

(تو فقیروں کی طرح مزدوری کی شرط پر عبادت مت کر کیونکہ آقائے حقیقی بندہ پروری کا طریقہ خود جانتے ہیں)(رفع الالتباس عن نفع الالباس ج۲۰)

اپنے مرض کو محقق پر ظاہر کردینا چاہئے

بعض لوگ اپنے امراض کو بلی کے گوہ کی طرح چھپائے رہتے ہیں کسی محقق پر ظاہر نہیں کرتے۔ یاد رکھو! اس طرح شفا حاصل نہیں ہوسکتی۔

ماحال دل را بایاد گفتیم — نتواں نہفتن درد از حبیباں

(ہم نے اپنے دل کا حال اپنے محبوب کے سامنے بیان کیا کیونکہ محبوبوں کے سامنے اپنا درد نہیں چھپانا چاہئے) اوراس سے پہلے جو فرمایا ہے:

چنداں کہ گفتیم غم باطبیباں — درماں نکردند مسکین غریباں

(ہرچند کہ ہم نے طبیبوں کے سامنے اپنا غم بیان کیا لیکن انہوں نے ہم غریبوں اور مسکینوں کا علاج نہ کیا)

وہاں طبیب سے مراد ظاہری طبیب ہے کہ ان حکیموں سے دردِ دل کا علاج نہیں ہو سکتا۔اور نتواں نہفتن درد از حبیباں (طبیب باطن سے درد نہ چھپانا چاہئے) میں طبیب باطن مراد ہے کہ درد دل کو ان سے نہ چھپانا چاہئے بعض اس خیال سے اپنے امراض کو ظاہر نہیں کرتے کہ وہ بزرگ ہم کو ذلیل سمجھیں گے یا کسی اور سے کہہ دیں گے مگر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ تم کو تو کیا ذلیل سمجھتے جب وہ کتے کو بھی اپنے سے افضل سمجھتے ہیں دوسرے وہ امین ہوتے ہیں کسی کا راز دوسروں پر کبھی ظاہر نہیں کرتے بعض لوگ اس خیال سے اپنا حامی ظاہر نہیں کرتے کہ اس میں اظہار معصیت ہے سو میں کہتا ہوں کہ معصیت تو فعل ہے افعال کے اظہار کی ضرورت نہیں بلکہ مواد کو بیان کرو اور مواد کا بیان کرنا معصیت نہیں۔ (رفع الالتباس عن نفع الالباس ج ۲۰)

غیر اختیاری امور

امور غیر اختیاریہ کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے اس سے سوائے پریشانی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور وہ حاصل نہ ہوں تو شکایت مت کرو۔اور جو امور اختیاریہ ہیں ان کو اپنے ارادہ اور اختیار سے کرو جہاں تک اختیار کو دخل ہے۔اور جس درجہ میں وہ بھی اختیار سے خارج ہوں اس کے بھی پیچھے مت پڑو یہ اصول سالکین کے لئے بہت ہی کارآمد ہیں اور بالکل صحیح ہیں ان کی قدر اس وقت ہوتی ہے جب کوئی پریشان ہو چکا ہو اس کے بعد اس کے کان میں یہ علوم پڑیں تو اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ پہلے مردہ تھا اب زندہ ہو گیا۔ایک اور مثال سنئے مثلاً کوئی تہجد کا شوقین ہے تو ظاہر ہے کہ تہجد کا قصد کرنا تو فعل اختیاری ہے لہٰذا اس کو چاہیے کہ ہمت کرے اور آنکھ کھلنے کا اہتمام کرے اس کی تدبیر بھی پوری طرح کرے۔مثلاً کھانا ذرا سویرے کھاوے اور عشاء کی نماز پڑھ کر فوراً سو رہے اور کھانے میں دو چار لقمے کم کھاوے پانی کم پیے، یہاں تک تو اس کے اختیار میں ہے اب فرض کرو کہ کوئی شخص یہ سب تدبیریں کر کے سویا اور ارادہ تھا کہ تہجد پڑھیں گے مگر اس پر بھی آنکھ نہ کھلی آنکھ اس وقت کھلی جبکہ تہجد کا وقت ختم ہو چکا تھا تو اب یہ روتا اور پریشان ہوتا ہے اور کہتا ہے میں بڑا بدنصیب ہوں شاید مجھ سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے جو تہجد سے محروم رہا لیکن اگر یہ بات اس کے کان میں پڑی ہوئی ہے تو بہت کام دے گی کہ امر غیر اختیاری کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے اس کے فوت ہونے سے کچھ ضرر نہیں ہوتا اس بات کے بتلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز فجر قضا کرادی تا کہ سالکین کو اس واقعہ سے تسلی ہو جائے حدیث میں لیلۃ التعریس کا قصہ مشہور ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک

دفعہ معہ لشکر کے سفر میں تھے رات کے آخری حصہ میں ایک میدان میں قیام کیا فجر کی نماز کے لئے جاگنے کا پورا اہتمام کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے جو اس وقت بیدار رہ کر پہرہ دے تا کہ صبح کے وقت ہم کو اٹھاوے حضرت بلالؓ اس کے لئے تیار ہوئے اور کجاوہ سے پشت لگا کر مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے کہ فجر ہو تو اذان دوں اور سب کو اٹھاؤں خدا کی قدرت کہ سب تو سوہی رہے تھے انکی بھی آنکھ لگ گئی اور ایسے بے خبر سوئے کہ سورج نکلنے کے بعد سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی لوگ گھبرا گئے اور پریشان ہوئے اور ڈر گئے کہ آج نماز قضاء ہو گئی۔ خدا جانے کیا وبال آوے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی اور فرمایا گھبراؤ نہیں (سبحان اللہ کیسی عجیب تعلیم اور کیسا استقلال اور کیسا عرفان ہے) پھر فرمایا لَا تَفرِیطَ فِی النَّومِ سونے میں کچھ تقصیر نہیں کیونکہ غیر اختیاری بات ہے اِنَّمَا التَّفرِیطُ فِی الیَقظَۃِ تقصیر تو بیداری کی حالت میں ہوتی ہے اس کے بعد وہاں سے تھوڑی دور چل کر قضا نماز پڑھی۔ کیا ٹھکانا ہے اس شفقت کا خدا کی حکمت ورحمت ہے کہ عمر بھر میں ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بھی قضا ہو گئی اگر ایسا نہ ہوتا تو اہل سلوک تو ایسا واقعہ پیش آنے سے مر ہی جاتے حق تعالیٰ نے ایک نظیر قائم کر دی جس سے اہل سلوک کو تسلی ہو سکتی ہے کہ امام العارفین اور سلطان العابدین (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ بات پیش آئی تو ہم کیا چیز ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو فرض نماز قضاء ہو گئی تھی تا بنفل چہ رسد۔ (کساء النساء ج ۲۰)

عشق علاجِ وساوس ہے

محبت وعشق وہ چیز ہے کہ جب یہ دل میں گھس جاتی ہے تو پھر محبوب کے کسی حکم اور کسی قول وفعل میں کوئی شبہ اور وسوسہ پیدا نہیں ہوتا اگر ایک پروفیسر فلسفی کسی طوائف پر عاشق ہو جائے اور وہ اس سے یوں کہے کہ سر بازار کپڑے نکال کر ننگے آؤ تو میں تم سے بات کروں گی ورنہ نہیں تو فلسفی صاحب اس کے لئے فوراً تیار ہو جائیں گے اور یہ بھی نہ پوچھیں گے کہ بی؟ اس میں تیری کیا مصلحت ہے اب کوئی اس سے پوچھے کہ آپ کی وہ عقل وفلسفیت اس طوائف کے سامنے کہاں چلی گئی افسوس قرآن وحدیث کے مقابلہ میں تو ساری فلسفیت ختم کی جاتی ہے اور ایک ادنیٰ مردار کے احکام میں چون وچرا اور لم وکیف سب رخصت ہو گیا۔ آخر اسکی کیا وجہ؟ یقیناً آپ یہی کہیں گے کہ اسکی وجہ محبت وعشق ہے بس معلوم ہو گیا کہ خدا ورسولؐ کے احکام میں

شبہات پیدا ہونے کی وجہ عدم محبت یا قلتِ محبت ہے اگر آپ کے دل میں نور محبت روشن ہوتا تو یہ سارے چوہے اور چھچھوندر خود بھاگ جاتے۔ شیخ سعدی اسی کے متعلق فرماتے ہیں ؎

ترا عشق ہمچو خودے ز آب و گل　　ربایند ہمہ صبر و آرام دل

(تیرا عشق مٹی اور پانی کی طرح ہے جو میرے دل کے صبر وچین کو لے گیا ہے)

اور جب ایک مخلوق کے عشق کا یہ اثر ہے تو خالق کے عشق کا اثر کیا کچھ ہونا چاہئے ؎

عجب داری از سالکانِ طریق　　کہ باشد در بحر معنی غریق

زمام شراب الم درکشند　　دگر تلخ بینند دم درکشند

(تو سالکان طریق جو کہ حقیقت کے دریا میں غریق ہیں تعجب کرتا ہے۔ وہ ہر وقت رنج کی شراب پیتے ہیں جب اس میں رنج کی تلخی دیکھتے ہیں خاموش رہتے ہیں)

مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود　　گوئے گشتن بہرا و اولےٰ بود

(محبوب حقیقی کا عشق لیلیٰ سے کیا کم ہو اس کی گلیوں میں پھرنا اولیٰ اور بہتر ہے)

(غایۃ النجاح فی آیاۃ النکاح ج ۲۰)

صوفیا پر ایک اعتراض اور اس کا جواب

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ حضرات صوفیہ پر جو بعض تفاسیر کی وجہ سے اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ قرآن کی نئی نئی تفسیریں کرتے ہیں یہ معترضین کی غلطی ہے صوفیہ نے ان باتوں کو تفسیر کے طور پر بیان نہیں کیا بلکہ محض تنظیر وتشبیہ کے طور پر بیان کیا ہے اور صوفیہ کے معتقدین جو اس کو تفسیر سمجھتے ہیں وہ بھی غلطی کرتے ہیں مثلاً اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى (فرعون کی طرف بے شک اس نے سرکشی اختیار کی) کے تحت میں صوفیہ نے لکھا ہے اذهَب یارُوحُ الی النَّفسِ جاهِدها انّها قد طغت.

کہ اے روح نفس کی طرف جا اور اس سے جہاد کر کے اس کو مغلوب کر کہ وہ حد سے نکلا جا رہا ہے بعض ناواقفوں نے اس کو تفسیر سمجھ لیا پھر ان میں جو معتقد تھے۔ وہ یہ کہنے لگے کہ قرآن میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون علیہ اللعنۃ کا قصہ مذکور ہی نہیں ہے بلکہ موسیٰ سے مراد روح ہے اور فرعون سے مراد نفس۔ مگر یہ سراسر جہل ہے واللہ صوفیہ کی یہ مراد ہرگز نہیں اور جو ان کی طرف یہ بات منسوب کرے وہ جھوٹا ہے اور بخدا قرآن میں موسیٰ و فرعون سے روح و نفس ہرگز مراد نہیں بلکہ اس میں موسیٰ علیہ السلام ہی کا قصہ فرعون کے

ساتھ مراد ہے جو کہ ظاہری مدلول ہے ورنہ اگر ظاہری مدلول مراد نہ ہوا تو پھر قرآن سے نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ کچھ ثابت نہ ہو سکے گا۔ (غایۃ النجاح فی آیاۃ النکاح ج ۲۰)

اعمال کے ظاہر و باطن کی تحقیق

اعمال کا ایک ظاہر ہے ایک باطن۔ علماء نے قرآن کو ظاہر پر محمول کیا ہے ہم اس کو باطن پر محمول کرتے ہیں اور ان لوگوں نے مولانا رومی کا ایک قول اپنی دلیل میں بیان کیا ہے

پنج وقت آمد نماز اے رہنموں عاشقان ہم فی صلوٰۃ دائموں

(نماز تو پانچ ہی وقت کی فرض ہوئی لیکن عاشق ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں)

کہ دیکھو مولانا فرماتے کہ عوام تو پانچ ہی وقت نماز پڑھتے ہیں اور عشاق ہمیشہ نماز ہی میں رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ صلوٰۃ شرعیہ کا تحقق دائماً نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اکل وشرب وبول و براز اور سونے کی حالت میں نماز ظاہری نہیں ہوسکتی تو وہ کون سی نماز ہے جس میں عشاق دائماً مشغول رہتے ہیں وہ روح نماز ہی تو ہے یعنی تعلق وحضور مع اللہ جو کسی وقت ان کے دل سے جدا نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ مولانا کے کلام سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عشاق ظاہری نماز ادا نہیں کرتے بلکہ مولانا کے کلام کے معنی عشاق کے لئے دو نمازوں کا ثابت کرنا ہے پس انہوں نے اول یہ فرمایا ہے کہ عوام تو پانچ ہی وقت نماز پڑھتے ہیں اس کے بعد عشاق کی فضیلت بیان فرمائی ہے، کہ وہ ہر وقت نماز میں رہتے ہیں اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ وہ ان پانچوں کو بھی ادا کرتے ہیں اور ان ہی پانچ پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہر دم نماز میں رہتے ہیں۔ اس سے یہ سمجھنا کہ مولانا نے عشاق سے نماز ظاہری کی نفی کی ہے ان کے کلام کی تحریف ہے۔ بلکہ مولانا نے اس کے ساتھ عشاق کے لئے ایک زائد بات بیان فرمائی ہے جس کی وجہ سے ان کے لئے دائماً مشغولی صلوٰۃ ثابت ہو رہی ہے۔ اور وہ زائد بات کیا ہے وہ نماز کا شوق اور انتظار ہے مطلب یہ ہے کہ عوام تو نماز پڑھ کر اس سے غافل ہو جاتے ہیں اور عشاق نماز کے بعد دوسری نماز کی فکر و انتظار میں بیتاب رہتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ نماز کے انتظار میں لگا رہنے والا نماز ہی میں ہے اس لئے عشاق ہر وقت نماز میں ہیں یعنی ان کو ہر وقت نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ عشاق کی نماز دوسری ہے اور وہ پانچ وقت کی نمازیں نہیں پڑھتے۔ یہ تو مولانا کے کلام سے استدلال کا جواب تھا۔

رہاان کا یہ کہنا کہ اعمال کے لئے ایک ظاہر ہے ایک باطن، یہ مسلم۔ لیکن اس سے یہ کیوں کر لازم آیا کہ اعمال کی صورت اب ظاہر مطلوب نہیں دیکھواس کی تو ایسی مثال ہے جیسے آپ کے بیٹے کا ایک ظاہر ہے یعنی قالب اور ایک باطن ہے یعنی روح کیونکہ انسان صرف ظاہر سے انسان نہیں بلکہ اپنی روح کے ساتھ انسان ہے اگر روح نہ ہوتو یہ قالب مٹی میں دفن کرنے کے قابل ہے لیکن کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ صرف روح ہی مطلوب ہے اور قالب بالکل مطلوب نہیں اگر یہ ہے تو پھر اپنے بیوی بچوں کا گلا گھونٹ کے ماردو، کیونکہ روح تو پھر بھی رہے گی اس کو تو گلا گھونٹنے سے موت نہ آئے گی صرف قالب کو موت آئے گی تو کیا حرج ہے یہ تو مطلوب ہی نہیں۔ اس پر شاید آپ یہ کہیں کہ مطلوب تو روح ہی ہے اور قالب مطلوب نہیں مگر چونکہ یہ روح ہمارے پاس بدوں اس قالب کے نہیں رہ سکتی اس لئے بدن یہی مطلوب ہے۔ جزاک اللہ بس یہی ہم کہتے ہیں کہ جس چیز کو آپ روح صلوٰۃ کہتے ہیں وہ روح آپ کو بدوں نماز کی اس صورت و قالب کے ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی وہ روح اسی صورت کے ساتھ لگی ہوئی ہے اگر اس کو حاصل کرنا چاہتے ہوتو اس صورت کو لازم پکڑو ورنہ بدوں اس کے جو شخص روح صلوٰۃ کے حصول کا مدعی ہو وہ یقیناً جھوٹا ہے یہ تو معتقدوں کی حالت تھی کہ انہوں نے صوفیہ کے ان اقوال کو تفسیر سمجھ لیا اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ مقصود صرف باطن ہی ہے ظاہر مراد ہی نہیں۔ اور جو لوگ ان کے معتقد نہ تھے وہ ان پر فتویٰ لگانے لگے کہ صوفیہ ملحد ہیں کہ قرآن کے اندر تحریف کرتے ہیں آیات کی تفسیر بالرائے کرتے ہیں یہ بھی غلطی پر ہیں۔ (غایۃ النجاح فی آیاۃ النکاح ج ۲۰)

شبہات کا علاج صرف تعلق مع اللہ ہے

حق تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو یہ وساوس و شبہات جبھی تک ہیں جب تک خدا سے تعلق نہیں اور تم عقل کے تابع ہو اس عقل کو فنا کرو خدا کی محبت اور انکا قرب حاصل کرو ؎

آز مودم عقل دور اندیش را　　　بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

(میں نے عقل دوراندیش کو آزمایا اس کے بعد اپنے آپ کو دیوانہ بنالیا)

اور خدا تعالیٰ کی محبت حاصل ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ خود رائی چھوڑ کر اپنے کو کسی صاحب محبت کے حوالہ کردو ؎

قال را بگذارد مرد حال شو — پیش مرد کاملے پامال شو
سال باتو سنگ بودی دلخراش — آزموں را یک زمانے خاک باش
در بہاراں کے شو سرسبز سنگ — خاک شوتا گل بروبد رنگ رنگ

(قال چھوڑو، صاحب حال بن جاؤ، کسی شیخ کامل کے سامنے پامال ہو جاؤ، سالہا سال تم دلخراش پتھر بنے رہے کچھ عرصہ کے لئے خاک بن کر (متواضع ہوکر) دیکھ لو، موسم بہار میں پتھر کب سرسبز ہوتے ہیں مٹی بن جاؤ تا کہ ان پر رنگ برنگ کے پھول اُگیں)

تم اپنی عقل پر ناز نہ کرو کیونکہ اہل اللہ کے سامنے تمہاری عقل ایک طفل مکتب سے بھی کم ہے بس اب تو عقل اس کو سمجھتے ہیں کہ چار پیسے کمانے کے قابل ہو گئے۔ بی اے، ایم اے ہو گئے۔ حالانکہ عقل وہ ہے جو خدا کو پہچانے جو اہل اللہ کو عطا ہوئی ہے پس ان کے سامنے اپنی عقل پر ناز کرنا ایسا ہے۔ جیسے مولانا فرماتے ہیں ؎

ناز را روے بباید ہمچو درد — چوں نداری گرد بد خوئی مگرد

(ناز کے گلاب جیسے چہرہ کی ضرورت ہے جب تم ایسا چہرہ نہیں رکھتے بدخوئی کے پاس بھی نہ جاؤ)

جب تم کو یہ عقل حاصل نہیں تو اہل اللہ کے سامنے اپنی دنیوی عقل پر ناز نکرد ؎

چونتو یوسف نیستی یعقوب باش — ہمچو اوبا گریہ و آشوب باش
عیب باشد چشم نابیناؤ باز — زشت باشد روی نازیبا و ناز

(جب تم یوسف (علیہ السلام) جیسے نہیں تو یعقوب (علیہ السلام) بن جاؤ اور ان کی مانند گریہ وآشوب اختیار کرو (دردوطلب میں رہو)

تم اپنے کو جاہل مطلب سمجھ کر کسی محقق کے سپرد کر دو اس وقت تعلق مع اللہ کی دولت حاصل ہوگی پھر تعلق مع اللہ اور محبت باللہ کے بعد ان شبہات واعتراضات کا یہ حال ہوگا کہ ؎

عشق آں شعلہ است کوچوں برفروخت — ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتل غیر حق براند — در نگر آخر کہ بعد لاچہ ماند
ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت — مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت

(عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہوتا ہے تو سوائے محبوب کے سب کو فنا کر دیتا ہے، لا الٰہ کی تلوار غیر اللہ کی ہلاکت کے لئے چلاؤ پھر لا الٰہ کے بعد دیکھو کیا رہ گیا، سوائے الا اللہ

کے باقی سب فنا ہو گیا، اے عشق شرکت سوز تجھ پر مرحبا کہ سوائے محبوب کے سب کو فنا کر دیا)

تعلق مع اللہ کے بعد سب وساوس خود ہی چلے جائیں گے اسی لئے مولانا جوش میں آ کر ایک مقام پر عشق کی زور شور سے مدح فرماتے ہیں ؎

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما   اے طبیب جملہ علتہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما   اے تو افلاطون و جالینوس ما

(اے عشق مرحبا تو ہمارے لئے بہترین جنون اور ہماری سب بیماریوں کا طبیب ہے اے ہمارے نخوت و ناموس کی دوا اور اے تو ہمارے لئے افلاطون و جالینوس ہے)

اور اگر یہ حاصل نہیں تو یاد رکھو کہ ان باتوں سے اور دلیلوں سے کچھ کام نہ چلے گا۔

(غایۃ النجاح فی آیاۃ النکاح ج ۲۰)

نکاح تعلق مع اللہ کی نظیر ہے

نکاح کا معاملہ ایسا ہے کہ اس میں غور کرنے سے آنکھیں کھلتی ہیں اور سالک کو سبق ملتا ہے کہ یہ تعلق نکاح کے معاملات تعلق مع اللہ کی بعض معاملات کے نظائر ہیں۔ تو گویا معاملات نکاح میں ان معاملات پر بھی ایک طرح کی آیات ہیں کیونکہ نکاح کے اندر تین درجے ہوتے ہیں۔

ایک درجہ عدم تعلق کا ہے کہ ابھی تک نکاح کا پیغام بھی نہیں دیا گیا بلکہ ذہن خالی ہے ایک (دوسرا) درجہ خطبہ کا ہے کہ پیغام دیا گیا اس درجہ میں قدرے تعلق ہو جاتا ہے (اس کے بعد ایک تیسرا درجہ ہے کہ پیغام دینے کے بعد پیغام منظور ہو گیا اور رشتہ قرار پا گیا اس درجہ میں پہلے سے زیادہ تعلق ہو جاتا ہے اور آپس میں لین دین آمد و رفت ہدایا تحائف کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ۱۲) ایک (چوتھا) درجہ اس کے بعد ہے جس کا نام نکاح ہو جانا اور وصول ہو جانا ہے یہ تو ظاہر ہے۔ اب سمجھئے کہ یہی حال سلوک اور تعلق مع اللہ کا ہے وہاں بھی تین درجات ہیں ایک درجہ بے تکلفی کا ہے بایں معنی کہ اللہ تعالیٰ کی طلب نہیں گو علم ہے تو یہ تو ایسا ہے جیسا ہم کو یہ علم ہے کہ فلاں گھر میں ایک لڑکی ہے سو ظاہر ہے کہ اس علم کا نام تعلق نہیں بلکہ تعلق طلب اور خطبہ سے شروع ہوتا ہے اسی طرح یہاں سمجھو کہ علم و معرفت قبل از طلب کو تعلق مع اللہ نہیں کہا جا سکتا اس کے بعد ایک درجہ یہ ہے کہ طلب پیدا ہو گئی اور کسی بزرگ سے (درخواست کی گئی کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے ملنے کا راستہ بتلاؤ اور اس نے راستہ بتلانا شروع

کر دیا اور یہ راستہ پر چلنے لگا پھر کوئی ابتداء میں ہے کوئی وسط میں ہے یہ مشابہ خطبہ کے ہے (مگر ابھی تک اس کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو بھی مجھ سے تعلق ہے یا نہیں اس کے بعد ایک درجہ یہ ہے کہ ادھر سے بھی اس کے ساتھ تعلق کا اظہار ہونے لگا اور رضا کے آثار و معاملات اس کے ساتھ ظاہر ہونے لگے یہ وہ درجہ ہے جو منظوری خطبہ کے بعد ہوتا ہے ۱۲)

وصول کے دو معنی

تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں ایک سیر الی اللہ یہ تو محدود ہے۔ایک سیر فی اللہ یہ غیر محدود ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا یہانتک کہ امراض سے شفا ہوگئی اور ذکر و شغل سے قلب کی تعمیر شروع کی یہاں تک کہ وہ انوار ذکر سے معمور ہوگیا یعنی تخلیہ و تحلیہ کے قواعد جان گئے موانع مرتفع کر دیئے معالجہ امراض سے واقف ہوگئے نفس کی اصلاح ہوگئی اخلاف رذیلہ زائل ہوگئے اور اخلاق حمیدہ سے انوار ذکر سے قلب آراستہ ہوگیا اعمال صالحہ کی رغبت طبیعت ثانیہ بن گئی اعمال و عبادات میں سہولت ہوگئی نسبت اور تعلق مع اللہ حاصل ہوگیا تو سیر الی اللہ ختم ہوگئی۔اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا حسب استعداد انکشاف ہونے لگا تعلق سابق میں ترقی ہوئی اسرار و حالت کا ورود ہونے لگا یہ غیر محدود ہے یہی ہو تعلق ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے ؎

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست آنجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست

(بحر عشق ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں یہاں سوائے جان قربان کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں)

اور اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص سائنس کا امتحان دیتا ہے یہاں تک کہ پاس ہوگیا اور سند مل گئی تو اس وقت سیر الی سائنس ختم ہوئی۔اس کے بعد سیر فی سائنس ہے کہ تحقیقات میں اضافہ ہوئی نئی باتیں منکشف ہوں اس کی کوئی حد نہیں چنانچہ اہل سائنس خود اس پر متفق ہیں کہ تحقیقات سائنس کا سلسلہ غیر محدود ہے۔ جب ایک دنیوی تعلق کا یہ حال ہے تو تعلق مع اللہ کا کیا حال ہوگا۔ (غایۃ النجاح فی آیاۃ النکاح ج ۲۰)

نکاح کا تکوینی راز

بندہ کا کمال یہ ہے کہ وہ مظہر اتم حق تعالیٰ کا بن جاوے سو بدوں نکاح کے یہ

مظہریت اتم نہیں ہوتی کیونکہ حق تعالیٰ کی ایک شان یہ بھی ہے کہ اِذَا اَرَادَ شَیْئاً فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْن۔ کہ وہ جب کسی چیز کو بنانا چاہتے ہیں تو اس سے کہہ دیتے ہیں ہو جا تو وہ فوراً پیدا ہو جاتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ بدوں احتیاج اسباب کے محض ارادہ ہی سے جس چیز کو چاہتے ہیں پیدا کر دیتے ہیں اور اس شان کا ظہور بندہ میں نکاح ہی سے ہوتا ہے کہ بچہ کے پیدا ہونے میں بھی بندہ بھی زیادہ اسباب کے اہتمام کا محتاج نہیں بے مشقت ایک فعل کیا اور اگر کوئی عارض نہ ہوا حمل رہ گیا اور بچہ بن گیا۔ گو واقع میں یہاں بھی اسباب ہوتے ہیں مگر وہ اسباب ایسے نہیں ہیں جن کی تلاش اور فکر کی ضرورت ہو۔ (غایۃ النجاح فی آیاۃ النکاح ج ۲۰)

سلوک جذب سے مقدس ہے

اعمال احوال سے مقدم ہیں۔ حصول احوال کا طریق یہ ہے کہ اعمال میں لگ جاؤ بدوں اس کے احوال حاصل نہیں ہو سکتے۔ قاعدہ کی رو سے سلوک ہی جذب سے مقدم ہے اور وہب کا ذکر نہیں مگر لوگ جذب کو مقدم کرنا چاہتے ہیں اور یہ سخت غلطی ہے۔ نصوص سے قاعدہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ سلوک جذب سے مقدم اور جذب سلوک پر مرتب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ. رحمت جذب ہے اور احسان سلوک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ رحمت الٰہیہ نیک کام کرنے والوں کے قریب ہے اور دوسری آیت میں یعنی اَللّٰهُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ میں جو اجتہاد یعنی جذب کا مدار محض مشیت پر رکھا ہے وہ جذب موہوب ہے۔ (الفصل والانفصال ج ۲۱)

حضرت خواجہ باقی باللہ اور ایک بھٹیارہ کی حکایت

حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی توجہ سے ایک شخص مر گیا تھا۔ حضرت خاتم مثنوی نے یہ قصہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب متوکل تھے بعض دفعہ فاقہ بھی ہوتا۔ چنانچہ ایک دن حضرت کے یہاں فاقہ تھا اتفاق سے اسی دن مہمان آ گئے۔ حضرت کو مہمانوں کی وجہ سے فکر ہوا۔ ایک بھٹیارہ حضرت کا معتقد تھا اس کو حضرت کی فکر کا احساس ہوا تو وہ فوراً کھانا سب مہمانوں کے لئے تیار کر کے لایا۔ حضرت کو اس سے بے حد خوشی ہوئی اور جوش مسرت میں فرمایا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ بھٹیارہ نے کہا کہ حضرت وعدہ کر لیجئے کہ جو میں مانگوں گا آپ دیں گے

فرمایاہاں میرے پاس جو کچھ ہے اس میں سے مانگو گے دوں گا۔ کہا میں ایسی چیز مانگوں گا جو آپ کے پاس ہے۔ فرمایاہاں ہاں مانگو۔ کہا مجھے اپنا جیسا کر لیجئے۔ حضرت نے فرمایا ؎

آرزومی خواہ لیک اندازہ خواہ   برنتا بدکوہ رایک برگ گاہ

جو کچھ مانگو اندازہ سے مانگو   گھاس کا ایک پتہ پہاڑ نہیں اکھاڑ سکتا

بہت سمجھایا کہ یہ بات تمہارے تحمل سے زیادہ ہے۔ اس ہوس سے باز آؤ مگر اس نے نہ مانا۔ جب اس کا اصرار بڑھتا ہی گیا تو اپنے حجرہ میں لے جا کر توجہ اتحادی ڈالی جس کا یہ اثر ہوا کہ توجہ کے بعد جو دونوں حجرہ کے باہر آئے تو صورت میں بھی اتحاد ہو گیا تھا۔ کسی کو یہ امتیاز نہ ہوتا تھا کہ خواجہ صاحب کون سے ہیں اور بھٹیارہ کونسا ہے صرف یہ فرق تھا کہ بھٹیارہ پر اضطراب غالب تھا اور حضرت پر سکون مگر نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی دیر کے بعد بھٹیارہ مر گیا اس سے تحمل نہ ہو سکا کیونکہ سلوک سے جذب قوی وارد ہو گیا تھا۔ رہا یہ کہ پھر خواجہ صاحب نے اس کی درخواست کو کیوں منظور کیا اور ایسی توجہ کیوں دی جس سے ہلاکت واقع ہوئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کو یہ معلوم نہ تھا کہ مر ہی جائے گا۔ یہ خیال ہوگا کہ بہت مجذوب ہو جائے گا۔ لیکن اس درجہ ضعف کا علم نہ تھا کہ زندہ بھی نہ رہے گا کیونکہ دوسرے کا ضعف پوری طرح معلوم نہیں ہو سکتا۔ (الفصل والانفصال ج۲۱)

حضرات نقشبندیہ سلاطین اور حضرات چشتیہ مساکین ہیں:

نقشبندیہ کے یہاں توجہ اور تصرف بہت زیادہ ہے۔ یہ حضرات سلاطین ہیں یہ دوسروں پر بھی تصرف کرتے ہیں اور چشتیہ مساکین ہیں ان کا سارا تصرف اپنی ہی ذات پر ہوتا ہے ضرب بھی اپنی ہی ذات پر ہے اور سوزش و شورش بھی ان کا تو وہ حال ہے ؎

افروختن وسوختن جامہ دریدن   پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

روشن ہونا اور جلنا اور کپڑے پھاڑنا   پروانہ اور شمع اور گل نے مجھ سے سیکھا ہے

(الفصل والانفصال ج۲۱)

سالک کو نہ ملنے پر بھی شکر کرنا چاہئے

ایک عارف نے ایک سالک سے پوچھا تھا کہ کس حال میں ہو کہا مقام توکل میں ہوں اگر ملتا ہے شکر کرتا ہوں نہیں ملتا تو صبر کرتا ہوں عارف نے کہا کہ اتنا تو بغداد کے

کتے بھی کرتے ہیں۔ سالک کو تو یہ چاہئے کہ نہ ملنے پر بھی شکر کرے کہ یہ بھی نعمت ہے اس میں بھی حکمت عظیمہ ہوگی اسی کو عارف فرماتے ہیں۔

توبندگی چوگدایان بشرط مزدمکن ۔۔۔۔ کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

فقیروں کی طرح عبادت مزدوری پر مت کر۔ مالک تو خود ہی بندہ پروری کا طریقہ جانتا ہے۔ کیونکہ کیا معلوم تم کو زیادہ روٹی ملتی تو کیا حال ہوتا اس لئے نہ ملنے پر بھی شکر چاہئے۔ حضرت حاجی صاحب سے جب کوئی شخص ذکر میں حال وغیرہ نہ حاصل ہونے کی شکایت کرتا اور یہ کہتا کہ کچھ نفع نہیں معلوم ہوتا تو فرماتے کہ یہ کیا تھوڑا نفع ہے کہ تم خدا کا نام لے رہے ہو پھر یہ شعر پڑھتے۔

یابم اور ایا نیابم جستجوئے می کنم ۔۔۔۔ حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

وہ ملے یا نہ ملے ہمیں تلاش کرنا چاہئے ۔۔۔۔ نتیجہ نکلے یا نہ نکلے آرزو رکھنا چاہئے

واقعی ذکر اللہ کی توفیق ہو جانا ہی بڑی نعمت ہے اس کے بعد اور کیا چاہتے ہو۔

شیطان سالک کے ہمیشہ درپے رہتا ہے

مولانا رومی نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک صوفی کو شیطان نے دھوکا دیا تم کو ذکر اللہ کرتے ہوئے بہت سال ہو گئے مگر اللہ کی طرف سے نہ کچھ پیام نہ جواب۔ جب وہاں شنوائی نہیں ہوتی تو خوانخواہ سر مارنے سے کیا فائدہ۔ سالک اس دھوکہ سے متاثر ہو گیا۔ آہ اس طریق میں بہت دھوکے ہیں کیونکہ شیطان سالک طریق کا درپے ہو جاتا ہے وہ اس کو طرح طرح سے بہکاتا ہے۔ اس لئے بہت احتیاط واہتمام کے ساتھ چلنا چاہئے۔

دررہ عشق وسوسۂ اہرمن بسے است ۔۔۔۔ ہشیار و گوش رابہ پیام سروش دار

عشق کے راستہ میں اہرمن کا خیال ہی کافی ہے۔ ہوش رکھ اور کان کو اس کے احکام کی طرف لگا۔ پیام سروش سے مراد وحی ہے کہ شریعت کو پیش نظر رکھو اور شیطان کے ہر دھوکہ کا جواب شارع علیہ السلام کے ارشادات سے حاصل کرو۔ اور شریعت کیخلاف ہر گز کسی بات کو دل میں جمنے نہ دو۔ مگر بعض سالک محبوب مراد ہوتے ہیں۔ ان کی دستگیری ایسے وقت میں غیب سے ہوتی ہے ان کو احتیاط واہتمام کی بھی ضرورت نہیں ہوتی چنانچہ یہ سالک مرد تھا اس کو شیطان نے دھوکہ دیا اور دھوکہ میں آگیا کہ رات کو سب معمولات ترک کر کے سو رہا۔ مگر غیب سے اس کی دستگیری ہوئی رات کو خواب میں کوئی لطیفہ غیبی آیا اور

اس نے حق تعالیٰ کی طرف سے دریافت کیا کہ کیوں میاں صاحب آج تم کو ہم بھول ہی گئے کیا بات ہے ۔کیوں خفا ہو گئے کہا میں نے برسوں سے حق تعالیٰ کو یاد کیا جب اس طرف سے کوئی پیام و جواب تک نہ آیا تو میں نے سوچا وہ تو پوچھتے بھی نہیں پھر میں ہی کیوں سر ماروں لطیفۂ غیبی نے اللہ کی طرف سے اس کو جواب دیا

گفت آں اللہ تولبیک ماست وایں نیاز و سوز و دردت پیک ماست

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرا اللہ اللہ کرنا ہماری حاضری ہے۔ اور یہ عاجزی اور سوز اور درد تیرے واسطے ہمارا پیغام ہے۔

کہ تمہارا یہ اللہ اللہ کرنا ہی تو ہمارا جواب ہے ۔یہی علامت قبول ہے اگر تم مردود ہوتے تو ہم زبان کو اپنے ذکر سے روک دیتے ۔ جیسا کہ بہت سی مخلوق کو اپنے ذکر سے محروم کر رکھا ہے ۔ (الفصل والانفصال ج ۲۱)

نسیان وخطا امر غیر اختیاری ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رفع عن امتی الخطاء والنسیان .

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ نسیان وخطا امر اختیاری ہے یا غیر اختیاری ہے۔ظاہر یہ ہے کہ غیر اختیاری ہے اور لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا الخ سے معلوم ہو چکا ہے کہ غیر اختیاری پر مؤاخذہ نہیں پھر بعد رفع مؤاخذہ آئندہ کیلئے دعائے عدم مؤاخذہ کی تعلیم کے کیا معنی جبکہ مؤاخذہ کا احتمال ہی نہیں دوسرا اشکال یہ ہے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے رفع خطا ونسیان اس امت کے ساتھ مخصوص ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ دوسری امتوں پر مؤاخذہ تھا اور یہ عقل کے خلاف ہے کہ دوسری امتوں کو تکلیف مالا یطاق دی گئی ہو ۔نیز نص لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا میں نفسا عام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تشریعیات میں تکلف مالا یطاق کسی کو نہیں دی گئی اور عقل بھی عموم کو چاہتی ہے اس کے جوابات علماء نے مختلف دیئے ہیں مگر میرے ذہن میں جواب آیا ہے میں اس کو عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ خطرات و وساس میں دو درجے ہیں ایک درجہ حدوث کا ہے ۔ وہ تو غیر اختیاری ہے اور ایک درجہ بقا کا ہے۔ یہ بعض اوقات اختیاری ہوتا ہے مثلاً کسی اجنبیہ کا دل میں بلاقصد خیال آگیا یہ تو غیر اختیاری ہوا۔ (الفصل والانفصال ج ۲۱)

نامرادی کا مفہوم:

حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مسئلوں کی دکان تو مولویوں کے پاس رکھا دی ہے۔ اور تعویذوں کی حاجی محمد عابد صاحبؒ کے پاس غرض مرادیں اس طرح تقسیم ہوگئیں اب میرے پاس تو صرف نامرادی ہے جس کو مرادیں لینا ہوں ان بزرگوں کے پاس جائے جس کو نامرادی لینا ہو میرے پاس آئے۔ پہلے پہلے میری سمجھ میں یہ جملہ نہیں آیا مگر خود حضرت کے بتلانے سے اب کہہ رہا ہوں فرمایا کہ نامرادی سے مراد عشق ہے کیونکہ عاشق ہمیشہ نامراد ہوتا ہے اس کو کسی مراد پر بھی قرار نہیں ہوتا ترقی ہی کا طالب ہوتا ہے اسلئے ہر دم ناکام اور نامراد ہی رہتا ہے بس اس کا یہ ہوتا ہے

دلا رام دربر دلارام جوئے　　لب از تشنگی خشک و برطرف جوئے
نگویم کر بر آب قادر نیند　　کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

محبوب بغل میں ہے اور محبوب کو ڈھونڈ رہے ہیں نہر کے کنارے پر ہیں اور ہونٹ پیاس سے خشک ہیں یہ ہم نہیں کہتے کہ پانی پر قادر نہیں مگر نیل کے کنارے جلندھر کے بیمار کی طرح ہیں۔ (شفاء العی ج ۲۱)

منازعات نفس مجاہدہ سے باطل نہیں ہوتے:

منازعات نفس بھی موانع ہیں کہ آپ سردی میں اٹھ کر نماز پڑھنا چاہتے ہیں لیکن نفس آپ کو روکتا ہے تو اس کے لیے ضرورت ہے تربیت کی اس سے منازعات ضعیف الاثر ہو جاتے ہیں گو بالکل ان کے مواد کا استیصال نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں کو اس میں یہ دھوکہ ہو جاتا ہے کہ مجاہدات سے منازعات بالکل باطل ہو جاتے ہیں لیکن یہ غلط ہے ہاں ضعیف ہو جاتے ہیں۔

نفس اژدہاست او کے مردہ است　　از غم بے آلتی افسردہ است

(نفس اژدہا ہے وہ نہیں مرا ہاں غم بے آلتی سے افسردہ ہے)

مولانا نے یہ حکایت لکھی ہے کہ ایک اژدہا سردی میں ٹھٹرا پڑا تھا اس کو ایک مارگر نے مردہ سمجھ کر رسوں میں جکڑ لیا اور گھسیٹ کر شہر میں لایا لوگ جمع ہو گئے اور شیخی بگھار رہا تھا میں نے اس طرح اس کو گرفتار کیا ہے اور اس طرح اس کو مارا ہے لوگ بھی تعجب کر رہے تھے

اتنے میں دھوپ جو نکلی وہ اس کی حرارت سے جنبش کرنے لگا معلوم ہوا کہ زندہ ہے مخلوق بھاگی اور ساری شیخی اس کی کرکری ہوگئی اسی کو ذکر کر کے مولاناؒ فرماتے ہیں

نفس اژدہاست او کے مردہ است — از غم بے آلتی افسردہ است

یعنی نفس تو ایک اژدہا ہے وہ مرا نہیں ہاں غم بے آلتی سے افسردہ ہو رہا ہے تو افسردگی کے اسباب کو نہ چھوڑنا چاہیے اور وہ مجاہدت واشغال اور تدبیر خاصہ ہیں اس لئے تعلیم اصلاح کے ساتھ تدابیر کی تعلیم بھی ضروری کرنا چاہئے۔ اکثر ہمارے مصلحین اوامرونواہی اوروعدہ وعیدہ کو ہمیشہ ذکر کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ تدابیر نہیں بتلاتے حالانکہ اس کی سخت ضرورت ہے کیونکہ اس میں سخت دشواری پیش آتی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ جھوٹ نہ بولیں مگر نفس کہتا ہے کہ اب فلاں مصلحت ہے بول ہی لینا چاہئے اور ہم نفس سے مجبور ہو جاتے ہیں دیکھو اگر بدن میں صفرا بہت بڑھ جاوے تو نرے مسکنات (تسکین دینے والی دوائیں) سے تسکین نہیں ہوتی بلکہ مزیل (زائل کرنے والی ادویہ) کی ضرورت ہوگی تو محض نصیحت بمنزلہ مسکن ہے اور تدبیر بمنزلہ مزیل۔ غرض ان منازعات کے لئے تربیت کی حاجت ہوئی۔

تربیت بھی صحبت پر موقوف ہے:

تربیت جس کی ضرورت تعلیم سے بھی زیادہ ہے سو وہ بدون صحبت کے کسی درجہ میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی حتی کہ غیر اہل ملت نے بھی اس کی ضرورت سمجھی چنانچہ کالجوں میں جو بورڈ نگ بنائے جاتے ہیں اور شہر کے بچوں کو بھی ان میں رکھا جاتا ہے محض اس لئے اساتذہ کے خواص طبعیت ان میں پیدا ہو جاویں اور یہ میں نے اس لئے نقل کیا کہ آج کل کے مذاق والے لوگ بھی مطمئن ہو جاویں ورنہ ہم کو غیر ملی لوگوں کے طرز عمل کے نقل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہم تو اس کو ایسا یقینی سمجھتے ہیں کہ جس میں ذرا بھی شک نہیں کیونکہ ہم کو تو روز مشاہدہ ہوتا ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ذی علم لوگ میرے پاس اصلاح کے لئے آتے ہیں اور ان کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے اور وہ چاہتے ہیں کہ کچھ ذکر و مشاغل پوچھ کر چلے جاویں لیکن میں بجائے ذکر و شغل سکھلانے کے ان کو وہاں رہنے کا مشورہ دیتا ہوں اور وہ رہتے ہیں۔ چند روز تک اس مجمع میں رہنے سے کسی نہ کسی کی برکت سے ان کی حالت درست ہو جاتی ہے۔ اگرچہ وہ برکت کسی چھوٹے ہی کی ہو۔ اور اسی لئے بڑوں کو

بھی ضرورت ہے۔ چھوٹوں کی کیونکہ ان کی برکت سے بڑوں کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ تم چھ ماہ یا سال بھر تک ہمارے پاس رہو اور یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی مگر پھر جب رہتے ہیں اور پہلی حالت میں تغیر شروع ہوتا ہے اور بات بات پر ان کو روکا ٹوکا جاتا ہے تو ان کی سمجھ میں آتا ہے کہ واقعی اس کی ضرورت تھی تو چونکہ ہم کو ایسے واقعے ہمیشہ پیش آتے ہیں اس لئے ہم کو تو اہل تمدن کے قول کے نقل کرنے کی ضرورت نہ تھی مگر چونکہ آج کل لوگوں کو بدون اس کے تسلی نہیں ہوتی اس لئے ان کی حکایت بھی نقل کر دی پس ہم کو دونوں جماعتوں کی ضرورت ہے ایک تو وہ جماعت جس سے تعلیم حاصل کریں دوسری وہ جماعت جس سے تربیت ہو۔ (فوائد الصحبہ ج ۲۱)

شیخ کامل کی علامات:

تربیت میں خواندہ ناخواندہ سب کا ایک ہی دستور العمل ہے وہ یہ کہ اس شخص کے لئے ایسے شخص کو انتخاب کریں جس نے اپنے اخلاق درست کر لئے ہوں۔ اور اس کا اندازہ مشاہدہ علامات سے ہو سکتا ہے کہ متعدد مشائخ کو جا کر دیکھیں اور یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ دیکھئے دنیا کے ایک سودے کے لئے شہروں میں مارے مارے پھرتے ہیں تو اگر بزرگوں کی تلاش میں بھی دو چار جگہ ہو آویں تو کیا مشکل ہے اور وہ علامات یہ ہیں کہ دیکھیں کون بزرگ ایسا ہے جو علم دین بقدر ضرورت رکھتا ہو اور علم پر عمل کرتا ہوں اپنے متعلقین پر شفقت کے ساتھ احتساب کرتا ہو اور اس کی صحبت میں لوگوں کو دنیا سے دلبستگی نہ رہتی ہو اسکے پاس رہنے والے غالب دیندار ہوں جو شخص ایسا ملے کہ اس کے پاس آمد و رفت رکھے اور جب موقع ملے چند روز تک اس کے پاس رہے اس کے اخلاق درست ہو جائیں گے کیونکہ جب پاس رہے گا تو دیکھے گا کہ اس نے چار موقع پر غصہ کو ضبط کیا ہے تو ایک جگہ خود بھی ضرور ضبط کرے گا۔ اور اسی طرح عادت ہو جاوے گی۔ اور اگر پاس رہنا ممکن نہ ہو تو ایسے شخص سے مراسلت ہی رکھو اپنے امراض لکھ کر بھیجو کہ مجھے حرص ہے طمع ہے بے استقلالی ہے پھر وہاں سے جو کچھ لکھ کر آوے اس پر عمل کرو۔ وہ حضرات تہذیب اخلاق کے لیے وظیفہ نہ بتلاویں گے بلکہ تدابیر بتلاویں گے اور گو وہ کتابوں میں بھی ہیں لیکن وہ مبتدی کو مفید نہیں ہوتیں اس لئے کہ کتابوں میں کلیات ہیں باقی اپنے حالات جزئیہ کا منطبق کرنا ان کلیات پر

اس کے لئے فہم کافی نہیں تو یہ تو تربیت کا طریق ہے خواہ مجالست سے ہو یا مراسلت سے ہو اور یہ طریقہ جیسا کہ آپ کے لئے ہے آپ کے بچوں کے بھی ہے اگر چہ وہ انگریزی وغیرہ ہی میں مشغول ہوں اس حالت میں ایسا ہونا چاہئے کہ چھٹی میں کم سے کم ایک چوتھائی چھٹی کا ان بزرگوں کے پاس گزاریں۔ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ اگر سال بھر میں ایک ماہ بھی آپ کسی ایسے شیخ کی صحبت میں رہ لیں گے تو ان کو نہ سائنس مضر ہو سکتا ہے نہ انگریزی۔ یہاں تک مردوں اور بچوں کی تربیت کا دستور العمل مذکور ہوا۔ (فوائد الصحبہ ج ۲۱)

غفلت خروج عن الاسلام کے خطرے سے خالی نہیں

بحمد للہ مسلمانوں میں سے کوئی اسلام کی کسی چھوٹی یا بڑی بات کا منکر تو نہیں ہے نہ اصول کا نہ فروع کا' ہاں غفلت ان سب سے ہو گئی ہے کیا اصول اور کیا فروع اور وہ غفلت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ عجب نہیں کہ انکار تک نوبت آ جائے۔ انکار تو صریح کفر اور خروج عن الاسلام (اسلام سے خارج ہونا) ہے' ہی یہ غفلت چونکہ اسی کا ذریعہ ہے اسی واسطے خطرہ سے خالی نہیں اور بہت توجہ کے ساتھ علاج کی محتاج ہے۔ (تفصیل الذکر ج ۲۲)

کیفیات و آثار پیدا ہونے کا سبب

اکثر کیفیات و آثار پیدا ہونے میں اعمال ہی موثر ہوتے ہیں۔ ان کا وہی اثر ہوتا ہے جو جانور میں خوردونوش کا اثر ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اکثر کیفیات دو کیفیتوں کی طرف راجع ہوتی ہیں جن کا نام رضا و سخط ہے اور رضا و سخط کا منشا اعمال ہی ہیں' انسان راضی ہوتا ہے تو کسی کام سے ہی ہوتا ہے اور ناراض ہوتا ہے تو کسی کام ہی سے ہوتا ہے۔ اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ کیفیات کے پیدا ہونے میں موثر اعمال ہی ہیں اور یہ ایسی چیز ہے کہ سخت سے سخت اور قوی سے قوی شخص بھی اس سے نہیں بچ سکتا' کیسا ہی کوئی متین اور مستقل آدمی ہو مگر اس پر بھی ان چیزوں کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ (القاف ج ۲۲)

وسوسہ کس صورت میں مضر ہو جاتا ہے؟

حدیث النفس سے عزم اور فعل کی نوبت آتی ہے وہ وسوسہ کے مرتبہ میں تو مضر نہ تھا مگر اس پر اتنے مرتبے اور متفرع ہو گئے اب وہ وسوسہ مضر ہو گیا یعنی بواسطہ عزم اور فعل کے

اور بواسطہ کی قید میں نے اس لیے بڑھادی کہ کوئی یہ نہ کہے کہ وسوسہ کو تو ابھی غیر مضر کہا تھا اور اب مضر کہہ دیا اور یہ تعارض ہے اس قید سے جواب نکل آیا کہ وسوسہ فی نفسہ خود تو مضر نہیں ہاں بواسطہ مضر ہو گیا۔ یعنی وسوسہ غیر مضر اسی وقت تک ہے جب تک کہ وسوسہ رہے اور جب عزم و فعل کے مرتبہ میں آ گیا اب مضر ہے تو وسوسہ کی دو حالتیں ہیں کبھی تو یہ نوبت ہوتی ہے کہ دل میں جم گیا اور عزم و فعل تک پہنچ گیا۔ یہ درجہ مضر ہے اور کبھی اس کا مصداق ہوتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طَآئِفٌ مِّنَ الشَّیْطَانِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ○

حق تعالیٰ متقین کی شان میں اور ان کی مدح میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جب ان کو شیطان کی طرف سے کسی وسوسہ کا اثر ہوتا ہے تو وہ فوراً ہوشیار ہو جاتے ہیں اور ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور اس سے وہ صاحب بصیرت بن جاتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ وسوسہ بعض حالتوں میں مضر نہیں ہوتا یہ وہ صورت ہے کہ شیطان نے وسوسہ ڈالا مگر تم نے اس کو قلب سے معاً دفع کر دیا اور اس دفع سے میری یہ مراد نہیں کہ وسوسہ کے پیچھے پڑ گئے اس کا بالکلیہ استیصال ہو جائے کیونکہ یہ تو وسوسہ والے کو بہت مضر ہوتا ہے اور جوں جوں وہ دفع کرتا ہے اتنی ہی اس میں زیادتی ہوتی ہے۔ (القاف ج ۲۲)

وسوسہ غفلت کا ابتدائی اثر ہے

پس خوب سمجھ لیجئے کہ وسوسہ غفلت کا ابتدائی اثر ہے اور یہ ضرور نہیں کہ اس سے آگے اور کچھ نتیجہ پیدا نہ ہو ممکن ہے کہ اور نتائج برے سے برے پیدا ہو جائیں۔ بنا بریں غفلت جو موجب وسوسہ ہے یہ بھی گناہ ہی کی طرح بواسطہ مضر ہو جائے گی کیونکہ وہ مقدمہ ہے ضرر کا اور اندیشہ ہے اس کے نتائج بڑھنے کا (مقدمۃ الشئی فی حکمہ) اس کو معمولی بات نہ سمجھا جائے۔

سرچشمہ شاید گرفتن بہ میل   چو پر شد نشاید گذشتن بہ پیل

(چشمہ کے سوت کو ابتدا ہی میں سوت سے بند کر سکتے ہیں لیکن بڑھ جانے پر اگر ہاتھی بھی رکھو گے تو پر نہ ہو گا) (القاف ج ۲۲)

وسوسہ گناہ نہیں

قرآن کریم کی ایک آیت میں ہے: "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ" (ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو اس کے جی میں خیال آتے ہیں)

اس سے ظاہراً متبادر ہوسکتا ہے کہ وسوسہ بھی گناہ ہے حالانکہ حدیث میں صراحۃً موجود ہے "تَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْ اُمَّتِیْ مَاوَسْوَسَتْ بِهٖ صَدُوْرُهَا" یعنی حق تعالیٰ نے میری اُمت کے قلبی وسوسوں کو معاف فرمادیا ہے سو دونوں نصوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن اس تقریر سے یہ تعارض رفع ہوگیا کیونکہ میں نے بیان کیا ہے کہ وسوسہ گو گناہ نہیں مگر منع اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ کبھی ذریعہ گناہ کا بن جاتا ہے اور یہ شریعت کا انتظام ہے کہ منہیات کے ذرائع سے بھی نہی فرمائی ہے۔ سو حدیث ظاہر حقیقت پر محمول ہے اور آیت میں جو کچھ وسوسہ کی برائی ظاہراً معلوم ہوتی ہے وہ بطور پیش بندی کے ہے اور میں نے ظاہراً اس لیے کہا کہ اگر غور کیا جائے تو واقع میں آیت میں وسوسہ پر وعید ہی نہیں ہے بلکہ صرف اپنے احاطہ علمی کا بیان فرمایا ہے جیسے دوسری آیت میں ہے: "اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اَلاَ یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ" (بے شک وہ دلوں کے حال کو جانتا ہے کہ وہ نہیں جانے گا کہ اس نے کسے پیدا کیا) یہاں وسوسہ کی بھی تخصیص نہیں بلکہ مطلق دل کی باتوں کے جاننے کو اس میں بیان فرماتے ہیں: "اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ" (بے شک وہ دلوں کے حال کو جانتا ہے) آگے اس کی دلیل ہے: "اَلاَ یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ" (کیا وہ نہیں جانتا کہ اس نے کس کو پیدا کیا) سبحان اللہ قرآن کی کیا بلاغت ہے یعنی یہ بات تو پہلے سے معلوم ہے کہ سب چیزیں پیدا کی ہوئی خدا تعالیٰ کی ہیں اور خلق مسبوق بالعلم ہوتا ہے تو اپنی پیدا کردہ چیز کا علم دلیل عقلی سے ثابت ہوا اس واسطے بطور انکار اور تعجب کے فرمایا: "اَلاَ یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ" (کیا وہ نہیں جانتا کہ اس نے کس کو پیدا کیا) کیا خدا تعالیٰ اپنی پیدا کی ہوئی چیز کو نہ جانے گا ضرور جانے گا اور دل کی باتیں بھی اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں تو ان کو بھی ضرور جانے گا اس سے ظاہری محسوسات کا علم بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگیا

غیر اختیاری وسوسوں سے ڈرنا نہ چاہیے

آج کل ایک جماعت ذاکرین کی اس غلطی میں مبتلا ہوگئی ہے کہ غیر اختیاری وسوسوں سے بہت ڈرتے ہیں حتیٰ کہ بعض کو جان دینے تک کی نوبت آ گئی ہے اور اس کی وجہ ان کا ذکاء حس اور خوف خدا ہے اور یہ حالت بھی فی نفسہ کوئی بری نہیں ان کو احساس تو ہے باقی عوام تو ہاتھی کے ہاتھی نگل جائیں اور ان کو احساس نہ ہو اور ذاکرین کی یہ حالت ہوتی ہے کہ مکھی بھی آ بیٹھے تو ناگوار ہوتی ہے اس ہاتھی اور مکھی پر لطیفہ یاد آیا۔

دہلی میں ایک دیہاتی شخص نان بائی کی دکان پر گوشت کا سالن خرید نے گیا' دکاندار نے پیالہ میں گوشت دیا' دیکھا تو اس میں ایک مکھی بھی تھی' دوکاندار سے کہا میاں اس میں تو مکھی ہے تو...... بیباک دوکاندار کیا کہتا ہے کہ کیا چار پیسہ میں ہاتھی نکلتا' خیر یہ تو لطیفہ تھا۔ مقصود یہ ہے کہ جیسا فرق ہاتھی اور مکھی میں ہے یہی فرق ذاکرین اور عوام کی حالت میں ہے کہ عوام تو ہاتھی کے برابر بھی گناہ کر گزریں تو دل میلا نہ ہو اور ذاکر کے قلب پر مکھی کے برابر گناہ کا وسوسہ بھی آ جائے تو جان کھونے کو تیار ہوتا ہے مگر واقع وسوسہ پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔ گو ذاکر کو اس سے نفرت ایسی ہوتی ہے جیسے گوہ سے مگر جان لینا چاہیے کہ وسوسہ میں صرف گوہ کا سونگھنا ہے گوہ کھانا نہیں ہے گوہ کھانا عمل میں ہوتا ہے۔ وسوسہ میں صرف گناہ کی بو آتی ہے اور گوہ کی بو آنے سے وہ پیٹ میں نہیں پہنچ جاتا ہاں نفرت کی چیز بد بو بھی ہے۔ راحت کے لیے خواہ اس کا بھی انسداد کرلو مگر انسداد کے اہتمام میں پریشان نہ ہو۔ اگر تمام عمر بھی وسوسہ رہے تب بھی پیٹ میں نہیں جائے گا اور مطلق گناہ نہ ہوگا۔ تاوقتیکہ فعل کے مرتبہ میں نہ آ جائے یہاں ایک شبہ یہ ہوسکتا ہے کہ حدیث سے تو معلوم ہوا کہ ذکر کرنے سے شیطان قلب پر سے ہٹ جاتا ہے اور وسوسہ نہیں ڈالتا اور مشاہدہ اس کے خلاف ہے کہ ہم ذکر کرتے ہیں اور پھر یہی وسوسہ رہتا ہے تو سمجھ لو کہ حدیث کا مضمون بالکل صحیح ہے اور ذکر سے بیشک وسوسہ جاتا رہتا ہے مگر کس ذکر سے زبان کے ذکر سے یا قلب کے ذکر سے۔ حدیث "فَاِذَا ذَکَرَ اللّٰہَ" کا مرجع حقیقتاً قلب ابن آدم ہے کیونکہ انسان قلب ہی سے انسان ہے۔ بس قلب سے ذکر کر کے دیکھو جو وسوسہ پاس بھی رہے اور ہم جو ذکر کر کے ساتھ وسوسہ پاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا ذکر ضعیف ہوتا ہے اس میں قلب اچھی طرح ذاکر نہیں ہوتا کیونکہ یکسوئی نہیں ہوتی بس زبان ہی ذاکر ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے ذکر کا اثر بھی ضعیف ہی ہوگا ورنہ اگر قلب بھی ذاکر ہو تو پھر وسوسہ کی کیا مجال ہے کہ پاس بھی آئے۔ فلسفی مسئلہ ہے کہ ایک وقت میں دو طرف توجہ نہیں ہوسکتی جب ذکر کی طرف پوری توجہ ہوگی تو وسوسہ کیسے آئے گا۔ (القاف ج ۲۲)

رسوخ ذکر کی تدبیر

تقویت ذکر کی تدبیر یہی ہے کہ کئے جاؤ اور اس کیلئے کوئی میعاد نہیں یہ تو ساری عمر کا دھندا ہے۔

تادم آخرد مے آخر بود
کہ عنایت باتو صاحب سر بود

(آخری وقت تو کوئی گھڑی ایسی ہوگی جس میں عنایت ربانی تمہاری رفیق بن جائے گی)
اور اگر فرضاً کامیابی نہ بھی معلوم ہو تو اس آیت پر نظر رکھو "لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلاَّ وُسْعَھَا" (اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی قوت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) اور سمجھ لو کہ وساوس کا دفع ہو جانا تمہارے ذمہ سعی کرنا تمہارے ذمہ یہی ہے اگر وساوس دفع بھی نہ ہوں تو تمہارے کرنے کا جو کام تھا وہ تم نے کر لیا کہ اپنی قوت صرف کی بس اب گناہ نہیں رہا آپ کا کام ارادہ تھا وہ کر چکے یہ حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ان کے یہاں ارادہ دوا بھی نفع مقصود میں مؤثر ہے اور وہ نفع مقصود اجر وقرب ہے۔ دنیا میں تو یہ ہے کہ مریض کو بلا استعمال دوا نفع نہیں ہوتا اگر کوئی شخص دوا کے استعمال کا ارادہ ساری عمر بھی رکھے اور اس کی استعمال کی نوبت نہ آئے تو محض بے سود ہے اور وہاں صرف ارادہ پر بھی اثر مرتب فرما دیتے ہیں۔ (القاف ج ۲۲)

استغراق کی حقیقت

استغراق یہ ہے کہ خلق سے غفلت ہو اور حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہو اور اس حالت میں دونوں طرف سے بےخبر ہو جاتا ہے اور گو یہ مضر نہیں اور نہ غفلت میں داخل ہے کیونکہ اہتمام ذکر کے بعد ہوا ہے مگر اس میں اجر بھی نہیں ہے کیونکہ اجر قصد پر ہوتا ہے اور بیہوشی میں قصد باقی نہیں رہتا جیسے سونے میں اجر نہیں اور یہ بیہوشی نوم تو نہیں ہے مگر مشابہ نوم ضرور ہے اور بوجہ اشتراک علت کے حکم دونوں کا ایک ہی ہے جس کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ اس بیہوشی سے بھی ان حالات میں وضو جاتا رہتا ہے جن حالات میں نوم سے جاتا رہتا ہے بعض ذاکرین اس سے بےخبر ہیں غرض بیہوشی میں ذکر باقی نہیں رہتا بس یہ دھوکہ ہو جاتا ہے ذکر قلبی میں۔ (القاف ج ۲۲)

شیخ کامل کی ایک حالت

شیخ کامل کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ میں نے حضرت حاجی صاحب سے سنا ہے کہ یہ لوگ کبھی خفا بھی ہوتے ہیں اور کسی کو اپنے یہاں سے نکالتے بھی ہیں تو محض زبان سے نکالتے ہیں اور قلب سے کھینچتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طالب ان کے یہاں سے جاتا نہیں ورنہ اگر قلب سے نکال دیں تو پھر طالب ٹھہر نہیں سکتا۔ حقیقت میں شیخ کامل عجب چیز ہے وہ رحمت الٰہیہ کا نمونہ ہوتا ہے۔ دیکھئے خدا تعالیٰ کے ساتھ بندوں کا برتاؤ کیا ہے اور ان کا برتاؤ

بندوں کے ساتھ کیسا ہے کہ کوئی گناہ نہیں جو بندوں سے نہ ہوتا اور پھر بھی کسی پر رزق کا دروازہ بند نہیں کرتے یہی شان شیخ کامل کی ہوتی ہے۔ بقول عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

بندہ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است　　زانکہ لطف شیخ زاہد گاہ ہست وگاہ نیست

(میں میکدہ کے مالک کا غلام ہوں کہ اس کی ہمیشہ مہربانی رہتی ہے جبکہ ناقص عقل شیخ اور پاکباز شریعت زاہد خشک کی مہربانی کبھی بھی نہیں رہتی ہے)

شیخ کامل تو عاشق ہوتا ہے مرید پر گو اس کے عشق کا ظہور نہیں ہوتا کیونکہ

عشق معشوقاں نہاں است وستیر　　عشق عاشق باد وصد طبل و نفیر

(معشوقوں کا عشق پوشیدہ اور نہاں ہے اور عاشق کا عشق دو سو طبل اور چیخ و پکار کے ساتھ آشکار ہے) (القاف ج ۲۲)

قلب کو فارغ رکھنے کی ضرورت

قلب میں ضروری اور مفید خیالات رہنے دو اور فضول اور مضر خیالات کو نکال دو وہ ضروری اور مفید خیالات وہ ہیں جن کی نسبت حدیث میں ہے "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِیْ خَشْیَتَکَ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا تعلیم فرمائی ہے کہ یا اللہ میرے دل کے خیالات کو اپنے خوف کے خیالات کر دیجئے بس تم بجائے فضول خیالات اور وساوس کے حق تعالیٰ کی نعمتوں اور وعیدوں کو سوچا کرو اور وعیدوں کو سوچنا یہ سب ذکر اللہ ہی ہے۔ لیجئے آپ کے لیے بہت سے میدان ہیں' دوڑنے میں تنگی کون کرتا ہے۔ بس یہ ہے یاد اور یہ ہے ذکر اللہ اسی کی ترغیب ہے اور اس کے مقابل یعنی غفلت سے منع کیا جاتا ہے۔ یہ ہے مضمون حدیث "اِذَا ذَکَرَ اللّٰہَ خَنَسَ وَاِذَ غَفَلَ وَسْوَسَ" (جب وہ دل سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے تو وہ وسوسہ ڈالتا ہے) کا اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ فہم اور ہمت اور توفیق عمل عطا فرمائیں۔ (القاف ج ۲۲)

اصلاح کا زیادہ مدار قلب پر ہے

کسی شخص کو صرف اپنے اعمال ظاہرہ پر نظر کر کے اس کی بناء پر اپنی حالت کو دوسرے سے اچھی نہ سمجھنا چاہیے اس لیے کہ زیادہ مدار قلب پر ہے اور قلب کا حال اکثر خود کو بھی معلوم

نہیں ہوتا تو اپنے کو کیسے اچھا سمجھ لے اسی طرح دوسرے کے قلب کا حال معلوم نہیں تو اس کو کیسے برا سمجھ لے۔ مثنوی شریف میں شبان موسیٰ کی حکایت اس کی شاہد ہے کہ بظاہر وہ کلمات بے ادبی کہہ رہا تھا لیکن چونکہ دل سے اور محبت سے کہتا تھا اس لیے موسیٰ علیہ السلام سے بوجہ ان کو روک دینے کے پرسش ہوئی اور ارشاد ہوا کہ

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح سندیاں را اصطلاح سند مدح

(ہندیوں کے لیے ہند کی اصطلاح مدح ہے اور سندیوں کے لیے سند کی اصطلاح مدح ہے)

(القاف ج ۲۲)

سلک کی دو قسمیں

سالک کی دو قسمیں ہیں ابن الحال وابوالحال۔ ابن الحال تو وہ ہے جس پر حال غالب ہو اور ابوالحال وہ ہے جو حال پر غالب ہو یعنی جو حال چاہے پیدا کرے۔ مثل انس شوق وغیرہ تو یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب انبیاء پر کلام الٰہی کا بار ہوا تو وہ ابن الحال ہوئے حالانکہ انبیاء علیہم السلام بلکہ صدیقین ابوالحال ہوتے ہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ وحی کی حقیقت حال نہیں ہے اس لیے حال تو ثمرہ مجاہدہ اور ریاضت کا ہے اور نبوۃ موہبہ محضہ ہے چنانچہ ارشاد ہے: "اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ" (اس موقع کو تو خدا ہی خوب جانتا ہے جہاں اپنا پیغام بھیجتا ہے) اور جس حالت کے اعتبار سے ابوالحال اور ابن الحال کہا جاتا ہے اس کے اعتبار سے وہ ابوالحال ہوتے ہیں۔ وحی اس مبحث سے خارج ہے۔ (شرف الکالمہ ج ۲۲)

حکایت حضرت سلیم چشتی اور شاہجہان

حضرت سلیم چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں شاہجہان بادشاہ ایک مرتبہ حاضر ہوا اور ایک بہت بڑی رقم نذر کی۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں اس کا کیا کروں گا۔ اول تو میرا خرچ ہی کچھ نہیں پھر جو کچھ تھوڑی بہت حاجت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ مجھے بھجوا دیتے ہیں میں اسے لے کر کیا کروں گا۔ شاہ جہان کے دل میں اس انکار سے شاہ صاحب کی بڑی وقعت ہوئی۔ ایک مولوی صاحب ہمراہ تھے۔ ایسے حضرات پر خشک ذی علم کو حسد ہوتا ہے انہوں نے سوچا کہ ان کی تو بادشاہ کی نظر میں بڑی وقعت ہوگئی لاؤ کوئی عیب نکالو۔ عیب نکالنے میں ایسے لوگ بڑے ماہر ہوتے ہیں جس وقت شاہ صاحب نے انکار کیا آپ کہتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَشِیْبُ الْمَرْءُ وَیَشِیْبُ فِیْہِ خَصْلَتَانِ اَلْحِرْصُ وَطُوْلُ الْاَمَلِ۝

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی بوڑھا ہوتا ہے اور اس کے اندر دو خصلتیں جوان ہوتی ہیں۔ حرص اور طول امل آپ بوڑھے ہیں۔ لہٰذا آپ میں یہ دونوں خصلتیں ہونا لازمی ہیں کیونکہ حدیث کا غلط ہونا محال ہے۔ لہٰذا یہ آپ کا تصنع ہے کہ باوجود حرص کے روپیہ لینے سے انکار کر رہے ہیں۔ شاہ صاحب حرف شناس بھی نہ تھے لیکن سبحان اللہ۔ کیا دندان شکن جواب دیا فی البدیہہ یہ فرمایا کہ مولانا آپ حدیث کا مطلب ہی نہیں سمجھے نرے پڑھنے سے کیا کام چلتا ہے۔ "مولوی گشتی وآں کہ نیستی" حضور نے فرمایا ہے تو جوان وہی ہوگا جو پہلے سے پیدا ہوا ہو۔ الحمدللہ میرے اندر حرص کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی جو آج جوان ہوتی تم اپنی خبر لو کہ شروع ہی سے حرص تمہارے اندر پیدا ہوئی اور پرورش ہوتے ہوتے اب اس پر جوانی کا عالم ہے، دیکھو آج تمہارے بڑھاپے میں اس پر کیا جوبن چڑھ رہا ہے۔ میرے اندر تو بفضلہٖ حرص کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی جو آج بڑھاپے میں اس کے جوان ہونے کی نوبت آتی۔ اللہ اکبر کیا گہری بات فرمائی ہے۔ علم حقیقی انہیں حضرات کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کا مولوی صاحب سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ شاہ صاحب کا بس منہ دیکھ کر رہ گئے۔ (راحت القلوب ج ۲۲)

حکایت حضرت فریدالدین عطار

حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ پہلے عطاری کی دکان کیا کرتے تھے، ایک دن اپنی دوکان پر بیٹھے نسخے باندھ رہے تھے۔ ایک درویش کمبل پوش دوکان کے آگے کھڑے ہو کر انہیں تکنے لگے، دیر تک اسی حالت میں دیکھ کر حضرت عطار نے فرمایا کہ بھائی جو کچھ لینا ہو لو، کھڑے کیا دیکھ رہے ہو، درویش نے کہا میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری دوکان میں خمیرے، شربت، معجونیں بہت سی چپکتی ہوئی چیزیں بھری پڑی ہیں، میں سوچ رہا ہوں کہ مرتے وقت تمہاری روح کیسے نکلے گی جو اتنی چپکتی ہوئی چیزوں میں پھنسی ہوئی ہے۔ اس وقت حضرت عطار کو باطن کا تو چسکا تھا ہی نہیں، بے دھڑک کہہ بیٹھے کہ جیسے تمہاری نکلے گی ویسے ہی ہماری بھی نکل جائے گی، درویش نے کہا کہ میاں ہمارا کیا ہے اور کمبل اوڑھ کر وہیں دوکان کے سامنے لیٹ گیا۔ اول تو حضرت عطار یہ سمجھے کہ مذاق کر رہا ہے لیکن جب بہت دیر ہو گئی تو شبہ ہوا پاس جا کر کمبل اٹھایا

تو وہ درویش واقعی مردہ تھا۔ بس ایک چوٹ دل پر لگی اور وہیں ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گر پڑے افاقہ ہوا تو دیکھا کہ دل دنیا سے بالکل سرد ہو چکا تھا' اسی وقت دوکان لٹا کر کسی پیر کی تلاش میں نکلے' پھر وہ طریق کے اندر کتنے بڑے عارف ہوئے ہیں کہ مولانا فرماتے ہیں:

ہفت شہر عشق را عطار گشت ماہنوز اندر خسم یک کوچہ ایم

(حضرت عطار رحمتہ اللہ علیہ نے عشق کے ساتوں ملکوں کی سیر کروائی اور ہم ابھی تک ایک ہی گلی میں پڑے ہوئے ہیں) (راحت القلوب ج ۲۲)

سلاطین کو اولیاء اللہ کی روحانی دولت کا علم نہیں

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر سلاطین کو اس دولت کی خبر ہو جائے جو ہمارے پاس ہے تو تلواریں لے کر ہم پر چڑھ آئیں کہ لاؤ ہمیں دو۔ واللہ یہی بات ہے اس دولت کے سامنے کچھ حقیقت نہیں سلطنت کی۔ حضرت حافظ فرماتے ہیں اور مجھ سے سوائے اس کے کہ جن کا یہ حال تھا ان کے اقوال نقل کروں اور کیا ہو سکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

(دل کے اطمینان کے ساتھ تھوڑی دیر نظر ایک معشوق پر کرنا اس سے بہتر ہے کہ بادشاہت کی چھتری سر پر ہو اور دن رات شور وغل مچا ہو)

اسی کو خاقانی کہتے ہیں:

پس از سی سل ایں معنی محقق شد بہ خاقانی کہ یکدم باخدا بودن بہ از ملک سلیمانی

(خاقانی کو تیس سال کے بعد اس بات کی تحقیق ہوئی کہ خدا کے ساتھ ایک گھڑی مشغول ہونا حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت سے بہتر ہے) (راحت القلوب ج ۲۲)

مشائخ کی نظر میں ہر وقت دو باتیں رہتی ہیں

میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ جو اہل تحقیق میں سے ہیں وہ اللہ جانے کسی کو حقیر نہیں سمجھتے' غصہ کرنا اور بات ہے اس کے راز ہیں۔ دو چیزیں ان کی نگاہ میں ہر وقت رہتی ہیں ایک تو اپنے عیوب جس کی دونوں آنکھیں پٹ ہوں وہ کانے پر کیا ہنسے۔ دوسرے وہ عالم ہیں حق تعالیٰ کے تصرفات کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ سب کی

ڈوریاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں جن کو ادھر کھینچا وہ ادھر کھنچ گئے۔ جن کو ادھر کھینچ لیا وہ ادھر کھنچ آئے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی کو حقیر کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ (راحت القلوب ج ۲۲)

پریشانی کا اصلی علاج

اگر پریشانیوں سے بچنا چاہتے ہو مثلاً بے اولاد ہو یا کوئی بیماری ہے جس سے تنگ آ گئے ہو تو اصلی علاج یہ ہے کہ خدا سے تعلق پیدا کرو پھر دیکھنا کہاں ہے پریشانی امراء کو ناز ہے اپنے پلاؤ قورمہ پر۔ اہل اللہ کو اپنے روکھے سوکھے ٹکڑوں میں وہ مزا ہے جو ان کو پلاؤ قورموں میں بھی نہیں۔ میں ان چیزوں کے کھانے کو منع نہیں کرتا۔ مطلب میرا اس کہنے سے یہ ہے کہ آپ کو ایک مزہ گھی کا ہے اور ایک مزہ گوشت کا ان کو تیسرا مزہ اس تصور کا ہے کہ یہ خدا کی دی ہوئی چیز ہے۔ محبوب کے ہاتھ کی ملی ہوئی مٹھاس ہے جب یہ تصور جم گیا پھر اللہ ان کو اس تصور میں وہ مزہ آتا ہے جو امراء کو پلاؤ قورمہ میں بھی میسر نہیں۔ اصلی پڑیا جو لذت کی ان کے پاس ہے وہ تو یہ ہے چوتھے بھوک کا مزہ ہے۔ ان کا معمول ہے کہ جس روز بھوک نہیں لگتی اس روز کھانا بالکل ناغہ کر دیتے ہیں پھر اگلے وقت کس مزہ سے کھاتے ہیں۔ (راحت القلوب ج ۲۲)

ملامت سے ہمت قوی ہو جاتی ہے

ملامت کی ایک نئی حکمت قلب میں اسی وقت وارد ہوئی وہ یہ کہ جس کام پر ملامت ہوتی ہے اس پر آدمی زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے کیونکہ طبعاً اپنی بات کی پچ ہو جاتی ہے اور ضد میں آ کر اس کام کو جس پر ملامت کی گئی ہے اور بھی زیادہ کرنے لگتا ہے اور ایک چڑ سی پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص کوٹھے پر چڑھتا ہو اور کمزوری کے باعث اس کو چڑھنا مشکل ہو تو اگر کوئی اس کو چڑھا دے کہ جی ہاں آپ چڑھ ہی جائیں گے تو اس کو اس طعن سے ایک جوش سا پیدا ہو جائے گا اور جس طرح بھی بن پڑے گا چڑھ ہی کر دم لے گا۔ غرض ملامت سے ہمت قوی ہو جاتی ہے اور یہ ہمت وہ چیز ہے جس کو طالب میں پیدا کرنے کے لیے شیخ وقت بہت تدابیر کرتا ہے اور یہاں اس کی وہ بات بلا ان تدابیر کے ملامت ہی سے حاصل ہو گئی تو بجائے برا ماننے کے اور خوش ہونا چاہیے اور ملامت کرنے والے کا احساس ماننا چاہیے کہ جو کام شیخ بھی مشکل سے کر سکتا وہ اس نے ذرا سی بات کہہ کر کر دیا تو وہ ہمارا محسن ہوا یا دشمن۔ غرض آپ کسی کی

عیب چینی سے نہ گھبرایئے اس سے کچی چینی ملے گی اور عمل کی ہمت پیدا ہو جائے گی اور ہمت وہ چیز ہے کہ حکماءِ دین کہتے ہیں کہ علم سے زیادہ ہمت کی ضرورت ہے مگر آج کل تو ہمت کی بہت ہی کمی ہوگئی ہے۔ گو علم کی چنداں کمی نہیں پہلے لوگوں میں اتنا علم نہ تھا جتنا اب ہے مگر ہمت آج کل سے زیادہ تھی اسی سے سارے کام درست ہو جاتے تھے۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

ہمت اور اس کے حصول کی آسان تدبیر

یہاں تک تو علم کے حصول کی تدبیریں بیان کی گئیں دوسری چیز تھی ہمت سو وہ فعل اختیاری ہے اس میں اختیار کے صرف کرنے کی ضرورت ہے کسی خاص تدبیر کی ضرورت نہیں جیسے کھانا کھانا کہ سامنے کھانا رکھوا ارادہ کرو ہاتھ سے لقمہ اٹھاؤ منہ میں رکھو دانتوں سے چباؤ اور نگل جاؤ' پیٹ بھر جائے گا۔ اس میں کسی مستقل تدبیر کی کیا ضرورت۔ البتہ اگر قوت اختیاریہ ہی کو صرف نہ کرو' کھانا اگرچہ سامنے رکھا رہے مگر پیٹ میں ہرگز نہ جائے گا اور نہ پیٹ بھرے گا۔ غرض ہمت کی روح صرف قصد ہی جو تدبیر سے مستغنی ہے مگر میں تبرعاً اس میں بھی سہولت کے طریقہ بتائے دیتا ہوں جس سے وہ سہولت اور مزید سہولت ہو جائے۔

سو ایک طریقہ تو ہمت کے حاصل ہونے کا صحبت ہے یعنی کسی کے پاس رہنا یہ عجیب چیز ہے کیسا ہی کم ہمت آدمی ہو لیکن جس فن کے آدمی کے پاس بیٹھے اس سے اس فن کی رغبت اور اس سے مناسبت اور ہمت عادۃً پیدا ہو ہی جاتی ہے اچھے آدمی کے پاس بیٹھے تو اچھی باتوں کی رغبت اور ہمت پیدا ہو جاتی ہے اور برے آدمی کے پاس بیٹھے تو برائیوں کی رغبت اور ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر آدمی عقل مندوں میں رہے تو عقلمندی آ جاتی ہے' بیوقوفوں میں رہے تو بیوقوف ہو جاتا ہے' عورتوں میں رہے تو زنانہ پن آ جاتا ہے' سپاہیوں میں رہے تو مردانگی اور جرأت پیدا ہوتی ہے۔ اپاہجوں میں رہے تو احدی پن پیدا ہوتا ہے۔ غرض صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے بس جس میں ہمت نہ ہو دین کے حاصل کرنے کی اس کو چاہیے کہ دینداروں کی صحبت اختیار کرے اور کچھ دیر کو ان کے پاس جا بیٹھا کرے' ہمت پیدا ہو جائے گی۔ یہ تدبیر ہے ہمت پیدا ہونے کی۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

اسی طرح اصلاح کے لیے اصل چیز ہمت اور قصد ہے اور ہمت پیدا ہونے کے لیے ذریعہ سہولت کا صحبت ہے اور اس کے ساتھ تھوڑا ذکر بھی بطور مدد ہو تو مفید ہے لیکن محض ذکر کافی نہیں

توجہ کی حقیقت

لفظ توجہ اہل طریق میں بہت مستعمل ہے اور اس کو آج کل بڑا کمال سمجھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں فلاں ایسے بزرگ ہیں کہ ایک نظر جس پر ڈال دی وہ مسخر ہوگیا بلکہ ولی کامل ہوگیا اور اکثر طالبین اسی توجہ کی درخواست کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے مجھ سے نماز نہیں پڑھی جاتی ایسی توجہ ڈالئے کہ میں پکا نمازی ہو جاؤں۔ کوئی کہتا ہے مجھ سے بدنظری کا مرض نہیں چھوٹتا۔ ایسی توجہ کیجئے کہ میری نظر بے موقع اٹھ ہی نہ سکے اور معلوم نہیں کیا کیا اسی قسم کی درخواستیں ہوتی ہیں۔ حاصل ان سب کا یہ ہے کہ خود کچھ کرنا نہ پڑے سب کرنا کرانا پیر صاحب ہی کے ذمہ ہے۔ صاحبو! کوئی یہ درخواست نہیں کرتا کہ ایسی توجہ کیجئے کہ بلا کھائے پیٹ بھر جایا کرے یا بلا نکاح اولاد ہو جایا کرے۔ جب پیر صاحب کی توجہ سے سب کچھ ہو سکتا ہے تو بلا کھائے پیٹ بھی بھر سکتا ہے اور بلا نکاح اولاد بھی ہو سکتی ہے پھر یہ درخواست کیوں نہیں کی جاتی۔ بات یہ ہے کہ پیٹ بھرنے کی اور اولاد کے ہونے کی ضرورت اور وقعت تو قلب میں ہے لہٰذا ان کے لیے ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے اور کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا جاتا اور اصلاح قلب اور نماز روزہ وغیرہ اور اجتناب عن المعاصی کی ضرورت اور وقعت ہی قلب میں نہیں ہے لہٰذا یہ حیلے بہانے تراشے جاتے ہیں اور اگر کسی نے ذرا سا سہارا دے دیا کہ ہاں دعا کریں گے یا توجہ کریں گے تو بس خوئے بدرا بہانہ بسیار اس امید دلانے پر اطمینان ہوگیا اور فراغت ہوگئی کہ بس سب کچھ آپ سے آپ ہو رہے گا۔ صاحبو! اگر توجہ متعارف سے اصلاح ہو جایا کرتی تو انبیاء علیہم السلام سے زیادہ کون اس کام کو کر سکتا تھا اور ان سے زیادہ کون شفیق ہو سکتا تھا مگر ان حضرات نے کبھی اس سے کام نہیں لیا، مصیبتیں اٹھائیں جہاد کیے، برے برے الفاظ سنے مگر یہ نہیں کیا کہ توجہ ڈال کر سب کے قلوب مسخر کر لیتے اور سب کا تزکیہ ہو جاتا۔

حالانکہ اس سے یہ فائدہ ہوتا کہ ان حضرات کو بھی سہولت ہوتی مصیبتیں نہ اٹھانا پڑتیں اور طالبین کو تو بہت ہی آسانی ہوتی کہ کچھ کرنا ہی نہ پڑتا۔ آپ غور کر سکتے ہیں کہ کوئی بات تو ہے جو ایسا نہیں کیا اور وہ حضرات کیا کرتے حق تعالیٰ ہی نے ان کے واسطے اس کو تجویز نہیں کیا کیونکہ وہ اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کرتے تھے بس وہی کرتے تھے جو وحی کے ذریعے سے ان کو امر کیا جاتا تھا۔ اب سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ توجہ بالمعنی المتعارف غیر سنت ہے۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

نفس شیطان سے زیادہ چالاک ہے

نفس وہ چیز ہے جس نے شیطان کو بھی غارت کیا۔ نفس شیطان سے بھی زیادہ چالاک ہے شیطان کو بھی دھوکہ دیتا ہے نفس کو وہ چالاکیاں آتی ہیں جن کا پتہ بھی نہیں چلتا' بڑے بڑوں کو اس نے ہلاک کیا ہے پھر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسا دشمن جو چالاک بھی ہو کیسا خطرناک ہوگا اسی لیے محققین نے نفس کو زیادہ دشمن سمجھا ہے اور اسی سے ہوشیار رہنے کی زیادہ تاکید کی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں ماند خصمے زوبتر در اندروں
کشتن ایں کار عقل وہوش نیست شیر باطن سخرہ خرگوش نیست

(یعنی اے بزرگو! تم نے ظاہر دشمن کو تو ہلاک کر دیا مگر ایک دشمن جو اس سے بدتر اور ضرر رساں ہے باطن میں رہ گیا یعنی نفس اس دشمن باطنی کا ہلاک کرنا محض عقل و ہوشیاری کا کام نہیں ہے کیونکہ شیر باطن خرگوش کے قابو کا نہیں ہے جب وہ شیر خرگوش کے داؤ میں آ گیا تھا یہ شیر باطن ایسا نہیں ہے)

نفس کے بڑے بڑے گھات ہیں جن سے وہ انسان کو ہلاک کرتا ہے بسا اوقات یہ معصیت پر ایسا رنگ چڑھاتا ہے کہ وہ طاعت معلوم ہونے لگتی ہے پھر کیسے کوئی اس کی مکر سے بچے نفس کے مکروں پر تنبہ جبھی ہو سکتا ہے کہ قلب میں نورانیت ہو اور ایسا صحیح حس حق و باطل کے پہچاننے کا پیدا ہو گیا ہو جیسے زبان میں ہے کڑوا اور میٹھا پہچاننے کا۔ جب قلب ایسا ہو جائے گا تو اس کو قرآن میں وہ چیزیں ملیں گی جو بیان میں نہیں آ سکتیں۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

ضعف تعلق پر قناعت کرنا ظلم ہے

بچپن میں بہت سے نوافل کا پابند تھا مگر منیۃ المصلیٰ پڑھتے ہی جب معلوم ہوا کہ یہ تو مستحبات ہیں جن کے نہ کرنے میں کچھ گناہ نہیں اسی وقت سے نوافل کو چھوڑ دیا۔ اس وقت تو متنبہ نہ ہوا کہ میں کیا کر رہا ہوں مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حالت بری تھی۔ اس کا تو یہی حاصل ہوا کہ ہم حق تعالیٰ کے ساتھ ضابطہ کا تعلق رکھنا چاہتے ہیں کہ ضروریات کو بجالائیں اور ان کے علاوہ جو باتیں خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کی ہیں ان کو نہ بجالائیں تو کیا ہم دنیا میں اپنے مربیوں کے ساتھ بھی یہ برتاؤ کر سکتے ہیں کہ خدمت واجبہ کے سوا کچھ نہ کریں ہرگز نہیں۔ دیکھئے بعض اوقات کسی طمع کی وجہ سے یا محبت کی وجہ سے ہم اپنے مربیوں کی خدمت

غیر واجبہ بھی کچھ کرتے ہیں تو کیا خدا تعالیٰ کا اتنا بھی حق نہیں جتنا مربیوں اور بزرگوں کا حق ہوا کرتا ہے۔ ذرا کچھ تو انصاف سے کام لینا چاہیے۔ (ذم النسیان ج ۲۲)

لفظ اللہ اعراف المعارف ہے

چنانچہ یہ ایک نحوی ہے جو عقیدے کے لحاظ سے معتزلی ہے اور عقائد فاسدہ پر سخت عذاب نار کا استحقاق ہوتا ہے مگر مرنے کے بعد ان کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا' کہا مجھے بخش دیا' پوچھا کس بات پر بخش دیا' کہا ایک نحو کے مسئلہ پر میری نجات ہوگئی وہ مسئلہ یہ ہے کہ معرفہ کی بحث میں نحاۃ نے اختلاف کیا ہے کہ اعراف المعارف کون ہے۔ کسی نے ضمیر متکلم کو اعراف المعارف کہا کسی نے ضمیر مخاطب کو' میں نے یہ کہا کہ لفظ اللہ اعراف المعارف ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی معرفہ متعین نہیں کیونکہ لفظ اللہ میں بجز ذات حق کے کسی کا احتمال ہی نہیں۔ حق تعالیٰ نے اس بات پر فرمایا کہ تم نے ہمارے نام کی بہت تعظیم کی جاؤ تم کو بخشا گیا۔ دیکھئے اس نحوی کی مغفرت ایسے عمل مستحب پر کی گئی جو اس نے بہ نیت ثواب بھی نہ کیا تھا بلکہ مسئلہ نحو کے طور پر ایک بات کہی تھی مگر اسی پر فضل ہوگیا اور باوجود فساد عقیدہ اور استحقاق نار کی بخش دیا گیا۔ (ذم النسیان ج ۲۲)

سالک کا حال

حضرت مجدد صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارف اس وقت تک عارف نہیں ہوتا جب تک اپنے کو کافر فرنگ سے بدتر نہ سمجھے۔ صاحب سالک پر واقعی ایسی حالت گزرتی ہے کہ وہ سچ مچ تمام مخلوق سے اپنے کو بدتر سمجھتا ہے۔ خیر اگر کسی پر یہ حالت نہ گزری ہو تو وہ اس کلام کو انجام ہی کے اعتبار سے سمجھ لے کہ نہ معلوم میرا انجام کیسا ممکن ہے کہ کافر فرنگ کا انجام مجھ سے اچھا ہو جائے کیونکہ حالت یہ ہے کہ

گہ رشک برد فرشتہ برپاکی ما   گہ خندہ زند دیوز ناپاکی ما
ایماں چو سلامت بہ گو بریم   تحقیق شود پاکی و ناپاکی ما

(کبھی فرشتہ ہماری پاکی پر رشک کرتا ہے اور کبھی ہماری ناپاکی پر شیطان بھی ہنستا ہے' ایمان اگر قبر تک سالم لے جائیں تو ہماری پاکی اور ناپاکی کی تحقیق ہو) (ذم النسیان ج ۲۲)

حجاب کی دو قسمیں

حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حجاب دو قسم کے ہیں ایک حجاب ظلمانی' ایک حجاب نورانی' حجاب ظلمانی تو یہی وساوس وخطرات ہیں جو ذکر کے وقت دنیوی امور کے متعلق قلب میں آیا کرتے ہیں۔ ان پر توجہ کرنا تو ظاہر ہے کہ مضر ہے اور حجاب نورانی یہ ہے کہ عالم ملکوت کے انوار تجلیات مکشوف ہوں وہ بھی ایک عالم ہے جو کہ غیر خدا ہے اس لیے اس کی کیفیات پر بھی توجہ نہ کرنا چاہیے۔ حضرت حاجی صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ حجاب نورانی ظلمانی سے اشد ہے کیونکہ اس میں بوجہ نورانی ہیئت کے زیادہ مشغولیت ہوتی ہے۔ دوسرے وہ ایک نئی سی چیز ہے اس کو دیکھ کر سالک سمجھتا ہے کہ میں کامل ہو گیا حالانکہ وہ ہنوز غیر حق کے ساتھ الجھا ہوا ہے کیونکہ وہ انوار و تجلیات بھی اس کے شاغل عن الحق (حق سے پھرنے والے) ہیں اور اس کو ان میں ایک لذت بھی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ کسی وقت محجوب ہو جاتے ہیں تو بڑا رنج ہوتا ہے تو میاں اب تک اپنی لذت ہی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ مقصود تک رسائی کہاں اس وقت حق تعالیٰ قبض طاری کر کے ان انوار و تجلیات کو سلب کر لیتے ہیں تا کہ سالک غیر حق سے ہٹ کر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اس میں بندہ کی بڑی مصلحت ہوتی ہے ورنہ مقصود سے رہ جاتا۔ پس اگر کسی وقت تمام انوار کو چھپا دیا جائے تو یہ حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے ایسے وقت گھبرانا نہ چاہیے۔ (ذم النسیان ج ۲۲)

اصل مقصد دل کا رونا ہے

ایک دوست مجھ سے کہنے لگے کہ حج سے آ کر مجھے رونا ہی نہیں آتا گویا وہ اپنی اس حالت پر افسوس کر رہے تھے' میں نے کہا کہ رونا نہ آنے پر رنج کرنا یہ بھی رونا ہی ہے۔ پہلے آپ کی آنکھ روتی تھی اس وقت ایک مصرعہ مصداق تھے۔

اے خوشا چشمیکہ آں گریان اوست

(وہ آنکھیں بہت اچھی ہیں جو اس کی محبت میں رونے والی ہیں)

اوراب دل روتا ہے اس وقت آپ دوسرے مصرعہ کے مصداق ہیں۔

اے خوشا آں دل کہ آن بریان اوست

(وہ دل بہت اچھا ہے جواس کی محبت میں سوختہ ہے)

اوراصل مقصود دل کا رونا ہے آنکھ کا رونا مقصود نہیں۔ (ذم النسیان ج ۲۲)

کیفیات ومقامات کی تمنا خلاف عبدیت ہے

بعض ذاکرین ذکر کر کے یہ شکایت کرتے ہیں کہ مزہ نہیں آتا ہائے یہ ساری عمر نفس کے مزے ہی میں پڑے رہیں گے محبوب کی طرف کب متوجہ ہوں گے۔ حضرت منصور نے ایک سالک سے پوچھا کہ آج کل کس کام میں ہو انہوں نے کہا کہ مقام توکل طے کر رہا ہوں منصور نے کہا افسوس تم ساری عمر پیٹ ہی کے دھندے میں رہو گے محبوب کے ساتھ کب مشغول ہوگے کیونکہ واقعی توکل تو اکثر کھانے پینے اور پہننے ہی کے فکر سے چھوٹ جانے کے لیے کیا جاتا ہے تو یہ بھی پیٹ ہی کا دھندا ہوا ۱۲) یاد رکھو عاشق کا مذہب یہ ہونا چاہیے۔

عشق آن شعلہ است کوچوں برفروخت ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

تیغ لادر قتل غیر حق براند درنگر آخر کہ بعد لاچہ ماند

ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

(عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہوتا ہے تو سوائے محبوب کے سب کو فنا کر دیتا ہے **لا الہ الا اللہ** کی تیغ غیراللہ کو ہلاک کرنے میں چلاؤ **لا الہ الا اللہ** کے بعد دیکھو کیا رہ گیا یعنی **الا اللہ** باقی رہ گیا باقی تمام فنا ہوگئ اے عشق شرکت سوز تجھ پہ آفریں کہ سوائے محبوب حقیقی کے تو نے سب کو فنا کر دیا)

جب **لا الہ الا اللہ** کہہ دیا تو اللہ تعالیٰ کے سوا، اب سب منفی ہو گئے۔ پس اب نہ کسی خاص کیفیت کے طالب بنو نہ کسی خاص مقام کے بلکہ خدا کے طالب بنو اور اگر کچھ بھی نہ ملے تب بھی راضی رہو۔

گر مرادت را مذاق شکر است بے مرادی نے مراد دلبراست

یعنی ہم نے مانا کہ تمہاری مراد بہت عمدہ ہے۔ (ذم النسیان ج ۲۲)

سماع موتیٰ

حدیث میں ہے کہ میت کو قرع نعال کی آواز آتی ہے اور جو کوئی عزیز و قریب اس کی قبر پر آتا ہے اسے پہچانتا بھی ہے گو معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے مگر احادیث میں اس کا ثبوت موجود ہے بعض لوگوں نے عدم سماع موتیٰ کا مسئلہ امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے مگر امام صاحب کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔ امام صاحب سے صراحتہً یہ امر منقول نہیں اور جس مسئلہ سے لوگوں نے اس کو مستنبط کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب کا جواب عدم سماع موتیٰ کو مستلزم ہے وہ یمین کا مسئلہ ہے جس کا مبنیٰ عرف پر ہے اس لیے امام صاحب کا کلام اس بارے میں صریح نہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ فقہاء متاخرین نے جب یہ دیکھا کہ عوام کے عقائد سماع موتیٰ کے مسئلہ سے خراب ہوتے ہیں اس لیے انتظام عوام کی غرض سے اس کا انکار کر دیا ہو تو ممکن ہے کہ ان فقہاء کو بھی صحت سماع موتیٰ کا علم ہو مگر عوام کی اصلاح کیلئے مصلحتہً انکار کیا ہو (**فیکون مما یعلم ولا یفتی به وله نظائر فی الفقه ۱۲**) واقعی اس مسئلہ کی وجہ سے عوام کے عقائد یہاں تک بگڑ گئے ہیں کہ اب لوگ مردوں سے حاجات مانگتے ہیں کوئی ان سے اولاد مانگتا ہے بھلا ان کے پاس اولاد کہاں' کیا وہ پلا پلایا بچہ تمہاری گود میں دے دیں گے۔ جیسا بچپن میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ بچے دائی کے گھر میں جمع رہتے ہوں گے وہ لا کر عورتوں کو دے دیتی ہے اگر یہ کہا جائے کہ مردوں سے اولاد مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے لیے دعا کر دیں گے تو پہلے اس کا ثبوت دو کہ وہ اس وقت خاص تمہارے مطلوب کے لیے دعا کرنے کے ماذون بھی ہیں۔ غرض موت کو تفصیل کے ساتھ یاد کرنا چاہیے اور حدیث میں آتا ہے کہ اے عمر اس وقت کیا حال ہوگا جبکہ قبر میں دو فرشتے گرجتے اور برستے آئیں گے مگر مومن اس سے گھبرائے نہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کر کے اطمینان کر لیا ہے وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہماری عقل بھی درست ہوگی یا نہیں۔ آپ نے فرمایا: "**کھیئتکم الیوم**" یعنی تم جیسے اس وقت ہو ایسے ہی اس وقت عاقل ہو گے' اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر کچھ خطرہ نہیں ان شاء اللہ سمجھ کر صحیح جواب دے دیں گے۔ شرح الصدور دوسرے مومن کے ساتھ عنایت حق ہوگی۔ چنانچہ اسی آیت میں ارشاد ہے:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ

(پارہ ۱۳ رکوع ۱۶)

''اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات سے دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔''

(التثبیت بمراقبة المبیت ج ۲۲)

سالکین کی غلطی

بعض لوگ یہ سن کر چاہے ثمرہ حاصل ہو یا نہ ہو کام میں لگا رہنا چاہیے۔ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ بس کام کرو چاہے تکمیل ہو یا نہ ہو اور یہ سمجھ کر ادنیٰ درجہ کا عمل کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً نماز و ذکر میں از خود وساوس لانے لگے حالانکہ ناقص عمل حصول مقصود کے لیے کافی نہیں تکمیل جب ہوتی ہے اعلیٰ درجہ کے عمل سے ہوتی ہے جو عمل غفلت کے ساتھ کیا جائے اس سے باطنی نفع نہیں ہوتا۔ (پس خوب سمجھ لو کہ جب تک کامل عمل پر قدرت نہ ہو اس وقت سے تو ناقص عمل ہی کو غنیمت سمجھ کر کرتے رہو اور تکمیل کی کوشش میں لگے رہو ہمت نہ ہارو اور جب ناقص عمل پر کچھ دنوں دوام کر کے عمل کامل پر قدرت حاصل ہو جائے اس وقت عمل ناقص کو کافی نہ سمجھو بلکہ عمل کامل کا اہتمام اب بھی کرو ناقص میں لگے رہے تو تکمیل نہ ہو سکے گی۔ (زکوٰۃ النفس ج ۲۲)

خطرہ کا ابقاء فعل اختیاری ہے

بعض لوگ وساوس کو خود تو نہیں لاتے مگر اس مقام پر شیطان ایک اور دھوکہ دیتا ہے وہ یہ کہ خطرہ اولاً تو بے اختیار ہی آیا مگر پھر یہ شخص اپنے اختیار سے اس میں مشغول ہو گیا اور یہ سمجھتا رہا کہ یہ تو بے اختیاری خطرہ تھا حالانکہ اس کا حدوث صرف غیر اختیاری تھا باقی اس میں مشغول اور اس کا بقاء تو غیر اختیاری نہ تھا بلکہ یہ فعل اختیاری ہے پس ورود تو مضر نہ ہو گا۔ مگر اس میں مشغول ہونا مضر ہو گا۔ چنانچہ احادیث میں نامحرم پر پہلی نظر (جو فجاءۃ اچانک پڑ جائے ۱۲) معاف ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ''وعلیک الاخرۃ'' (مضر تمہارے لیے دوسری نظر ہے) کیونکہ دفعۃً نظر پڑ جانا تو بے اختیاری بات ہے کہ پہلے سے خبر ہی نہ تھی کہ سامنے سے کون آ رہا ہے۔ اچانک سامنا ہو گیا لیکن نظر پڑنے کے بعد نگاہ کو نہ ہٹانا اور برابر گھورتے رہنا اور نظر جمانا یہ تو اختیاری ہے یہاں بھی بعض لوگوں کو وہی دھوکہ ہوا ہے جو وسوسہ میں بعضوں کو ہوتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ دوسری نظر یہ ہے کہ ایک بار نظر ہٹا کر پھر دوبارہ نظر کی جائے اور اگر نظر نہ ہٹاوے بلکہ برابر دیکھتا رہے تو گناہ نہیں کیونکہ یہ سب تو اول ہی نظر میں داخل ہے۔ اس کا حل آیت ''لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا'' (اللہ تعالیٰ

کسی شخص کو وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) نے کر دیا ہے اس میں فیصلہ کہ غیر اختیاری بات پر مواخذہ نہیں اور اختیاری پر مواخذہ اب خود دیکھ لو کہ نظر جمانا اختیاری ہے یا غیر اختیار ہے۔ یقیناً اس میں اختیار کو دخل ہے تو اس پر ضرور مواخذہ ہوگا۔ (زکوٰۃ النفس ج ۲۲)

قبض کی حقیقت

بعض اوقات حالت ایسی پیش آتی ہے جس کو سالک فراق و ہجر سمجھتا ہے اور اس میں آثار بھی ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے محبوب سے جدا ہونے والے پر حالات طاری ہوا کرتے ہیں مثلاً انوار و تجلیات سے قلب کا خالی ہونا دل میں بے چینی اور ظلمت کا محسوس ہونا وغیرہ اس کو قبض کہتے ہیں۔ (زکوٰۃ النفس ج ۲۲)

شیخ کامل کی تجویز پر بلا چوں و چرا عمل کی ضرورت

ایک شخص حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آیا اور شکایت کی کہ حضرت مجھے قبض رہتا ہے کسی طرح بسط نہیں ہوتا' آپ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر جہر سے کیا کرو۔ تو وہ کیا کہتا ہے کہ حضرت میں تو نقشبندی ہوں جہر کیسے کروں آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر نقشبندی ہو تو جاؤ' پھر اس نے ذکر بالجہر شروع کیا' بس جہر کرتے ہی بسط ہو گیا۔ اب بتلایئے اس شخص کی طبیعت کو ذکر جہر سے مناسبت تھی مگر اس کے شیخ نے ذکر خفی ہی تجویز کیا جس سے نفع نہ ہوا۔ حضرت حاجی صاحب نے پہچان لیا کہ اس کو جہر سے مناسبت ہے وہی تجویز فرمایا۔ مگر وہ حضرت نقشبندی ہونے کا عذر کرنے لگے یہ نہایت واہیات ہے۔ شیخ کامل جو کچھ تجویز کرے طالب کو اس پر بلا تردد و شک عمل کرنا چاہیے کیونکہ وہ صاحب بصیرت ہوتا ہے طالب کی استعداد کو پہچانتا ہے اور پہچان کر نسخہ تجویز کرتا ہے تو خوب سمجھ لو کہ ذکر جہر نقشبندیت کے منافی نہیں اور نہ ذکر خفی چشتیت کے منافی ہے۔ مقصود دونوں کا ایک ہے اور دونوں کو طالب کی استعداد کے موافق جو طریقہ مفید معلوم ہو وہی بتلانا چاہیے دونوں میں صرف اتنا فرق ہے کہ چشتیہ کے مذاق پر تخلیہ کا اہتمام غالب ہے اور نقشبندیہ کے مذاق پر تحلیہ کا اہتمام غالب ہے۔ (زکوٰۃ النفس ج ۲۲)

سلسلہ چشتیہ اور نقشبندی کی حقیقت

ایک صاحب نے حضرت حاجی صاحب سے مشورہ لیا کہ میں سلسلہ چشتیہ میں مرید

ہوں یا نقشبندیہ میں حضرت نے فرمایا کہ اگر ایک جنگل ہو جس میں جھاڑیاں اور خار دار درخت کھڑے ہوں ایک شخص اس میں زراعت کرنا چاہتا ہے تو وہ کیا کرے آیا پہلے جنگل کو جھاڑ وغیرہ سے صاف پاک کر کے پھر تخم پاشی کرے یا پہلے تخم پاشی کر دے اور بعد کو صاف کرتا رہے۔ ان صاحب نے کہا پہلے تخم پاشی کرنا چاہیے کیونکہ پہلے صفائی میں لگا تو ممکن ہے اسی میں موت آ جائے اور تخم پاشی کی نوبت بھی نہ آئے اور پہلے بیج ڈال کر صفائی میں لگے گا تو کچھ تو غلہ پیدا ہو ہی جائے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ نقشبندیہ کے یہاں جا کر مرید ہو جاؤ تمہاری طبیعت کو ان کے مذاق سے زیادہ مناسبت ہے۔ دیکھئے حضرت نے دونوں طریقوں کی حقیقت بتلا دی کہ مقصود دونوں کا ایک ہے صرف تخلیہ اور تحلیہ کی تقدیم واہتمام کا فرق ہے اور جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ طالب کو نقشبندیہ کے مذاق سے زیادہ مناسبت ہے تو خود ہی فرما دیا کہ تم نقشبندی سلسلہ میں بیعت ہو جاؤ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حصول مقصود کے لیے دونوں کو کافی سمجھتے تھے۔ (اور اگر یہ صاحب حضرت سے مشورہ نہ کرتے بلکہ بیعت کی درخواست کرتے اور حضرت بیعت بھی کر لیتے تب بھی ان کو تربیت نقشبندی ہی طریقے سے کرتے۔ پس مشائخ کو بھی طرز اختیار کرنا چاہیے اور جو محقق ہو گا وہ ایسا ہی کرے گا۔ (زکوٰۃ النفس ج ۲۲)

خواب بزرگی کے ثمرات میں سے نہیں

بزرگی کے ثمرات اپنے ذہن میں کیا سمجھ رکھے ہیں مثلاً اگر کوئی اچھا خواب نظر آ گیا بس یہ بزرگی ہے اور اگر خواب بند ہو گئے سمجھ گئے کہ بزرگی ہماری جاتی رہی۔ میرے پاس بہت خطوط خوابوں کے متعلق آتے ہیں میں تو جواب میں یہ شعر لکھ دیتا ہوں ۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم　　چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

(نہ شب ہوں نہ شب پرست جو خواب کی تعبیر بیان کروں محبوب حقیقی کا غلام ہوں اسی کی باتیں بیان کرتا ہوں)۔

جو دریافت کرو بیداری کی حالت پوچھو۔ خواب تو اگر یہ بھی دیکھ لو کہ سوار کا گوشت کھایا ہے واللہ ذرہ برابر تم کو بُعد نہیں ہوا اور اگر خواب میں یہ دیکھو کہ ہم جنت میں ہیں واللہ اس سے کچھ قرب نہیں ہوا۔ بہر حال کام کرو۔ کام کرنے سے کچھ ملتا ہے اور سینہ میں کیا دھرا ہے ہاں سینہ میں تو بلغم ہے وہ تم کو دے دیں گے۔

بزرگوں کی مجلس میں دنیا بھر کی خبریں سنانا لغو حرکت ہے

بعضے لوگ اس طرح دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ دنیا لے کر بزرگوں کے پاس جاتے ہیں۔ کیا معنی کہ بزرگوں کے پاس جائیں گے اور ان کا وقت بھی ضائع کریں گے اور دنیا بھر کے قصے وہاں بیان کریں گے۔ حضرت بمبئی میں یہ ہو رہا ہے۔ روم میں یہ قصہ ہوا۔ روس میں واقعہ ہوا۔ صاحبو! تم کو روم روس کے قصوں سے کیا لینا ہے۔ خود تمہارے اندر ایک روم، روس ہے کہ ان میں روزانہ جنگ رہتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

اے برا درعقل یک دم باخود آر　　　دمبدم در تو خزاں است وبہار

(ارے بھائی تھوڑی دیر کے لئے ذرا عقل درست کر کے دیکھ خود تیرے اندر دمبدم خزاں و بہار موجود ہے)۔

ستم ست اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درآ　　　توز غنچہ کم نہ دمیدۂ دردل کشا بچمن درآ

(تمہارے اندر خود چمن ہے اس کا پھاٹک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کرلو)۔

حکیم سنائیؒ کہتے ہیں ؎

آسماں ہاست در ولایت جاں　　　کار فرمائے آسمانِ جہاں

در رہ روح پست وبالا ہاست　　　کوہ ہائے بلند وصحراہاست

(ولایت جان میں بہت سے آسمان ہیں جو ظاہری آسمان میں کارفرما ہیں روح (باطن) کے راستہ میں پست وبالا (نشیب وفراز) کوہ وصحرا موجود ہیں)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ؎

وانت الکتاب المبین الذی　　　با حرفہ یظھر المضمر

وتزعم انک جرم صغیر　　　وفیک الظوی العالم الاکبر

(اور تو مثل ایسی روشن کتاب کے ہے جس کے حرفوں سے مضمر باتیں ظاہر ہوتی ہیں تو اپنے آپ کو جسم صغیر سمجھتا ہے حالانکہ تیرے اندر بڑا جہان لپٹا ہوا ہے)۔

صاحبو! تمہارے اندر سب کچھ ہے روم بھی ہے روس بھی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہاں مکان بنے ہوئے ہیں مقصود یہ ہے کہ جب تم روم روس کی لڑائی دیکھو یا سنو تو اپنے اندر روح ونفس کی لڑائی کے متعلق بھی غور کیا کرو کہ تم پر تمہارا نفس غالب ہے یا روح غالب ہے یہ کیا ظلم وستم ہے کہ بیرونی لڑائیوں کے تو تذکرے کرو اور اپنے اندر جو لڑائی ہے اس سے غفلت ہو۔

ماقصہ سکندرو دارا نخواندہ ایم   ازما بجز حکایتِ مہر و وفا مپرس

(ہم نے سکندرو دارا کے قصے نہیں پڑھے ہیں ہم سے محبت اور عشق کی باتوں کے سوا کچھ نہ پوچھو)۔

یاد رکھو اگر اس سے غفلت میں رہے تو بہت پچھتاؤ گے۔ یہاں تو ناکامی ہو ہی رہی ہے وہاں بھی ناکام رہو گے۔ بہت جلدی اصلاح کرلو۔ (الاستغفار ج ۲۳)

اہل طریق کے مدارج

ایک قصہ ہے کہ کسی مرید نے اپنے شیخ سے اہل طریق کے مدارج معلوم کرنے کی درخواست کی تو شیخ نے جواب دیا کہ فلاں مسجد میں تین شخص مراقب بیٹھے ہیں۔ان تینوں کے پاس جا کر تم ہر شخص کے ایک ایک دھول مارو۔ وہ شخص مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ تین صاحب بزرگ صورت بیٹھے ذکر و شغل میں مصروف ہیں یہ دیکھ کر بہت شش و پنج میں پڑا کہ ان کے ساتھ یہ خلاف تہذیب حرکت کیسے کروں مگر چونکہ ضرورت تھی اس لئے مجبور ہوا اور آگے بڑھ کر ایک شخص کے ایک تھپڑ مارا۔ اس پر وہ صاحب اُٹھے اور اس کے بھی ایک تھپڑ مارا اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گئے اور اس سے پوچھا تک نہیں کہ تو کون ہے اور کیوں ایسی حرکت کی انہوں نے اس طرح پر عمل کیا۔ اس ممتحن نے اپنے دل میں کہا کہ یہ تو اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے کہ ایک کا بدلہ ایک ہی سے لیا۔ اس کے بعد یہ شخص دوسرے کی طرف بڑھا اور ان کے بھی ایک تھپڑ مارا۔ مگر وہ بیٹھے ہوئے برابر اپنے شغل میں مصروف رہے۔ اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ اس نے کہا کہ یہ ان پہلے سے بھی اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ پھر اس شخص نے ان تیسرے بزرگ کے بھی جا کر ایک تھپڑ مارا تو وہ اٹھے مگر بجائے اس کے کہ بدلہ لیں الٹا اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر سہلانے لگے کہ تمہاری بڑی چوٹ لگی معاف کرنا۔ خیر یہ سارا واقعہ شیخ سے جا کر عرض کیا تو شیخ نے جواب دیا کہ پہلا شخص تو مبتدی تھا۔ دوسرا متوسط تھا جو بزبانِ حال کہہ رہا تھا کہ

ہرچہ از دوست میرسد نیکوست

(دوست (محبوب حقیقی) کی طرف سے جو پہنچتا ہے اس میں خیر ہے)

اس پر مراقبات کے اثر کا غلبہ تھا اور تیسرا شخص منتہی تھا اس نے عروج کے بعد نزول

کیا تھا اور محقق تھا شفیق تھا۔ توسط کی حالت میں غلبۂ احوال و کیفیات کی وجہ سے شفقت کا غلبہ نہیں ہوتا اسی لئے مبتدی و متوسط سے اہل حقوق کے حقوق میں کوتاہی ہو جاتی ہے اگر پورا اہتمام نہ ہو۔ (آثار الحوبہ فی اسرار التوبہ ج ۲۳)

مشائخ کاملین کی علامت

ہم سے بہت لوگوں نے اپنے مشائخ کے اس فعل پر فخر کا اظہار کیا ہے کہ ہمارے شیخ چالیس برس تک خانقاہ سے باہر نہیں نکلے۔ صاحبو! اگر یہ کوئی کمال کی بات ہوتی تو انبیاء علیہ السلام نے یہ طرز کیوں نہ اختیار کیا۔ انبیاء کا تو وہ حال تھا جو قرآن شریف میں مذکور ہے خود ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کفار کا یہ طعن قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ ہماری طرح کھانا بھی کھاتا ہے اور ضروریات معاش کے واسطے ہماری طرح بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے) تو انبیاء علیہم السلام تو بازاروں تک میں چلے پھریں اور یہ شیخ ۴۰ برس تک خانقاہ سے بھی باہر نہ نکلیں گو بظاہر عوام کے نزدیک یہ شیخ ہی زیادہ کامل معلوم ہوں گے اگر کسی غیر محقق عامی کے سامنے یہ دونوں فعل پیش کئے جائیں۔ اور یہ نہ بتلایا جائے کہ کون سا فعل کس کا ہے تو وہ یہی کہے گا کہ وہ زیادہ کامل ہیں جو چالیس برس تک خانقاہ سے باہر نہیں نکلا۔ مگر جو مبصر ہوگا وہ دوسرے کو زیادہ کامل کہے گا اور اس کا راز یہ ہے کہ ایک تو وہ شخص ہے جس کے پاس ایک آئینہ ہے جس میں سے اس کو اپنے محبوب کا چہرہ نظر آرہا ہے اور وہ اس کے اندر اپنے محبوب کے جمال جہاں آراء کا مشاہدہ کر رہا ہے گویا کہ

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

وہ شخص کیسے یہ گوارا کر سکتا ہے کہ کسی اور چیز کی طرف دیکھے اور آئینہ کی طرف نہ دیکھے کیونکہ اگر وہ آئینہ کی طرف نہ دیکھے گا تو اپنے محبوب کے مشاہدہ سے محروم رہے گا۔ اور ایک دوسرا شخص ہے جس کا یہ حال ہے کہ سارا عالم کا جز جز اس کے لئے آئینہ جمال خداوندی بن رہا ہے تو پہلے شخص کو صرف آئینہ کے اندر مشاہدہ محبوب ہو رہا تھا۔ (آثار الحوبہ فی اسرار التوبہ ج ۲۳)

حجاب کے درجات

چنانچہ صوفیہ نے حجاب کے سات درجہ بیان کئے ہیں۔ اوّل اعراض، دوسرے حجاب،

تیسرے تفاصل، چوتھے سلب مزید، پانچویں سلب قدیم، چھٹے تسلی، ساتویں عداوت یعنی اول اعراض ہوتا ہے اگر معذرت اور توبہ نہ کی حجاب ہو گیا اگر اس کے بعد بھی اصرار رہا تفاصل ہو گیا۔ اگر اب بھی استغفار نہ کیا تو عبادت میں جو ایک زائد کیفیت ذوق وشوق کی تھی وہ سلب ہو گئی یہ سلب مزید سے اگر اب بھی اپنی بیہودگی نہ چھوڑی تو جو راحت وحلاوت کیفیات زائدہ سے پہلے اصل عبادت میں تھی وہ بھی سلب ہو گئی اس کو سلب قدیم کہتے ہیں اگر پھر بھی توبہ میں تقصیر کی تو جدائی کو دل گوارا کرنے لگا یہ تسلی ہے۔ اگر اب بھی وہی غفلت رہی تو محبت مبدل بہ بغض وعداوت ہو گئی یہ آخری حجاب ہے جو سب سے اشد ہے وہاں پہنچ کر بندہ کو حق جل شانہٗ سے بغض پیدا ہو جاتا ہے اور کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ دنیا میں بھی یہی ہوتا ہے کہ جب دو طرف سے آپس میں تکدر ہو جاتا ہے تو یہی سات حالتیں یکے بعد دیگرے وہاں بھی پیش آتی ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ۔

احب مناجات الحبیب باوجہٖ ولکن لسان المذ نبیین کلیل

کہ ہم گنہگاروں کی زبان جو ہے وہ درماندہ ہے کہ اٹھانے سے اٹھتی ہی نہیں چنانچہ مشاہدہ ہے کہ انسان جس سے شرمندہ ہوتا ہے اس کے سامنے اتنے کہنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی کہ میرا قصور معاف کر دو۔ یہ ہے تو ایک حال لیکن اگر اس کے مقتضیٰ پر عمل کر لیا گیا تو سخت مضر ہے ایک عذاب ہے وبال ہے۔ خیر یہ بزرگ تو صاحب حال تھے اور اس کے مقتضےٰ پر عمل سے بچے ہوئے تھے۔ مگر بعض لوگ تو اس حال کے مقتضیٰ پر عمل بھی کرتے ہیں۔ (آثار الحوبہ فی اسرار التوبہ ج ۲۳)

کشف وتجلی

شیخ یحییٰ منیریؒ ایک بڑے صاحب کشف واسرار کا قول نقل فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک مرتبہ حقیقت روح کا انکشاف ہوا (تجلی ہوئی) تو میں نے اس کو غلطی سے تجلی حق سمجھ لیا پھر تیس برس تک روح ہی کی عبادت کرتا رہا اور دھوکہ اس لئے ہوا کہ روح کی تجلی کو تجلی حق سے مشابہت بہت زیادہ ہے کیونکہ صوفیہ کے نزدیک روح مجرد ہے گو متکلمین اس کے منکر ہیں مگر صوفیہ نے اس مسئلہ میں اپنے کشف سے فلاسفہ کے قول کو صرف تجرد کے دعویٰ میں صحیح سمجھا ہے مگر مَعَ اِعْتِقَادِ الْحُدُوْثِ الزَّمَانِیُ (حدوث زمانی کا اعتقاد کرنے کے باوجود) تو وہ بھی تجرد کے قائل ہو گئے اسی لئے شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ فلاسفہ کے تمام اقوال کو رد نہ کرو کیونکہ ان کے بعض

اقوال صحیح بھی ہیں یہ فلاسفہ کی حمایت نہیں بلکہ ہم کو تنبیہ ہے کہ پارٹی نہ بناؤ کہ مخالف جو بات بھی کہے اس کی تردید ہی کرو بلکہ اس پر غور کرو کیونکہ اَلْکَذُوْبُ قَدْ یَصْدُق کبھی جھوٹا آدمی بھی سچ بات کہہ دیتا ہے اسی طرح اَلْمُبْطِلُ قَدْ یَقُوْلُ الْحَقَّ کہ مبطل بھی کبھی حق بات کہہ دیتا ہے پس مخالف کی بات کو یہ سمجھ کر فوراً رد نہ کرو کہ یہ تو ہمارا مخالف ہے بلکہ غور کر کے سمجھ سے کام لو اگر اس کی بات رد کے قابل ہو رد کر دو اگر قابل تسلیم ہو مان لو۔ (استمرار التوبہ علی تکرار الحوبہ ج ۲۳)

انوار و تجلیات سے متعلق حضرت حاجی صاحبؒ کا مذاق

ہمارے حاجی صاحب کی تحقیقات کو ان سب کے بعد دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ واقعی وہ امام وقت تھے حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ ان تجلیات وانوار میں سے کسی پر بھی التفات نہ کرو۔ حضرت کا مذاق بالکل سلف کے مطابق تھا۔ سلف کا فیصلہ اس باب میں یہ ہے کُلُّ مَاخَطَرَ بِبَالِکَ فَھُوَ ھَالِکٌ وَاللّٰہُ اَجَلُّ مِنْ ذٰلِکَ کہ تمہارے دل میں جو کچھ بھی خطرہ آئے (جس میں تجلیات وانوارات داخل ہیں) وہ سب فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سے اجل ومنزہ (پاک وصاف) ہیں جس شخص کا یہ مذاق ہوگا وہ کبھی دھوکہ میں نہ پڑے گا وہ کسی تجلی کی عبادت میں مشغول نہ ہوگا اور یہاں سے معلوم ہوا کہ جب قلب کو بھی حق تعالیٰ کا ادراک نہیں ہوسکتا جو الطف من البصر (بینائی سے زیادہ لطیف) ہے تو بصر کو تو اور ادراک کہاں ہوگا۔ (استمرار التوبہ علی تکرار الحوبہ ج ۲۳)

اسرار ورموز

ہمارے حضرت حاجی صاحب میں اتباع سنت نقشبندیہ سے بھی زیادہ تھا نقشبندیہ شغل لطائف کی تعلیم بہت اہتمام سے کرتے ہیں مگر حاجی صاحب فرماتے تھے کہ لطائف بھی حجب ہیں اور یہ حجب نورانیہ ہیں جو حجب ظلمانیہ سے اشد ہیں پھر فرمایا البتہ لطیفۂ قلب کی طرف توجہ رکھنا چاہئے کیونکہ حدیث میں قلب کا ذکر ہے اور اس کی طرف توجہ کا امر بھی ہے مَنْ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ مُقْبِلاً عَلَیْھِمَا بِقَلْبِہٖ الخ (جس شخص نے حضور قلب سے دو رکعت نماز پڑھی) سبحان اللہ حدیث کا کتنا ادب ہے کیا آج کوئی شیخ نقشبندی بھی ایسا ہے؟ غرض سالک کو حضرت عارف کے قول پر عمل کرنا چاہئے

حدیث مطرب و مئے گو درازِ دہر کمتر و کہ کس نکشود ونکشاید بہ حکمت ایں معمہ را

(مطرب اور مئے کی باتیں کرو اسرار دہر کی جستجو میں مت پڑو اس لئے کہ اس معمہ کو کسی نے حکمت سے حل نہ کیا اور نہ کر سکے)

یہی بعینہٖ حاجی صاحب کا مذاق ہے اور جب اسرار دہر کی طرف بھی التفات سے ممانعت ہے تو اسرار احکام وصفات تو اور بھی صعب ہیں۔(استمرار التوبہ علی تکرار الحوبہ ج ۲۳)

ایک واقعہ

مولانا شاہ ابوالمعالی صاحبؒ کے شیخ کی مجلس میں ایک منکر آیا دیکھا کہ سب اہل مجلس رو رہے ہیں کہنے لگا یہ سب محروم ہیں جبھی تو رو رہے ہیں۔اس پر شاہ صاحب کو جوش آیا اور ایک رسالہ بنام ہفت گریہ لکھا جس میں ثابت کیا ہے کہ رونے کی سات قسمیں ہیں منکر کے تو باپ کو بھی یہ اقسام کبھی معلوم نہ ہوئی ہوں گی اور ایک رونا خوشی کا ہے۔کیونکہ کبھی غایت فرح سے بھی آنسو بہنے لگتے ہیں اور ایک بکا دونوں سے عالی ہے جس کا نام گرم بازاریٔ عشق ہے پھر اس پر حضرت عارف کا یہ قطعہ لکھا عارف کے کلام میں مسائل سلوک بہت کثرت سے ہیں ۔

بلبلے برگ گلے خوشرنگ درمنقار داشت — واندراں برگ ونوا صد نالہ ہائے زار داشت
گفتمش درعین وصل ایں نالہ وفریاد چیست — گفت مارا جلوۂ معشوق دریں کار داشت

(ایک بلبل ایک خوشرنگ پھول کی پتی چونچ میں رکھے ہوئے زار وقطار نالہ وفریاد کر رہی تھی میں نے اُس سے کہا کہ عین وصل میں نالہ وفریاد کیوں کر رہی ہے جواب دیا کہ جلوۂ معشوق نے ہم کو اس کام میں مشغول کیا ہے)۔(استمرار التوبہ علی تکرار الحوبہ ج ۲۳)

عورتوں کے لئے صحبت اہل اللہ کا نعم البدل

عورتیں چونکہ پردہ نشین ہیں اس لئے وہ اس کے بجائے اہل اللہ کی حکایات دیکھا کریں خاص کر بزرگ عورتوں کی حکایتیں کہ ان سے بہت کچھ اثر ہوگا اور ہمت قوی ہوگی اس سے تمام گناہ چھوٹ جائیں گے اور خدا تعالیٰ کی طرف کامل توجہ ہوجائے اور اس کے بعد تم اس کے مخاطب ہوسکو گے۔

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

(قریب ہے کہ آپ کا رب ان کے گناہوں کو بدل دے اور ان کو ایسی جنتوں میں داخل کر دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں)۔

اب خدا سے دُعا کرو کہ وہ توفیق دے آمین۔ (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

مسئلہ وحدت الوجود درحقیقت حالی ہے

وحدت الوجود کے جو معنے عوام میں مشہور ہیں کہ میں بھی خدا اور تو بھی خدا اور در و دیوار بھی خدا یہ معنی بالکل غلط ہیں اور بعضے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی بالکل ہی موجود نہیں یہ بھی بالکل غلط ہے اور قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے ارشاد خداوندی ہے۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ (اللہ تعالیٰ ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں اور وہی ہر چیز کے ذمہ دار ہیں) حقیقت میں یہ حالی مسئلہ ہے قالی نہیں وہ حال یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی ذات پیش نظر آتی ہے اس وقت دوسروں کا اور اپنا وجود کالعدم معلوم ہوتا ہے اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک شخص اگر کسی خیال میں منہمک ہو تو اس کو دوسری تمام چیزوں کی طرف مطلق التفات نہیں ہوتا اگر کوئی اس کو آواز دیتا ہے تو وہ نہیں سنتا بلکہ بعض اوقات خاص خیالوں میں اس قدر انہماک ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی سر کے پاس آ کر آواز دے تو مطلق خبر نہیں ہوتی اس کیفیت میں وہ شخص محاورے میں مجازاً کہہ سکتا ہے کہ لاموجود الا الامر الفلانی لیکن ظاہر ہے کہ یہ کہنا واقع کے اعتبار سے نہیں بلکہ اپنی کیفیت کے اعتبار سے ہے اسی طرح وحدۃ الوجود بھی ایک اصطلاح ہے صوفیہ کی کہ وہ اپنی اس قسم کی کیفیت کو وحدۃ الوجود کے عنوان سے مجازاً تعبیر کرتے ہیں جس طرح قرآن وحدیث کے محاورات میں مجاز کا استعمال ہوتا ہے اسی طرح اصطلاح تصوف میں بھی کیونکہ وہ بھی قرآن وحدیث ہی سے مستنبط ہے تو خلاصہ وحدۃ الوجود کا یہ نکلا کہ یہ وجودات متکثرہ گویا کہ نہیں ہیں پس حکم وحدۃ (ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)

شیخ کامل سے اصلاحی تعلق کی ضرورت

کسی صاحب باطن سے تعلق پیدا کیا جائے اگر صحبت ممکن ہو تو بہت ہی خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم مراسلت تو ضرور رکھنی چاہیئے اور ان پر اپنا پورا حال ظاہر کر کے علاج کی تدبیر دریافت کیجئے۔ (ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)

شیخ کی رائے پر عمل کی ضرورت

صاحبو! اگر اپنی رائے سے کوئی شخص اپنی اصلاح کی تدبیر سوچ کر چار گھنٹے اس میں مشغول رہنے کے لئے مقرر کرے تو اس میں وہ بات حاصل نہ ہوگی جو کسی ماہر کی تجویز پر نصف گھنٹہ عمل کرنے میں حاصل ہو جائے گی مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں بخار میں مبتلا ہوا ایک طبیب سے رجوع کیا انہوں نے نسخہ تجویز کر دیا جس کے استعمال سے چند روز میں فائدہ ہو گیا۔ میں نے نسخے کو مفید دیکھ کر اپنے پاس محفوظ رکھا اتفاق سے دوسرے برس پھر کچھ شکایت ہوئی تو میں نے اسی نسخے کو منگا کر استعمال کی لیکن کچھ بھی فائدہ نہ ہوا اس کے آخر پھر اسی طبیب سے رجوع کیا اور ان کے تجویز کردہ نسخے سے صحت ہوگئی۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اول حکیم صاحب کی زبان میں یا قلم میں کوئی خاص اثر رکھا ہوا تھا کہ صحت اس پر موقوف تھی بلکہ وجہ یہ تھی کہ نسخے کی تجویز میں جس طرح مریض کے مزاج کی رعائت کی جاتی ہے زمان اور مکان کی رعایت بھی کی جاتی ہے یعنی ایام ربیع میں ایک نسخہ تجویز کیا جاتا ہے تو ایام خریف میں دوسرا کیونکہ دونوں موسموں کے مزاج بالکل الگ الگ ہیں اسی طرح سرد ملک میں جو دوا مفید ہوگی گرم ملک میں اس کا مفید ہونا ضروری نہیں تو جیسے بدن کے امراض میں محض اپنی تدبیر اور رائے میں مرض کے زوال کے لئے کافی نہیں ہے یوں ہی نفسانی امراض میں بھی ہوتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ اہل اللہ کی زبان میں بھی اثر ہے۔ (ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)

اہل اللہ سے محض وابستگی کافی ہے

اہل اللہ سے تعلق رکھنے کو جو کہتا ہوں کوئی شخص میری اس تقریر سے یہ نہ سمجھے کہ میں نوکری کرنے یا تجارت میں لگنے کو منع کرتا ہوں اور ترک تعلقات کی رائے دیتا ہوں ہرگز نہیں بلکہ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ کسی اہل دل سے وابستگی پیدا کیجئے۔

ایک صاحب کہنے لگے کہ بیعت بالکل بیکار ہے اس کی کیا ضرورت ہے کہ کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ہی کام کرے میں نے کہا کہ صاحب آپ نے کبھی علاج بھی کرایا ہے۔ کہ نہیں کہنے لگے کہ بے شک ضرورت کے وقت علاج کرایا ہے میں نے پوچھا کہ کسی ایک طبیب سے رجوع کیا ہے یا اس طرح کہ آج ایک سے کل دوسرے سے پرسوں،

تیسرے سے کہنے لگے کہ کسی ایک ہی کی طرف جس پر اطمینان ہوا رجوع کیا ہے پھر میں نے پوچھا کہ اس میں آپ نے کیا مصلحت سوچی کہنے لگے کہ روز روز طبیب بدلنے سے کسی ایک کو بھی توجہ اور شفقت مریض پر نہیں ہوتی کیونکہ کوئی ایک بھی اس کو اپنا مریض نہیں سمجھتا میں نے کہا کہ بس یہی حکمت اور نفع ہے بیعت ہونے کا کیونکہ بیعت ہونے کے بعد مرشد کو اپنا سمجھنے لگتا ہے اور یہ حالت ہوتی ہے کہ یوں کہتا ہے ؎

من غم تو میخورم تو غم مخور

(میں تمہارا غم پیتا ہوں (غمخوار ہوں) تم غم مت کرو)

مرید کو ہر وقت یہ تسلی رہتی ہے کہ میرا ایک شفیق میرے ساتھ موجود ہے اور مرشد کو یہ لاج ہوتی ہے۔ (ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)

ذکر ریائی عدم ذکر سے بہتر ہے

ایک بزرگ سے کسی نے کسی کی نسبت کہا کہ فلاں شخص ذکر ریائی کرتا ہے جواب دیا کہ تو تو ذکر ریائی بھی نہیں کرتا تو کیا منہ لے کر کہتا ہے وہ ٹمٹماتا ہوا چراغ لے کر تو پل صراط سے پار ہو جائے گا اور تو تو اس سے بھی محروم ہے اسی کی نسبت کہا ہے ؎

سودا قمار عشق میں شیریں کے کوہ کن بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشقباز اے رو سیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

ریائی ہی سہی اس سے یہ تو امید ہو سکتی ہے کہ کبھی ذکر غالب آ جائے اور ریا ندارد ہو جائے چنانچہ بکثرت ایسا ہوا ہے کہ کسی نے اعمال شروع کئے تھے کسی غرض سے لیکن اعمال غالب آ گئے اور وہ غرض اڑ گئی اور عمل محض رہ گیا۔ (اول الاعمال ج ۲۳)

حقیقتِ تصوّف

ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اگر کوئی طالب علم زیادہ تقریر کرتا تو فرما دیتے کہ یہ کام کرنے کے ہیں تقریر سے یہ شبہات حل نہ ہوں گے اسی طرح مشائخ نے جب دیکھا کہ گناہ سے بچنا ضروری ہے، پس اس کے طریقے قرآن و حدیث سے سمجھ کر انہوں نے لکھ دیئے جن پر عمل کرنے سے مقصود حاصل ہوتا ہے اور تصوف اسی کا نام ہے۔ نرے عملی

مسائل مثلاً وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود، تنزلات ستہ کے جاننے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اب اگر کوئی ان مسائل کو یاد کر کے مجلس کو گرم کرے تو اس سے وہ صوفی نہ بنے گا۔ شیخ فرماتے ہیں ۔

قدم باید اندر طریقت نہ دم   کہ اصلے ندارد دمے بے قدم

کارکن کار بگذار از گفتار   کاندریں راہ کار دار دکار

(طریقت میں قدم رکھنا یعنی عمل کرنا چاہیے اس لئے کہ بغیر قدم رکھے (عمل کئے) دعویٰ کی کچھ اصل نہیں۔ عمل کرو دعویٰ کو ترک کرو اس طریق میں عمل اور کام ہی کی ضرورت ہے)۔

کام کرنا چاہیے نری باتوں سے کیا ہوتا ہے لیکن لوگوں کو ان باتوں کے کرنے اور سننے کا شوق ہے اس لئے کہ اس میں مزہ ہے۔ میں نے ہندوؤں تک کو کہتے سنا ہے کہ مثنوی شریف میں بڑا لطف آتا ہے۔ پس اگر مدار باتوں ہی پر ہے تو ہندو بھی صوفی بن جائیں گے۔ یاد رکھو تصوف یہ نہیں تصوف کی تعریف ہے تعمیر الظاہر والباطن اور یہ تعمیر ہوتی ہے کام کرنے سے اور وہ نفس پر نہایت گراں ہے لیکن نفع ہمیشہ اسی شے سے ہوتا ہے جس میں نفس پر گرانی ہو، دیکھو غالب اور ذوق کے کلام میں گو مزہ آتا ہے لیکن اس سے کوئی نفع نہیں۔ اور حکیم محمود خاں صاحب نے جو نسخہ لکھ کر دیا ہے اس میں کچھ بھی مزہ نہیں لیکن دونوں میں فرق جب معلوم ہوگا کہ کوئی مریض ہو اور اس کو اشعار بھی سنائے جائیں اور وہ نسخہ پلایا جائے اشعار سنانے سے دل تو اس کا کچھ بہل جائے گا لیکن اصل مرض کو کچھ بھی نافع نہ ہوگا اور نسخہ پلانے سے تمام رطوبات فضلیہ اعماق بدن سے نکلیں گے اور اس میں اس کو تکلیف سخت ہوگی لیکن نتیجہ کیا ہوگا کہ دولت صحت سے مالا مال ہو جائے گا۔ (الافصاح ج ۲۳)

کشف کوئی مطلوب شئی نہیں

اور حدیث میں آیا ہے کہ قبر میں جو مُردوں کو عذاب ہوتا ہے سواء جن و انس کے اس کا سب کو ادراک ہوتا ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار تھے۔ قبرستان میں گزر ہوا گھوڑا بدکا آپ نے فرمایا کہ مردوں کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ گھوڑے کو اس کا انکشاف ہوا ہے۔ یہاں سے ایک اور بات بھی سمجھنا چاہیئے کہ بہت لوگ کشف کے طالب ہوتے ہیں۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ کشف کوئی شے مطلوب نہیں ہے اس لئے کہ اس میں جانور بھی شریک ہیں اور جانور تو جانور شیطان کو بھی کشف ہوتا ہے

چنانچہ قرآن شریف میں غذوۂ بدر کے قصہ میں آیا ہے کہ شیطان کفار کے ساتھ آیا جب مسلمانوں کا لشکر نظر آیا تو پیچھے ہٹ گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ فَلَمَّا تَرَا ءَ تَ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِیْءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْ اَرٰی مَالَاتَرَوْنَ یعنی جس وقت کافروں اور مسلمانوں کی دونوں جماعتوں نے ایک دوسری کو دیکھا تو شیطان الٹے پاؤں ہٹا اور کہا کہ وہ شے دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ اس کی تفسیر میں آیا ہے کہ اس غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کے واسطے پانچ ہزار فرشتے آئے تھے اور شیطان کو نظر آئے اس لئے وہ بھاگ گیا اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں بڑے بڑے صحابہ تھے ان میں اکثر کو فرشتے نظر نہیں آئے۔ معلوم ہوا کہ کشف کوئی کمال مقصود نہیں، عبادت اور مجاہدہ ریاضت سے اگر کسی کو یہ کشف ہی مطلوب ہو تو وہ بڑی غلطی میں ہے۔ (الافتصاح ج ۲۳)

تصوّف کی اصطلاحات کی دو قسمیں

تصوف کی اصطلاحات دو قسم پر ہیں ایک وہ جو مقاصد کے متعلق ہیں وہ تو شریعت سے الگ نہیں ہیں بلکہ مقاصد میں اصطلاحات تصوف کی حقیقت وہی ہے جو شریعت میں مذکور ہے اور دوسرے وہ اصطلاحات ہیں جو امور زوائد کے متعلق ہیں وہ شریعت سے جدا ہو سکتی ہیں جیسے تجدد امثال توحید وجودی۔ شغل رابطہ وغیرہ مگر مجاہدہ نفس کشی امور زوائد میں سے نہیں ہے بلکہ مقاصد میں سے ہے کیونکہ یہ ماموربہٖ فی الشرع (شرع میں ان کا حکم کیا گیا ہے) ہے نصوص میں جابجا مجاہدہ کا ذکر ہے کہیں بصورت خبر کہیں بصیغہ امر چنانچہ ارشاد ہے وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ (جو شخص مجاہدہ کرتا ہے وہ اپنے ہی لئے مجاہدہ کرتا ہے) وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا. وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے قربِ ثواب یعنی جنت کے راستے دکھادیں گے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں پوری مشقتیں برداشت کرو) وغیرہ وغیرہ پس اس کی تفسیر وہی ہونی چاہیئے جو شریعت نے بتلائی ہے کیونکہ میں کہہ چکا ہوں کہ مقاصد میں تصوف کی اصطلاحات شریعت کی اصطلاحات سے جدا نہیں ہیں پس اب اس غلطی کا منشا جہل کے سوا کچھ نہیں لوگوں نے کتابوں میں خاص خاص لوگوں کے مجاہدات کا ذکر دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ بس یہی اس کی حقیقت ہے حالاں کہ حقیقت شے اور چیز ہے اور اس کا طریق

تحصیل دوسری شے ہے۔ حقیقت ایک ہوا کرتی ہے اور طریق تحصیل مختلف بھی ہو سکتے ہیں (مثلاً بیماری میں پرہیز کرنا مضرات سے ضروری ہے لیکن اس سے یہ سمجھ لینا کہ پرہیز کی حقیقت وہی ہے جو فلاں طبیب نے فلاں مریض کو بتلائی تھی کہ ۶ ماہ تک پانی نہ پئے کسی سے میل جول اختلاط نہ کرے اور سوائے دو چپاتیوں کے کچھ نہ کھائے سخت غلطی ہے کیونکہ وہ طریقہ اسی مریض کے ساتھ مخصوص تھا سب کے لئے وہی طریقہ نہیں اور نہ پرہیز کی حقیقت اس طریقہ میں منحصر ہے خوب سمجھ لو ۱۲ جامع)۔ (العمرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

تفاضل بَین الاولیاء کی ممانعت

صوفیہ نے تفاضل بین الاولیاء (اولیاء کرام کے درمیان فضیلت دینے) سے بھی منع کیا ہے کیونکہ اولیاء اللہ بھی سب مقبول اور جس کا جو مذاق ہے وہ خدا تعالیٰ کو پسند ہے، ان میں بھی باہم تفضیل کا کسی کو حق نہیں کمالات سے خالی کوئی ولی نہیں یہ اور بات ہے کہ کسی کمال سے حق تعالیٰ نے کام لے لیا اور کسی کمال کو مخفی رکھا اس سے کام نہیں لیا کسی کو صاحب ارشاد بنا دیا اس سے ہدایت خلق کا کام لیا کسی کو صاحب ارشاد نہیں بنایا اسے گم نام رکھا مگر قابلیت ارشاد سے وہ بھی خالی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات شیخین کے لئے تو سلطنت تجویز کرتے ہیں اور اپنی زندگی میں بعض لوگوں سے یہ فرماتے ہیں کہ اگر میں نہ ملوں تو اس معاملہ کو ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس لانا وہ فیصلہ کر دیں گے (وغیرہ وغیرہ)۔ (العمرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

حضرت ابوذر غفاریؓ ہرگز ناقص نہ تھے

اور حضرت ابوذر غفاریؓ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یَااَبَاذَرٍّ اِنِّیْ اُرِیْکَ ضَعِیْفًاوَاِنِّیْ اُحِبُّکَ وَاِنِّیْ اُحِبُّ لِنَفْسِکَ مَااُحِبُّ لِنَفْسِیْ لَاتَفِیْضِیْنَ بَیْنَ اِثْنَیْنِ وَلَا تَلِیْنَ مَالَ یَتِیْمٍ (او کماقال) (صحیح مسلم، الامارۃ:۱۷، سنن ابی داؤد: ۲۸۶۸)

اے ابوذر میں تم کو کمزور دیکھتا ہوں اور تمہارے لئے اور تمہارے نفس کے لئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہوں نہ دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرنا نہ مال یتیم کا ولی بننا)۔

ان کو دو آدمیوں کے درمیان بھی فیصلہ کرنے سے منع فرماتے ہیں اور مال یتیم کی حفاظت سے روکتے ہیں اور حضرات شیخین کے تمام دنیا کے قضایا کا فیصلہ سپرد فرماتے ہیں تو

کیا حضرت ابوذر ناقص تھے، کیا ان میں قوت فیصلہ نہ تھی یا وہ مال یتیم کی حفاظت نہ کر سکتے تھے۔ کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا کیونکہ جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھوں سے دیکھ لیا ہو اور آپ کی صحبت میں رہا ہو وہ ناقص نہیں رہ سکتا خصوصاً جس شخص سے آپ کو محبت ہو وہ ناقص رہے ایسا نہیں ہو سکتا مگر پھر بھی آپ حضرات شیخین سے جو کام لیتے ہیں حضرت ابوذر سے وہ کام نہیں لیتے۔ شاید کوئی یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صاف فرما دیا ہے اِنِّی اُرِیْکَ ضَعِیْفًا کہ میں تم کو ضعیف پاتا ہوں اس لئے آپ نے ان کو قضا اور تولیت مال یتیم سے منع فرمایا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ میں نقص تھا اور ان میں قضا یا تولیت مال یتیم کا مادہ ہی نہ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ ضعف سے نقص لازم نہیں آتا، دیکھو بچہ ضعیف تو ہوتا ہے کہ بالغ کے برابر اس کے اعضاء میں قوت نہیں ہوتی لیکن اگر وہ تام الاعضاء ہے تو اسے ناقص نہیں کہا جا سکتا۔ ناقص وہ ہے جس کے آنکھ نہ ہو یا ہاتھ کٹا ہوا یا پیر سے لنگڑا ہو۔ لیکن جو بچہ تندرست ہو اور اس کے سب اعضاء سالم ہوں اسے ناقص نہیں کہہ سکتے بلکہ اپنی ذات کے لحاظ سے وہ کامل ہی کہلائے گا۔ گو ضعیف ضرور ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ضعیف فرمانے سے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ناقص ہونا لازم نہیں آتا اگر وہ ناقص ہوتے تو آپ ان کو فقید (نایاب' بے نظیر) فرماتے (یعنی فقید القوی) یا فقیر فرماتے مگر آپ تو ضعیف فرما رہے ہیں پھر اس سے یہ کہا معلوم ہوا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں استعداد قضاء و قابلیت تولیت یتیم نہ تھی۔ (العمرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

حضرات صحابہؓ سب کامل تھے

محققین کا مذہب ہے کہ ایمان، زیادت و نقص کو قبول نہیں کرتا اور شدت وضعف کو قبول کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضعف کا مقابل شدت ہے نہ کہ زیادت نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ضعف اور نقص ایک نہیں بلکہ دونوں میں فرق ہے۔ پس حضرات صحابہ میں زائد و ناقص کوئی نہیں بلکہ سب کامل ہیں اور جو کمالات حضرات شیخین میں تھے وہ ہر صحابیؓ کے اندر مجتمع تھے۔ البتہ شدید وضعیف کا فرق ضرور ہے۔ اگر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ میں ان امور کی قابلیت ہی نہ ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے منع فرمانے کی ضرورت نہیں تھی

کیونکہ حضرت ابوذرؓ نہ رسم پرست تھے نہ جاہل تھے۔ اگر ان میں ان کاموں کی قابلیت نہ ہوتی تو وہ خود ہی یہ کام نہ کرتے کیونکہ عدم قابلیت کے ساتھ کسی کام میں ہاتھ ڈالنا یا تو جہالت سے ہوتا ہے کہ اپنی نا قابلیت کی خبر ہی نہ ہو یا رسم پرستی سے ہوتا ہے کہ اپنی نا قابلیت کا علم ہے مگر انکار کرنے میں ہیٹی سمجھتا ہے۔ حضرت ابوذرؓ ان دونوں سے منزہ تھے۔ اگر کسی کام کی قابلیت ان میں نہ ہوتی تو وہ ہرگز اس کام کو ہاتھ نہ لگاتے۔ پس حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو منع کرنا اس کی دلیل ہے کہ ان میں قابلیت ضرور تھی مگر آپ نے اس قابلیت سے کام لینا نہیں چاہا بلکہ اِنِّیْ اَرٰیکَ ضَعِیْفًا (میں تم کو ضعیف پاتا ہوں) فرما کر اس قوت کو ممنوع الاستعمال کر دیا اور ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ اگر بالفرض حضرت ابوذرؓ میں قابلیت بھی نہ ہوتی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے قضاء وتولیت کا کام لینا چاہتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کے بعد ان میں معًا قابلیت پیدا ہو جاتی کیونکہ آپ کی شان یہ ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ‏ ‏ ‏ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(اس کا کہنا خدا کا کہنا ہووے اگرچہ بندہ کی زبان سے نکلا ہو)۔

اور حق تعالیٰ کی شان یہ ہے۔

داد اورا قابلیت شرط نیست ‏ ‏ ‏ بلکہ شرط قابلیت داد اوست

(اس کے دین کے لئے قابلیت شرط نہیں ہے۔ بلکہ قابلیت کی شرط اس کی دادو دہش ہے)۔

مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ کام لینا چاہا ہی نہیں ۱۲۔ (العمرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

سالک کو شیخ کے سامنے مردہ بدست زندہ ہونا چاہیئے

سالکین کو اپنے لئے کچھ تجویز نہ کرنا چاہیئے حق تعالیٰ جو چاہیں گے تمہارے لئے خود تجویز فرما دیں گے بعض سالکین اپنے لئے مشیخت تجویز کرتے ہیں اور ذکر و شغل سے ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ ہم کسی وقت شیخ و مقتدا بن کر مخلوق کی اصلاح کریں گے۔ یاد رکھو جس کے لئے ابھی تک شیخ نے مشیخت تجویز نہیں کی اس کے لئے اس کا خیال کرنا بھی گناہ ہے جیسا کہ حضرت ابوذرؓ کے لئے قضاء بین الاثنین اور تولیت مال یتیم گناہ تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے تجویز نہیں فرمایا تھا اس لئے سالک کو شیخ کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہونا چاہیئے (العمرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

نفس کشی کا امر

اور اہل لطائف علم اعتبار کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ گویا نفس کشی کا امر ہوا تھا۔ گویا بقرہ سے نفس کو تشبیہ دی گئی ہے اور یہ تشبیہ بہت مناسب ہے کیونکہ گائے بیل بھی بہت حریص ہوتے ہیں کھانے پینے کے اور نفس بھی بہت حریص ہوتا ہے اس لئے نفس کو بقرہ کہنا تو مناسب ہے لیکن آج کل نفس کو کتا کہا جاتا ہے۔ چنانچہ شعراء کے کلام میں سگِ نفس بکثرت مستعمل ہے مگر یہ واہیات ہے۔ اسی طرح بعض لوگ نفس کو کافر کہتے ہیں یہ اس سے بھی واہیات ہے۔ ہمارا نفس تو الحمدللہ نہ کتا ہے نہ کافر ہے۔ ہاں بقرہ تو ہوگا۔ نہ معلوم لوگ نفس کو کیا سمجھتے ہیں لغت میں تو نفس حقیقت شے کو کہتے ہیں۔ پس نفس زید حقیقت زید ہوئی تو حقیقت میں نفس ہمارا ہی نام ہے، ہم سے الگ کوئی چیز تھوڑا ہی ہے تو اپنے کو کتا یا کافر کہنا کیا زیبا ہے اور اگر نفس کوئی مستقل چیز بھی ہو تب بھی اول تو وہ ہمیشہ شریر نہیں ہوتا کہ اس کو کتے سے تشبیہ دی جائے۔ (العمرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

نفس کے تین اقسام

کبھی نفس مطمئنہ ہوتا ہے کبھی لوامہ بھی ہوتا ہے کبھی امارہ ہوتا ہے، چنانچہ نصوص میں یہ تینوں صفات مذکور ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ (اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتا نفس تو بری ہی بات بتلاتا ہے)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے)۔

تیسری جگہ ارشاد ہے يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۙ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (اے اطمینان والی روح تو اپنے پروردگار کی طرف چل اس طرح کہ تو اس سے خوش ہوا اور وہ تجھ سے خوش ہو)۔

پھر اگر شریر بھی ہو تب بھی مسلمان تو ہے تو مسلمان کو کافر کہنا یا کتے سے تشبیہہ دینا کیا مناسب ہے ہاں بقرہ کے ساتھ تشبیہہ دینے کا مضائقہ نہیں غرض جس طرح بقرہ کے ذبح کا امر ہوا تھا اسی طرح نفس کو بھی مجاہدہ سے ذبح کرنا چاہیئے بدون مجاہدہ کے کامیابی نہیں ہوتی۔ بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو کچھ کرنا نہ پڑے بس ویسے ہی کامیاب ہو جائیں۔

عارفین پر فنا کا غلبہ ہوتا ہے

ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ سے ایک شخص نے کہا کہ حضرت اپنے فلاں مرید کو سمجھا دیجئے کہ وہ بے جا حرکتیں نہ کیا کرے ورنہ لوگ آپ سے بھی بداعتقاد ہو جائیں گے حضرت نے فرمایا کہ میاں تمہارا جی چاہتا ہو بداعتقاد ہونے کو تو تم ہو جاؤ دوسروں پر بات کیوں رکھتے ہو، پھر فرمایا کہ تم نے تو اپنے نزدیک یہ بڑی دھمکی دی کہ لوگ بدگمان ہو جائیں گے اور اگر کسی کو یہی مطلوب ہو کہ سب بداعتقاد ہو جائیں تو؟ پھر فرمایا کہ واللہ مجھے تو تمہارے اعتقاد ہی نے پریشان کر رکھا ہے۔ بخدا میں چاہتا ہوں کہ سارا عالم مجھے زندیق ملحد سمجھ کر چھوڑ دے اور میں اکیلا کسی پہاڑ میں بیٹھا ہوا اپنے محبوب میں مشغول ہوں اور یہ حال ہو۔

دلآ رامے کہ داری دل درو بند ـــ دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

(جس محبوب سے دل باندھ لیا ہے تو پھر تمام جہاں سے آنکھ بند کرلو)۔

اور اس کا راز یہ ہے کہ ان حضرات پر فناء کا غلبہ ہوتا ہے پھر جو اپنے کو فنا کر چکا وہ معتقدوں کی فوج جمع کرنا کیونکر چاہے گا اس کو تو واقعی مخلوق کے اعتقاد سے پریشانی ہوگی ان کا تو یہ حال ہوتا ہے۔

تو درو گم شود صال ابن ست و بس ـــ گم شدن گم کن کمال این ست و بس

(تم محبوب میں فنا ہو جاؤ بس یہی وصال ہے اور اس فنا ہونے کو بھی بھول جاؤ بس یہی کمال ہے)۔

قرب امور مامور بہ میں امور اختیار کو دخل نہیں

صوفیہ کا قول ہے کہ قرب میں امور غیر اختیاریہ کو دخل نہیں یہ اشکال اس کی ایک نظیر میں کہ وہاں یہ حکم یقینی ہے مجھے برسوں رہا اور وہ نظیر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اولیاء سے مطلقاً افضل ہیں خواہ انبیاء کے اعمال اولیاء سے زیادہ ہوں یا برابر ہوں یا کم ہوں تو یقیناً وجہ افضلیت محض نبوت ہے اور ظاہر ہے کہ نبوت امر غیر اختیاری ہے یہاں بھی وہی اشکال ہے کہ امر غیر اختیاری کو زیادہ قرب میں دخل ہوا حالانکہ صوفیہ کی تصریح ہے کہ امور غیر اختیاری کو قرب میں دخل نہیں یہ اشکال کئی سال تک حل نہ ہوا اور نہ میں نے کسی سے پوچھا چاہے کوئی اس کو میرا تکبر ہی سمجھے مگر میں نے کسی کی طرف اس لئے رجوع نہیں کیا کہ مجھے حل کی امید نہ تھی اور وجہ امید نہ ہونے کی یہ تھی کہ لوگ آج کل علوم تصوف کو فضول سمجھتے ہیں گو اعمال واشغال کا اہتمام

تو کسی قدر ہے مگر علوم سے بہت ہی بے التفاتی ہے جس درجہ میں دیگر فنون کو حاصل کرنے اور پڑھتے پڑھاتے ہیں اس طرح اس کی طرف توجہ نہیں ہے اس لئے اشکالات تصوف کی وقعت اوران کے حل کی طرف التفات بھی کچھ زیادہ نہیں ہوتا اس لئے میں نے کسی سے رجوع نہ کیا ہاں حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا رہا چنانچہ بحمد للہ کئی سال کے بعد یہ اشکال رفع ہوا۔ حل اس کا یہ ہوا کہ قول اکابر میں ایک ذراسی قید محذوف ہے وہ جو یہ فرماتے ہیں کہ قرب میں امور غیر اختیار یہ کو دخل نہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ قرب ماموربہ میں ان امور کو دخل نہیں پس ان کے کلام میں ماموربہ کی قید گو مذکور نہیں مگر مراد ہے۔ (العبر ہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

قرب کی دو قسمیں

قرب کی دو قسمیں ہیں ایک قرب ماموربہ جس کی تفصیل کا انسان مکلّف ہے اس میں تو صرف امور اختیار یہ ہی کو دخل ہے غیر اختیاری امور کو کچھ دخل نہیں ورنہ ماموربہ کا غیر اختیاری شے پر موقوف ہونا لازم آئے گا۔ اور یہ نص کے خلاف ہے **یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا** (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) دوسرے قرب موہوب جس کی تحصیل کا بندہ کو مکلّف نہیں کیا گیا بلکہ وہ وہب حق سے حاصل ہوتا ہے اور امور غیر اختیاری ہے وغیر اختیاری میں کسی غیر اختیاری کا دخیل ہونا مستبعد نہیں پس اب اشکال جاتا رہا کیونکہ نبوت سے جو قرب ہوتا ہے وہ قرب غیر ماموریعنی وہبی ہے تو اس میں نبوت کو دخل ہوسکتا ہے جو کہ امر غیر اختیاری ہے۔ اسی طرح جوانی کا مجاہدہ بچپن اور بڑھاپے کے مجاہدہ سے مطلقاً افضل ہونے میں بھی کچھ اشکال نہیں بلکہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ گو جوانی کے مجاہدہ میں مشقت وعمل زیادہ بھی نہ ہو جب بھی وہ زمانہ صبا وکھولت (لڑکپن و بڑھاپا) کے مجاہدہ سے افضل ہے جیسا کہ اس مقام پر اعتبار نص کا بھی مقتضا ہے دوسرے ایک حدیث سے بھی جس میں چند شخصوں کے لئے قیامت میں ظل عرش کی بشارت وارد ہے یہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ اس کا ایک جملہ یہ ہے۔ وَشَابٌ نَشَاءَ فِیْ عِبَادَةِ رَبِّهٖ (اور جوان جو شروع جوانی سے اپنے پروردگار کی عبادت میں ہے) اس کے اطلاق سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود شباب ہی کو فضیلت میں دخل ضرور ہے مگر یہ فضیلت موہوب اور غیر ماموربہ ہے ماموربہ اور مکتسب نہیں اس میں صرف اعمال اختیار یہ کو دخل ہوتا ہے۔ (العبر ہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

مجاہدہ کی حقیقت

مجاہدہ کہتے ہیں نفس کی مخالفت کرنے کو یعنی اس کے اقتضاء کو روکنا مثلاً باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے تو مجاہدہ یہ ہے کہ خاموش رہو کسی وقت خاموشی کو جی چاہتا ہے اس وقت مجاہدہ یہ ہے کہ باتیں کرو مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ نفس کے ہر تقاضے کی مخالفت کیا کرو یہاں تک کسی وقت کھانے پینے کو جی چاہے تو بھوکے پیاسے مرنے لگو نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اقتضاء ات نفس کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو یقیناً مذموم ہیں یعنی خلاف شرع ہیں ان کی مخالفت تو ضروری ہے اور بعض وہ ہیں جو یقیناً محمود ہیں جیسے فرض نماز، روزہ اور بقدر ضرورت کھانا پینا، کپڑا پہننا ان کی مخالفت ضروری کیا ہوتی بلکہ موافقت ضروری ہے اور بعض وہ ہیں جو نہ یقیناً مذموم ہیں نہ یقیناً محمود ہیں بلکہ دونوں کو محتمل ہیں جیسے مباحات بلکہ بعض دفعہ بعضے مستحبات بھی ان میں شیخ محقق سے رجوع کیا جائے اگر وہ کہہ دے کہ تقاضا محمود ہے تب تو مخالفت کی ضرورت نہیں اور اگر وہ کہے کہ یہ تقاضا مذموم ہے تو اس کی مخالفت کی جائے شاید یہاں کسی ذہین کو شبہ ہو کہ تم نے مستحبات کو بھی غیر مذموم محمود کی فہرست میں شمار کر دیا حالانکہ جو چیز شرعاً مستحب ہے وہ تو یقیناً محمود ہے اس میں مذموم ہونے کا احتمال کیوں ہوسکتا ہے سو خوب سمجھ لو کہ مستحبات گو فی نفسہ محمود ہی ہیں مگر جب نفس کسی مستحب کا تقاضا کرے اس وقت وہ کسی عارض کے سبب مذموم ہوسکتا ہے کیونکہ نفس تو امارہ بالسوء ہے یہ تو ہمیشہ برائی کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔ (العمرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

نفس کی چال

جب نفس میں کسی مستحب کا تقاضا ہوگا تو اندیشہ ہے کہ اس میں نفس کی کوئی چال ہے اس چال پر نظر کر کے وہ تقاضائے مستحب مذموم ہوسکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ بعض تقاضے ظاہر ہیں محمود ہوتے ہیں۔ مگر دوسرے پہلو پر نظر کر کے مذموم ہو جاتے ہیں جیسے ایک شخص حج نفل کا قصد کرے اور وہ نماز میں سست ہو تو شیخ اس کو حج سے منع کرے گا اور یوں کہے گا ۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید   معشوق دریں جاست بیائید بیائید

(اے لوگو حج کو کہاں جاتے ہو محبوب یہاں ہے ادھر آؤ)۔

کیونکہ اس شخص کے نفس میں تقاضائے حج پیدا ہونا یہ نفس کی چال ہے وہ چاہتا ہے کہ

میں کئی حج کر کے لوگوں کی نظروں میں معزز ہو جاؤں گا یا سیر وسیاحت میں جی بہلاؤں گا اس لئے شیخ اس کو حج سے منع کرتا ہے کہ تمہارے لئے میرے ہی پاس رہنا مفید ہے حج مفید نہیں کیونکہ تمہاری نیت خالص نہیں پھر نماز میں سُست ہوا یک نفل کے لئے نہ معلوم کتنے فرض برباد کرو گے لوگ مشائخ کے ایسے احکام سن کر اعتراض کرتے ہیں کہ حج سے روک دیا میں کہتا ہوں غلط ہے وہ حج سے نہیں روکتے بلکہ معاصی سے روکتے ہیں اس شخص کے حق میں فقیہ کے فتوے سے حج ناجائز ہے صوفی بھی فقیہ ہوتا ہے۔ (العمرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

تقاضائے نفس کی تین اقسام

الغرض نفس کے تقاضے تین قسم پر ہیں ایک محمودہ ان کی مخالفت کسی حال میں بھی ضروری کیا جائز بھی نہیں بشرطیکہ شیخ محقق کہہ دے کہ تقاضا محمود ہے۔ دوسرے تقاضائے مذموم اس کے ترک کی ضرورت ہے تیسرے وہ جو ظاہر میں نہ مذموم ہیں نہ محمود ہیں یعنی مباحات بشرطیکہ ان میں انہماک نہ ہو۔ ورنہ پھر وہ بھی مذموم ہیں ان میں اکثر تو نفس کی مخالفت چاہیئے گاہے گاہے موافقت کا مضائقہ نہیں پس خلاصہ مجاہدہ کا یہ ہوا کہ مباحات میں نفس کی مخالفت کی جائے اور محرمات میں اس کی مخالفت اس طرح کہ ترک کیا جائے اور مجاہدہ کا یہ درجہ تو سب کے نزدیک واجب ہے اس طرح کہ ان کی تقلیل اور اس کی ضرورت ہر مسلمان کے نزدیک مسلم ہے بلکہ اصل حالت کے اعتبار سے تو اس کو مجاہدہ میں داخل کرنا بھی ٹھیک نہیں بھلا زہر سے بچنا بھی کچھ مجاہدہ ہے مجاہدہ تو اسے کہتے ہیں جس میں نفس پر مشقت وگرانی ہو اور ظاہر ہے کہ اصل مشقت فطرت میں انہی کاموں کے ترک میں ہوتی ہے جن کی فی الجملہ اجازت ہے اور جن کا حرام ہونا معلوم ہے ان کے ترک میں مجاہدہ ہی کیا ہوتا مگر چونکہ قریب قریب ہر شخص محرمات میں بھی مبتلا ہے اس لئے ترک محرمات بھی مجاہدہ ہوگا۔ ورنہ اصل فطرت کے اعتبار سے تو اصل مجاہدہ یہی ہے کہ مباحات میں بھی نفس کی مخالفت کی جائے کہیں انہماک میں کہیں نفس فعل میں بھی کیونکہ بعض موقع میں جب نفس کی مباحات سے روکا جائے گا اس وقت وہ محرمات سے بچ سکے گا کیونکہ مباحات کی سرحد محرمات سے ملی ہوئی ہے اور قاعدہ ہے کہ جس جنگل میں شیر رہتا ہو اس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ اس کی سرحد کے بھی پاس نہ

جاؤ اگر کوئی شخص اس جنگل کی حدود میں رہ کر شیر سے بچنا چاہے یہ اس کی حماقت ہے ممکن ہے کبھی غلطی سے حد کے اندر داخل ہو جائے اور شیر کا سامنا ہو جائے۔

اس لئے سالکین کو مباحات میں انہماک سے بہت ہی احتراز چاہیئے اور یہاں سے معلوم ہو گیا کہ بیوی بچوں کو چھوڑ نا اور گھر کو تالا لگا نا یہ مجاہدہ نہیں ہے۔ کیونکہ بیوی بچوں کی خبر گیری شرعاً فرض ہے اور مجاہدہ ترک فرائض کا نام نہیں بلکہ ترک محرمات اور کہیں ترک مباحات کا نام ہے اگر کسی شخص کو بیوی سے محبت ہو جائے تو اس کے ازالہ کا حکم نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ محبت خلاف شرع نہیں بلکہ شرعاً مطلوب ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تا کہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی) مجاہدہ کی حقیقت تو معلوم ہو گئی اب یہ بھی سمجھ لیجئے کہ مجاہدہ کا اثر کیا ہوگا کیونکہ اس میں بھی بہت لوگ غلطی کرتے ہیں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مجاہدہ سے نفس کے رذائل اور تقاضائے معصیت بالکل زائل ہو جاتے ہیں سو خوب سمجھ لو یہ خیال غلط ہے مجاہدہ کا یہ اثر نہیں ہے بلکہ مجاہدہ کا اثر یہ ہے کہ اس سے تقاضائے معصیت مضمحل اور کمزور ہو جاتا ہے۔ (العمرہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

اطاعت کا سہل طریق اہل اللہ کی صحبت ہے

مختصراً اس کا طریقہ بھی جو کہ بہت سہل ہے عرض کئے دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ اہل محبت کے پاس جا کر بیٹھا کریں۔ میں آپ کو یہ نہیں کہتا کہ تم تہجد پڑھو نفلیں پڑھو ذکر شغل کرو بلکہ صرف بہ نیت استفادہ ایک وقت مقرر کر کے التزام سے اہل اللہ کی خدمت میں جا بیٹھا کرو ان شاء اللہ سب کام اس سے بن جائیں گے۔ (اطاعۃ الاحکام ج ۲۳)

حضرت فریدالدین عطار کا اپنے مرید کے عشق مجازی کا علاج

حضرت فرید عطار کے ایک مرید تھے۔ حضرت کے گھر ایک باندی تھی۔ یہ مرید صاحب اس پر فریفتہ ہو گئے۔ حضرت کو اطلاع ہوئی۔ زبان سے کچھ نہیں فرمایا اس باندی کو دستوں کی دوا کھلا دی اور اس کو دست آنے شروع ہوئے اور حکم دیا کہ ان دستوں کو ایک جگہ

جمع رکھواوراس باندی کی حالت یہ ہوئی کہ اس کے چہرے کا رنگ ارغوانی بالکل پیلا ہو گیا اور چہرے پر بے رونقی ہو گئی۔اس کے بعد اس باندی کے ہاتھ اس مرید کے پاس کھانا بھیجا اور چھپ کر دیکھا کہ اس کو دیکھتا ہے یا نہیں۔معلوم ہوا کہ اس طرف رخ بھی نہیں کرتا۔حضرت نے فرمایا کہ ہم کو تمہارے تعلق کی اطلاع ہے۔اب اس کو کیوں نہیں دیکھتے۔یہ تو وہی ہے، اب ہم بتلاتے ہیں کہ اس میں کون سی شے کم ہوئی ہے اور حکم دیا کہ وہ کونڈا لاؤ جس میں دست جمع ہیں۔وہ کونڈا آیا۔حضرت نے فرمایا کہ تمہارا محبوب یہ ہے۔(ذکرالموت ج ۲۴)

حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کا غیبت کرنیوالے پر عتاب

حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کی حکایت ہے کہ ایک شخص نے ان سے عرض کیا کہ آپ کا فلاں مرید شراب خانہ میں مست پڑا ہے۔حضرت کو غیبت کرنا اس کا برا معلوم ہوا اور اس کو سزا دینا چاہا، زبان سے تو کچھ نہ فرمایا،فرمایا کہ جاؤ اس کو کندھے پر اٹھا لاؤ۔یہ بہت چکرائے اور پچھتائے لیکن کرتے کیا پیر کا حکم تھا۔شراب خانے میں گئے اور اس کو کندھے پر لا رہے تھے اور لوگ کہتے تھے کہ بھائی ان صوفیوں کا بھی کچھ اعتبار نہیں،دیکھو دونوں نے شراب پی ہے۔ایک کو تو نشہ ہو گیا اور دوسرے کو اب ہو گا۔دونوں اپنا عیب چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔(ذکرالموت ج ۲۴)

استقامت کا مقام

صوفیہ فرماتے ہیں الاستقامۃ فوق الکرامۃ کہ احوال کا مستقیم ہو جانا کرامت حسی سے بڑھ کر ہے اور استقامت حاصل ہوتی ہے نفس کی مخالفت سے جب بار بار نفس کو اتباع شریعت پر مجبور کیا جائے گا تو استقامت عطا ہو جائے گی۔(رجاء اللقاء ج ۲۴)

توجہ کی قسمیں

توجہ کی دو قسمیں ہیں ایک توجہ اختیاری، وہ تو ہمت اور تصرف کا نام ہے کہ شیخ مرید کے قلب کی طرف متوجہ ہو کر اس میں کوئی تصرف کر دے۔اس کا اثر دیرپا نہیں ہوتا،فوری اثر ہوتا ہے اس وقت تو قلب میں ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کچھ دیر کے بعد زائل ہو جاتی ہے۔دوسری توجہ غیر اختیاری ہے وہ یہ کہ تم شیخ کی اطاعت کرو اس کو راضی رکھو اس سے خود

بخود شیخ کے دل میں تمہاری محبت پیدا ہو جائے گی۔ بڑا فائدہ اس سے ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں تمہارا خیال شیخ کے دل میں رہے گا اور حق کی نظر شیخ کی طرف رہتی ہے تو جب تم اس کے دل میں بیٹھے رہو گے تو تم کو بھی اس نظر حق سے حصہ عطا ہو جائے گا۔ پھر وہ نظر تمہارا کام بنا دے گی۔ پس یہ توجہ اس قابل ہے کہ اس کے لئے کوشش کی جائے۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

دوستی کے بارے میں ضرورت احتیاط

یہی راز ہے اس حدیث کا **المرء علی دین خلیله فلینظر من یخلله** (سنن الترمذی: ۲۳۷۸) یعنی آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تو چاہئے کہ ہر شخص غور کر لیا کرے کہ میں کسی سے دوستی کر رہا ہوں، اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوست کا اثر دوست کے دین پر ضرور پڑتا ہے اور یہ بات واقعات سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ کفار میں بہت سے آدمی ایسے بھی ہیں جو اسلام کو حق جانتے ہیں لیکن اپنے ملنے والوں اور دوستوں کے شرم ولحاظ سے مسلمان نہیں ہوتے۔ دیکھئے ان کی دوستی نے ان کو دین سے باز رکھا تو یہ سچ ہوا کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، ایسے واقعات بہت ہیں اور بہت جگہ ایسا ہوا ہے کہ ایک مسلمان کسی بد دین کے پاس اٹھتا بیٹھتا رہا اور اس پر یہ اثر ہو گیا کہ نعوذ باللہ مرتد ہو گیا۔ غرض یہ بالکل سچا مضمون ہے صحبت کے بارے میں بڑی احتیاط کرنی چاہئے۔ آدمی کبھی یہ نہ سمجھے کہ میرے اوپر کیا اثر ہو سکتا ہے، ضرور اثر ہوتا ہے اور اس طرح سے ہوتا ہے کہ خبر بھی نہیں ہوتی۔ (السوق لاهل الشوق ج ۲۴)

امراء کی صحبت کی خاصیت

یہ بات اہل علم کو خصوصاً خوب یاد رکھنی چاہئے۔ بعض وقت امراء اہل علم کو اس طرح بلاتے ہیں کہ علماء کو تابع بنانا نہیں چاہتے بلکہ متبوع بنا کر بلاتے ہیں مثلاً وعظ کہنے کے لئے بلاتے ہیں یا دعوت کرتے ہیں اور ادب واکرام کے ساتھ بلاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں آدمی تابع نہیں بنتا اور ظاہراً کچھ حرج نہیں معلوم ہوتا لیکن میں اہل علم کو مشورہ دیتا ہوں کہ اس معیار کو پیش نظر رکھیں اور خوب غور سے کام لیں کہ وہاں جا کر ہمیں کسی بات میں دبنا تو نہ پڑے گا اور کسی بات میں ہاں میں ہاں تو ملانا نہ پڑے گی اور کسی بات میں مداہنت اور سکوت عن الحق تو کرنا نہ پڑے گا، اگر ذرا

بھی اس بات کا اندیشہ ہو خواہ اس امیر کے جبروت اور سطوت کی وجہ سے یا اپنے ضعف قلب کی وجہ سے تو ہرگز نہ جائیں اور اگر باطل اطمینان ہو کہ اس میں کوئی بات پیش نہ آئے گی تو مضائقہ نہیں مگر اس کے ساتھ اتنا میں پھر بھی کہے دیتا ہوں کہ گو ہر طرح کا اطمینان ہو لیکن پھر بھی امیر کی صحبت ان مفاسد سے خالی نہیں ہوتی۔ الا ماشاءاللہ، (السوق لاھل الشوق ج ۴۴)

صحبت اہل اللہ کی قوت جاذبہ

جب تم اہل اللہ کے پاس رہو گے اور تعلق بڑھا لو گے تو ان کو تم سے محبت ہو جائے گی تو ان سے دو طرح اصلاح ہوگی ایک تو یہ کہ وہ دعا کریں اور ان کی دعا مقبول ہوتی ہے تو حق تعالیٰ تم پر فضل فرماویں گے اور اکثر یہ کہ ان کی دعا باذن حق ہوتی ہے تو ان کے منہ سے دعا نکلنا اس بات کی علامت سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کے فضل ہونے کا وقت ہی آ گیا۔ دوسری وجہ بڑی خفی ہے وہ یہ کہ تمہارے اعمال میں ان کی محبت سے برکت ہوگی اور جلد جلد ترقی ہو گی جو کام چار دن میں ہوا ایک دن میں ہوگا اور بہت جلد اصلاح ہو جائے گی۔

نفس نتواں کشت الاظل پیر

(نفس اس وقت تک فنا نہیں ہوتا جب تک پیر کا دامن نہ پکڑ لے)

مولانا نے حصر کر دیا ہے اصلاح کو صحبت شیخ میں اور بالکل سچی اور واقعی بات ہے کہ اصلاح بدون کسی کو بڑا بنائے ہوئے نہیں ہو سکتی، بہت سے پڑھے لکھے اور دیندار لوگ بھی اس بات میں غلطی پر ہیں۔ یوں سمجھتے ہیں کہ بس کتابوں کا پڑھ لینا اور مطالعہ میں رکھنا اصلاح کے لئے کافی ہے۔ یاد رکھو کہ اور کتابیں تو کیا وہ کتابیں بھی جو اسی فن اصلاح اخلاق کی ہیں جیسے احیاء العلوم وغیرہ ان سے بھی اصلاح نہیں ہوگی جب تک کسی کے ماتحت نہیں بنو گے اور جب تک کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ ہوگا اور جب تک کوئی یہ کہنے والا نہ ہوگا کہ تم بڑے نالائق ہو یہ حرکت کیوں کی۔ یاد رکھو محض ایک بات کی برائی معلوم ہو جانے سے وہ بات چھوٹ نہیں جاتی۔ دیکھو شرابی شراب پیتا ہے حالانکہ جانتا ہے شراب بری چیز ہے مگر اس جاننے سے شراب چھوٹتی نہیں۔ ہاں اس سے چھوٹتی ہے کہ کوئی اس سے بڑا اس پر مسلط ہو اور جب یہ شراب پئے تو تھوڑی گوشمالی کر دیا کرے اس میں اثر ہے اور اس میں نہیں دیکھئے شراب جس کو پینے والا خود بھی برا جانتا ہے بدون کسی بڑے کے دباؤ

کے نہیں چھوٹتی تو وہ برائیاں جن کی برائی خود فاعل کو بھی معلوم نہیں ہے وہ بغیر دوسرے کی روک ٹوک کے کیسے چھوٹ سکتی ہیں اور وہ صفات جن کا اختیار کرنا نفس پر بہت شاق ہے نفس ان کا خوگر بدون دباؤ کے کیسے ہوسکتا ہے جیسے تواضع جس کا ذکر ہورہا تھا کیونکہ تواضع کے معنی چھوٹا بننے کے ہیں۔ آدمی چھوٹا بننا کبھی گوارا نہیں کرتا تو جب تک کوئی بڑا اس پر مسلط نہ ہو یعنی معنی ہیں ماتحت ہونے کے اس وقت تک تواضع پیدا نہیں ہوسکتی۔ غرض نرے علم سے اصلاح نہیں ہوسکتی۔ بار بار نگرانی کرنے اور عادت ڈالنے سے ہوتی ہے اور عادت بدون دوسرے کو بڑا بنائے ہوئے نہیں ہوسکتی۔ (السوق لاھل الشوق ج ۲۴)

ابوجہل بڑا معبر تھا:

ابوجہل بڑا صاحب فراست تھا اور مؤرخین نے لکھا ہے کہ معبر بھی بہت بڑا تھا اور اس سے معلوم ہوا کہ تعبیر خواص لازمہ بزرگی سے نہیں، ورنہ پھر ابوجہل کو بھی بزرگ مانو، بلکہ اس کا مدار عقل وفراست پر ہے۔ اگر کافر صاحب فراست ہو تو وہ بھی اچھی تعبیر دے سکتا ہے۔ مگر آج تعویذ گنڈوں کی طرح تعبیر کو بھی لوازم بزرگی سے سمجھ لیا ہے۔ (خیر الحیات والممات ج ۲۴)

راحت باطنی کی تحصیل کا طریق:

اس کی تحصیل کے لئے دو طریقے ہیں: یا تو اول طاعات میں مشغول ہو اس سے محبت پیدا ہو جائے گی یا اول محبت حاصل کرے اس سے معاصی چھوٹ کر طاعات کی توفیق ہو جائے گی یہ بات حق تعالیٰ ہی کے دربار میں ہے کہ چاہے کہ پہلے بی اے پاس بھی ہوتا رہے گا سلاطین کے یہاں تو یہ قاعدہ ہے کہ پہلے امتحان پاس کرو پھر ملازمت ملے گی اور جو شخص پہلے ملازمت لینا چاہے تو اول تو ایسے جاہل کو جس نے کوئی امتحان پاس نہ کیا ہو ملازمت ہی نہیں ملتی اور جو محنت ومزدوری کی قسم سے کچھ ملتی بھی ہو تو اس کے ساتھ تکمیل علم نہیں ہوسکتی ایسا دربار کہاں ہے کہ چاہے اول علم وعمل حاصل کرلو تب ملازمت مل جاتی ہے یا پہلے ملازمت کرلو تو تعلیم بھی کامل ہو جاتی ہے واقعی عجیب دربار ہے اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں تعلمنا العلم لغیر اللہ فابی ان یکون الا اللہ کہ ہم نے علم دین پڑھا تو تھا غیر خدا کے لئے (مگر علم غیر اللہ سے مانع ہو کر اللہ ہی کے لئے ہوا) مثلاً منصب وغیرہ حاصل کرنے کے لئے کیونکہ پہلے تو علماء بڑے

بڑے منصب والے تھے قاضی، مفتی، منصف، صدر اعلیٰ اور وزیر اور متولی اوقاف وغیرہ) ان عہدوں پر یہی ہوتے تھے اور اسی کا یہ اثر ہے کہ اب بھی وکیل صاحب اور ڈپٹی کلکٹر صاحب مولوی کہلاتے ہیں کیونکہ اس منصب پر قدیم زمانہ میں علماء ہی ہوتے تھے اب ذات کی نوعیت تو تبدیل ہوگئی مگر عہدہ کے لئے مولوی صاحب کا لقب باقی رہ گیا کانپور میں ایک وکیل صاحب کے یہاں ناچ تھا تو لوگ بازار میں ایک دوسرے سے یوں کہتے تھے کہ میاں چلوں آج فلاں مولوی صاحب کے یہاں ناچ ہے کیونکہ وہ وکیل صاحب مولوی مشہور تھے مگر بس ایسے ہی مولوی تھے (یعنی خدائی مولوی نہ تھے سرکاری مولوی تھے) اور غدر سے پہلے تو عموماً انگریزی حکومت کے بھی بڑے بڑے عہدوں پر علماء ہی مقرر ہوا کرتے تھے مگر اب کچھ دنوں سے جبکہ انگریزی دانی کی شرط لگ گئی علماء ان سے علیحدہ ہوگئے۔ (خیر الحیات والممات ج ۲۴)

حرکت میں برکت:

ہمارے حاجی صاحب اور حافظ محمد ضامن صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ کی رائے میں بیعت کے متعلق اختلاف تھا۔ حافظ صاحب کی رائے یہ تھی کہ طالب طریق کو اصلاح اخلاق کا طریقہ اول بتلا دیا جاوے، جب اخلاق درست ہو جائیں تب داخل سلسلہ کیا جائے اور حاجی صاحب کی رائے یہ تھی کہ اول سلسلہ میں داخل کر لیتے پھر اصلاح فرماتے پھر اصلاح یا تو شیخ کی برکت سے ہو جائے یا کسی حرکت سے ہو جائے یعنی وہ حرکت یا مرید کی طرف سے ہو یا شیخ کو اجازت دو کہ وہ حرکت کر کے تمہاری مرمت کیا کرے تو صاحب حاجی صاحب میں تو برکت بہت زیادہ تھی اس لئے وہاں داخل سلسلہ کرتے ہی مرید کی اصلاح ہو جاتی تھی اور ہم لوگوں میں یہ برکت کہاں، یہاں تو حرکت سے کام چلے گا۔ (خیر الحیات والممات ج ۲۴)

سید الطائفہ حضرت حاجی صاحبؒ کی برکت:

حضرت حاجی صاحب کی تو برکت کی یہ کیفیت تھی کہ ایک رند صاحب مجھ سے خود اپنا قصہ بیان کرتے تھے کہ وہ حضرت کی خدمت میں بیعت ہونے آئے اور بیعت کے وقت کہنے لگے حضرت میں اس شرط سے بیعت ہوتا ہوں کہ ناچ دیکھنا نہ چھوڑوں گا اور نماز نہیں پڑھوں گا حضرت نے یہ شرط منظور فرمالی اور فرمایا بھائی! ایک شرط ہماری بھی ہے وہ یہ کہ ہم

کچھ مختصر ساذکر بتلا دیں گے تھوڑی دیر کا ہے تم روزانہ بلا ناغہ اسے کرلیا کرنا۔ اس نے یہ شرط منظور کر لی اور حضرت نے بیعت فرمالیا یہاں اہل ظاہر کو شبہ ہوگا کہ حضرت نے اس شخص کو ناچ دیکھنے اور نماز نہ پڑھنے کی اجازت دے دی۔ یہ غلط ہے بلکہ یہ محض ظاہر میں اجازت تھی اور باطناً اس کو اچھی طرح جکڑ دیا گیا تھا۔ یہ واقعہ اس واقعہ کی نظیر ہے جو حدیث میں آتا ہے کہ وفد بنی ثقیف نے اسلام لانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط کی تھی کہ ہم زکوٰۃ نہ دیں گے اور جہاد نہ کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو منظور فرمالیا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اشکال پیش آیا اور انہوں نے آپ سے دریافت کیا تو فرمایا کہ ان کو اسلام تو لانے دو۔ اسلام کے بعد وہ سب کچھ کریں گے۔ چنانچہ واقعی اسلام لانے کے بعد ان لوگوں نے سب کچھ کیا۔ اسی طرح حاجی صاحب کو حق تعالیٰ کے بھروسہ پر یہ اعتماد تھا کہ خدا تعالیٰ کا نام لینا جب یہ شروع کرے گا تو نماز بھی پڑھے گا اور ناچ بھی چھوڑ دے گا۔ چنانچہ حضرت کا خیال درست ہوا۔ حضرت کی برکت دعاء وتوجہ کا اس طرح حق تعالیٰ نے ظہور فرمایا کہ جب بیعت ہونے کے بعد پہلی ہی نماز کا وقت آیا تو اس شخص کے بدن میں خارج پیدا ہوئی، گویا ایک غیبی سپاہی مسلط ہوگیا، خارش اس قدر بڑھی کہ ذرا سی دیر میں بے چین کر دیا اور جو جو تدبیریں کرتے ہیں زیادتی ہی ہوتی چلی جاتی ہے، پھر خیال آیا کہ لاؤ ذرا ٹھنڈے پانی سے ہاتھ منہ دھولیں شاید اس سے کچھ گرمی کو سکون ہو ہاتھ پاؤں پر پانی ڈال کر یہ خیال ہوا کہ لاؤ وضو ہی کرلیں۔ وضو کا پورا ہونا تھا کہ آدھی خارش کم ہوگئی پھر خیال ہوا کہ لاؤ نماز بھی پڑھ لیں کوئی نماز پڑھنے سے قسم تو کھائی نہیں ہاں پیر سے یہ شرط کر لی ہے کہ نماز کی پابندی نہ کرنے پر مجھ کو ٹوکا نہ جائے چنانچہ نماز کو کھڑے ہوگئے۔ نماز کا شروع کرنا تھا کہ خارش کو بالکل سکون ہوگیا ایک وقت تو اس کو اتفاقی امر سمجھا گیا مگر جب دوسرے اور تیسرے وقت بھی یہی کیفیت ہوئی کہ نماز سے بالکل سکون ہو جاتا تو وہ شخص سمجھ گیا کہ یہ پیر کی کرامت ہے۔ مجھ سے تو کہہ دیا کہ شرط منظور ہے اور اندر ہی اندر ایک سپاہی مسلط کر دیا پھر وہ نماز کے پابند ہوگئے پھر یہ خیال ہوا کہ پانچ وقت دربار الٰہی میں حاضری دے کر پھر ناچ کیا دیکھیں سو ناچ سے بھی ان کو نفرت ہوگئی تو حضرت کی تو ایسی برکت تھی کہ دوسرا کچھ کرنا بھی نہ چاہے جب بھی وہ دوسرے طریقہ سے کام لے لیا کرتے تھے لیکن اب ایسی برکت کہاں۔ اب تو اس کی ضرورت

ہے کہ طالب خود بھی کچھ کرے اور جو طریقہ بتلایا جائے اس پر عمل کرے خواہ کامل مجاہدہ نہ کرے اس سے تو ان شاء اللہ تعالیٰ چند روز میں محبت پیدا ہو جائے گی۔ (خیر الحیات والممات ج ۲۴)

محبت قائد ہے

میرے شیخ کا یہی طرز تھا کہ وہ اول طالب کے اندر محبت پیدا کرتے تھے پھر اعمال وغیرہ اصلاح کرتے تھے یہی طرز مجھے بھی پسند ہے تو محبت قائد ہے اس سے انسان خود بخود بہت جلد حق تعالیٰ تک کھنچا چلا جاتا ہے اور خوف سائق ہے، وہ پیچھے سے ہانکتا ہے کہ گو جی نہ چاہے مگر زبردستی چلنا پڑتا ہے۔ (خیر الحیات والممات ج ۲۴)

دو دن میں حصول محبت الٰہی کا طریق:

خدا تعالیٰ کے بھروسہ پر کہتا ہوں کہ آپ میرے بتلائے ہو طریقہ پر عمل کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ دو ہی دن میں خدا تعالیٰ کے عاشق تو ضرور ہو جائیں گے پھر طاعات اور ترک معاصی کا کام آپ خود کریں گے میں تو اس وقت جڑ لگاتا ہوں پھول اس پر خود بخود پیدا ہو جائیں گے اور وہ جڑ محبت ہے اس کو حاصل کر لو پھر طاعات خود بخود ہونے لگیں گی اور اس وقت آپ کو طاعات سے وحشت نہ ہوگی بلکہ ان کا خود شوق ہوگا اور ایسی لذت آئے گی کہ بعض دفعہ اس لذت کے آثار سے استغفار کرنا پڑے گا شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہ کیسے ہوگا کہ لذت طاعات سے استغفار کرنا پڑے گا تو بات یہ ہے کہ بعض دفعہ طاعات میں لذت آکر عجب ہونے لگتا ہے اور دوسروں کی جو طاعات سے محروم ہیں تحقیر قلب میں آنے لگتی ہے اس سے اہل اللہ استغفار کرتے ہیں گو اس پر یہ آثار مرتب بھی نہ ہوں کیونکہ لذت طاعات بھی مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالغیر ہے۔ (خیر الحیات والممات ج ۲۴)

حضرت غوث اعظم کی ایک حکایت:

اور سنیے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ ہے جو غالباً شیخ عبدالحق دہلوی نے کسی رسالہ میں لکھا ہے کہ ایک بار آپ رات کو اُٹھے اور خانقاہ کے دروازہ کی طرف چلے۔ خادم نے دیکھا کہ حضرت خانقاہ کے دروازہ کی طرف جا رہے ہیں تو وہ بھی ساتھ

ساتھ ہولیا، مگر اس طرح کہ حضرت کو خبر نہ ہو۔ یہ ادب ہے مشائخ کا کہ ان کے خاص اوقات میں مثلاً تہجد کے وقت ان کے پاس جا کر نہ بیٹھے نہ سامنے جا کر کھڑا ہو، بلکہ دور رہ کر دیکھتا رہے۔ اگر ان کو کسی کام کی ضرورت قرینہ سے معلوم ہو تو وہ کام کر دے ورنہ الگ رہے اور ان کے اوقات میں خلل نہ ڈالے، کیونکہ بزرگوں کو تہجد یا خلوت کے وقت کسی کا پاس ہونا گوارا نہیں ہوتا اور مجھے بھی گو میں کچھ نہیں ہوں صبح کی نماز کے بعد باتیں کرنے والے پر غصہ آتا ہے کہ یہ کیسا بے قدر ہے کہ ایسے نورانی وقت کو ضائع کرتا ہے۔ صبح کی نماز کے بعد سے طلوع شمس تک یہ وقت ذکر اللہ کے لئے عجیب ہے، اس کو ضائع نہ کرنا چاہئے۔ غرض حضرت غوث اعظم خانقاہ سے باہر تشریف لے چلے اور خادم ساتھ ساتھ رہا اور اس کی کوشش کرتا رہا کہ حضرت کو اطلاع نہ ہو، یہاں تک کہ دروازہ شہر پناہ پر پہنچے جو مقفل تھا مگر حضرت کی برکت سے قفل کھل گیا اور دونوں صاحب یکے بعد دیگرے شہر سے باہر نکلے۔ تھوڑی دیر میں ایک نیا شہر نظر پڑا۔ خادم کو بڑی حیرت ہوئی کہ بغداد کے متصل تو کوئی بھی شہر نہیں۔ یہ شہر کہاں سے آ گیا مگر وہ اصل میں متصل نہ تھا، بہت دور تھا۔ حق تعالیٰ نے غوث اعظم کی کرامت کے لئے زمین کی طنابیں کھینچ دیں، اس سے قریب ہو گیا، چنانچہ دونوں صاحب ایک مکان میں پہنچے جہاں اولیاء اللہ کا ایک مجمع تھا اور اس مکان کے ایک سمت میں ایک درجہ تھا جہاں سے کسی بیمار کے کراہنے کی آواز آ رہی تھی، پھر وہ آواز منقطع ہو گئی اور پانی کے گرانے کی آواز آنے لگی۔ تھوڑی دیر میں وہاں سے ایک جنازہ برآمد ہوا اور چند آدمی ساتھ تھے جن میں ایک بوڑھے بزرگ گویا اس مجمع کے سردار معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے کہا جنازہ تیار ہے۔ سب حضرات نے جنازہ کی نماز پڑھی۔ حضرت غوث اعظم امام بنے۔ نماز کے بعد جنازہ کو لے گئے اور جو پہلے سے حضرت کے پاس جمع تھے وہ بدستور حاضر رہے اور انہوں نے حضرت غوث اعظم سے کچھ عرض کیا اور تھوڑی دیر میں ایک شخص عیسائی حاضر ہوا۔ آپ نے اس کو زنار توڑ کر الگ کیا اور **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کی اس کو تلقین کی۔ مسلمان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ شخص اس کے قائم مقام ہے، اس کے بعد آپ وہاں سے رخصت ہوئے اور تھوڑی دیر میں بغداد میں داخل ہو گئے۔ خادم بھی الگ الگ ساتھ رہا۔ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو اس وقت کسی کتاب کا درس ہوا کرتا تھا۔

آپ نے خادم سے فرمایا کہ آؤ سبق پڑھ لو۔ وہ کتاب لے کر حاضر ہوا اور کہنے لگا حضرت! رات کے واقعہ کی حقیقت سمجھ میں نہیں آئی۔ اس لئے طبیعت کو بہت تشویش ہے، پڑھنے کو بھی دل حاضر نہیں۔ پہلے اس کی حقیقت بتلا دیجئے، تب کچھ پڑھوں گا۔ فرمایا کیا تم رات ہمارے ساتھ تھے؟ کہاں ہاں۔ فرمایا یہ مجمع ابدال کا تھا اور وہ شہر موصل تھا۔ ان میں سے ایک شخص قریب مرگ تھے۔ حق تعالیٰ نے مجھے مطلع فرمایا۔ میں گیا، وہ جنازہ ان ہی بزرگ کا تھا، ان کا انتقال ہو گیا۔ وہ بوڑھا حضرت خضر تھے جو ان کے جنازہ کے مامور تھے اور چونکہ ابدال کا محکمہ میرے تحت میں ہے اس لئے مجھ سے پوچھا گیا کہ اس کے قائم مقام اب کون ہوگا۔ میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی۔ وہاں سے الہام ہوا کہ قسطنطنیہ کے فلاں عیسائی کو ان کی جگہ دے دی جائے۔ چنانچہ وہ خرق عادت کے طور پر حاضر ہوا۔ میں نے اس کو مسلمان کیا اور مسلمان ہوتے ہی وہ مقام ابدال پر پہنچ گیا۔ نہ معلوم حق تعالیٰ شانہٗ کو اس شخص کا کونسا عمل پسند آ گیا ہوگا جو اس کو اسلام کی توفیق دی اور بہت جلد اس مقام عالی پر پہنچ گیا۔ (خیر الحیات والممات ج ۲۴)

اہل اللہ کا فیض عام

بعض اہل اللہ سب مسلمانوں کے واسطے دعا کرتے ہیں اور ان کی دعا سے بہت لوگ کامیاب ہو جاتے ہیں اور ان کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہم کس کی دعا سے کامیاب ہوئے۔ اس کا امتحان یہ ہے کہ بعض اہل اللہ کے مرنے پر غیر مریدوں کو بھی اپنے قلب میں تغیر معلوم ہوتا ہے بشرطیکہ وہ منکر و معاند نہ ہوں، کیونکہ اب تک اس شخص کی غائبانہ دعا و توجہ سے فیض ہو رہا تھا جو اس کی موت سے بند ہو گئی۔ اس لئے مریدین کے علاوہ دوسروں کو بھی اپنی حالت میں وہ تغیر محسوس ہوتا ہے جس کے باب میں حدیث شریف میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا ارشاد وارد ہے: **ما نفضنا الا یدی عن دفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی انکرنا قلوبنا** (نہیں جھاڑا ہم نے ہاتھوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے اور ہم نے اپنے دلوں سے انکار کیا) وہاں تو وجہ ظاہر تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب مسلمانوں سے تعلق تھا مگر آپ کے خلفاء میں بھی بعض ایسے ہوتے ہیں جس کا احساس ان کے مرنے پر سب کو ہوتا ہے۔ (خیر الحیات والممات ج ۲۴)

شیطان سے بچنے کی صورت

بس شیطان سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ اس سے دشمنی رکھے اور اس سے نہ ڈرے (اسی سلسلہ میں ابن عطا سکندری کا نقل کیا ہوا ایک واقعہ ذکر فرمایا) کوئی بزرگ ایک پاڑی میں رہتے تھے۔ ایک شخص ان کی زیارت کو گیا۔ اس نے غار کے باہر سے سنا کہ انہوں نے اعوذ پڑھی اور پڑھ کر خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد فرمانے لگے کہ اے شیطان تو خوش ہوا ہوگا اور یہ سمجھتا ہوگا کہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں اور تجھ سے ڈر کر ایسی بڑی ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں، ہرگز نہیں۔ تو میرا کیا کر سکتا ہے اور تو ہے ہی کیا۔ میں نے اعوذ صرف اس واسطے پڑھی ہے کہ میرے مالک کا حکم ہے۔ (خیرالحیات والممات ج ۲۴)

وساوس کا علاج:

فرمایا وساوس کا علاج یہی ہے کہ شیطان کو کہہ دے کہ جا تو جو چاہے کر۔ جب وسوسہ میں گناہ نہیں تو میں ان کی کچھ پروا نہیں کرتا ۔

آں خداونداں کہ رہ طے کردہ اند　　گوش بابانگ سگاں کے کردہ اند

(وہ لوگ جو راستہ طے کر رہے ہیں کتوں کی آواز پر کان نہیں لگاتے) (خیرالحیات والممات ج ۲۴)

نفس کو عمل پر آمادہ کرنے کا ایک حیلہ:

صوفیہ نے ایک مراقبہ ایجاد کیا اور وہ درحقیقت سنت مذکورہ سے ثابت ہے جیسے احکام اجتہادیہ کے استنباط کی نسبت مجتہدین کی طرف کی جاتی ہے مگر واقع میں وہ نصوص ہی کے مدلول ہیں اسی لئے کہا گیا ہے کہ القیاس مظہر لا مثبت وہ مراقبہ یہ ہے کہ صوفیہ نے نفس سے کام لینے کے لئے ایک حیلہ تجویز کیا ہے کہ نفس سے اولاً ہی یہ نہ کہو کہ دو گھنٹہ کام کرنا ہوگا بلکہ اول سے یہ کہو کہ پاؤ گھنٹہ ذکر کر لے جب پاؤ گھنٹہ ہو گیا پھر کہو کہ پاؤ گھنٹہ اور کر لے۔ اسی طرح جتنا وقت درکار ہوتا ہے اتنے وقت تک نفس کو کام میں لگا لیتے ہیں اور نفس پر گران نہیں ہوتا اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک آدمی کے سامنے پچاس روٹیاں رکھ دی جائیں تو وہ دو چار سے زیادہ نہ کھا سکے گا اور اگر آدھی آدھی روٹی لائی جائے تو وہ سیروں آٹا کھا جائے گا۔ تجربہ کر لیا جائے اسی طرح ذکر میں بھی سارا وقت نفس کے سامنے ایک دم سے پیش نہ کرو بلکہ پاؤ پاؤ

گھنٹہ پیش کرتے رہو اس طرح وہ گھنٹوں میں بھی نہ تھکے گا۔ اسی طرح سفر میں جاؤ تو نفس سے کہو کہ اس گاؤں تک ذکر کر لے جب وہاں پہنچے تو پھر کہو کہ اس اگلے گاؤں تک اور کر لے، اسی طرح سارا سفر ختم کر دیا ویسے تو نفس کام نہ کرتا اگر تم یہ کہتے کہ سارے سفر میں ذکر کرنا ہوگا مگر اس حیلہ سے کام کر لیا اور کچھ بار بھی نہ ہوا، سب اجزاء کو ملا کر دیکھا جائے تو گھنٹے تو بہت سے ہو گئے مگر نفس آمادہ اس واسطے ہو گیا کہ تم نے ہر جزو میں اس کو تھوڑا کام دیا اور جزو کو اس نے کام کا اخیر سمجھا تو اگر نماز بموجب تعلیم حدیث کے پڑھو گے تو نماز کامل بھی ہو گی اور نفس پر بار بھی نہ ہوگا معلوم ہوا کہ ہر جزو کو اخیر سمجھنا موجب سہولت بھی ہے۔ یہی اصل ہے اس مراقبہ کی اور یہ فصل صلوٰۃ مودع (رخصت ہونے والی کی نماز) سے ثابت ہو گیا۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

افعال کی دو قسمیں:

اپنے تمام افعال میں غور کرے کہ کون سے اچھے ہیں اور کون سے برے، پھر ان بروں کی فہرست بنائے تو یہ افعال دو ہی قسم کے نکلیں گے ایک وہ ہوں گے جن کے چھوڑنے میں تکلیف ہے اور دوسرے وہ جن کے چھوڑنے میں تکلیف نہیں۔ سو اس دوسری قسم کو ایک دم الگ کرے کیونکہ ان کے واسطے کسی قسم کا عذر ہی نہیں اور یہ بھی نہیں ہو سکتا تو پھر کوئی دوسرا تو منہ میں لقمہ دینے کے لئے آنے سے رہا۔ آخر مکلّف ہونا کیا معنی مثلاً میں کہتا ہوں کہ غیبت اور شیخی کے چھوڑنے میں کون سی تکلیف ہے مگر یہ بھی نہیں چھوڑا جاتا یا مخصوص یہ شیخی کا مرض عورتوں میں تو بہت ہی ہے اور یہ عجیب فرقہ ہے جہاں مصالح کے سبب ضرورت ہے شیخی کی (یعنی شیخی کی صورت کی) وہاں تو بے حس پنجابی ہیں ایک بی بی تھیں جو خود پائنتی پر بیٹھی رہتیں اور ماما سرھانے بیٹھی رہتی حالانکہ عام طور پر نوکروں کے ساتھ ایسا برتاؤ ان کے دماغ کو تباہ کر دیتا ہے۔ ایک دفعہ ایک مجمع میں میری مجلس میں ایک معمولی شخص صدر مقام پر بیٹھ گیا، میں نے اس کو اُٹھا دیا، جس میں دو مصلحتیں تھیں۔ ایک یہ دوسرے اس جگہ مستحقین موجود تھے جو بمصلحت وہاں بٹھائے جاتے تھے۔ دوسرے یہ کہ جب وہ شخص اس کا عادی ہوگا تو کہیں مار کھائے گا یہ اس شخص کی آبرو بچانے کی تدبیر ہے ممکن ہے کہ میری یہ توجیہات بہانہ نفس ہوں، میں تنزیہہ نفس نہیں کرتا اور اپنے فعل کو خواہ مخواہ مستحسن نہیں کہتا۔ نفس کی شرارتیں ایسی پوشیدہ ہوئی ہیں کہ ہم جیسوں کو تو کیا بڑے بڑے مبصروں کو یہی بعض وقت

دھوکہ ہو جاتا ہے اسی واسطے اکابر ہمیشہ اس سے ڈرتے رہے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی عصمت بیان کرنے کے بعد حالانکہ بالکل واقعی تھی یہ بھی فرمایا وما ابری نفسی خیر نیت میری کچھ بھی ہو مگر ہر حال میں مصلحت اس میں ضرور ہے۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

رسم ورواج ظاہری اور باطنی مفاسد:

میں نے ان تقریبات میں ظاہر مفاسد بھی دیکھے اور باطنی بھی۔ ظاہری تو یہ بے تمیزیاں اور باطنی تفاخر ریا معہ تصنع وغیرہ وغیرہ اور ان باطنی مفاسد میں سے تو شاید کوئی مستثنیٰ رہ جاتا ہو لہٰذا میں نے اپنے وطن میں حتی الامکان کل تقریبات کی رسوم اڑا دیں اور چونکہ بات صحیح اور عقل ونقل سب کے موافق ہے اس واسطے بحمد اللہ تعالیٰ کامیابی ہوئی ایک شخص نے مجھ سے بطور اشکال کے کہا کہ ہم خوشی میں ایک کافی رقم خرچ کرنا چاہتے ہیں اور جبکہ خدا نے مال دیا ہے تو کیوں نہ خرچ کریں۔ سوان طریقوں کو تو آپ منع کرتے ہیں۔ آخر کوئی طریقہ خرچ کا بھی تو بتائیے۔ میں نے کہا جناب یہ طریقے تو مجموعہ معاصی ہیں اور خلاف عقل بھی ہیں اگر آپ کو خرچ کرنا ہی مقصود ہے تو اس کا طریقہ عقل کے موافق یہ ہے کہ ایک فہرست بنائے غرباء کی اور جتنی رقم آپ کو خرچ کرنی ہو ان کو بانٹ دیجئے اور دیکھئے کتنی شہرت بھی ہو جائے گی گو اس کی نیت نہ ہونا چاہئے اور نفع بھی کس قدر پہنچے گا اور موجودہ رسمیں اور طریقے تو ایسے لغو ہیں کہ جن سے نہ کسی کا فائدہ اور نہ شہرت، فائدہ نہ ہونے کا ثبوت تو یہ دیکھ لیجئے کہ ریاستوں کی ریاستیں ایک ایک تقریب میں غارت ہو گئیں اور شہرت کی حالت یہ ہے کہ آج کسی نے ہزار روپیہ تقریب میں لگائے کل دوسرے نے ایک ذرا سی بات اور ایجاد کر لی تو کہتے ہیں فلاں نے کیا کیا تھا صاحبو! نفی شہرت کی یہ رائے بھی علی سبیل التنز ل تھی۔ رسوم کے خلاف عقل بتلانے کے لئے ورنہ خود شہرت ہی کیا چیز ہے۔ شہرت خود ایک مذموم چیز ہے اور یہ بھی منجملہ ان ہی مفاسد کے لئے جو تقریبات میں ہوتے ہیں پھر قطع نظر عدم جواز کے خود اپنی ذات میں تو سب کی سب ایسی ہیں۔ (دواء العیوب ج ۲۳)

طریق اصلاح

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طریقہ سے (یعنی طریق اصلاح اختیار کرنے سے) معتقد کم ہو جائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ اول تو یہ خیال غلط ہے گو ظاہر میں تمہارے پاس آدمی کم

آئیں مگر دل میں معتقد زیادہ ہوں گے اور مان لو معتقد کم بھی ہوئے تو کیا فوج بھرتی کر کے کہیں کام پر بھیجو گے اگر زیادہ معتقد بھی ہوئے اور کام کے نہ ہوئے تو ان کو لے کر کیا کرو گے۔ اس سے تو یہ اچھا ہے کہ معتقد تھوڑے ہوں اور کام کے ہوں اس میں تو زیادہ راحت ہے کہ ہجوم خلق زیادہ نہ ہوگا کیونکہ ہجوم سے اوقات میں خلل پڑتا ہے یہ جواب تو بطور ارخاء عنان کے ہے ورنہ میرا اصلی مذاق یہ ہے کہ مجھے تو گونگے اعتقاد سے وحشت ہوتی ہے مگر جیسے ہجوم خلائق سے محبت ہو جو ہر وقت اپنے گرد مجمع چاہتا ہے وہ تو بے شک معتقدین کی قلت سے گھبرائے گا اور طریق اصلاح کو اختیار نہ کرے گا۔ میں تو حق تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ الحمد للہ میری پیدائش میں ایک مجذوب کی نظر و توجہ کو دخل ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مجھے بچپن ہی سے ہجوم سے نفرت ہے۔ زمانہ قیام کانپور میں یہ حالت تھی کہ میں تنہا گلی کوچوں میں پھرتا تھا اور ہجوم سے گھبراتا تھا گو اس تنہا گردی سے بعض اوقات کچھ پریشانی بھی ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک بار مدرسہ جامع العلوم کا جلسہ ہوا تو جلسہ کے لئے ایک بڑا مکان تجویز کیا گیا جو طلاق محل کے نام سے مشہور تھا وجہ تسمیہ یہ تھی کہ اس محل میں ایک نواب کی بیگم طلاق لے کر رہتی تھی۔ جب میں نے جلسہ کا اشتہار شائع کیا اور جلسہ کا اس مکان میں ہونا ظاہر کیا تو اس کا نام طلاق محل کے تلاق محل تاء سے شائع کیا لفظ طلاق کو میں نے جلسے کے لئے مناسب نہ سمجھا۔ لوگ اس تصرف سے بہت خوش ہوئے کہ مکان کا نام بھی نہ بدلا اور فال بد سے بھی حفاظت ہو گئی۔ (الجمعین بین النفعین ج ۲۴)

از در دوست چہ گویم بچہ عنوان رفتم ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

''دوست کے دروازے سے کیا عرض کروں کہ کس عنوان سے گیا۔ سراپا اشتیاق وشوق سے گیا لیکن ناامید واپس لوٹا''

اور اس سے بڑھ کر کیا مصیبت ہوگی اور آپ کا وعدہ ہے کہ مصیبت پر بھی اجر ملتا ہے تو اس صورت میں مصیبت کا اجر دینا ہوگا۔ سبحان اللہ! دعا کیا ہے پوری وکالت ہے کہ ہر صورت میں اپنا استحقاق ثابت کر دیا۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے لندن میں ایک اُستاد نے اپنے شاگرد پر دعویٰ کیا تھا کہ اس سے میں نے یہ شرط کی تھی کہ تم وکالت سے پہلا مقدمہ جیتو تو اپنی رقم مجھ کو دینا پڑے گی اور اس نے فلاں مقدمہ جیتا ہے، اس لئے مجھے یہ رقم ملنی چاہئے۔ شاگرد نے جواب دہی کی اور مقدمہ جیتنے سے انکار کیا۔ استاد کے پاس ثبوت کافی نہ تھے اس لئے ہار

گیا۔ جب یہ ہار گیا تو اُستاد نے دوبارہ دعویٰ دائر کیا کہ اب تو شرط پائی گئی، کیونکہ یہ میرے مقابلہ میں اس مقدمہ میں تو جیت گیا، لہٰذا اب وہ رقم دلوائی جائے۔ اس پر شاگرد کو رقم دینا پڑی۔ تو جیسے اس وکیل نے ہر حال میں اپنا استحقاق ثابت کر دیا اسی طرح حضرت رابعہؒ نے ہر صورت میں استحقاق ثابت کیا، مگر یہ سب کلام ان کا بطور ادلال کے تھا ورنہ استحقاق کس کا اور کیسا جو عطا ہو جائے محض فضل ہے مگر انہوں نے قواعد سے یہی سمجھا کہ مطلق مصیبت پر بھی اجر ہے۔ چاہے صبر ہو یا نہ ہو۔ گو صبر نہ کرنے پر مستقل گناہ ہو، مگر اس سے نفس مصیبت پر اجر ملنے کی نفی نہیں ہوتی۔ غرض یہ دلائل سے صحیح ہے۔ (الجمعین بین النفعین ج ۲۴)

مجاہدہ اختیاریہ اور مجاہدہ اضطراریہ کے ثمرات:

ان دونوں مجاہدوں میں ایک اور فرق ہے۔ وہ یہ کہ مجاہدہ اختیاریہ میں تو فعل کا غلبہ ہے۔ اسی لئے اس میں انوار زیادہ ہوتے ہیں، کیونکہ انوار کا ترتب عمل پر ہوتا ہے اور مجاہدہ اضطراریہ میں فعل کم ہوتا ہے، اس لئے اس میں نورانیت کم ہوتی ہے لیکن اس میں انفعال کا غلبہ ہوتا ہے، اس سے قابلیت میں قوت بڑھتی ہے اور اس انفعال و قابلیت کی خود اعمال اختیاریہ کا اثر راسخ ہونے کے لئے سخت ضرورت ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے ایسے مجاہدات بھی بہت زیادہ کرائے ہیں۔ یہ خاصیتیں ہیں دونوں مجاہدوں کی۔ (الجمعین بین النفعین ج ۲۴)

ایک بزرگ کا عجیب واقعہ

ایک بزرگ نجم الدین صاحب تھے، ان کو اس کی نہایت تمنا و التجا تھی کہ کسی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرا کیا مقام ہے۔ ایک مرتبہ ان کے ایک مرید ان کی اجازت سے کسی دوسرے بزرگ کی زیارت کو گئے۔ انہوں نے دریافت کیا کہو بھائی تمہارے یہودی پیر اچھے ہیں۔ انہوں نے اس وقت بہت ضبط کیا، جب واپس آئے تو پیر نے پوچھا کہ وہاں گئے تھے؟ کہا حضرت گیا تو تھا مگر وہ تو بڑے ہی گستاخ و بے ہودہ معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا کیا معاملہ ہوا؟ کہنے لگے حضرت! آپ کی شان میں ایسی گستاخی کی جس سے مجھ کو نہایت رنج ہوا۔ پیر نے کہا کیا کہا؟ اصرار کے بعد بتایا حضرت! انہوں نے آپ کو اس طرح پوچھا تھا کہ تمہارے یہودی پیر اچھے ہیں۔ پیر کو یہ سنتے ہی حالت وجد طاری ہو گئی۔ یہ ایک رمز تھا دونوں بزرگوں کے

درمیان۔ انہوں نے یہ خبر کی تھی کہ تم کو نسبت موسوی حاصل ہے۔ لیکن یہ نسبتیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں۔ آپ ہی کی ذات مبارک سے فیض آیا ہے۔ بعض اوقات جن کی یہ نسبت ہوتی ہے موسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر مرتے ہیں۔

در نیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

''جب خام پختہ کے حال کو نہیں سمجھ سکتا تو تطویل کلام سے کیا فائدہ سلامتی اس میں ہے کہ اس فضا میں سکوت کیا جائے''

ایک اس بات کا خیال چاہئے کہ بعد مرنے کے اس کی تعریف کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک جنازہ گزرا۔ لوگوں نے اس کی تعریف کی۔ آپؐ نے فرمایا وجبت۔ دوسرا ایک اور جنازہ گزرا تو لوگوں نے اس کی برائی کی۔ آپؐ نے فرمایا وجبت۔ صحابہ نے عرض کیا حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے آپ کی کیا مراد تھی۔ آپؐ نے فرمایا جس کی تم نے تعریف کی اس کے واسطے جنت واجب ہوگئی اور جس کی تم نے برائی کی اس پر دوزخ واجب ہوگئی۔ انتم شھداء اللّٰہ فی الارض (تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو) (احکام ومسائل متعلق صوت ج ۲۴)

اہل اللہ کی صحبت کا اثر:

اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنی چاہئے مگر ناقص صحبت سے احتراز کرنا چاہئے۔ خیر ضرورت کے واسطے مضائقہ نہیں اختلاط نہ چاہئے۔ اہل اللہ کی صحبت سے ضرور نفع ہوتا ہے۔ خیال یوں ہوا کرتا ہے کہ صاحب ہم فلانے بزرگ کے پاس بیٹھے تو کیا کمال ہوا، دل میں جوش تک بھی نہ ہوا۔ یہ غلطی ہے، صحبت کا اصلی اثر یہ ہے کہ دنیا کی محبت گھٹ جائے اور حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت بڑھ جائے۔ بس پھر کبھی کیفیات نفسانی کا غلبہ بھی اس کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا حال سنا ہوگا کہ شیخ کا کلام سن کر پچھاڑ کھا کر گر پڑے۔ لوگوں کے نزدیک یہی بڑا اثر ہے جہاں یہ پایا جاوے وہی مجلس اچھی سمجھی جاتی ہے۔ (اشرف المواعظ ج ۲۴)

اہل اللہ کی حالت

اہل اللہ کو یہ مسئلہ پوری طرح منکشف ہوگیا ہے کہ یہ جان ہماری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی چیز ہے اس لئے وہ اپنی جان کی بہت حفاظت کرتے ہیں۔ اور کوئی کام بدون رضائے خدا

کی نیت کے نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں اللہ تعالیٰ جان دینا پسند کرتے ہیں تو وہ سب سے زیادہ جان دینے میں دلیر ہوتے ہیں۔ اور جب یہ معلوم ہو کہ یہاں جان دینا خدا کو پسند نہیں تو وہ سب سے زیادہ اپنی جان کی حفاظت کرتے ہیں لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو اپنے جسم وروح سے بہت محبت ہے حالانکہ حقیقت میں ان کو خدا سے محبت ہے اور اس وجہ سے خدا کی ہر چیز سے محبت ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است　　افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

مجھ کو اپنی آنکھوں پر ناز ہے کہ انہوں نے تیرے جمال کو دیکھا ہے اور اپنے پاؤں پر رشک کرتا ہوں کہ وہ تیرے کوچے میں پہنچے ہیں۔

ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را　　کودامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

ہر گھڑی اپنے ہاتھوں کو ہزار بوسہ دیتا ہوں کہ انہوں نے تیرا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے۔

ان کو اپنے اعضاء سے محض اس لئے محبت ہے کہ یہ خدا کی امانتیں ہیں اور ان کے ذریعہ سے مرضیات الٰہیہ کی تعمیل ہوتی ہے اور کوئی وجہ نہیں۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

فیض شیخ کا طریقہ کار

طالب کو چاہیے کہ جس شیخ سے بیعت ہونا چاہے اس کے پاس کچھ مدت تک قیام کرے جب باہم دونوں میں مناسبت ہو جائے اس وقت بیعت کی درخواست کرے۔ مگر آجکل لوگوں کی حالت یہ ہے کہ آج ایک بزرگ کے پاس گئے اور انکی کوئی بات آگئی بس لگے ان سے بیعت ہونے پھر کل کو کسی دوسرے بزرگ کی کوئی ادا پسند آگئی بس ان سے بیعت ہو گئے۔ ان کی بعینہ یہ مثال ہے گنگا گئے گنگا داس جمنا گئے جمنا داس۔ یہ لوگ طریق کو کھیل بنانا چاہتے ہیں یاد رکھو اس طرح مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ایک نہ ایک دن ان کی قلعی کھل جاتی ہے۔ پھر کسی شیخ کو اس پر اعتماد نہیں ہوتا، ہرجائی مشہور ہو جاتا ہے۔

وفاداری مدار از بلبلاں چشم　　کہ ہردم بر گلے دیگر سرایند

(بلبلاں چشم سے وفا کی امید نہ رکھو کہ ہر دم ایک پھول کو چھوڑ کر دوسرے پر چہچہاتی ہیں)۔

بیعت کا اتنی جلدی فیصلہ کرنا نہ چاہیے کیونکہ یہ حالت جلدی ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر غور وفکر کے بعد مناسبت تامہ دیکھ کر بیعت ہوں تو ایک ہی کو لگے لپٹے رہیں گے۔

(حرمات الحدود ج ۲۵)

شیخ و مرید میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے

اسی طرح اگر تم کو ایک شیخ سے نفع نہ ہوا لیکن پھر بھی تم اس کو لگے لپٹے رہے۔ اور دوسرے کی طرف رجوع نہ کیا جب بھی تم نے طریق کا حق ضائع کیا۔ غرض ایسا شخص مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے نہ اس کو چھوڑے بن پڑی ہے نہ الگ ہوتے۔ اس لئے مناسبت کا دیکھنا ضروری جس کیلئے پاس رہنے کی ضرورت ہے۔ اور گو عدم اعتقاد کے لئے تفتیش کی ضرورت نہیں کیونکہ مشائخ کا معتقد ہونا کچھ فرض و واجب نہیں لیکن دست بدست ہونے کیلئے اس کی بہت ضرورت ہے جیسا کہ اگر تم کسی عورت سے نکاح نہ کرنا چاہو تو اس کیلئے تفتیش کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں نکاح کے لئے جھان پھوڑ کی ضرورت ہے کیونکہ نکاح نہ کرنا معیوب نہیں لیکن نکاح کے بعد طلاق دینا برا ہے۔ اس لئے نکاح سے پہلے عورت کے اخلاق و عادات، صورت و سیرت کی خوب تحقیق کر لینی چاہیے۔ لیکن مشائخ کی تفتیش خود بلا واسطہ کرے اور نکاح میں اولیاء و اقربا کے واسطہ سے تحقیق کرے (حرمات الحدود ج ۲۵)

باطنی احوال و مقامات کی حدود

اب میں ترقی کر کے یہ کہتا ہوں کہ معاملات خلق سے متجاوز ہو کر باطنی احوال و مقامات تک کیلئے بھی حدود ہیں یعنی خوف الٰہی اور شوق خداوندی اور تواضع وغیرہ جو کہ اخلاق باطنی ہیں جن کو صوفیہ کی اصطلاح میں مقامات کہا جاتا ہے جو بظاہر علی الاطلاق ہر درجہ میں مطلوب معلوم ہوتے ہیں، ان کے لئے بھی حدود ہیں یہ نہیں کہ ان کا ہر درجہ مطلوب ہو یہ مضمون شاید آپ نے کبھی نہ سنا ہوگا کیونکہ اخلاق حمیدہ باطنیہ کے بارے میں لوگوں کا عام خیال ہے کہ ان میں جتنی ترقی ہو اچھی بات ہے ان کا کوئی درجہ مذموم نہیں اور قیاس ظاہری بھی اسی کو چاہتا ہے کیونکہ یہ امور مطلوبہ ہیں اور مطلوب کا ہر درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے مگر اس قیاس میں اتنی غلطی ہے کہ امور مطلوبہ کو عام رکھا گیا ہے حالانکہ یہ قاعدہ مطلوب بالذات کیلئے ہے کہ اس کا ہر درجہ مطلوب ہوا کرتا ہے اور یہ امور مطلوب بالعرض ہیں اصل مطلوب رضائے الٰہی ہے۔ جس کا ہر درجہ مطلوب ہے اس تمہید کے بعد اب میں اخلاق و معاملات باطنیہ میں نمونہ کے طور پر بتلانا چاہتا ہوں کہ حدود سے وہ بھی خالی نہیں اور نمونہ اس واسطے کہا کہ سب احکام کا بیان کرنا دشوار ہے۔

قلم بشکن سیاہی ریز وکاغذ سوز ودم درکش کہ حسن ایں قصہ عشق درد فترنمی گنجد
قلم توڑ روشنائی بکھیر کاغذ پھاڑ اور خاموش رہ اس لئے حسن یہ قصہ عشق کا ہے، دفتر میں نہیں سما سکتا۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں قل لو کان البحر مداد الکلمات ربی لنفدالبحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہٖ مددا. آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب کی باتیں لکھنے کیلئے سمندر روشنائی ہو تو سمندر ختم ہو جائے اگر چہ اس کی مدد کیلئے ہم ایک دوسرا سمندر لے آئیں احکام الٰہی کی انتہا نہیں۔ (حرمات الحدود ج ۲۵)

اسم اعظم کی نگہداشت اور اس کے حقوق

ایک بزرگ سے ایک شخص نے اسم اعظم کی درخواست کی تھی، انہوں نے کہا کہ تمہارے اندر چھچھوراپن ہے تم سے ضبط نہ ہوگا ظاہر کردو گے اس لئے تم اس کے قابل نہیں وہ کہنے لگا کہ حضور اب سے میں ضبط سے کام لیا کروں گا اور چھچھوراپن چھوڑ دون گا۔ خاموش ہو گئے ایک دن انہوں نے ایک پیالہ سر پوش سے ڈھک کر دیا کہ فلاں بزرگ کو دے آؤ مگر کھول کر مت دیکھنا وہ لے کر چلا تھوڑی دیر تو اپنے نفس کو دبایا بہت ضبط کیا مگر پھر یہ خیال غالب ہوا کہ ایک نظر سے دیکھ لینے میں کیا حرج ہے معلوم تو کرنا چاہیے اس میں کیا ہے آخر نہ رہا گیا اور سر پوش کھول کر دیکھا پیالہ میں سے ایک چوہا پھدک کر نکلا اور بھاگ گیا۔ اب یہ بڑے پریشان کہ اب کیا جواب دوں گا مگر ساتھ ہی یہ حیرت کہ یہ معاملہ کیا ہے کیا شیخ نے میری ساتھ ہنسی کی ہے یا ان بزرگ کے ساتھ مذاق کیا ہے۔ آخر کار خالی پیالہ لیکر بزرگ صاحب کے پاس پہنچے کہ مجھے فلاں صاحب نے یہ پیالہ دیکر بھیجا تھا اور سارا واقعہ بیان کیا کہ مجھے حضرت نے منع کر دیا تھا کہ پیالہ کو کھولنا مت۔ میں نے اسے راستہ میں کھول کر دیکھ لیا مجھ سے رہا نہ گیا تو اس میں سے ایک چوہا نکل کر بھاگ گیا، اب میں شرمندہ بھی ہوں اور متحیر بھی۔ ان بزرگ نے پوچھا کہ کیا تم نے اپنے شیخ سے کوئی درخواست کی تھی، کہا ہاں میں نے اسم اعظم کی درخواست کی تھی، مگر انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ تمہارے اندر چھچھوراپن ہے میں نے وعدہ کیا تھا کہ اب ضبط سے کام لیا کروں گا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ یہ واقعہ تمہارے اسی دعویٰ کا جواب ہے کہ تم سے ایک چوہے کی نگہبانی تو ہو نہ سکی تم اسم اعظم کی نگہداشت اور اس کے حقوق کی رعایت کیسے کرو گے۔ وہ بیچارہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ (الباب لاولی الالباب ج ۲۵)

توجہ الی اللہ اصل مطلوب ہے

توجہ الی اللہ اصل مطلوب ہے اور توجہ الی الخلق گو وہ دین ہی ہو اصل مطلوب نہیں بلکہ مطلوب بالغیر ہے کیونکہ یہاں جس توجہ الی الخلق سے فارغ حاصل کرنے اور اس سے فارغ ہو کر رغبت الی اللہ میں مشغول ہونے کا امر ہے وہ توجہ الی الخلق بھی دین ہی تھی اس لئے کہ نبی کی توجہ الی الخلق افادہ خلق کے لئے ہوتی ہے اور افادہ خلق دین ہے اور یہاں سے بعض صوفیہ کے اس قول کی اصل معلوم ہوگئی کہ ولایت نبوت سے افضل ہے جس کا یہ مطلب نہیں کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے جیسا کہ بعض حکما نے سمجھا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ نبی میں جو دو شانیں ہوتی ہیں ایک ولایت کی اور ایک نبوت کی تو نبی کی ولایت نبی کی نبوت سے افضل ہوتی ہے چنانچہ دیکھ لیجئے کہ نبی کی توجہ الی افادۃ الخلق من حیث النبوت تھی اور توجہ الی اللہ من حیث الولایت مگر یہاں حق تعالیٰ توجہ الی الافادہ کو بمقابلہ توجہ الی اللہ غیر مقصود بالذات بتلا رہے ہیں پس ثابت ہوا کہ اصل مطلوب نبی کیلئے بھی توجہ الی اللہ ہے اور توجہ الی الافادہ مطلوب بالغیر ہے۔ (الرغبۃ المرغوبۃ والطلبۃ المطلوبۃ)

وصول مطلوب نہیں

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے مقصود طلب ہے، وصول مطلوب نہیں اس لئے کہ وصول تو مقدور نہیں اور طلب مقدور ہے بالکل سچی بات ہے اور اگر وصول ہی مقصود ہو تو اس کا طریقہ بھی یہی ہے کہ طلب اپنا شغل بنائے اور طلب کے وقت ثمر کی طرف التفات نہ کرے ورنہ ہرگز سعی نہ کرے گا مثلاً حساب کا نوکر عین حساب کتاب کے وقت اگر اپنے مقصود (یعنی تنخواہ) کا مراقبہ کرے کہ تنخواہ ملے گی تو فلاں شے خریدوں گا اور ایک روپیہ فلاں کو دوں گا تو اسے وہ کام ہرگز نہ ہو سکے گا اور تنخواہ ملنا موتوف ہے۔ کہ پورے مہینہ کا کام کرے اس لئے بالکل معطل ہو جائے گا اور اگر اپنے کام میں لگا رہے اور مقصود کی طرف ملتفت نہ ہو تو کام کرتے کرتے مقصود اس پر مرتب ہو جائیگا عالی ہمتی یہ ہے کہ طلب کو من حیث ہو مقصود سمجھے اسی واسطے بزرگان دین مریدین سے کہتے ہیں کہ کام کئے جاؤ پس ثمرات کی طرف ملتفت رہنا اور اس سے بڑھ کر بڑے بننے کی فکر ابتداء ہی سے سد راہ ہے اور یہاں سے یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ دوسروں کے دین کی فکر جب بعض وقت مانع ہو جاتی ہے تو دوسروں کی دنیا یا عیوب کی فکر بطریق اولیٰ سنگ راہ ہوگی (التصدی للغیر ج ۲۵)

گناہ کی حقیقت

حضرت سفیان ثوریؒ اور ایک دوسرے محدثؒ نے ایک مرتبہ ایک پوری رات حدیث کے مذاکرے میں ختم کردی جب صبح ہوئی تو ان محدث صاحب نے فرمایا آج کی رات بھی کیسی مبارک رات تھی کیسے اچھے کام میں گزری حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ میاں اگر برابر سرابر چھوٹ جائیں تو غنیمت ہے اس لئے کہ میری تمام تر سعی اس میں تھی کہ کوئی ایسی حدیث سناؤں جو آپ نے نہ سنی ہو اور آپ کی کوشش یہ تھی کہ ایسی حدیث بیان کریں کہ جو مجھ کو معلوم نہ ہو ہر شخص درپردہ اپنے علوم کا دعویٰ کر رہا تھا اللہ اکبر ایک آج کل کے حضرات ہیں کہ ان کو اپنا کوئی گناہ بھی یاد نہیں آتا اس لئے اگر کسی کو عیب یاد نہ آئے تو اسی پر رودے کہ مجھ کو کوئی عیب یاد نہیں آتا یہ سب سے بڑا عیب ہے کہ آدمی اپنے کو بے عیب سمجھے **فلاتز کوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی** تم اپنے آپ کو مقدس مت سمجھو تقویٰ والے کو وہی خوب جانتے ہیں۔ (التصدی للغیر ج ۲۵)

مجاہدہ اضطراریہ سے اصلاح نفس

ان بلاؤں سے مقبولین کے درجے بلند ہوتے ہیں۔ نیز اس میں مجاہدہ اضطراریہ بھی ہے کہ مصائب سے اخلاق درست ہو جاتے ہیں۔ نفس کی اصلاح بہت کچھ ہو جاتی ہے۔ جب ہم لوگوں کو اپنے نفس کی اصلاح اور درستی اخلاق کی فکر نہیں ہوتی تو حق تعالیٰ مجاہدہ اضطراریہ سے ہماری اصلاح فرما دیتے ہیں۔ (التصدی للغیر ج ۲۵)

قبض کی حکمتیں

حالت قبض کی کچھ بری حالت نہیں بلکہ اس میں بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں اور یہ حالت سبھی کو پیش آتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون ہوگا جب اول اول وحی نازل ہوئی ہے تو اس کے بعد تین برس کا وقفہ ہوا آپ کا جو علاقہ حق تعالیٰ سے تھا ظاہر ہے کہ کیسا علاقہ تھا کہ وہاں تو ہر دم بالکل حضور کامل تھا۔ پھر روزانہ فرشتے کے واسطے سے بات چیت ہوتی تھی۔ جس کی لذت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی جان سکتے ہیں کوئی دوسرا کیا سمجھ سکتا ہے۔ پھر اس پر جب تین برس تک سلسلہ خطاب بند رہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حالت

ہوئی ہوگی۔ آپ کو کیسی سخت کلفت ہوئی ہوگی۔ اس پر دوسری مصیبت یہ کہ کفار کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (سیدی وروحی) کو ان کے خدا نے چھوڑ دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی کلفت تھی کہ آپ نے بہت مرتبہ قصد کیا کہ اپنے کو پہاڑ کے اوپر سے گرادیں۔ جب آپ اپنے کو گرانے کا قصد کرتے اسی وقت جبرئیلؑ تشریف لاتے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرائیلؑ ہوں۔ آپ اپنے کو ہلاک نہ کیجئے۔ جبرئیل علیہ السلام کی اس بات سے آپ کو تسلی ہو جاتی۔ ایسی حالت میں تین سال گزر گئے اگر کسی اور شخص کو اتنا شدید قبض رہتا تو نہ معلوم اس کا کیا حال ہو جاتا۔ تین سال کے بعد وحی نازل ہوئی۔ اور قبض کے بعد بسط ہوا۔ سورہ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں اسی طرح ایک بار اور قبض واقع ہوا کہ کفار طعن کرنے لگے۔ سورہ والضحیٰ اور قریب وقت میں الم نشرح نازل ہوئیں۔ سورہ الم نشرح میں اس قبض وبسط کا تذکرہ کیا گیا۔ شرح صدر سے مراد وہی حالت بسط ہے جو قبض کے بعد حاصل ہوئی۔ ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک. یعنی ہم نے آپ پر سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی۔ وہ بوجھ جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی یہی قبض کی حالت تو تھی۔ یہ کوئی فقر وفاقہ کی کلفت نہ تھی۔ فقر وفاقہ سے آپ کو کبھی پریشانی نہیں ہوئی۔ غرض چاہے وہ کلفت ظاہری ہو یا باطنی ہر ایک پر صبر کرنا چاہیے۔ عام لوگ تو باطنی کلفت کو کلفت ہی نہیں سمجھتے کیونکہ وہ اس مزہ ہی سے ناواقف ہیں اور جو لوگ اس کو کلفت سمجھتے ہیں وہ یہ غلطی کرتے ہیں کہ باطنی کلفت پر صبر نہیں کرتے حالانکہ اس پر بھی صبر کرنا چاہیے۔ اسی کو شیخ شیرازی فرماتے ہیں۔

خوشا وقت شوریدگان غمش　　اگر ریش بینیذ وگر مرہمش

محبوب حقیقی کے غم میں پریشان لوگوں کا بہت اچھا وقت ہے اگر زخم دیکھتے ہیں اور اگر اس پر مرہم رکھتے ہیں۔

دما دم شراب الم درکشند　　وگر تلخ بنیند دم درکشند

ہر دم رنج والم برداشت کرتے ہیں۔ اور اگر تلخی پاتے ہیں تو خاموش رہتے ہیں۔ (الاسراف ج ۲۵)

حضرت سلطان الاولیاء کے جنارہ کا حال

حضرت سلطان الاولیاء کی حکایت ہے کہ جب ان کا جنازہ چلا تو ان کے ایک مرید

پر حالت طاری تھی کیونکہ شیخ کے انتقال کا صدمہ مریدوں سے زیادہ کس کو ہوسکتا ہے غرض جنازہ جا رہا تھا کہ اس مرید نے جنازہ کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا۔

سروسیمنا بصحرا می روی سخت بے مہری کہ بے مامیروی

اے محبوب آپ صحرا کو جا رہے ہیں ہم کو چھوڑ کر جانا سخت بے مہری کی بات ہے۔

اے تماشہ گاہ عالم روئے تو تو کجا بہرکے تماشاے روی

آپ کا چہرہ انور تو خود تماشا عالم ہے۔ آپ کہاں تماشہ کیلئے تشریف لیجا رہے ہیں۔

تاریخ میں لکھا ہے کفن میں سے آپ کا ہاتھ اونچا ہوگیا۔ لوگوں نے کہا کہ کیا غضب کرتے ہو چپ رہو۔ اور اس واقعہ سے کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے کیونکہ مرنے کے بعد انسان کو دوسری حیات عطا ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ سب کچھ احساس کرسکتا ہے۔ اور یہ حیات اولیاء میں عوام سے زیادہ ہوتی ہے۔ تو کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ اس حیات کا اثر بطور کرامت کے جسم پر بھی ظاہر ہوجائے مگر یہ کبھی کبھی ہوتا ہے۔ غرض خدا نے ظاہر کردیا کہ اب یہ لوگ اس قدر مطمئن ہیں کہ ان کو مرنے کے بعد بھی وجد آتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے **الاان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون**. یادرکھو اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ناک واقعہ پڑنے والا ہے نہ وہ مغموم ہوتے ہیں۔ (الاسراف ج ۲۵)

اشراف نفس اور ادب شیخ

حدیث میں آیا ہے کہ **مااتاک من غیر اشراف فخذہ** (جمهرة أنساب العرب ۱۶۷) کہ جو چیز بغیر انتظار نفس کے آئے اس کو قبول کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو انتظار کے بعد آئے اس کو نہ لینا چاہیے۔ تو آپ ہمیشہ دے دے کر پیروں کے دلوں میں دنیا کا انتظار پیدا کرنا چاہتے ہیں جس کا انجام یہ ہوگا کہ اگر وہ ہمیشہ لے لیا کریں تو ناپسندیدہ چیز کھایا کریں گے۔ اور نہ لیں گے تو آپ کا دل برا ہوگا۔ پس بہتر یہی ہے کہ التزام ہرگز نہ کیا جائے۔ جب بہت شوق کا غلبہ ہو تو لے گئے ورنہ حذف کردیا بزرگوں کے انتظار سے اپنے کو یہاں تک بچایا ہے کہ بلب گرام میں ایک بزرگ تھے ایک مرتبہ ان کے یہاں فاقہ تھا ان کے ایک شاگرد اس روز سبق پڑھنے آئے تو شیخ کو بہت مضمحل دیکھا قرائن سے سمجھ گئے کہ آج ان پر فاقہ ہے۔ اس حالت میں انہوں نے سبق پڑھنا نہ چاہا اور کسی بہانہ سے سبق ٹالا۔ وہاں سے اٹھ کر وہ

اپنے گھر آئے اور ایک سینی میں کھانا لگا کر شیخ کی خدمت میں لائے۔ شیخ نے فرمایا کہ واقعی تم کھانا ایسے وقت پر لائے کہ مجھ کو حاجت ہے مگر اس کے قبول کرنے سے ایک امر مانع ہے وہ یہ کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو چیز اشراف نفس (انتظار نفس) کے بعد آئے اسے قبول نہ کرنا چاہیے۔ اور جب تم میرے پاس سے اٹھ کر گئے تو مجھے خطرہ ہوا کہ تم میرے واسطے کھانا لاؤ گے۔ تو یہ کھانا انتظار کے بعد آیا ہے اسلئے میں قبول نہیں کر سکتا۔ اللہ اکبر تقویٰ اس کا نام ہے واقعی ایسی حالت میں حدود شریعت پر مستقیم رہنا بڑی جوانمردی ہے اور یہاں سے یہ بھی سمجھ لیجئے کہ کشف کیا چیز ہے کیونکہ صاحب کشف کو مرید سے کچھ دینے سے پہلے ہی کشف کے ذریعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ مجھے کچھ دے گا۔ اور اس علم کا خاصہ ہے کہ انتظار پیدا ہوگا۔ اور انتظار کے بعد قبول کرنا خلاف سنت ہوگا۔ تو بعض دفعہ یہ کشف بھی پریشان کر دیتا ہے۔ غرض سنت پر عمل یہ ہے کہ جوان بزرگ نے کر کے دکھلایا نہ یہ کہ۔

زسنت نہ بینی درایشاں اثر بجز خواب پیشیں فرماں سحر

یعنی بجز رات کے اگلے حصے میں سونے کے سویرے اٹھنے کے حکم کی وجہ سے ان میں سنت کا کوئی اثر نہ پاؤ گے۔

یہ تو شیخ کا ادب تھا کہ انہوں نے خلاف سنت ہونے کی وجہ سے کھانا قبول نہ کیا اور اب مرید کا ادب دیکھئے کہ اس نے شیخ پر اصرار نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہہ کر کھانا اٹھالیا کہ بہت بہتر ہے میں کھانا واپس لئے جاتا ہوں۔ اب آجکل مرید دونوں طرف سے تکلیف دیتے ہیں۔ مثلاً پیر کے سامنے کھانا لایا گیا اور انہوں نے کھانے سے انکار کیا۔ مگر پھر بھی اصرار کئے جاتے ہیں کہ نہیں جناب کھائے۔ ارے بھائی تمہارا کیا بگڑے گا بے بھوک کھانے سے بھگتنا تو انہیں پڑے گا۔ پس بزرگوں پر اصرار نہ کرنا چاہیے۔ خاص کر ان سے جن سے عقیدت ہو۔ مگر آج کل تو لوگ مرید نہیں بنتے گرو بنتے ہیں جیسے مولانا گنگوہیؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ایک شخص ایک گرو کے پاس گیا کہ مجھے اپنا چیلہ بنالو۔ اس نے کہا چیلہ بننا بڑا مشکل ہے۔ تو وہ کیا کہتا ہے کہ چیلا بننا مشکل ہے تو پھر گرو ہی بنالو۔ بہر حال اس مرید نے اصرار نہیں کیا اور کھانا لے کر چل دیئے۔ شاید آپ کہیں کہ اچھی خشکی تھی۔ بندہ خدا نے کچھ تو کہا ہوتا۔ صاحبو! جو خشکی نہ تھی اس نے تدبیر کی اور ایسی تدبیر کی کہ بڑے بڑے فلسفی کو نہ سوجھے۔ واللہ یہ عقل سلیم بدون صحبت اہل اللہ کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ نہ کسی عالم کو نہ کسی بی اے کو نہ کسی ایل۔

ایل۔بی کو یہ دوسری بات ہے کہ دنیا والوں کو دنیا کا تجربہ زیادہ ہو سو تجربہ دوسری چیز ہے۔ عقل دوسری چیز ہے یہ عقل سلیم اہل اللہ ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ (الاسراف ج ۲۵)

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی شیخ سے محبت

حضرت مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ اگر ایک مجلس میں جنید بغدادیؒ اور ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ مجتمع ہوں تو ہم تو جنیدؒ بغدادی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں بس ہم تو حاجی صاحب ہی کو دیکھتے رہیں گے۔ہاں حاجی صاحب اگر چاہیں تو حضرت جنیدؒ کی طرف دیکھیں وہ ان کے لئے جنید ہو سکتے ہیں۔ہمارے جنید تو حاجی صاحب ہی ہیں۔ (الاسراف ج ۲۵)

ایک بزرگ مولانا احمدؒ کی حکایت

ایک بزرگ مولانا احمد ایسے بزرگ تھے کہ وہ قرض لے لیکر لوگوں کھلایا کرتے تھے۔ ان کے ذمہ بہت قرض ہو گیا۔آخر مرنے لگے تو لوگ آ کر جمع ہوئے اور تقاضہ کر رہے تھے کہ آپ تو مر رہے ہیں اس وقت ہمارا روپیہ کہاں جائے گا۔تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ایک حلوائی کا لڑکا حلوے کی سینی لئے ہوئے پکارتا ہوا گزرا آپ نے اس کو بلوایا۔اور سب حلوہ اس سے خرید لیا اور لوگوں کو کھلا دیا۔لڑکے نے حلوے کے دام مانگے تو آپ نے فرمایا کہ جہاں یہ لوگ بیٹھے ہیں تو بھی بیٹھ جا۔اس نے رونا شروع کیا کہ میرا باپ مار ڈالے گا لوگوں کو بہت ناگوار ہوا کہ ناحق اس کا دل دکھایا۔آپ خاموش پڑے تھے کہ ایک رئیس کا فرستادہ بہت سا روپیہ لیکر حاضر خدمت ہوا۔جس سے سب قرض داروں کا قرض ادا ہو گیا۔ایک خادم نے عرض کیا کہ حضرت اس میں کیا حکمت تھی کہ آپ نے اس قدر قرض کی حالت میں مرتے ہوئے بھی حلوائی کے لڑکے کا قرض اپنے ذمے اور بڑھایا فرمایا کہ میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ میرا قرض ادا کرا دیں ارشاد ہوا کہ ادا کرنا کیا مشکل ہے کوئی روئے تو دریائے رحمت جوش زن ہو۔مگر تمہارے ان قرض خواہوں میں کوئی رونے والا نہیں سب خاموش ہی بیٹھے ہیں۔اس لئے میں نے اس لڑکے سے حلوا خریدا جب اس نے رونا شروع کیا تو رحمت حق کو جوش آیا بھائی اس واسطے یہ ترکیب کی تھی۔مولانا فرماتے ہیں

تانہ گرید کود کے حلوا فروش ‏ ‏ ‏ ‏ بحر بخشائیش نمے آید بجوش

یعنی رونا ایک عجیب تاثیر رکھتا ہے دیکھو جب تک ابر نہ روئے گا چمن کیوں کر ہنس سکتا ہے یعنی جب تک بارش نہ ہو۔ باغ سرسبز و شاداب نہیں ہوسکتا اور جب تک بچہ نہ روئے دودھ کیسے جوش مار سکتا ہے اور تعلیم یافتہ فرماتے ہیں

ایکہ خواہی کز بلاجان و آخری　　جان خودرا در تضرع آوری

یعنی اگر بلاؤ مصیبت سے چھٹکارا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کیا کرو۔

در تضرع باش تاشاداں شوی　　گریہ کن نالے وہاں خنداں شوی

اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانے میں مصروف ہوجاؤ تاکہ شاداں ہو اور ان کے سامنے گریہ وزاری کرو بے حد خنداں ہوگے۔

در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست　　مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

ہر گریہ کا انجام خندہ ہوتا ہے اور جو شخص انجام بیں ہو وہ نہایت مبارک شخص ہے۔

اے خوشا آں دل کہ آں گریان اوست　　اے خوشا چشمی کہ آں گریان اوست

وہ دل نہایت اچھا ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں گریاں ہو اور وہ آنکھ بہت اچھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے عشق میں گریاں ہے۔

یہ تو مولانا کے ارشاد تھے۔ مگر اصل مقصود یہ بیان کرنا تھا کہ حضرت شیخ احمدؒ اس شان کے تھے کہ وہ اپنے پاس کچھ جمع نہ کرتے تھے۔ وہ متوکل اور مستغنی المزاج تھے تو ایسے شخص کو اچھا کپڑا اچھا کھانا بھی کوئی مضر نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی عیال دار ہے تو اس کے لئے وسعت سے زیادہ خرچ کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے ذمہ اہل وعیال کا بھی حق ہے تو یہ بڑی بے ہمتی ہے کہ اپنے کپڑے کھانے کا تو فکر ہو اور اہل وعیال کا فکر نہ ہو۔

نبیں آں بے حمیت راکہ ہرگز　　نخواہد دید روئے نیک بختی

اس بے حیا کو دیکھو ہرگز اس کو نیک بختی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔

تن آسانی گزیند خویشتن را　　زن و فرزند بگزارد بہ سختی

جو اپنے لئے آرام و آسائش تلاش کرتا ہے اور اہل وعیال کو سختی میں چھوڑتا ہے۔ (الاسراف ج ۲۵)

صحبت اہل اللہ کس صورت میں مفید ہوسکتی ہے

صحبت مفید جب ہوسکتی ہے کہ ان سے اپنے امراض کا بیان کریں اور ان کا

علاج پوچھیں۔اس نیک صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے عطر فروش کی دوکان کہ یا تو وہاں سے عطر خریدو گے ورنہ کم سے کم خوشبو سے تو دماغ کو راحت ہوگی اسی طرح نیک صحبت سے کوئی نہ کوئی بات کام کی حاصل ہو جاتی ہے۔

یک زمانہ صحبت با اولیا بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

تھوڑی دیر کے لئے اولیاءاللہ کے پاس بیٹھ جانا سوسالہ طاعت بیریا سے بہتر ہوتا ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالع ترا طالع کند

صالح کی صحبت تم کو صالح کردے گی اور بدبخت کی صحبت تم کو بھی بدبخت بنادے گی۔

صحبت نیکاں اگر یک ساعت است بہتر از صد سالہ زہد و طاعت است

نیکوں کی صحبت اگر ایک گھڑی بھی حاصل ہو جائے تو وہ سوسالہ زہد و طاعت سے بہتر ہے۔

(الغاء المجا رفتہ ج ۲۵)

ایک مراقبہ کا القاء

وہ مراقبہ یہ ہے کہ ہر کام کے وقت یہ سوچ لیا جائے کہ یہ کام جو ہم کر رہے ہیں (یا کرنے والے ہیں) یہ آخرت میں مضر ہے یا مفید ہے۔اس مراقبہ کے لئے کوئی وقت معین نہیں بلکہ یہ ایسا مراقبہ ہے کہ ہر وقت اس کا وقت ہے' چلتے پھرتے بھی اس کو سوچتے رہو اور کھاتے پیتے بھی اور باتیں کرتے ہوئے بھی اور رنج وغصہ میں بھی کوئی حرکت اور کوئی سکون اس مراقبہ سے خالی نہ ہونا چاہیئے۔اس کے بعد آپ سے ان شاء اللہ تعالیٰ اول تو گناہ صادر ہی نہ ہوگا اور اگر بالفرض صادر ہوا بھی تو آپ اس وقت بیدار گناہ گار ہوں گے سرکش و غافل گناہ گار نہ ہوں گے اور یہ بھی ایک بڑی دولت ہے کہ انسان کو گناہ کے وقت تنبہ ہو جائے کہ میں نے یہ کام گناہ کا کیا اس سے دل پر ایک ایسا چرکہ لگتا ہے جس کے بعد معاً توبہ واستغفار کو دل چاہتا ہے۔شاید یہاں کوئی ذہین بیٹھے ہوں اور وہ اپنے دل میں یوں کہتے ہوں کہ یہ تو اور بھی برا ہوا کہ جان کر گناہ کیا تو اس وقت یہ شخص ویل للجاهل مرة وللعالم سبعين مرة (جاہل کے لئے ایک خرابی جاننے والے کیلئے ستر خرابیاں) کا مصداق ہو جائے گا تو بات یہ ہے کہ جان کر گناہ کرنا یہ کس نے کہا ہے کہ مطلقاً اشد ہے بلکہ علم کے ساتھ وہ گناہ اشد ہے جس کے ساتھ جرات بھی ہو ورنہ اگر جرات نہ ہو تو جان کر گناہ کرنا غفلت کے گناہ سے اشد نہیں اور اس مراقبہ کے ساتھ جرات تو کبھی ہو سکتی

ہی نہیں تو اب یہ شخص بیدار گناہ گار ہوگا کہ معصیت کو معصیت جانے گا غافل نہ ہوگا کہ یہ بھی خبر نہ ہو کہ میں نے کوئی گناہ کا بھی کام کیا ہے یا نہیں اور اس بیداری کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معصیت کے ساتھ خشیت بھی ملی ہوئی ہوگی اور حضرت خشیت اور معصیت اگر دونوں ساتھ ساتھ ہوں تو گو وہ خشیت کامل نہ ہوگی مگر اس کے ساتھ معصیت بھی کامل نہ رہے گی یہ خشیت ایسی چیز ہے کہ معصیت اس کے ساتھ کامل نہیں ہو سکتی اگر کامل خشیت ہے جب تو گناہ کا صدور ہی نہیں ہوتا اور اگر ناقص خشیت ہے تو اس کی وجہ سے معصیت بھی ناقص ہو جاتی ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے گرم پانی میں تھوڑا سا ٹھنڈا پانی ملا دو تو گو اس سے ٹھنڈا نہ ہو جائے گا مگر ویسا گرم بھی نہ رہے گا تو خشیت کے ساتھ معصیت کی یہ کیفیت ہوگی کہ اس وقت آپ اگر غیبت کریں گے تو دل کو حظ حاصل نہ ہوگا زبان سے غیبت کریں گے اور دل میں جوتے پڑتے ہوں گے کہ ہائے یہ میں نے کیا کیا تو یہ تھوڑا نفع ہے اس مراقبہ کا اس لئے میں یہ نہیں کہتا کہ اس مراقبہ کے بعد آپ سے گناہ کا صدور ہی نہ ہوگا بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر صدور ہوگا تو خشیت کے ساتھ ہوگا اور اس مضمون کے اظہار میں یہ بھی فائدہ ہے کہ اگر کسی کو تجربہ ہوا ہو کہ خشیت کے ساتھ بھی گناہ ہو جاتا ہے اور وہ اس وقت مولویوں کو جھوٹا کہتا ہو کہ یہ مولوی بھی بے پر کی باتیں اڑایا کرتے ہیں کہ خشیت و خوف دل میں پیدا ہو جانے سے گناہ نہیں ہوتے حالانکہ ہم نے تو آیات وعید و احادیث عقاب کا بہت مطالعہ کیا اور ان سے خوف بھی پیدا ہوا مگر پھر بھی گناہ موقوف نہیں ہوتے تو وہ اس مضمون کو سن کر مولویوں کو جھوٹا نہ کہیں گے کیونکہ جیسا ان کو خشیت کے ساتھ گناہ صادر ہونے کا تجربہ ہوا ہوگا اس کے ساتھ یہ بھی تجربہ ہوا ہوگا کہ گناہ کے وقت دل میں ایک خلش بھی ساتھ ساتھ موجود تھی جس نے معصیت کو بھی ضعیف بنا کر گناہ بے لذت میں داخل کر دیا تھا تو صاحب جیسی خشیت آپ کو حاصل ہوئی تھی ویسا ہی اس نے اثر بھی کیا وہ بیکار تو نہ ہوئی پھر اب مولویوں کو جھوٹا کیوں کہتے ہیں بات یہ ہے۔ (الاسعاد والابعاد ج ۲۶)

مشائخ کا دامن صراط الرسولؐ پر چلنے کا وسیلہ ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی وصول نہ رکھتے ہوں ان کو اس کی ضرورت ہے کہ ان مشائخ کا دامن پکڑیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی حاصل کر چکے ہیں (جیسے بادشاہ

تک پہنچنے کے لئے وزیر کا واسطہ ضروری ہے مگر جو وزیر تک بھی نہ پہنچا ہو اس کو چاہئے کہ ان لوگوں کی خوشامد کرے جو وزیر تک رسائی رکھتے ہیں ۱۲ جامع) شیخ فرید فرماتے ہیں۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق　　　عمر بگذشت نشد آگاہ عشق

(بے پیر اور رہبر کامل کے جو شخص اس عشق کے راستہ میں چلا عمر گزر گئی مگر عشق سے باخبر نہ ہوا)

گر ہوائے ایں سفر داری ولا　　　دامن رہبر بگیر و پس برآ

(اے دل اگر اس سفر محبت کے طے کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو رہبر کامل کا دامن پکڑ اور پیچھے آ)

اور مولانا فرماتے ہیں۔

بار باید راہ را تنہا مرو　　　بے قلاؤز اندریں صحرا مرو

قلاؤز سے مراد قل اعوذ یا مولوی نہیں بلکہ قلاؤز کہتے ہیں رہنما کو یہ ترکی لغت ہے گو وہ قلاؤز ہو گا قل اعوذ یا ہی۔ مطلب یہ ہے کہ اس راستہ کو رہنما کے بغیر طے نہ کرو ورنہ بہت پریشان ہو گے اور راستہ طے نہ ہو سکے گا۔ آگے فرماتے ہیں۔

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید　　　ہم بعون ہمت مرداں رسید

(اگر کسی نے شاذ و نادر اس راہ سلوک کو تنہا بے صحبت پر قطع کر بھی لیا تو وہ بھی غائبانہ پیروں کی توجہ سے پہنچا ہے۔)

اس میں جواب ہے اس سوال کا کہ ہم تو بعض اولیاء کو دیکھتے ہیں کہ وہ بدوں رہنما کے واصل ہو گئے ظاہر میں ان کا کوئی شیخ نہ تھا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اول تو یہ نادر ہے والنادر کالمعدوم (نادر مثل معدوم کے ہوتا ہے) اس لئے تو ارد سے نقض وارد نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ جس کو تم ظاہر میں بدوں کسی رہنما کے واصل دیکھتے ہو وہ حقیقت میں ایسا نہیں واقع میں وہ بھی کسی رہنما کے واسطہ سے واصل ہوا ہے گو ظاہر میں اس کا کوئی شیخ نہیں مگر وصول اس کو بھی عون ہمت مردان طریق سے ہوا ہے یعنی اہل اللہ میں سے کسی نے اس پر نظر کی ہے جس کی برکت سے وہ واصل ہو گیا ہے گو اس شخص کو اس کی خبر بھی نہ ہو کہ مجھ پر کس نے نظر کی ہے۔ حضرات اہل اللہ کے احسان کی یہ شان ہوتی ہے کہ بہت لوگوں کو ان کے احسان کی خبر بھی نہیں ہوتی اور وہ ان کے لئے دعائیں کرتے تھک گئے ہیں۔ (الاسعاد والابعاد ج ۲۶)

حکایت حضرت شیخ عبدالحق ردولوی

حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ بچپن میں رات کو اٹھ کر تہجد پڑھتے تھے اور ذکر اللہ کیا کرتے تھے۔ ماں دیکھ کر کڑھتی تھی اور مزاحمت کرتی تھی۔ اگرچہ وہ براہ شفقت ہی کرتی تھی لیکن حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ ماں کدھر سے ہے یہ تو راہزن اور ڈاکو ہے۔ اس جگہ کا رہنا چھوڑ دیا اور دہلی تشریف لے آئے۔ وہاں طالب علمی شروع کی۔ نحو میر یا ایسی ہی کسی کتاب میں مثال آئی ضرب زید عمروا۔ مارا زید نے عمرو کو پوچھا عمرو نے کیا قصور کیا تھا کیوں مارا استاد نے کہا کہ صاحبزادہ یہ تو فرضی مثال ہے۔ فرمایا تو جھوٹ ہے۔ فرمایا میں ایسی کتاب نہیں پڑھتا جس میں جھوٹ یا ظلم کی تعلیم ہو اس زمانہ کے ایک شاہزادہ تھے انہوں نے ان کو دیکھ کر کہا کہ ان کو چھوڑ دو یہ اور کام کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ شاید اس قصہ کو سن کر بعض لوگ خودرائی کر کے ماں باپ کو اس بناء پر چھوڑ دیں کہ اپنے آپ کو بھی ان پر قیاس کرنے لگیں تو یاد رکھنا چاہئے کہ نہ تو نیک کام ماں باپ یا کسی کے کہنے سے چھوڑنا چاہئے اور نہ ماں باپ سے مہاجرت اور قطع تعلق چاہئے۔ وہ تو مغلوب الحال تھے اس لئے معذور تھے۔ کوئی اور اگر ایسا کرے گا تو چونکہ خودرائی سے ہوگا اس لئے وہ مذموم اور منہی عنہ اور رائے کا اتباع ہوگا۔ اور منشا اس کا خود بینی و خودرائی ہوگا اور خودرائی کی نسبت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فکر خود ورائے خود در عالم رندی نیست   کفر است دریں مذہب خودرائی و خود بینی

(اپنی فکر اور اپنی رائے عالم رندی میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی خودرائی اور خود بینی اس مذہب میں مضر ہے) (اشرف المواعظ ج ۲۶)

بزرگوں کی صحبت اختیار کرنے کی ضرورت

بزرگوں کی صحبت اور ان کی توجہ وہ شے ہے کہ تھوڑے دنوں میں حالت درست ہو جاتی ہے۔ جب ان سے محبت ہوگی تو عقائد میں خیالات میں اعمال میں ہر شے میں ان کا اتباع کرنے کو دل چاہے گا۔ غرض ایسے اسباب جمع ہو جائیں گے کہ جس سے حالت خود بخود روز بروز درست ہوتی جائے گی۔ (اشرف المواعظ ج ۲۶)

حضرت حاجی صاحب کے ایک خادم کی حکایت

ایک بزرگ تھے انبٹہ میں ان کی حکایت مولوی محمد صدیق صاحب مرحوم گنگوہی بیان کرتے تھے کہ وہ دو بھائی تھے ایک بھائی تو نقشبندیہ سلسلہ میں کسی سے بیعت تھے اور دوسرے جن کی یہ حکایت ہے ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے بھائی ان کو ہمیشہ ترغیب دیا کرتے تھے کہ تم مجھ سے بھی فیض حاصل کرو ورنہ محروم رہو گے پچھتاؤ گے یہ ٹال دیتے تھے اتفاق سے ان کا انتقال ہونے لگا مگر اس وقت وہ چپ تھے کلمہ وغیرہ نہ پڑھتے تھے جب بھائی نے یہ حالت دیکھی تو کہا دیکھو میں کہا کرتا تھا کہ محروم رہو گے اب کہاں گئی وہ نسبت حاجی صاحب کی کہاں گیا وہ فیض یا تو وہ بے ہوش تھے یا بیساختہ جوش میں ان کی زبان پر جاری ہو گیا یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا۔ اور مجھ کو عزت داروں میں شامل کر دیا۔ حالانکہ وہ عربی بھی نہ جانتے تھے اور اس کے بعد ذکر جاری ہوا اور اسی میں انتقال ہو گیا۔ مولوی محمد صدیق صاحب مرحوم کہتے ہیں کہ میں اس وقت موجود تھا جب یہ ہوا تو میں نے ان کو خوب آڑے ہاتھوں لیا کہ دیکھو یہ ہے نسبت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اور افسوس ہے تمہارے حال پر شیخ ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور ان کی حالت کو نہ سمجھ سکے غرض انتقال کے وقت اس قسم کی حالتیں پیش آتی ہیں کہ ہر شخص ان کو نہیں سمجھ سکتا کسی حالت کو دیکھ کر کوئی حکم اس پر نہیں لگا سکتے پس اسی طرح اس تاجر کے اس حال سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ بری حالت میں مرا لیکن یہ ضرور کہا جاوے گا کہ اس کے دل میں کچھ اور شے بسی ہوئی ہے کہ وہ زبان پر آ گئی۔ اسی طرح سوتے ہوئے جو آدمی بڑاتا ہے وہ بھی قابل افسوس نہیں ہے اور اسی طرح برے خواب سے بھی غمگین نہ ہونا چاہئے خواب کے اندر یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ کسی بیداری کی حالت کی تو دلیل نہیں اگر بیداری کی دلیل ہو تو واقعی قابل تاسف ہے ورنہ خواب ایسی کوئی شے نہیں۔ مجھ سے تو اگر کوئی خواب کی تعبیر پوچھتا ہے تو میں صاف کہہ دیتا ہوں کہ مجھے خواب سے مناسبت نہیں اور یہ شعر لکھ دیتا ہوں۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

نہ میں رات ہوں نہ شب پرست ہوں کہ خواب کی باتیں کروں

چونکہ میں آفتاب کا غلام ہوں اس لئے آفتاب کی باتیں کرتا ہوں (اشرف المواعظ ج ۲۶)

مجالس میں ذکر اللہ

ایک تدبیر جو تدبیر ہونے کے ساتھ تدارک بھی ہے یہ ہے کہ جب دو چار آدمی جمع ہو کر باتیں کریں تو باتیں تم کرنے سے پہلے کچھ ذکر اللہ اور ذکر الرسول بھی کرلیا کرو اس کی ضرورت حدیث سے ثابت ہے۔ حدیث میں ہے

وما جلس قوم مجلسا لم یذکروا اللہ فیہ ولم یصلوا علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم الا کانت علیہم ترۃ (مسند احمد ۲: ۵۱۵)

یعنی مجلس میں لوگ باتیں کرتے ہیں اور اس مجلس میں حق تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجتے وہ مجلس ان کے لئے قیامت کے دن حسرت کا باعث ہوگی اور بھی کچھ نہ ہو تو ختم کرتے وقت یہی کہہ لیا کریں **سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** (آپ کا رب جو بڑی عظمت والا ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو پیغمبروں پر اور تمام تر خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے) یہ لفظ جامع ہے ذکر اللہ اور ذکر الرسول دونوں کو علماء نے لکھا بھی ہے کہ یہ کفارہ مجلس ہے اس میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ جو لایعنی باتیں زبان سے نکل جاتی ہیں ان کا اس سے کفارہ ہو جاتا ہے (کفارہ مجلس حدیث میں اور بھی آیا ہے جو کتاب الادعیہ میں مذکور ہے۔

سبحانک اللھم وبحمدک اشھدان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک (سنن الترمذی: ۳۴۳۳)

(اے اللہ آپ پاک ہیں مع اپنی حمد کے گواہی دیتا ہوں سوائے آپ کے کوئی معبود نہیں مغفرت چاہتا ہوں آپ سے اور آپ کی طرف رجوع ہوتا ہوں) اور ایک فائدہ یہ ہے کہ جب آدمی اس کا التزام کرلے کہ ہر مجلس میں کفارہ مجلس ضرور پڑھ لیا کرے گا یا کوئی ذکر ضرور کیا کرے گا تو نفس کے اوپر اس پابندی کا بار ہوگا پھر گناہ کی بات تو کرے ہی گا نہیں بلکہ بولنا ہی کم کردے گا کیونکہ جس کام پر کچھ تدارک کرنا پڑتا ہے (ذم المکروہات ج ۲۶)

ارادہ کے ساتھ بزرگوں کی توجہ کی ضرورت ہے

اول ارادہ کرو۔ ہاں نرا ارادہ بھی کافی نہیں جب تک کہ توجہ بزرگان نہ ہو کیونکہ۔

بے عنایات حق و خاصان حق　　　گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(بغیر خدائے تعالیٰ اور ان کے مخصوص بندوں کی عنایت اور مہربانیوں کے اگر بادشاہ ہو تو اس کی ہستی کا ورق بھی سیاہ ہو جاتا ہے)

اصل میں ارادہ کے پورا ہونے کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ عنایت خداوندی متوجہ ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ بزرگان خود متوجہ ہوں اکیلے کوئی کسی کا کام نہیں ہوا۔

یار باید راہ راتنہا مرو　　　بے قلاوز اندریں صحرا مرو

کہ اس جنگل میں تنہا نہ چلو کسی رہبر کو ضرور ساتھ لے لو کہ وہ تم کو رستے کے خطرات سے محفوظ رکھے آگے کہتے ہیں۔

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ رابرید　　　ہم بہ عون ہمت مرداں رسید

(اول تو یہ سفر بہت ہی کم لوگ طے کر پاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی کسی واسطہ سے بزرگوں کی توجہ سے ہی کامیاب ہو گئے)

کہ اگر تم نے کسی کی حکایت سن لی ہو کہ وہ بغیر کسی رہبر کے اس راستے کو طے کر گئے تو اول تو یہ نادر ہے دوسرے واقع میں وہ بھی کسی کی ہمت کی بدولت منزل تک پہنچے ہیں اگر چہ ظاہر نظر میں معلوم نہ ہو۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی بہت سی مخلوق بلا کسی تعلق کے ہمارے لئے دعا کرتی ہے گو ہم کو خبر بھی نہ ہو تو کوئی شخص اپنے کو مستغنی نہ سمجھے اسی لئے فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

بے رفیقی ہر کہ باشد در راہ عشق　　　عمر بگذشت ونشد آگاہ عشق

گر ہوائے ایں سفر داری دلا　　　دامن رہبر بگیر و پس بیا

در ارادت باش صادق ای فرید　　　تابیابی گنج عرفاں را کلید

(بغیر ساتھی کے جو بھی عشق کے راستے میں چلا تو اس کی عمر تمام ہو گئی اور وہ عشق سے آگاہ نہ ہو سکا اے دل اگر اس سفر کی خواہش رکھتا ہے تو کسی راستہ بتانے والے کا دامن پکڑ پھر چل اپنے ارادے میں مخلص ہو جا اے فرید تا کہ معرفت کے خزانہ کی کنجی تیرے ہاتھ آئے) (اصلاح النفس ج ۲۶)

حکایت حضرت حافظ شیرازیؒ

چنانچہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سنا ہے کہ بڑے امیر زادہ ہیں اور نظر کردہ ہیں ان کی حالت یہ تھی کہ متوحشانہ جنگلوں میں پھرا کرتے تھے ان کے والد ان کو نکما بے کار سمجھا کرتے تھے حضرت نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ کو مکشوف ہوا کہ فلاں مقام پر فلاں رئیس کا ایک لڑکا ہے اس کی تربیت کرو حضرت نجم الدین تشریف لائے حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے والد نے نہایت تعظیم وتکریم سے مہمان کیا اور عرض کیا کہ کیسے تکلیف کی انہوں نے فرمایا کہ اپنے بیٹوں کو جمع کرو چنانچہ انہوں نے حافظ رحمہ اللہ کے سوائے سب بیٹوں کو بلا کر پیش کیا آپ نے سب کو دیکھا اور فرمایا کہ ان کے سوا کوئی اور لڑکا نہیں حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے والد حافظ رحمۃ اللہ علیہ کو کالعدم کہتے تھے اس لئے جواب دیا کہ اور کوئی نہیں انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے اور وہ ان میں معلوم نہیں ہوتا تب انہوں نے کہا کہ ایک اور ہے مگر نہایت آوارہ دار جنگلوں میں پھرتا ہے حضرت نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہاں اسی کی ضرورت ہے حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے والد کو بڑا تعجب ہوا کہ اس دیوانے سے حضرت کو کون سا کام ہوگا اور یہ خبر نہ تھی کہ۔

آب چشمہ حیواں درون تاریکی ست

(آب حیات کا چشمہ تو تاریکی میں ہے)

چنانچہ تلاش کے بعد حافظ ملے وحشی خاک آلودہ اور ان کو حضرت نجم الدین کبریؒ کے سامنے پیش کیا گیا حافظ رحمہ اللہ نے جب حضرت کی صورت دیکھی تو بے اختیار زبان سے نکلا۔

آنانکہ خاک رابہ نظر کیمیا کنند   آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند
دردم نہفتہ بہ زطبیبان مدعی   باشد کہ از خزانہ غیبش دوا کنند

(کیا وہ ہماری جانب بھی التفات فرمائیں گے ان بڑے بڑے دعوے کرنے والے طبیبوں سے میرا درد چھپائے رکھنا ہی اچھا ہے۔ انہیں چاہئے کہ خزانہ غیب سے میری دوا کریں)

آپ نے سینے سے لگا کر فرمایا کہ بہ تو نظر کردم۔ (میں نے تجھ پر نظر کی) حضرت نجم الدین کبری بہت بڑے شخص ہیں۔ (اصلاح النفس ج ۲۶)

حکایت حضرت سلطان نظام الدین اولیاءؒ

حضرت سلطان الدین اولیاء قدس اللہ سرہ کے پاس ایک شخص آیا اور ایک ہفتہ میں خلافت

لے کر چلا گیا آپ کے دوسرے مرید اس کو دیکھ کر دل میں بہت خفا ہوئے اور یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ شیخ ہماری طرف پوری توجہ نہیں فرماتے آپ نے ان لوگوں کے انداز سے اس وسوسہ کو تاڑ لیا اور ان کے علاج کے لئے فرمایا کہ کچھ تر اور کچھ سوکھی لکڑیاں جمع کرو جب جمع ہو گئیں تو فرمایا کہ گیلی لکڑیوں میں آگ لگاؤ سب نے بہت کوشش کی لیکن ان میں آگ نہ لگی اس کے بعد فرمایا کہ ان سوکھی لکڑیوں میں آگ لگادو چنانچہ ان میں فوراً آگ سلگ اٹھی آپ نے فرمایا کہ کیا وجہ یہ لکڑیاں اس قدر جلد کیوں سلگ اٹھیں اور پہلی لکڑیوں میں کیوں آگ نہیں لگی۔ان لوگوں نے عرض کیا کہ حضور پہلی لکڑیاں گیلی تھیں اور یہ سوکھی ہیں گیلی لکڑیوں میں آگ نہیں لگا کرتی آپ نے فرمایا کہ ظالمو تم گیلی لکڑیاں ہو کر میری شکایت کرتے ہو اور اس سوکھی لکڑی کے جل اٹھنے پر تعجب کرتے ہو وہ سوختہ ہو کر آیا تھا صرف ایک پھونک کی ضرورت تھی چنانچہ ایک ہی پھونک میں بھڑک اٹھا اور تم گیلی لکڑی ہو کر رات دن دھونکتا ہوں مگر تم آگ ہی نہیں پکڑتے ہو اس میں میری جانب سے کمی ہے یا تمہارا قصور ہے غرض بعضے سوختہ دل ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کو تھوڑے ہی کام میں سب کچھ حاصل ہو جائے لیکن آگے یا پیچھے کچھ نہ کچھ مجاہدہ ضرور کرنا پڑتا ہے اور کرنے پر بھی جو کچھ ملتا ہے وہ محض فضل خدا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ پر کسی کا زور نہیں ہے مگر عادۃ اللہ یوں جاری ہے کہ جو ادھر توجہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کو بہت کچھ دیتے ہیں۔من تقرب الی شبرا تقربت الیہ باعا (جو شخص میری طرف ایک بالشت ہوتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں کے یہی معنی ہیں تو صاحبو کیا یہ بات کچھ کم ہے کہ کام پیسے کا کیا جائے اور ملے ایک اشرفی۔

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را   کہ بیک گل مے خری گلزار را

(اپنے لئے اتنا بڑا بازار حاصل کرتا ہے جو کہ ایک پھول دے کر باغیچہ خریدتا ہے) کہ دیا تو ایک پھول اور اس کے عوض مل گیا ایک باغ خوب کہا ہے۔

نیم جاں بستاند وصد جاں دہد   ایں چہ در ہمت نیاید آں دہد

(آدھی جان لیتے ہیں اور سو جانیں دیتے ہیں اور جو خیر تمہارے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتی وہ عطا کرتے ہیں) (اصلاح النفس ج ۲۶)

اہل اللہ سے تعلق کا منشاء

کسی اللہ والے سے تعلق پیدا کرلو مگر تعلق دین کے لئے پیدا کرو دنیا طلبی کے لئے اہل

اللہ سے تعلق نہ پیدا کرنا چاہئے ہاں شاذ ونادر اگر کوئی دنیا کا کام بھی ان سے نکل جائے تو مضائقہ نہیں لیکن محض دنیا ہی کو نصب العین بنا کر ان سے راہ اور رسم پیدا کرنا نہ چاہئے مثلاً بعضے لوگ اہل اللہ سے اس لئے ملتے ہیں کہ ان کی ملاقات بڑے لوگوں سے ہے ان کے ذریعہ سے ہمارے کام نکلیں گے یا بعضے لوگ تعویذ گنڈوں کے لئے ملتے ہیں حالانکہ اہل اللہ سے اس قسم کے کام لینے کی ایسی مثال ہے کہ کسی سنار سے کھرپا بنانے یا لوہار سے زیور بنانے کی فرمائش کی جائے۔ بعض لوگ مشورہ کیا کرتے ہیں کہ ہم کس قسم کی تجارت کریں اناج کی تجارت کریں یا کپڑے کی خدا جانے یہ لوگ اہل اللہ کو خدا تعالیٰ کا رشتہ دار سمجھتے ہیں کہ ان کا بتلانا خدا کا بتلانا ہوگا اور جب خدا تعالیٰ بتلاوے گا تو اس کام میں ضرور نفع ہوگا یا خدا تعالیٰ کا راز دار سمجھتے ہیں کہ یہ خدا سے مشورہ کر کے بتلا دیں گے ابھی کل کی بات ہے کہ ایک صاحب کہنے لگے کہ مولوی صاحب آپ کو تو سب خبر ہوگئی ہوگی۔ صاحبو! اس دربار میں انبیاء علیہم السلام کا پتہ بھی پانی ہوتا ہے دوسروں کی تو کیا مجال ہے۔ (اصلاح النفس ج ۲۶)

جائے بزرگاں بجائے بزرگاں

حاجی صاحب کا ارشاد ہے جائے بزرگان بجائے بزرگان یعنی بزرگوں کی جگہ میں بھی برکت و انوار ہوتے ہیں چنانچہ مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب حاجی صاحب حج کو تشریف لے گئے تو میں ان کی جگہ بیٹھ کر ذکر کرتا تھا تو انوار معلوم ہوتے تھے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب ذکر فرماتے تھے کہ ایک بار ریل کے پلیٹ فارم پر بیٹھنے کا اتفاق ہوا بیٹھتے ہی انوار ہونے لگے مولانا نے تحقیق فرمایا معلوم ہوا کہ ایک بزرگ وہاں سے اٹھ کر ابھی تشریف لے گئے تھے۔ غرض اجازت کے بعد تو شیخ کی جگہ یا مصلے پر نماز پڑھنے اور ذکر کرنے کا مضائقہ نہیں بغیر اجازت کے ایسا نہ کرنا چاہئے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ پر نماز پڑھا کرتے تھے اس کا منشا اتباع تھا دعویٰ مساوات نہ تھا ان کی یہ حالت تھی۔

درمنزلیکہ جاناں روزے رسیدہ باشد   باخاک آستانش داریم مرحبائے

(جس منزل میں محبوب کسی روز پہنچے ہوں ہم اس کی چوکھٹ کی خاک کو مرحبا کہتے ہیں)

نیز ایک بات اور ہے وہ یہ کہ مبنی ادب کا عرف پر ہے اور تبدل عرف سے عرفیات کا حکم بدل جاتا ہے تو صحابہ کے زمانہ میں کسی کی جائے نماز پر نماز پڑھنا خلاف ادب نہ تھا اور ادب عرف بدل گیا ہے تو اب یہ ادب نہ ہوگا کیونکہ جو امور مقصود شرعی نہ ہوں ان کے احکام زمانہ کے تبدل سے بدل جاتے ہیں۔ ہاں مقاصد شرعیہ نہیں بدل سکتے پس اب سمجھئے کہ ایذاء سے بچنا تو مقصود شرعی ہے یہ تو کسی حال میں نہیں بدل سکتا رہا یہ کہ کون سی بات موجب ایذا ہے اور کون سی نہیں یہ تبدل زمان وتبدل مکان سے بدل سکتی ہے کہ ایک فعل زمانہ سابق میں موجب ایذا نہ ہو آج کل موجب ایذا ہو یا ایک فعل بلاد عرب میں موجب ایذا نہ ہو بلاد عجم میں موجب ایذا ہو شیخ کے مصلے پر نماز پڑھنے کے متعلق ایک اور بات قابل تنبیہ ہے وہ یہ کہ بعض لوگ جائے قدم پر سجدہ کرتے ہیں اس میں شرک کا قوی اندیشہ ہے اس کا ہرگز قصد نہ کیا جائے اسی لئے میں اب اس شعر کو پسند نہیں کرتا۔

مقامیکہ نشان کف پائے تو بود — سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

(جس مقام پر آپ کے کف پا کے نشان پڑے اہل نظر وہاں سالہا سجدہ کریں گے)

(الارتیاب والاغتیاب ج ۲۶)

وسوسہ کا علاج

وسوسہ کا علاج یہی ہے کہ اس سے اصلاً پریشان نہ ہو ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جس کو وساوس بکثرت آتے ہوں اور دفع نہ ہوتے ہوں اسے چاہئے کہ ان وساوس ہی کو جمال حق کا مرآۃ بنالے کیونکر؟ اس طرح کہ یوں مراقبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی عجیب قدرت ہے کہ دل میں ایک دریا خیالات کا پیدا کر دیا ہے جس کی کہیں انتہا نہیں اور جو رکتا ہی نہیں اب وساوس کو قدرت حق کی معرفت کا وسیلہ بناؤ ان شاء اللہ خود ہی بند ہو جائیں گے (کیونکہ شیطان کا مقصود تو وساوس سے خدا سے بعید کرنا تھا جب اس نے ان کو بھی قرب کا وسیلہ بنالیا تو اب شیطان وسوسے ڈالنا بند کر دے گا غالباً شیخ ابوسلیمان دارانی کا ارشاد ہے کہ وساوس سے خوش ہوا کرو یعنی خوشی ظاہر کیا کرو کیونکہ شیطان کو علم غیب نہیں ہے جب تم خوشی ظاہر کرو گے تو وہ بھی سمجھے گا کہ دل سے خوش ہو رہا ہے۔ (پس تم غلبہ وساوس کے وقت زبان سے اتنا کہہ دیا کرو کہ میں اس سے نہیں گھبراتا تو اور وسوسے ڈال دے میں نہایت خوش ہوں گا) اور شیطان مسلمان کو خوش نہیں کرنا چاہتا اس لئے وسوسے

ڈالنا بند کردے گا یہ معالجات ہیں جو محققین نے وساوس کے بارے میں بیان فرمائے ہیں ان میں سے ہی نفع ہوتا ہے باقی وسوسے کا دفعہ کرنا اس سے فکر و رنج میں مبتلا ہونا ہرگز نافع نہیں اور یہ معالجات تدبیرات طبعیہ کی قبیل سے ہیں اس لئے ان کے بارہ میں یہ کوشش نہ کرو کہ حدیث میں یہ معالجات کہاں ہیں کیونکہ ایسے امور انتظامیہ کے لئے جزئی تفصیل کی ضرورت نہیں بلکہ حدیث میں ان سے ممانعت نہ ہونا ہی ان سے ورود فی الشرع کے لئے کافی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود نے متفلجات ومتمصات پر لعنت فرمائی تھی (یعنی ان عورتوں پر جو دانتوں کو ریتی سے باریک بناتی ہیں اور منقاش سے چہرہ کا رواں صاف کرتی ہیں) تو ایک عورت نے سوال کیا کہ آپ ان پر کیسے لعنت کرتے ہیں فرمایا میں ان پر کیوں لعنت نہ کروں جن پر قرآن میں جب کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے عورت نے کہا میں نے تو سارا قرآن پڑھا ہے کہیں بھی ان پر لعنت نہیں دیکھی فرمایا اگر تو نے قرآن (سمجھ کر) پڑھا ہوتا تو ضرور دیکھتی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا** رسول تم کو جو حکم وغیرہ دیں اس کو اختیار کرو۔ اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چیزوں سے روکا ہے اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ قرآن میں بھی ان کا بدرجہ لعنت منہی عنہ ہونا کلیا وارد ہوا۔ (الارتیاب والاغتیاب ج۲۶)

علم حقیقی حاصل کرنے کا طریق

اگر دولت حاصل کرنا چاہتے ہو تو کسی کی جوتیوں میں جا کر پامال ہو جاؤ' اگر وہ سر پر جوتے بھی مارے تو خوش رہو پھر چند روز کے بعد دیکھنا کہ تمہارے دل میں کیسا استغناء پیدا ہوتا ہے جو بادشاہوں کو بھی نصیب نہ ہوا ہوگا لیکن آج کل یہی بات تو نہیں رہی' مولوی اول تو اہل اللہ کے سامنے جاتے نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بس ہم عالم ہو گئے' اب ہم کو کسی کی کیا ضرورت ہے اور اگر کبھی پیر کی تلاش کا خیال ہوگا اور کسی کے پاس جاویں گے تو ایسی جگہ تلاش کریں گے جہاں ان کی قدر ہو اور مشائخ بھی علم کا ادب کر کے علماء کی قدر زیادہ کرتے ہیں۔ (تعظیم العلم ج۲۷)

عارفین کی نظر موجودہ کمالات پر نہیں ہوتی

ایک شخص کی حالت پر جس نے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خط میں دیکھا

تھا کہ مولانا قسم کھا کر لکھتے ہیں کہ واللہ میں کچھ نہیں تو اس سے وہ کہنے لگا کہ ہم مولانا کو سچا سمجھتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ میں کچھ نہیں تو ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ وہ کچھ بھی نہیں اور حیرت یہ کہ مولانا کے ایک معتقد بھی شبہ میں پڑے ہوئے تھے کہ حضرت نے یہ جھوٹی قسم کیوں کھائی اس میں کیا تاویل کی جائے۔ میں نے کہا بندہ خدا ترقی تو انبیاء علیہ السلام کو بھی ہوتی رہتی ہے اور وہ بھی ترقی کے محتاج ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم فرماتے ہیں: ''وَقُل رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً'' (اور کہئے میرے پروردگار زیادہ دیجئے مجھ کو علم) اسی طرح اولیاء کو بھی ترقی ہوتی رہتی ہے اور وہ انبیاء سے زیادہ ترقی کے محتاج ہیں۔ پس مولانا کی یہ قسم کمالات حقیقیہ انتہائیہ کے اعتبار سے کیونکہ مولانا کی نظر طلب ترقی کی وجہ سے کمالات مستقبلہ پر ہے ان پر نظر کر کے مولانا فرماتے ہیں کہ واللہ میں کچھ نہیں اور ہمارا اعتقاد مولانا کے ساتھ کمالات موجودہ کے اعتبار سے ہے ان پر نظر کر کے مولانا سب کچھ ہیں اور عارفین کی نظر کبھی اپنے کمالات موجودہ پر نہیں ہوا کرتی بلکہ ہر دم اس سے آگے پر نظر رہتی ہے۔ اس لیے وہ قسم کھا کر کہہ دیتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں ہیں۔ پس ان کی قسم بھی سچی اور ہمارا اعتقاد بھی سچا (دونوں میں تعارض کچھ نہیں کیونکہ تناقض کے لیے وحدت موضوع بھی شرط ہے اور یہاں موضوع مختلف ہے ۱۲)

بلکہ اگر ان کو تمام کمالات ممکنہ الحصول حالیہ واستقبالیہ بھی حاصل ہو جائیں جس سے ترقی بھی ممکن نہ ہو تب بھی چونکہ ان کی نظر کمالات حق پر ہوتی ہے ان کے اعتبار سے پھر بھی وہ قسم کھا کر یہی کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں۔

اس تقریر سے ان کا شبہ جاتا رہا اور بہت خوش ہوئے۔ معتقد کا شبہ تو ذرا سے اشارے میں رفع ہو جاتا ہے مگر افسوس اس مخالف کی بدحالی پر ہے جو سمجھانے سے بھی نہ سمجھا اور یہی کہتا رہا کہ آپ کی معتقدانہ تاویلات ہیں ہم تو مولانا کو سچا سمجھتے ہیں۔

(الہدی والمغفر ہ ج ۲۷)

بزرگوں کے نقص کی مثال

بعد اجہت بھی بادشاہت کے اعتبار سے کم درجہ پر ہے مگر کانسٹیبلی سے تو افضل ہے۔

مولانا اسی کو فرماتے ہیں:

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرود　　　　لیک بس عالی ست پیش خاک تود

(اس کا تیل اگر اس کو آگ بھی نہ چھوئے تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود جل اٹھے گا نور علیٰ نور)

بزرگوں کا نقص ایسا ہے جیسے آسمان عرش کے سامنے کم ہے مگر یقیناً آسمان زمین وغیرہ سے تو بڑا ہی ہے۔ ہمارے کمالات کمالات ارضیہ ہیں اور ان کے کمالات سماویہ ہیں جو کمالات الٰہیہ عالیہ متعالیہ سے ضرور کم ہیں مگر ہمارے کمالات سے بدرجہا افضل و اکمل ہیں اس لیے ہم کو ان سے استغناء نہیں ہوسکتا کیونکہ جس کو زمین سے عرش پر جانا مقصود ہوا اسے آسمان کو ضرور طے کرنا پڑے گا۔ صاحب اہل اللہ اپنے کو ناقص کیوں نہ کہیں وہ تو خدا کے راستہ کو طے کر رہے ہیں جس کی حالت یہ ہے:

اے برادر بے نہایت در گہیست　　　　ہرچہ بروئے مے رسی بروئے مایست

(بھائی بے نہایت دربار ہے جس مقام پر پہنچو اس مقام پر نہ ٹھہرو باطنی حالت میں ترقی کرو)

ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ علوم دنیا میں بھی جو لوگ صاحب کمال ہیں وہ بھی اپنے کو ناقص ہی کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ ایک محدود کمال ہے جو ممکن الحصول ہے مگر اس کا بھی حقیقی درجہ بہت عالی ہے۔ اس پر نظر کر کے ہر کام اپنے کو ناقص ہی کہتا ہے۔ دیکھئے حکیم عبدالمجید خان اور حکیم محمود خان اپنے فن میں کیسے کامل تھے کہ واقعی ان کو طب کا امام کہنا چاہیے مگر کوئی ان سے پوچھتا تو وہ یہی کہ ہم کو کیا کمال حاصل ہے کچھ بھی نہیں۔ تو کیا ان کے اس کہنے سے آپ یہ سمجھ لیں گے کہ وہ بھی ایسے ہی ناقص ہیں جیسے ہم ناقص ہیں اور دونوں برابر ہو گئے اور کیا یہ سمجھ کر آپ ان سے علاج کرانا چھوڑ دیں گے ہرگز نہیں بلکہ آپ ان کی اس بات کا یہی مطلب سمجھیں گے یہ اپنے کو طب کے حقیقی کمال پر نظر کر کے جو ان کے نزدیک جالینوس و بقراط وغیرہ کو حاصل تھا (گو یہ لوگ بھی اپنے کو حقیقی کمال سے قاصر ہی سمجھے تھے ۱۲) ناقص کہہ رہے ہیں مگر اس زمانہ میں تو یہ اس فن کے امام اور سب سے زیادہ ہی کامل ہیں۔ افسوس دنیا کے کاموں میں تو لوگوں کو بہت جلدی عقل آ جاتی ہے اور کاملین دنیا اپنے کو ناقص کہیں تو اس سے کسی کو دھوکہ نہیں ہوتا نہ ان سے کوئی اپنے کو مستغنی سمجھتا ہے مگر دین کے باب میں نہ معلوم لوگوں کی عقل کہاں جاتی رہتی ہے اور یہاں ان کو یہ دھوکہ کیوں پیش آتا ہے۔ (الہدیٰ والمغفرۃ ج ۲۷)

کشف قبور

کشف قبور کے لیے صاحب نسبت فنا ہونا ضروری ہے تو جب صاحب نسبت بھی ہو گئے پھر کیا کسر رہی حالانکہ کشف قبور کوئی کمال نہیں ہے نہ مطلق نسبت کا حصول دلیل کمال ہے۔ کشف قبور کے نسبت فنا پر موقوف ہونے پر مجھے ایک محقق کی حکایت یاد آئی کہ ان سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ قبور سے فیض ہوتا ہے یا نہیں فرمایا کہ فیض لینے والا کون ہے اس شخص نے کہا کہ مثلاً میں ہوں فرمایا کہ نہیں ہوتا۔ (ضرورۃ العمل فی الدین ج ۲۷)

فیض کی دو قسمیں

فیض کی دو قسمیں ہیں ایک بہ دلالت لفظیہ یعنی تعلیم و تلقین ایک غیر لفظیہ یعنی تقویت نسبتاً افادہ اور استفادہ میں لفظیہ بہت مفید اور ممد ہے پس صرف قبور سے استفادہ پر بس کرنا غلطی ہے کیونکہ قبور سے اتنا فیض ہوتا ہے کہ حالت موجودہ میں ترقی ہوتی ہے وبس بخلاف زندہ کے کہ اگر کوئی شبہ ہو تو اس کو پیش کر کے حل کر سکتا ہے۔ خوب مشبع طور سے تو اسکی برابر ہرگز فیض قبور نہیں ہو سکتا۔ (ضرورۃ العمل فی الدین ج ۲۷)

تصوف کی حقیقت

غرض تصوف اصلاح ظاہر و باطن کا نام ہے نہ کہ رسوم کا بلکہ احوال متعارفہ کا نام بھی نہیں۔ یہ احوال اگر نہ بھی ہوں تو نسبت مع اللہ پیدا ہو سکتی ہے جس کا اثر یہ ہے کہ طاعت میں سہولت ہو اور دوام ذکر پر توفیق ہو رہی رسوم کہ قبر پر کپڑے چڑھانا' عرس کرنا' کپڑے رنگین پہننا سماع سننا۔ سو اس کو کوئی تعلق تصوف سے نہیں ہے اور احوال اگر چہ کبھی مقامات پر مترتب ہو جاتے ہیں لیکن وہ تصوف کے اجزاء یا اس کے لوازم نہیں (ضرورۃ العمل فی الدین ج ۲۷)

حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی حکایت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کثیر البکا تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے یحییٰ کیا تم خدا تعالیٰ کی رحمت سے بالکل ناامید ہو گئے ہو کہ کسی وقت تمہارا رونا ختم ہی نہیں ہوتا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عیسیٰ علیہ

السلام کیا تم خدا تعالیٰ کے قہر سے بالکل مامون ہو کہ تم کو ہر وقت ہنسی ہی آتی رہتی ہے آخر ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تم دونوں میں فیصلہ کرتے ہیں کہ اے عیسیٰ علیہ السلام جلوت میں تو ایسے ہی رہو جیسے اب رہتے ہو لیکن خلوت میں یحییٰ کی طرح گریہ وزاری کیا کرو اور اے یحییٰ خلوت میں تو ایسے ہی رہو جیسے اب ہو لیکن لوگوں کے سامنے کچھ تبسم بھی کرلیا کرو کہ لوگوں کو میری رحمت سے مایوسی نہ ہو جائے کہ جب نبی کا یہ حال ہے تو ہم کو نجات کی کیا امید ہے۔ (تقاصل الاعمال ج ۲۷)

بزرگی کی تعریف

بزرگی نسبت مع اللہ کا نام ہے جس کی پوری حقیقت کا بعض دفعہ فرشتوں کو بھی پتہ نہیں لگتا۔ البتہ اس کی ظاہری علامت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام افعال اقوال حرکات میں زیادہ تشبہ ہو یعنی جس طرح نماز ادا کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری متابعت کی کوشش کی جائے اسی طرح آپس کے برتاؤ روزمرہ کی باتوں میں سونے میں جاگنے میں غرض ہر ہر بات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی کوشش کی جائے اور یہ اتباع عادت ہو جائے کہ بے تکلف سنت کے موافق افعال صادر ہونے لگیں اور عادات کو اس عموم میں اس لیے داخل کیا گیا کہ حدیث میں ما انا علیہ واصحابی (جس راستے پر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے صحابہ ہیں) آیا ہے اور ما عام ہے عبادت اور عادت دونوں کو تو بزرگی اور نسبت کی علامت یہ ہے اور کم کھانے یا کم پینے کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ (تقاصل الاعمال ج ۲۷)

مراتب کو سمجھنے کے لیے بصیرت کی ضرورت

ایک چور کسی بزرگ سے بیعت ہوا اور چوری کرنے سے توبہ کی لیکن چونکہ مدت کی عادت پڑی ہوئی تھی اس لیے ہر شب چوری کرنے کا سخت تقاضا طبیعت میں پیدا ہوتا اور اس کو دبانے کے لیے وہ یہ کرتا کہ تمام ذاکرین کے جوتے اٹھا کر گڑبڑ کر دیتا اس کے جوتے کے ساتھ اس کا اور اس کے جوتے کے ساتھ اس کا غرض کسی ایک کا جوتا بھی اپنے ٹھکانے نہ ملتا۔ آخر لوگوں نے دق ہو کر ایک شب بیدار رہ کر دیکھا' معلوم ہوا کہ یہ تو گرفتار ہیں' صبح ہوئی تو شیخ سے شکایت کی انہوں نے بلا کر اس سے دریافت کیا اس نے کہا کہ حضور میں بیشک ایسا کرتا

ہوں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ مدت سے مجھے چوری کرنے کی عادت تھی اب میں نے توبہ کر لی ہے لیکن رہ رہ کر طبیعت میں تقاضا پیدا ہوتا ہے جس کو میں یوں پورا کرتا ہوں اب اگر آپ مجھے اس سے منع فرمائیں گے تو میں اضطراراً پھر چوری کروں گا۔ غرض میں نے چوری سے توبہ کی ہے ہیرا پھیری سے توبہ نہیں کی۔ شیخ نے کہا کہ بھائی تجھ کو اس کی اجازت ہے تم ہیرا پھیری کر لیا کرو۔ ان مراتب کو سمجھنا بڑی بصیرت پر موقوف ہے۔ (تقاصل الاعمال ج ۲۷)

اہل کی دو قسمیں

اہل بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک اہل تو وہ کہ ان کے قلب پر ایسے واردات طاری ہوتے ہیں ایک وہ ہیں کہ ان کے قلب پر ایسے واردات طاری نہیں ہوتے جس پر ایسے واردات طاری ہوتے ہیں اس پر اظہار جائز بلکہ بعض اوقات ضروری ہے تا کہ وہ اپنے واردات کو اکابر کے واردات پر منطبق کر کے دیکھے اور غلطی سے بچے بس خاص ایسے شخص پر ان کا کشف جائز ہے اور یہی مصلحت ہے اکابر کی۔ ان علوم ذوقیہ کی تدوین میں تا کہ اہل کشف کے پاس اپنے کشف کے قبول ورد کا ایک معیار موجود ہو ورنہ درجہ مقصودیت میں نہ ان کی تدوین جائز تھی نہ ان کا نشر جائز ہے اگر چہ وہ اہل ہی ہو اسی طرح متکلم میں بھی اہلیت شرط ہے اسی کے بارے میں مولانا وصیت فرماتے ہیں:

لقمہ و نکتہ است کامل را حلال تو نہ کامل مخور میباش لال

(لقمہ اور نکتہ کا ظاہر کرنا کامل کو جائز ہے جب تم کامل نہیں ہو مت کھاؤ اور گونگے بنے رہو)

کہ نکتہ کا ظاہر کرنا کامل کو جائز ہے کہ وہ احاطہ تمام رعایتوں کا کر سکتا ہو تم اگر کامل نہیں ہو تو تمہارے نام تمام نکات بیان کرنے سے لوگوں کے غلطی میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

نکتہ ہاچوں تیغ پولادست تیز چوں نداری تو سپر واپس

(بہت سے نکتے تلوار کی طرح تیز ہیں اور سپر سے مراد فہم ہے اپنی اگر فہم نہ ہو تو دور نہ ہو)

پیش ایں الماس بے اسپر میا کز بریدں تیغ رانبود حیا

(اس کے سامنے بغیر سپر کے نہ آؤ کیونکہ ایمان اگر سامنے پڑے گا تو وہ اس کو قطع کر دے گا)

اس پر سے مراد فہم سلیم ہے مطلب یہ ہے کہ ان رموز کو ذہن ہی میں مت لاؤ۔ جب تک کہ فہم کامل نہ ہو کیونکہ تلوار کاٹنے سے نہیں شرماتی' اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ

واردات بدفہم کے ایمان کو قطع کر دیتے ہیں اور ایک مقام پر مولانا ان لوگوں کو لتاڑتے ہیں جنہوں نے ان واردات کو نااہل پر ظاہر کر دیا۔ فرماتے ہیں:

ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند　　　　از سخن ہا عالمے را سوختند

(بڑے ظالم تھے وہ لوگ جنہوں نے آنکھیں بند کر کے ایسی باتوں سے ایک عالم کو ویران کر دیا، یعنی ظالم ہیں وہ لوگ جنہوں نے ایسی باتیں کیں جن سے عالم میں ایک آگ لگ گئی) ایک جگہ ان کی نسبت فرماتے ہیں:

حرف درویشاں بدزدو مرددوں　　　　تابہ پیش جاہلاں خواندفسوں

(درویشوں کی باتیں چوروں اور کمینہ ٹولیوں کے سامنے ایسی ہیں جیسے جاہلوں کے سامنے عملیات کا پڑھنا)

یعنی جاہلوں کے پھنسانے کے لیے درویشوں کی باتیں چوراتے ہیں جس سے مقصد محض نقل کرنا اور مجلس گرم کرنا ہوتا ہے غرض ان اسرار کو عام طور پر نقل کرنا جائز نہیں جب نقل کرنا جائز نہیں تو یہ علوم مقصودہ بھی نہیں کیونکہ علوم مقصودہ کا تو نشر واجب ہے۔ (اشرف العلوم ج ۲۷)

قہر کی دو قسمیں

حق سبحانہ کا قہر دو طرح کا ہوتا ہے کبھی تو صورتاً بھی قہر ہوتا ہے اور کبھی قہر بصورت لطف ہوتا ہے یہ قہر قہر اول سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے (اعاذنا اللہ منہ) کیونکہ اس میں توبہ اور انابت الی الحق کی طرف توجہ بہت کم ہوتی ہے اس لیے کہ انابت الی الحق اور توبہ تو اسوقت ہو جبکہ آدمی اس کو قہر سمجھے اور جبکہ لطف سمجھتا ہے تو وہ توبہ کیسے کرے گا اور حق سبحانہ کی طرف کیسے رجوع ہوگا، بعض مرتبہ بعض سالکین کو یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ وہ معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں اور ان کے ذوق وشوق واحوال ومواجید میں کچھ فرق نہیں آتا وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری نسبت مع اللہ بہت قوی ہے کہ معصیت سے اس کو صدمہ نہیں پہنچتا اس سے وہ معاصی پر اور دلیر ہو جاتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ قہر بصورت لطف ہے اور قہر بصورت قہر سے زیادہ خطرناک ہے سالکین کو اس سے نہایت ہوشیار رہنا چاہیے اور یاد رکھنا چاہیے کہ نسبت احوال مواجید کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک خاص تعلق ہے جو کہ عبد طائع کو حق سبحانہ سے اور حق سبحانہ کو اپنے مطیع بندہ سے ہوتا ہے۔ (شکر المثنوی ج ۲۷)

اصرار معصیت کے ساتھ نسبت مع اللہ باقی نہیں رہتی

اصرار بر معصیت کے ساتھ نسبت مع اللہ باقی نہیں رہ سکتی اور ذوق وشوق کسی معصیت سے پیدا ہو یا معاصی کی حالت میں باقی رہے وہ قہر بصورت لطف ہوتا ہے جو قہر بصورت قہر سے زیادہ خطرناک ہے خوب سمجھ لینا چاہیے اور کبھی یہ قہر بصورت قہر ہوتا ہے۔(شکر المثنوی ج ۲۷)

حال کا مفہوم

تو حال وہ شے ہے کہ آپ کو اکسیر یعنی ایسا کامل کر دے گا کہ آپ سے دوسروں کی تکمیل ہو سکے گی کیفیت غیر راسخہ کو حال اور راسخہ کو مقام کہتے ہیں میری مراد حال سے متعلق وہ کیفیت ہے جو بالمعنی الاعم حال اور مقام دونوں کو شامل ہے۔ حقیقت اس کی صرف اس قدر ہے کہ قلب میں کوئی بات غلبہ کے ساتھ پیدا ہو جاوے اس تقریر سے آپ کو روشناسی کے مرتبہ میں اجمالاً اس تیسری شے کا علم ہو گیا ہو گا لیکن بصیرت کے ساتھ اس کا ادراک نہیں ہوا اور ضرورت اس کی ہے کہ کما حقہ اسکا علم آپ کو ہوا (مظاہر الاحوال ج ۲۷)

حق تعالیٰ جھوٹ موٹ نام لینے سے بھی عنایت فرماتے ہیں

حق تعالیٰ کی وہ عنایت ورحمت ہے کہ اگر کوئی جھوٹ موٹ بھی اس کا نام لیتا ہے تو وہ اس کے حال پر بھی عنایت فرماتے ہیں۔

رہبر کامل کے دامن پکڑنے سے دولت ملتی ہے

طلب میں لگ جاؤ اور کسی رہبر کامل کا دامن پکڑ لو پس انشاء اللہ دولت ملی ہوئی ہے کچھ دیر نہیں دیکھو جن کو دولتیں ملی ہیں وہ کیا کہتے ہیں ان کے اقوال دیکھئے۔ اقوال عارف شیرازی فرماتے ہیں:

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند　　　واندراں ظلمت شب آب حیاتم دادند

(صبح کے وقت غصہ سے مجھے نجات عطا ہوئی رات کی تاریکی میں مجھے آب حیات عطا کی گئی)

کیمیا یست عجب بندگی پیر مغاں　　　خاک او گشتم وچند درجاتم دادن

(مرشد کی تابعداری عجیب کیمیا ہے کہ مجھ کو اس کے پاؤں کی خاک بننے سے بڑے درجے ملے)

یعنی رہبر و مرشد موصل کی غلامی عجیب چیز ہے کہ جن کی وجہ سے مجھ کو یہ درجات ملے

ہیں۔ پس موصل کی ضرورت ہے موسلوں کی ضرورت نہیں اتنی سہولتوں پر بھی اگر کوئی محروم رہے تو واجد علی شاہ کے یہاں کے احدیوں سے کم نہیں ہے۔ (مظاہر الاحوال ج ۲۷)

دینی مقاصد کے مجاہدے کبھی بے ثمرہ نہیں ہوتے

اے صاحبو بغیر کئے کچھ نہیں ہوتا' کرنا پڑتا ہے مگر بہت نہیں جس درجہ کا مطلوب ہے اس درجہ کی محنت نہیں کرنا پڑتی اس سے بہت کم کرنا پڑتی ہے۔ تھوڑی سی توجہ اور طلب سے اللہ کا فضل ہو جاتا ہے۔ (مظاہر الاحوال ج ۲۷)

دوام ترک معاصی عادۃ حال کے پیدا کرنے پر موقوف ہے

دوام ترک معاصی عادۃ حال کے پیدا کرنے پر موقوف ہے اور ترک معاصی علی الدوام واجب ہے اور مقدمۃ الواجب واجب تو حال کی تحصیل ہر مسلمان پر ضروری ہے۔

عارف سے نہ گناہ ہوتا ہے نہ بعد ہوتا ہے

عارف سے نہ گناہ ہوتا ہے اور نہ اس کو بعد ہوتا ہے۔ مولانا رومی رحمہ اللہ نے اس کی عجیب مثال لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ جیسے کوئی بالغ بعد بلوغ کے نابالغ نہیں ہوتا اسی طرح عارف بعد معرفت کے راجع نہیں ہوتا اور یہ مثال نہایت چسپاں اور مطابق ہے اس لیے کہ حقیقی بالغ عارف ہی ہے۔ عارف کے سوا سب نابالغ ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

خلق اطفالند جز مست خدا　　　نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

(سوائے مست خدا کے ساری مخلوق بچوں کی طرح ہے جس نے خواہشات نفسانی کو ترک نہیں کیا وہ بالغ ہے نہیں ہے) (مظاہر الاحوال ج ۲۷)

موانع کا مقابلہ

موانع کا حاصل یہ ہے کہ دو کام کرو ایک تو معاصی خواہ صغائر ہوں یا کبائر سب کو چھوڑ دو اور اگر حقوق کچھ ذمہ پر ہوں تو ان کو ادا کر دو اور دوسرے یہ کہ بلا ضرورت مخلوق سے نہ ملو ضرورت ہو تو ملو اور جب ضرورت ختم ہو جائے تو فوراً الگ ہو جاؤ اور فضول کام چھوڑ دو اور تیسرا کام جو بہت ضروری ہے یہ کرو کہ شب و روز میں کم از کم ایک گھنٹہ الگ خلوت میں بیٹھ

جایا کرو اس کے لیے عشاء کے بعد کا وقت بہتر ہے۔ اس وقت اپنے نفس سے اپنے شب و روز کے کام کا محاسبہ کیا کرو اگر کوئی گناہ ہو تو اس سے توبہ کیا کرو اور آئندہ سے عزم رکھو کہ پھر نہ کریں گے۔ یہ طریقہ ہے حال کی تحصیل کا۔ خلاصہ طریقہ کا یہ ہوا کہ علم دین بقدر ضرورت خواہ مولوی بن کر خواہ اردو کے رسائل سے خواہ صحبت علماء سے حاصل کرو۔ دوسرا اس علم پر عمل شروع کر دو۔ تیسرے اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو۔ چوتھے یہ کہ معاصی چھوڑ دو۔ پانچویں قلت اختلاط اور قلت کلام۔ چھٹے تھوڑی دیر خلوت اگر اس طریقہ پر آپ عمل شروع کر دیں تو آپ رجسٹری شدہ واصل الی اللہ ہو جاویں اور یہ نہ کہو کہ ولی ہونا بہت مشکل ہے ہم کیسے ہو جائیں گے۔ صاحبو نبوت ختم ہوئی ہے ولایت ختم نہیں ہوئی۔ اس کے بعد آپ کو انشاء اللہ حیات طیبہ نصیب ہوگی اور تمام صعوبتیں دینی و دنیوی آسان ہو جائیں گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حال کی تحصیل بہت ضروری ہے خصوصاً اہل علم کو بہت ہی ضروری ہے اب مجھ کو جو کچھ بیان کرنا تھا میں ختم کر چکا ہوں۔ (مظاہر الاحوال ج ۲۷)

کیفیات نہیں اعمال مطلوب ہیں

کیفیات مقصود طریق نہیں بلکہ مقصود طریق اعمال ہی نہیں اور یہ کیفیات خود ان اعمال کے تابع ہیں اگر عمل نہ ہو تو یہ کیفیات کبھی باقی نہیں رہ سکتیں' تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے مگر جو اعمال مقصود طریق ہیں ان میں یہ شرط ہے کہ ان میں خلوص ہو رہا یہ کہ پھر مقصود طریق کیا ہے تو سنئے کہ مقصود طریق اور خلوص فی الاعمال یہی باطن عمل ہے جس کے متعلق ارشاد ہے: "وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ" (حالانکہ ان لوگوں کو حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت اسی کے لیے خاص رکھیں) اور حدیث میں ارشاد ہے: "ان تعبداللّٰہ کانک تراہ" (تو اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے) تو آپ نے میرے اس قول سے کہ اعمال کافی ہیں یہ مطلب سمجھا کہ محض ظاہری اعمال کافی ہیں اسی لیے طریق باطن کے بیکار ہونے کا شبہ ہوا حالانکہ میرا مطلب یہ تھا کہ اعمال مع اپنی صورت ظاہرہ اور مع اپنی روح کے موجود ہوں تو کافی ہیں اور روح اعمال خلوص ہے اور تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اس خلوص کے حصول میں طرق صوفیاء سے سہولت ہو جاتی ہے علم باطن میں ان ہی طرق کا بیان ہوتا ہے اور اسی کے لیے مشائخ کی صحبت اختیار

کی جاتی ہے اور اسی کے لیے اذ کار و اشغال بتلائے جاتے ہیں۔ اسی خلوص میں کیفیات ذوق وشوق و یکسوئی سے بھی سہولت ہو جاتی ہے لیکن خلوص ان پر موقوف نہیں خلوص اس کے بغیر بھی حاصل ہو سکتا ہے گو دقت اور مشقت سے ہی ہو مگر ہو سکتا ہے اور طریق باطن سے یہ بسہولت ہو جاتا ہے اور حقیقت اس خلوص کی یہ ہے کہ مثلاً نماز پڑھے تو اس میں ریاء نہ ہو' عجب نہ ہو' قصداً احضار وساوس نہ ہو' تو اب اگر کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہوا اور سوائے رضائے حق کے اس کی کوئی غرض نہیں اور جو غرض بھی آتی ہے اس کو دفع کرتا ہے اور وساوس بھی دل میں خود نہیں لاتا تو یہ نماز خلوص کے ساتھ تمام ہوئی ہاں اگر یہ شخص کیفیات سے خالی ہے تو اس کے اہتمام اس کو مشقت بہت ہو گی لیکن اگر وہ اس مشقت کو برداشت کرتا رہے اور ہمت کر کے از خود نماز میں کوئی وسوسہ نہ لاوے نہ ریاء و عجب کو پاس آنے دے تو مقصود میں یہ شخص کامیاب ہے اور اس کو مشقت کی وجہ سے اجر بھی زیادہ ہو گا۔ (تقلیل الکلام ج ۲۷)

وسوسہ کے ساتھ بھی ذکر نافع ہے

رات دن کا تجربہ ہے کہ ابتداء میں وساوس کی کثرت ہوتی ہی ہے بہت کم ذاکر ایسے ہوں گے جن کی ابتداء میں وسوسے نہ آتے ہوں مگر میں ذاکرین سے کہہ دیتا ہوں کہ اس طرف التفات نہ کرو' وساوس کے ساتھ ہی ذکر کرتے رہو رفتہ رفتہ حضور حاصل ہو جائے گا۔

چنانچہ وہ ذکر مع الوساوس ہی ایک نہ ایک دن اپنا اثر دکھاتا ہے اور زبانی تسبیح اپنا رنگ لاتی ہے اور حضور میسر ہو جاتا ہے۔

رضا کی طلب ہی طلب الٰہی ہے

عراقی اور غزالی نے ایک روایت نقل کی ہے جس کی تخریج عراقی نے ابونعیم واصبہانی سے کی ہے۔ "لاتفکروفی اللہ فانکم لن تقدر واقدرہ" یعنی خدا کی ذات میں تفکر نہ کرو تم اس کا احاطہ نہیں کر سکو گے تو جس ذات میں تصور بالکنہ محال ہے اس کی طلب بلاواسطہ کیونکر ہو سکتی ہے پس رضا کی طلب یہی طلب خدا ہے اور اسی کی طلب کا امر بھی ہے اگر یہ کہو کہ جنت کی طلب کا بھی تو امر ہے اور وہ یقیناً غیر خدا ہے تو طلب غیر خدا جائز ہوئی تو پھر کیفیات کی طلب میں کیا حرج ہے اگر وہ طلب رضا کے برابر نہیں تو طلب جنت ہی کے مثل سہی اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو جنت کی طلب کا امر درجہ مقصودیت میں نہیں بلکہ اسکا امر بھی

طلب رضا ہی کے لیے ہے کہ جنت چونکہ محل رضا ہے اور رضا مقصود ہے اس لیے محل کو بھی طلب کرنا چاہیے۔ پس محل رضا کی طلب حقیقت میں رضا ہی کی طلب ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے: "اللھم انی اسئلک رضاک والجنة واعوذبک من سخطک والنار" (اے اللہ میں آپ سے آپ کی رضا اور جنت کا سوال کرتا ہوں اور میں آپ سے آپ کی ناراضگی اور دوزخ کی پناہ مانگتا ہوں) اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول رضا کو طلب کیا پھر جنت کو کیونکہ وہ محل رضا ہے اور اول غضب الٰہی سے پناہ مانگی ہے پھر جہنم سے کیونکہ وہ محل غضب ہے اس حدیث نے مطلع صاف کر دیا کہ اصل مقصود رضا ہے اور جنت مقصود بالذات نہیں بلکہ محل رضا ہونے کی وجہ سے مطلوب ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

بے تو جنت دوزخ است اے دلربا   با تو دوزخ جنت است اے جانفزا

(اے محبوب تیرے بغیر جنت بھی مجھ کو دوزخ ہے اور اگر تو ساتھ رہے تو دوزخ بھی مجھے جنت ہے) (تقلیل الکلام ج ۲۷)

کیفیات کے مزے میں پڑنے کی نشانی

حدیث قدسی میں ارشاد ہے: "انا عندالمنکسرة قلوبھم" میں ان لوگوں کے پاس ہوں جن کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کیفیات کا ہونا نعمت ہے اسی طرح کسی وقت ان کا بند ہو جانا بھی رحمت ہے کیونکہ سلب کیفیات سے شکستگی قلب حاصل ہوتی ہے اور یہ شکستگی ترقی کا سبب ہے پس سالک کو کیفیات کے ہونے یا نہ ہونے کی پرواہ نہ کرنا چاہیے جو شخص کیفیات ہی کے مزے میں پڑ جاتا ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص سفر کر رہا ہو اور کسی خاص منزل پر پہنچنا چاہتا ہو راستہ میں گرمی دوپہر کے وقت اسے ایک دریا ملا یہ اس میں گھسا تو وہاں ٹھنڈک پہنچی اب یہ اس میں سے نکلنا نہیں چاہتا' ٹھنڈک کی وجہ سے اسی میں رہنا چاہتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں راستہ طے نہیں ہو سکتا اور نہ یہ شخص منزل پر پہنچ سکتا ہے اس کے ساتھ ایک رفیق بھی تھا وہ دریا سے پار ہو گیا اور اس کو پکار رہا ہے کہ جلدی آ یہ کہتا ہے کہ میں تو دریا ہی میں رہوں گا اس نے آ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر نکال دیا اب خشکی میں آ کر اسے پھر پیاس اور گرمی معلوم ہوئی تو دریا کو یاد کر کے روتا ہے کہ ہائے میں وہاں سے کیوں نکال دیا گیا۔ رفیق کہتا ہے کہ کمبخت تو دریا میں سے نکل کر مقصود کے قریب ہو گیا اگر وہیں رہتا تو منزل

پر کبھی نہ پہنچتا۔ اسی طرح سالک کے لیے گاہے گاہے کیفیات کا پیش آنا اس لیے ہے تا کہ کسی قدر کلفت سفر کم ہو جائے اور شدت کے بعد راحت مل جائے تا کہ آئندہ کے لیے ہمت تازہ ہو جائے لیکن اگر وہ اسی راحت میں رہنا چاہے تو یقیناً راستہ ہی میں رہ جائے گا اور مقصود تک نہ پہنچے گا تو تم کو کیفیات دے کر پھر سلب اس واسطے کر لیں تا کہ تم کو آگے بڑھا دیں نہ اس لیے کہ نیچے گرا دیں مگر تم رو رہے ہو کہ ہائے میری کیفیات کیا ہوئیں میں تو انہیں میں رہتا اس شخص کا وہ حال ہے جیسے کسی نے گدھے کو دیا تھا نمک' اس نے کہا میری آنکھیں ہی پھوڑ دیں' حق تعالیٰ تو تم کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں مگر تم کیفیات میں پڑ کر راستہ ہی میں رہنا چاہتے ہو۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو کہ مجتہد فن اور مجدد وقت تھے' فرمایا کرتے تھے کہ یہ انوار و کیفیات حجاب نورانی ہیں اور حجاب نورانی حجاب ظلمانی سے اشد ہے۔ سالک کو یہ سب حجابات پس پشت ڈالنا چاہیں ان کی طرف ہرگز التفات نہ کرے کیونکہ جس شخص کو بادشاہ سے ملنا ہے وہ نہ بھنگیوں کے مکان پر ٹھہرتا ہے نہ عطاروں کی دُکان پر ٹھہرتا ہے بلکہ سیدھا تخت شاہی پر پہنچنا چاہتا ہے تو حجاب ظلمانی تو بھنگیوں کے مکانات ہیں اور حجاب نورانی عطاروں کی دوکانات ہیں۔ سالک کو کسی پر توقف نہ کرنا چاہیے اس کو آگے چلتا رہنا چاہیے۔ مقصود وراءالوراء ہے۔

اے برادر بے نہایت درگہیست   انچہ بروے میرسی بروے مایست

(اے بھائی اللہ تعالیٰ کا راستہ غیر متناہی ہے پس اس راستے میں جس مقام پر پہنچ جاؤ اس پر ٹھہرنا مت' آگے بڑھ جانا تا کہ ترقی جاری رہے) (تقلیل الکلام ج ۲۷)

توفیق دُعا

صاحبو! جب اہل اللہ کے خذلان سے توفیق سلب ہو جاتی ہے تو خدا تعالیٰ کے خذلان کے بعد تو ہم کیا کر سکتے ہیں' کچھ بھی نہیں حضرت نے سچ فرمایا کہ اگر حق تعالیٰ نہ چاہیں تو ایک مرتبہ بھی زبان سے اللہ نکل سکتا' مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر دعا کے بارے میں فرماتے ہیں:

ہم دعا از تو اجابت ہم زتو   ایمنی ازتو مہابت ہم زتو

(دعا کی توفیق بھی اے خدا آپ ہی کی طرف سے ہے اور قبولیت بھی آپ ہی کی طرف سے ہے امن اور سکون کا احساس بھی آپ کی طرف سے ہے اور خوف و ہیبت بھی آپ کی طرف سے ہے) (تقلیل الکلام ج ۲۷)

اہل اللہ کو نعیم دنیا بلا مشقت ملتی ہیں

تقدیر کے باب میں نہ گفتگو کرنا چاہیے اور نہ اس کی لم دریافت کرنا چاہیے کہ ہر شخص میں استعداد مختلف کیوں رکھی ہے یہ حق تعالیٰ کے اسرار ہیں خدا نے استعداد و مقادیر مختلف بنا کر اپنے بعض بندوں کو یہ دولت عطا کی ہے کہ جہاں انہوں نے نماز شروع کی اور خدا تعالیٰ کی طرف فوراً دل کا رخ ہو گیا' حضور میں غرق ہو گئے پھر اس کے ساتھ روٹی بھی بے مشقت دی ہے ان کا مرغ اور گھی اور حلوے بھی بے تکلف دے رکھے ہیں اور یہ باطنی مٹھائی بھی ہے بے تکلف دیدی اور تم کو دنیا کی نعمتیں بھی مشقت سے ملتی ہیں اور دین کی نعمت بھی مشقت سے ملے گی۔ چنانچہ بعضوں کی حالت یہ ہے کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو ان کا دل خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ اس ادھیڑ بن میں رہتا ہے کہ کل کو کہاں سے کھاؤں گا آج تو گھر میں آٹا بھی نہیں کل کو قرض خواہ تقاضا کرنے آئے گا اسے کہاں سے دوں گا' آج تو جیب میں ایک پیسہ بھی نہیں یہاں تک کہ انہیں خرافات میں نماز ختم ہو جاتی ہے۔ شیخ سعدی ایسے ہی لوگوں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ:

شب چو عقد نماز بربندم   چہ خورد با مداد فرزندم

(رات کو جب نماز کی نیت باندھتا ہوں تو فوراً یہ خیال ستاتا ہے کہ کل میرے بچے کیا کھائیں گے)

کہ رات کو جب یہ لوگ نماز کی نیت باندھتے ہیں تو یہ سوچتے ہیں کہ کل کو بچے کیا کھاویں گے۔ ایک اہل زبان نے اس شعر کی عجیب تفسیر کی

''شب چو عقید نماز بر بندم چناں در فکر عیال مستغرق باشم کہ بجائے تکبیر تحریمہ میگویم چہ خورد بلداد فرزندم''

واقعی اہل زبان اپنی زبان کو خوب سمجھتے ہیں ہمارا ذہن تو اس طرف نہ جاتا مگر وہ صاحب زبان تھا خوب سمجھا اس پر ایک حکایت یاد آئی۔ (تقلیل الکلام ج ۲۷)

زہد کے لیے ترک لذات کافی نہیں

ترک لذات زہد میں ضروری نہیں کیونکہ سب سے بڑھ کر الذالاشیاء وقاع ہے اگر ترک لذات لازم ہوتا تو کم از کم حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سے رکتے جیسا کہ عیسیٰ علیہ

السلام نے نکاح نہیں کیا جس کی وجہ سے آج عیسائی فخر کرتے ہیں کہ ہمارے نبی تارک لذات تھے اور مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ تمہارے نبی تارک لذات نہ تھے متبع شہوت تھے کہ نو نکاح کیے جس سے ناواقف مسلمان ان کے سامنے جھپتے ہیں سو اگر ترک لذات لازم زہد ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کو ضرور ترک کرتے تاکہ مخالفین کو مسلمانوں پر اعتراض کا موقع نہ ہوتا جس اعتراض کا یہ نتیجہ ہوا۔ (تقلیل الکلام ج ۲۷)

سلوک طریق کے اجزاء

سلوک طریق کے دو جز ہیں ایک تحلیہ (بالحاء المہملہ) دوسرے تخلیہ (بالخاء المعجمہ) تحلیہ کے معنے لغت میں آراستہ کرنا اور اصطلاح صوفیاء میں تحلیہ یہ ہے کہ سالک اپنے کو اخلاق حمیدہ و تعلق مع اللہ سے آراستہ کرے جس کا طریقہ طاعات و ذکر میں مشغول ہونا ہے اور تخلیہ کے معنے لغت میں خالی کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں سالک کا اپنے کو اخلاق رذیلہ سے پاک کرنا اور غیر سے تعلق منقطع کرنا ہے اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ سلوک کے تحلیہ اور تخلیہ دونوں کی ضرورت ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ تحلیہ کو مقدم کیا جاوے یا تخلیہ کو مشائخ میں دونوں طریقے مستعمل ہیں۔ بعض تحلیہ کو مقدم کرتے ہیں اس کے بعد تخلیہ کرتے ہیں بعض تخلیہ کو مقدم کرتے ہیں اس کے بعد تحلیہ کرتے ہیں اور ہر دونوں طریق سے کامیابی ہوتی ہے جیسے معالجات امراض جسمانیہ میں بھی یہ دونوں طریقے مستعمل ہیں حکماء یونان تخلیہ کو مقدم کرتے ہیں یعنی پہلے مادہ فاسد کو نکالتے ہیں بعد میں تقویت طبع کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ جب تک مادہ فاسد کا اخراج نہ ہو اور مرض زائل نہ ہو اس وقت تک تقویت کی تمام تدبیریں بے کار ہیں۔ اس صورت میں اگر تم طبیعت کو قوت پہنچاؤ گے تو اس سے ممکن ہے کہ مرض کو قوت پہنچے۔ اس لیے طب یونانی میں بحالت مرض تقویت کی تدبیریں نہیں کی جاتی۔ ہاں صحت کے بعد کوئی خمیرہ یا معجون وغیرہ قوت کے لیے کھلاتے ہیں یعنی تخلیہ کے بعد تحلیہ کرتے ہیں۔

مگر اس میں قول فیصل یہ ہے کہ نہ تحلیہ کو مطلقاً مقدم کیا جائے نہ تخلیہ کو بلکہ دونوں کو دوش بدوش لے چلنا چاہیے کہ ساتھ ساتھ تحلیہ و تخلیہ دونوں ہوتے رہیں (تقلیل الکلام ج ۲۷)

نفس کی قید

جب حضرت شاہ غلام رسول صاحب کانپوریؒ اپنے شیخ کی خدمت میں بیعت کے لئے

حاضر ہوئے تو انہوں نے استخارہ کے لئے فرمایا تھوڑی دیر مسجد میں بیٹھ کر پھر حاضر ہو گئے پوچھا استخارہ کر لیا کہا جی ہاں کر لیا فرمایا تم تو بہت جلدی آ گئے تم نے کیونکر استخارہ کیا تھا۔ عرض کیا حضرت میں نے اپنے نفس سے کہا تھا کہ تو جو بیعت ہوتا ہے یہ غلامی ہے تو خواہ مخواہ آزادی کو چھوڑ کر غلامی کی قید میں کیوں پھنستا ہے میرے نفس نے جواب دیا کہ اس قید سے مجھے خدا مل جائے گا۔ میں نے کہا تیرا کیا اجارہ کہ تجھے خدا مل ہی جائے گا۔ اگر نہ ملا تو اس نے جواب دیا کہ اگر خدا نہ بھی ملا تو ان کو یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے مجھ کو طلب کیا تھا بس مجھے یہی کافی ہے ۔

ہمینم بس اگر کاسد تماشم   کہ من نیز از خریداراتش باشم

ہمینم بس کہ داند ماہرویم   کہ من نیز از خریداران اویم

(مجھ کو یہی کافی ہے اگرچہ میرے پاس کھوٹی پونجی ہے کہ میں بھی اس کے خریداروں میں ہوں یہی مجھ کو کافی ہے کہ میرے محبوب کو علم ہو جائے کہ میں بھی اس کے خریداروں میں سے ہوں)

(اسباب الفتنہ ج ۲۸)

اصلاح دل کا دستور العمل

وہ دستور العمل جو دل سے پردے اٹھاتا ہے جس کے چند اجزاء ہیں۔ ایک تو کتابیں دیکھنا یا سننا۔ دوسرے مسائل دریافت کرتے رہنا۔ تیسرے اہل اللہ کے پاس آنا جانا اور اگر ان کی خدمت میں آمدورفت نہ ہو سکے تو بجائے ان کی صحبت کے ایسے بزرگوں کی حکایات وملفوظات ہی کا مطالعہ کرو یا سن لیا کرو اور اگر کچھ تھوڑی دیر ذکر اللہ بھی کر لیا کرو تو یہ تو اصلاح قلب میں بہت ہی معین ہے اور اسی ذکر کے وقت میں سے کچھ وقت محاسبہ کے لئے نکال لو جس میں اپنے نفس سے اس طرح باتیں کرو کہ اے نفس ایک دن دنیا سے جانا ہے موت بھی آنے والی ہے اس وقت یہ سب مال و دولت یہیں رہ جائے گا۔ بیوی بچے سب تجھے چھوڑ دیں گے اور خدا تعالیٰ سے واسطہ پڑے گا اگر تیرے پاس نیک اعمال زیادہ ہوئے تو بخشا جائے گا اور گناہ زیادہ ہوئے تو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا جو برداشت کے قابل نہیں ہے اس لئے تو اپنے انجام کو سوچ اور آخرت کیلئے کچھ سامان کر یہ عمر بڑی قیمتی دولت ہے اس کو فضول رائیگاں مت برباد کر مرنے کے بعد تو اس کی تمنا کرے گا کہ کاش میں کچھ نیک عمل کر لوں جس سے مغفرت ہو جائے مگر اس وقت تجھے یہ حسرت مفید نہ ہوگی پس زندگی کو غنیمت سمجھ کر اس وقت اپنی مغفرت کا سامان کر لے۔ (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

کامل کی علامت

کامل وہ ہے جو اپنے اعمال صالحہ کو ظاہر کرے اخفاء کا اہتمام نہ کرے تا کہ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّث پر عمل ہو جائے ہاں متوسط کو اظہار مضر ہوتا ہے مگر وہ اس لئے کہ اس کی نظر میں اغیار ہیں اور کامل کی نظر سے اغیار مفقود ہو چکے ہیں وہ نہ کسی کے واسطے کوئی عمل کرتا ہے نہ کسی کی وجہ سے کسی عمل کو ترک کرتا ہے اس کی نظر صرف ایک ذات پر ہے باقی سب مخلوق اس کی نظر سے غایت ہیں اس کے نزدیک آدمی میں اور مسجد کی دیوار اور بوریئے میں کچھ فرق نہیں پھر وہ کسی سے چھپ کر عمل کیوں کرے کسی نے مسجد کی دیوار سے بھی اخفاء کا اہتمام ہے دوسرے عارف کبر جز مظہر حق او مراۃ جمال حق نظر آتی ہے اور اخفاء ہوتا ہے غیر سے اس لئے اس کو کسی سے اخفاء کا اہتمام نہیں اسی کو ایک عارف فرماتے ہیں ۔

ہر چہ بینم درجہاں غیر تو نیست ۔۔۔ یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

(تمام عالم آپ کی صفات کا مظہر ہے ہر چیز کو آپ سے تعلق ہے غیر وجود ہی نہیں ، بلکہ ہر جگہ آپ کا ظہور ہے)(الحج ج ۲۸)

نفس سے کام لینے کا طریقہ

نفس سے جو کام بھی لو تو وہ بہانہ ڈھونڈھتا ہے جیسے ہندوستان کے سود خوار کہ اگر ان سے یہ کہو کہ سود حرام ہے اس سے توبہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ دارالحرب میں سود لینا جائز ہے بعض علماء کا اس پر فتویٰ ہے اس لئے ہم لیتے ہیں اور اگر کہو کہ اس کی زکوٰۃ کیوں نہیں دیتے تو کہتے ہیں کہ مال حرام میں بھی کہیں زکوٰۃ فرض ہے۔ اب دینے کے وقت وہ سود ہو گیا اور حرام ۔ اور لینے کے وقت حلال تھا۔ بہر حال شتر مرغ تو کمزور جانور ہے گو نام میں شتر ہے مگر وہ بار برداری کے قابل نہیں ۔(النعم المرغوبة فی النعم المرکوبة ج۲۸)

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو احتیاط فی الکلام کی تعلیم

قرآن میں جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور خضر کا قصہ مذکور ہے اس کی بنا بھی اسی مسئلہ کی تعلیم پر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے کلام میں ایک بے احتیاطی ہو گئی تھی کہ وعظ میں

کسی نے آپ سے سوال کیا ای الناس اعلم کہ اس وقت آدمیوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اطلاق کے ساتھ جواب دیا انا کہ میں سب سے زیادہ عالم ہوں۔ مطلب یہ تھا کہ علوم شرائع اور علوم نبوت میں سے سب سے بڑا عالم میں ہوں اور اسی مراد کے اعتبار سے کلام صحیح تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام انبیاء اولوالعزم سے ہیں ہزاروں انبیاء ان کی شریعت کے متبع ہوئے ہیں اور خود ان کے زمانہ میں بھی حضرت ہارون علیہ السّلام نبی تھے مگر وہ بھی موسیٰ علیہ السّلام کے تابع تھے اور موسیٰ علیہ السّلام کسی نبی کے تابع نہیں بلکہ مستقل صاحب شریعت تھے۔ پس علوم شرائع و نبوت میں اس وقت ان سے زیادہ عالم کوئی نہ تھا مگر آپ نے جواب میں لفظاً یہ قید بیان نہ فرمائی تھی بلکہ اطلاق کے ساتھ جواب دیا اس پر عتاب ہوا اور وحی نازل ہوئی بلی عبدنا خضر اھو اعلم منک کہ کوئی آپ سے زیادہ عالم کیوں نہیں۔ ہمارا بندہ خضر آپ سے زیادہ عالم ہے یعنی بعض علوم میں وہ زیادہ عالم ہیں گو وہ علوم شرائع اور علوم نبوت سے افضل نہ ہوں مگر آپ کے اطلاق کلام پر تو علم خضر سے نقض وارد ہوسکتا ہے کیونکہ علم میں تو وہ بھی داخل ہے۔ (النعم المرغوبة فی النعم المرکوبة ج۲۸)

حضرت خضر علیہ السلام کا علم لدنی تھا

خضر علیہ السّلام کا علم کشف کونی تھا اور اس علم کو علم نبوت اور کشف الٰہی سے جو کہ موسیٰ علیہ السّلام کا علم تھا کوئی نسبت نہیں مگر فی نفسہ وہ بھی ایک علم ہے اور علم لدنی ہے جس میں وہ موسیٰ علیہ السّلام سے بڑھے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے محض تنبیہ قولی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ عملی اصلاح فرمائی کہ موسیٰ علیہ السّلام کو حکم ہوا کہ جاؤ خضر سے ملو اور اس کے علوم کو دیکھو۔ اس کو مشائخ صوفیا سمجھتے ہیں علماء ظاہر عملی اصلاح کو کچھ نہیں جانتے۔ (الا الاسم والرسم ۱۲) علماء تو کسی کے اندر تکبر دیکھیں گے تو اس کی اصلاح میں صرف تکبر کی مذمت اور وعیدیں بیان کر دیں گے اور بس اور شیخ اس طرح اصلاح کرتا ہے کہ جاؤ فلاں مسافر کے پیر دباؤ جو خراب خستہ حالت میں پڑا ہے جس کی رال بھی چل رہی ہے۔ اب مرید چونکہ شیخ کے سامنے چوں نہیں کرسکتا اس لئے جھک مار کر جاتا ہے اور پیر دباتا ہے گو دل میں شیخ کو کوستا بھی ہے کہ بڑے متشدد ہیں مگر ایسا کوسنا ہزار کوس بھاگ جاتا ہے وہ شیخ کو نہیں لگتا پھر اس غریب مسافر پر غصہ آتا ہے کہ یہ کم بخت کہاں سے آمرا تھا وہ میرے سپرد اس کی

خدمت ہوئی۔ مگر یہ غصہ فضول ہے اگر وہ نہ آتا تو شیخ کسی اور تدبیر سے علاج کرتا مثلاً نمازیوں کے جوتے سیدھے کراتا۔ شروع میں تو یہ علاج پہاڑ کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ گراں معلوم ہوتا ہے مگر چند روز میں نفس کی اصلاح ہو جاتی ہے کیونکہ ایسے ایسے کام کرتے کرتے نفس کو تواضع کی عادت ہو جاتی ہے پھر نفس درست ہو جاتا ہے۔

اور میں نے جو خضر علیہ السّلام کے اقوال سے مسائل سلوک مثلاً سکوت سالک وغیرہ کا استنباط کیا ہے سو نہ اس وجہ سے کہ یہاں سلوک کی تعلیم تھی بلکہ اس وجہ سے کہ خضر فی نفسہ شیخ طریقت تھے ان کا مذاق یہی تھا۔ تو دیکھئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو احتیاط فی الکلام کی تعلیم عملاً کس طرح دی کہ ان کو خضر کا شاگرد بنایا گیا جو ان سے کسی طرح بھی درجہ قرب میں زیادہ نہ تھے۔ نہ علوم شرائع و نبوت میں افضل تھے۔

(النعم المرغوبۃ فی النعم المرکوبۃ ج ۲۸)

حکایت حضرت شبلیؒ

حضرت شبلیؒ چلے جا رہے تھے ندا آئی کہ شبلیؒ کیا یہ قدم اس قابل ہے کہ ہمارا راستہ اس سے طے کرو کھڑے ہو گئے پھر ندا آئی کہ کیا ہم سے صبر آ گیا چیخ مار کے بے ہوش ہو گئے ان حضرات کی تو یہ حالت تھی جناب! خالہ جی کا گھر نہیں بڑی کشاکشی ہوتی ہے لیکن اس میں ان کو ایسا لطف ہوتا ہے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت میں وہ حلاوت نہیں ہے۔

گدایا نے از پادشاہی نفور   بامیدش اندر گدائی صبور

(ایسے فقیر کہ بادشاہی سے متنفر ہیں اور محبوب کی اُمید پر فقیری میں قناعت کرنے والے ہیں)

دما دم شراب الم درکشند   وگر تلخ بینند دم درکشند

(ہر دم رنج و الم کی شراب پیتے ہیں اور جب اس میں کڑواہٹ دیکھتے ہیں تو خاموش رہتے ہیں)

اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم سلطنت زیادہ پسند کرتے ہو یا اس طریق کے اندر جو تم کو مشقت اور تعب لاحق ہے وہ پسند کرتے ہو تو وہ زبان سے یہ کہیں گے ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت   سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ آپ کی تیغ کا کشتہ ہو عاشقوں کا سر سلامت رہے کہ اسی پر آپ خنجر آزمائی فرمائیں) (ترجیح المفسدہ علی المصلاح ج ۲۸)

بدنگاہی اور اس کا علاج

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور وہ کسی کو بری نگاہ سے دیکھ کر آیا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خطاب خاص سے تو اس کو کچھ نہ فرمایا لیکن یہ فرمایا **مابان اقوام یترشح الزنامن اعینھم**. یعنی لوگوں کا کیا حال ہے کہ ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے تو یہ عنوان ایسا ہے کہ اس میں رسوائی کچھ نہیں لیکن جو کرنے والا ہے وہ سمجھ جائے گا کہ مجھے فرمار ہے ہیں اہل کشف نے لکھا ہے کہ بدنگاہی سے آنکھوں میں ایک ایسی ظلمت ہو جاتی ہے کہ جس کو تھوڑی سی بصیرت ہو وہ پہچان لے گا کہ اس شخص کی نگاہ پاک نہیں ہے اگر دو شخص ایسے لئے جاویں کہ عمر میں حسن و جمال میں اور ہر امر میں وہ برابر ہوں فرق ان میں صرف اس قدر ہو کہ ایک فاجر ہو دوسرا متقی ہو جب چاہے دیکھ لو متقی کی آنکھ میں رونق اور دل فریبی ہو گی اور فاسق کی آنکھ میں ایک قسم کی ظلمت اور بے رونقی ہو گی لیکن اہل کشف خصوصیت سے کسی کو کہتے نہیں بلکہ عیب پوشی کرتے ہیں۔

اس کا علاج سہل ہے یہ ہے کہ راہ میں چلنے کے وقت نیچی نگاہ کر کے چلنا چاہیئے اِدھر اُدھر نہ دیکھے ان شاء اللہ تعالیٰ محفوظ رہے گا۔ شیطان جب مردود ہوا تو اس نے کہا تھا **لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْ م بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَائِلِهِمْ** یعنی میں ان کے (گمراہ کرنے کے) لئے تیرے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا پھر ان کے پاس آؤں گا ان کے سامنے سے اور پیچھے سے اور داہنے اور بائیں سے چار سمتیں تو اس نے بتلائیں اور دو سمتیں باقی رہیں اوپر اور نیچے بزرگان دین نے اس میں ایک لطیفہ لکھا ہے کہ اوپر نیچے کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ اکثر گناہ چار سمتوں سے ہوتے ہیں پس بچنے کی دو صورتیں رہیں یا تو اوپر دیکھ کر چلو یا نیچے دیکھ کر مگر اوپر دیکھنے میں تو گر جانے اور آنکھ میں کچھ پڑ جانے کا اندیشہ ہے اس لئے نجات کے لئے یہی شق متعین ہوئی کہ نیچے دیکھ کر چلیں قال اللہ تعالیٰ **وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا** (ترجمہ) اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر تواضع سے چلتے ہیں۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی فرمایا کہ دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ جن کو میں پہچانتا ہوں اور دوسرے

وہ جن کو میں نہیں پہچانتا جن کو پہچانتا ہوں ان کو بلا دیکھے بھی آواز سے پہچان لیتا ہوں دیکھنے کی کیا ضرورت ہے اور جن کو نہیں پہچانتا ان کے دیکھنے سے کیا فائدہ ہے **سبحان اللہ من حسن اسلام المرأ ترکہ مالا یعنیہ** (انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ لایعنی کو چھوڑ دے) پر عمل اس کو کہتے ہیں بعض بزرگوں نے اس نظر کے گناہ سے بچنے کے واسطے جنگل میں رہنا اختیار کرلیا ہے۔ شیخ شیرازی فرماتے ہیں ؎

بزرگے دیدم اندر کوہسارے قناعت کرد از دنیا بغارے
چرا گفتم بشہر اندر نیائی کہ بارے بندے از دل برکشائی
بگفت آنجا پر یرو یان نغزند چوگل بسیار شد پیلاں بلغزند

(میں نے ایک بزرگ کو پہاڑ کے ایک غار کے کونے میں بیٹھے دیکھا، میں نے اس سے کہا کہ آپ شہر کے اندر کیوں نہیں آتے وہاں بندہ کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا کہ وہاں کے حسین نفرت کرتے ہیں جب پھول زیادہ ہو جاتے ہیں تو ریشم کے کیڑے گرتے ہیں)
(غض البصر ج ۲۸)

بدنظری کی دنیا میں سزا

ایک بزرگ طواف کر رہے تھے اور ایک چشم تھے اور کہتے جاتے تھے **اللّھم انی اعوذبک من غضبک** کسی نے پوچھا کہ اس قدر کیوں ڈرتے ہو کیا بات ہے کہا میں نے ایک لڑکے کو بری نظر سے دیکھ لیا تھا غیب سے چپت لگا اور آنکھ پھوٹ گئی اس لئے ڈرتا ہوں کہ پھر عود نہ ہو جاوے حضرت جنیدؒ چلے جا رہے تھے ایک حسین لڑکا نصرانی کا سامنے آ رہا تھا ایک مرید نے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ ایسی صورت کو بھی دوزخ میں ڈالیں گے حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تو نے اس کو نظر استحسان سے دیکھا ہے عنقریب اس کا مزہ تم کو معلوم ہوگا چنانچہ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ وہ شخص قرآن بھول گیا نعوذ باللہ بعضے سچے بزرگ حسن پسند ہوتے ہیں بعض کو اس سے دھوکہ ہو گیا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ حسن پرست تھے تو ہم اگر ایسا کریں تو کیا مضائقہ ہے سبحان اللہ کیا استدلال ہے بات یہ ہے ؎

کارپاں کاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(نیک لوگوں کو اپنے اوپر قیاس مت کرو اگرچہ دیکھنے میں تمہارا اور ان کا کام یکساں ہو جیسے لکھنے میں شیر اور شیر (دودھ) یکساں ہے)

میں ان کی حسن پرستی کی حقیقت بتلاتا ہوں کہ وہ اس معنی کے حسن پرست نہ تھے جیسے کہ لوگ سمجھتے ہیں بلکہ ان کو ہر حسین شئے اچھی معلوم ہوتی تھی اور ہر بری بے قاعدہ شئے سے اس قدر نفرت تھی کہ ان کو بدصورت اور بے ڈھنگی شئے دیکھنے سے تکلیف ہوتی تھی۔(غض البصر ج ۲۸)

قلب کو گناہ سے روکنے کے تین درجات

اس کے بعد سمجھنا چاہیئے کہ اس مرض کے ازالہ میں تین درجہ ہیں قلب کو باوجود تقاضے کے روکنا تقاضے کوضعیف کر دینا اور قلع المقتضے یعنی مادہ ہی کا قلع قمع کر دینا ان میں سے قلب کو روکنا یعنی دل کو خود اس طرح متوجہ نہ ہونے دینا یہ امر تو اختیاری ہے کہ اگر آپ سے آپ جائے تو تم اس کو روکو اور اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ جب قلب کسی حسین کی طرف مائل ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ فوراً کسی کریہ المنظر بدشکل بدصورت بدہیئت کی طرف دیکھو اگر کوئی موجود نہ ہو کسی ایسے بدصورت کا خیال باندھو کہ ایک شخص ہے کالا رنگ ہے چیچک کے داغ ہیں۔ آنکھوں سے اندھا ہے سر سے گنجا ہے رال بہہ رہی ہے دانت آگے کو نکلے ہوئے ہیں ناک سے نکلتا ہے ہونٹ بڑے بڑے ہیں سنک بہہ رہا ہے اور مکھیاں اس پر بیٹھی ہیں گو ایسا شخص دیکھا نہ ہو مگر قوت متخیلہ سے تراش لو کیونکہ تمہارے دماغ میں ایک قوت متخیلہ ہے آخر اس سے کسی روز کام تو لو گے متخیلہ کا کام تو جوڑ کا ہے جب ایسا شخص فرض کیا جا سکتا ہے اس کا مراقبہ کرو ان شاء اللہ تعالیٰ وہ فساد جو حسین کے دیکھنے سے قلب میں ہوا ہے وہ جاتا رہے گا اور اگر پھر خیال آوے پھر بھی تصور کرو اور گر یہ مراقبہ کفایت کے درجہ میں نافع نہ ہو اور بار بار پھر اسی حسین کا تصور ستاوے تو یوں خیال کرو کہ یہ محبوب ایک روز مرے گا اور قبر میں جاوے گا وہاں اس کا نازک بدن سڑگل جاوے گا کیڑے اس کو کھالیں گے۔ یہ خیال تو فوری علاج ہے اور آئندہ کے لئے تقاضا پیدا ہونے کا علاج یہ ہے کہ ذکر اللہ کی کثرت کرو دوسرے یہ کہ عذاب الٰہی کا تصور کرو تیسرے یہ کہ یہ تصور کرو کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اس کو مجھ پر پوری قدرت ہے طول مراقبات اور کثرت مجاہدات سے یہ چور دل میں سے نکلے گا۔ جلدی نہ جاوے گا۔ جلدی نہ کرے اس لئے کہ ایسا پرانا مرض ایک دن یا ایک ہفتہ میں نہیں جاتا۔

تیسرا درجہ یہ کہ مادہ ہی منقطع ہو جاوے یعنی بالکل میلان ہی کبھی پیدا نہ ہو یہ وہ مرتبہ ہے کہ جس کو نادان سالک مطلوب سمجھتے ہیں اور اس کے حاصل نہ ہونے پر پریشان ہوتے ہیں یعنی جب

اپنے اندر کسی وقت ایسا میلان پاتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہمارا سب شغل ومجاہدہ ضائع گیا حتیٰ کہ ایسے کلمات پریشانی میں ان کے منہ سے نکل جاتے ہیں کہ بے ادبی اور گستاخی ہوجاتی ہے مثلاً ہم اتنے زور سے طلب حق میں رہے مگر ہم پر رحم نہیں آتا کہ ویسے ہی محروم ہیں۔(غض البصر ج ۲۸)

بدنظری کا علاج

صاحبو اگر حق تعالیٰ سامنے کھڑا کر کے اتنا دریافت فرمالیں کہ تو نے ہم کو چھوڑ کر غیر پر کیوں نظر کی تو بتلایئے کیا جواب ہے یہ ہلکی بات نہیں اس کا بہت بڑا اہتمام کرنا چاہئیے ایک اور تدبیر ہے جو مقوی ہے ان تدابیر کی وہ یہ کہ جب قلب میں ایسا خیال پیدا ہو تو ایسا کرو کہ وضو کر کے دو رکعت پڑھو اور توبہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو جب نگاہ پڑے یا دل میں تقاضہ پیدا ہو فوراً ایسا ہی کرو ایک دن تو بہت سی رکعتیں پڑھنا پڑیں گی۔ دوسرے دن بہت کم ایسا خیال آوے گا۔ اسی طرح بتدریج نکل جاوے گا۔ اس لئے کہ نفس کو نماز بڑی گراں ہے۔ جب دیکھے گا کہ ذرا سا مزا لینے پر یہ مصیبت ہوتی ہے یہ ہر وقت نماز ہی میں رہتا ہے پھر ایسے وسوسہ نہ آویں گے۔

مہمان کو کھانا کھلانے کا ایک ادب

کھانے کے متعلق ایک ادب میں نے امام مالکؒ کے معمول سے معلوم کیا ہے یہ لوگ واقعی دین میں تو امام تھے ہی دنیا کے بھی امام تھے اور بلا خوف مخالفت کہتا ہوں کہ دنیا کا سلیقہ بھی سیکھنا ہو تو اہل اللہ سے سیکھو اہل دنیا کو سلیقہ کی ہوا بھی نہیں لگی گو دعویٰ کتنا ہی کریں میں نے امام شافعیؒ کا سفرنامہ دیکھا ہے اس میں مذکور ہے کہ جب وہ امام مالکؒ کے یہاں مہمان ہوئے تو خادم نے اول ان کے ہاتھ دھلوانا چاہا امام مالکؒ نے فرمایا اول ہمارے ہاتھ دھلواؤ۔ اسی طرح کھانا خادم نے پہلے امام شافعیؒ کے سامنے رکھنا چاہا امام مالکؒ نے پہلے اپنے سامنے رکھوایا اور خود کھانا شروع کر کے کہا آپ بھی کھایئے کتاب میں تو فقط یہ قصہ لکھا ہے اور وجہ نہیں لکھی کہ امام صاحب نے ایسا کیوں کیا جو بظاہر اکرام ضیف کے خلاف معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان بزرگوں کے فیض سے اور ان کی صحبت کی برکت سے میری سمجھ میں اس کی وجہ آ گئی اور بزرگوں کا فیض وفات کے بعد بھی ہوتا ہے۔(ازالۃ الغین عن آلۃ العین ج ۲۸)

اہل اللہ کے الفاظ میں بھی تاثیر ہوتی ہے

برکت بڑی وسیع چیز ہے تجربہ کر کے دیکھ لیجئے کہ اہل ظلمت کی تصنیف میں ظلمت ہوتی ہے گو اس میں نوری ہی باتیں ہوں اور اہل اللہ کی تصنیفات سے ایک نور پیدا ہوتا ہے گو معمولی مضامین ہوں اور ذوق صحیح سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے اہل اللہ کے الفاظ میں ایک خاص اثر ہوتا ہے حضرت غوث اعظمؒ کے صاحب زادے نے وعظ کہا وہ علوم سے فراغت کے بعد تشریف لائے تھے بہت حقائق و معارف بیان کئے مگر مجمع میں کوئی اثر نہ دیکھا خیال ہوا کہ یہ لوگ رقیق القلب نہیں اور ان کو حیرت ہوئی کہ ایسے مضامین نے اثر نہ کیا حضرت غوث اعظمؒ کو یہ خیال مکشوف ہوا اور حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے رات سحری کے لئے دودھ رکھا تھا وہ بلی نے پی لیا بس ہم نے بے سحری روزہ رکھا یہ سنتے ہی لوگ زار زار رونے لگے صاجزادے دیکھنے لگے کہ یہ بھی کوئی رونے کی بات تھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ رونے کی بات نہ تھی مگر ان کے الفاظ میں تاثیر ہوتی ہے از دل خیزد بر دل ریزد (دل سے نکلے دل پر اثر کرے) بس جب یہ معلوم ہو گیا کہ اہل اللہ کے الفاظ میں بھی تاثیر ہوتی ہے اور ان کا یہ فیض باقی رہتا ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ ان کی برکت سے میں نے یہ سمجھا کہ اصل مقصود امام مالکؒ کا یہ تھا کہ امام شافعیؒ کو بے تکلف کر دیں کہ جتنا انبساط ہو گا اتنا سیر ہو کر کھاویں گے اور ذوق سلیم ہو تو بے تکلف کرنے کا طریقہ سب سے اچھا یہ ہے کہ پہلے خود شروع کر دے کیونکہ مہمان کو ابتداء کرتے ہوئے تکلف ہوتا ہے اور حجاب ہوتا ہے اور اصل مقصود تو امام مالکؒ کا اکل من تقدیم تھی مگر مقدمات تابع ہوتے ہیں اس لئے ان میں بھی تبعاً تقدیم کی ۔ (ازالۃ الغین عن آلۃ العین ج ۲۸)

میزبانی کا ایک اور ادب

مہمان کو تکلیف نہ دے اور اپنے طور پر کھانے وغیرہ کا خیال رکھے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں لیکن اس پر ظاہر نہ ہو کہ یہ مجھ پر مسلط ہے اور مجھ کو تک رہا ہے بس سرسری طور پر دیکھنا کافی ہے ٹکٹکی باندھ کر نہ بیٹھ جائے خیر یہ قصہ درمیان میں آ گیا تھا۔ میں اصل میں یہ کہہ رہا تھا کہ اطعمہ میں کسی ترتیب خاص کی ضرورت نہیں ہاں اگر طبی ضرورت کسی کھانے کو مقدم مؤخر کرنے کی ہو تو طبیب کا منصب ہے کہ اس کو بتلا دے اور مریض یا حفظ

ما تقدم کرنے والے کو اس کا اتباع کرنا چاہیئے ورنہ اپنی رغبت کے موافق کھاوے کیونکہ کھانے کے بارے میں مذاق مختلف ہوتے ہیں۔(ازالۃ الغین عن آلۃ العین ج ۲۸)

لاعلمی کے کرشمے

بعض لوگ میرے پاس خط لکھتے ہیں کہ قلب میں قساوت ہے اور جب میں ان سے قساوت کی تفسیر پوچھتا ہوں تو جواب میں لکھتے ہیں کہ عبادت میں مزا نہیں آتا پس مزا نہ آنے کو وہ قساوت سمجھ بیٹھے ہیں اور خواہ مخواہ پریشان ہوتے ہیں اور اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ مدارس میں کوئی ایسی کتاب داخل درس نہیں جس میں فن کے اصطلاحی کلمات کی تفسیر اور تعریف ہو کسی درسی کتاب میں عجب کی تعریف نہیں ریا کی تعریف نہیں اور تفسیر معلوم نہ ہونے سے دو غلطیاں ہوتی ہیں ایک یہ کہ مرض موجود ہوتا ہے اور اپنے آپ کو مریض نہیں سمجھتے دوسرے اس کا عکس یعنی باوجود تندرست ہونے کے اپنے کو مریض خیال کرتے رہتے ہیں جیسا کہ امراض جسمانی میں ہوتا ہے کہ ناواقف آدمی بعض دفعہ تو بدوں بخار کہہ دیتا ہے کہ بخار ہے اور بعض دفعہ بخار ہوتا ہے مگر یہی سمجھے جاتا ہے کہ بخار نہیں ہے یہاں تک کہ دق ہو جاتی ہے اور دق کرتی ہے اس لاعلمی کی وجہ سے بہت لوگ ایسے ہیں کہ ان کے مرض کی تشخیص کی جاتی ہے تو وہ مخالفت کرتے ہیں۔

جیسا کہ میں نے ایک شخص کے متعلق تشخیص کیا کہ تم میں کبر ہے ان کو برا معلوم ہوا پھر پانچ برس کے بعد اقرار کیا اور اصل وجہ اس کوتاہی کی یہ ہے کہ واقع میں تو طریقت نام ہے مجموعہ اعمال ظاہر و باطن کی اصلاح و تکمیل کا مگر اب طریقت نام رہ گیا ہے فقط وظائف و کیفیات کا حالانکہ کیفیات کا تو مقصود میں دخل ہی نہیں وہ خود مقصود ہو بترتیب غیر لازمی مرتب ہیں اور وظائف کا درجہ عرق بادیان جیسا ہے اور اعمال کا درجہ مسہل جیسا ہے یعنی جس طرح اخراج مادہ کے لئے مسہل کی ضرورت ہے اور عرق بادیان اس کی اعانت کرتا ہے۔(ازالۃ الغین عن آلۃ العین ج ۲۸)

قساوت کیا ہے؟

قساوت اصطلاحی لفظ ہے اور اصطلاح ہر وقت مستحضر نہیں رہتی ایسے نکتے صحبت سے حل ہوتے ہیں اس عدم استحضار سے خود اس کی یہ تفسیر کر لیتے ہیں کہ مزا نہیں آتا حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ مزا غیر اختیاری ہے اور قساوت پر وعید آئی ہے اور غیر اختیاری سے وعید متعلق نہیں ہو سکتی

کہ اس میں تکلیف مالا یطاق (جس کی طاقت نہ ہو) ہے جو خلاف ہے **لایکلّف اللّٰہ نفساً الاّ وُسعَھَا** اللہ تعالیٰ وسعت سے زیادہ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتے کہ پس ثابت ہوا کہ قساوت اور شئے ہے اور مزانہ آنا اور شئے ہے دراصل قساوت عدم تاثر قلب کا نام ہے اور اثر بھی وہ جس کا پیدا کرنا اس کے اختیار میں ہے اور اس قساوت پر وعید آئی ہے اس لئے اس کو دور کرنا ضروری ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **ان ابعد الشی من اللّٰہ القلب القاسی** یعنی سب چیزوں میں خدا سے زیادہ دور قلب قاسی ہے قرآن شریف میں ہے **فویل للقاسیۃ قلوبھم من ذکراللّٰہ** یعنی ہلاکی ہے ان کے لئے جن کے دل خدا تعالیٰ کی یاد سے سخت ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ قساوت مقابل ہے لین کے اور لین کے دو درجے ہیں ایک عقلی یہ اختیاری ہے اور یہی مامور بہ ہے اس میں خلل بھی اختیار سے آتا ہے اسی واسطے اس پر مواخذہ ہے اور دوسرا درجہ طبعی ہے اور اس میں کبھی اختلاف فطرت سے کبھی قلت و کثرت مزاولت سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور درجہ عقلی کی تدبیر تفکر ہے اور گو تفکر کے بعد اثر ہونا اور لین پیدا ہونا اختیاری نہیں ہے مگر حق تعالیٰ شانہ کی عادت ہے کہ اس کے بعد پیدا کر ہی دیتے ہیں پس یہ درجہ لین کا اختیاری اس معنیٰ کے ہوا کہ اس کا سبب اختیاری ہے جیسا کہ بصر کو اختیاری کہتے ہیں حالانکہ براہ راست اختیاری نہیں کیونکہ آنکھ کھولنے کے بعد نہ دیکھنا اختیار میں کہاں ہے اور اختیاری وہی ہے کہ جس کا کرنا نہ کرنا دونوں قدرت میں ہوں اس سے معلوم ہوا کہ آنکھ کھولنا تو اختیاری ہے اور دیکھنا غیر اختیاری مگر چونکہ آنکھ کھولنے کے بعد دیکھنا لازم ہے اس لئے دیکھنے کو اختیاری کہا جاتا ہے بس اسی طرح لین بھی اپنی ذات میں غیر اختیاری ہے مگر اس کا سبب یعنی تفکر اختیاری ہے اور اس تفکر پر وہ ہمیشہ مرتب ہو جاتی ہے اس واسطے لین کو اختیاری کہا جاوے گا خوب سمجھ لو اور اس پر ایک تفریع بھی کرتا ہوں وہ یہ کہ کوئی مسلمان اپنے متعلق قساوت کا گمان نہ کرے کیونکہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جو وعید سن کر فکر نہ کرے اور اس کے قلب میں مواخذہ اخروی کھٹکا نہ پیدا ہو جاوے گو ضعیف ہی ہو مگر ہوتا ہے ہر مسلمان کو ضرور اور اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس کے دل میں مصیبت کر کے اور وعید سن کر اندیشہ بھی پیدا نہیں ہوتا تو وہ اپنا علاج کرے اول تو اس کا مسلمان ہونا ہی مشکل ہے مگر میں اس سے بحث نہیں کرتا فقط علاج کے لئے کہتا ہوں اگر خدانخواستہ اس درجہ کو مرض پہنچ گیا

ہے کہ ایمان بھی باقی نہیں رہا تو اس کے علاج کا ایک جز وتجدید ایمان بھی ہے اس لئے میں عام لفظ کے ساتھ کہتا ہوں کہ علاج کرے (ازالۃ الغین عن آلۃ العین ج ۲۸)

شیخ کا ایک ادب

شیخ کو تعلیم کا طریقہ مت سکھلاؤ اس کو حق تعالیٰ نے سکھلا دیا ہے جب طبیب کے سامنے بولنے کی اجازت نہیں ہے تو شیخ کے سامنے کیسے ہو سکتی ہے اور اگر تم ایسے ہی طبیب کے بچے ہو تو خود ہی علاج کر لیا کرو لوگ آتے ہیں اور فرمائش کرتے ہیں کہ فلانا مراقبہ بتا دو تم ہو کون اس مراقبہ کو تجویز کرنے والے یہ وہی غلطی ہے کہ اپنا علاج خود کرنا چاہتے ہیں مریض کو چاہئے کہ حالات طبیب سے کہہ کر بس کہہ دے۔

سپردم بتو مایہ خویش را تو دانی حساب کم و بیش را

(اپنی پونجی تجھ کو سپرد کر دی کم وبیش کا حساب تو جانے)

جیسے دن رات طبیبوں کے سامنے یہی کرنا پڑتا ہے اگر چہ بعض طبیب بھی نرم ہوتے ہیں کہ مریضوں کی فرمائش پر علاج کرتے ہیں مگر یہ طریقہ صحیح نہیں ہے اور نہ ہر وقت چل سکتا ہے حکیم محمود خان صاحب آن بان کے آدمی تھے بعضے اطباء امراء کی عادت بگاڑ دیتے ہیں اور خوشامد میں جس طرح وہ چاہتے ہیں علاج کرتے ہیں مگر محمود خاں صاحب کی یہ حالت تھی کہ جہاں کسی نے کہا کہ یہ دوا سرد ہے یا گرم کہہ دیتے گدھے ہو تم کیا جانو بات یہ ہے کہ وہ اہل کمال تھے اور کمال میں خاصہ ہے استغناء کا اسی واسطے کیمیا گر کسی کو منہ نہیں لگاتا گو فقیر ہو اور پھٹے حال میں ہو مگر کمال کا خاصہ یہی ہے۔(الظاھر ج ۲۸)

اصلاح باطن کیلئے اہل علم کو توجہ کی ضرورت

شیخ کے سامنے تو اتباع کامل اور انقیاد محض کی ضرورت ہے جو بھی معالجہ وہ تجویز کرے اپنے علم اور تحقیق کو بالائے طاق رکھنا چاہئے بعض اہل علم کو یہی خیال ہوتا ہے کہ وہاں ہماری خاطر ہوگی مگر وہاں جا کر اس کا عکس ہوا کہ وہاں تو مولانا تھے اور اس نے پلہ داری اور کفش برداری وغیرہ کرائی بس ان کا دل ٹوٹ گیا اور بھاگ کھڑے ہوئے اب اس طرف جاتے بھی نہیں نتیجہ یہ کہ تمام عمر ویسے ہی رہتے ہیں حتیٰ کہ اکثر کی حالت تو یہ ہوتی ہے۔

از بروں چوں گور کافر پر حلل　　　واندروں قہر خدائے عزوجل
از برون طعنہ زنی بربا یزید　　　وز درونت ننگ میدارد یزید

(ظاہری حالت تمہاری تو گور کافر کی طرح آراستہ و پیراستہ ہے اور اس کے اندر خدا بزرگ و برتر کا قہر و غضب نازل ہے ظاہر سے تو بایزید بسطامیؒ جیسے بزرگ پر طعنہ زنی کرتے ہو اور تمہاری اندرونی حالت سے شیطان بھی شرماتا ہے)(الظاھر ج ۲۸)

رسومات زمانہ

ایک مقام پر ایک شاہ صاحب کا یہ طرز عمل تھا کہ مرید اور مریدنیاں سب جمع ہیں جس مریدنی کو جی چاہا پیار کر لیا اور اس پر ان کے مرد کہتے ہیں اب تو پیر کا منہ تمہارے منہ کو لگ گیا اب ہم منہ لگانے کے قابل نہیں ہیں۔ گردن زدنی ہیں یہ مشائخ اور یہ لوگ دیوث ہیں میرے ماموں صاحب ایک ایسی ہی جگہ کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ وہاں کے فقراء تو دوزخی ہیں اور امراء جنتی ہیں کیونکہ فقراء تو یہ حرکات نفس پرستی کے لئے کرتے ہیں اور امراء خدا پرستی کے لئے ایسوں کے بھی معتقد ہیں۔(الظاھر ج ۲۸)

اصل کارآمد عمل ہے

صاحبو نرے باطن کی یہ حقیقت ہے اسی کو کہا ہے۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال　　　صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

یعنی صرف رونے سے اگر وصال محبوب ہو جایا کرتا تو یہ تو بہت سہل تھا سو سو برس رولیا کرتے مطلب یہ ہے کہ کوشش سے کام ہوتا ہے رونے سے کچھ نہیں ہوتا رونا خیال کے مرتبہ میں ہوتا اور کوشش عمل ہے۔

حاصل یہ کہ کارآمد عمل ہے نہ کہ خیال اور کہا گیا ہے (یہ حضرت علیؓ کی طرف منسوب ہے خدا جانے کہاں تک سچ ہے)۔

لو کان هذا العلم يدرک بالمنىٰ　　　ما كان يبقى في البرية جاهل
فاجهد ولا تكسل ولا تک غافلاً　　　فندامة العقبى لمن يتكاسل

یعنی علم و معرفت اگر صرف تمنا اور خیال سے حاصل ہو جایا کرتا تو دنیا میں کوئی

بھی اس سے محروم نہ رہتا مگر ایسا نہیں ہے اس دھوکہ میں مت رہو اور کوشش کرو اور عمل کرو اور جو کوئی سستی کرتا ہے اس کو انجام کار پچھتانا پڑے گا صاحبو خوب سمجھ لیجئے کہ کوئی مقصود بلا مشقت اور بلا ہاتھ پیر ہلائے۔(الظاھر ج ۲۸)

بیعت مروجہ کی مصلحت

بیعت مروجہ میں یہی مصلحت ہے کہ جانبین کو خیال ہو جاتا ہے دونوں کو ایک دوسرے سے اعانت کی امید ہوتی ہے۔ایک دیہاتی آدمی مجھ سے بیعت ہوا میں نے پوچھا بیعت کی تمہارے نزدیک کیا ضرورت ثابت ہوئی نماز روزہ تو بلا اس کے بھی کیا جاسکتا ہے۔کہا میں بیعت اس واسطے ہوا ہوں کہ ویسے تو ذرا سستی بھی نماز روزہ میں ہو جاتی ہے بیعت سے ذرا خیال ہو جاتا ہے کیا کام کی بات ہے۔(ادب الاعلام ج ۲۸)

آداب طریقت

الہ آباد میں مجھ سے ایک شخص بیعت ہوا اور بعد میں ایک روپیہ نذر دیا میں نے لینے سے انکار کیا اس نے کہا میں خلوص سے دیتا ہوں، میں نے کہا مانا تم خلوص سے دیتے ہو اور اس وجہ سے مجھ کو واپس بھی نہ کرنا چاہئے لیکن اس میں ایک بڑا مفسدہ ہے وہ یہ کہ جن کے پاس روپیہ دینے کو نہیں ہے وہ بیعت نہ ہو سکیں گے تو غریب آدمیوں کے لئے بیعت کا سلسلہ مسدود ہی ہو جائے گا تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ خدائے تعالیٰ کا راستہ بھی روپے ہی سے مل سکتا ہے۔(ادب العشیر ج ۲۸)

ولایت کی دو قسمیں

ولایت کی دو قسمیں ہیں ایک ولایت عامہ دوسرے ولایت خاصہ۔سو طلباء میں ولایت عامہ کا تحقق ہے اور ولایت عامہ کا اجتماع مذمت کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے کیونکہ ولایت عامہ تو ہر مسلمان میں ہے۔گو وہ کیسا ہی فاسق ہو اور ظاہر ہے کہ مسلم فاسق باوجود اس ولایت کے محل مذمت و زجر بھی ہے۔غرض آج کل طلباء اس طبقہ سے یعنی مولویوں کے زمرہ سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔میں کہتا ہوں کہ پھر دوسرا راستہ موجود ہے۔وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ. (اور

ہم نے ان کو دونوں راستے بتلا دیئے) تم کو اگر مولویت سے عار ہے تو دوسرے طبقہ میں چلے جاؤ اور پوری طرح جنٹلمین ہی بن جاؤ، مولویت کے ساتھ جنٹلمینی کو کیوں جمع کرتے ہو۔ اس سے تو دونوں فرقوں میں قدر نہیں ہوتی۔ ایسا شخص دونوں جگہ ذلیل ہوتا ہے اور اگر کوئی ایک طبقہ میں کامل طور سے داخل ہو تو کم از کم اس طبقہ میں تو اس کی تعظیم ہوگی اور عالم کی تو اہل دنیا میں بھی تعظیم ہوتی ہے۔ بشرطیکہ اس میں طمع نہ ہو جو مانع عظمت ہے جو عالم طمع سے خالی ہو اس کی علماء بھی تعظیم کرتے ہیں اور دنیا دار بھی چاہے اس کا کیسا ہی خستہ حال ہو اور اہل دنیا نہ بھی تعظیم کریں تو علماء تو ضرور اس کی وقعت کریں گے۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

سلوک عمل بالشریعت کا نام ہے

حضرات صوفیہ کے کلام کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو ان سے زیادہ کوئی نہیں سمجھتا۔ ان کے کلام میں یہ حقیقت نمایاں طور پر مذکور ہے۔ چنانچہ انہوں نے عمل بالشریعۃ کا نام سلوک رکھا ہے جو سفر کے معنی میں ہے اور شریعت پر چلنے والے کو سالک کہتے ہیں اور اعمال کا نام مقامات رکھا جو منازل کے معنی میں ہے۔ شاید کوئی کہے کہ تم کو صوفیہ سے محبت ہے اس لیے خوش اعتقادی کی وجہ سے یوں سمجھ لیا کہ صوفیہ نے قرآن سے اس مضمون کو سمجھ کر یہ نام رکھے ہیں۔ تو میں کہتا ہوں بہت اچھا اگر انہوں نے قصداً قرآن سے سمجھ کر یہ نام نہیں رکھے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ان کی طبیعت میں سلامتی ایسی تھی کہ ان کی زبان سے وہی بات نکلی جو خداتعالیٰ نے قرآن میں بتلائی ہے مگر جب صوفیاء کے کلام میں مضمون جابجا پوری صراحت سے مذکور ہے تو ہم کیوں نہ کہیں کہ انہوں نے حقیقت کو قرآن سے سمجھ کر یہ نام رکھے ہیں۔ چنانچہ عارف فرماتے ہیں:

مرا در منزل جاناں چہ امن وعیش چوں ہر دم　　جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملها

(منزل محبوب میں امن وسکون کہاں ہے جبکہ ہر وقت کوچ کی گھنٹی بجتی ہے کہ سامان سفر باندھو)

(الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

غلطی کا منشاء

طریق باطن میں سالک کو کبھی توقف کا وہم ہوتا ہے مگر وہ توقف نہیں ہوتا واقع میں یہ چل رہا ہے لیکن اس کو اپنی سیر کا احساس نہیں ہے اور غلطی کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ ترقی کے

کچھ آثار غیر لازمہ ہیں' سالک ناواقفی سے ان کو آثار لازمہ سمجھ کر ان کے انتفاء سے ترقی کے انتفاء پر استدلال کرتا ہے۔ پس حقیقی توقف اس سفر میں کبھی نہیں ہوتا اور کسی کو نہیں ہوتا سب برابر مشغول سیر ہیں۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ:

سیر زاہد ہر دمے یکسالہ راہ　　　سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ

(زاہد ایک مہینہ میں ایک سال کی راہ طے کرتا ہے اور عارف ذراسی دیر میں تخت شاہ تک پہنچ جاتا ہے اور تخت شاہ پر پہنچ کر بھی سیر ختم نہیں ہوتی) اور حصول نسبت جس کو اصطلاح میں تکمیل کہتے ہیں اس کو تکمیل کہنا ایسا ہے جیسے طلباء کی دستار بندی کو تکمیل کہتے ہیں' کیا دستار بندی کے بعد سیر علمی ختم ہو جاتی ہے' ہرگز نہیں بلکہ اب تو پہلے سے زیادہ سیر شروع ہوتی ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ راستہ تو ابھی کھلا ہے اور صحیح سیر تو اب ہوگی۔ اے نو آموز طالب علمو یہ مت سمجھنا کہ دستار بندی اور سند ملنے کے بعد بس کام ختم ہو گیا بلکہ اصلی کام کا وقت تو اس کے بعد آئے گا۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

جذب کی حقیقت

صوفیاء نے لکھا ہے کہ سلوک ایک خاص مقام تک ہوتا ہے اس کے بعد جذب ہوتا ہے (جذب کی حقیقت میں آگے بتلاؤں گا) اس کے بغیر کام نہیں چلتا جو لوگ گمراہ ہوئے ہیں وہ وہی تھے جو سالک محض تھے مجذوب نہ تھے جیسے ابلیس و بلعم باعور وغیرہ جذب کے بعد کوئی گمراہ نہیں ہوتا۔ الفانی لا یرد کے یہی معنی ہیں۔ اب جذب کی حقیقت سنئے' جذب کے معنی ہیں لغت میں کشش کرنا' کھینچنا اور اصطلاح میں جذب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو اس سے محبت ہو جائے جس کی علامت یہ ہے کہ سالک پر داعیہ اضطرار یہ غالب ہو جائے اور اس سے کوئی واصل خالی نہیں ہوتا خواہ نقشبندی ہو یا چشتی۔ البتہ اکثر نقشبندیہ پر جذب کے آثار بادی النظر میں کم ظاہر ہوتے ہیں مگر اس دولت سے وہ بھی مشرف ہوتے ہیں۔ اسی کو عارف جامی فرماتے ہیں:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند　　　کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

(نقشبندیہ عجیب سالار قافلہ ہیں کہ مخفی راہ سے سالکین کو خدا رسیدہ بنا دیتے ہیں) اور حضرت شیفتہ ذکر خفی کی نسبت فرماتے ہیں:

چہ خوش ست باتو بزمے بنہفتہ ساز کردن　　　درخانہ بند کردن سر شیشہ باز کردن

(یعنی وہ اس طرح سالک کو لیجاتے ہیں کہ دوسروں کو خبر بھی نہیں ہوتی مگر جذب سے

وہ بھی خالی نہیں ہوتے مگر یہ مت سمجھنا کہ راہ مخفی سے لیجانا نقشبندیہ ہی کے ساتھ مختص ہے بلکہ چشتیہ بھی بعضوں کو اسی طرح پہنچاتے ہیں۔) (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

چشتیہ اور نقشبندیہ کا فرق

یہ چشتیت اور نقشبندیت محض الوان طریق کا نام ہے کہ چشتیہ کا لون یہ ہے کہ وہ اول تخلیہ کرتے ہیں پھر تجلیہ اور نقشبندیہ کا لون یہ ہے کہ وہ اول تحلیہ کرتے ہیں پھر تجلیہ اور یہ بھی متقدمین کا مذاق تھا اب تو دونوں طریق کے محققین کا فیصلہ یہ ہے کہ تخلیہ اور تجلیہ ساتھ ساتھ کرنا چاہیے۔ اب ہر محقق چشتی بھی ہے اور نقشبندی بھی لیکن یہ فرق ضرور ہے کہ باوجود دونوں کو جمع کرنے کے چشتیہ تخلیہ کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور نقشبندیہ تحلیہ کا اور اس فرق مذاق کی وجہ سے پہلے یہ قاعدہ تھا کہ جس طالب کو جس لون سے مناسبت ہوتی تھی مشائخ اس کو ایک دوسرے کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔ نقشبندیہ اپنے بعض مریدوں کو چشتیہ کے یہاں بھیج دیتے اور چشتیہ بعض طالبوں کو نقشبندیہ کے یہاں بھیج دیتے لیکن آج کل تو ہڑبونگ ہو رہا ہے کہ اکثر مشائخ سب کو ایک ہی کی طرف کھینچنا چاہتے ہیں باقی جو محقق ہیں وہ اب بھی طالب کو اس کی مناسبت کے موافق مشورہ دیتے ہیں۔ مولوی محمد منیر صاحب نانوتوی نے ہمارے حضرت حاجی صاحب سے پوچھا کہ حضرت میرے لیے خاندان چشتیہ میں بیعت ہونا مناسب ہے یا نقشبندیہ میں حضرت نے فرمایا کہ پہلے تم ہمارے ایک سوال کا جواب دیدو پھر بتلائیں گے۔ ایک شخص ایسی زمین میں جس کے اندر جھاڑ جھنکاڑ کثرت سے ہیں تخم پاشی کرنا چاہتا ہے تو بتلاؤ تمہاری رائے میں اس کو پہلے جھاڑ جھنکاڑ صاف کر کے بعد میں تخم پاشی کرنا چاہیے یا اول تخم پاشی کر دے پھر رفتہ رفتہ جھاڑوں کو بھی صاف کرتا رہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میرے نزدیک تو اسے اول تخم پاشی کر دینا چاہیے تا کہ کچھ تو ثمرہ حاصل ہو جائے ایسا نہ ہو کہ جھاڑوں کے صاف کرنے ہی میں عمر ختم ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ بس تم نقشبندیہ سلسلہ میں بیعت ہو جاؤ تم کو انہی کے مذاق سے مناسبت ہے۔ سبحان اللہ حضرت نے دقیق مذاق کو کتنی سہل مثال سے حل فرمایا' پھر طالب کے مذاق کی کیسی رعایت فرمائی کہ صاف کہہ دیا کہ تم نقشبندیہ سے بیعت ہو جاؤ یہ نہیں کہ سب کو اپنے ہی یہاں بھرتی کرنے کی فکر کریں' جیسا آج کل اکثر ہو رہا ہے۔ غرض چشتیت اور نقشبندیت کی

حقیقت یہ ہے کہ تخلیہ اور تحلیہ کے بارے میں ان کا مذاق مختلف ہے یہ فرق نہیں جیسا کہ آج کل بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ چشتیہ کے یہاں ذکر جہر ہے اور نقشبندیہ کے یہاں ذکر خفی۔ یہ تو ہر شیخ طالب کی طبیعت کے مناسب تجویز کرتا ہے خواہ چشتی ہو یا نقشبندی ہو۔ بہرحال جذب سے نقشبندیہ بھی خالی نہیں ہیں اور چشتیہ کا جذب تو مشہور ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بدون جذب کے وصول نہیں ہوسکتا اور بدون وصول کے رجعت سے اطمینان نہیں ہوسکتا (الرحیل الی الخلیل ج۲۹)

قرآن سے جذب کا استدلال

قرآن سے اس جذب کا ثبوت موجود ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَللّٰہُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَھۡدِیۡۤ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ.

(اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف کشش کر لیتے ہیں اور اپنی طرح سے ہدایت کرتے ان لوگوں کو جو ان کی طرف رجوع کرتے ہیں)۔ اس آیت میں جذب وسلوک دونوں کا ذکر ہے مگر نہ اس طرح جیسے ایک جاہل نے کہا ہے کہ قرآن سے صوفیاء کے اشغال ثابت ہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: "**سلطاناً نصیرا و مقاماً محمودا**" (ایک قوت مدد دینے والی محمود) اور یہی اشغال کے بھی نام ہیں گویا اس جاہل کے نزدیک قرآن میں اس جگہ "**سلطاناً نصیرا و مقاماً محمودا**" (ایک قوت مدد دینے والی) سے صوفیاء کی اصطلاح مراد ہے یہ بالکل غلط ہے بلکہ یہاں ان الفاظ کے معنی لغوی مراد ہیں اور صوفیاء نے اپنی اصطلاح کو قرآن کے ان الفاظ سے لیا ہے۔ قرآن میں ان کی اصطلاح مراد نہیں ایسے ہی ایک جاہل نے کہا تھا کہ مولوی خواہ مخواہ کھانے پر فاتحہ دینے کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ قرآن سے اس کا ثبوت ہے کہ قرآن میں ایک سورت ہی فاتحہ کے واسطے نازل ہوئی ہے اور اسی واسطے اس کا نام قرآن سے لے لیا ہے کہ اس عمل میں سورہ فاتحہ کو پڑھنے لگے اور اس کا نام فاتحہ رکھ دیا یہ الٹی منطق ہے کہ قرآن میں سورہ فاتحہ کا نزول اور اس کا نام اس عمل کے لیے ہے تو میں قرآن سے جذب کا ثبوت اس طرح نہیں دیتا بلکہ الفاظ قرآنیہ کو لغوی معنی پر رکھ کر اور تفسیر سلف کو بحال خود رکھ کر ثبوت دیتا ہوں۔ ترجمہ آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف کشش کر لیتے ہیں اور اجتباء اور جبی کے معنی لغت میں کشش ہی کے ہیں اور جذب کے معنی بھی یہی ہیں تو اس سے صاف ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو اپنی طرف ہدایت جذب فرماتے ہیں۔ آگے

ارشاد ہے: "وَیَھۡدِیۡ اِلَیۡہِ مَنۡ یُّنِیۡبُ" (اور اپنی طرف ہدایت کرتے ہیں ان لوگوں کو جو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں) اس میں سلوک کا بیان ہے کیونکہ سلوک کے معنی یہی ہیں انابت الی اللہ خدا کی طرف رجوع کرنا اور طلب میں مشغول ہونا سلوک پر فتح باب کا ترتب ہوتا ہے جس کو ہدایت فرمایا گیا ہے۔ وصول اس پر مرتب نہیں ہوتا وصول اجتباء اور جذب سے ہوتا ہے جب تک ادھر سے جذب نہ ہو وصول نہیں ہوسکتا جس درجہ کا بھی جذب ہوگا اسی درجہ کا وصول ہوگا۔ اگر جذب کامل ہے وصول کامل ہوگا اگر جذب قلیل ہے تو وصول بھی قلیل ہوگا۔ ایک بزرگ نے جذب کی حقیقت کو حسی مثال میں خوب بیان فرمایا وہ ایک بادشاہ کے بالا خانہ کے نیچے سے جارہے تھے بادشاہ نے آواز دی کہ ذرا یہاں تشریف لائیے مجھے ایک سوال کرنا ہے۔ کہا کیوں کر آؤں تم اوپر میں نیچے بادشاہ نے فوراً کمند لٹکا دی کہ اسے پکڑ لیجئے پھر بادشاہ نے کھینچ لیا فوراً اوپر پہنچ گئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم خدا تک کس طرح پہنچے بزرگ نے بے ساختہ جواب دیا کہ جس طرح تم تک پہنچا' اگر میں ملنا چاہتا اور تم نہ ملنا چاہتے تو قیامت تک بھی میں آپ تک نہ پہنچ سکتا۔ تم نے خود ملنا چاہا تو خود ہی کھینچ لیا' اس طرح اللہ تعالیٰ تک پہنچنا دشوار تھا کیونکہ طویل راستہ کا قطع کرنا بندہ سے کہاں ممکن ہے اگر وہ ملنا نہ چاہتے تو قیامت تک وصول نہ ہوتا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے خود ہی ملنا چاہا اور کھینچ لیا جیسا تم نے کمند سے کھینچ لیا۔ سبحان اللہ اہل اللہ کو ذہانت بھی کیسی عطا ہوتی ہے مگر یہ جب عطا ہوتی ہے کہ پڑھا لکھا سب بھلا دو پھر وہ خود علوم کو تمہارے دل میں نقش کرتے ہیں اور جب تک تم اپنے نقش کو نہ مٹاؤ گے اس وقت تک دوسرا نقش اس پر کیسے ہوگا مگر مٹانے کی توفیق بھی اسے ہی ہوتی ہے جس کو وہ کچھ دینا چاہتے ہیں۔ بس یوں کہو کہ جب وہ کچھ دینا چاہتے ہیں تو خود ہی پہلے نقش کو مٹا دیتے ہیں اور خود ہی دوسرا نقش قائم کردیتے ہیں مگر خود بھی لگا رہنا ضرور ہے۔ (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

ذکر و اطاعت

خلاصہ دو چیزیں ہیں انہی میں لگنے سے کام بنتا ہے اور جو بھی پہنچا ہے انہی سے پہنچا ہے۔ میں اس وقت طریقت کا بھانڈا پھوڑ رہا ہوں' لوگوں نے خواہ مخواہ اندھیری کوٹھڑی میں ان کو ڈال کر مقفل کر رکھا ہے اس کو تو بر سر ممبر کہنا چاہیے وہ دو باتیں یہ ہیں ذکر اور اطاعت مگر ان کا طریقہ کسی محقق سے دریافت کرو اپنی رائے سے تجویز نہ کرو۔ حضرت فرید عطار فرماتے ہیں:

گر ہوائے ایں سفر داری دلا   دامن رہبر بگیر و پس برآ

(اے دل اگر اس سفر محبت کے طے کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو دامن رہبر کامل کو مضبوط تھام اور پیچھے آ) اور مولانا فرماتے ہیں:

یار باید راہ را تنہا مرو   بے قلاوز اندریں صحرا مرو

(ساتھی ضرور چاہیے تنہا راستہ مت چل خصوصاً اس طریق میں بلا رہبر کے ہرگز قدم مت رکھے) (الرحیل الی الخلیل ج۲۹)

کتب علوم مکاشفہ واسرار کے مطالعہ کا حکم

جن کتابوں میں علوم مکاشفہ اور اسرار مذکور ہیں ان کو ہرگز نہ دیکھا جائے ان کے متعلق تو صوفیاء خود فرماتے ہیں: "یحرم النظر فی کتبنا" ہماری کتابوں کو دیکھنا حرام ہے ان کو صرف محقق ہی دیکھ سکتا ہے اور وہی ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اوپر جو میں نے کہا ہے کہ یہ باتیں تو برسرممبر کہنا چاہئیں ان سے بھی میری مراد علوم معاملہ وطرق اصلاح نفس ہی ہیں، علوم مکاشفہ و اسرار مراد نہیں ان کو برسرممبر نہ کہنا چاہیے ورنہ مخلوق گمراہ ہو جائے گی۔ (الرحیل الی الخلیل ج۲۹)

تارک دنیا ہونا بڑا مشکل ہے

ہمارے ماموں صاحب فرماتے تھے کہ میاں تارک الدنیا ہونا تو بڑا مشکل ہے مگر جب توفیق حق شامل حال ہوتی ہے تو بندہ متروک الدنیا ہو جاتا ہے کہ دنیا خود اسے چھوڑ کر الگ ہو جاتی ہے اس نے بیوی کو طلاق دیدی اور بیوی نے خلع کر لیا اور اگر دنیا خود اسے نہ چھوڑے تو یہ لاکھ طلاقیں دے وہ لپٹتی ہے اور جہل سے یہی کہتی رہتی ہے کہ تیرے طلاق دینے سے کیا ہوتا ہے، میں نے تو طلاق قبول ہی نہیں کی۔ جیسے ایک جاہل عورت نے اپنے مرد کو یہی جواب دیا تھا اور دوسرا جزو دعویٰ اس حدیث میں مصرح ہے۔ "من تقرب الیٰ شبراً تقربت الیہ ذراعاً" الحدیث (جو شخص میری طرف ایک بالشت چل کر آتا ہے میں اس کی طرف ایک گز آتا ہوں) اور مبداء ومنتہا کے پیچھے ہٹنے اور آگے بڑھنے کا ایک واقعہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ۹۹ خون کیے تھے پھر اس کو توبہ کا خیال ہوا تو ایک عالم کے پاس گیا اور اپنا قصہ بیان کر کے مسئلہ دریافت کیا کہ اسی حالت میں میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں وہ

کوئی جلالی مولوی تھے' کہا تیرے واسطے توبہ کہاں یعنی کیا ۹۹ خون ایک ساعت میں معاف ہو سکتے ہیں' جا تیرے واسطے تو جہنم کا عذاب ہے سائل کو غصہ آیا' اس تلوار سے ان کا بھی خاتمہ کردیا کہ چلو سو میں ایک ہی کی کسر کیوں رہے۔ اس مولوی نے بھی تو اس کو قتل ہی کردیا تھا کہ غریب کو رحمت حق سے مایوس کردیا جس سے کفر کا اندیشہ تھا' شیخ کو ایسا نہ ہونا چاہیے کہ طالبوں کو مایوس کرے۔ اسی واسطے میں کہا کرتا ہوں کہ محض نجدی ہونا کافی نہیں وجدی ہونے کی بھی ضرورت ہے۔ وہ مولوی محض نجدی تھا یعنی زاہد خشک اس لیے اس نے طالب کو مایوس کردیا۔ اگر وجدی بھی ہوتا تو اس کی طلب کو دیکھ کر پگھل جاتا۔ (الرحیل الی الخلیل ج۲۹)

الفاظ میں بڑا اثر ہے

صاحبو! الفاظ میں بڑا اثر ہے اس کو ایک مثال سمجھئے۔ مولوی غوث علی صاحب پانی پتی سے کسی نے شیخ اکبر و فرید عطار و مولانا رومی کے متعلق دریافت کیا کہ وحدۃ الوجود میں گفتگو کرنے والے یہی تین حضرات بڑے ہیں ان میں کیا فرق ہے' فرمایا تینوں ایک ہی بات کہتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ تین مسافر کسی گاؤں میں ایک کنویں پر پہنچے' ایک عورت پانی بھر رہی تھی اس سے پانی مانگا مگر ایک نے تو یوں کہا کہ اماں مجھے پانی پلا دے یہ تو مولانا رومی ہیں' دوسرے نے یوں کہا کہ میرے باوا کی جورو مجھے پانی دیدے' یہ شیخ اکبر ہیں' تیسرے نے یوں کہا کہ میرے باوا سے یوں تو کرانے والی مجھے پانی دیدے' یہ شیخ فرید ہیں۔ اب غور کر لیجئے کہ ان الفاظ کے اثر میں فرق ہے یا نہیں۔ اگر کوئی ماں کو اماں کہے تو وہ خوش ہوگی اور اگر باوا کی جورو یا باوا سے یوں توں کرانے والی کہے تو اس کا منہ نوچنے کو تیار ہو جائے گی۔ حالانکہ معنی سب کے متحد ہیں مجھ پر خود ایک حالت گزری ہے جس میں الفاظ کے اثر کا مجھے پورا مشاہدہ ہوا ہے' ایک بار مجھے سخت مرض ہوا اور ایک حکیم صاحب کے پاس قارورہ بھیجا' انہوں نے قارورہ دیکھ کر یہ کہا کہ اس شخص میں تو حرارت غریزیہ نام کو بھی باقی نہیں' یہ زندہ کیسے ہے' قارورہ لے جانے والے نے یہ عقل مندی کی کہ حکیم کا مقولہ مجھ سے آ کر بیان کردیا جس کا مجھ پر بہت زیادہ اثر ہوا' میں نے ان کو دھمکایا کہ یہ بات کیا میرے سامنے کہنے کی تھی' تم نے بڑی حماقت کی' جاؤ اس کا تدارک کرو۔ انہوں نے تدارک پوچھا' میں نے کہا کہ مکان سے باہر جاؤ اور کچھ دیر میں آ کر مجھ سے یوں کہو کہ میں پھر حکیم صاحب کے

پاس گیا تھا' انہوں نے مکرر دیکھ کر یہ کہا کہ پہلے جو بات میں نے کہی تھی وہ غلط تھی' حالت اچھی ہے کچھ خطرے کی بات نہیں' وہ کہنے لگے کہ جب آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کی سکھلائی ہوئی بات کہوں گا تو اس کا کیا اثر ہو گا۔ میں نے کہا تم خواص اشیاء کو کیا جانو جس طرح میں کہتا ہوں تم اسی طرح کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت میں نے محسوس کیا کہ ان لفظوں کے سننے سے میری پہلی سی حالت نہ رہی بلکہ ایک گونہ قوت طبیعت میں پیدا ہوئی۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ علاج سے قوت بڑھتی گئی اور حق تعالیٰ نے پوری شفاء عطا فرمادی تو الفاظ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اثر رکھا ہے گو ہماری سمجھ میں نہ آئے' اطباء سے پوچھو کہ خفقان میں کہربا کی تعلیق کیوں مفید ہے؟ وہ اس کی وجہ بجز تجربہ کے کچھ نہیں بتلا سکتے۔ (سبیل السعید ج ۲۹)

طریق اصلاح

حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت بارہ تسبیح بتلا دیجئے' حضرت خفا ہو کر فرمانے لگے کہ واہ ساری عمر میں ایک یہی شے تو حاصل ہوئی' یہی تجھے بتلا دوں' میاں جس طرح ہم کو ناک رگڑ کر ملی ہے اسی طرح تم ناک رگڑو' جی چاہے گا بتلا دیں گے' تم چاہتے ہو کہ مفت سفت میں دولت حاصل ہو جائے' دیکھو اگر کسی تاجر کے پاس جاؤ اور یہ کہو کہ ایسا طریقہ بتلا دو کہ دس روپیہ روز آ جایا کریں' دیکھو وہ کیا جواب دے گا' وہ یہ کہے گا کہ میاں تم احمق ہو' کام کرو' ہمارے پاس اصول تجارت سیکھو' ہماری خدمت کرو اور خدا تعالیٰ پر نظر رکھو' اس کے بعد تجارت کرو' دیکھو اللہ تعالیٰ برکت کرنے والے ہیں' بتدریج ہماری طرح مالدار ہو جاؤ گے تو صاحبو! یہی حال فضائل دینیہ کا ہے اس کے لیے بھی طریقہ ہے کام کرو اور اس کے ساتھ دعا بھی بزرگوں سے کراؤ' باقی نری دعا پر رہنا تو ہوس خام ہے' نری دعا پر رہنے والے کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی بزرگ سے یہ کہے کہ حضرت ایسی دعا کرو کہ میرے بچہ پیدا ہو جاوے' ان بزرگ نے پوچھا کہ بھائی نکاح بھی کیا ہے کہا کہ حضرت جی نکاح کا تو ارادہ نہیں ہے اب اگر ان بزرگ نے دعا کا وعدہ کر لیا تو یہ ان کی بزرگی ہے ورنہ قاعدہ کے موافق تو جواب اس کا ظاہر ہے کہ میاں نکاح کرو' اس کے بعد دعا کراؤ' پس جس طرح بغیر نکاح کے لڑکا پیدا ہونے کی دعا کرانا ہے اسی طرح بغیر کام کیے میلان الی المعاصی کے چھوٹنے اور فضائل کے حصول کی دعا کرانا ہے

اور اگر خرق عادت کے طور پر کسی مرد کے پیٹ میں بچہ رہ بھی گیا تو جننے کے وقت مصیبت پڑے گی وہ نکلے گا کدھر سے، بلا طریقہ پر چلے خرق عادت کے طور پر کسی بزرگ کی توجہ سے اگر کسی کو کچھ حاصل ہوا بھی ہے تو اس کی ایسی مثال ہے جیسے مرد کے پیٹ میں بچہ رہ جانا جن کو اس طرح کچھ ملا ہے ان کا انجام ہلاکت ہوا ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قصہ ہے کہ ان کے یہاں ایک مرتبہ کچھ مہمان آئے اور حضرت کے گھر میں کچھ نہ تھا، پڑوس میں ایک باورچی رہتا تھا، اس کو خبر ہوئی اس نے بہت عمدہ کھانا کافی مقدار میں تیار کر کے حضرت کے مہمانوں کو کھلا دیا، حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ کچھ ہم سے مانگو، اس نے عرض کیا کہ حضرت جو کچھ مانگوں گا وہ آپ دیں گے، فرمایا کہ ہاں اگر امکان میں ہوا تو دوں گا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ تو آپ آپ کے غلام دے سکتے ہیں، عرض کیا کہ مجھے اپنے جیسا بنا لیجئے، حضرت سن کر خاموش ہو گئے اور دل میں بہت پیچ و تاب کھایا، اس لیے کہ اس نے درخواست ایسی شے کی کی کہ جس کا یہ اہل نہیں تھا۔ اسی واسطے مولانا فرماتے ہیں:

آرزو میخواہ لیک اندازہ خواہ　　　برنتابد کوہ رایک برگ کاہ

(جو کچھ مانگو اندازہ سے مانگو، گھاس کا ایک پتہ پہاڑ کو نہیں اکھاڑ سکتا) اور فرماتے ہیں:

چار پا راقدر طاقت بار نہ　　　برضعیفاں قدر ہمت کار نہ
طفل راگرناں دہی برجائے شیر　　　طفل مسکیں راازاں ناں مردہ گیر

(چوپایوں پر ان کی طاقت کے موافق بوجھ رکھ کر کمزوروں سے طاقت کے موافق کام لو، شیر خوار بچہ کو اگر دودھ کی جگہ روٹی دینے لگے تو وہ غریب تو اس روٹی سے مر ہی جائے گا)

اگر کوئی شیر خوار بچہ کو بجائے دودھ کے روٹی دے دے تاکہ جلدی جلدی بڑھے تو وہ بجائے بڑھنے کے جلدی ختم ہو جائے گا۔ ایسے ہی اگر کسی کی توجہ سے دفعۃً کوئی شے حاصل ہو جائے اور ظاہر ہے کہ پہلے سے اس کی استعداد اور قابلیت نہ تھی تو انجام اس توجہ کا ہلاکت ہوگا، ایسی توجہ کو خونی توجہ کہتے ہیں۔ (اسباب الفضائل ج ۲۹)

شیخ محقق کا طریقہ علاج

محقق جو علاج کرتا ہے وہ بہت معمولی ہوتا ہے، بہت لمبا چوڑا نسخہ نہیں لکھتا۔ مثلاً وساوس کا خلجان ہوا غیر محقق تو کوئی وظیفہ بتلا دے گا اور اس سے یہ مرض اور بڑھے گا۔ محقق

صرف یہ کہے گا کہ وساوس کا آنا مضر نہیں ہے اس لیے کچھ خیال نہ کرو۔ اگر آتے ہیں تو آنے دو دیکھئے دو کلموں میں علاج ہو گیا اس لیے یہ شخص علت سمجھ گیا' وہ یہ ہے کہ یہ اپنے نزدیک وساوس اور خطرات کو منافی اس طریق کے سمجھ رہا ہے اس لیے اس کے غم میں گھلا جاتا ہے اس نے اس کی بیخ ہی کو قطع کر دیا کہ کچھ پروا نہیں' یہ کسی حالت میں مرض نہیں فوراً سکون ہو جائے گا اور خطرات قطع ہو جائیں گے۔ حقیقت میں محقق کا وجود حق تعالیٰ کی بڑی بھاری نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ. (آپ کہہ دیجئے کہ کیا علم والے اور جاہل برابر ہیں) محقق حجۃ اللہ علی الارض ہوتا ہے وہ قرنوں میں پیدا ہوتا ہے اسی طرح میلان الی المعاصی کے مرض کو سمجھو' غیر محقق تو اس کے لیے کوئی وظیفہ یا ذکر بتائے گا اور محقق کہے گا کہ اس کا یہ طریق نہیں ہے اس کا طریق یہ ہے کہ عمل میں سعی کرو اس کی برکت سے ملکات رذیلہ خود بخود زائل ہو جائیں گے اس کا قصد ہی نہ کرو کہ میلان الی المعاصی دفع ہو جائے اس کے قصد کرنے سے مشقت بڑھتی ہے ہاں جو عمل تمہارے اختیار میں ہے وہ کرو یعنی اعمال صالحہ ان کی شرائط کے ساتھ کرو اسی طرح مثلاً کسی نے شکایت کی کہ نماز میں مزہ نہیں آتا تو غیر محقق تو اس کے لیے کوئی وظیفہ بتائے گا اور محقق کہے گا کہ نماز مزہ کے لیے موضوع نہیں ہے اس کی غرض اصلی رضائے حق تعالیٰ ہے اور ثمرہ وہاں ملے گا اس پر اگر وہ سائل کہے کہ بے شک مزہ مقصود نہیں ہے لیکن مزہ سے نفس کو سہولت ہو جائے گی' محقق جواب دے گا کہ سہولت ہو یا مشقت ہو تم پڑھے جاؤ دنیا دار المحنت ہے دار الراحت نہیں ہے۔ دیکھو اگر تمہاری ساری عمر مصیبت میں گزر جائے تو آخر اس کو جھیلتے ہی ہو' نماز کی تکلیف بھی برداشت کرو اور دیکھو اگر ڈاکٹر یہ کہہ دے کہ فلاں شے نہ کھانا ورنہ اندھے ہو جاؤ گے تم تمام عمر اس شے کو چھوڑ دو گے۔ افسوس ہے کہ ایک سول سرجن کے کہنے سے تم نے ساری عمر کو ایک لذیذ شے کو چھوڑ دیا اور پرہیز کی مصیبت برداشت کر لی اور محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کہ عالم علم اولین و آخرین ہیں آپ کے فرمانے سے تم سے تھوڑی سے مشقت برداشت نہیں کی جاتی۔ صاحبو! یہ علوم جو درس کتب میں مفقود ہیں اور انہی کی وجہ سے ضرورت ہے کسی محقق کے پاس رہنے کی۔ (اسباب الفضائل ج ۲۹)

ایک مبتلائے عشق مجازی کا علاج

ایک شخص کا خط آیا ہے وہ بیچارے ایک عورت کے عشق میں مبتلا ہیں' وہ مختلف لوگوں کی

طرف رجوع کر چکے تھے، کسی نے ان کو وظیفہ بتا دیا، کسی نے کوئی عمل بتا دیا اور زیادہ مصیبت میں مبتلا ہو گئے اور سخت پریشان ہو کر انہوں نے میرے پاس لکھا تو گو میں محقق نہیں ہوں لیکن الحمدللہ محققین کی زیارت کی ہے ان کے طفیل سے میری سمجھ میں آ گیا، میں نے ان کو لکھا کہ تمہاری یہی ہوس بیجا ہے کہ یہ مرض زائل ہوا گر نہیں زائل ہوتا نہ ہو، محبوب حقیقی کو جبکہ یہی منظور ہے کہ تم اسی میں رہو تو تم کون ہوتے ہو کہ اس کو زائل کرو، ہاں جو عمل تمہارے اختیار میں ہے وہ کرو یعنی معصیت مت کرو عفت اختیار کرو، اپنے قصد سے اس سے بات مت کرو، اس کو مت دیکھو، اس کی باتیں کسی دوسرے سے نہ سنو اور اس کا خیال اور ارادہ بھی مت کرو، یہ خیال دل سے نکلے۔ دیکھو اگر خدا تعالیٰ تمہاری آنکھیں پھوڑ دے تو آخر اندھے ہی رہو گے، بس اس کو بھی ایسا ہی سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کو بہت سے مصالح اور حکم کی وجہ سے تم کو اسی مرض میں رکھنا منظور ہے۔

چونکہ برمیخت بہ بندو بستہ باش   چوں کشاید چابک و برجستہ باش
دوست دارد دوست ایں آشفتگی   کوشش بے ہودہ بہ از خفتگی
جان صدیقاں ازیں حسرت بریخت   کاسماں برفرق ایشاں خاک بریخت

(جب وہ باندھ دیں بندھے رہو اور جب وہ کھول دیں تو کھل جاؤ اور خوشی سے کودنے لگو، دوست ایسی پشیمانی کو پسند کرتے ہیں، لا حاصل کوشش بھی کچھ نہ ہونے سے بہتر ہے، صدیقین نے اسی حسرت میں جانیں دیں کہ آسمان نے ان کے سروں پر خاک چھانی)

اور اگر اسی مرض میں تم مر جاؤ گے تو شہید مرو گے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے: "من عشق فکتم وعف کان له اجر شهید" یعنی جو شخص عاشق ہو پس عفت اختیار کرے اور عشق کو چھپا دے اور مر جاوے تو شہید ہے۔ اگرچہ محدثین نے اس حدیث میں کلام کیا ہے لیکن "الدواء الکافی" میں اس کو ثابت لکھا ہے اور اگر یہ حدیث ثابت بھی نہ ہو تو قواعد شرعیہ کلیہ سے ثبوت اس کا ہو سکتا ہے اس لیے کہ سیف حدید سے سیف عشق اشد ہے اس لیے کہ سیف حدید سے تو ایک ہی مرتبہ کام تمام ہو جاتا ہے اور نشتر عشق ہر وقت قلب پر لگتا ہے پھر اخف کے تحمل سے شہادت ہوتی ہے جیسے بہت امراض سے شہادت وارد ہے کہ اس میں تحمل کلفت کا تو اشد کے تحمل سے شہادت کیوں نہ ہو گی اس کے بعد جوان صاحب کا خط آیا تو انہوں نے لکھا کہ مجھے اب بالکل سکون ہو گیا اور ٹھنڈک پڑ گئی، دیکھئے اس کے ازالہ کے علاج اور فکر سے تو سکون نہ ہوا اور اعتقاد عدم سکون سے سکون ہو گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پس علاج یہ ہیں اور ذکر کی ضربیں لگانا علاج نہیں ہیں، یعنی موثر مستقل نہیں، ہاں معین ہیں، اصل موثر طاقت حق ہے، باقی ذکر و شغل ضرب کے ساتھ یا بلا ضرب کے حبس کے ساتھ یا بلا حبس کے اور ان کے ثمرات یہ سب معین ہیں اصل شے ان میں طاعت ہے باقی یہ قیود ضرب حبس وغیرہ قربات مقصود نہیں ہیں ان کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی استاد شفیق کسی شاگرد کو مطالعہ کی تاکید کرے اور اس کا طریقہ بتلائے اور کہے کہ تکرار کیا کرو اور یہ دیکھ کر دماغ میں خشکی نہ ہو جائے یہ بھی کہہ دیا کہ گاجریں ابال کر کھالیا کرو اس شاگرد نے یہ کیا کہ مطالعہ وغیرہ تو چھوڑ دیا بس گاجریں ہی کھانا شروع کر دیں حالانکہ وہ مقصود نہ تھیں بلکہ معین مقصود تھیں۔ اسی طرح ضرب اور حبس قربات مقصود نہیں مگر بعض عوارض اور موانع ہیں کہ ان کی وجہ سے ان کو کیا جاتا ہے ان کو ثواب نہ سمجھنا چاہیے اور دوسری مثال لیجئے کہ جیسے کوئی شیخ اپنے مرید کو قوت اور شب کو بیدار رہنے کے واسطے یہ بتائے کہ سنکھیا کے تیل کی ایک سینک پان میں کھالیا کرو تو ان بزرگ نے حرارت غریزیہ کے مشتعل کرنے اور ہمت بڑھانے کے لیے بتلایا ہے اگر وہ مرید نری سینکیں ہی کھایا کرے تو اور اسی کو مقصود سمجھ لے اور کام کچھ نہ کرے تو یہ اس کی حماقت ہے۔ بس یہی درجہ ہے ضرب اور حبس کا کہ شیخ کامل اگر کسی کے لیے تجویز کرے تو یہ نافع اور معین ہے۔

اصل شے طاعت ہے اور یہ اس کی تدابیر ہیں، باقی رہے ثمرات سو وہ آخرت میں موعود ہیں دنیا میں بھی اگر بعضے حاصل ہو جاویں تو زائد ہیں اور نہ ہوں تو کچھ ضروری نہیں ہیں، بہت سے ذاکر شکایت کیا کرتے ہیں اور بعضے عوام بھی کہ ہم اتنے دنوں سے نماز پڑھتے ہیں یا ذکر کرتے ہیں اور حلاوت نہیں آتی یا جی نہیں لگتا۔ (اسباب الفضائل ج ۲۹)

قطبیت کے طالب

ایک شخص ہم کو ملے جو قطبیت کے طالب تھے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے یہاں وہ گئے، وہ بھی پسند نہ آئے جب میں گنگوہ گیا، حضرت نے فرمایا کہ بھائی وہ فلاں شخص آئے تھے، قطبیت کے طالب تھے، یہاں قطبیت کہاں تھی اس لیے چلے گئے۔ یاد رکھو قطبیت اور غوثیت مکتسب نہیں ہے بعض لوگ اس دھن میں ہوتے ہیں کہ ہم کو خضر علیہ السلام مل جاویں، خضر علیہ السلام کا ملنا بھی کوئی امر مکتسب نہیں ہے اور اگر مل بھی گئے تو تم کو کیا ملے گا۔ ایک شخص تھے ان کو خضر علیہ السلام ملے، کہا السلام علیکم، انہوں نے کہا وعلیکم السلام، خضر

علیہ السلام نے پوچھا کہ تم نے مجھ کو پہچانا بھی انہوں نے کہا نہیں' فرمایا میں خضر ہوں وہ شخص بولے بہتر ہے اللہ تعالیٰ بھلا کرے خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے کچھ دعا نہ کرائی کہا کہ بس حضرت خود ہی دعا کرلیں گے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میاں تم بھی عجیب آدمی ہو' بہت لوگ تو میرے ملنے کی تمنائیں کرتے ہیں اور تم نے کچھ بھی قدر نہ کی' کہا کہ بس آپ کی زیارت ہوگئی یہی کافی ہے۔ خضر علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ نہیں مجھ سے ضرور دعا کراؤ' ان سے کہا کہ اچھا یہ دعا کرو کہ میں نبی ہو جاؤں' خضر علیہ السلام نے کہا یہ تو نہیں ہوسکتا' کہنے لگے کہ پھر جو ہوسکتا ہے وہ تو خود ہی ہوگا' آپ کی دعا کی کیا ضرورت ہے لیکن اس حکایت سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ دعا بے کار ہے۔ بات یہ ہے کہ حضرات اولیاء اللہ کی شان حق تعالیٰ کے دربار میں بلاتشبیہ ایسی ہو جاتی ہے جیسے کوئی کسی بادشاہ کا مزاج شناس ہوتا ہے اور ان پر ایک حال ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اس واقعہ سے ہمارا امتحان مقصود ہے اس لیے وہ لب کشائی نہیں کرتے' بعض لوگ کشف و کرامت کے طالب ہوتے ہیں یہ بھی مکتسب نہیں ہیں۔ ساتواں طبقہ وہ ہے کہ انہوں نے عمل بھی کیا اور فضائل میں سے انہی فضائل کے طالب ہوئے جو عادۃً مکتسب ہیں اور تمام شرائط عمل کے بجالائے اور بالکل اعتدال پر رہے لیکن ان کے اندر ایک اور باریک خرابی پیدا ہوگئی وہ یہ ہے کہ ان میں عجب پیدا ہوگیا اور اس کی وجہ سے ان کو دعویٰ ہوگیا استحقاق کا' بہرحال اس قدر غلطیاں ہیں گو طالبین فضائل کو پیش آتی ہیں۔ (اسباب الفضائل ج ۲۹)

صرف اصلاح ظاہر کافی نہیں

میں ظاہر کی درستی کی مذمت نہیں کرتا بلکہ اس پر اکتفا کرنے کی مذمت کرتا ہوں تاکہ اصلاح باطن کی فکر کریں۔ محض اصلاح ظاہر پر قناعت نہ کرلیں باقی ظاہر کی درستی بھی فرض ہے اس لیے کسی کو یہ گنجائش نہیں کہ اصلاح ظاہر کو ترک کردے گو بالفرض باطن بھی درست ہو اور ان بددینوں کا تو باطن بھی درست نہیں بلکہ انہوں نے ظاہر اور باطن دونوں کو بگاڑ رکھا ہے' ظاہر کو بگاڑا ہی ہے باطن بھی بگڑا ہوا ہے اور یہ اس دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہمارا باطن درست ہے اس سے تو یہی بہتر تھا کہ ظاہر تو درست ہوتا ایک ہی فرض ادا ہوتا اگر ان لوگوں کی طرف سے کہا جائے کہ ہم اس کو نہیں مانتے کہ ہمارا باطن بگڑا ہوا ہے باطن ہمارا بالکل اچھا ہے ہم نے ظاہر کو باطن ہی کے درست کرنے کے لیے بگاڑا ہے کیونکہ باطن کے

بگاڑنے والی ایک چیز عجب بھی ہے اس سے بچنے کے لیے ہم نے ظاہر کو بگاڑا ہے اس سے باطن ہمارا بالکل اچھا ہو گیا۔ پھر یہ کہنا کہاں صحیح ہوا کہ انہوں نے ظاہر اور باطن دونوں کو بگاڑ رکھا ہے میں بطور جواب الزامی کے کہتا ہوں کہ ایک شخص بادشاہ سے باغی ہے اور ہر ہر حکم کی مخالفت کرتا ہے اور کسی بات میں اطاعت نہیں کرتا لیکن جب اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تو ایسا کیوں کرتا ہے تو کہتا ہے واللہ میں دل سے بادشاہ کا بڑا خیر خواہ ہوں یہ جو کچھ مخالفت میں نے کر رکھی ہے صرف عجب سے بچنے کے لیے کر رکھی ہے تاکہ میرے خلوص میں فرق نہ آوے۔ بتائیے آپ اس کو کیا کہیں گے یہی کہیں گے کہ جھوٹا بدمعاش غلط کہتا ہے' فرمائیے اس کی وجہ کیا ہے جب ایک شخص اپنے منہ سے کہہ رہا ہے کہ میں دل سے مطیع ہوں' خیر خواہ ہوں تو آپ اس کو جھوٹا کیوں کہتے ہیں اور اس کو باغی کیوں سمجھتے ہیں۔ (اسباب الفضائل ج ۲۹)

غفلت کے درجات

غفلت کا بڑا درجہ یہ ہے کہ طاعت کی حالت میں بھی غفلت ہو جس کو ہم بھی سمجھتے ہیں کہ حضوری کا وقت ہے حقیقت میں تو خدا تعالیٰ سے ہر وقت ہی حضوری ہے مگر خیر اور وقتوں کو چھوڑ کر اطاعت کے وقت تو غفلت نہ ہو۔

دوسرا درجہ غفلت کا یہ ہے کہ طاعت میں تو کچھ یاد ہو جاتی ہے مگر اور وقت میں نہیں ہوتی اس میں وہ لوگ بھی مبتلا ہیں جو ذاکرین کہلاتے ہیں ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح زبان کا ایک شغل ہے ایسے ہی قلب کا بھی ایک شغل ہے' یعنی زبان کا شغل ذکر لسانی ہے اور قلب کا شغل ذکر قلبی اور توجہ الی اللہ اور خدا کی یاد اور خدا کا خیال۔ سو اکثر ذاکرین زبان کو مشغول ذکر رکھتے ہیں لیکن دل کو مشغول نہیں رکھتے' قلب کی غفلت میں یہ ذاکرین بھی مبتلا ہیں اس لیے ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ جیسے ذکر لسانی ضروری چیز ہے ایسے ہی ذکر قلبی بھی ضروری چیز ہے یعنی ہر وقت قلب کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا چاہیے۔ ضرورت کے وقت دوسری طرف خیال کر لینا جائز ہے لیکن بلاضرورت غیر کا خیال نہ لاویں یہ مشغلہ تو نہ رکھیں کہ ہر وقت دل غیر اللہ ہی کے خیال میں لگا رہتا ہے اس سے دل کو فارغ رکھنا چاہیے' ضرورت کے وقت اگر خیال کسی طرف ہٹ جاوے خیر مگر اس کے رفع ہونے کے بعد تو فوراً پھر اسی طرف آ جائیں' اس ضرورت کے وقت دوسری طرف خیال کی اجازت دے دینے سے میں نے ساری دنیا کو سنبھال لیا اب

کوئی یہ نہ سمجھے کہ مجھے ضروریات کا علم نہیں ہے۔ صاحبو! مجھے بھی آپ کی طرح ضروریات کا علم ہے چنانچہ دیکھئے اس کی کس قدر رعایت کر دی گئی ہے۔ (اسباب الفصائل ج ۲۹)

حق سبحانہ تعالیٰ کا غایت کرم

ادھر سے فضل پہلے ہوتا ہے تب کچھ ادھر سے ہوتا ہے۔

خود بخود آں شہ ابرار ببری آید نہ بزور نہ بزاری نہ بزری آید

یہ جو کچھ اپنے عمل آپ دیکھتے ہیں پہلے ادھر سے ارادہ دل میں پیدا کیا جاتا ہے اور توفیق ہوتی ہے پھر آپ کے ہاتھ سے ان کا ظہور ہو جاتا ہے اس ظہور سے آپ کا نام ان میں لگ جاتا ہے اور آپ مستحق ثمرات کے ہو جاتے ہیں اس کی حقیقت سوائے اس کے نہیں کہ ان کو خود ہی کرم فرمانا اور کچھ دینا مقصود ہوتا ہے۔ یہ غایت کرم ہے کہ آپ کی سعی کی نفی کر کے احسان بھی رکھنا نہیں چاہتے اور جو کچھ دیتے ہیں آپ کے کسب کا نام لگا کر دیتے ہیں پس عمل کے اسی درجہ کے اعتبار سے یہ حکم کیا گیا ہے کہ آخرت کے تصور سے اعمال کی ہمت ہوگی پھر حق تعالیٰ کا فضل متوجہ ہوگا اور وہ اپنا مقرب بنالیں گے' یہ فلاسفی ہوئی ذکر آخرت کے نفع کی اور اس کی ضرورت تھی جس کی میں نے ہندی کی چندی کر دی۔

جو اس پر بھی وہ نہ سمجھے تو اس بت کو خدا سمجھے

(اسباب الفصائل ج ۲۹)

عقلی و طبعی بشاشت

بشاشت ایک طبعی ہے ایک عقلی تو اظہار عمل سے طبعی بشاشت کا ہونا کہ غیر اختیاری ہے ریاء نہیں بلکہ عقلی بشاشت کہ اختیاری ہے ریاء ہے اب سمجھو کہ ذکر جہر میں ایک خاصیت ذاتی ہے کہ اس میں بہ نسبت ذکر خفی کے زیادہ لذت ہے جیسے قلاقند میں گڑ سے زیادہ لذت ہے اور اس کا طبعی احساس ہونا کچھ مضر نہیں ہاں اس سے عقلی بشاشت اس لیے کہ دوسروں کو ہمارے عمل کی خبر ہو رہی ہے اور وہ ہم کو بزرگ سمجھیں گے یہ مضر ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ریاء بیشک گناہ ہے مگر گناہ ہمیشہ فعل اختیاری سے ہوتا ہے ورنہ اس کے قائل ہوں کہ کوئی گناہ ایسا بھی ہے جو اختیاری نہیں یعنی اس سے بچنا اختیار اور قدرت

سے خارج ہے تو تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی جس کی نفی آیت میں صراحت موجود ہے۔ "لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا" (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) غرض یہ مسئلہ عقائد کا ہے کہ تکلیف مالا یطاق شریعت میں نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ریاء سے بچنا خارج عن الوسع نہیں ہے۔ (اسباب الفضائل ج۲۹)

شیخ کامل کی ضرورت

بعض اوقات عمل میں کچھ ریاء کا بھی حصہ ہوتا ہے سو اس امتیاز کے لیے بھی اور اگر وہ وسوسہ ہے تو اس میں تسلی کرنے کے لیے بھی دوسرے کی دستگیری کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت کوئی دستگیر موجود ہو تو بڑا کام نکلتا ہے کیونکہ خود اپنی حالت کو سمجھنا آسان نہیں ہے اور شیخ کو بصیرت ہوتی ہے کیونکہ وہ بہت سے مغالطے دیکھ چکا ہے اور بہت سے گرم وسرد چکھ چکا ہے جو پریشانی تم کو پیش آنی ہے وہ بارہا پیش آ چکی ہے اس کو بھی کسی صاحب بصیرت نے سنبھالا تھا' بار بار تجربہ ہونے سے اس کو پوری بصیرت حاصل ہو گئی ہے تو وہ ہر حالت کو پہچانتا ہے کہ اس میں کتنا حق اور کتنا باطل شامل ہے اور کتنی واقعیت اور کتنا دھوکہ ہے اور اپنے آپ اپنی حالت کو اگر کوئی شخص کسی وقت پہچان بھی لے لیکن اپنی تشخیص پر اطمینان نہیں ہو سکتا پوری پہچان اسی کو ہے جو بارہا تجربہ کر چکا ہے پھر اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی مدد بھی شامل ہوتی ہے اس کا بتایا ہوا علاج سہل اور کامل ہوتا ہے۔ پس مغالطہ کے وقت اپنی تجویز پر اطمینان نہ کرو اپنے مربی اور دستگیر سے مشورہ کرو اور سہل اور بے خطر طریقہ تو یہی ہے تاہم اس وقت کا بیان بھی بیکار نہیں کیونکہ کام کی بات کان میں پڑی رہے تو اچھا ہے اس واسطے اس مغالطہ کو حل کر دیا گیا اور طریقہ علاج کا بتلا دیا گیا اور اس کی پہچان بھی بتلا دی کہ دھوکہ کس صورت میں ہے اور واقعی گناہ کس صورت میں ہوتا ہے اس کا حاصل بعنوان دیگر یہ ہے کہ غور کر کے دیکھو کہ اصل بناء کار کیا ہے اگر عمل شروع اس واسطے کیا گیا ہے کہ مخلوق دیکھے اور ہماری طرف نظریں اٹھیں تو یہ بیشک ریاء ہے اس سے ڈرو اور خدائے تعالیٰ کی غیرت کا خیال کرو' دنیا میں کوئی بھی اپنے حق میں غیر کو شریک کرنا پسند نہیں کرتا تو خدائے تعالیٰ عبادت میں کسی کو شریک کرنا کیسے پسند کریں گے

حضور قلب اور دوام توجہ فی الصلوٰۃ کچھ بھی مشکل نہیں اس میں کچھ بھی نہیں کرنا

پڑتا' اسی طرح دوام توجہ الی اللہ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ غیر خدا کا خیال ہی نہ آوے بلکہ مطلب یہ ہے کہ مستقلاً خود نہ لاوے اور اگر تبعاً لاوے تو اس کے منافی نہیں اور یہ ممکن الدوام بلکہ بعد محبت کے تو لازم الدوام ہے۔

حضور قلب کی عجیب مثال

میں حضور قلب کی حقیقت کو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ کوئی شخص مثلاً کسی عورت پر عاشق ہو گیا' کوئی ساعت اس کو اس کی یاد سے خالی نہیں جاتی حالانکہ سوتا بھی ہے' کھاتا بھی ہے' دنیا کے سب کام کرتا ہے لیکن دل ہر وقت اسی طرف ہے یہ اس کا طبعی امر ہو گیا ہے اور اس کی مخالفت سے سخت نفرت ہو گئی ہے جو کام کرتا ہے اول یہ سوچ لیتا ہے کہ اس کے خلاف مزاج نہ ہو' خصوصاً اگر وہ بلا بھیجے ہیں کہ آج تم ہمارے یہاں آنا اس وقت تو اس کی عجیب حالت ہوتی ہے اور محبوبہ کے یہاں جانے کے واسطے بڑے اہتمام کرتا ہے۔ چنانچہ دیکھتا ہے کہ میری صورت جنون کی سی ہو رہی ہے تو اول نائی کو بلا کر خط بنواتا ہے اور غسل کے لیے کھلی منگواتا ہے اور کپڑے سفید دھوبی سے دھلواتا ہے اور یا درزی سے نئے سلواتا ہے' عطر اگر نہ ہو تو وہ بھی اہتمام سے منگواتا ہے' غرض اسی بننے سنورنے میں کئی گھنٹے خرچ ہو گئے' کوئی ظاہر بین دیکھے تو کہے کہ دیکھئے محبوبہ نے تو اپنے گھر بلایا اور یہ ان دھندوں میں لگ رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب اس نے اسی کی رضا کے لیے کیے ہیں' نہا رہا ہے تو اس لیے کہ محبوبہ پسند کرے' کپڑے پہنتا ہے تو اس لیے کہ محبوبہ راضی ہو' عطر لگاتا ہے تو وہ بھی اسی واسطے کہ محبوبہ خوش ہو' غرض کام سب کچھ کرتا ہے لیکن اس کی رضا و یاد سے قلب کسی وقت خالی نہیں ہے جو کام کرتا ہے یا تو اس لیے کرتا ہے کہ وہ ناراض نہ ہو اور یا اس لیے کہ وہ راضی ہو جائے اسی کو توجہ دائم کہا جاتا ہے اور عرف عام میں اسی کو کہا جاتا ہے کہ کسی گھڑی بھولتا نہیں' خواہ اس کو مجاز لغوی کہو یا حقیقت کہو' گفتگو یہ ہے کہ عرف عام میں جس کو یوں کہا جاتا ہے کہ ہر گھڑی یاد کرتا ہے ایسا معاملہ بندہ پر حق تعالیٰ کے ساتھ ایک مرتبہ میں ضروری ہے حاصل یہ ہے کہ نوکری زراعت تجارت دنیا کے سب کام کرو مگر جو کچھ کرو وہ حق تعالیٰ کی رضا کے لیے کرو' یہ تو اعلیٰ درجہ ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے اس لیے کہ یہ ہر شخص کا کام نہیں اتنا تو ضروری ہے کہ جو کام کرے اس میں یہ دیکھ لے کہ یہ کام حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تو

نہیں جو کام بھی کرے سب میں اس کا لحاظ رکھے کہ حق تعالیٰ کی رضا کے خلاف نہ ہو یہ مرتبہ واجب ہے اور طاعت واجبہ کا موقوف علیہ ہے اور یہ کہ جو کام کرے وہ رضا کے واسطے کرے یہ اس سے اعلیٰ درجہ ہے۔ موقوف علیہ طاعت واجبہ کا نہیں یہ شان اولیاء کاملین کی ہے کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں اپنے نفس کے لیے نہیں کرتے بلکہ رضا کے لیے کرتے ہیں۔ (التوبہ ج ۲۹)

انابت کے درجات

انابت کے تین درجے ہیں ایک یہ کہ کفر و شرک چھوڑ دو دوسرا یہ کہ جو کام کرو خدا تعالیٰ کی رضا کے واسطے یا ناراضی سے بچنے کے لیے کرو تیسرا درجہ یہ کہ اشتغال باللہ ہر وقت ہو پہلا درجہ موقوف علیہ ایمان کا ہے دوسرا درجہ موقوف علیہ طاعت واجبہ کا ہے۔ تیسرا درجہ موقوف علیہ درجات قرب ہے اور بعض کو دوسرے ہی درجہ سے درجات قرب نصیب ہو جاتے ہیں جبکہ درجہ ثالثہ کی تحصیل کا سامان نہ ہو سبحان اللہ حق تعالیٰ کا کلام بھی کیا جامع ہے کہ دو لفظوں میں اس قدر مضامین آ گئے۔ (التوبہ ج ۲۹)

سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ادب اور حیا

حضرت حاجی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خاص خادم بیان کرتے تھے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب لیٹتے تھے پاؤں نہ پھیلاتے تھے اول اول تو میں سمجھا کہ شاید کوئی اتفاقی بات ہوگی مگر جب مدتوں تک اسی طرح دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ایسا قصداً کرتے ہیں میں نے پوچھا کہ حضرت اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ پاؤں نہیں پھیلاتے فرمایا ارے باؤلے اپنے محبوب کے سامنے کوئی پاؤں بھی پھیلایا کرتا ہے۔ (خواص الخشیۃ ج ۲۹)

سالکین مستہلکین

جب خوف فوق الحد ہوتا ہے تو وہ مانع طاعات بن جاتا ہے چنانچہ بہت سے سالکین پر جب خوف کا غلبہ ہو گیا ہے تو طاعات چھوڑ بیٹھے ہیں۔ بعض نے نماز چھوڑ دی ہے کسی نے ذکر چھوڑ دیا ہے اصطلاح صوفیاء میں ان کو سالکین مستہلکین کہتے ہیں۔ ایسے لوگ مقبول مقرب نہیں ہوتے اور یہ لوگ اپنی خود رائی کی وجہ سے ایسے گڑھے میں گرتے ہیں کہ تمام عمر

اس سے خلاصی نہیں ہوتی ایسے وقت رہبر کامل کی ضرورت ہے وہ بہ تدابیر اس مہلکے سے نکال لیتا ہے اور تدابیر متعلقہ تدبیر باطن بعض مرتبہ ایسی لطیف ہوتی ہیں کہ عوام کا فہم ان کے ادراک سے قاصر ہوتا ہے بلکہ ان کو بادی النظر میں نامناسب سمجھتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک دوست کو ایسا قبض واقع ہوا کہ ذکر و طاعت و روزہ و نماز میں جی نہ لگتا تھا۔ انہوں نے اپنا حال مجھ کو لکھا' میں نے جواب میں لکھا تم خلوت چھوڑ دو' ادھر ادھر سیر کرو' دوستوں سے ہنسو' بولو' نفس کو خوب آرام دو' چنانچہ دو تین روز کے بعد وہ حالت جاتی رہی' انبساط ہو گیا' بات کیا تھی کہ میری سمجھ میں اس کی وجہ یہ آئی کہ خلوت میں رہتے رہتے طبیعت میں ایک جمود اور خمود ایسا پیدا ہو گیا ہے کہ اس کی وجہ سے احساس نہیں رہا اور اندیشہ اس کا ہوا کہ زیادہ انقباض اگر ہوا تو مبادا روزہ نماز بھی چھوڑ بیٹھیں' اس لیے میں نے ان کے لیے بجائے خلوت کے جلوت اور بجائے اعتکاف کے طواف پر تجویز کیا' غرض اس راہ میں بڑے بڑے قصے پیش آتے ہیں کہ ان میں کسی شیخ کامل کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔(خواص الخشیۃ ج ۲۹)

طالب اور مطلوب کی باہم احتیاج

مولوی صاحب نے عرض کیا حضور کی دعا سے اس وقت میرے قلب کو بہت طمانیت حاصل ہوئی مگر مشکل یہ ہے کہ سامنے آپ کے اور حالت ہوتی ہے اور پیچھے اور' فرمایا یہ ضرور ہے مگر یہ تقلب مضر نہیں پریشانی کبھی نہ ہوگی اس قسم کا تغیر ہر شخص کو پیش آتا ہے۔ مرید تو کیا شیخ کی حالت میں بھی وقت افادہ اور غیر افادہ میں فرق ہوتا ہے' مرید کو شیخ کے پاس بیٹھنے سے نفع ہوتا ہی ہے شیخ کو بھی مرید کی بدولت بہت سی باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

بانگ مے آید کہ اے طالب بیا   جود محتاج گدایان چون گدا

(آواز آتی ہے کہ اے طالب آ' سخاوت بھی گداگروں کی طرح گدائی کی خود محتاج ہے)

دیکھئے مدرسہ میں مدرس طالب علموں کے افادہ کے لیے مقرر ہوتا ہے اور طالب علموں کو اس سے نفع پہنچتا ہے اور طالب علموں کا نفع اس پر موقوف ہے لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مدرس کو طالب علموں سے کچھ نفع نہیں پہنچتا' آپ خود عالم ہیں اس بات کو بخوبی جانتے ہیں بارہا کا تجربہ ہے کہ کوئی مضمون کتاب میں پڑھتے وقت باوجود کوشش اور مطالعہ کے اور باوجود استاد کے سمجھانے کے سمجھ میں نہ آیا اور ہمیشہ اس میں الجھن رہی اور جس وقت طالب علم پڑھنے بیٹھا'

قلب میں دفعتاً آ گیا یہ طالب علم ہی کی برکت ہے یا کچھ اور فائدہ کے وقت حق تعالیٰ کی طرف سے تائید ہوتی ہے' طالب اور مطلوب کی باہم احتیاج کے لیے یہ شعر حافظ کا خوب ہے۔ شعر

سایہ معشوق گر افتاد بر عاشق چہ شد ۔۔۔ مابا او محتاج بودیم اوبما مشتاق بود

(معشوق کا سایہ اگر عاشق پر پڑ گیا تو کیا ہو گیا ہم اس کے محتاج ہیں وہ ہمارا مشتاق ہے)

اسی شعر میں مولانا کے شعر مذکور سے ادب ازید ہے اس میں طالب و مطلوب میں مساوات سی پائی جاتی ہے اور اس میں لفظ بدل دیا' طالب کے لیے احتیاج اور مطلوب کے لیے اشتیاق اطلاق کیا۔ (ادب الطریق ج ۲۹)

ترک تعلقات کی حقیقت

ترک ضروری بے شک ہے مگر ترک کی حقیقت تقلیل تعلقات ہے یعنی فضول تعلقات کو اور مضر تعلقات کو چھوڑ دینا نہ مطلقاً تارک بن جانا اس کے مبصر تو حضرت حاجی صاحب تھے۔ تصوف بالکل مردہ ہو گیا تھا' حضرت حاجی صاحب نے اس کو زندہ کیا اور حقائق بالکل محو ہو چکی تھیں ان کو تازہ کر دیا' تصوف رسم کا نام رہ گیا تھا اول تو جعلسازیاں بہت اور سچے لوگوں میں بھی صرف ڈھچر رہ گیا تھا۔ حضرت نے اس کو بالکل زندہ کر دیا۔ حضرت کا الہامی طریقہ سب کے کام کا ہے۔ حضرت کی مجلس میں بیٹھ کر ہر شخص کو حظ آتا اور امیدیں بڑھتی تھیں اور امنگیں پیدا ہوتی تھیں کہ ہم بھی کر سکتے ہیں۔

خواجہ صاحب نے کہا کہ عمدہ ترکیب یہ سمجھ میں آتی ہے کہ تھوڑی جائیداد خرید لے جو خرچ کے لیے کافی ہو بس پھر اللہ اللہ کیا کرے' اس طرح ذکر بڑے اطمینان سے ہو سکتا ہے۔ فرمایا جائیداد سے بھی اطمینان نہیں ہو سکتا اس میں بھی بکھیڑے ہیں۔ (ادب الترک ج ۲۹)

غیر اللہ کی محبت انتہائی مذموم ہے

افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ اور اس کے سامنے ہر وقت موجود اور پھر غیر پر نظریں تو ہر نافرمانی بری ہے ہی لیکن غیر اللہ سے محبت کرنا تو سب سے بڑھ کر ناپسند ہے اور حق تعالیٰ کو بہت غیرت آتی ہے کہ میرے چاہنے والے اور میرے محبّ غیر پر نظر رکھیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

"ان سعدا لغیورو انا اغیر منه واللّٰه اغیرمنی ومن غیرته حرم الفواحش ماظھر منها وما بطن"

شریعت کے خلاف جو امر ہے اس پر عموماً اور غیراللہ سے تعلق ناجائز رکھنے پر خصوصاً حق تعالیٰ کی غیرت کو جوش آتا ہے جیسے کسی مرد کو اپنی بی بی کے پاس اجنبی مرد کو دیکھ کر جوش آتا ہے وہ کیا مسلمان ہے جو خدا کی محبت کا دعویٰ کرے اور دوسری طرف نگاہ ڈالے مگر الحمدللہ اس بدنگاہی اور تعلقات کے امراض سے عورتیں بیشتر پاک ہیں اور یہ سب پردہ کی بدولت ہے جس کی آج کل بیخ کنی کی جارہی ہے (العفة ج ۲۹)

حقیقت احسان

احسان کے متعارف معنی جو اردو میں مشہور ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔ یہ عربی لفظ ہے اس کے معنی ہیں اچھا کرنا اور یہاں مراد ہے عبادت کو اچھا کرنا۔ (حقیقت حسان ج ۲۹)

ضرورت احسان

احسان کے متعلق تین چیزیں ہیں، اول احسان کا ضروری ہونا، دوسرے احسان کی حقیقت، تیسرے تحصیل طریق احسان، اجمالاً اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ احسان خشوع سے حاصل ہوتا ہے اور خشوع کا مطلوب ہونا قَدْاَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْن (تحقیق مسلمانوں نے فلاح پائی) سے معلوم ہو چکا ہے اب اس کا ضروری ہونا سنیئے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ.

ترجمہ: (کیا ایمان والوں کے لیے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق (منجانب اللہ) نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جاویں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاویں جن کو ان کے قبل کتاب (آسمانی) ملی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ) پھر (اسی حالت میں) ان پر زمانہ گزر گیا (اور توبہ نہ کی) پس ان کے دل سخت ہو گئے)

یہاں ذکراللہ میں خشوع کی ضرورت کا بیان ہے اور ذکراللہ میں ساری عبادتیں آ گئیں۔ دیکھو عبادت میں خشوع نہ ہونے پر کیسی وعید ہے۔ شکایت کی ہے اور یہود و نصاریٰ سے تشبیہ

دے کر ذکر کیا ہے کہ ایسے نہ بنو۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترک خشوع کیسی بری چیز ہے جس کے باعث سے کفار کے ساتھ آدمی مشابہ ہو جاتا ہے اور اس کا ثمرہ بیان فرمایا ہے۔ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ (پس ان کے دل سخت ہو گئے) قساوت قلب نہایت بری چیز ہے۔ قساوت کی نسبت قرآن شریف میں ہے: "فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ" (یعنی تباہی اور ہلاکت ہے ان کو جن کے دل خدا کی یاد سے سخت ہو رہے ہیں وہ لوگ کھلی کھلی گمراہی میں پڑے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں قلب قاسی خدا سے بہت دور ہے ان سب نصوص سے ثابت ہوا کہ قساوت بری چیز ہے اور خشوع ضروری ہے لیکن خرابی یہ ہو رہی ہے کہ لوگ خشوع کی حقیقت نہیں سمجھتے اسی وجہ سے اس کی فکر بھی نہیں کرتے جو شخص کسی چیز سے واقف نہ ہوگا وہ اس کو حاصل کیا کرے گا۔ عموماً لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خشوع کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے سوا کسی کا خیال نہ آوے ایسی مدہوشی ہو جاوے کہ تیر برچھا کچھ ہی لگے اس کی خبر نہ ہو پس انسان جماد کی طرح بن جاوے آدمیت سے گزر جاوے کوئی پوچھے یہ معنی کہاں لکھے ہیں اور کسی نے لکھے ہیں اس کا کچھ جواب نہیں اور واقعی کہیں بھی یہ معنی نہیں لکھے ہیں۔ یہ شبہ کم فہم اور غیر شفیق واعظوں کی بدولت پڑا ہے۔ (حقیقت احسان ج ۲۹)

حقیقت خشوع

خشوع کے معنی ہیں دب جانا پست ہو جانا یعنی سکون جیسا کہ اس آیت سے بھی معلوم ہوتا ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّکَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ.

(یعنی من جملہ اس کی (قدرت اور توحید کی) نشانیوں کے ایک یہ ہے کہ (اے مخاطب) تو زمین کو دیکھ رہا ہے کہ دبی دبائی پڑی ہے پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے)

چونکہ اِهْتَزَّتْ وَرَبَتْ (دبی اور ابھری) کا مقابلہ کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اہتزاز اور ابھرنے میں حرکت ہے تو خاشعۃ کے معنی سکون اور پستی والی کے ہوں گے اور مقابلہ سے ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں خود لغت شاہد ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر شے کا حرکت و سکون جداگانہ ہوتا ہے اگر کہا جائے کہ ہاتھ چل رہا ہے تو اس کے معنی ہلنے جلنے اور نقل مکانی کے ہوں گے اور اگر کہا جائے کہ فلانے کی طبیعت خوب چلتی ہے تو یہاں یہ معنی نہیں مراد ہوں گے بلکہ یہاں اور معنی ہوں گے یعنی فکر کرنا اور سوچنا۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو

اب سنئے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو دو قسم کی چیزیں عنایت فرمائی ہیں ظاہر اور باطن یا یوں کہو کہ جوارح اور قلب۔ پس کمال خشوع کے یہ معنی ہوئے کہ جوارح بھی ساکن رہیں اور قلب بھی لیکن دونوں کا سکون جدا جدا ہے۔ جوارح کا سکون تو یہ ہے کہ ادھر ادھر دیکھے نہیں' ہاتھ پیر نہ ہلائے اور اس کے مقابلات کا نام حرکت ہوگا' تصور کرنا' یعنی سوچنا اور سکون اس کا عدم ہے اور ظاہر ہے کہ فکر کرنا اور سوچنا فعل اختیاری ہے اور قدرت اور اختیار ضدین سے متعلق ہوتا ہے۔ پس جب یہ حرکت اختیاری ہے تو اس کے مقابل سکون بھی یعنی سوچنا اختیار ہوگا اور آدمی اختیاری ہی چیزوں میں مکلف ہوتا ہے لہٰذا خشوع کے معنی یہ ہوں گے کہ اپنے اختیار سے دوسرا خیال نہ لانا یہ نہیں کہ دوسرے خیال کا دل میں نہ آنا' یہ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔ خیال کا آنا تو اختیار نہیں ہے اور خیال کا لانا اختیاری ہے۔

پس خشوع کے یہ معنی ہوئے کہ اپنے اختیار سے دوسرے خیالات دل میں نہ لاوے۔ رہا اگر کوئی خیال بلا اختیار آوے تو وہ خشوع کے منافی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کہ میرے دل میں ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا ان سے آسان معلوم ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "او جدتموہ قالو انعم قال ذالک صریح الایمان" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم نے اس کو پایا ہے' یعنی کیا ایسے خیالات تمہیں آتے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو صریح ایمان ہے اور کیوں نہ ہو چور تو وہیں آتا ہے جہاں مال و متاع ہو۔ اسی طرح شیطان وہیں آتا ہے جہاں متاع ایمان ہو۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دیو آید سوئے انساں بہر شر   پیش تو ناید کہ از دیوے بتر

(شیطان تو انسان کی طرف شر کے لیے آتا ہے تیرے پاس نہ آئے گا کہ شیطان سے بدتر ہے)

شیطان بڑا استاد ہے اپنا وقت فضول ضائع نہیں کرتا جو خود شیطان بن گیا ہے اس کو بہکانے کی کوشش نہیں کرتا' ہاں جس میں کچھ ایمان باقی ہے اسی کی فکر میں رہتا ہے' اپنی دھن کا پکا ہے' ایمان داروں ہی کے پیچھے پڑا رہتا ہے' ہم لوگوں کو تو اس سے خاص صفت میں سبق حاصل کرنا چاہیے تھا۔

ایک چور نہایت نامی تھا' ہمیشہ چوری کیا کرتا تھا' آخر ایک مرتبہ سولی دے دی گئی' حضرت جنید نے دوڑ کر اس کے پیر چوم لیے' لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ اس کی استقامت قابل تعریف ہے۔ اگر ہم خدا کی اطاعت میں ایسی استقامت کریں تو ہمارے

مدارج کا کہیں ٹھکانا ہی نہ رہے۔ اپنے کام میں لگا رہنا چاہیے اور وسوسہ اور خیالات کی کچھ پروانہ کرنا چاہیے' بڑے بڑے خیالات جن پر عمل نہ ہو مگر طبیعت منقبض ہو' الجھے' بزرگوں ہی کو آتے ہیں' فاسقوں کو ایسے خیالات نہیں آتے اور ان وساوس سے پریشانی کا باعث یہی ہے کہ کسی طبیب قلب کی صحبت نصیب نہیں ہوئی۔ اگر کوئی جاننے والا مل جاتا تو کہہ دیتا کہ اگر وسوسے آتے ہیں تو آنے دو کچھ پروانہ کرو' قلب کی حالت تو شاہی سڑک کی سی ہے کہ اس پر حاکم' رئیس اور ادنی' چمار دونوں گزرتے چلے جاتے ہیں۔

بحر تلخ و بحر شیریں ہمعناں   درمیاں شاں برزخ لایبغیاں

(بحر تلخ اور بحر شیریں دونوں برابر جاری ہیں مگر ان کے درمیان ایسا پردہ حائل ہے جس کی وجہ سے باہم مختلط اور مشتبہ نہیں ہونے پاتے) (حقیقت احسان ج ۲۹)

وساوس شیطان کا علاج

شیطان کی حالت کتے کی سی ہے' کتا بھونکا کرے اور التفات نہ کیا جائے تو آپ چپ ہو جاتا ہے اور اگر اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کو دفع کرنا چاہے تو اور زیادہ غصہ کر کر کے بھونکتا ہے۔ اسی طرح وساوس شیطانی کی طرف التفات ہی نہ کرے کیونکہ شیطان سے جو دبتا ہے اور اس کا خیال رکھتا ہے اس کے سامنے آ موجود ہوتا ہے' وسوسے پر جو غمگین ہوگا وہ سخت پریشان ہوگا بلکہ جب وسوسہ آئے تو اور خوش ہونا چاہیے کہ الحمد للہ دولت ایمان موجود ہے اگر آدمی میں قوت توکل اور اعتماد علی اللہ (اللہ پر بھروسہ) کی صفت ہو تو ایک شیطان کیا اگر لاکھ شیطان ہوں تو کچھ نہیں بنا سکتے۔ ہاں قصداً خیال کا لانا بے شک منافی خشوع اور حضور قلب کے ہے۔ (حقیقت احسان ج ۲۹)

مجاہدہ میں دو قسم کے کام ہوتے ہیں بعض تروک ہیں جو چھوڑنے کے قابل ہیں اور بعض اعمال ہیں جو کرنے کے قابل ہیں۔ معاصی تو سب کے سب تروک ہیں۔ مثلاً زبان کا گناہ' نگاہ کا گناہ' معدہ کا گناہ' دل کا گناہ یہ تو چھڑائے جاتے ہیں اور طاعات اعمال ہیں جن کو کرنا پڑتا ہے۔ جیسے نماز' روزہ' حج' زکوۃ' حقوق معاشرت' حقوق زوجیت وغیرہ اور چونکہ یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مجاہدہ سارے دین کا خلاصہ ہے تو متعلق دین کے بھی یہی دو جز ہوئے ایک طاعات جن کو کرنا پڑتا ہے دوسرے معاصی جن کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ پھر طاعات

کی دو قسمیں ہیں ایک واجبہ دوسری مستحبہ یہ دونوں کرنے کے قابل ہیں اور دونوں کا بجالانا مجاہدہ میں داخل ہے بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مستحب کے کرنے میں بہ نسبت واجب کے زیادہ مجاہدہ ہے۔ کیونکہ قاعدہ طبعیہ ہے کہ جس کام کو انسان اپنے اوپر لازم سمجھ لیتا ہے کہ اس کو ضرور ہی کرنا ہے اس کے کرنے میں زیادہ مشقت نہیں ہوتی اور جس کام کو اپنے اوپر لازم نہ سمجھے بلکہ اپنے کو اس میں مخیّر سمجھے اس کا کرنا گراں ہوتا ہے خصوصاً اس میں پابندی تو بہت ہی گراں ہوتی ہے۔ اس لئے مجھ سے بعض سالکین نے بیان کیا اور میں خود بھی اپنا حال دیکھتا ہوں کہ فرائض کا ادا کرنا اتنا گراں نہیں ہوتا جتنا رات کا اٹھنا گراں ہوتا ہے۔ کیونکہ رات کو جاگنا اور تہجد پڑھنا ہمارے ذمہ لازم نہیں صرف سنت یا مستحب ہے اس لئے مستحبات کا بجالانا بھی مجاہدہ میں داخل ہے اور اسی لئے صوفیہ نے لکھا ہے کہ سالک کو علاوہ فرائض وواجبات کے کچھ سنن ومستحبات کا بھی التزام کرنا چاہئے کیونکہ مجاہدہ بدون اس کے کامل نہیں ہوتا' ہمارے حاجی صاحب نے بھی اس کی وصیت فرمائی ہے۔

جس طرح اعمال کی دو قسمیں ہیں ایک واجب دوسری مستحب اسی طرح محل تروک کی بھی دو قسمیں ہونی چاہئیں۔ ایک وہ جن کا ترک واجب ہے' دوسری وہ جن کا ترک مستحب ہے۔ جس کا ترک واجب ہے وہ تو حرام اور مکروہ تحریمی ہے اور جس کا ترک مستحب ہے وہ مکروہ تنزیہی ہے تو اس طرح اجزائے دین چار ہوگئے تین نہ ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب محل تروک کی تفسیر معاصی سے کردی گئی تو اب اس کی دو قسمیں نہیں ہوسکتیں کہ ایک معاصی تو وہ ہوں جن کا ترک واجب ہے اور ایک معاصی وہ ہوں جن کا ترک مستحب ہے کیونکہ جس کا ترک مستحب ہو وہ معصیت ہی نہیں معصیت وہی ہے جس کا ترک واجب ہو بخلاف اعمال کے جس کی تفسیر طاعات سے کی گئی ہے کہ اس میں دو قسمیں موجود ہیں بعض وہ طاعات ہیں جن کا فعل واجب ہے اور بعض وہ ہیں جن کا فعل مستحب ہے۔ (تقلیل الطعام بصورۃ الصیام ج ۳۰)

ناجائز کی دو اقسام

رہا یہ اشکال کہ ناجائز کی بھی دو قسمیں ہیں ایک حرام ہے ایک مکروہ اس کا جواب یہ ہے کہ ناجائز بالمعنی الاعم کی تو دو قسمیں ہوسکتی ہیں مگر معصیت کی کہ وہ مفہوم میں ناجائز سے اخص ہے دو قسمیں نہیں ہوسکتیں جس کو معصیت کہا جائے گا۔ اس کی دو قسمیں نہیں

ہوں گی بلکہ اس کا ترک واجب ہی ہوگا تو اس صورت میں بہت سے بہت مکروہ تنزیہی معاصی میں داخل نہ ہوگا یہ تو مشہور کی بناء پر ہے اور اگر اس کو بھی معصیت مانا جائے تو اس کا ترک بھی ضروری ہوگا گو ضرورت میں تفاوت ہو اور یہی صحیح ہے کیونکہ مکروہ تنزیہی بھی ضروری الترک ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ اس پر بھی مواخذہ فرما سکتے ہیں اور جس چیز میں مواخذہ کا اندیشہ ہو وہ معمولی بات نہیں۔ (تقلیل الطعام بصورۃ الصیام ج ۳۰)

محقق کی دور اندیشی

یہی راز ہے اس میں کہ ہمارے حضرات نے ہندوؤں کو ذکر شغل کی تعلیم کرنے سے منع فرمایا ہے گو ناواقف لوگوں کی یہ رائے ہے کہ ان کو خدا کا نام بتلا دینا چاہئے۔ اس میں حرج کیا ہے شاید کسی وقت رفتہ رفتہ اسلام کی طرف آ جائے۔ مگر محقق جانتا ہے کہ حالت کفر میں ذکر شغل کرنے سے وہ اسلام سے قریب نہ ہوگا بلکہ پہلے سے زیادہ دور ہوگا' کیونکہ ذکر شغل سے اس پر کیفیات نفسانیہ کا ورود ہوگا جن کو وہ مقصود سمجھے گا' اسکے بعد یہ خیال جم جائے گا کہ میں اپنے کفر پر رہ کر بھی مقصود کو حاصل کر سکتا ہوں تو اب اس کے اسلام کی کوئی امید نہیں۔ یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جوان جوگیوں کو عام کفار سے اچھا سمجھتے ہیں۔

کیفیات کی کیفیت

یہاں سے ان سالکین کی غلطی بھی واضح ہوگئی جوان کیفیات وتصرفات اور کشف وغیرہ کو مقصود سمجھتے ہیں یاد رکھو کہ ان کیفیات اور کشف کو مقصود سے کچھ تعلق نہیں کیونکہ یہ نفسانی کیفیات تو یکسوئی سے ہر شخص کو حاصل ہو سکتی ہیں (جن کیفیات کو قرب میں کچھ دخل ہے اور وہ ان نفسانی کیفیات سے بالکل جدا ہیں اور یہ وہ کیفیات ہیں جو تجلی صفات الٰہیہ سے سالک پر وارد ہوتی ہیں باقی ذوق وشوق کا غلبہ یا یکسوئی کا بڑھ جانا یہ سب نفسانی کیفیات ہیں ان کو مقصود سے کچھ نسبت نہیں ہاں اگر یہ شخص صحیح راستہ پر چل رہا ہے تو ان نفسانی کیفیات سے طریق میں سہولت ہو جاتی ہے باقی انہیں کو مقصود سمجھ لینا یہ مقصود سے بے خبری کی دلیل ہے۔ اس طریق میں اصل مدار احسان پر ہے جس کے لغوی معنے نیکو کردن عبادت ہے اور جس کی تفسیر اخلاص سے کی گئی ہے اور حقیقت اس کی ایک حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

الاحسان ان تعبدالله کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراک یعنی تعبدالله مشابها بانک تراہ (الصحیح للبخاری ۶: ۱۴۴، کنز العمال ۵۲۴۹)

مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو جیسی اس حالت میں کرتے جبکہ اس کو دیکھتے ہوتے کیونکہ تم اگر اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے اور اس کا بھی مقتضا وہی ہے جو تمہارے دیکھنے کی حالت کا مقتضا ہے اور خدا کا تم کو دیکھنا یقینی ہے پس اس لئے ایسی عبادت کرو جیسی اس کو دیکھ کر کرتے چنانچہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کو دیکھتے ہوئے عبادت نہایت کامل ہوگی جیسے سڑک کوٹنے والا مزدور اگر حاکم کو سامنے سے آتا ہوا دیکھ لے تو اس وقت خوب کام کرتا ہے لیکن اگر مزدور کو حاکم خود بھی نظر نہ آئے گا مگر کسی معتبر ذریعہ سے اسے معلوم ہو جائے کہ حاکم میرے کام کو دیکھ رہا ہے تو اس وقت بھی اس کی وہی حالت ہوگی جو آنکھوں کے سامنے حاکم کو دیکھنے کے بعد ہوتی اور مسلمان کے لئے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی ہے۔ جب قرآن و حدیث میں اس کی تصریح ہو چکی کہ حق تعالیٰ بندوں کے افعال کو دیکھ رہے ہیں تو ان کی حالت عبادت میں وہی ہونی چاہئے جو حق تعالیٰ کو دیکھ کر ہوتی اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کو دیکھنے کے بعد بہت ہی اچھے طریق سے عبادت ہوتی اور وہ اچھا ہوتا یہ ہے کہ ظاہراً ارکان اس کے مکمل ہوں اور باطمینان اس میں ریا وغیرہ کا خیال پاس بھی نہیں آ سکتا اس وقت تو اپنی بھی خبر نہ رہے گی دوسروں کی تو کیا خبر ہوگی جن کو عمل دکھلانے کا خیال ہو۔ (تقلیل الطعام بصورۃ الصیام ج ۳۰)

کیفیت احسان

مولوی محمد سعید صاحب کیرانوی رحمہ اللہ مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ نے مجھ سے اپنا واقعہ بیان کیا کہ جب میں قسطنطنیہ گیا اور سلطان عبدالحمید خاں رحمۃ اللہ علیہ کے ایوان کی طرف چلا تو اول تو میں بے فکری کے ساتھ چلا جب قصر شاہی میں قدم رکھا اس وقت یہ تحقیق ہوا کہ سلطان کا جو خاص کمرہ ہے سلطان اس کمرہ میں کبھی سیر و تفریح کے لئے آ بیٹھتے ہیں اس وقت اس میدان میں چلنے والے سب ان کے سامنے ہوتے ہیں۔ مولوی محمد سعید صاحب کہتے تھے کہ بس یہ تصور کر کے کہ شاید اس وقت سلطان مجھے دیکھ رہے ہوں میری یہ حالت تھی کہ قدم نہ اٹھتا تھا اور میں گردن جھکائے نہایت ادب سے چل رہا تھا اس میدان میں چاروں طرف پھول پھلواری

اور عمدہ عمدہ درخت لگے ہوئے تھے مگر میں نے ایسی نگاہیں نیچی کیں کہ کسی چیز کو بھی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی۔ حالانکہ اس وقت تک نہ میں نے سلطان کو دیکھا تھا نہ یہ یقین تھا کہ وہ مجھ کو اس وقت دیکھ رہے ہیں، محض احتمال تھا کہ شاید دیکھ رہے ہوں مگر اس احتمال ہی سے میری وہ حالت تھی جس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔ (تقلیل الطعام بصورۃ الصیام ج ۳۰)

ارکان مجاہدہ

مجاہدہ کے چار رکن ہیں (۱) تقلیل طعام (۲) تقلیل منام (۳) تقلیل کلام (۴) تقلیل اختلاط مع الانام اور تقلیل کا لفظ تو میں کہہ رہا ہوں وہ تو ترک ہی سے تعبیر کرتے ہیں مگر مراد ان کی بھی تقلیل ہی ہے جس کو ترک سے اس لئے تعبیر کیا کہ بمرگش گیر تا بہ تپ راضی شود اگر وہ تقلیل کا لفظ استعمال کرتے تو ہم لوگوں کو گنجائش ملتی کہ ذرا سی قلت کر کے اپنے کو مجاہد سمجھ لیا کرتے اور جب ترک کا لفظ اختیار کیا تو ہم ان کے چھوڑنے کا قصد کریں گے اور ترک کلی ہو نہیں سکے گا اس لئے لامحالہ تقلیل کے اس درجہ پر جا ٹھہریں گے جو ان کا مقصود ہے۔ (تقلیل الطعام بصورۃ الصیام ج ۳۰)

ضرورت مجاہدہ

مجاہدہ کا ضروری ہونا مسلم ہے تو گویا ان کی ضرورت پر اتفاق ہے اور جس طرح اہل ظاہر کا اجماع حجت ہے اسی طرح اہل باطن کا اجماع بھی حجت ہے کیونکہ تصوف بھی فقہ کی ایک فرد ہے جیسا کہ اہل اصول نے امام ابوحنیفہؒ سے اس کی تصریح کی ہے کہ **الفقه معرفة النفس مالها وما عليها** (فقہ نام ہے نفس کی معرفت کا جو اس کے لئے مفید اور جو مضر ہیں) تو صوفیہ بھی فقہاء امت میں داخل ہیں، پھر کوئی وجہ نہیں کہ مسائل ظاہرہ میں فقہاء ظاہر کا اجماع تو حجت ہو اور مسائل سلوک میں فقہاء باطن کا اجماع حجت نہ ہو (تقلیل الطعام بصورۃ الصیام ج ۳۰)

تین مبغوض لوگ

حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ کو تین شخصوں سے زیادہ بغض ہے ملک کذاب وشیخ زان وعائل مستکبر (مجمع الزوائد ۶: ۲۵۵)۔ یعنی (۱) بادشاہ جھوٹ بولنے والا کیونکہ عام لوگ اگر جھوٹ بولیں تو وہ حاجت کا بہانہ کر سکتے ہیں کہ صاحب کیا کریں بدون جھوٹ کے کام نہیں

چل سکتا۔ مگر بادشاہ کو کس بلا نے گھیرا وہ کیوں جھوٹ بولتا ہے اس کے اوپر کس کا دباؤ ہے یا اس کو کس کے پاس مقدمہ لے جانا پڑتا ہے۔ پس بادشاہ کا جھوٹ بولنا محض خباثت نفس ہے۔ اسی طرح (۲) بڈھا زنا کرنے والا اس پر بھی خدا کا غضب زیادہ ہے کیونکہ جوان تو کچھ عذر کر سکتا ہے کہ فرط شبق سے میری عقل پر پردہ پڑ گیا تھا مگر بڈھے پر کیا آفت آئی اسے کونسا شبق تھا وہ تو پہلا شبق سب بھول بھال گیا اب تو وہ نہ معلوم کتنی دیر میں نفس کو آمادہ کرے گا کیونکہ غریب مردہ ہو چکا ہے۔ جیسے ایک بڈھے قاضی نے کسی کم عمر لڑکی سے نکاح کیا تھا جو ابھی ان باتوں کو نہ جانتی تھی انہوں نے یہ کہہ کر راضی کیا کہ ایسا کام ایک بار کرنے سے سو کافروں کے مارنے کا ثواب ہوتا ہے وہ بے چاری راضی ہوگئی دو تین روز کے بعد پھر یہ مسئلہ بیان کیا وہ پھر راضی ہوگئی۔ اس کے بعد جب یہ جوان ہوگئی اور وہ زیادہ بوڑھے ہو گئے تو اب اس نے خود کہنا شروع کیا کہ قاضی جی کافروں کو ماریں خیر قاضی جی جہاد کو تیار ہو گئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اس نے پھر کہا قاضی جی نے پھر بھی ہمت کی جب کئی دفعہ یہ قصہ ہوا تو قاضی جی گھبرا کر باہر چلے گئے بیوی نے لڑکے کے ہاتھ کہلا کر بھیجا کہ قاضی جی کافروں نے بہت زور کر رکھا ہے تو قاضی جی صاحب نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہم نے ان کافروں سے صلح کر لی ہے بس یہی حال بڈھے کے نفس کا ہوتا ہے کہ وہ بھی ان کافروں سے صلح کر چکا ہے اب اس کا زنا پر اقدام کرنا سوائے شرارت نفس کے اور کچھ نہیں۔ (تقلیل الطعام بصورۃ الصیام ج ۳۰)

بسیار خوری کے نقصانات

زیادہ کھانے میں علاوہ اس نقصان کے کہ وہ گناہوں کا سبب ہوتا ہے اور بھی بہت نقصان ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص ہمت کر کے گناہوں سے بچا بھی رہے تو یہ نقصان تو اسے بھی ہوگا کہ نیند زیادہ آئے گی کم کھانے میں نیند کم آتی ہے۔ پیٹ تن کر جب سوؤ گے تو نیند بھی تن کر آئے گی اور کچھ بھوک رکھ کر کھاؤ گے تو رات میں دو تین دفعہ خود بخود آنکھ کھل جائے گی کیونکہ نیند سے وہ تھوڑے بہت کھانا بھی جو کھایا تھا جلدی ہضم ہو جائے گا پھر جب پیٹ کمر سے لگ جائے گا تو ایک کروٹ پر لیٹا نہ جائے گا بار بار کروٹیں بدلو گے اور کئی بار آنکھ کھل کھل جائے گی پھر چونکہ یہ مسلمان ہے اس لئے ذکر اللہ میں لگ جائے گا اور سوچے گا کہ یہ وقت اور کسی کام کا تو ہے نہیں اور صبح ہونے میں دیر ہے تو بے کار کیوں جاگے لاؤ کچھ اللہ اللہ ہی کر لو تو

کم کھانے والے کو طاعات کی توفیق زیادہ ہوتی ہے اور زیادہ کھانے والا تو صبح کو بھی مشکل سے اٹھے گا اس لئے اس شخص کی طاعات بہت کم ہوں گی اور اگر بہت کھانے والا اتفاق سے کسی رات کو جاگ بھی گیا تو کھانے کا کسل ایسا ہوتا ہے کہ اس کو چارپائی سے اٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی اور اگر اٹھ بھی گیا اور وضو کر کے نماز یا ذکر میں لگ گیا تو تھوڑی دیر میں نیند کے جھونکے ایسے آئیں گے کہ سجدہ میں پڑ کر خبر بھی نہ رہے گی یا گردن جھکا کر سوتا رہے گا۔ زیادہ کھانے میں دین کا نقصان تو ہے ہی دنیا کا بھی نقصان ہے کیونکہ کھانے میں اس شخص کی رقم زیادہ خرچ ہوتی ہے ایک شخص فی وقت دس روٹی کھاتا ہے اور ایک چار روٹی کھاتا ہے دونوں کے خرچ میں آدھوں آدھ کا تفاوت ہوگا۔ پھر بہت کھانے والے کو غذا اچھی طرح ہضم نہیں ہوتی آئے دن بدہضمی کی شکایت رہتی ہے جس سے طرح طرح کی بیماریوں کا شکار رہتا ہے تو دواؤں میں بہت رقم خرچ ہوتی ہے اور کم کھانے والے کو غذا اچھی طرح ہضم ہوتی ہے اس کی تندرستی بنی رہتی ہے تو دواؤں میں اس کے روپے نہیں اٹھتے۔ (تقلیل الطعام بصورۃ الصیام ج ۳۰)

ضرورت اہتمام جمعیت قلب

ہمارے حاجی صاحب کو جمعیت قلب کا بہت اہتمام تھا اسی لئے حضرت نے سالکین کو وصیت کی ہے کہ کسی سے نہ دوستی بڑھائیں نہ دشمنی پیدا کریں بس سب سے معمولی صاحب سلامت رکھیں، کیونکہ دشمنی تو پریشانی قلب کا سبب ہے اور آج کل دوستی بھی اس کا سبب ہو جاتی ہے

نفسانی لذت

مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ذاکر نے شکایت کی کہ حضرت اب ذکر میں پہلے جیسی لذت نہیں آتی فرمایا تم نے سنا نہیں کہ پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ کیا عجیب مثال دی۔ حاصل جواب کا وہی ہے کہ یہ لذت نفسانی ہے جس کا جوش کچھ دنوں رہا کرتا ہے جیسے بیوی کے ساتھ جوش محبت چند روز رہتا ہے اور سال دو سال گزرنے کے بعد وہ پہلا سا جوش نہیں رہتا البتہ انس پہلے سے زیادہ ہو جاتا ہے چنانچہ جس بیوی کے ساتھ صحبت طویلہ رہی ہو اس کی محبت رگ رگ میں سرایت کر جاتی ہے۔ یہی حال ذکر کا ہے کہ زمان طویل کے بعد جوش تو کم ہو جاتا ہے مگر انس بڑھ جاتا ہے اور پرانی جورو کے اماں ہو جانے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی۔ ہندوستان میں ایک کابلی رئیس تھے جن کے

لئے حکومت کی طرف سے کچھ جاگیر و معافی تھی اور حکام میں ان کی بہت وقعت تھی۔ بڑھاپے میں ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا تو حاکم ضلع تعزیت کے لئے آیا اور کہا آغا صاحب ہم کو آپ کی بی بی کے انتقال کا بہت صدمہ ہے تو وہ رونے لگے اور کہا کلکٹر صاحب وہ ہمارا بی بی نہ تھا اماں تھا ہم کو روٹی کھلاتا تھا بدن دباتا تھا۔ واقعی بوڑھے کی بیوی تو اماں ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ کام کے دونوں نہیں رہتے بس وہ حال ہوتا ہے کہ لینے دینے کے منہ میں خاک محبت رکھیں پاک اب ان کا تعلق نفسانی غرض کے لئے نہیں ہوتا محض پاک محبت ہوتی ہے۔ تو سالک کو چاہئے کہ ان نفسانی کیفیات کو مقصود نہ سمجھے بلکہ ذکر اور طاعات کو مقصود سمجھے۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب　　که حیف باشد از غیر او تمنائے

(فراق اور وصل کیا چیز ہے رضائے دوست طلب کیجئے کہ اس محبوب حقیقی سے اس کے غیر کی طلب باعث حیف و افسوس ہے) (تقلیل الطعام بصورۃ الصیام ج ۳۰)

شہوت کا علاج

بڑی بلا ہمارے اندر یہ ہے کہ ہم شہوات کے پابند ہیں اور اس کا علاج ترک شہوات کے سوا کچھ نہیں اس لئے ہم سب کو ترک شہوات کی ضرورت ہے۔ خصوصاً سالکین کو کیونکہ سلوک کا تو مدار اسی پر ہے کہ نفس کو شہوات سے روکا جاوے جس میں معاصی سے تو بالکلیہ ہی روکنا ضروری ہے اور مباحات کی بھی تقلیل ضروری ہے یہی مجاہدہ ہے مثلاً راستہ میں کسی عورت یا مرد کو آتا ہوا دیکھا اور جی میں آیا کہ اس کو گھورو اس وقت اکثر لوگ نفس کو شہوت سے نہیں روکتے بس جی میں دیکھنے کا خیال آیا اور فوراً دیکھ لیا خواہ دیکھنے کے بعد نفرت ہی ہو جائے کیونکہ سب حسین ہی نہیں ہوتے مگر اس سے بدون دیکھے نہیں رہا جاتا۔ (انفاق المحبوب ج ۳۰)

احتمال خطرہ عظیم

میرے ایک دوست کو یہ شبہ ہوا کہ چونکہ بعض دفعہ سامنے سے آئی ہوئی عورت قریب آ کر بری معلوم ہوتی ہے اور اس کو اچھی طرح دیکھ لینے سے دل میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس صورت میں تو نفرت پیدا کرنے کے لئے اس کو اچھی طرح دیکھ لینا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اجمالی نظر پر اکتفا کر لینے سے قلب میں یہ خیال رہتا ہے کہ

شاید حسین ہو اور دیر تک قلب مشوش رہتا ہے اگر تفصیلی نظر سے دیکھ لیا جاتا تو تشویش نہ رہتی بلکہ نفرت پیدا ہو جاتی میں نے کہا کہ یہ بات تو تفصیلی نظر کے بعد معلوم ہو گی کہ یہ قابل نفرت ہے پہلے سے اس کا یقین کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہ نفرت ہی کے قابل ہے بلکہ پہلے تو دونوں احتمال ہیں کہ شاید قابل نفرت ہو یا قابل رغبت ہو پھر اس خطرہ کی حالت میں نظر تفصیلی کی کیوں کر اجازت ہو سکتی ہے ممکن ہے کہ بعد میں وہ ایسی ظاہر نہ ہو اور اگر بعد میں وہ قابل نفرت نہ نکلی بلکہ قابل محبت نکلی تو اب تشویش اس سے زیادہ ہو گی۔ جو اجمالی نظر پر اکتفا کر لینے سے ہوتی ہے اگرچہ اس وقت ممکن ہے کچھ لذت حاصل ہو مگر وہ بلا ہو گی کیونکہ ہر لذیذ چیز حاصل تو نہیں ہو جاتی اور اگر حاصل بھی ہو جائے تو کیا ہو گا پھر بھی مصیبت کا سامنا ہے۔ عذاب آخرت تو ہے ہی جو ناقابل برداشت ہے دنیا میں بھی اس سے کلفت ہوتی ہے کیونکہ ایسی لذتیں جن میں صرف نفس کا شائبہ ہو اور دین بالکل نہ ہو دوام نہیں رکھتیں الاشاذ و نادر اور جب دوام نہ ہوا تو سخت کوفت و قلق ہو گا کیونکہ ایک بار حصول لذت سے محبت قلب میں جاگزیں ہو چکی ہے جس سے بعد اشتراق کے سخت تکلیف ہوتی ہے جو بعض دفعہ موت تک مفضی ہو جاتی ہے اس اعتبار سے یہ کلفت عذاب جہنم کے مشابہ بلکہ ایک اعتبار سے اس سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ وہاں کے عذاب سے موت تو نہ آئے گی اور اس عذاب سے تو موت آ جاتی ہے اور جو عذاب موت تک پہنچاوے وہ اس سے اشد ہے جس سے موت نہ آئے (انفاق المحبوب ج ۳۰)

وساوس کا علاج

اہل سلوک کو بھی بعض مرتبہ ایسے وساوس آتے ہیں کہ خودکشی کرنی آسان معلوم ہوتی ہے چنانچہ جو ان میں جاہل ہیں وہ خودکشی کر بھی لیتے ہیں اور جو واقف ہیں وہ صبر کرتے ہیں اور راز اور علت وسوسہ کی یہ ہے کہ جب سالک اللہ کی راہ میں قدم رکھتا ہے تو شیطان کو بڑا رنج ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو ضرر پہنچاؤں اول نماز روزہ فرائض واجبات کے ترک کی کوشش میں لگتا ہے کہ دینی ضرر ہے جب جانتا ہے کہ اس میں مجھ کو کامیابی نہ ہو گی اس وقت جسمانی ضرر اور پریشانیوں کو غنیمت سمجھ کر اس کے گوش قلب میں برے برے وسوسہ پھونکتا ہے سالک اس سے پریشان ہوتا ہے اور رنج کرتا ہے کہ اللہ اکبر میرے تو ایمان ہی میں نقص ہے کہ مجھ کو ایسے خطرات گزرتے ہیں حالانکہ ان وسوسوں کا آنا اس کو مطلق مضر نہیں ہاں

موجب پریشانی کا ہے اور پریشانی کا موجب بھی اس سبب سے کہ اس میں ایک غلطی ہوتی ہے وہ یہ کہ سالک سمجھتا ہے کہ یہ وسوسے میرے قلب سے پیدا ہوتے ہیں منشاء ان کا میرا قلب ہے حالانکہ یہ غلط ہے منشاء اس کا شیطان ہے کیونکہ وہی قلب میں پھونکتا ہے قلب محض محل اور گزرگاہ وسوسہ ہے اس راز کے سمجھنے اور ذہن نشین ہونے کے بعد ان شاء اللہ مطلق پریشانی نہ ہوگی بلکہ وسوسہ ہی کی جڑ کٹ جاوے گی کیونکہ شیطان وسوسہ اس کے پریشان کرنے کے لئے ڈالتا ہے جب وہ پریشان ہی نہ ہوگا وہ وسوسہ ڈالنا چھوڑ دے گا تو یہ علمی علاج ہے کہ جب وسوسہ آوے اعوذ باللہ پڑھے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ فعل شیطان ہے اور نعوذ سے بلکہ مطلق ذکر سے شیطان دفع ہوتا ہے و نیز جب ذکر کی طرف خوب متوجہ ہو گیا اور کامل توجہ دو طرف ہوتی ہیں تو وسوسہ کی طرف التفات نہ رہے گا اور بالفرض اگر اس پر بھی وسوسہ آویں اور دفع نہ ہوں اور بالاضطرار پریشانی ہو تو یہ بھی ایک مجاہدہ ہے تب بھی نفع ہی ہو اس لئے رنج نہ کرے اور جو شخص اسی فکر میں لگا ہے کہ وسوسہ دفع ہوں اور عبادت و ذکر اللہ میں مزا آوے جیسا کہ آج کل اکثر اہل سلوک کا حال ہے تو سمجھنا چاہئے کہ یہ شخص اپنے مزے کے لے ذکر کرتا ہے رضائے حق کے لئے نہیں کرتا۔

بس زبون وسوسہ باشی ولا   گر طرب راباز دانی ازبلا

(تم بالکل مغلوب وساوس سمجھے جاؤ گے اگر محبوب کے طرب و بلا میں فرق سمجھو گے)

گر مرادت را مذاق شکر است   بے مرادی نے مراد دلبراست

(مراد کا مزہ شیریں ہے تو کیا بے مرادی دلبر کی مراد نہیں ہے)

دوسرا علاج وسوسہ کا مطلق ذکر اللہ ہے جیسا اوپر بھی اشارہ ہوا سو جب وسوسہ آوے ذکر اللہ شروع کر دے۔ حدیث میں ہے اذا ذکر الله خنس یعنی جب مومن ذکر اللہ کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے۔ واذا غفل وسوس (جب غافل ہوتا ہے تو وسوسہ ڈالتا ہے) اوپر اس کے عقلی لم بھی مذکور ہوئی ہے اور وسوسہ آنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے سالک کا امتحان ہے اس کی عبادت حظ نفس کے لئے تھی یا یہ کہ اس کشاکشی اور بے لطفی میں بھی عبادت کرتا ہے اور یہ کہ یہ وسوسہ کے وقت کس طرف متوجہ ہوتا ہے بعض تو جب شیطان وسوسہ ڈالتا ہے اس سے مناظرہ میں مشغول ہو جاتے ہیں سو ایسا شخص عارف نہیں ہے اگر عارف ہوتا تو اس طرف ہرگز متوجہ نہ ہوتا جیسا کہ شیخ علیہ الرحمہ نے حکایت نقل فرمائی۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو　　چو بگذشت بر عارف جنگجو
گرایں مدعی دوست بشناختے　　بہ پیکار دشمن نہ پر داختے

(بہلول مبارک خصلت نے کیا اچھی بات کہی جب کہ وہ ایک عارف جنگ جو پر گذرے اگراس مدعی کواللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی تو دشمن کے ساتھ لڑائی میں مشغول نہ ہوتا)

لہٰذاان وسوسوں سے ہرگز پریشان نہ ہواور کام میں لگا رہے آج کل یہ بھی اہل سلوک کوخبط ہوگیا ہے کہ مزہ کے طالب ہیں یہ چاہتے ہیں کہ ذکر میں کوئی وسوسہ نہ آوے اور مزہ آوے طالب صادق کی ہرگز یہ شان نہیں صادق وہی ہے مزہ آوے یا نہ آوے کلفت ہو یا راحت ہو ہر حالت میں طالب رضا کا ہومولانا فرماتے ہیں ۔

روز ہاگر رفت گو باک نیست　　تو بماں اے آنکہ چوںتو پاک نیست

(یعنی ایام تلف ہونے پر حسرت نہ کرنا چاہئے اگر گئے بلا سے گئے عشق جو اصلی دولت ہے اور سب خرابیوں سے پاک ہے اس کا رہنا کافی ہے) (الاخلاص ج ۳۰)

مقصودسلوک

مقصودسلوک کا یہ ہے کہ حق تقویٰ حاصل ہواور اِتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ میں ابتداء سلوک کو بیان فرمایا ہے کہ اس میں شیئاًفشیئاً کوشش کی جاتی ہے ان دونوں امروں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی امر کرے کہ چھت پر چڑھواوروہ گھبرا جاوے کہ میں کیسے جاؤں تو اس کو کہا جاوے گا کہ زینہ پر بقدر استطاعت ایک ایک درجہ طے کر کے پہنچ جاؤ دوسری مثال یہ ہے کہ کوئی امر کرے کہ علاج کر کے اپنا بخار دور کرواوروہ گھبرا جاوے کہ کیا کوئی دوا ایسی ہے کہ آج ہی بخار جاتا رہے تو اس کو کہا جاوے گا کہ تھوڑی تھوڑی دوا پیا کرو بخار جاتا رہے گا اسی طرح مطلب حق تعالیٰ کا یہ ہے کہ بقدر استطاعت تقویٰ کرتے رہو یہاں تک کہ حق تقویٰ حاصل ہو جائے اورسلف نے جو اس میں نسخ کہا ہے تو وہ نسخ اصطلاحی نہیں ان کے عرف میں نسخ مطلق اختلاف کو کہتے ہیں ولو بالاجمال والتفصیل (اگر چہ اجمال اور تفصیل کے ساتھ ہو) جیسا یہاں ہے غرض دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوگیا کہ کام میں لگنے والے اور معالجہ کرنے والے ہرگز نہ گھبرائیں ان پر کوئی ملامت نہیں وہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس قدر ہو سکے) پر عمل کر رہے ہیں ان شاء اللہ ایک روز ان کو حق تقویٰ بھی حاصل ہو جاوے گا ہاں

جو معالجہ سے غافل ہیں اور مرض کو بڑھا رہے ہیں ان پر البتہ ملامت ہے بہر حال ہم کو اپنی نیت کا خالص کرنا ضروری ہے تا کہ دین کی حقیقت ہم کو حاصل ہو۔ (الاخلاص ج ۳۰)

انسان کی صورت اور حقیقت

آدمی کی صورت اور شئے ہے اور حقیقت اور ہے

گر بصورت آدمی انساں بدے   احمد و بو جہل ہم یکساں بدے

اینکہ می بینی خلاف آدم اند   نیستند آدم غلاف آدم اند

(اگر آدمی کی صورت کی وجہ سے انسان ہوتا تو احمد اور ابو جہل یکساں ہوتے یہ کہ خلاف آدم کے تجھ کو نظر آتا ہے آدم نہیں ہیں آدم کے غلاف میں ہیں)

ایسی ہی ہمارے اعمال کی حالت ہے کہ اعمال کی صورت ہے حقیقت نہیں ہے

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے   حاصل خواجہ بجز پندار نیست

(خواجہ کو گمان ہے کہ اس کو کچھ حاصل ہے خواجہ کو بجز غرور کے کچھ حاصل نہیں)

ان ہی صور اعمال پر نظر مقتصر کر کے ہر شخص بجائے خود سمجھ رہا ہے کہ مجھ میں کچھ ہے میں متقی ہوں ذاکر ہوں کوئی سمجھتا ہے کہ عالم ہوں حافظ ہوں اور اگر باطن کو دیکھا جاوے تو یہ حالت ہے۔

ازبروں چوں گور کافر پر حلل   واندروں قہر خدائے عزو جل

ازبروں طعنہ زنی بربا یزید   واز درونت ننگ میدارد یزید

(باہر سے (ظاہر میں) کافر کی قبر کی طرح آراستہ اور مزین ہیں اور اندر (باطن میں) خدائے عز و جل کا عذاب ہو رہا ہے ظاہر سے تو بایزید بسطامی جیسے پر تو طعنہ زنی کرتا ہے اور تیری اندرونی حالت سے شیطان بھی شرماتا ہے) (الاخلاص ج ۳۰)

فکر کا اعتدال

حاصل یہ ہے کہ اتنی بے فکری بھی بری ہے کہ علاج ہی نہ کرے اور اس قدر فکر بھی مضر ہے کہ باوجود طبیب کے سپرد کر دینے کے بھی کسی وقت فکر سے خالی نہ ہو جب طبیب کے سپرد کر دیا اب بے فکر ہو جانا چاہئے۔ بس صرف اس کی اتباع کی فکر رکھے اور منتظر رہے ان شاء اللہ ایک وہ دن ہوگا کہ

یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور   کلبہ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور

(یوسف گم گشتہ کنعان میں واپس آتا ہے غم مت کرو کہ کسی دن گلستاں بن جائے گا غم مت کرو)

الحمدللہ حدیث شریف کے تمام اجزاء کی بقدر ضرورت تفصیل ہوگئی ہے حق تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔فقط۔ختم شد (الاخلاص ج ۳۰)

مخلوق کا وجود سراپا احتیاج ہے

حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِه (اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو بجز اس کے اور کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تم کو کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں)۔تو بتلائے یہ وحدۃ الوجود قرآن و حدیث کے مطابق ہے یا خلاف یقیناً بالکل مطابق ہے جس کا حاصل صرف یہ ہے کہ مخلوق کا وجود وجود مستقل نہیں غیر مستقل اور سراپا احتیاج ہے اس لئے وجود الٰہی کے سامنے وہ ہیچ در ہیچ اور کالعدم ولاشی محض ہے اس سے زیادہ اگر کسی کے کلام میں نفی وجود کی ہوا گر وہ مغلوب الحال نہیں تو اس کو مبالغہ پر محمول کرنا چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ مطلب اس کا بھی یہی ہے جس کو مبالغہ کے ساتھ بیان کر رہا ہے تم اس کو کافر کیوں بتاتے ہو ہاں اگر کسی بھنگڑ کو کہو تو ہم بھی اس کی حمایت نہ کریں گے کیونکہ یہ نالائق وحدۃ الوجود کو نہ سمجھتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں یہ تو محض الفاظ یاد کر کے مخلوق کو گمراہ کرتے ہیں مگر اہل مشاہدہ کو تم کیوں کافر کہتے ہو جیسے شیخ اکبر ہیں یا ملا جامی۔اگر کوئی یہ کہے کہ ان بزرگوں کے کلام میں بھی تو ہمہ اوست وغیرہ وغیرہ ایسے الفاظ موجود ہیں جو شریعت پر منطبق نہیں ہوتے جن سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہر چیز کے وجود کو وجود حق ہی سمجھتے ہیں اور یہی باتیں بھنگڑوں کے کلام میں پائی جاتی ہیں پھر فرق کی کیا وجہ کہ ان کو کافر کہنا جائز اور ان کو کافر کہنا ناجائز میں کہوں گا کہ تم ان کے ساتھ وہ برتاؤ کرو جو حق تعالیٰ کریں گے وہ یہ کہ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْن کہ جس شخص کے حسنات سیئات پر غالب ہوں وہ خدا کے نزدیک اہل فلاح ہے پس تم بھی اس کو صالح سمجھو اب یہ دیکھو کہ ہمہ اوست کہنے والے کی حالت کیا ہے اگر اس کے حسنات سیئات پر غالب ہوں تب تو اس کے قول میں تاویل کرو کسی محل حسن پر محمول کرو اور اگر سیئات حسنات پر غالب ہیں تو وہ مقبول نہیں اس کے کلام میں تاویل کی ضرورت نہیں۔(ایواء الیتامی ج ۳۰)

ذکر کا لطف

مگر آج کل لوگوں نے اسی کو مقصود بنالیا ہے چنانچہ ذکر میں مستی اور لذت کے طالب رہتے ہیں بعض لوگوں نے مجھ سے شکایت کی کہ ذکر میں مزہ نہیں آتا میں نے کہا مزا تو مذی میں ہے یا داغ اور ذوق کی غزلوں میں ہے حکیم محمود خاں کے نسخہ میں کیا مزہ اگر کوئی حکیم کا نسخہ پڑھ کر اس سے وہ مزا لینا چاہے جو غزل کے گانے میں آتا ہے تو یہ حماقت ہے نسخہ کے پڑھنے میں کیا مزا اور اس کے استعمال کرنے میں بھی مزہ آنا ضروری نہیں ممکن ہے کو دوا تلخ ہو لیکن کچھ دنوں استعمال کے بعد مزہ آئیگا اور دیر پا مزہ ہوگا۔ (عمل الشکر ج ۳۰)

حکایت سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ کا واقعہ ہے کسی نے شریف مکہ سے آپ کی چغلی کھا دی تھی جس کی وجہ سے شریف کچھ ناراض تھا ایک دفعہ شریف کے کوئی مصاحب حاجی صاحب سے ملنے آئے لوگوں نے دل میں خیال کیا کہ حاجی صاحب ان سے نرمی کا برتاؤ کریں اور اس کی خاطر کریں تو اچھا ہے تا کہ یہ شریف کے دل پر سے اس شکایت کے اثر کو دھو ڈالیں مگر حاجی صاحب کے یہاں یہ پالیسیاں کہاں تھیں کسی بات پر شریف صاحب کا تذکرہ آ گیا تو حاجی صاحب نے مصاحب کے ساتھ تیز گفتگو فرمائی اور فرمایا کہ شریف صاحب میرا کر کیا لیں گے بیش بریں نیست کہ مجھ کو مکہ سے نکال دیں گے تو میں جہاں بیٹھوں گا وہیں میرا مکہ مدینہ ہے کیونکہ کعبہ کی حقیقت شان الوہیت ہے اور مدینہ کی حقیقت شان عبدیت ہے اور یہ شانیں عارف کی ساتھ ساتھ ہیں چاہے وہ کہیں رہے پھر مکہ سے نکال کر وہ میرا کیا بگاڑ دیں گے اس کے بعد شان محققیت کا ظہور ہوا تو فرمایا لیکن محقق صورت و معنی دونوں کو جمع کرنا چاہتا ہے اور جب تک ہوسکتا ہے وہ صورت کو بھی ترک نہیں کرتا اس میں اس سوال کا جواب تھا کہ جب عارف کے پاس حقیقت کعبہ و حقیقت مدینہ ہر دم موجود ہے تو پھر مکہ اور مدینہ جانے کی اور وہاں رہنے کی کیا ضرورت ہے بتلا دیا کہ محقق صورت کی بھی قدر کرتا ہے۔

اسی طرح جو جامع ہیں وہ زبان سے بھی شکر کرتے ہیں اور عمل سے بھی ان کا یہ حال ہوتا ہے۔

افادتکم النعماء منی ثلثة یدی و لسانی والضمیر المحجبا
(تمہیں میری تین نعمتوں سے زیادہ نفع پہنچتا ہے ہاتھ زبان اور پوشیدہ ضمیر)(عمل الشکر ج۳۰)

اھل وجد کا حال

آج کل اہل وجد کا یہی حال ہے کہ ان کا زیادہ تر حال و وجد تکلف اور تصنع سے ہوتا ہے ایک صوفی کو قوالی کی مجلس میں حال ہوا خوب کودے اچھلے تو لوگوں نے اس کی چادر قوالوں کو دیدی کیونکہ قاعدہ ہے کہ صاحب حال قوالوں کو کچھ دیا کرتا ہے بس چادر کا قوالوں کے ہاتھ میں جانا تھا کہ فوراً آپ کا حال ختم ہو گیا اور لگے گڑگڑانے کہ یہ چادر میرا نہیں دوسرے سے مانگ کر لایا تھا قوالوں نے کہا کہ حضور آپ نے ہم کو دیا ہے کہنے لگے میں نے نہیں دیا وہ بولے حضور وجد میں آپ کو یاد نہیں رہا کہنے لگے مجھ کو خوب یاد ہے میں نے نہیں دیا بڑی دقت سے آٹھ آنہ میں واپس ملا مگر پھر اخیر تک وجد نہ ہوا آج کل لوگوں نے حال و وجد کو بھی رسم بنالیا ہے ورنہ واقعی حال تو کسی کسی پر طاری ہوتا ہوگا زیادہ تر تو بناوٹ ہوتی ہے اور کسی پر واقعی حال بھی طاری ہو تو بدون عمل کے سب ہیچ ہے اور آج کل حال وقال و وجد والے عمل سے اکثر کورے ہیں۔ ہاں یہ اعمال رہ گئے ہیں کہ عرسوں میں شریک ہو گئے فاتحہ اور ختم میں جا پہنچے قوالی میں اچھل کود لئے اسی لئے شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں نسبت صوفیہ غنیمتے ست کہری امارسوم شان بہ ہیچ نیرزد۔ لوگ ہمارے مجمع کو خشک بتلاتے ہیں کہ یہ تو نرے مولوی ہیں میں کہتا ہوں کہ اور کیا چاہتے ہو مولوی کہتے ہیں مولوی والے یعنی اللہ والے کو کیا یہ تھوڑی بات ہے دوسرے میں کہتا ہوں کہ جس ہنڈیا کی بھاپ نکلتی رہے وہ خالی ہو جائے گی یا وہ جس کا منہ اوپر سے نہایت مضبوطی کے ساتھ بند کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کی بھاپ نکل رہی ہے وہی خالی ہو جائے گی تو اب بتلاؤ کہ تم خشک ہوئے یا ہم تمہاری تو یہ حالت ہے کہ جہاں کچھ ولولہ دل میں پیدا ہوا اور تم نے قوالی سن کر دل کا بھڑاس نکال لیا اور یہاں یہ حالت ہے کہ اندر ہی اندر گھٹتے ہیں دل کا بھڑاس کبھی نہیں نکلتا جتنی بھاپ پیدا ہوتی ہے سب اندر ہی بند رہتی ہے پھر ہم خشک کیونکر ہو گئے۔ (عمل الشکر ج۳۰)

اعمال میں خلوص کی ضرورت

صاحبو! عمل کا اہتمام چاہئے ان احوال و مواجید میں کیا رکھا ہے بدون عمل کے یہ

سب بے کار ہیں مگر عمل ہی آج کل بہت کم ہو گیا ہے بلکہ جو لوگ عمل کرتے بھی ہیں ان میں بھی اللہ کے لئے عمل بہت کم ہے (عمل الشکر ج ۳۰)

عالمگیر کے بہروپئے کا واقعہ

عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ جب تخت نشین ہوئے امیدوار انعام کے لئے جمع ہو گئے ایک بہروپیہ بھی آیا اس کو دینا مناسب نہ سمجھا مگر سادہ انکار خلاف ادب شاہی سمجھا عذر یہ کیا کہ تمہارا کمال یہ ہے کہ ایسی صورت سے آؤ کہ پہچان نہ ہو اس وقت مستحق انعام کے ہو گے وہ طرح طرح کی شکلیں بدل کر آتا مگر یہ ایسے عاقل تھے کہ کبھی اس بہروپیہ کے دھوکے میں نہ آتے تھے جس روپ میں آتا تھا فوراً پہچان لیتے تھے آخر کار ایک دفعہ عالمگیر نے دکن کا ارادہ کیا اور راستہ میں جتنے بزرگ اولیاء اللہ تھے سب سے مل کر دعاء کی جانے کا قصد کیا بہروپیہ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا وہ بھی راستہ میں ایک پہاڑ پر صوفی بن کر بیٹھ گیا ایک دو اس کے چیلے تھے انہوں نے بستی میں شہرت دیدی کہ فلاں پہاڑ پر ایک بڑے بزرگ اللہ والے رہتے ہیں لوگ جوق جوق اس کے پاس آنے لگے کسی نے عالمگیر کو بھی اطلاع کر دی کہ حضرت کے راستہ میں ایک بزرگ اور بھی ہیں چنانچہ عالمگیر جب یہاں پہنچے تو اس سے بھی ملے اس زمانہ کے بہروپئے ذی علم ہوتے تھے اس لئے اس نے عالمگیر کے سامنے مسائل تصوف خوب بیان کئے اور ایسی ایسی نصیحتیں کی کہ عالمگیر رونے لگے چلتے ہوئے انہوں نے ہزار روپے نذر پیش کئے بہروپیہ نے لینے سے انکار کر دیا کہ اسی دنیا کو چھوڑ کر تو میں یہاں پہاڑ پر بیٹھا ہوں تم مجھے اس سے ملوث کرنا چاہتے ہو اپنی دنیا کو اپنے ساتھ لے جاؤ مجھے اس کی ضرورت نہیں عالمگیر نے روپے اٹھا لئے اور اس سے دعائیں لے کر روتے ہوئے رخصت ہوئے راستہ میں وزیر اور بادشاہ دونوں تعریف کر رہے تھے کہ ایسا بزرگ کوئی نہیں دیکھا اس وقت بہروپیہ بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا عالمگیر نے جو پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس نے فوراً جھک کر سلام کیا عالمگیر نے غور کیا پہچان لیا اور کہا بھائی واقعی آج تو نے مجھے دھوکہ دے دیا۔ اس کے بعد خیمہ پر پہنچے تو خزانچی کو حکم دیا کہ پچاس روپے اس کو دیدو چنانچہ دیدیئے گئے اور اس نے قبول کر لئے اب عالمگیر نے پوچھا کہ میاں اس کی کیا وجہ تھی کہ تم نے اس وقت تو تھوڑے سے روپے بھی لے لئے اور پہاڑ پر ہزار روپے نہ لئے اگر تم لے لیتے تو میں واپس تھوڑا ہی لیتا بہروپیہ نے کیا

عجیب جواب دیا کہا اس وقت میں نے تارکین دنیا کی نقل بنا رکھی تھی اگر اس وقت لے لیتا تو نقل پوری نہ ہوتی ناقص رہ جاتی جو میرے کمال پر ایک دھبہ ہوتا اور اب تو میں نے اپنے پیشہ سے کمایا ہے سو میرا کام ہی یہ ہے اس لئے اس وقت جو کچھ دیا گیا میں نے لے لیا۔ اس حکایت سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ واقعی ہم لوگ نقل بھی ٹھیک نہیں کرتے۔ (عمل الشکر ج ۳۰)

برزباں تسبیح و دردل گاؤخر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

(زبان پر تسبیح اور دل میں گاؤخر ایسی تسبیح کب اثر رکھتی ہے)

ہمت بڑھانے کا گر

ہمت بڑھانے کے لئے اہل اللہ کی خدمت میں بیٹھا کرو ان کی صحبت سے ہمت بڑھے گی اور ذکر کی توفیق ہوگی ایک لطیفہ یاد آیا وہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے انا جلیس من ذکرنی (اتحاف السادۃ المتقین ۲۸۷،۶) دوسرا مقدمہ اس کے ساتھ یہ ملاؤ۔

یک زمانے صحبت با اولیائے بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

(اولیاء کی تھوڑی صحبت سو سال کی پرخلوص عبادت سے بہتر ہے) (عمل الشکر ج ۳۰)

ذکر لسانی اور ذکر قلبی

صوفیہ کے نزدیک تو اصل ذکر قلبی ہی ہے یعنی اگر ذکر لسانی ذکر قلبی سے خالی ہو تو وہ اس کو معتبر نہیں سمجھتے (مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذکر لسانی میں اگر حضور قلب نہ ہو تو ذکر نہ کرے چھوڑ بیٹھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ محض لسانی کو کافی سمجھ کر اس پر قناعت نہ کرے بلکہ ذکر قلبی کے لئے کوشش کرتا رہے اور وہ کوشش یہی ہے کہ لسانی پر دوام کرے اور اس کے ساتھ دل کو متوجہ کرنے کی بھی عادت ڈالے۔ اسی طرح ذکر قلبی حاصل ہو جائے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

از صفت واز نام چہ زاید خیال واں خیالش ہست دلال وصال

(صفت اور اسم سے تصور اور خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ تصور رہبر وصال بن جاتا ہے)

ایک جگہ فرماتے ہیں

مست ولا یعقل نہ از جام ہو اے زہو قانع شدہ برنام ہو

(تم جام محبت سے مست ولایعقل نہیں ہو تم صرف نام حق پر بجائے محبت کے قناعت کئے ہوئے ہو)

اس میں نام پر قناعت کرنے سے منع فرماتے ہیں ذکر اسمی سے مطلقاً منع نہیں فرماتے کیونکہ یہی تو زینہ ہے ذکر قلبی کا اور وصول الی الذات (ذات تک پہنچانے) کا اور اس حدیث سے زیادہ صریح دوسری حدیث ہے من ذکر نی فی نفسه ذکر ته فی نفسی و من ذکرنی ملاء ذکرته ملاء خیر منه الحدیث (مسند احمد ۲، ۳۵۴) حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھ کو اپنے دل میں یاد کرے میں بھی اس کو اپنی ذات سے یاد کرتا ہوں اور جو کوئی مجھ کو جماعت میں یاد کرے میں اس کو اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ اس میں تو ذکر نفسی کو ذکر جماعت کے مقابلہ میں بیان فرمایا ہے جس میں ذکر قلبی کے سوا بظاہر اور کچھ مراد نہیں گو یہ احتمال ہے کہ مقابلہ جماعت میں ذکر ہونے سے ذکر خلوت مراد ہو باللسان مگر ایک اور حدیث حاشیہ حصن حصین میں نقل کی ہے۔ یفضل الذکر الخفی الذی لایسمعه الحفظة سبعون ضعفاً (کنز العمال ۱۹۲۹) (ذکر خفی جس کو نگہبان فرشتے بھی نہ سنتے ہوں ذکر جلی سے ستر گناہ فضیلت رکھتا ہے) اس سے ذکر خفی کا ذکر جلی سے افضل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

قلت ولکنی لم اعرف سنده نعم له شاهد قوی من حدیث سعد بن ابی وقاص عنه مرفوعاً قال خیر الذکر الخفی وخیر الرزق اوالعیش مایکفی رواه ابو عوانة و ابن حبان فی صحیحیهما کذافی الترغیب (درجات الاسلام ج ۳۰)

محققین کی عجیب شان

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت ذکر میں نیند بہت آتی ہے اس کا کیا علاج آپ نے فرمایا اس کا علاج بھی ہے کہ پس تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سو رہو۔ واقعی مشائخ محققین کی عجیب شان ہوتی ہے مگر محققین سے میری مراد وہ علماء نہیں ہیں جن کے صرف عقائد صحیح ہوں ان کو تو اہل حق اور محقق کہنا چاہیے تو جب مشائخ اہل حق بولا جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ دکاندار نہیں بدعتی نہیں ہیں پیری مریدی کو پیشہ نہیں بناتے پس اہل حق اور محقق تو دکانداروں اور بدعتیوں کے مقابلہ میں ہوتے ہیں مگر حق ہونے کے لئے صرف محق ہونا کافی نہیں اور یہ ضرور نہیں کہ ہر محق محقق ہو اس کی تفصیل یوں سمجھئے کہ محق ہونا تو ایسا ہے جیسے تندرست ہونا اور محقق ہونا ایسا ہے جیسے طبیب ہونا تو ظاہر ہے کہ تندرست

طبیب نہیں ہوتا اور نہ طبیب بننے کے لئے صرف تندرست ہونا کافی ہے مشائخ محققین وہ ہیں جو عقائد صحیحہ کیساتھ امراض نفس و معالجات نفس سے بھی ماہر ہوں (درجات الاسلام ج ۳۰)

فن تعبیر کا بزرگی سے کوئی تعلق نہیں

بعض لوگ خطوط میں خواب بہت لکھتے ہیں مجھے اس سے بھی الجھن ہوتی ہے کوئی بہت ہی عجیب و غریب و خواب ہوتو اس کی اطلاع کا مضائقہ نہیں مگر یہ تو نہ ہونا چاہئے کہ ہر خط میں خواب ہی لکھے ہوئے آیا کریں۔ اگر دس خطوط میں امراض نفس کا معالجہ دریافت کیا جائے اپنے عیوب کی اصلاح کا طریق دریافت کیا جائے تو اس کے بعد ایک خط میں خواب لکھ دینے کا بھی مضائقہ نہیں مگر اب تو حالت یہ ہے کہ دس خطوں میں تو خواب کی کیفیات ہوتی ہیں اور ایک خط میں بیداری کی۔ یہ تو یقیناً لایعنی میں داخل ہے پھر طرہ یہ کہ خواب لکھ کر اس کی تعبیر دریافت کرنا چاہتے ہیں اور مجھے اول تو تعبیر سے بہت کم مناسبت ہے دوسرے اس کو طریق سے کچھ تعلق نہیں نہ شان اصلاح کے لئے معتبر ہونا ضروری بلکہ تعبیر کے فن کو تو اسلام کی بھی ضرورت نہیں زمانہ جاہلیت میں بعض کفار ایسے معتبر ہوئے ہیں کہ علماء اسلام میں بھی ایسے معتبر نہ ہوئے ہوں گے تو جو فن مسلم و کافر دونوں میں مشترک ہو اس کو طریق یا بزرگی سے کیا تعلق اس لئے میں کہا کرتا ہوں کہ جس خط میں خواب لکھا جائے اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا جائے کہ اگر تعبیر ضروری ہو تو لکھی جائے ورنہ کچھ ضرورت نہیں اس سے مکتوب الیہ پر بار نہیں ہوتا اسی لئے میں خوابوں کا جواب کم دیتا ہوں اکثر تو یہ شعر لکھ دیتا ہوں۔

نہ شمم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم   چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

(نہ میں شب ہوں نہ شب پرست جو خواب کی تعبیر بیان کروں محبوب حقیقی کا بندہ ہوں ان کی باتیں بیان کرتا ہوں) (درجات الاسلام ج ۳۰)

طریق عنایت خاصان حق

خاصان حق کی عنایت حاصل کرنے کا بھی طریقہ یہی ہے کہ تم اپنی تکمیل کی کوشش کرو ان کے عنایت و کرم کے لئے روپیہ پیسہ نہیں چاہئے بلکہ وہ تو اسی سے خوش ہوتے ہیں جس کو کام میں لگا ہوا دیکھتے ہیں گو خدمت کچھ بھی نہ کرتا ہو بچہ جتنا شوقین ہوتا ہے استاد کی عنایت اتنی ہی بڑھتی ہے یہی قاعدہ یہاں بھی ہے اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ توفیق زیادہ دے۔ (درجات الاسلام ج ۳۰)

اصل زندگی تو اہل اللہ کی ہے

حضرات! یہ لوگ جن کو دیوانہ کہا جاتا ہے ایسے عاقل ہیں کہ ان کے ملفوظات اور حکیمانہ اقوال کے سامنے ارسطو بھی طفل مکتب ہے تو کیا ایسے عاقلانہ اقوال دیوانوں سے صادر ہوا کرتے ہیں مگر چونکہ اس محبت نے ان سے سلطنتیں چھڑا دیں جب انہوں نے سلطنت کو مخل تعلق حق دیکھا تو لات مار کر الگ ہو گئے ان کا مذاق یہ ہے کہ ؎

عشق بامردہ نباشد پائدار　　　عشق راباحی و باقیوم دار

اور

عاشقی بامرد گان پایندہ نیست　　　زانکہ مردہ سوئے ما آیندہ نیست

وہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہیں کرنا چاہتے دنیا اور اسکے لذائذ ان کی نظر میں خاک کے برابر بھی نہیں رہے اس لئے اہل دنیا کی نظر میں وہ دیوانے شمار ہونے لگے مگر وہ ایسے دیوانے ہیں کہ

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد

مگر میں سچ کہتا ہوں کہ زندگی انہی کی زندگی ہے واللہ ان کو کھانے پینے میں بھی وہ مزہ آتا ہے کہ آپ کو اور ہم کو نہیں آتا کیونکہ ان کو کھانے پینے کے وقت میں یہ مستحضر ہوتا ہے کہ یہ سب نعمتیں محبوب کی طرف سے ہیں اور محبوب کے ہاتھ سے اگر گلا ہوا امرود بھی ملے تو وہ آلہ آباد کے شاداب امرود سے افضل ہوتا ہے بلکہ محبت کی تو اس سے بھی بڑھ کر عجیب حالت ہے کہ عاشق کو محبوب کی ایذا میں بھی مزا آتا ہے اسی لئے اہل اللہ کو جان دینے میں بھی مزا آتا ہے کیونکہ عاشق کو محبوب کے ہاتھ سے دھول کھانے میں بھی لطف محسوس ہوتا ہے حضرت عراقی فرماتے ہیں۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(الاکرامیہ بالاعملیہ والاعملیہ ج ۳۰)

حکایت حضرت شیخ احمد کبیر رفاعی

سید احمد رفاعی رحمتہ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ مزار شریف پر حاضر ہوئے عرض کیا ''السلام علیک یا جدی'' (دادا صاحب السلام علیک) جواب ہوا ''وعلیک السلام یا ولدی'' (بیٹا! وعلیک السلام) اس پر ان کو وجد ہوا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہوئے:

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها　　تقبل الارض عنی وھی نائبتی

فھذہ دولة الاشباح قد حضرت　　فامد دیمینک کی تحظی بھاشفتی

(یعنی دوری میں تو روح کو قدم بوسی کے لیے اپنا نائب بنا کر بھیجا کرتا تھا اب جسم کی باری آئی ہے اب تو ذرا ہاتھ بڑھا دیجئے تا کہ میں اس کو بوسہ دوں)

بس فوراً قبر شریف سے ایک منور ہاتھ جس کے روبرو آفتاب بھی ماند تھا باہر نکلا انہوں نے بے ساختہ دوڑ کر اس کا بوسہ لیا اور وہاں ہی گر گئے۔

ایک بزرگ سے جو کہ اس واقعہ میں حاضر تھے کسی نے پوچھا کہ آپ کو اس وقت کچھ رشک ہوا تھا۔ فرمایا ہم تو کیا تھے اس وقت ملائکہ کو رشک تھا۔ تتمہ قصہ کا یہ ہے کہ جب آپ نے دیکھا کہ لوگ مجھ کو نظر قبول سے دیکھ رہے ہیں آپ اٹھ کر ایک دروازہ میں جا پڑے اور حاضرین کو قسم دے کر کہا کہ سب میرے اوپر سے گزریں۔ چنانچہ عوام تو گزرنے لگے اور اہل بصیرت دوسرے راستہ سے نکلے' سبحان اللہ کیا نوازش ہے۔ (شکر النعمة بذکر رحمة الرحمة ج ۳۱۲)

حکایت حضرت جنیدؒ و حضرت شبلیؒ

حضرت جنیدؒ کو ایک مرتبہ خلیفہ وقت نے کسی بات پر برہم ہو کر بلا بھیجا۔ حضرت شبلی رحمة اللہ علیہ بھی ساتھ تھے جب روبرو ہوئے تو خلیفہ نے برا بھلا کہنا شروع کیا۔ حضرت شبلیؒ چونکہ نوجوان تھے نیز ان کے پیر کو برا بھلا کہا جا رہا تھا آپ کو جوش آیا قالین پر ایک شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی آپ نے اس پر نظر ڈالی تو وہ شیر مجسم ہو کر خلیفہ کی طرف خشم آگیں نظر سے دیکھنے لگا۔ حضرت جنید رحمة اللہ علیہ کی جو اس پر نظر پڑی تو آپ نے حضرت شبلیؒ کو گھور کر دیکھا اور اس شیر کو تھپک دیا وہ مثل سابق شیر قالیں ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں حضرت شبلیؒ نے پھر اسے اشارہ کیا اور وہ پھر مجسم ہو کر سامنے ہوا اس مرتبہ خلیفہ وقت کی نگاہ بھی اس پر پڑی' خوف کے مارے تھرا گیا اور دست بستہ اپنی جرأت کی معافی چاہی۔ حضرت جنید رحمة اللہ علیہ نے اس شیر کو تو فوراً مثل سابق کر دیا اور خلیفہ وقت سے مخاطب ہو کر فرمایا آپ کچھ اندیشہ نہ کیجئے آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا' آپ خلیفہ وقت ہیں آپ کی اطاعت اور ادب ہم پر واجب ہے یہ لڑکا ہے آداب شاہی سے واقف نہیں ہے آپ کا جو دل چاہے کہئے۔

(فضائل العلم والخشیة ج ۳۱۲)

حکایت حضرت صاحب جیؒ

ہمارے حضرت مرشدؒ نے مرض الموت میں ایک بزرگ سے یہ وصیت فرمائی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میرے جنازے کے ساتھ ذکر ہو۔ دیکھئے ان کو پورا یقین تھا کہ میں اس حیات کی وجہ سے استماع ذکر سے متلذذ ہوں گا مگر اتفاق سے ان بزرگ نے کہا کہ مناسب نہیں حضرت اسی پر راضی ہوئے اور کسی کو اس وصیت کی اطلاع نہیں ہوئی' اتفاق سے جس وقت جنازہ چلا اسی کے ساتھ ایک عرب تھے انہوں نے للکار کر کہا "ایھا الناس اذکروا اللّٰہ" (اے لوگو! خدا تعالیٰ کو یاد کرو) چنانچہ ذکر ہونے لگا' یہ کرامت ہے کہ ان حضرات کی تمنا پوری ہو کر رہتی ہے خوب کہا ہے: ع.....تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں۔ (فضائل العلم والخشیۃ ج ۳۱۶)

ایک مقبول الدعوات بزرگ کی حکایت

ایک قصہ میں نے اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے سنا ہے کہ ایک بزرگ تھے ان کے پاس ایک مرد اور ایک عورت اپنے بچہ کو لائے جو مادر زاد اندھا تھا یعنی وہ ماں کے پیٹ ہی سے اندھا پیدا ہوا تھا اور دونوں رونے لگے کہ حضرت اول تو ہمارے اولاد ہی نہ ہوتی تھی' بہت دعائیں کیں' منتیں مانیں تب تو کہیں یہ بچہ عنایت ہوا۔ مگر افسوس ہم لوگ پھر بھی محظوظ و مسرور نہ ہو سکے کیونکہ یہ اندھا پیدا ہوا۔ اب اس کو دیکھ دیکھ کر ہر وقت جی کڑھتا ہے' ہم نے سنا ہے کہ آپ بہت بڑے مقبول الدعوات بزرگ ہیں للہ ہمارے حال زار پر رحم فرمایئے اور دعا کر دیجئے کہ اس کی آنکھیں اچھی ہو جائیں' اس زمانہ کے لوگ آج کل کی طرح بدعقیدہ نہ تھے یہ نہیں کہا کہ آپ اچھا کر دیں بلکہ یہ کہا کہ آپ دعا کر دیں مگر یہ درخواست سن کر بھی کمال انکسار کے غلبہ سے آپ کو جوش آ گیا اور فرمانے لگے بگڑ کر کہ کیا میں عیسیٰ علیہ السلام ہوں جن کی دعا سے اندھے مادر زاد اچھے ہو جاتے تھے' وہ بیچارے مایوس اور شکستہ دل ہو کر چلے گئے۔ بس اس کا جانا تھا کہ ان بزرگ کی زبان پر بے اختیار یہ جاری ہو گیا "ما کنیم ما کنیم" ہم اچھا کریں گے' ہم اچھا کریں گے' لاؤ اس کو بلا کر' خدام کو بڑی حیرت ہوئی کہ یا تو عیسیٰ بھی نہ بنتے تھے یا اب خدا ہی بننے لگے مگر اس وقت کچھ کہنا بے ادبی تھا' دوڑ کر اس کو بلا لائے' آپ نے اپنا ہاتھ اس بچہ کی آنکھوں پر پھیر دیا' بس ہاتھ پھیرتے ہی آنکھیں اچھی خاصی ہو گئیں اور وہ

لوگ دعائیں دیتے ہوئے خوش بخوش اپنے بچہ کو گھر لے گئے‘ اس کے چلے جانے کے بعد موقع پا کر بعض خاص خادموں نے عرض کیا کہ حضرت یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یا تو دعا کرنا بھی گوارا نہ تھا یا ایک ساتھ ایسے دعوے کے الفاظ فرمانے لگے ''ما کنیم ما کنیم'' آپ نے فرمایا بھائی یہ میں نہیں کہتا تھا‘ بات یہ ہے کہ جس وقت وہ لوگ چلے گئے تو مجھ پر عتاب ہوا کہ تم نے جو عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیا تو کیا وہ اچھا کرتے تھے‘ کیا وہ تھے قادر مطلق اور فاعل حقیقی یا ہم تھے۔ ہم تو اب بھی قادر مطلق ہیں‘ پھر کیوں نہیں ہم سے عرض کیا‘ اگر اچھا کرتے تو ہم کرتے تم کون تھے اس کو مایوس کرنے والے اور اگر اب بھی اچھا کریں گے تو ہم کریں گے‘ غرض ادھر تو وہ مایوس ہو کر چلے اُدھر مجھ پر یہ عتاب ہوا اور بے اختیار میرے منہ سے وہی الفاظ خدا تعالیٰ کے نکلنے لگے ''ما کنیم ما کنیم''۔ میں توبہ توبہ یہ الفاظ کیسے کہہ سکتا تھا‘ میری بھلا کیا مجال ہے وہ تو حق تعالیٰ فرما رہے تھے میں تھوڑا ہی کہہ رہا تھا تو اولیاء اللہ کی بعض بعض کی یہ حالت ہوئی ہے:

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند — آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

(پس پردہ مجھے طوطے کی طرح بٹھا دیا ہے مجھے تو حکم استاد ازل سے ملا تھا وہی میں کہہ رہا ہوں)

(ملت ابراہیم ج ۳۱)

میں ایک ایسی بات عرض کرتا ہوں کہ جس سے نہ آپ کی تجارت کا کچھ نقصان ہو نہ آپ کی آمدنی کچھ گھٹے‘ نہ آپ کی شان وشوکت میں کچھ فرق آوے اور گو اس سے صحت نہ ہوگی مگر مرض بھی نہ بڑھے گا پھر ان شاء اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی وقت آپ کا کام بھی بن جاوے گا اور صحت بھی ہو جاوے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ میں ایک ایسا نمک دست آور بتائے دیتا ہوں کہ جس میں دنیا کا حرج تو مطلق نہیں اور دین کا نفع انشاء اللہ یقینی‘ گو کامل نہ سہی مگر عدم سے وجود غنیمت ہے وہ نمک یہ ہے کہ دن بھر تو گو کھاتے رہو جیسا کھا رہے ہو لیکن سوتے وقت یہ کرو کہ مسجد میں نہیں بلکہ لیٹنے کی جگہ جہاں خلوت ہو بلکہ چراغ بھی گل کر دو تاکہ کوئی دیکھے نہیں اور کرکری نہ ہو دو رکعت نفل نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر یہ دعا مانگو کہ اے اللہ! میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں‘ میں فرمانبرداری کا ارادہ کرتا ہوں مگر میرے ارادہ سے کچھ نہیں ہوتا اور آپ کے ارادہ سے سب کچھ ہوسکتا ہے‘ میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو مگر ہمت نہیں ہوتی۔ آپ ہی کے اختیار میں سے میری اصلاح اے اللہ میں سخت نالائق ہوں

سخت خبیث ہوں سخت گنہگار ہوں میں تو عاجز ہو رہا ہوں آپ ہی میری مدد فرمائیے۔ میرا قلب ضعیف ہے‘ گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں آپ ہی قوت دیجئے‘ میرے پاس کوئی سامان نجات نہیں‘ آپ ہی غیب سے میری نجات کا سامان پیدا کر دیجئے۔ ایک دس بارہ منٹ تک خوب استغفار کرو اور یہ بھی کہو کہ اے اللہ! جو گناہ میں نے اب تک کیے ہوں انہیں تو اپنی رحمت سے معاف فرما دے۔ گو میں یہ نہیں کہتا کہ آئندہ ان گناہوں کو نہ کروں گا میں جانتا ہوں کہ آئندہ پھر کروں گا لیکن پھر معاف کرالوں گا۔ غرض اس طرح سے روزانہ اپنے گناہوں کی معافی اور عجز کا اقرار اور اپنی اصلاح کی دعا اور اپنی نالائقی کو خوب اپنی زبان سے کہہ لیا کرو کہ میں ایسا نالائق ہوں میں ایسا خبیث ہوں میں ایسا برا ہوں غرض خوب برا بھلا اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے سامنے کہا کرو۔ صرف دس منٹ روزانہ یہ کام کر لیا کرو۔ لو بھائی دوا بھی مت پیو بد پرہیزی بھی مت چھوڑو صرف اس تھوڑے سے نمک کا استعمال سوتے وقت کر لیا کرو۔ حضرت آپ دیکھیں گے کہ کچھ دن بعد غیب سے ایسا سامان ہو گا کہ ہمت بھی قوی ہو جائے گی شان میں بھی بٹہ نہ لگے گا‘ دشواریاں بھی پیش نہ آئیں گی۔ غرض غیب سے ایسا سامان ہو جاوے گی کہ آج آپ کے ذہن میں بھی نہیں ہے۔ اچھا اب یہ بھی کوئی مشکل طریقہ اصلاح کا ہے اس طریقہ پر کس کا اعتراض ہو سکتا ہے اس پر عمل کرنے کے بعد کوئی دکھلائے کہ اس میں یہ خرابی ہے یہ دشواری ہے میں تب جانوں۔ غرض کچھ تو کرو اس پر تو صبر نہیں ہوتا کہ اسلام کے سامنے نہ فانی ہیں نہ آرزو ہے فنا کی۔ بھائی اگر فنا نہیں ہوس تو ہو فنا کی یہ ہوس بھی ان شاء اللہ خالی نہ جائے گی۔

اصلاح کا آسان دستور العمل

حضرات اور کچھ نہیں اتنا تو فائدہ ضرور ہو گا اگر روز کے روز معافی نہ چاہتے رہے تو جرائم بڑھتے چلے جائیں گے اور سزا قوی ہوتی چلی جائے گی اور اگر روز کے روز معافی چاہتے رہے تو گناہوں کا بوجھ تو ہلکا ہوتا رہے گا پھر جتنا رہ جائے گا وہ شاید مرتے وقت توبہ سے جاتا رہے۔ ایک عزیز خدا نہ کرے دس جرموں کا مجرم ہو اور پیروی کرنے سے وہ نو جرموں سے بری ہو سکتا ہے گو ایک میں پھنس جانے کا خوف غالب ہو تو کیا کوئی عاقل یہ کہے گا کہ جب سزا ہی سے نہ

بچا تو پھر ضرورت ہی کیا ہے پیروی کی یا جتنی تخفیف سزا میں ہو سکے گی اسی کو غنیمت سمجھے گا۔ اسی طرح اے صاحب جو تدبیر تعزیرات الٰہیہ سے بچنے کی آسانی کے ساتھ ہو سکے اس کو تو اختیار کیجئے اگر رہائی کی تدبیر نہیں کر سکتے تخفیف کی تو تدبیر آسان ہے اسی کو کیجئے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے میرا کہ اگر حق تعالٰی سے اطاعت کا تعلق نہیں ہے تو معذرت ہی کا تعلق سہی' کچھ تو تعلق ہو۔ ایسی بھی غفلت کیا کہ فکر ہی نہیں کرتے سوچتے ہی نہیں کروٹ ہی نہیں لیتے' صاحب یہ حالت تو ہم سے نہیں دیکھی جاتی اسے تو بدلو' کچھ تو تغیر اپنی حالت میں کرو۔ (ملت ابراہیم ج ۳۱)

خلاصہ دستور العمل

دستور العمل کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کام جی میں آوے اول سوچو۔ فوراً مت کر لیا کرو بلکہ سوچا کرو کہ یہ جائز ہے یا ناجائز' اگر جائز ہو کرو' اگر ناجائز ہو اول چھوڑنے کا قصد کرو' اگر نفس کہے کہ اس کے چھوڑنے میں تکلیف ہے تو دیکھو کہ وہ تکلیف قابل برداشت ہے یا نہیں اگر قابل برداشت ہے سہہ لو اگر نہیں ہے تو خیر جہاں مبتلا ہو رہے ہو وہاں اتنا تو کرو کہ رات کو استغفار اور دعاء نجات کی کرو یہ ہوا خلاصہ دستور العمل کا اور یہ ہے اسلام کا پہلا سبق اس سے عمل کی توفیق ہو گی پھر عمل کی برکت سے معلوم حاصل ہوں گے پھر ان علوم سے اسلام کی تکمیل ہو جائے گی (ملت ابراہیم ج ۳۱)

اطلاع واتباع

غرض دو چیزوں کا سلسلہ عمر بھر جاری رکھو اطلاع اور اتباع یعنی احوال کی اطلاع اور اوامر کا اتباع۔ اسی طرح اتباع کے بعد پھر اطلاع پھر اس اطلاع کے بعد اتباع پھر اطلاع پھر اتباع۔ غرض

اندریں رہ می تراش و می خراش   تادم آخر دمے فارغ مباش

(اس راستہ میں خوب کوشش کر' آخر دم تک بے کار مت رہ)

یہ تو ساری عمر کا دھندا ہے۔ جب بیماری ساری عمر کی ہے تو علاج ساری عمر کا کیوں نہ ہوگا۔ گو لشٹم پشٹم ہی سہی حتیٰ کہ دو مہینے ہی میں ایک خط لکھو مگر لکھو ضرور اور یہ لکھتے ہوئے شرماؤ نہیں کہ وظیفہ جو بتایا تھا وہ چھوٹ گیا تھا یا مطالعہ کتب جو تجویز کیا تھا اسے نباہا نہیں۔ یہاں تک کہ فرض نماز بھی فرض کرو قضا ہونے لگی ہو تب بھی شرماؤ نہیں بلکہ اب پھر پڑھنا شروع کر دو اور اطلاع کر دو شرمانا اس رستہ میں ہرگز نہیں چاہیے۔ خواہ کیسی ہی گندی حالت کیوں

نہ ہوجائے اس کی بھی اطلاع کردو۔ ایک دریا تھا اس کے کنارے کے پاس سے ایک ناپاک آدمی گزرا' دریا نے اس سے کہا کہ آمیں تجھے پاک کردوں' اس نے کہا تو صاف و شفاف اور میں پلید و ناپاک میرا منہ کیا کہ میں تیرے پاس آؤں' پاک ہوکر تیرے پاس آؤں گا' دریا نے کہا بچہ جی پاک کروں گا بھی میں ہی اگر تم مجھ سے شرماؤ گے تو ساری عمر ناپاک ہی رہو گے۔ بس ایک دفعہ بے حیا ہوکر آنکھیں بند کرکے میرے اندر کود پڑو مجھ میں ایک موج اُٹھے گی اور تمہارے سر پر کو ہو کر اُتر جائے گی اور تمہیں ایک دم میں پاک صاف کردے گی تو اہل اللہ سے اپنا کچا چٹھا کہہ دو' بہت سے لوگ اس لیے نہیں کہتے کہ ہماری شان گھٹ جاوے گی۔ ارے ان کے نزدیک تیری شان ہی کیا ہے جو گھٹ جاوے گی بعضے ڈرتے ہیں کہ خفا ہوں گے ارے ان کی خفگی بھی رحمت ہے یہ ساری تکبر کی باتیں ہیں ارے وہ پھانسی بھی دیدیں گے تو اس میں بھی تیری بہتری ہی ہوگی۔ (ملت ابراہیم ج۳۱)

مراقبہ خشیت

حق تعالیٰ نے اسی جگہ یعنی غض بصر کی آیت میں قلب کی اصلاح کیلئے بھی ایک طریقہ ارشاد فرمایا ہے یعنی ہم کو ایک مراقبہ سکھلایا ہے اس مراقبہ کو پختہ کرو تو اس مراقبہ سے خشیت پیدا ہوگی اور وہ خشیت ہی امراض قلب کا علاج ہے۔ خشیت کا ملکہ راسخ ہوجائے تو تقاضا معصیت کا نہیں رہتا اس مراقبہ کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے

قُل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذٰلک از کی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون.

یہ ان اللہ خبیر بما یصنعون وہ مراقبہ ہے بس معصیت کے وقت اس کا مراقبہ کرلیا کرو کہ اللہ کو سب خبر ہے ہم جو کچھ بھی کررہے ہیں وہ سب سے خبردار ہیں اس سے خدا تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا ہوگا پھر معصیت کی ہمت نہ ہوگی کس قدر جامع تعلیم ہے سبحان اللہ! مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ محض یہ اعتقاد کرلو اللہ میاں کو سب خبر ہے بلکہ اس کا استحضار و استمرار کرنا چاہیے یعنی دل میں ہر وقت یہ خیال حاضر رکھو کہ خدا تعالیٰ کو سب خبر ہے اس سے خوف پیدا ہوگا ہیبت ہوگی یہ ہے اصلاح قلب جو علم باطن کے متعلق ہے پس علم ظاہری تو محض افعال کا انتظام کرتا ہے۔

اور علم باطن اسباب کا علاج کرتا ہے اور جب تک یہ مضمون حال کے درجہ میں نہ ہو اس وقت تک قابل اعتبار نہ سمجھا جاوے۔

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ انہوں نے اپنے بعض خدام کو **الم یعلم بان اللّٰہ یری** کا مراقبہ تعلیم فرمایا تھا کہ اس کا مراقبہ کیا کرو انہوں نے دو چار دن ہی کے بعد آ کر عرض کیا کہ وہ تو پورا ہو گیا۔ اب اور کچھ بتلایئے وہ بزرگ ٹال گئے اور فرمایا کہ اچھا بتلائیں گے۔ ان بزرگ نے چاہا کہ اس کا امتحان اس طور پر لیں کہ ان کو خبر بھی نہ ہو۔ چنانچہ ایک دن ان کو خالی الذہن دیکھ کر بلایا اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک کبوتر اور ایک ایک چھری دے کر فرمایا کہ ان کو ایسی جگہ ذبح کرو جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو۔ چنانچہ سب لے کر چل دیئے اور ذبح کر کے آئے۔ بجز ایک شخص کے کہ اس نے زندہ کبوتر حاضر کیا۔ شیخ نے امتحان کے طور پر اس شخص سے کہا کہ ایک تو یہ لوگ ہیں کہ جیسا میں نے کہا تھا ویسا ہی کر لائے ایک تم مہمل ہو کہ ذرا سا کام بھی تم سے نہ ہو سکا۔ اس نے عرض کیا کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ ایسی جگہ ذبح کرنا جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو۔ میں کبوتر لیے ہوئے ہر طرف پھرا مگر کوئی جگہ ایسی نہ ملی جہاں کوئی دیکھتا نہ ہو کیونکہ حق تعالیٰ تو ہر جگہ دیکھتے تھے۔ پھر میں کیسے ذبح کرتا۔ شیخ نے فرمایا کہ بس مراقبہ اس کا درست ہوا ہے باقی سب ناکامیاب ہیں۔

غرض یہ کہ جس مضمون کا مراقبہ کیا جائے وہ اس شخص کا حال ہو جانا چاہیے صرف یہ اعتقاد کر لینا کہ اللہ میاں دیکھ رہے ہیں کافی نہیں پس اہل اللہ اس کا اہتمام کرتے ہیں اس کی مشق کرتے ہیں اس پر ذہن کو جماتے ہیں اس واسطے کہ قلب کی اصلاح بدوں اس کے نہیں ہو سکتی۔ جب یہ چیز دل میں جم جاتی ہے تو پھر معصیت نہیں ہوتی یعنی یہ مرتبہ ہے جو معصیت سے مانع ہوتا ہے نہ یہ کہ صرف اعتقاد کر لیا جاوے یہ مرتبہ معاصی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

اخلاق

☆ شریعت میں اخلاق کا مقام

☆ اخلاق حمیدہ سے متصف ہونے
اور اخلاق رذیلہ سے بچاؤ کا مکمل دستور العمل

☆ اخلاق کے شعبہ جات

☆ باطنی اصلاح میں اخلاق کی درستگی کی اہمیت

☆ اخلاق رذیلہ جو کہ روحانی زندگی کیلئے مہلک ہیں
ان کا علاج جیسے عنوانات پر مشتمل جواہرات

کم گوئی کے فوائد

حدیث شریف میں ہے: "من سکت سلم"
جو چپ رہا اس نے نجات پائی۔ ایک شہزادہ حدیث کی کتاب پڑھا کرتا تھا۔ جب یہ حدیث پڑھی، استاد سے کہا جناب بس میں آگے نہیں پڑھتا۔ جب اس پر عمل کرلوں گا اس وقت آگے چلوں گا اور اسی وقت سے بولنا چھوڑ دیا۔ بادشاہ کو بڑی فکر ہوئی، سمجھے کہ لڑکے کو آسیب ہوگیا ہے، عامل اور تعویذ گنڈا کرنے والے جمع ہوئے، سب نے تدبیریں کیں، اطباء بھی جمع ہوئے۔ یہ رائے ہوئی کہ ان کو شکار میں لے چلنا چاہیے، وہاں تفریح ہوگی، طبیعت درست ہوجائے گی۔ چنانچہ گئے اور شکاری تیر اور بندوق لے کر چلے کہ اس سے شاید تفریح ہو۔ شکاری جانوروں پر تیر چلانے لگے، اتفاق سے ایک جھاڑی کے پیچھے ایک تیتر چھپ رہا تھا، وہ بولا بولتے ہی اس کے تیر لگا، شہزادہ یہ دیکھ کر بولا کہ کم بخت نہ بولتا نہ مارا جاتا۔ شہزادہ کی اتنی بات سن کر مبارک بادی کا غل پڑ گیا، بادشاہ کو خبر ہوئی۔ بادشاہ نے پھر چاہا کہ شہزادہ کچھ بولے مگر نہ بولا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ باندھ کر اس کو مارو، معلوم ہوتا ہے کہ قصداً نہیں بولتا ہے۔ غرض مار پڑنا شروع ہوئی، شہزادہ دل میں کہتا تھا کہ ایک دفعہ بولنے سے تو مجھ پر یہ آفت آئی ہے اگر پھر بولوں گا تو جانے کیا ہوگا۔ اس کے بعد تمام عمر کسی سے نہیں بولا۔

واقعی زیادہ گناہ ہم لوگوں سے اس زبان ہی کی بدولت ہوتے ہیں۔ خصوصاً عورتوں کو تو اس قدر شوق بولنے کا ہے کہ جب بیٹھیں گی وہ چرخہ چلائیں گی کہ ختم ہی نہیں ہوگا۔ خدا جانے ان کی باتیں اتنی لمبی کیوں ہوتی ہیں اور جب یہ باتوں میں مشغول ہوجاتی ہیں تو ان کی حالت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بس یہ باتوں ہی کو مقصود اصلی سمجھتی ہیں۔ وہ مزے لے لے کر باتیں کرتی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ترس ترس کر ان کو یہ دولت ملی ہے۔ بخلاف مردوں کے کہ ان کی باتوں اور تمام اشغال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ختم کرکے وہ دوسرے کام میں لگنا چاہتے ہیں۔ خدا کے واسطے اپنی عقل درست کرو۔ (الدنیاج۱)

تعلیم رجاء

ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رجاء مجرم کو ہو ہی نہیں سکتی اس لیے جن احادیث میں رجاء اور حسن ظن باللہ کی تعلیم ہے۔ درحقیقت ان میں عبادت وعمل کی تعلیم ہے کیونکہ رجاء اسی سے پیدا ہوتی ہے ورنہ وہ تو غرور ہے جس کی نسبت ارشاد ہے: "وَغَرَّکُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ" (اور تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دیا) غرض حق تعالیٰ بڑے رحیم وکریم ہیں کہ ہاتھ بڑھا کر خود نہیں کھینچتے مگر اس کے ساتھ ان میں استغناء بھی بہت ہے۔

ہر کہ خواہد گو بیا وہر کہ خواہد گو برو دارو گیر وحاجب ودرباں دریں درگاہ نیست

(جس کا جی چاہے آئے اور جس کا جی چاہے چلا جائے اس درگاہ پر روک ٹوک کرنیوالا کوئی نہیں)

اگر تم خود ہاتھ کھینچ لو گے تو پھر وہ بھی کھینچ لیں گے کیونکہ وہ زبردستی اپنی نعمتوں کو کسی کے سر نہیں چپکاتے کہ تم چاہو یا نہ چاہو پھر بھی دیتے ہی رہیں۔ فرماتے ہیں:

"اَنُلْزِمُکُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا کَارِهُوْنَ" (سورہ ھود: ۲۸)

(کیا ہم زبردستی رحمت چپکا دیں گے اور تم اس کو ناپسند کرتے ہو) اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے (غریب الدنیا ج۱)

دعا کا ادب

حدیث میں آیا ہے کہ ایک اعرابی نے نماز کے بعد دعا کی تھی:

اللھم ارحمنی و محمدًا ولاتشرک فی رحمتنا احدًا.

"اے اللہ! مجھ پر رحمت فرمائیے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ہماری اس رحمت میں کسی کو شریک نہ کیجئے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لقد تحجرت واسعاً "کہ تو نے ایک وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔"

اس کے بعد وہ نماز کی جگہ سے اٹھے اور مسجد کے صحن میں پیشاب کرنے لگے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روکا اور مہ مہ کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اس کا پیشاب نہ روکو اب تو جو ہونا تھا ہو چکا۔ سبحان اللہ! کیسی حکمت کی بات ہے کہ اب اس کو پریشان کرنے میں ایک تو اس کے جسمانی ضرر کا اندیشہ ہے دوسرے اگر وہ بھاگا تو نہ معلوم

کہاں کہاں تک مسجد کو ناپاک کرے گا۔ ایسے وقت پر سب پہلوؤں کا پیش نظر رہنا بڑا ضروری ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ پیشاب کی جگہ ایک ڈول پانی کا بہادو۔ اس کے بعد اعرابی کو بلا کر بہت نرمی اور شفقت سے سمجھا دیا کہ مسجد نماز اور ذکر اللہ کے لیے موضوع ہے اس میں پیشاب وغیرہ نہ کرنا چاہیے۔

یہ اعرابی کے ساتھ معاملہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور تعلیم یافتہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ یہ معاملہ تھا کہ ایک بار دیوار مسجد پر کھنگار دیکھ کر غصہ سے آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ (الفانی ج ۱)

عبادت اور ریا

ہمارے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عبادت میں ریاء بھی ہو تو اس کو کئے جاؤ کیونکہ ریاء ہمیشہ ریا نہیں رہتا۔ چند روز میں عادت ہو جاتی ہے پھر عادت سے عبادت ہو جاتی ہے پھر وہ ذریعہ قرب بن جاتی ہے اس کو مولانا روم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

از صفت وازنام چہ زاید خیال — واں خیالت ہست دلال وصال

یعنی اسم سے خیال پیدا ہوتا ہے پھر وہ خیال ہی رہبر ہو جاتا ہے وصال کی طرف۔ مگر یہ اسی وقت ہے جب کہ صورت شریعت پر منطبق ہو ورنہ اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر اصلاح کی کوئی سبیل نہیں اس لیے میں کہتا ہوں کہ اگر رسم ہوتی اور منطبق ہوتی تو اس کے مبدل بحقیقت ہو جانے کی امید تھی۔ مگر انطباق ہوتا کیونکہ اس لیے کہ انطباق کے لیے ضرورت اس کی ہے کہ شریعت کی وقعت دل میں ہو اور یہاں وہی ندارد ہے۔ (تجارت آخرت ج ۱)

حب جاہ کا نقصان

حدیث میں ہے: ماذبان جائعان ارسلا فی مطیعة غنم افسدلها من حب المال والشرف للدین. (او کماقال)

"یعنی دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے گلہ کو اتنا تباہ و برباد نہیں کرتے جتنا حب مال و حب جاہ دین کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔"

اس سے سمجھ لیجئے کہ حب جاہ دین کو کس قدر تباہ کر دیتا ہے۔ حقیقت میں جاہ حاصل کرنے کے لیے انسان وہ وہ کام کر گزرتا ہے جو تحصیل مال کے لیے بھی نہیں کرتا۔ تحصیل جاہ

میں دین کو اچھی طرح برباد کیا جاتا ہے۔ رسوم و تقریبات میں ہزاروں روپیہ محض نام کے واسطے خرچ کیے جاتے ہیں' شادی اور غمی میں ایک شخص اپنی زمین و جائیداد تک بیچ ڈالتا ہے۔ کوئی اس سے پوچھے کہ تو نے کیا حاصل کیا' کچھ بھی نہیں' صرف ایک نام خریدا جو اگر بیچا جائے تو دو کوڑی کو بھی نہیں بک سکتا۔ (ترجیح لآخرہ)

شہید عالم سخی کا معاملہ

یجاء بالشھید یوم القیامۃ فاتی بہ فعرفہ نعمہ فعرفھا قال ماعلمت فیھا قال قاتلت فیک حتیٰ استشھدت قال کذبت ولکنک قاتلت لان یقال فلان جری فقد قیل ثم امربہٖ فسحب علیٰ وجھہ حتیٰ القی فی النار.

یعنی شہید کو قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا پھر حق تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں بتلائیں گے جن کا وہ اقرار کرے گا۔ پھر سوال ہوگا کہ ان نعمتوں کے شکریہ میں تو نے کیا عمل کیا' وہ کہے گا' اے پروردگار! میں نے آپ کے راستہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹا ہے' تو نے محض اس واسطے قتال کیا تھا تاکہ لوگ یوں کہیں کہ فلاں شخص بڑا بہادر ہے' دل کا مضبوط ہے' حاکم کے سامنے بڑی جرأت سے بیان دیئے' کسی سے نہیں ڈرا اور جیل خانہ میں خوشی کے ساتھ چلا گیا۔ سو دنیا میں تمہاری تعریف ہو چکی' پھر حکم ہوگا کہ اس کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دو۔

ثم یجاء بالقاری قدتعلم العلم وعلمہ وقرأ القرآن فاتی بہٖ فعرفہ نعمہ فعرفھا قال فماعلمت فیھا قال تعلمت العلم وعلمتہ و قرأت فیک القرآن قال کذبت ولکنک قرأت لیقال انک قاری فقد قیل ثم امربہٖ فسحب علی وجہ حتیٰ التقی فی النار.

پھر عالم کو لایا جائے گا جس نے علم حاصل کر کے دوسروں کو بھی پڑھایا تھا اور قرآن کو اچھی طرح پڑھا تھا۔ حق تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں جتائیں گے جن کا وہ اقرار کرے گا' پھر ارشاد ہوگا کہ تم نے ان نعمتوں کے شکریہ میں کیا کیا' وہ کہے گا کہ میں نے علم حاصل کیا اور لوگوں کو سکھایا اور آپ کی رضا کے لیے قرآن سیکھا۔ ارشاد ہوگا کہ تو جھوٹا ہے بلکہ تو نے محض اس لیے علم حاصل کیا تھا کہ تجھے قاری کہا جائے' سو یہ سب کچھ ہو چکا' پھر اس کے لیے بھی

وہی حکم ہوگا۔ چنانچہ منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ مولانا صاحب کی گت بنی جو بڑے نکتہ داں اور بڑے مدرس و مفتی تھے جن کے ہزاروں آدمی مرید و معتقد تھے اور مصافحہ کے وقت ان کے ہاتھ پیر چومے جاتے تھے۔ ثم جاء بالجواد

پھر سخی کو بلایا جائے گا جس کو خدا تعالیٰ نے قسم قسم کی نعمتیں اور مختلف انواع کا مال عطا فرمایا تھا۔ حق تعالیٰ اس کے سامنے بھی اپنی نعمتیں گنائیں گے جن کا وہ اقرار کرے گا۔ پھر سوال ہوگا کہ ان نعمتوں کے شکریہ میں تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ اے پروردگار! میں نے کوئی موقع ایسا نہیں چھوڑا جہاں روپیہ کا خرچ کرنا آپ کو محبوب تھا مگر وہاں آپ کے لیے ضرور مال خرچ کیا۔ ارشاد ہوگا تو جھوٹا ہے بلکہ تو نے یہ سب کچھ محض اس لیے کیا تاکہ لوگ یوں کہیں فلاں شخص بڑا سخی ہے۔ پس تمہاری تعریف ہوچکی' پھر اس کے لیے بھی وہی حکم ہوگا۔ چنانچہ اس کو بھی اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

تو دیکھئے! شہید اور عالم اور سخی کی یہ گت کیوں بنی۔ محض اس لیے کہ انہوں نے خدا کے واسطے یہ کام نہ کئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض صورت دین کا نام نہیں بلکہ صورت کے ساتھ حقیقت بھی ہونی چاہیے۔ جیسا مولانا فرماتے ہیں:

گربصورت آدمی انساں بدے   احمدؐ وبوجہل ہم یکساں بدے

"اگر آدمی کی صورت کی وجہ سے انسان ہوتو احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور بوجہل یکساں ہوتے۔" (ترجیح لآخرۃ ج۱)

اخلاص اور اس کی علامت

دین کا کام خاص وہ علم ہے جس میں اخلاص ہو جس کی آج کل بہت ہی کمی ہے۔ علامہ شعرانی نے اخلاص کی ایک علامت لکھی ہے وہ یہ کہ جو کام تم کر رہے ہو اور اگر کوئی دوسرا اس کام کا کرنے والا تم سے اچھا اس بستی میں آ جائے اور وہ کام ایسا ہو جو علی العین واجب نہ ہو جیسے مسجد و مدرسہ کا اہتمام یا وعظ کہنا' پیری و مریدی کرنا' کسی نیک کام کے لیے چندہ کرنا وغیرہ وغیرہ تو تم کو اس کے آنے کی خوشی ہو رنج نہ ہو۔ بلکہ تم خود لوگوں کو اس کے پاس بھیجو کہ وہاں جاؤ وہ مجھ سے بہتر ہیں اور سارا کام خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالہ کر کے خود ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ اور دل میں خدا کا شکر کرو کہ اس نے ایسے آدمی کو بھیج دیا جس نے تمہارا کام بٹالیا۔ اگر یہ حالت ہو تب تو واقعی تم مخلص ہو۔ (ترجیح لآخرۃ ج۱)

رضا برقضاء

ایک بزرگ شاہ دولہ تھے ان کی بستی کے لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا، حضور! دریا بستی کی طرف آ رہا ہے۔ بستی کے غرق ہونے کا اندیشہ ہے۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی دھار کو دوسری طرف پھیر دیں۔ فرمایا، کل صبح کو سب آدمی پھاوڑے لے کر حاضر ہونا ہم اس کا انتظام کر دیں گے۔ چنانچہ لوگ حاضر ہوئے تو آپ سب کو دریا کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ بستی کی طرف کو پانی کا راستہ کھودنا شروع کرو۔ لوگوں نے کہا، حضور! اس طرح تو دو دن کا پہنچتا ایک دن میں دریا بستی کے اندر پہنچ جائے گا۔ فرمایا کہ دریا کا رخ بستی ہی کی طرف ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہی منظور ہے۔ پس جدھر مولیٰ ادھر ہی شاہ دولہ! تم کھودنا شروع کرو۔ لوگ بزرگوں کے اس زمانہ میں مطیع تھے۔ بستی ہی کی طرف کھودنا شروع کیا۔ تھوڑی سی دیر میں پانی کا رخ بدل گیا اور دریا کی دھار دوسری طرف کو جاری ہو گیا۔ بستی سے خطرہ ٹل گیا۔ یہ تو اہل اللہ کی حالت تھی کہ وہ مرضی حق کی کس قدر رعایت کرتے ہیں۔ (الفاظ قرآن ج ۲)

جھگڑوں کا سبب

افسوس! آج کل کے علماء کے اندر یہ بات نہیں دیکھی جاتی بلکہ جگہ جگہ یہ سننے میں آیا ہے کہ وہاں امامت پر جھگڑا ہے وہاں وعظ پر فساد ہے۔ بات یہ ہے کہ مقصود جاہ ہے اس میں دوسرا شریک ہو جاتا ہے تو ناگواری ہوتی ہے۔ خدا مقصود نہیں۔ اگر خدا مقصود ہوتا تو یہ امامت و منصب وبال جان معلوم ہوتا۔

جس شخص کو خود اللہ تعالیٰ مشہور فرما دیں اور وہ شہرت کا طالب نہ ہو تو وہ مجبور ہے اور اس مجبوری کی وجہ سے یہ شہرت اس کو مضر بھی نہیں ہوتی کیونکہ غیب سے اس شخص کی امداد ہوتی ہے اور جو طالب شہرت کا ہو گا۔ اس کو ضرور نقصان پہنچے گا۔ جس کی دلیل حدیث صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن سمرہ صحابی کو فرمایا تھا۔

لاتسئل الامارة فانک ان اعطیتها عن مسئلة وکلت الیها وان اعطیتها عن غیر مسئلة اعنت علیها (متفق علیه)

یہ مضمون میں نے اس لئے بیان کر دیا کہ میں نے سنا تھا کہ اس شہر میں امامت وغیرہ

پر بہت جھگڑے رہتے ہیں۔ تو علماء کیلئے لازم یہ ہے کہ ان کی امامت سے اگر ایک شخص کو بھی کراہت ہو، تو فوراً اس سے علیحدہ ہو جائیں۔ پھر ان شاء اللہ بہت جلد وہ الگ کرنے والے ہی آگے ہاتھ جوڑیں گے۔ اور یاد رکھئے جب تک علماء حب مال وحب جاہ کو زائل نہ کریں گے، اس وقت تک عوام کی اصلاح نہیں ہو سکتی نہ عوام کی نظر میں دین کی وقعت ہو سکتی ہے۔ (الفاظ قرآن ج ۲)

بدگمانی سے پرہیز

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب کے ایک خادم تھے۔ مولانا ان کے لئے کوئی کھانا بھیج دیتے۔ تو انہوں نے ایک بار عرض کیا کہ حضرت آپ تحقیق بھی کر لیتے ہیں کہ حلال ہے یا حرام۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ ارے بھوکوں مر جائے گا، بڑا حلال کھانے والا آیا۔ جا کھالیا کر۔ جب ہمیں ایک مسلمان نے ہدیہ دیا اور ہم کو اس کی آمدنی کا حال معلوم نہیں تو مسلمان پر ہم کو بدگمانی کی کیا ضرورت ہے کہ اس کی آمدنی حرام ہوگی۔ (تعیم التعلیم ج ۲)

زہد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ تعلقات سے یک سو ہو کر زاہد بنے۔ دوسرے یہ کہ تعلقات میں مشغول ہو کر زاہد رہے کہ بی بی اور بچے اور گھر بار سب کچھ ہو مگر دل کسی چیز میں نہ لگا ہوا ہو۔ بلکہ دل میں خدا ہی کے ساتھ لگاؤ ہو۔ دوسروں سے محض حقوق ادا کرنے کے واسطے تعلق ہو۔ سو عیسیٰ علیہ السلام کا زاہد پہلی قسم کا تھا اور دوسرے انبیاء میں دوسرے قسم کا زہد تھا۔ (تعیم التعلیم ج ۲)

علم میں اخلاص کی ضرورت

دین کے دو شعبے ہیں ایک علم دوسرا عمل تو جیسے عمل میں اخلاص ضروری ہے ایسے ہی علم میں بھی ضروری ہے۔ اب دیکھئے کہ تحصیل علم میں تمہاری کیا نیت ہوتی ہے۔ ایسے بہت کم ہیں کہ جن کی یہ نیت ہو کہ غیر مرضیات حق سے بچیں اور خدا تعالیٰ اس سے خوش ہوگا۔ جب علم میں اخلاص نہیں تو عمل میں کہاں سے آئے۔ (الدین الخالص ج ۳)

حقیقت اخلاص

حضرت علیؓ نے ایک یہودی کو لڑائی میں زیر کر دیا اور سینہ پر بیٹھ کر قصد کیا کہ خنجر سے ذبح کر دیں۔ یہودی نے چہرہ مبارک پر تھوک دیا۔ آپ نے فوراً چھوڑ دیا۔ یہودی نے

حیران ہو کر پوچھا کہ آپ نے چھوڑ کیوں دیا۔ اب تو میں اور زیادہ قابل قتل تھا۔ فرمایا میں پہلے خالصاللہ قتل کرتا اور اب نفس کی بھی آمیزش ہو جاتی اس لئے میں نے چھوڑ دیا۔ یہودی فوراً مسلمان ہو گیا۔ حقیقت میں یہ ہے اخلاص (الدین الخالص ج ۳)

علم و عمل

شریعت مقدسہ مرکب ہے علم و عمل سے تو اس پر چلنے کے لئے دو قوتوں کی ضرورت ہے۔ ایک قوت علمیہ کی دوسرے قوت عملیہ کی۔ قوت علمیہ کا تعلق عقل سے ہے اور قوت عملیہ کا تعلق ارادہ سے۔ پھر عمل بعض مفسد ہیں اور بعض مضر تو اس میں کہیں تو جلب منفعت کی ضرورت ہے اور کہیں دفع مضرت کی اور جو ارادہ جلب منفعت سے متعلق ہو اس کو قوت شہویہ کہتے ہیں اور جو دفع مضرت کے متعلق ہو اس کو قوت غضبیہ کہتے ہیں۔ تو شریعت پر چلنے کے لئے تین قوتوں کی ضرورت ہوئی۔

اصول اخلاق

۱۔ قوت عقلیہ ۲۔ قوت شہویہ ۳۔ قوت غضبیہ

یہی اصول اخلاق کہلاتے ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک کے تین درجے ہیں۔ افراط' تفریط' توسط اور شریعت نام ہے توسط کا شریعت میں افراط عقل سے بھی کام نہیں چلتا نہ تفریط سے کام چلتا ہے بلکہ توسط کی ضرورت ہے جس کا نام حکمت ہے۔ اور قوت عقلیہ کے افراط کا نام جزیرہ ہے۔ یہ نہایت مضر ہے۔ جب عقل بہت بڑھ جاتی ہے تو ہر چیز میں احتمالات عقلیہ پیدا ہونے لگتے ہیں جس سے آدمی وہمی ہو جاتا ہے۔

اخلاق پسندیدہ کے اصول تین ہیں۔ ۱۔ حکمت ۲۔ عفت' ۳۔ شجاعت

اور ان کے مجموعہ کا نام عدل ہے اور یہی شریعت کا حاصل ہے اور قرآن میں جو فرمایا ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا. اس سے بھی عدل مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے (ایک ایسی شریعت دے کر جو کہ سراپا عدل ہے) امت وسط یعنی امت عادلہ بنایا۔

ایک مقدمہ اور لیجئے کہ وسط دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وسط حقیقی ایک وسط عرفی۔ وسط حقیقی وہ خط ہے جو بالکل بیچوں بیچ ہو۔ وہ قابل تقسیم نہیں ہوتا اور ایک وسط عرفی ہے۔ جیسے کہا کرتے ہیں کہ یہ ستون مکان کا وسط ہے تو وہ وسط حقیقی نہیں کیونکہ وہ تو منقسم ہے اس کے

اندر بھی ایک جزو دائیں اور ایک جزو بائیں اور ایک بیچ میں نکل سکتا ہے پھر وہ وسط حقیقی کہاں سے ہوا۔ حقیقی وسط تو وہ ہے جس میں دایاں بایاں کچھ نہ نکل سکے۔ سو ایسا وسط ہمیشہ غیر منقسم ہوگا۔ پس سمجھ لو کہ شریعت اس وسط کا نام ہے جس میں افراط تفریط کا ذرا بھی نام نہ ہو بلکہ عین توسط ہو یہی وسط حقیقی روح شریعت ہے اور یہی کمال ہے اور اوپر معلوم ہو چکا کہ وسط حقیقی ہمیشہ غیر منقسم ہوتا ہے تو شریعت کی روح بھی غیر منقسم ہے چنانچہ جن اصول اخلاق کو میں نے بیان کیا ہے ان میں افراط وتفریط کو چھوڑ کر جو ایک وسط نکلے گا جس کو نہ افراط کی طرف میلان ہوگا نہ تفریط کی طرف وہ ہمیشہ غیر منقسم ہوگا اور ایسے وسط پر رہنا ضرور دشوار ہے۔

پس شریعت ان دونوں جانبوں پر نظر کر کے اپنی دشواری کی وجہ سے تلوار سے تیز اور بوجہ غیر منقسم ہونے کے بال سے باریک ہوگی۔ کیونکہ بال بھی منقسم ہے اور وسط حقیقی غیر منقسم ہے پس قیامت میں یہی روح شریعت یعنی وسط حقیقی جو ہر بن کر پل صراط کی شکل میں ظاہر ہوگا جس پر سے مسلمانوں کو چلایا جائے گا پس جو شخص دنیا میں شریعت پر تیزی وسہولت کے ساتھ چلا ہوگا وہ وہاں بھی تیزی کے ساتھ چلے گا کیونکہ وہ یہی شریعت تو ہوگی جس پر دنیا میں چل چکا ہے اور جو یہاں نہیں چلا یا کم چلا ہے وہ پل صراط پر بھی نہ چل سکے گا یا سستی کے ساتھ چلے گا۔

لیجئے میں نے آپ کو پل صراط کی نظیر بھی دکھلا دی۔ اب تو کوئی اشکال نہیں رہا۔

(تفصیل الدین ج ۳)

صبر کی تین قسمیں

۱۔ صبر علی العمل ۲۔ صبر عن العمل ۳۔ صبر فی العمل

صبر علی العمل یہ ہے کہ نفس کو کسی کام پر روک لینا یعنی اس پر جم جانا اور قائم رہنا۔ مثلاً نماز زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی کرنا اور بلاناغہ ان کو ادا کرتے رہنا۔

صبر فی العمل یہ ہے کہ عمل کے وقت نفس کو دوسری طرف التفات کرنے سے روکنا اور ہمہ تن متوجہ ہو کر کام کو بجالانا' مثلاً نماز پڑھنے کھڑے ہوئے یا ذکر میں مشغول ہوئے تو نفس کو یہ سمجھا دیا کہ بچہ جی اتنی دیر تک تم سوائے نماز یا ذکر کے اور کوئی کام نہیں کر سکتے پھر دوسرے کاموں کی طرف توجہ کرنا فضول ہے۔ اتنی دیر تک تجھ کو نماز یا ذکر ہی کی طرف متوجہ رہنا چاہئے جب یہ ملکہ راسخ ہو جاتا ہے تو سب اعمال ٹھیک ادا ہوتے ہیں بعض لوگوں کو

فرائض شرعیہ کی پابندی تو نصیب ہے اس لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کو صبر علی العمل کا درجہ حاصل ہے لیکن اعمال کو بجالاتے وقت وہ ان کے آداب وحقوق کی رعایت نہیں کرتے گڑبڑ کردیتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو صبر فی العمل حاصل نہیں ہوا۔

تیسری قسم ہے صبر عن العمل یعنی نفس کو ما نہی اللہ عنہ سے روکنا' شریعت نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے رکنا' جن میں سب سے اہم صبر عن الشہوت ہے کہ نفس کے تقاضائے شہوت کو روکا جائے اور یہ سب سے اہم اس لئے ہے کہ نفس کے دوسرے تقاضے تو ایسے ہیں کہ ان سے اگر نہ روکا جاوے تو بعد میں اس کو خود ہی بہت کلفت ہوتی اور اس کلفت کا خیال کر کے نفس ان تقاضوں سے خود ہی رک جاتا ہے۔ (الکمال فی الدین ج ۳)

نظر کا مرض

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو شہوت بالرجال سے پاک وصاف ہیں مگر ان میں بھی نظر کے مرض میں اکثر مبتلا ہیں حالانکہ حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ زنا آنکھ سے بھی ہوتا ہے۔ پس امردوں کو نظر شہوت سے دیکھنا بھی حرام ہے اس میں بہت کم لوگ احتیاط کرتے ہیں حالانکہ نظر مقدمہ ہے فعل کا اور مقدمۃ الحرام حرام قاعدہ فقہیہ ہے یعنی حرام کے مقدمات بھی حرام ہوتے ہیں اس لئے نگاہ کی حفاظت بھی بہت ضروری ہے۔ بعض اکابر کا قول ہے کہ جس شخص کو حق تعالیٰ اپنے دربار سے نکالنا چاہتے ہیں اس کو محبت امارد میں مبتلا کر دیتے ہیں محبت گو فعل اختیاری نہیں مگر اس کے اسباب اختیاری ہیں یعنی ان کو دیکھنا ان سے اختلاط کرنا وغیرہ پس مطلب یہ ہوا کہ جس کو حق تعالیٰ اپنے دربار سے مطرود کرنا چاہتے ہیں اسی کو نظر الی الامرد اور اختلاط الی الامرد میں مبتلا کر دیتے ہیں اور یہ افعال اختیاریہ ہیں جو مقتضی ہو جاتے ہیں محبت وغیرہ کی طرف جس کا انجام طرد عن الحق ہے۔ (اعاذنا اللہ) دوسرے میری سمجھ میں یہ ہرگز نہیں آتا کہ لڑکوں سے کسی کو عشق ہوتا ہو آج کل لوگوں نے فسق کا نام عشق رکھ لیا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

عشق ہائے کز پئے رنگے بود — عشق نبود عاقبت ننگے بود

جو عشق رنگ وروپ ظاہری پر ہوتا ہے اسکا انجام ذلت' بدنامی اور رسوائی ہے۔ کسی اور کا قول ہے۔

ایں نہ عشق ست آنکہ در مردم بود — ایں فساد از خوردن گندم بود

آدمیوں کے اندر ایک دوسرے سے نفسانی خواہش ہرگز عشق نہیں بلکہ گندم کھانے کا فساد ہے اگر نہ ملے تو سب عاشقی بھول جائے۔ (الکمال فی الدین ج ۳)

اخلاق حمیدہ و رذیلہ

جھوٹ نہ بولنا ہمدردی کرنا' خود غرضی نہ کرنا سب داخل ہے اور یہ اصول تمدن میں سے بہت بڑی چیزیں ہیں جن پر تمام دنیا کا مدار ہے لیکن واقعات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ اخلاق دو شخصوں میں پائے جائیں جن میں ایک توحید و رسالت کا قائل ہو اور دوسرا اس کا قائل نہ ہو تو یقیناً دونوں میں بہت بڑا فرق ہوگا یعنی منکر توحید میں تو یہ اخلاق محدود العمر ہوں گے۔ اس طرح سے کہ جب تک ان اخلاق پر عمل کرنے میں اس کے دنیاوی منافع فوت نہ ہوں یا ان کے خلاف عمل کرنے سے دوسروں کو خبر ہو کر رسوائی کا اندیشہ ہو اس وقت تک تو ان اخلاق پر عمل کیا جائے گا اور اگر کوئی ایسا موقعہ آ پڑے گا کہ ان اخلاق پر عمل کرنے سے دنیوی ضرر ہوتا ہو اور ان کے خلاف کرنے میں کسی کو خبر بھی نہ ہو جس میں اندیشہ بدنامی نہ ہو تو اس منکر توحید و رسالت کو کبھی ان اخلاق کے ترک کی پروانہ ہوگی۔

ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ کبھی بے دین سلطنتوں میں آپس میں معاہدہ ہوتا ہے تو اس کی پابندی اسی وقت تک کی جاتی ہے جب تک اپنے منافع حاصل ہوتے ہیں یا خلاف کرنے میں اپنا ضرر ہوتا ہے اگر خلاف کرنے میں اپنا ضرر نہ ہوتا ہو تو عہد شکنی میں ذرا بھی پس و پیش نہیں ہوتا۔

یا فرض کرو کہ دو شخص ہم سفر ہوں جن میں ایک کے پاس ایک لاکھ روپے کے نوٹ ہوں اور دوسرا ایسا ہو کہ اس پر فاقے گزرتے ہوں۔ اتفاق سے وہ متمول انتقال کر جائے اور دوسرے رفیق سفر کو ان نوٹوں کے لے لینے کا موقع ملے اور عاقل بھی یہ اتنا بڑا ہو کہ بلا تکلف ان کو فروخت کر سکے اور اس مرحوم کے ورثہ میں بھی صرف ایک نابالغ بچہ ہو اور ان نوٹوں کی اور کو خبر بھی نہ ہو کہ اس شخص کے پاس یہ ذخیرہ ہے اس صورت میں اخلاق اور نفس میں سخت کشا کشی ہو گی۔ اخلاق کا فتویٰ تو یہ ہوگا کہ یہ روپیہ اس وارث کو دینا چاہئے اور نفس کا فتویٰ یہ ہے کہ جب اس روپے کے رکھ لینے میں کوئی بدنامی نہیں' کسی قسم کا اندیشہ نہیں تو پھر ان کو کیوں نہ رکھ لیا جائے۔ اس کشا کشی میں میں نہیں سمجھتا کہ نری اخلاقی قوت انسان کو اس عظیم مہلکہ سے بچالے۔

پس جس شخص کو نری اخلاقی تعلیم ہوئی ہے وہ ہرگز اس خیانت سے نہیں بچ سکتا۔ البتہ جو

اخلاقی تعلیم کے ساتھ خدا اور قیامت کا بھی قائل ہے وہ اس سے بچ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں یہاں بچ گیا اور مجھے دنیا میں خمیازہ بھگتنا نہ پڑا تو قیامت میں تو ضرور ہی بھگتنا پڑے گا۔

متکبرانہ معاشرت

معاشرت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے جتنے طریقے ناجائز ہیں وہ سب کے سب وہی ہیں جن سے تکبر ٹپکتا ہے مثلاً ناجائز وضع سے شریعت نے منع کیا ہے۔ سو جتنی ناجائز اوضاع ہیں ان سب میں تکبر ہے۔ جو لوگ خلاف شریعت وضع رکھتے ہیں وہ غور کر لیں کہ اس وقت ان کے دل کی کیا حالت ہے اور اس حالت کو یاد رکھیں اور پھر ایک ہفتے شریعت کے موافق وضع اور لباس اختیار کر کے اس کا اثر دیکھیں۔ ان کو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوگا۔ یہ تو سمجھ میں آنے والی تقریر ہے۔

ایک دوسری تقریر یہ ہے کہ جو ان تینوں میں مشترک ہے وہ یہ کہ ہر چیز میں ایک خاصیت ہوتی ہے پس اسی طرح اعمال میں بھی ایک خاصیت ہے اور عقائد میں بھی اور معاشرت میں بھی اور وہ یہ ہے کہ ان سب سے قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے اور اس نور سے اس کی وہ حالت ہو جاتی ہے۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده (الصحيح للبخاری ۱ : ۹، ۸ : ۱۲۷، الصحيح لمسلم كتاب الايمان : ۶۵)

(مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں یعنی انکو کچھ ایذا نہ دے)

اب میں ایک اور بات کہتا ہوں جو تمام اجزائے دین کو عام ہے وہ یہ کہ دین کی یہ غرض ہی نہیں کہ دنیاوی نفع ہو بلکہ اس سے مقصود رضائے حق ہے اور جب خدا تعالیٰ راضی ہو جائیں تو وہ خود ہی اس کی تمام مصالح دنیویہ کی رعایت فرمالیں گے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

جو اللہ سے ڈرتا ہے تو وہ اس ڈرنے والے کے لئے رہائی (آفات دارین) کرتا ہے اور ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ (ضرورۃ العلماء ج ۳)

ہوس جاہ

آج کل یہ بھی ایک خبط ذہنوں میں سما گیا ہے کام چاہے کتنا ہی ذرا سا شروع کریں، مگر

عہدے اور خطابات بڑے بڑے اختراع کر لیتے ہیں۔ کوئی سیکرٹری بنتا ہے کوئی جنٹ ہوتا ہے ایک صاحب کا خط میرے پاس آیا، جس پر کاتب صاحب ہی کے قلم کا لکھا ہوا تھا، راقم فلاں، گورنر یتیم خانہ مقام فلاں، میں نے کہا کہ بہتر تھا کہ "خادم یتیم خانہ" لکھتے، بہت جگہ یہ تجربہ ہوا کہ جہاں یہ خطابات لمبے چوڑے ہوتے ہیں وہاں کارروائی صرف رجسٹر ہی تک محدود رہتی ہے۔ خارجی وجود کی نوبت نہیں آتی، چندروز کے لئے عہدے البتہ مل جاتے ہیں۔ سو یہ بچوں کا کھیل ہوا یا کچھ اور، ان الفاظ کو اختیار مت کرو۔ اس سے برکت نہیں رہتی۔ یہ غیر قوموں کی تقلید ہے۔

من تشبه بقوم فهو منهم . (سنن ابی داؤد: ۴۰۳۱. مسند الامام احمد، ۲: ۵۰، ۹۲)

(ترجمہ:۔ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی پس وہ انہی میں سے ہے۔)

یہ حدیث لباس اور وضع کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، جس بات میں مشابہت پائی جائے سب اسی کے اندر داخل ہیں، یہ اچھا ہے کہ تم اپنے آپ کو خادم کہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما تمہارا نام سردار رکھیں۔

سيد القوم خادمهم . (الحاوی للفتاویٰ . ۲: ۱۰۱ . مشکوٰة المصابیح: ۳۹۲۵)

(ترجمہ:۔ قوم کا سرداران کا خادم ہوتا ہے۔)

یہ کتنی برکت کا سبب ہے، آج کل لوگوں نے اس کے برعکس کر رکھا ہے کہ بڑے بڑے خطابات لے لیتے ہیں۔ خواہ ان کی اہلیت ہو یا نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے

اذا مدح الفاسق غضب الرب تعالىٰ واهتزله العرش .

(مشکوٰة المصابیح: ۴۸۵۹)

(ترجمہ:۔ یعنی جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو عرش کانپ اٹھتا ہے)

اور آج کل اکثر مدرسے فساق کے ہاتھوں میں ہیں اور ان کی مدح ہوتی ہے۔ پھر زمین کانپ اٹھتی ہے تو کیوں تعجب کیا جاتا ہے زلزلہ کو، بہت لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے اس کی حقیقت کیا ہے اور کیوں آتا ہے زلزلہ کے متعلق لوگوں کے خیالات عجیب طرح مختلف ہیں۔ (حقوق القرآن ج ۴)

تکبر کا اثر

تکبر کا یہ اثر ہے کہ اس کے مرتکب سے نفرت ہوتی ہے تو جس کے یہ آثار ہوں۔ آپ ہی انصاف کیجئے کہ وہ چھوٹی چیز کیسے ہوسکتی ہے اور اخروی اثر یہ ہے کہ

حدیث میں ہے کہ متکبر جنت میں نہ جائے گا۔ اب اس حدیث کے جو بھی معنی ہوں مگر ہر اعتبار سے یہ تھوڑی وعید ہے۔ (علوم العباد من علوم الرشاد ج ۴)

تکبر کی نشانیاں:۔

بعض اہل سیر نے ذکر کیا ہے کہ فرعون نے مسلمان ہونا چاہا تھا مگر کچھ تو اس کا تکبر اور کچھ ہامان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے روکا۔ کیونکہ ہامان بھی متکبر تھا۔ غرض یہ تکبر بڑ ہے نہ معلوم کہاں جا کر دھکا دے گا، چنانچہ مجلس میں کسی کو جگہ نہ دینا اور کسی کے کہنے سے نہ اٹھنا اسی طرح گرا ہوا کھانا نہ اٹھانا اور جھکنے سے عار کرنا اور کھانا جھک کر نہ کھانا جیسا کہ آجکل میز کرسیوں پر کھانا کھایا جاتا ہے کہ جھکنے سے عار آتی ہے مسجد میں نہ جانا۔ ان سب کا سبب بھی تکبر ہے ایک صاحب میرے پاس مسجد میں تشریف لائے مگر کوٹ پتلون بوٹ جوتہ زیب تن تھا آ کر فرش سے باہر کھڑے ہو گئے وہ اس کے منتظر رہے کہ میں اٹھ کر ان کے پاس آ کر ان سے گفتگو کروں۔ دیکھئے یہ کونسی تہذیب ہے کہ جاویں تو خود ملنے کے لئے اور اس کے منتظر رہیں کہ یہ خود اٹھ کر ہمارے پاس آئے یہ بھی اسی تکبر کی فرع تھی، پھر لطف یہ کہ اگر کوئی شخص اس قسم کے مواقع میں ان کے لئے نہ اٹھے تو بد دماغ کہلائے۔ اور ان خرد ماغوں کو کوئی کچھ نہیں کہتا۔

ایک اور صاحب میرے پاس مدرسہ میں تشریف لائے جن کا تمام جسم متصل واحد تھا لکڑی کی طرح بندشوں میں کھینچا ہوا تھا وہ بھی تھوڑی دیر تک کھڑے رہے شاید کرسی کے منتظر ہوں گے مگر وہاں کرسی کہاں آخر مجبور ہو کر بیٹھنا چاہا تو دھم سے زمین پر گر پڑے اور اٹھنا اور بھی دشوار ہوا اس فرعونی وضع کا جس میں کوئی راحت بھی نہیں سبب یہی تکبر ہی ہے کہ جہاں جائیں وہاں ان کے لئے کرسی منگائی جائے اور تا کہ ہر وقت بالکل فرعون کہلاتے رہیں۔ جھکنے کی بھی توفیق نہ ہو حتیٰ کہ کھانے کے وقت بھی جھکنا نہ پڑے اسی واسطے میز کرسی پر کھانا کھاتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات مقدس کے باب میں فرماتے ہیں کہ میں تو غلاموں کی طرح کھانا کھاتا ہوں میں اس کے متعلق آپ لوگوں سے سوال کرتا ہوں کہ اگر جارج پنجم آپ کو ایک امرود دے کر اپنے سامنے کھانے کا حکم دیں تو میں دریافت کرتا ہوں کہ اس کے تناول کے لئے آپ میز کرسی اور کانٹے چھری کے منتظر ہوں گے؟ ہرگز نہیں اور اگر جارج کے اس دیئے ہوئے امرود کی ایک قاش آپ کے ہاتھ سے گر جاوے تو

کیا اس کو زمین ہی پر پڑا رہنے دیں گے اور بوٹ جوتہ سے آگے سرکا دیں گے یا فوراً اٹھا کر کھالیں گے شاید صاف بھی نہ کریں بتلایئے اس وقت کس طرح عملدرآمد کریں گے یقینی امر ہے کہ آپ فوراً اٹھا کر کھالیں گے تو یہاں بھی اس طریق سے عمل کیوں نہیں کیا جاتا کیا نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی عظمت جارج پنجم سے کم ہے کہ ان کی دی ہوئی نعمت کے ساتھ اتنا بھی معاملہ نہیں کرتے اور ایک سوال اس کے متعلق یہ ہے کہ اگر آپ کو جارج پنجم اپنے سامنے اس امرود کے کھانے کا امر کریں جیسا اوپر مذکور ہوا تو بتلائیں آپ اس کو رغبت کی صورت سے کھاویں گے یا بلا رغبت کھاویں گے بالکل ظاہر ہے کہ غایت درجہ کی رغبت کا اظہار کر کے کھائیں گے اور رغبت اور پسندیدگی کے اظہار کے لئے اس کو اور جلدی جلدی اور عجلت کے ساتھ کھائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاکل اکلا ذریعا ۔ (جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی کھانا تناول فرماتے تھے۔) (علوم العباد من علوم الرشاد ج ۴)

اثر اخلاص

حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک فاحشہ عورت چلی جارہی تھی کہ راستہ میں اس نے ایک کتے کو دیکھا کہ پیاس کی وجہ سے جاں بلب ہورہا ہے۔ اس کو ترس آ گیا اپنا چمڑے کا موزہ پیر سے نکال کر اس کا ڈول بنایا اور اوڑھنی اتار کر رسی بنائی اور کنویں سے پانی نکال کر اس کتے کو پلا دیا۔ جب وہ مری ہے تو اس فاحشہ کو اس عمل کی وجہ سے بخش دیا گیا۔

اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی قبول ہو جاتا ہے اور اخلاص بھی نہ ہو تو خالی الذہن ہو کر بھی عمل مقبول ہو جاتا ہے چنانچہ اس عورت کے ذہن میں بھی نہ تھا کہ یہ عمل اتنا بڑا ہے نہ اس نے اخلاص کا قصد کیا نہ ریا سے کیا بلکہ خالی الذہن تھی۔ اس لیے خدا تعالیٰ کو وہ کام پسند آ گیا اور جب عمل میں ریا شریک ہو جاتا ہے تو کام غارت ہو جاتا ہے، ہاں صورت ریا جائز ہے۔ یہ میں نے اس لیے کہہ دیا ہے کہ شاید کوئی جلسہ میں چندہ بھی نہ دے اس خیال سے کہ ریا ہو جائے گا کیونکہ یہ صورت ریا ہوگی اس کا مضائقہ نہیں، اصل ریا دل میں ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو جگہ خیلاء (تفاخر) جائز ہے۔ ایک صدقہ میں دوسرے عدو دین کے مقابلہ میں۔ تو دکھلا کر دینا ریا نہیں ہے۔ اس میں

بعض لوگوں کو غلطی ہو جاتی ہے وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ جس کام کو لوگ دیکھ لیں وہ ریا ہے مگر یہ صحیح خیال نہیں ریا کا مدار نیت پر ہے۔ اگر کوئی شخص سب کو دکھا کر اس لیے دیتا ہے کہ دوسروں کو بھی رغبت ہو تو یہ ریا میں داخل نہ ہوگا۔ ہاں حقیقی ریا اگر دل میں ہوگا تو پھر صدقہ مقبول نہ ہوگا اور اگر خالی الذہن ہو کر نہ دکھاوے کی نیت ہے نہ خدا کے لئے نیت ہے، تب بھی قبول ہے۔ جیسا اوپر مذکور ہوا کہ وہ فاحشہ عورت محض اس ذرا سے عمل پر کہ اس نے ایک کتے کو پانی پلا دیا تھا، بخش دی گئی اور اس کا عمل قبول ہو گیا حالانکہ اس نے خالی الذہن ہو کر یہ عمل کیا تھا۔ (حقوق السراء والضراء ج ۴)

تواضع کی شناخت

تواضع بزرگوں کی صحبت سے ہے۔

قال را بگذار مرد حال شو　　　پیش مردے کاملے پامال شو

(قال کو چھوڑ و حال پیدا کرو، یہ حال جب پیدا ہوگا کہ کسی مرد کامل کے قدموں میں جا کر پڑو)

کسی کی جوتیاں اٹھا کر سر پر رکھو تو اضع ہو، پس حتیٰ الامکان کوشش کرو، تواضع کے پیدا ہونے کی کیونکہ یہ شخص بظاہر متواضع ہو بھی گیا تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ جب کبھی کوئی بات پیش آ جاتی ہے اس وقت ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ تواضع عارضی تھی تو بات یہ ہے کہ اچھی طرح نفس کی صفائی نہیں ہوئی تھی اور مقتضی تواضع نہیں پیدا ہوا تھا یہ بزرگوں کی صحبت سے ہوتا ہے کیونکہ وہ ان امراض روحانی کے طبیب ہوتے ہیں۔ اچھی طرح اس کے سبب کے ازالہ کی کوشش کرتے ہیں۔

خود اختیار کی ہوئی تواضع تو ایسی ہے جیسا کہ ایک بلی کو بادشاہ نے سکھلوایا تھا کہ اگر اس کے سر پر شمعدان رکھ دیا جاتا تھا وہ خاموش بیٹھی رہتی تھی۔ بادشاہ بہت خوش تھے کہ بلی نے بالکل اپنی خصلت چھوڑ دی۔ وزیر نے کہا حضور اس سے اس کی خصلت نہیں چھوٹی بلکہ کوئی بات ایسی نہیں پیش آئی جس سے اس کی خصلت کا چھوٹنا یا نہ چھوٹنا ظاہر ہوتا۔ اس کے سامنے چوہا چھڑوا کر دیکھئے پھر دیکھیں یہ کیسے اسی طرح بیٹھی رہتی ہے۔ چنانچہ اس کے سامنے چوہا چھوڑا گیا، وہ شمعدان پھینک کر دوڑی چوہے کے پکڑنے کو۔

اس تواضع کی بھی ایسی مثال ہے جو کسی بزرگ کی تربیت اور صحبت سے حاصل نہ کی جائے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ تمہاری تواضع کی ایسی مثال ہے کہ گوبر ہے کہ پانی کی تہہ میں بیٹھ گیا ہے۔ بظاہر نظر پانی نہایت صاف شفاف نظر آتا ہے لیکن اگر ذرا بھی ہل جائے تو تمام گوبر ظاہر ہو جائے۔

دریائے فراواں نشود تیرہ بسنگ　　　عارف کہ برنجد تنگ آب ست ہنوز

(یعنی بڑا دریا پتھر سے گدلا نہیں ہوتا جو عارف کہ رنجیدہ ہو وہ ہنوز تھوڑے پانی کے مشابہ ہے کہ ذرا سی چیز پڑنے سے گدلا ہو جاتا ہے)

تو آپ کی تواضع مصنوعی تواضع ہے کہ ابھی اگر کوئی ذرا خلاف مرضی بات کہہ دے پھر دیکھئے آپ کیسا بھڑکتے ہیں۔

مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شخص نے امتحان کیا۔ اس نے سنا تھا کہ بڑے تیز ہیں۔ دہلی کی جامع مسجد میں مولانا تشریف رکھتے تھے۔ وہ آیا اور مجمع میں بآواز بلند پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ حرامی ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ تم سے کس نے کہا یہ غلط ہے۔ میری ماں کے نکاح کے گواہ اب تک زندہ ہیں، اگر یقین نہ ہو تو پوچھوا دوں۔ وہ شخص قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ میں تو امتحان کرتا تھا کہ آپ کی تیزی تکبر سے تو نہیں ہے۔ معلوم ہو گیا کہ سارا غصہ اور تیزی اللہ ہی کے لیے ہے، اپنے نفس کے لیے نہیں۔

مولانا شہید سے کسی نے پوچھا کہ شاہ صاحب کے ہوتے ہوئے سید صاحب سے آپ کیوں بیعت ہوئے۔ فرمایا کہ جس کو جس سے مناسبت ہوتی ہے اسی سے فیض ہوتا ہے۔ سید صاحب جب کافیہ پڑھتے تھے تو ایک دن اتفاق سے اس کے حرف نظر نہ آئے۔ کاغذ بالکل صاف نظر آتے تھے اور دوسرے طالب علموں کو دکھایا تو ان کو نظر آتے تھے۔ بہت حیران ہوئے، صبح کو شاہ صاحب کے پاس آئے اور تمام ماجرا بیان کیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا تم کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ تم ذکر و شغل کرو۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند

مولانا شہید بہت بڑے عالم تھے اور بہت مشہور تھے۔ بڑے بڑے امراء قدموں پر سر رکھتے تھے اور سید صاحب ایسے مشہور آدمی نہ تھے مگر مولانا شہید کی حالت یہ تھی کہ سید صاحب کی سواری کے ساتھ ان کی جوتیاں لیے دوڑے جا رہے ہیں۔ لوگ ہر طرف سے سلام کر رہے ہیں، ان کے جواب بھی دیتے جا رہے ہیں۔ حضرت! یوں نفس مرتا ہے اور اسی کو تواضع کہتے ہیں۔ اسی لیے مولانا فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو　　　پیش مردے کاملے پامال شو

(قال کو چھوڑ و اپنے اندر حال پیدا کرو، یہ حال اس وقت پیدا ہوگا کہ کسی مردِ کامل کے قدموں میں جا کر پڑو) یہ نہیں کہ چند روز ذکر و شغل کر لیا۔ ذرا نفس دب گیا، اس کے بعد جب گئے پھر وہ شرارتیں کرنے لگا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامی　　　بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی

(جب تک بہت سے مجاہدات و ریاضت نہ کیے جائیں اس وقت تک نفس کا تصفیہ نہیں ہو سکتا ہے۔ پختگی کے لیے بہت سے مقامات و سفر طے کرنے کی ضرورت ہے) مولانا فرماتے ہیں۔ ان سفروں کے بعد بھی نفس پر اعتماد نہ کرو۔ (الوقت ج ۴)

اسراف کی تفصیل

اسراف کے معنی یہ ہیں کہ منہی عنہ کا ارتکاب نہ ہو اور جو خرچ بھی ہو وہ معصیت میں خرچ نہ ہو۔ اس میں بھی تھوڑی سی تفصیل ہے۔ بعض دفعہ ایک ہی شے ایک شخص کے اعتبار سے اسراف ہو سکتی ہے اور دوسرے شخص کے اعتبار سے اسراف نہیں ہوتی۔

مثلاً ایک شخص کو دس روپے گز کا کپڑا پہننے کی وسعت ہے اور ایک شخص کو ایک روپیہ گز کے کپڑے کی بھی وسعت نہیں۔ یہ اگر دس روپیہ گز کا کپڑا خریدے گا تو ضرور قرض دار ہوگا۔ اب دونوں نے کپڑا خریدا تو جس کو وسعت ہے اس کے لیے تو کچھ حرج نہیں نہ اس پر اسراف کا الزام اور جس نے قرض لیا وہ بے ضرورت گردن پھنسانے سے گنہگار ہوگا۔ مسرف شمار ہوگا کیونکہ بلا ضرورت مقروض ہونا گناہ ہے۔ (الصلاح والاصلاح ج ۴)

تواضع

ہمارے والد باوجود ثروت و دولت کے منکسر المزاج بہت تھے۔ ایک مرتبہ برسات میں کھرپا لے کر خود ہی چھت پر گھاس کو چھیلنے کو جانے لگے، اور مجھ سے فرمایا تم بھی چلو، تائی صاحبہ نے فرمایا، جوان بیٹے سے ایسا کام نہیں لیا کرتے۔ انہوں نے مان لیا اور تنہا خود چھت پر چڑھ گئے۔ اس وقت تائی صاحبہ نے کہا کہ جب تمہارے باپ گھاس چھیلنے گئے ہیں تو اب تمہیں بھی جانا چاہیے۔ (الصلاح والاصلاح ج ۴)

اسراف کی حقیقت

اسراف کہتے ہیں معصیت میں خرچ کرنے کو آپ کا خیال ہوگا کہ ہم کون سی معصیت میں خرچ کرر ہے ہیں۔ ہمارے یہاں ناچ نہیں رنگ نہیں۔اے صاحبو! تفاخر اور ریا بھی تو معصیت ہے۔پس تفاخر کے لئے خرچ کرنا معصیت ہی میں خرچ کرنا ہے۔اس لئے اسراف میں یقیناً داخل ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ معصیت منحصر نہیں ہے ناچ رنگ اور دیگر افعال جوارح میں بلکہ بہت سے معاصی قلب کے متعلق بھی ہیں۔ چنانچہ تفاخر اور ریا ان ہی معاصی قلب میں سے ہے لہٰذا اس میں خرچ کرنا بھی معصیت ہی میں خرچ کرنا ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے۔ پس یہ بھی اسراف ہوا۔اور ایک معصیت ہی میں خرچ کرنا کیا نماز روزہ میں بھی حد سے متجاوز ہونا اسراف ہے اور مطلق اسراف کے متعلق حق سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ان اللہ لا یحب المسرفین. اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔پس اسراف مطلقاً مذموم ہوگا۔(نقد اللبیب فی عقد الحبیب ج ۵)

تفاخر کی ممانعت

تفاخر کے متعلق ایک حدیث یاد آئی ہے۔ نھیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دعوۃ المتبارئین. ممانعت فرمائی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کی دعوت قبول کرنے سے جو ایک دوسرے سے بڑھنا چاہیں اور بحثا بحثی میں کھانا کھلاویں۔(نقد اللبیب فی عقد الحبیب ج ۵)

غیبت کی صورت

آپ لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ گناہ فقط دو تین ہی ہیں۔خصوص دل کے گناہ کو تو گناہ ہی نہیں سمجھتے حالانکہ یہ بات نہیں۔ گناہ بہت ہیں اور ان میں دل کے بھی بہت سے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ نماز پڑھنے مسجد میں آئے دیکھا کہ ایک سائل سوال کر رہا ہے دیکھنے میں بالکل تندرست خوب ہٹا کٹا موٹا تازہ بظاہر نہ کوئی معذوری نہ مجبوری انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسے شخص کو تو سوال کرنا بالکل حرام ہے اور

یہ ناجائز کام کر رہا ہے حالانکہ ممکن تھا کہ اس کو کوئی خاص عذر ہو جس کی وجہ سے وہ اکتساب کے قابل نہ ہو یا اکتساب کے قابل ہو لیکن اکتساب سے اس کی ضرورت پوری نہ ہو سکتی ہو۔

مثلاً فرض کیجئے کسی ظالم نے اس پر ایک ہزار کی ڈگری ناحق کر دی اور وہ مظلوم ہے۔ اس صورت میں گو وہ ہاتھ پاؤں سے درست ہے مگر ہزار روپیہ ایک دم وہ کہاں سے دے بلکہ اس صورت میں دو سو چار سو روپیہ اس کے پاس جمع بھی ہوں تب بھی وہ باقی روپیہ کا اکتساب ایک دو دن میں تو نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ایسے شخص کو اجازت ہے شریعت سے کہ بھیک مانگ کر ڈگری کا روپیہ ادا کر دے اور اپنی جان چھڑا لے۔

مگر ان کو اس کی ظاہری حالت سے شبہ پڑا اور اس کو دل میں برا کہا۔ رات کو جو سوئے تو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مردہ ہے اور اس کو کاٹ کاٹ کر کھانے کے لئے کوئی ان سے کہتا ہے یہ انکار کرتے ہیں تو ان کو جواب ملتا ہے کہ دن میں تو اس فقیر کی غیبت کر کے مردہ کا گوشت کھایا اور اب انکار ہے۔ انہوں نے کہا میں نے اس کو کچھ کہا نہیں۔ جواب ملا غیبت زبان ہی سے کہنے سے ہوتی ہے دل سے بھی تو ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ قلب کو دیکھتے ہیں بلکہ اصل غیبت دل ہی سے ہے۔

ان الکلام لفی الفوا دوا نما جعل اللسان علی الفواد دلیلا

کلام تو دراصل قلب ہی میں ہوتا ہے زبان تو محض اس کی مترجم ہے جو کچھ دل میں ہوتا ہے وہ صرف اس کو ظاہر کر دیتی ہے۔ باقی بات تو وہی ہوتی ہے جو دل میں ہوتی ہے۔ چنانچہ اٹھے اور پہنچے اسی فقیر کے پاس دور سے دیکھ کر اس نے فوراً یہ آیت پڑھی۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ

جس کا مطلب یہ تھا کہ گھبراؤ نہیں توبہ کرنے سے خدا سب گناہ معاف کر دیتا ہے چونکہ اب توبہ کر چکے ہو لہٰذا سب معاف۔ تو دیکھئے غیبت دل سے بھی ہوتی ہے۔ (نقد اللبیب فی عقد الحبیب ج ۵)

رضا بہ قضا

اور ایک حضرت سیدنا غوث اعظم رحمہ اللہ کی حالت یہ تھی کہ آپ ایسا کپڑا پہنتے تھے کہ اتنا قیمتی کپڑا خلیفہ وقت بھی نہیں پہن سکتا تھا حشم و خدم اور عمدہ و لطیف غذائیں اور مرغ پلاؤ وغیرہ سے سابقہ رہتا اور جہاں یہ تھا وہاں یہ بھی یقینی تھا کہ اگر دونوں کی حالتوں کو ایک

دوسرے سے بدل دیا جاتا تو دونوں خوشی سے قبول کر لیتے۔ غرض عارف کی شان ہونی چاہئے کہ وہ جس حال میں رکھیں زندہ رکھیں تو زندہ رہے ماریں تو مر جائے۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو   دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

یعنی زندگی عطا فرمائیں تو آپ کی مہربانی ہے اور اگر آپ قتل کریں تو آپ پر قربان ہوں۔ دل آپ پر آ گیا ہے جو کچھ آپ تصرف کریں میں آپ سے راضی ہوں۔ (الشریعت ج ۶)

اخلاق ندارد

حضرت شیخ ابوالبرکات کے پاس ابو علی بن سینا گیا۔ کسی نے اس کی نسبت پوچھا کہ حضرت یہ کیسا شخص ہے۔ فرمایا کہ بوعلی اخلاق ندارد۔ (اخلاق نہیں رکھتا) ابو علی نے سن کر ایک کتاب تصنیف کی جس میں علم اخلاق کو خوب بیان کیا اور ان کے پاس بطور جواب کے بھیجی۔ انہوں نے ایک جملہ میں ساری کتاب اڑا دی کہ من کے گفتہ بودم کہ اخلاق نداند۔ گفتہ بودم کہ اخلاق ندارد۔ (یعنی میں نے کب کہا تھا کہ اخلاق نہیں جانتا بلکہ میں نے یہ کہا تھا کہ اخلاق نہیں رکھتا) بلکہ یہ بھی تو اخلاق نہ ہونے کی بات ہے کہ خواہ مخواہ اعتراض کے جواب دینے کی کوشش کی۔ بوعلی لاجواب رہ گیا۔ (حق الاطاعت ج ۶)

حسن اخلاق کے ثمرات

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زرہ ایک یہودی نے چرالی تھی۔ آپ نے اپنے قاضی شریح کے یہاں اس پر دعویٰ کیا قاضی نے گواہ طلب کئے تو حضرت علی نے اپنے آزاد کردہ غلام اور امام حسن رضی اللہ عنہ کو پیش کیا شریح نے حضرت حسنؓ کی گواہی قبول نہ کی کیونکہ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قبول نہیں ہوتی اور مقدمہ یہودی کے موافق فیصل ہوا۔

اس پر یہودی فوراً اسلام لے آیا کہ واقعی یہ دین برحق ہے جس میں خلیفہ کے مقابلہ میں ایک رعیت کا یہودی مقدمہ جیت سکتا ہے۔ اس پر میں کہتا ہوں کہ ہمارے اسلاف تو ایسے تھے کہ ان کو دیکھ کر لوگوں کو اسلام کی طرف رغبت ہوتی تھی۔ (شعب الایمان ج ۶)

قوت استغفار

امام غزالی نے لکھا ہے۔

اری الملوک بادنی الدین قد قنعوا　وما ارا الم رضوانی العیش بالدون
فاستغن بالدین عن دنیا الملوک کما　استغنی الملوک بدنیا ھم عن الدین

وہ دنیا کو لے کر تم سے مستغنی ہو گئے۔ تم دین لے کر ان کی دنیا سے مستغنی ہو جاؤ میں خدا کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ اگر اہل علم اہل دنیا سے مستغنی ہو جائیں۔

تو خدا تعالیٰ ان کی غیب سے مدد کریں۔ بلکہ خود یہی اہل دنیا جو آج ان کو ذلیل سمجھتے ہیں اس وقت ان کو معزز سمجھنے لگیں گے اور ان کے محتاج ہوں گے۔ کیونکہ ہر مسلمان کو بحیثیت مسلمان ہونے کے جس طرح اپنی ضروریات کے لئے کم و بیش دنیا کی ضرورت ہے دین کی اس سے زیادہ ضرورت ہے خواہ وہ عالم ہو یا جاہل' رئیس ہو یا غریب۔ اور یہ ظاہر ہے کہ علماء کے پاس بقدر ضرورت دنیا موجود ہے اور اہل دنیا کے پاس دین کچھ بھی نہیں۔ تو ان کو ہر امر میں موت میں حیات میں نماز میں روزے میں سب میں علماء کی احتیاج ہوگی۔ اور اگر کوئی کہے کہ مجھے دین کی ضرورت ہی نہیں تو وہ مسلمان ہی نہیں۔ غرض ایک وقت ایسا آئے گا کہ اہل دنیا خود علماء کے پاس آئیں گے۔ پس علماء کو بالکل استغناء چاہئے اور خدا تعالیٰ کے دین میں مشغول ہونا چاہئے۔

ہم لوگوں میں ایک بڑی کمی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا نہیں کرتے اگر خدا تعالیٰ سے ہم کو تعلق ہو تو کسی کی بھی پروا نہ رہے۔ البتہ میں علماء کو بد اخلاقی کی اجازت نہیں دیتا۔ کیونکہ بعضے استغنا بد اخلاقی کو سمجھتے ہیں۔ (تقویم الزیغ ج ۶)

لعنت اور غیبت

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے، میں نے کہا اس شخص کو جائز ہے جسے یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارا خاتمہ یزید سے اچھا ہوگا، ارے اپنا کام میں لگو، لعنت کا وظیفہ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔

حضرت رابعہ سے کسی نے پوچھا تو ابلیس پر لعنت نہیں کرتیں، کہنے لگیں جتنی دیر میں اس پر لعنت کروں میں اپنے محبوب کی یاد ہی نہ کروں، لعنت کے باب میں بعضوں کا دوسرا انداز بھی ہے۔

ایک شخص تھا وہ روز ایک ہزار مرتبہ شیطان پر لعنت کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس دشمن نے بھی کیسا بدلا لیا کہ دیوار کے نیچے سو رہا تھا، اس نے آ کر جگا دیا کہ اٹھو اٹھو بھاگو، یہ جیسے ہی وہاں سے ہٹا دیوار گر پڑی، یہ بہت خوش ہوا کہ یہ تو کوئی بڑا خیر خواہ ہے، پوچھا کون ہو؟ کہا

نام نہ پوچھو، نام سن کر تم خوش نہ ہو گے، کہا صاحب بتلاؤ بھی، کہا میں وہی شیطان ہوں جس پر تم ہزار مرتبہ روزانہ لعنت بھیجا کرتے ہو، کہا تم تو میرے بڑے خیر خواہ نکلے۔ اس نے کہا میں نے خیر خواہی سے نہیں بچایا بلکہ اس خیال سے بچایا کہ دیوار کے نیچے دب کر مرو گے تو شہید ہو جاؤ گے اور بے حساب بخشے جاؤ گے، تو مجھے فکر ہوئی کہ کسی طرح اتنے بڑے ثواب سے محروم کر دوں، دوسرے اگر جیتا رہے گا تو تجھ پر خوب مشق کیا کروں گا، ابھی بہت دن نچاؤں گا جیسے بندر ریچھ کہ اگر مر جاوے تو بندر والا پھر کہاں سے کمائے گا۔

بہر حال کسی پر لعنت کرنا فضول حرکت ہے جبکہ اپنے ہی حال کی خبر نہیں کسی نے خوب کہا ہے:

گہ رشک برد فرشتہ بر پاکئ ما　　گہ خندہ زند دیوز ناپاکئ ما

ایماں چو سلامت بہ لب گور بریم　　احسنت بریں چستئ و چالاکئ ما

(کبھی ہماری پاکی پر فرشتہ رشک کرتا ہے اور کبھی ہماری ناپاکی پر شیطان ہنستا ہے، ایمان اگر قبر میں سالم لے جائیں تو اس وقت ہماری چستی اجالا پر آفریت ہے) (آثار العبادۃ ج ۷)

اخلاق کیا ہے؟

اخلاق کیا چیز ہیں۔ اس کی حقیقت ہے اپنے نفس کی اصلاح کرنا۔ اس کا تو کہیں نام و نشان بھی نہیں رہا بس مرید ہو گئے اور عقیدہ پکا لیا کہ پیر اللہ میاں کے یہاں بخشوائیں گے۔ ادھر پیر روٹیوں سے مطمئن ہو گئے کہ اب سلسلہ میں تو آ ہی گئے پھر کیا غم۔ گویا ایک خاندانی رسم و رواج بن گیا ہے چنانچہ بعض اطراف میں یہ قاعدہ ہو گیا ہے کہ اگر ایک خاندان کا ایک شخص کسی کا مرید ہو گیا تو اب سارے خاندان کو اسی کا مرید ہونا ضروری ہے پھر ان کی اولاد کو اس پیر کی اولاد کا مرید ہونا ضروری ہے۔ گو اہلیت کا نام و نشان بھی نہ ہو تو بجز گمراہ کرنے کے اس مشیخت کا کیا نتیجہ ہے۔ (آثار العبادۃ ج ۷)

حب جاہ

بڑے طبقہ کے لوگ اکثر دین کے کام دین کی نیت سے نہیں کرتے بلکہ دنیا کی نیت سے کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک انجمن کے سیکرٹری شراب پیتے تھے مگر اس کے ساتھ بھی وہ اسلامی انجمن کے سیکرٹری تھے کیا ایسے لوگوں سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ دین کے واسطے انجمن کی خدمت کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ محض جاہ کے واسطے مجھے اس انجمن میں بلایا گیا

تھا، میں نے انکار کر دیا کیونکہ جس انجمن کا سیکرٹری نااہل ہو اس میں شرکت کرنا سیکرٹری کی جاہ بڑھانا ہے اور نااہل کی جاہ بڑھانا اور اس کے عہدہ کو تسلیم کرنا خود ناجائز ہے۔ ہاں کوئی اس واسطے شرکت کرے کہ ایسے نااہلوں کے معزول کرنے میں سعی کرے تو جائز ہے اور ایسے لوگوں کو سیکرٹری وغیرہ صرف اس واسطے بنایا جاتا ہے کہ وہ چندہ خوب وصول کرتے ہیں، غرباء کے اوپر ٹیکس کی طرح چندہ مقرر کرتے ہیں اور اپنے دباؤ اور اثر سے جبراً وصول کرتے ہیں۔ اس کام میں ان کی مدح کی جاتی ہے کہ فلاں صاحب دین کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ بڑا دین کا کام کیا کہ غرباء کے گلے پر چھری رکھ کر چندہ وصول کر لیا، ان سے اچھے تو وہ لوگ ہیں جو کھلم کھلا ڈاکو ہیں کیونکہ وہ لوگوں سے مال چھین کر اپنے بال بچوں کو تو کھلاتے ہیں جن کا نفقہ ان کے ذمہ واجب ہے تو گو ان کا ذریعہ معاش تو حرام ہے مگر مصرف ایسا ہے جس میں خرچ کرنا ان کے ذمہ واجب تھا تو وہ حرام کا ارتکاب کر کے ایک واجب سے تو سبکدوش ہوئے اور یہ سیکرٹری صاحب حرام طریقہ سے چندہ وصول کر کے ایسی جگہ صرف کرتے ہیں جس کی خدمت ان کے ذمہ واجب نہیں اور ڈاکو کی سزا معلوم ہے۔ تو یہ لوگ اس کے واسطے تیار رہیں۔ افسوس آج کل چندہ میں اس کا اصلاً لحاظ نہیں کیا جاتا کہ یہ مال خوشی سے دیا گیا ہے یا جبر سے۔ (اصل العبادۃ ج ۷)

حضرت عمرؓ اور پابندی شریعت

ایک واقعہ مجھے اسی قسم کا یاد آ گیا جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں پیش آیا تھا کہ ہرمزان فارسی سے جو شاہان فارس میں سے ایک بادشاہ تھا، مسلمانوں کی صلح ہو گئی تھی مگر اس نے صلح کے بعد عذر کیا پھر مسلمانوں نے اس کے ملک پر حملہ کیا اور صلح کے لیے خوشامد کرنے لگا، پھر عذر کیا، صحابہ نے پھر اس کے ملک پر حملہ کیا تو پھر صلح کی درخواست کرنے لگا، حضرات صحابہ نے اس مرتبہ صلح منظور نہ کی کیونکہ تجربہ ہو چکا تھا تو اس نے درخواست کی کہ اچھا مجھ کو حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا جائے وہ جو فیصلہ میرے حق میں کر دیں گے مجھے منظور ہے۔ چنانچہ اس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس کی صورت دیکھ کر حضرت عمرؓ کو غصہ سے تاب نہ رہی کیونکہ اس نے صلح کر کے مسلمانوں کے

بڑے بڑے بہادر اور جلیل القدر صحابہ کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے غصہ کے ساتھ اس کو ڈانٹ کر فرمایا کہ تیرے پاس اس عذر کا کیا جواب ہے بولو؟ ہرمزان نے کہا زندوں کی طرح بولوں یا مردوں کی طرح کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہیں بات پورا کرنے سے پہلے ہی آپ مجھ کو قتل کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: تکلم لاباس بولو ڈرو نہیں؟ اس نے کہا اچھا مجھے پانی پلوا دیجئے کہ پیاس سے بے تاب ہوں۔ حضرت عمرؓ نے اس کے لیے پانی منگوایا جو ایک بھدے سے پیالے میں لایا گیا۔ ہرمزان نے کہا کہ میں مر بھی جاؤں گا تو ایسے پیالے میں پانی نہ پیوں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس کے حق میں پیاس اور قتل کو جمع نہ کرو، اچھے گلاس میں پانی لے آؤ۔ چنانچہ لایا گیا تو ہرمزان نے گلاس منہ سے لگا کر ہٹا لیا کہ پینے کی ہمت نہیں ہوتی۔ مجھے اندیشہ ہے کہیں گلاس منہ کو لگاتے ہی میرا سر گردن سے جدا کر دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: **لاتخف حتیٰ تشربه** کہ پانی پینے تک کچھ اندیشہ نہ کرو۔ یہ سنتے ہی ہرمزان نے پانی پھینک دیا اور کہا مجھے پیاس نہیں ہے، مجھے تو صرف امن لینا مقصود تھا، سو وہ مقصود حاصل ہو گیا۔ اب آپ مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بھلا میں ایسے شخص کو زندہ چھوڑ سکتا ہوں جس نے براء بن مالکؓ اور فلاں فلاں جلیل القدر صحابہ کو قتل کیا ہے۔ ہرمزان نے کہا کہ میں نے کچھ ہی کیا ہو مگر آپ مجھ کو امن دے چکے ہیں اب قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے تجھ کو امن نہیں دیا۔ ہرمزان نے کہا، آپ واقعی مجھ کو امن دے چکے ہیں اس پر دوسرے صحابہؓ نے بھی ہرمزان کی تائید کی۔ واقعی آپ اس کو امن دے چکے ہیں کیونکہ آپ نے اس کو **تکلم لاباس** اور **لاتخف حتی تشربه** فرمایا ہے اور یہ الفاظ موجب امان ہیں۔ حضرت عمرؓ نے بھی اپنے کلام میں غور فرمایا تو سمجھ گئے واقعی میری زبان سے الفاظ امان نکل چکے ہیں۔ تو ہرمزان کو رہا کر دیا اور فرمایا: "**خدعتنی ولا انخدع الالمسلم**" کہ تم نے مجھ کو دھوکہ دیا مگر میں مسلمان کے دھوکہ میں آ سکتا ہوں کافر کے دھوکہ میں نہیں آ سکتا۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر کے بعد ہرمزان مسلمان ہو گیا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تو نے جان بچانے کے لیے تدبیریں کیوں کیں۔ اول ہی میں اسلام لے آتا تو تیری جان بچ جاتی، کہا اس صورت میں آپ کو میرے اسلام کی قدر نہ ہوتی۔ یہ خیال ہوتا کہ جان بچانے کے لیے مسلمان ہوا ہے اس لیے میں نے دوسرے

طریقے سے جان بچالی اور آپ کو اپنے قتل سے روک دیا، اس کے بعد مطمئن ہو کر اسلام لایا۔ اب کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں کہ جان بچانے کو اسلام لایا ہے۔

تو اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کس قدر شریعت کے پابند اور وقاف عند الحدود تھے۔ عبدیت اسی کا نام ہے، بندہ کی شان تو یہ ہے کہ احکام کا اتباع کرے مصالح کی پروانہ کرے۔

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار　　　　کار ملک ست انکہ تدبیر و تحمل بایدش

(دنیا کو سوختہ کرنے، رند کو مصلحت دیکھنے سے کیا غرض سلطنت کے امور میں تدبیر و تحمل کی ضرورت ہے) (اصل العبادۃ ج ۷)

رضائے حق

اعمال سے مقصود حق تعالیٰ کو راضی کرنا ہے تو عمل فی نفسہ کوئی بھی مقصود بالذات نہیں تو رضائے حق مقصود بالذات ہے۔ اس کے طرق اور اسباب مقصود بالغیر، لیکن طرق اور اسباب اگر متعدد اور مختلف ہوں تو ان کی تعیین آپ کی رائے پر نہیں بلکہ شریعت نے جیسے مقصود کو متعین کیا ہے ایسے ہی طرق اور اسباب کو بھی متعین کر دیا ہے کہ رضا کی یہ سبیل ہے اور یہ طریق ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ.
''یہی مجھ تک وصول کا سیدھا راستہ ہے، پس اس پر چلتے رہو۔'' (شرائط الطاعت ج ۷)

ضرورت رضائے حق

خلاصہ اس بیان کا یہ ہے کہ جب کوئی کام کرو تو جی میں یہ نہ ٹھان لو کہ فلاں مطلب جس طرح بن پڑے حاصل ہو ہی جاوے بلکہ اپنا اصل مطمح نظر رضائے حق کو رکھو اور یہ قصد رکھو کہ رضائے حق حاصل ہو جائے، چاہے کامیاب ہوں یا نہ ہوں۔

سلطان صلاح الدین نے جب ملک شام فتح کیا تو وزراء نے عرض کیا کہ حضور نے یہاں کے لیے کوئی قانون بھی تجویز فرمایا، اس نے کہا کہ قانون شرع موجود تو ہے، قانون جدید کی ضرورت کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ حضور شریعت میں نرم سزائیں ہیں، یہ عیسائیوں کا نہایت سرکش اور فسادی فرقہ ہے، ان کے لیے سخت سزاؤں کی ضرورت ہے، ان پر اثر نہ ہوگا، اس نرم

قانون کا اس واسطے حضور اپنی رائے سے کوئی نیا قانون ان کے لیے مقرر کردیں ورنہ یہ آیا ہوا ملک ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ سلطان یہ سن کر بہت برہم ہوا اور کہا کہ خلاف خدا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی قانون ہرگز نافذ نہیں کیا جائے گا اور تم مجھے ڈراتے ہو کہ سلطنت جاتی رہے گی تو کیا مجھے کچھ سلطنت کرنی مقصود ہے؟ سو واللہ! میں نے جو کچھ کیا ہے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا ہے، سلطنت کرنے کے شوق میں نہیں کیا، اگر خدا تعالیٰ مجھے فقر و فاقہ اور ذلت و گدائی کی حالت میں بھی رکھیں میں اس پر بھی ویسا ہی خوش ہوں جیسا کہ سلطنت کی حالت میں میں کسی حالت کو ترجیح نہیں دیتا، بس خدا تعالیٰ راضی رہیں، نہ مجھے پروا سلطنت کی ہے نہ گدائی سے عار ہے اور واقعی عاشق کا تو یہی مذہب ہوتا ہے۔ مولانا جامی فرماتے ہیں:

دلارامے کہ داری دل در و بند　　دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

(عاشق کا کام یہ ہے کہ محبوب کے ساتھ دل کو وابستہ رکھے اور باقی سارے عالم سے نظریں ہٹا لے)

حضرت عارف شیرازی فرماتے ہیں:

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار　　بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

(میں تو اسی میں مصلحت سمجھتا ہوں کہ سب کے کاموں سے نظر ہٹا کر صرف محبوب کے کام میں لگ جاؤں)

بس مصلحت یہی ہے کہ ایک خدا کی خوشنودی کو لے کر باقی سب مصلحتوں پر خاک ڈال دو۔ تو طریقہ یہی ہے کہ جو کام بھی دین کا یا دنیا کا کرنا چاہو اسی طرح کرو۔ (شرائط الطاعت ج ۷)

تکبر کی ممانعت

خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں تکبر کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "ان اللہ لایحب کل مختال فخور" (کہ بے شک اللہ تعالیٰ کسی اکڑنے والے اور فخر کرنے والے کو دوست نہیں رکھتے)

حدیث شریف میں ہے کہ:

لایدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من کبر ۲

"جس کے قلب میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔"

دوسری حدیث ہے: من لبس ثوب شھرۃ البسہ اللّٰہ ثوب الذل یوم القیمۃ ''اگر کوئی شہرت کے لیے کپڑا پہنے گا تو قیامت میں خدا تعالیٰ اس کو ذلت کا لباس پہنائیں گے۔'' اس آیت اور احادیث سے معلوم ہوا کہ فخر کے لیے کوئی کام کرنا حرام ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے: من سمع سمع اللّٰہ بہ و من را ای را ای اللّٰہ بہ ''اس سے معلوم ہوا کہ دکھلاوے اور شہرت کا کام کرنا حرام ہے۔'' (آثار المحبۃ ج ۷)

ناشکری کا مرض

مولوی عبدالرب صاحب واعظ ایک مضمون اپنے وعظ میں فرمایا کرتے تھے۔ گو مضمون تو ہے شاعرانہ مگر ہے واقعی۔

چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ عورتوں کے پاس اگر کپڑوں کے صندوق بھی بھرے ہوں مگر ان سے جب پوچھو یہی کہیں گی کیا ہیں چار چیتھڑے سارا گھر برتنوں سے بھرا ہوا ہو مگر جب پوچھو یہی کہیں گی کیا ہیں چار ٹھیکرے جوتیوں کے کتنے ہی جوڑے ہوں مگر ہمیشہ یوں ہی کہیں گی کیا ہیں دو لیترے یہ مضمون ممکن ہے قافیہ کی ضرورت سے بنا ہو مگر واقعہ سچا ہے۔

حاصل یہ کہ ان کو سامان سے کبھی صبر ہوتا ہی نہیں۔ مرد تو کپڑوں میں پیوند تک لگا لیتے ہیں مگر عورتیں ہیں کہ ان کو نئے کپڑوں کے صندوق بھر کر بھی کفایت نہیں ہوتی۔ چاہتی ہیں کہ کپڑوں سے گھر بھر لیں۔ اگر سخت مجبوری ہو تو پیوند بھی لگا لیں گی۔ مگر وسعت میں تو لگاتی ہی نہیں۔ بعض مرد بیچارے ہیں تو مزدور چار آنے آٹھ آنے کے مگر بیبیوں کو دیکھو تو بیگم بنی ہوئی ہیں مرد اپنے لئے پیوند لگے کپڑوں کو عیب نہیں سمجھتا مگر عورت غریب کی بھی ہو گی اپنے کو ایسا بنائے گی کہ گویا بنت الامیر و زوجۃ الکبیر (امیر کی صاحبزادی بڑے آدمی کی بیوی) ہے اور یہ سب ساز و سامان سجاوٹ شوہر کے لئے نہیں بلکہ دوسروں کو دکھانے کی غرض سے ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ محض کم فہمی کی بات ہے۔ دکھانے سے ہوتا کیا ہے کیونکہ آپس میں خاندان والوں کو ایک دوسرے کا حال تو معلوم ہی ہوتا ہے اس کی حیثیت اتنی ہے اور اس کی اتنی پھر دکھانے سے نتیجہ کیا یہ مانا کہ عورتوں کے مناسب زینت ہے مگر اس میں اعتدال تو ہو حد سے بڑھی ہوئی تو نہ ہو۔ ان میں حب مال کا یہ رنگ ہے اور مردوں میں بھی یہ مرض حب مال کا موجود ہے مگر رنگ مختلف ہے۔

دوسرا مرض عورتوں میں حب جاہ ہے اور یہ مرض مردوں میں بھی ہے مگر دوسرے رنگ

میں۔ وہ بھی اپنے کو بڑا بناتے ہیں مگر رنگ اور ہوتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ اکثر مردوں میں اور کمالات بھی ہیں جیسے علم وغیرہ۔ اس لئے ان کا حب جاہ اس قدر نازیبا نہیں اور عورتوں میں تو یہ بھی نہیں مگر پھر بھی ان میں حب جاہ ہے گویا اپنے کو بڑا نہیں سمجھتیں مگر یہ چاہتی ہیں کہ دوسرے ان کو بڑا سمجھیں ان میں اس کے ساتھ تذلل اور تواضع کی بھی ایک شان ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض بیبیاں پائنتی بیٹھتی ہیں اور خادمہ سرہانے۔ اور خود پان لگا کر بھنگن وغیرہ کو دے دیتی ہیں۔ ان بیچاریوں میں اس قسم کی تواضع بھی ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس کی کوشش بھی کرتی ہیں کہ ہم سب سے بڑھی رہیں۔ بیچاریوں میں کمالات تو ہیں نہیں مگر چاہتی ہیں کہ زیور اور سامان بہت سا ہو دوسروں سے بڑھی چڑھی رہیں۔ جب کہیں جائیں گی' تو خوب زیور لاد پھاند کر جائیں گی۔ خواہ مانگا ہوا ہی زیور ہو اور گو دوسروں کو معلوم بھی ہو کہ مانگ کر پہنا ہے۔ یہ اس لئے کہ ہم کو کوئی ہلکا نہ سمجھے رات دن اسی کا اہتمام ہے۔ یہی سبق ہے کہ چیمک ہو' گوٹہ ہو' ٹھپہ ہو' لچکہ ہو' کپڑے کی تراش ایسی ہو جھالر بھی لگا ہوا ہو' جہاں تک ان کے امکان میں ہے بناوٹ کا اہتمام کرتی ہیں۔ (خیر الاثاث للاناث ج ۸)

صاحب جاہ

صوفیاء نے صاحب جاہ کے آداب میں لکھا ہے کہ ایسا شخص اپنی حوائج کو ظاہر نہ کرے کیونکہ اس سے لوگ فکر میں پڑ جائیں گے اور ہر شخص اس کی حاجت کو پورا کرنا چاہے گا۔ اس لئے صاحب جاہ کو اظہار حاجت مناسب نہیں۔ (علاج الحرص ج ۸)

خدمت خلق

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب والد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا ایک واقعہ یاد آیا۔ مقصود تو یہی واقعہ ہے مگر اس سے پہلے ایک اور واقعہ ان ہی کا بیان کرتا ہوں کیونکہ اس کا واقعہ مقصود سے تعلق ہے۔

وہ تمہیدی واقعہ یہ ہے کہ ایک بار بادشاہ دہلی نے آپ کو بلایا اور یہ حضرات سلاطین کی توہین نہ کرتے تھے بلکہ ان کے حقوق حاکمانہ کی رعایت فرماتے تھے چنانچہ بادشاہ کے بلانے پر آپ چلے اور قیمتی لباس پہن کر چلے۔ راستہ میں ایک کتے کا بچہ ایک گندی نالی میں سردی سے سکڑا ہوا پڑا دیکھا اول خادم سے فرمایا اس کو باہر نکالے وہ ذرا منقبض سا ہوا آپ

سے نہ رہا گیا۔ فوراً اپنے ہاتھ سے نکالا اور حمام وہاں قریب تھا وہاں لے جا کر اس کو گرم پانی سے غسل دیا اس کو گرمی پہنچی تو وہ حرکت کرنے لگا پھر اس محلّہ کے آدمیوں سے فرمایا کہ اگر تم اس کی خبر گیری کا وعدہ کر لو تو میں اس کو یہاں چھوڑ دوں ورنہ اپنے ساتھ لے جاؤں۔ کسی نے ذمہ لے لیا تب آپ اس کے حوالے کر کے دربار شاہی میں تشریف لے گئے۔

اس واقعہ کے بعد دوسرا واقعہ مقصودہ یہ ہوا کہ ایک دن آپ جنگل میں بٹیا کے راستہ سے جا رہے تھے ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں بٹیا کے دونوں طرف پانی اور کیچڑ تھا۔ صرف بٹیا کا راستہ خشک تھا کہ سامنے سے ایک کتا اسی بٹیا پر آ گیا۔ بٹیا اتنی پتلی تھی کہ شاہ صاحب کتے سے بچ کر نہ نکل سکتے تھے بلکہ دونوں میں سے ایک کو پانی کیچڑ میں اترنا پڑتا تھا۔ اب شاہ صاحب ٹھہر گئے اور کتا بھی سامنے کھڑا ہو گیا۔ شاہ صاحب نے اس سے فرمایا کہ بھائی تم کیچڑ میں اترو۔ کہا کیوں میں ہی کیوں اتروں؟ کیا تم اپنے کو مجھ سے افضل سمجھتے ہو۔ فرمایا نہیں! صرف اس لئے تم سے اترنے کو کہہ رہا ہوں کہ میں مکلّف ہوں نماز وغیرہ پڑھتا ہوں کیچڑ میں میرے کپڑے خراب ہو جائیں گے۔ تو غیر مکلّف ہے پانی سے نکل کر سوکھ جائے گا تیرا کچھ خرچ نہ ہوگا کتے نے جواب دیا کہ ہاں میرا اترنے سے کوئی حرج نہیں لیکن یہ سمجھ لو کہ اگر تم اترے تو صرف کپڑے ناپاک ہوں گے جو ایک لوٹا پانی سے پاک ہو جاویں گے لیکن میں اتر گیا اور تمہارے دل میں وسوسہ آ گیا کہ میں اس کتے سے افضل ہوں تو تمہارا دل اتنا ناپاک ہو جائے گا کہ سات سمندروں سے بھی اس کی نجاست زائل نہ ہوگی۔ اب تم کو اختیار ہے جس شق کو چاہو اختیار کرو۔ بس یہ سن کر شاہ صاحب نے کپڑے سنبھالے اور بسم اللہ کر کے خود ہی کیچڑ میں اتر گئے اور کتا بٹیا کے راستے سے چلا گیا۔

اس کے بعد شاہ صاحب کو الہام ہوا کہ عبدالرحیم خبر بھی ہے کہ یہ علم عظیم تم پر کتے کی زبان سے کیوں ظاہر کیا گیا تم نے جو فلاں دن ایک کتے کے بچہ کی خدمت کی تھی۔ یہ اس کی برکت سے عطا ہوا اور ہم نے کتے ہی کے واسطہ سے تم کو یہ علم دیا تا کہ تمہارا اس کتے کے بچہ پر احسان نہ رہے کیونکہ اسی کی برادری کے ایک فرد نے اس کی مکافات کر دی حضرات اہل اللہ کی یوں اصلاح ہوتی ہے کسی کو کیا خبر ہے کہ ان حضرات کے ساتھ کیا کیا واقعات پیش آتے ہیں۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست　　حال شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورند

تمہارے پاؤں میں کانٹا بھی نہیں لگا ہے تم ان لوگوں کا حال کیا سمجھ سکتے ہو جن کے سروں پر بلا و مصیبت کی تلوار چل رہی ہے۔ (مظاہر الاموال ج ۸)

فہم و فراست

پچھلے دنوں دیو بند میں کچھ مخالفت تھی کچھ آدمی شہر کے مدرسہ کا ممبر ہونا چاہتے تھے اور مدرسہ والوں کی طرف سے انکار تھا۔ حضرت مولانا گنگوہی سرپرست تھے میں نے مولانا کی خدمت میں گنگوہ خط لکھا کہ اگر یہ لوگ ممبر بنا دیئے جاویں تو کسی سے اندیشہ تو کچھ ہے نہیں کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ فیصلہ تو کثرت رائے پر ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مدرسہ کے لوگ کثیر ہیں۔ اس وقت مصلحت اسی کو مقتضی ہے کہ ان لوگوں کو ممبر بنا دیا جاوے ورنہ یہ لوگ مخالف رہیں گے جس میں مدرسہ کی قوی مضرت کا اندیشہ ہے۔

مگر ان حضرات کی عقل تو قدسی ہوتی ہے وہ دوسری ہی عقل ہے کہ اس کے برابر کسی عقل کا ہونا مشکل ہے۔ حضرت نے تحریر فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اگر ہم ان کو مدرسہ میں داخل نہ کریں گے تو غایت مافی الباب وہ لوگ مخالفت کریں گے۔ اور ان کی مخالفت مدرسہ کو مضر ہوگی۔ اور مدرسہ ٹوٹ جاوے گا تو بلا سے ٹوٹ جاوے ہم تو نہیں توڑتے' جو ہم سے سوال ہو اور اگر ہم نے ان کو داخل کر لیا تو آخرت میں یہ سوال ہوگا کہ تم نے نااہل کو کیوں داخل کیا اور تحریر فرمایا کہ ہم کو حق تعالیٰ کی رضا مقصود ہے مدرسہ مقصود نہیں۔ (مظاہر الاموال ج ۸)

حقیقت توکل

ایک شخص حضور کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا کہ میں اونٹ کو باندھ دوں یا خدا پر بھروسہ کروں حضور نے فرمایا۔ **اعقلها ثم توکل**. یعنی باندھ دے اور پھر بھروسہ کر اس کو مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر بآواز بلند	برتوکل زانوئے اشتر بہ بند
گر توکل مے کنی در کار کن	کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

پیغمبر صلی اللہ اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا۔ توکل پر اونٹ کا گھٹنہ باندھ دو اگر توکل کرتا ہے تو کام میں توکل کر یعنی پہلے کوشش کر پھر خدا پر بھروسہ کر۔ (الصمر ج ۹)

بے صبری کی علامت

بعض لوگ بعض مصائب سے تنگ آ کر حکام وقت کو برا بھلا کہتے ہیں یہ بھی علامت ہے بے صبری کی پسندیدہ تدبیر نہیں ہے اور حدیث شریف میں اس سے ممانعت بھی آئی ہے فرماتے ہیں۔ لا تسبو الملوک.

یعنی بادشاہوں کو برا مت کہو ان کے قلوب میرے قبضہ میں ہیں میری اطاعت کرو میں ان کے دلوں کو تم پر نرم کر داں گا یاد رکھو جو مصیبت آتی ہے سب منجانب اللہ ہوتی ہے فرماتے ہیں۔ ما اصاب من مصیبة الا باذن الله یعنی کوئی مصیبت نہیں آتی مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

اور جب کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اس کا علاج یہی ہے کہ ادھر رجوع کرے اور پھر جو پیش آوے خیر سمجھے اس لئے کہ　　　ہر چہ آں خسر کند شیریں بود

اور اس لئے　　　ہر چہ از دوست پر سو نیکو ست (الصبر ج ۹)

صبر کے معنی

صبر کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ مصائب میں جزع فزع کو ترک کر دے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نا گوار واقعات میں بھی اپنے معمولات پر مستقل رہے اور منہیات سے بچا رہے پس یہ کتنی بڑی غلطی تھی کہ لوگوں نے صبر کے مفہوم اصلی کو تو اس کی حقیقت سے خارج کر دیا اور اس کی ایک فرد یعنی جزع وفزع نہ کرنے میں اس کو منحصر کر دیا۔ حالانکہ جس طرح مصیبت کا یہ حق ہے کہ اس وقت جزع وفزع نہ کرے یہ بھی ایک بڑا حق ہے کہ اعمال میں تقلیل اور اختلاط نہ ہونے پائے۔ بدوں اس کے حقیقت صبر کا وجود نہیں ہو سکتا۔ اور جو شخص ایسے وقت میں اعمال میں کوتاہی کرنے لگے وہ صابر کہلانے کا ہر گز مستحق نہیں ہو سکتا۔ (حقیقت الصبر ج ۹)

تدبیر کی دو صورتیں

اگر تدبیر کرنی ہو اس کی دو صورتیں ہیں ایک باطنی ایک ظاہری۔ باطنی تدبیر تو یہ ہے کہ اس وقت مصیبت کے حقوق شرعی کو ادا کرنا چاہئے۔ شریعت نے مصیبت کے وقت صبر کی تعلیم کی ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ اعمال طاعات پر استقلال و پابندی ہو

اور جزع وفزع و اظہار غم سے احتراز ہو۔ جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے اور میں بتلا چکا ہوں۔ کہ غم زائل ہونے میں ذکر اللہ و اعمال طاعات کو بڑا دخل ہے۔

دوسری صورت تدبیر ظاہری کی ہے اس کی آسان اور سہل صورت یہ ہے کہ کسی کو اپنا بڑا بنا لو اور بڑا ایسے شخص کو بناؤ جس کی ذہانت اور تقویٰ پر پورا اعتماد ہو کہ یہ کسی مصیبت یا پریشانی میں شریعت سے تجاوز نہ کرے گا۔ نیز اس کی عقل و تدبیر پر بھی اعتماد ہو۔ ایسے شخص کو بڑا بنا کر اس سے پریشانی ظاہر کر دو اور بے فکر ہو جاؤ پھر وہ جو کچھ بتلاوے اس کے موافق عمل کر و تم تدبیریں نہ کرو وہ خود تدبیر کرے گا۔ تم اپنے دینی اور دنیوی کام میں بے فکری سے لگے رہو اور سارا بوجھ اس کے اوپر ڈال دو اور چونکہ وہ خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے اور خدا تعالیٰ نے اسکو عقل و تدبیر بھی کامل دی ہے۔ وہ اس بوجھ سے گھبرائے گا نہیں بلکہ اپنے متبعین سے یوں کہے گا

من غم تومی خورم تو غم مخور ۔۔۔ برتو من مشفق ترم از صد پدر

"میں تمہارا غم کھاتا ہوں تم غم مت کھاؤ اور میں تم پر باپ سے زیادہ مشفق ہوں۔" (حقیقت الصبر ج۹)

صبر کا مفہوم

صبر کے معنی ہیں کہ نفس کو ناگوار باتوں کا عادی بنایا جائے یعنی خواہش نفس کی مخالفت کی جائے چونکہ تروک میں دشواری اسی لئے ہے کہ حظ نفس فوت ہوتا ہے اس لئے جو شخص مخالفت نفس کا عادی ہو جائے گا اس کو تمام تروک آسان ہو جائیں گے کیونکہ ترک غیبت نفس کو اسی لئے شاق ہے کہ اس میں حظ ہے۔ نظر بد کا ترک اسی لئے شاق ہے کہ نظر بد میں لذت ہے۔ اور تمام محرمات کا ترک اسی لئے دشوار ہے کہ حرام میں لذت ہے۔ ان سب کی دشواری رفع کرنے کے لئے صبر کی تعلیم کی گئی کہ نفس کو ناگوار امور کا عادی بناؤ نفس کی مخالفت کرو۔ اس کی خواہش کو پورا نہ کرو۔

اعمال وجودیہ نماز زکوٰۃ و حج وغیرہ اس لئے شاق ہیں کہ ان میں قیود ہیں ان کی مشقت کا علاج یہ بتلایا گیا ہے کہ نماز کے عادی بن تا کہ اس کی عادت سے قیود کی پابندی کی عادت ہو۔ (الصبر والصلوٰۃ ج۹)

دنیا کی حقیقت

قیامت کے دن جب اہل نعم اہل مصائب کے اجر کا مشاہدہ کریں گے تو وہ تمنا کریں

گے کاش! دنیا میں ہماری کھالیں مقراض سے قطع کی جاتیں تا کہ آج ہم کو بھی یہ ثواب حاصل ہوتا۔ پس اس ثواب کے استحضار سے آپ کو غم ہلکا کرنا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سب مصائب درحقیقت تجارت میں داخل ہیں۔ (الجبر بالصبر ج۹)

حق تفویض

ایک علاج خاص ہے جس کو خواص استعمال کرتے ہیں اس کا نام تفویض ہے جس کی حقیقت قطع تجویز ہے یعنی وہ اپنے کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں کہ وہ جو چاہیں ان میں تصرت کریں۔ اپنی طرف سے وہ کوئی حالت یا نظام تجویز نہیں کرتے اور تمام تر پریشانی کا سبب تجویز ہی ہے کہ ہم نے ہر چیز کا ایک نظام خاص اپنے ذہن میں قائم کر رکھا ہے کہ یہ کام اس طرح ہونا چاہئے۔ اولاد کو اس طرح پڑھنا چاہئے پھر اس نظام کے خلاف واقع ہونے سے کلفت ہوتی ہے اور زیادہ حصہ اس نظام کا جو ہماری طرف سے تجویز ہوتا ہے غیر اختیاری ہے تو غیر اختیاری امور کے لئے نظام تجویز کرنا حماقت نہیں تو کیا ہے۔ اسی طرح تجویز کے لئے حدیث میں ہے۔

اذا اصبحت فلا تحدث نفسک بالمساء و اذا امسیت فلا تحدث نفسک بالصباح

کہ جب صبح ہو تو شام کے متعلق اپنے دل میں خیال نہ لاؤ اور شام ہو تو صبح کے متعلق خیال نہ لاؤ۔ راحت اسی میں ہے اسی لئے اہل اللہ نے تجویز کو قطع کر کے یہ مذہب اختیار کر لیا ہے

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اگر تو زندہ رکھے تو یہ تیرا عطیہ ہے اگر مارے تو ہماری جان تم پر فدا ہو۔ دل تمہارا عاشق ہے جو آپ کی رضا ہم اس پر راضی ہیں۔ (الجبر بالصبر ج۹)

تفاخر و تکبر

آج کل تفاخر و تکبر کا مرض ایسا عام ہوا ہے کہ علماء میں بھی یہ مرض سرایت کر گیا ہے چنانچہ بعض نوجوان اہل علم اپنے ناموں کے ساتھ فاضل دیوبند لکھنے لگے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ہاں تم فاضل ہو مگر فضیلت سے نہیں بلکہ فضول سے کیونکہ جو لوگ واقعی صاحب فضیلت تھے ان کی تو یہ حالت تھی کہ اپنا نام بھی پورا نہ لکھتے تھے۔

حضرت شیخ العلماء مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ نے ہمیشہ اپنے دستخط میں بندہ محمود ہی لکھا۔ نام بھی پورا نہ لکھنا۔ فاضل یا عالم تو وہ اپنے کو کب لکھتے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے کو عالم ہی نہیں سمجھتے تھے۔

ایک دفعہ خود فرمایا کہ ساری عمر کے علمی مشغلہ سے ہم کو تو یہ حاصل ہوا کہ جہل مرکب سے جہل بسیط میں آ گئے یعنی اپنے جہل کا علم ہو گیا۔ (الجبر بالصبر ج ۹)

دنیا کی ہوس

ایک سب جج تھے ان کے پاس دو تعلق داروں کا مقدمہ آیا۔ ان میں ایک نے ایک لاکھ روپے رشوت میں پیش کئے۔ سب جج صاحب نے اپنے نوکر کو حکم دیا اس نالائق کو باہر نکال دو۔ ہر چند کہ تعلق دار کے سامنے ایک سب جج کی کوئی حیثیت نہیں مگر ایسے وقت وہ بھی کچھ نہیں بول سکتا جو خوشامد میں رشوت دیتا ہو۔ اور دوسرا اس سے استغنا برتتا ہو۔ دوسرے فریق کو خبر ہوئی کہ ایک لاکھ روپیہ واپس کر دیا گیا وہ سوا لاکھ روپیہ لے کر آیا۔ سب جج نے اس کو بھی نوکروں سے نکلوا دیا۔ بتلایئے وہ کیا بات تھی کہ ایک شخص نے سوا دو لاکھ روپے پر لات مار دی۔ یقیناً اس کو رشوت لینے میں تکلیف تھی اور اس پر لات مارنے میں راحت تھی۔ مگر چونکہ وہ عالم نہ تھے اس لئے ایک حرکت انہوں نے خلاف بھی کی۔ وہ یہ کہ غصہ میں فرمایا کہ پہلے میرا خیال اس مقدمہ میں انصاف کرنے کا تھا۔ مگر چونکہ ان دونوں نے میرا دل بہت دکھایا ہے اس لئے اب ایسا فیصلہ کروں گا کہ دونوں سر پکڑ کر روئیں گے چنانچہ ایسا ہی فیصلہ کیا اور لطیفہ یہ ہوا کہ فیصلہ سنانے سے پہلے ان کی بدلی بھی ہو گئی۔ مگر انہوں نے دو چار دن خوب محنت کر کے رات اور دن کا سارا وقت فیصلہ لکھنے میں صرف کیا اور جانے سے ایک دن پہلے فیصلہ سنا کر مقدمہ ختم کر کے چلے گئے۔ پھر دونوں نے ہر چند ہائی کورٹ وغیرہ میں اپیل کی مگر ظالم نے ایسا مدلل فیصلہ لکھا تھا کہ کہیں نہ ٹوٹ سکا۔

صاحبو! اب ایسے شخص کو دنیا کی ہوس کیونکر ہو سکتی ہے۔ بلکہ اب اسکو تھوڑی آمدنی کافی ہو گی اور تھوڑی سی عزت کافی ہو گی۔ اور تمام افکار سے آزاد ہو کر صرف ایک کی فکر میں گرفتار رہے گا۔ اور اس آزادی پر خوش ہو کر یوں کہے گا۔

نہ براشتر سوارم نہ چوں اشتر زیر بارم　　نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم

''نہ اونٹ پر سوار ہوں اور نہ اونٹ کی طرح زیر بار ہوں۔ نہ رعیت کا مالک ہوں اور نہ بادشاہ کا غلام'' (الجبر بالصمر ج۹)

تکبر کا عملی علاج

تکبر کا علمی علاج یہ ہے کہ غرباء کی تعظیم وتواضع کریں خوشی سے نہ ہوسکے تو بہ تکلف ہی کریں۔ انسے خوش خلقی اور نرمی اور شیریں کلامی سے پیش آئیں وہ جب ملنے آئیں تو کھڑے ہوجایا کریں ان کی دل جوئی کریں۔علیٰ ہذاالقیاس۔ (الامتحان ج۹)

کمال استغفار

ایک واقعہ مجھے اس وقت بھی یاد آ گیا کہ جہانگیر بادشاہ ایک مرتبہ حضرت سلیم چشتیؒ کی زیارت کو آئے۔ حضرت سلیم چشتیؒ اپنی گدڑی جوئیں دیکھنے کے لئے خادم کے سپرد کرکے اسی وقت حجرے میں تشریف لے گئے تھے۔ خادم نے جو شاہی تزک واحتشام دیکھا گھبرا گیا۔ اور گھبرا کر شیخ کو پکارا کہ حضرت ذرا باہر آیئے۔ شیخ باہر تشریف لائے پوچھا کیوں کیا ہے؟ کہا بادشاہ سلامت آرہے ہیں۔ فرمایا کیا کروں اگر آرہے ہیں کوئی میں نے ان کی دعوت کی تھی۔ وہ تو اپنی خوشی سے آرہے ہیں آنے دے۔ میں تو تیری اس گھبراہٹ کی آواز سے یہ سمجھا کہ کوئی بڑی سی جوں نکل آئی ہے۔ اس کے دکھانے کو بلا رہا ہے۔ اسلیئے باہر آ گیا بادشاہ کے لئے تو نے خواہ مخواہ مجھے پکارا۔

اللہ اکبر! ان حضرت کی نگاہ میں جہانگیر کی اتنی بھی قدر نہیں جتنی ایک جوں کی ہے۔ صاحبو! کیا یہ استغناء اور یہ آزادی یوں ہی خالی خولی تھی یہ تو ناممکن ہے اور اگر خالی ہی تھی تو کوئی اور تو کر کے دکھلا دے۔

ان کے پاس کون سی دولت تھی جس نے بادشاہوں سے بھی ان کو بے پرواہ کر دیا تھا۔ تو سن لیجے کہ ان کے پاس تعلق مع اللہ اور توحید کامل کی دولت تھی جس کی بابت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

موحد چہ برپائے ریزی زرش　　چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش

امید ہراسش نباشد ز کس　　بریں است بنیاد توحید و بس

''موحد کے سر پر تلوار چلاؤ یا اس کے پاؤں میں سونا ڈال دو برابر ہے۔اس کو کسی سے نہ امید ہوگی نہ خوف ہوگا۔بس یہی توحید کی بنیاد ہے۔''

ان کے دل میں سوائے حق تعالیٰ کے نہ کسی کی عظمت تھی نہ خوف نہ منفعت کی امید تھی نہ مضرت کا اندیشہ ان کی تو حالت ہوتی ہے کہ

نہ براشتر برسوارم نہ چواشتر زیر بارم　　　نہ خداوند رعیت نہ غلام شہر یارم

''نہ اونٹ پر سوار ہوں نہ اونٹ کی طرح زیر بار ہوں۔نہ رعیت کا حاکم ہوں اور نہ حاکم کا غلام ہوں۔''

حب و بغض

مجھے ایک قصہ یاد آ گیا اور میرا جی چاہتا ہے کہ سب احباب کے کانوں تک یہ واقعہ پہنچ جائے تا کہ افراط و تفریط میں مبتلا نہ ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ شیخ محی الدین کو ایک عالم سے اس لئے بغض تھا کہ ان عالم کو ان کے شیخ ابو مدین سے بغض تھا جس کی وجہ کچھ روایات تھیں۔شیخ محی الدین فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ مجھ سے اس کی وجہ دریافت فرماتے ہیں کہ تم فلاں عالم سے کیوں بغض رکھتے ہو۔میں نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو میرے شیخ سے بغض ہے حضورؐ نے فرمایا لیکن اس کو میرے ساتھ تو محبت ہے۔بس تم نے اس کے ساتھ اس لئے تو بغض کیا کہ اس کو ابومدین سے بغض ہے مگر اس لئے محبت نہ کی کہ اس کو میرے ساتھ محبت ہے۔

اس واقعہ میں بتلا دیا گیا کہ کسی کے ساتھ حب و بغض کے لئے محض اتنا کافی نہیں کہ اس کو ہمارے معتقد فیہ کے ساتھ محبت یا بغض ہے بلکہ دوسرے پہلوؤں پر بھی نظر کرنا چاہئے۔اگر کسی کو ہمارے محبوب یا ہمارے معتقد فیہ سے محبت ہے تو طبعاً ہم کو اس کے ساتھ محبت ہونا لازمی ہے۔

مگر اس محبت کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ دوسرے نظر سے غائب ہو جائیں۔مثلاً اگر وہ اس حالت محبت میں حقوق اللہ یا حقوق الرسول میں کوتاہی کرتا ہو تو اس پہلو کا حق ادا کرنے کے لئے اس سے کچھ بغض بھی کرنا چاہئے جب تک وہ اپنی اصلاح نہ کر لے اسی طرح اگر کسی کو ہمارے استاد یا شیخ سے بغض ہو تو اس کے ساتھ طبعی بغض کسی قدر ضرور ہوگا۔مگر اس کے ساتھ دوسرے پہلوؤں سے قطع نظر نہ کرنا چاہئے۔یعنی اگر اسکے اندر دوسری خوبیاں اور بھلائیاں بھی ہوں تو ان کا حق بھی ادا کرنا چاہئے۔

آ گے حکایت کا تتمہ ہے کہ شیخ محی الدین کی ان عالم سے اور ان عالم کی ابو مدین سے صفائی ہوگئی۔ (آداب المصاب ج۹)

راضی برضا رہنے کی ضرورت

حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک بار اپنے خدام کو اسی بات کی وصیت کی کہ اگر راحت چاہتے ہو تو مخلوق سے توقع کو قطع کر دو۔ پھر فرمایا کہ تم مجھے کیسا سمجھتے ہو۔ خدام نے عرض کیا کہ ہم آپکو اپنی ذات سے زیادہ اپنے حال پر مہربان سمجھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ فرمایا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم مجھ سے بھی امید نہ رکھو۔ تا کہ تم کو کلفت نہ ہو اگر نفع یا ارشاد میں کچھ کوتاہی اور کمی ہو تو تم کو رنج نہ ہو۔ غالب نے اسی مضمون کو خوب بیان کیا ہے۔

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب　　　پھر کسی سے کوئی گلہ نہ رہا

(الاجر السبیل ج۹)

خشوع کا طریقہ

الذین یظنون انھم ملقوا ربھم وانھم الیہ راجعون. (پ ۱)

جس میں خشوع کا طریقہ یہ بتلایا کہ لقاء رب اور یوم آخرت کا دھیان رکھے اسی طرح یہاں انا للہ الخ۔ کے مضمون کو تحصیل صبر میں بڑا دخل ہے اور یہی وہ مضمون ہے جس کی وجہ سے حضرت ام سلیم صحابیہ نے کامل صبر فرمایا اور اپنے خاوند کو بھی صابر بنایا۔

ان کا قصہ حدیث میں اس طرح ہے کہ ان کا ایک بچہ بیمار تھا۔ حضرت طلحہ باہر سے آ کر اس کا حال دریافت کیا کرتے۔ ایک دن اس کا انتقال ہو گیا اور شام کو حضرت طلحہؓ آئے تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہ نے ان پر ظاہر نہیں کیا کہ بچہ کا انتقال ہو گیا تا کہ سن کر پریشان نہ ہوں اور پریشانی میں کھانا نہ کھا سکیں۔ بلکہ جب انہوں نے دریافت کیا کہ بچہ کیسا ہے تو یہ جواب دیا کہ اب سکون ہے۔ (یہ جھوٹ نہ تھا کیونکہ موت سے بڑھ کر کیا سکون ہوگا جس کے بعد حرکت کی امید ہی نہیں) یہ سن کر انہوں کھانا کھایا اور رات کو بیوی کی طرف میلان بھی ہوا۔ بیوی نے بے انتہا صبر کیا کہ اس سے بھی انکار نہ کیا جب صبح ہوئی تو کہا کہ میں تم سے ایک مسئلہ پوچھتی ہوں۔

بھلا اگر کسی نے ہم کو کوئی چیز بطور امانت کے دی ہو پھر بعد میں وہ اپنی امانت کو واپس لینا چاہے تو کیا کرنا چاہئے۔ حضرت طلحہؓ نے جواب دیا کہ یہی چاہئے کہ جب مالک اس کو واپس

لینا چاہے تو بڑی خوشی کے ساتھ واپس کر دیا جائے۔ حضرت ام سلیم نے کہا تو اپنے بچہ کو صبر کرو اور خوشی کے ساتھ اس کے دفن کا سامان کرو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنی امانت لے لی ہے۔

حضرت طلحہؓ بڑے جھلائے کہ تم نے رات ہی کو کیوں نہ خبر کی۔ کہا کیا ہوتا رات کو دفن کرنے میں مصیبت ہوتی اور رات بھر پریشان رہتے۔ کھانا بھی نہ کھاتے اس لئے رات خبر نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ام سلیم کا فعل بہت پسند آیا اور میں امید کرتا ہوں کہ آج رات تم دونوں کو خدا نے مبارک اولاد عطا فرمائی ہے۔ (چنانچہ عبداللہ بن طلحہؓ پیدا ہوئے جو بڑے عالم بڑے سخی اور صاحب اموال واولاد تھے)

تو حضرت ام سلیم نے سچ فرمایا کہ یہ اولاد اللہ کی امانت ہے اس کو جب وہ لینا چاہیں خوش ہو کر خدا کے حوالے کر دینا چاہئے۔ (الاجر النبیل ج ۹)

تکبر کی قباحت

صاحبو! تکبر خدا کو پسند نہیں بالخصوص غریب آدمی سے تو بہت ہی زیادہ ناپسند ہے۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ تین شخصوں کو بہت مبغوض رکھتے ہیں۔

ایک وہ! جو بوڑھا ہو کر زنا کرے۔ دوسرے وہ جو بادشاہ ہو کر جھوٹ بولے۔ تیسرے وہ جو غریب ہو کر تکبر کرے۔ فرعون بے سامان ہو جاوے۔ ایک فرعون باسامان بھی تھا۔ لیکن اگر ان کے پاس سامان ہوتا تو ابلیس سے کم نہ ہوتے۔ (سلوۃ الحزین ج ۹)

ترک عجب

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مومن مومن نہیں ہو سکتا جب تک کافر فرنگ سے اپنے کو بدتر نہ سمجھے۔

شاہ جی توکل شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اپنے کو کتے سے بھی بدتر سمجھنا چاہئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس کی توجیہ میں فرمایا کہ کتے میں اندیشہ بے ایمانی کا نہیں اور مسلمان کو بے ایمانی کا اندیشہ ہے اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ اپنے کو کتے سے بھی بدتر سمجھے۔ حقیقت میں زندگی ختم ہونے تک انسان کو کچھ حق نہیں اپنے کو اچھا سمجھنے کا۔ رات دن تبدیل وتغیر ہوتی رہتی ہے۔ کوئی آج عابد وزاہد ہے اور کل کو شیطان ہو جاتا ہے۔ کوئی آج کافر ہے اور کل کو

مسلمان ہو جاتا ہے اس لئے زندگی میں اپنے کو کسی سے اچھا سمجھنے کا کچھ حق نہیں۔ ہاں مرنے کے بعد اگر اسلام پر خاتمہ ہو گیا تو جو کچھ چاہے سمجھ لینا۔ اسی کو ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

گہہ رشک برد فرشتہ بر پاکی ما گہہ خندہ زند دیو ز ناپاکی ما

ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم احسنت بریں چستی و چالاکی ما

"کبھی فرشتہ ہماری پاک دامانی پر رشک کرتا ہے۔ اور کبھی شیطان ہماری ناپاکی پر ہنستا ہے۔ اگر سلامتی کے ساتھ ایمان قبر تک لے گئے تو ہماری اس چستی و چالاکی پر آفریں ہوگی۔" (سلوۃ الحزین ج ۹)

حضرت یوسفؑ کا توکل

یہ سخت مشکل ہے کہ ایسی حالت میں تدبیر اور کوشش بھی کرے جب کہ تدبیر کی بظاہر کافی صورت نہ ہو ورنہ ایسی حالت میں طبعی اقتضاء مطلقاً ترک تدبیر ہے تو حق تعالیٰ کی قدرت پر نظر کر کے طبیعت کو مغلوب کرنا بڑا مجاہدہ ہے۔ اسی کی نظیر حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ ہے کہ جب وہ زلیخا کے ہاتھ میں آ گئے اور مکانات میں مقفل ہو گئے اور مکان بھی سات درجوں کا تھا تو اس وقت توکل ظاہری تو یہ تھا کہ وہاں سے نہ اٹھتے اور تدبیر کامل یہ تھی کہ کنجی پاس ہوتی تو بھاگ کر کھول لیتے۔ کیونکہ وہ قفل کوئی معمولی قسم کے نہ تھے کہ ہاتھ کے زور سے ٹوٹ جانے کی توقع ہوتی غایت درجہ کے مضبوط قفل تھے۔ اس صورت میں ظاہر بیں کو خواب میں بھی تدبیر کا خیال نہیں آ سکتا۔ کیونکہ کنجیاں پاس نہیں اور قفل معمولی کمزور نہیں۔ اب تدبیر کرے تو کس بھروسہ پر کرے۔

مگر یوسف علیہ السلام کو ہم سوالوں کی طرح وساوس نہ آتے تھے کہ قفل کس طرح کھلے گا۔ بس انھوں نے یہ سوچا کہ مجھ کو یہاں سے بھاگنا چاہیے۔ میرا اتنا ہی کام ہے آئندہ قفل کھولنا حق تعالیٰ کا کام ہے۔ مگر یہ ظرف یوسف علیہ السلام کا تھا اور یہ نبوت کی قوت تھی جوان کو یہ خیال آیا کہ میں تو یہاں سے بھاگوں میرا کام اتنا ہی ہے آئندہ حق تعالیٰ شانہ کا کام ہے قفل کا کھولنا نہ کھولنا غیر نبی کو اس حالت میں بھاگنے کا کبھی خیال نہ آ سکتا تھا۔ یہ کام نبی ہی کا تھا۔ چنانچہ اس خیال کے ذہن میں آنے ہی پر دروازے کی طرف دوڑ پڑے اور قفل ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔ زلیخا دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ مولانا مثنوی میں اسی مضمون کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید   خیرہ یوسف وار می باید دوید

''اگرچہ دنیامیں کسی قسم کا راستہ نہیں مگر یوسف علیہ السلام کی طرح بھاگ دوڑ کرنا تو فرض ہے۔''

مقصود مولانا کا یہ ہے کہ قیود نفسانیہ سے نکلنے کی اپنی قدرت بھر کوشش کرو آئندہ حق تعالیٰ مالک ہیں ان کے سپرد کردو۔ (سلوۃ الحزین ج ۹)

طریقہ دعا

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخسرین. (پ۸)

اے ہمارے رب ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ فرمائیں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جاویگا۔

تو حضرت آدم علیہ السلام نے خطا کی نسبت اپنی طرف کی اور اپنے نفس کو خطاوار بنا کر معافی کی درخواست کی برخلاف شیطان کے کہ اس نے خطا کی نسبت اپنی طرف نہیں کی بلکہ رب بما اغویتنی (پ۸) کہہ کر خدا تعالیٰ کی طرف نسبت کی اور ادب کو ملحوظ نہ رکھا۔ اگر ادب کو ملحوظ رکھ کر اپنی طرف نسبت کرتا تو اس کی بھی معافی ہو جاتی۔ اسی مضمون کا عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

گناہ گرچہ نبود اختیار ما حافظ   تو در طریق ادب کوش گیں گناہ من ست

اگر گناہ ہمارے اختیار میں نہیں مگر ادب میں کوشش کرنا تو ہمارا فرض ہے جو ادب کو ملحوظ نہیں رکھتا یہ اس کا گناہ ہے۔

غرض حضرت آدم علیہ السلام نے ادب کو ملحوظ رکھ کر معصیت کی نسبت اپنی طرف کی اور شیطان نے ادب کو پس پشت ڈال کر خدا تعالیٰ کی طرف نسبت کی ادب کی یہ برکت ہوئی کہ حضرت آدم علیہ السلام مقبول ہوئے اور شیطان مردود ہوا شیطان نے تو یہ قول شرارت سے کہا تھا۔ اگر غلبہ حال میں کہتا تب بھی معافی ہو جاتی۔ مگر اس نے جیسا بعض اہل سیر نے لکھا ہے یہی سبب بیان کیا کہ میں نے جو کچھ کیا آپ کے لکھے ہوئے کے موافق کیا۔ مخالفت کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو نے تو معصیت اور سرکشی ہی کی وجہ سے سجدہ سے انکار کیا۔ (سلوۃ الحزین ج ۹)

اقسام فکر

فکر دو ہیں۔ ایک تو اصلاح کی فکر سو یہ تو ہونا چاہیے اور ایک ہے یکسوئی اور کیفیات جس سے اصل کام ہی جاتا رہا مثلاً اس کا اہتمام کیا کہ قلب میں کوئی چیز نہ ہو اور اس میں

کامیابی نہ ہونے سے یہ خیال کیا کہ میرا ذکر بیکار جارہا ہے۔ بس ذکر ہی کو چھوڑ بیٹھے۔ اور غور کرنے سے سمجھ میں آتا ہے کہ منشا اس کا کبر ہے۔ یعنی اپنے کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ میں اپنے عمل وذکر میں موجودہ حالت سے زیادہ کا مستحق تھا مگر مجھ کو ملا نہیں۔ اتنے دنوں ذکر کیا مگر ہنوز روز اول ہے۔ پس یہ کبر ہے ورنہ اگر سچا عاشق ہوتو اس کو بھی غنیمت سمجھتا کہ اس کا نام لینا تو میسر ہو گیا اسی واسطے تو کہتے ہیں۔

ادائے حق محبت عنایت ست زدوست وگرنہ عاشق مسکیں ہیچ خورسند است

(حق محبت کی ادائیگی سراسر دوست کی عنایت کے سبب ہے ورنہ عاشق بیچارہ یونہی خوش وخرم ہے)

اگر تمام عمر ذکر لفظی ہی کی پابندی ہو جائے تو یہ بھی غنیمت ہے ہم تو اس کے بھی مستحق نہ تھے۔ غلو کرنا تواضع میں بعض اوقات کبر تک پہنچا دیتا ہے۔ دیکھو اس نے تواضع کی تھی کہ اپنی حالت کو حقیر سمجھا تھا مگر پھر رفتہ رفتہ یہ خیال جمایا کہ میں کام تو اتنا کرتا ہوں مگر میری حالت ایسی بری ہے۔ بس کبر تک پہنچ گیا (الصلوٰۃ ج ۹)

تواضع کی اصل

تواضع کی اصل مجاہدہ نفس ہے کیونکہ تواضع اس کا نام نہیں کہ زبان سے اپنے کو خاکسار نیاز مند ذرہ بے مقدار کہہ دیا بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی تم کو واقعی ذرہ بے مقدار اور خاکسار سمجھ کر برا بھلا کہے اور حقیر وذلیل کرے تو تم کو انتقام کا جوش پیدا نہ ہو اور نفس کو یوں سمجھا لو کہ واقعی تو تو ایسا ہی ہے پھر برا کیوں مانتا ہے اور اگر کسی کی برائی سے کچھ رنج واثر بھی نہ ہو تو یہ تواضع کا اعلیٰ درجہ ہے کہ مدح وذم برابر ہو جائے مطلب یہ کہ عقلاً برابر ہو جائے کیونکہ طبعاً تو مساوات نہیں ہو سکتی ہاں کوئی مغلوب الحال ہو تو اور بات ہے اسی طرح طلبہ اور مدرسین میں ایک مرض ہے کہ اپنی غلطی کا کبھی اقرار نہیں کرتے اگر کوئی بات زبان سے غلط نکل جائے یا کتاب کے کسی مقام کی غلط تقریر ہو جائے اور کوئی طالب علم اس کی صحیح تقریر کرے تو مدرس اس کو ہرگز تسلیم نہ کرے گا جہاں تک ممکن ہوگا اپنی بات کو بنانے کی کوشش کرے گا اس کا منشا بھی یہی ہے کہ یہ شخص نفس کو مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا مشقت سے بچانا چاہتا ہے کیونکہ غلطی کا اقرار کر لینا نفس پر بہت گراں ہے اور گرانی کی وجہ یہ ہے کہ نفس اس کو سبب ذلت سمجھتا ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ بخدا اقرار خطا سے اور عزت بڑھ جاتی ہے ہم نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو

بارہا دیکھا ہے کہ جب درس کے وقت کتاب کے کسی مقام شبہ ہو جاتا تو کتاب ہاتھ میں لے کر اپنے ماتحت مدرس کے پاس چلے جاتے اور فرماتے کہ مجھے اس مقام پر شرح صدر نہیں ہوا ذرا آپ اس کی تقریر فرمادیں بھلا مدرس اول ہو کہ ماتحت مدرس سے ایسی درخواست کرنا کوئی معمولی بات تھی بہت بڑی بات تھی مگر کیا اس سے نعوذ باللہ مولانا کی عزت ووقعت کم ہوگئی بخدا ہرگز نہیں بلکہ پہلے سے زیادہ ہوگئی چنانچہ آج یہ بات مولانا کے محاسن میں بیان ہو رہی ہے اور ان کے دیکھنے والے آج ان صورتوں کو ترستے ہیں کہ ہائے وہ لوگ کہاں گئے جن کو باوجود کمال کے اپنے نقص کے اقرار میں ذرا بھی پس وپیش نہ تھا اور اب ایسا زمانہ آ گیا کہ ناقصوں کو بھی اپنے نقص کے اقرار سے عار ہے۔ بلکہ وہ اپنے لئے کمال کے مدعی ہیں (المجاہدہ ج۱۱)

غصہ اور اس کے مضرات

کبر سے غصہ پیدا ہوتا ہے حتیٰ کہ آدمی کو ہوش نہیں رہتا اور وہ مرض جو دل میں تھا' زبان پر آ جاتا ہے جیسا کہ اس شخص نے کہا تھا کہ جانتا نہیں کہ ہم کون ہیں' دیکھئے بعض وقت وہ مرض اتنا بڑھ جاتا ہے کہ دل میں سما نہیں سکتا اور ابل کر زبان تک نوبت آ جاتی ہے یہ بات اس شخص نے ضرور کبر سے کہی ہوگی کیونکہ ایسے شخص سے کہی جس کو اپنے آپ سے چھوٹا سمجھا' کوئی یہ نہ سمجھے کہ غصہ میں ہوش نہیں رہا تھا اور یہ بات بیہوشی کے اندر منہ سے نکل گئی کیونکہ اگر وہ مخاطب کو بڑا سمجھتا تو کبھی یہ بات منہ سے نہ نکلتی۔ مشہور ہے کہ غصہ عقلمند ہے چھوٹے پر ہی آتا ہے اور یہ واقعی بات ہے حضرت بڑے کی بات پر ناگواری تو ہو سکتی ہے جبکہ اس سے کوئی بات اپنے خلاف مزاج دیکھیں مگر جوش انتقام جو غضب کی تعریف میں داخل ہے وہ چھوٹے ہی پر آتا ہے' بڑے کے مقابلے میں جو ناگواری ہوتی ہے اس کا نام حزن اور صدمہ ہے' باقی غصہ جب آتا ہے اسی پر آتا ہے جس کو اپنے سے چھوٹا سمجھے اور جب کسی کو اپنے سے کم سمجھا تو اپنے آپ کو اس سے بڑا سمجھا اسی کا نام کبر ہے غرض غصہ کبر ہی سے ہوتا ہے' نتائج اس کے یہ ہیں اگر ہم میں قدرت انتقام ہے تو بلا انتقام لیے دل ٹھنڈا نہیں ہوتا اور اکثر حالتوں میں ظلم ہو جاتا ہے' سزا بمقدار عمل پر بس نہیں ہوتی اور اس وقت نفس یہ توجیہ کرتا ہے کہ قصور تو اسی کا ہے ہم تو برائی کے مقابلہ میں برائی کرتے ہیں اس میں کیا حرج ہے خود قرآن میں موجود ہے: "جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ" (برائی کا بدلہ برائی ہے)

حالانکہ یہ محض نفس کی تسویل ہے۔قرآن میں ''جَزَاءُ سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ'' کے ساتھ مِثْلُهَا (اس کی مثل) کی قید بھی ہے کہ اتنا ہی بدلہ لینا جائز ہے جتنی زیادتی اس نے کی ہو اب بتلایئے کہ کیا کوئی ایسا مستقل مزاج ہے جو غصہ میں اتنا ہوش رکھے کہ اس نے اتنی برائی کی ہے اور میں اتنا بدلہ لوں اول تو اسے سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے کہ دوسرے کی طرف سے زیادتی ہے یا نہیں غصہ کے وقت دوسرے کی بھلائی بھی برائی معلوم ہونے لگتی ہے پھر اس کی مقدار کا اندازہ رکھنا گو امکان عقلی کے درجہ میں تو ہے لیکن امکان عادی سے یقیناً خارج ہے غصہ میں یہ کسی کو ہوش نہیں رہتا کہ کتنی زیادتی ہم پر کی گئی ہے اور ہم جو سزا دیتے ہیں وہ اس کی برابر ہی ہوگی اور اگر واقعی اس میں غلطی نہ کی گئی ہو اور دوسرے نے واقعی زیادتی کی ہو اور صاحب غضب کو اتنی قدرت بھی ہو کہ غصہ سے مغلوب نہ ہو جائے اور سزا بقدر عمل پر بس کرنے کی پوری طاقت ہو تب قرآن شریف کا حکم یہ ہے کہ برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی کے ساتھ لینا جائز ہے اور یہ فتویٰ بھی ہمارے ضعف کی وجہ سے ہے۔(اوج قنوج ج۱۱)

تکبر کی صورتیں

حق تعالیٰ نے تکبر کی برائی جا بجا بیان فرمائی ہے۔فرماتے ہیں: ''اِنَّ اللّٰهَ لَایُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ'' (اللہ تعالیٰ متکبر فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے) اور ''اِنَّ اللّٰهَ لَایُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ'' (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ہیں) یہ تین صیغے ہیں مختال اور فخور اور مستکبرین اور تینوں کی نسبت لایحب (نہیں پسند کرتے) کا لفظ ہے کیا یہ جامع کلام ہے ان تین لفظوں کی شرح یہ ہے کہ کبر کے آثار کبھی تو ظاہر ہو جاتے ہیں اور کبھی تہذیب کی وجہ سے دل میں رہتے ہیں تو یہ مستکبر ہیں کیونکہ استکبار کے معنی ہیں بڑا سمجھنا اور یہ دل سے ہوتا ہے اس کی نسبت فرماتے ہیں: ''اِنَّ اللّٰهَ لَایُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ'' (بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) یعنی جن لوگوں کے دل میں تکبر ہے خواہ وہ ظاہر بھی ہو جاتا ہے مثلاً کوئی آدمی فیشن بناتا اور طرح طرح کی وضع اختیار کرتا ہے جن سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنا چاہتا ہے اس کے متعلق ارشاد ہے: ''اِنَّ اللّٰهَ لَایُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ'' (ہر غرور کرنے والے کو دوست نہیں رکھتے) ایسا آدمی بعض دفعہ اس دھوکے میں رہتا ہے کہ مجھ میں تکبر نہیں ہے

کیونکہ ان لوگوں نے اسی کا نام تکبر رکھا ہے کہ زبان سے برائی کا کلمہ کہا جائے حالانکہ یہ فیشن اور وضع بنانا سب تکبر ہی ہے زبان سے نہ سہی مگر انکی ہر رہ ادا سے تکبر ٹپکتا ہے بعضوں کی چال تو فیشن میں آ کر بالکل ایسی ہو جاتی ہے جیسے لقا کبوتر اپنی دم کو سنبھال سنبھال کر حرکت کرتا ہے ایسی ہی چال یہ لوگ چلتے ہیں کہ قدم قدم پر دیکھتے جاتے ہیں کہ کہیں سے فیشن تو نہیں بگڑ گیا غرضیکہ ان افعال کا کرنے والا گو خود ان کو تکبر نہ سمجھے واقع میں ہیں سب تکبر ہی اور ان کے تکبر ہونے کو کیسا ہی چھپا دے مگر اہل فہم کو معلوم ہو جاتا ہے یہ سب مختال کے اندر داخل ہیں اور بعضوں کی زبان سے بھی تکبر کے کلمات نکلنے لگتے ہیں ان کو فخور فرمایا' پس مختال تو وہ ہے جس کے دل میں تکبر ہو اور افعال سے بھی ظاہر ہو مگر اقوال سے ظاہر نہ ہو اور فخور وہ ہے جس کی زبان سے بھی ظاہر ہونے لگے تو تین مرتبہ ہوئے ایک مستکبرین ایک مختال اور ایک فخور تینوں کے واسطے لفظ لایحب فرمایا۔ خلاصہ یہ کہ تکبر کا ظہور ہو یا نہ ہو یعنی زبان سے تکبر ہو یا قلب سے افعال سے سب کو "اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ" (اللہ تعالیٰ متکبر فخر کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتے) اور "اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ" (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) سے منع فرما دیا ان میں سے ایک درجہ کی بھی اجازت نہیں دی اب یہ سمجھئے کہ اس مقام پر اس پر کسی عذاب کی وعید نہیں فرمائی۔ صرف لایحب (نہیں پسند کرتے ہیں) فرما دیا ہے سو اس کا جواب اول تو ہے کہ اس آیت میں نہ سہی دوسری آیتوں میں تکبر پر عذاب کی وعید بھی موجود ہے مثلاً "اَلَیْسَ فِیْ جَھَنَّمَ مَثْوًی لِلْمُتَکَبِّرِیْنَ" (کیا غرور کرنے والوں کا دوزخ میں ٹھکانہ نہیں ہے) دوسرے یہ کہ یہ وعید کیا تھوڑی وعید ہے کہ لایحب فرمایا یہ تھوڑی بات ہے کہ حق تعالیٰ کو ناپسند ہو۔ غور سے دیکھئے تو وعید کی اصل یہی ہے کیونکہ وعید اسی پر ہوتی ہے جو حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو مرضی کے خلاف ہونا کسی کام کا اور ناپسند ہونا ایک ہی بات تو ہے پس لایحب اصل ہو گئی وعید کی بلکہ دوسرے لفظوں میں یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کو دشمنی ہے اس شخص سے جو متکبر ہے یا مختال ہے یا فخور ہے کیونکہ محبت گو لغت کے اعتبار سے عداوت کی ضد ہے نقیض نہیں لیکن محاورات میں جس پر اطلاقات قرآنیہ مبنی ہیں وہ عداوت کی نقیض ہے لایحب میں محبت کی نفی کر کے اس کی نقیض کا اثبات ہے تو یہ کہنا کہاں صحیح رہا کہ اس پر کوئی وعید نہیں آئی کیا عداوت کا اثبات وعید نہیں بلکہ یہ تو وعیدوں کا

اصل الاصول ہے اگر کسی ایک معین عذاب کی وعید ہوتی وہ وعید کا ایک فرد خاص ہوتا اور اس میں تو کسی فرد کو عذاب کی خصوصیت نہیں رہی بلکہ وہ وعید فرمائی جو جڑ ہے تمام وعیدوں کی یعنی عداوت تو اس سے اس طرف اشارہ ہوگیا کہ اس کی جزاء میں کسی فرد عذاب کی خصوصیت نہیں ہر قسم کا عذاب بلکہ بڑے سے بڑا عذاب اس جرم پر ہوسکتا ہے۔ (اوج قنوج ج۱۱)

اللہ کی محبت

میں کہتا ہوں کہ بندہ کی غذا خواہ کسی قسم کا بندہ ہو خدا تعالیٰ کی محبت ہے خواہ مصدر کی اضافت فاعل کی طرف لے جاوے یعنی حق تعالیٰ کا بندہ کے ساتھ محبت کرنا' خواہ مصدر کی اضافت مفعول کی طرف لے جاوے یعنی بندہ کا حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنا دونوں بندہ کی غذائیں ہیں اور ان میں بھی اصل اول ہی ہے اور ثانی اس پر مرتب کیوں کہ غور سے معلوم ہوسکتا کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ بندہ کا محبت کرنا' بعد میں ہے اس کے پہلے یہی درجہ ہے کہ اس کے ساتھ محبت ہوئی دیکھ لیجئے۔ صاف موجود ہے: "وَمَا تَشَاءُ وْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ" (اور تم کچھ نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہیں) یہ ثبوت تو آیت سے ہے کہ مشیت حق مقدم ہے مشیت عبد پر اور مشیت عبد میں مشیت محبت بھی داخل ہے وہ بھی موقوف ہوگی۔ مشیت حق پر پس اول حق تعالیٰ کی مشیت ہوئی کہ عبد مجھ سے محبت کرے اور حق تعالیٰ کا عبد کے ساتھ اس کی خیر کا ارادہ کرنا یہی محبت ہے حق تعالیٰ کی عبد کے ساتھ میں ایک ثبوت اور دیتا ہوں اس بات کا کہ بندہ کو خدا تعالیٰ سے محبت ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اول حق تعالیٰ کو اس کے ساتھ محبت ہو۔ وہ ثبوت یہ ہے کہ محبت موقوف ہے معرفت پر اور معرفت تامہ خدا تعالیٰ کی ہو نہیں سکتی کیونکہ نہ خدا کو کسی نے دیکھا نہ خدا کے نمونہ کو کیوں کہ نمونہ ہے ہی نہیں۔ "ولیس کمثله شیء" (کوئی شے اس کی مثل نہیں ہے) مگر بایں ہمہ بہت آثار سے پتہ چلتا ہے کہ محبت عبد بالحق کا وجود ضرور ہے ایک ادنیٰ سا نمازی مسلمان لیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ تجھے ایک لاکھ روپیہ دیں گے ذرا ایک وقت کی نماز چھوڑ دے تو ہرگز منظور نہ کرے گا اس سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں لاکھ روپے سے زیادہ ہے ورنہ لاکھ روپیہ کیوں چھوڑتا۔ (اوج قنوج ج۱۱)

تواضع

اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ (اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے) میں اسی کو بیان فرمایا گیا ہے ''لایحب بمعنی یبغض'' ہے اور نکتہ اس میں وہ ہے جو بیان ہوا کہ اپنی محبوبیت اور بندہ کی محبت پر نظر کر کے یہ یبغض کی ضرورت ہی نہیں لایحب ہی کو کافی قرار دیا گیا۔ خلاصہ یہ کہ کبر مبغوض ہے اور بدترین چیز ہے جب یہ ایسا ہے تو اس کا مقابل بہترین اشیاء اور حق تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہوگا اور وہ تواضع ہے تواضع فی نفسہٖ بھی محبوب ہے اور اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ تواضع کبر کا علاج ہے اور کبر کا علاج ضروری ہے کیونکہ یہ بدترین مرض اور ام الامراض ہے اور یہ مرض عام ہے تو بیان تواضع کا اختیار کرنا مفید عام مضمون ہوا۔ اس واسطے اس حدیث کو اختیار کیا گیا ہے حاصل یہ کہ کبر کا علاج تواضع ہے اب ضروری ہے کہ تواضع کے معنی بیان کیے جائیں۔ (اوج قنوج ج۱۱)

عوامی تواضع

تواضع کی حقیقت عوام جہلاء میں تو یہ ہے کہ مہمان کی خاطر کی جاوے' پان پتہ اس کے سامنے رکھا جاوے' کھانا کھلایا جاوے' نرم زبان سے بولا جاوے اس کے لیے دوسرا لفظ خاطر کرنا ہے' کہتے ہیں فلاں آدمی بڑی خاطر کا آدمی ہے اسی کو ذرا پڑھے لکھے مگر جاہل ہی یوں کہہ دیتے ہیں کہ فلانے کے یہاں مہمان کی بڑی تواضع ہوتی ہے۔ بہرحال یہ معنی تو عرفی ہیں اور حقیقی معنی سے یہ معمولی لیاقت کے لوگ بھی واقف نہیں حتیٰ کہ نئے لوگوں میں جو اعلیٰ درجہ کے نئے تعلیم یافتہ ہیں بی اے اور ایم اے والے وہ بھی اس حقیقی معنی سے بے خبر ہیں بلکہ وہ تو لفظ بھی صحیح نہیں بولتے کیونکہ اردو زبان کی شائستگی فارسی سے پیدا ہوتی ہے جس سے یہ لوگ بے بہرہ ہیں بلکہ اردو کا املا تک ان کا غلط ہوتا ہے چنانچہ ایک تعلیم یافتہ سب جج نے ایک فریق کے اظہار قلمبند کرنے میں اعتراض ز سے لکھا تھا' اس فریق نے دیکھ کر اعتراض کیا کہ اعتراض ز سے نہیں ہے کہا غلطی ہوئی ظ سے ہے تو یہ لوگ الفاظ تک غلط بولتے ہیں تواضع کو توازے بولتے ہیں۔ غرض اس کے صحیح معنی سے یہ لوگ سب کے سب ناآشنا ہیں جن میں بعضے تو ایسے ہیں کہ لفظ سے بھی ناآشنا اور بعضے لفظ جانتے ہیں مگر معنی سے

ناآشنا ہیں اچھی طرح جان لیجئے کہ تواضع لفظ عربی ہے اور جن معنوں میں عوام نے استعمال کیا ان معنوں میں تو عربی زبان میں یہ لفظ کہیں آیا ہی نہیں اس پر ایک قصہ یاد آ گیا۔ ایک دیہاتی لڑکا تھا اس نے ایک استاد سے کریما شروع کی جب یہ شعر آیا

دلا گر تواضع کنی اختیار　　شود خلق دنیا ترا دوستدار

(یعنی اے دل اگر تواضع اختیار کرے تو تمام مخلوق تیری دوست بن جائے) (اوج قنوج ج۱۱)

تدابیر اصلاح

میں ہر شخص کے لیے تواضع کی تدابیر کہاں تک بتاؤں' علاج مشترک یہ ہے کہ اپنے آپ کو کسی محقق مبصر کے سپرد کر دو اور اس کو تمام حالات کی اطلاع کیا کرو اور وہ جس موقع و محل میں جو تدبیر کرے اس کو اختیار کرو اس طرح تواضع حاصل کرو یہ کبر ایسی چیز نہیں ہے جس سے غفلت کی جائے اللہ والوں نے اس کے علاج کے لیے بڑے بڑے مجاہدے کیے ہیں۔ مولانا اسماعیل صاحب مسجد میں سو جاتے مسافروں کے پیر دبایا کرتے تھے' صرف اسی واسطے کہ تواضع اور تذلل پیدا ہو ایک دفعہ مولانا سفر میں لشکر سے نکل کر شہر کی کسی مسجد میں جا ٹھہرے' مؤذن عام طور سے مسافروں سے جلا کرتے ہی ہیں' ان کو بھی منع کیا' مولانا نے اس کا کہنا نہ مانا اس نے دھکے دے کر ان کو نکال دیا۔ مولانا تھوڑی دیر میں پھر اسی مسجد میں آ گئے' اس نے پھر نکال دیا کئی دفعہ ایسا ہی ہوا' آخر اس نے تنگ ہو کر کہا اچھا بھائی بیٹھ تھوڑی دیر میں لشکر سے دو سوار مولانا کو ڈھونڈتے ہوئے آئے اب تو مؤذن کے ہوش خطا ہوئے اور سمجھا کہ اب پٹوں گا یہ کوئی بڑے آدمی ہیں۔ مولانا نے کہا کہ ڈر مت تجھے کوئی کچھ نہ کہے گا میں جاتا ہوں تجھے کھانا بھی بھجوا دوں گا وہ پیروں میں گر گیا اور معافی چاہی پھر پوچھا آپ نے ایسا کیوں فرمایا' یہ میں نے اپنا علاج کیا مجھے کسی وجہ سے خیال ہو گیا تھا کہ لوگ مجھ کو بڑا سمجھتے ہیں اس کبر کا یہ علاج کیا کہ دھکے کھائے یہ اس مادہ فاسدہ کا مسہل ہو گیا' اہل اللہ اس طرح اس کا علاج کرتے ہیں وہ اس کو امراض جسمانی کی طرح بلکہ اس سے بھی اشد سمجھتے ہیں' (اوج قنوج ج۱۱)

خلاصہ وعظ

"من تواضع للّٰه رفعه اللّٰه" (جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے تواضع اختیار کرتا

ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلندی ورفعت عطا فرماتے ہیں امراض بہت ہیں جن کی تفصیل دشوار ہے مگر ام الامراض کبر ہے اس کا علاج اس حدیث میں ہے۔ یہ حدیث اس واسطے اختیار کی گئی ہے کہ یہ مرض عام ہے ہر قسم کے لوگوں میں حتیٰ کہ اہل علم میں بھی یہاں تک کہ بعض اپنے جہل پر قرآن وحدیث سے شہادت لاتے ہیں۔ مثلاً: "قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ" (آپ کہئے کیا عالم اور غیر عالم برابر ہو سکتے ہیں) ان کو وہ آیات واحادیث بھی یاد کرنی چاہیے جو عالم بے عمل کی مذمت میں وارد ہیں علاوہ برایں کسی عامی کو بھی حقیر سمجھنا چہ معنی تا یار کرا خواہد و میلش بکہ باشد (یار کس کو چاہتا ہے اور اسکا میل کس کی طرف ہوجاتا ہے) شبہ کیا خدائے تعالیٰ کے یہاں بھی کوئی قاعدہ اور قانون مقرر نہیں اس طرح تو نیکوکار اور بدکار سب برابر ہوجاتے ہیں اور وعدہ وعید کوئی چیز نہ رہا حالانکہ نصوص اس کے خلاف ہے جواب وعدہ اور وعید صحیح ہیں لیکن اعمال اگر چہ آپکے ارادہ پر ہیں تاہم ارادہ کا پلٹ دینا حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور یہی خوف کی وجہ ہے وعدہ اور وعید پر یقین چاہتے اور قدرت ارادہ سے خود (جیسا کہ ایک پابند قانون حاکم کے سامنے جانے سے خوف ہوتا ہے) ناز وانداز انکشاف و عظمت خداوندی نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ہمارے اعمال حق تعالیٰ کے سامنے کیا ہیں علاوہ ازیں ناز مکتسب چیز پر ہوتا ہے اور ہمارے اعمال کسی درجہ میں مکتسب سہی مگر درحقیقت علت ان کی مشیت حق ہے۔ ایک بزرگ نے ذکر اللہ کرنا چاہا مگر نہ کر سکے یاد آیا کہ جوانی میں ایک کلمہ بیہودہ زبان سے نکلا تھا یہ اس کی سزا ہے۔ (اوج قنوج ج ۱۱)

بدنظری کا نقصان

حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک مرید ایک امرد پر نظر کرنے سے قرآن مجید بھول گیا جس کو علم پر ناز ہو وہ اس آیت کو یاد کرے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ہے:

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ اَوْحَيْنَا اِلَيْکَ ثُمَّ لَاتَجِدُلَکَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلاً اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ اِنَّ فَضْلَهٗ کَانَ عَلَيْکَ كَبِيْرًا.

(یعنی اگر ہم چاہیں تو وہ تمام علوم جو آپ کو دیئے ہیں دفعتہً سلب کرلیں پھر آپ کا کوئی کارساز نہیں ہوسکتا، بس رحمت خدا ہی ساتھ دے سکتی ہے اللہ کا فضل آپ پر بڑا ہے) غرض مختلف طریقوں سے کبر قلوب میں موجود ہے اور یہ مرض ام الامراض ہے تمام عیوب

اسی سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً غصہ حتیٰ کہ بعض وقت زبان سے ظاہر ہونے لگ جاتا ہے چنانچہ بعض آدمی کہنے لگ جاتے ہیں تو جانتا نہیں کہ میں کون ہوں ایک ایسے ہی شخص کے جواب میں ایک بزرگ نے کہا کہ جانتا ہوں "اولک نطفة مذرہ واخرک جیفة قذرہ وانت بین ذلک تحمل العذرہ" (تو تو ایک پلید نطفہ تھا اور انجام کار ایک گندہ مردار ہو جائے گا اس کے درمیان یہ حالت ہے کہ نجاست کو پیٹ میں لیے پھرتا ہے) اور یہ واقعی بات ہے غلاظت سے کسی کا پیٹ بھی خالی نہیں، حق تعالیٰ کی ستاری ہے کہ اس کو مستور کر دیا ہے، مرض گندہ ذہنی میں اس مستوری کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ (اوج قنوج ج۱۱)

بدگمانی سے احتراز

فال بد کی ممانعت اس وجہ سے نہیں کہ اس میں کچھ اثر ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کے ساتھ سوظن و بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کوئی بلا ضرور بھیجیں گے۔ "وانا عندظن عبدی بی" اس نے خدا تعالیٰ سے بدگمانی کی وہ بھی بعض دفعہ اس کی سزائیں ویسا ہی کر دیتے ہیں جیسا اس نے گمان کیا تھا۔ ہمارے استاد مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دہلی میں مومن خان شاعر تراویح میں قرآن شریف سننے آیا کرتے تھے ایک ڈوم بھی قرآن شریف سننے آیا کرتا تھا۔ اس نے کہا کہ خان صاحب جس روز وہ سورت آئے جس کا نام نہیں لیا کرتے جو مردوں پر پڑھی جاتی ہے تو مجھے بتا دینا میں اسے نہیں سنوں گا۔ یعنی سورۃ یٰسین، عوام جہل سورۃ یٰسین کا نام سننے سے بھی ڈرتے ہیں۔ اس کو موت کی علامت سمجھتے ہیں خان صاحب شاعر آدمی تھے، آپ کو مذاق سوجھا، اپنی چلبلی اور شوخ طبیعت سے نہ رہ سکے، گو وہ بڑے متقی اور متورع شخص تھے۔ خدا معلوم سچ یا جھوٹ کہہ دیا کہ وہ تو رات پڑھی بھی گئی اس کو تو تو نے سن لیا۔ اس کو ہنسی ہوگئی اور اس کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کرنے لگا، ہوش اڑ گئے، حواس باختہ ہوگیا، روح تحلیل ہونے لگی۔

لکھ کر ہمارا نام زمین پر مٹا دیا ان کا تو کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

غرض وہ دوسرے یا تیسرے روز مر گیا۔ (دستور سہارنپور ج۱۱)

لایعنی امور سے احتیاط

بعض منکر رذائل کے ازالہ کی طرف التفات بھی نہیں کرتے من جملہ ان ہی

رذائل کے اشتغال بما لا یعنی ہی ہے جس کے نسبت یہ ارشاد ہے۔ یعنی "من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه" کہ غیر ضروری اور لا یعنی امور کو ترک کر دیں اس پر نہ مشائخ کو التفات ہے نہ غیر مشائخ کو سب غور کر کے دیکھ لیں کہ دن بھر میں کتنی بار فضول باتیں کرتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ اسلام کی خوبی یہ ہے کہ آدمی لا یعنی امور کو ترک کر دے اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کا حسن اس کے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو کیا اسلام کے حسن کی آپ کو ضرورت نہیں۔ (ترک مالا یعنی ج ۱۱)

فضول باتوں سے پرہیز

سید المحققین سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "کثرة الکلام تقسو القلب" زیادہ باتیں بنانا دل کو سخت کر دیتا ہے۔ حدیث میں ہے: "کثرة الضحک تمیت القلب" زیادہ ہنسا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ کیا اب بھی کسی کو اس میں شک ہے کہ فضول (اور لا یعنی) باتوں سے دل کی صفائی اور نور زائل ہو جاتا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ہم تو رات دن ہنستے رہتے ہیں ہمارا دل تو مردہ نہیں ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ تجھ کو حیات قلب نصیب ہی نہیں ہوئی جس سے کہ موت قلب کا احساس ہو "الاشیاء تعرف باضد ادھا" (اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں) غضب یہ ہے کہ جس طرح دنیا والے شطرنج و گنجفہ سے دل بہلاتے ہیں اسی طرح آج کل اتقیاء کے یہاں لغو اور فضول باتیں دل بہلانے کا مشغلہ ہو گئی ہیں۔ بس تسبیح ہاتھ میں لے لی اور دنیا بھر کی باتیں بنا رہے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ذکر سے جو نور قلب حاصل ہوا تھا وہ زائل ہو جاتا ہے اور نور قلب کے زائل ہونے سے طاعت کا شوق کم اور ہمت میں پستی آ جاتی ہے اور جہاں شوق و ہمت میں کمی آئی پھر گناہوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کیونکہ گناہ سے بچنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک شوق و محبت دوسرے ہمت اور یہ دونوں باتیں نور ذکر سے پیدا ہوتی ہیں جب ان لغویات سے وہ نور ہی زائل ہو گیا تو شوق و ہمت میں کمی آنا لازمی ہے پھر اس شخص کا گناہوں میں مبتلا ہو جانا کچھ بھی عجیب نہیں کیونکہ اب وہ روک ہی نہیں رہی جس کے ذریعے گناہوں کی نفرت دل میں جم جاتی ہے بس لا یعنی امور کا ارتکاب گو خود معصیت نہ ہو مگر معصیت کا ذریعہ ضرور ہے اب تو آپ کو اس کے ترک کا ضروری ہونا معلوم ہو گیا ہوگا۔ شیخ فرید عطار پند نامہ میں فرماتے ہیں:

دل زپر گفتن بمیرددر بدن　　　گرچہ گفتارش بود در عدن

(دل زیادہ بک بک کرنے سے بدن میں مرجاتا ہے' مگر اس کی گفتگو نہایت پاکیزہ اور بھڑک دار ہے) (ترک مالا یعنی ج ۱۱)

لوگوں کی عادت

ایک شخص نے ایک بزرگ سے سوال کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں آپ کے نزدیک کون حق پر تھا' فرمایا تم کو اس سے کیا مطلب میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ قیامت میں تم سے اس کے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا نہ ان کا مقدمہ فیصلہ کیلئے تمہارے پاس آئے گا اور اگر تم سے سوال ہوا تو تم اللہ تعالیٰ کے سامنے میرا نام لے دینا کہ میں نے اس سے سوال کیا تھا اس نے مجھ کو جواب نہیں دیا۔ واقعی خوب جواب دیا۔ (ترک مالایعنی ج ۱۱)

حرص کی قسمیں

مطلق حرص مذموم نہیں بلکہ حرص کی دو قسمیں ہیں غیر اللہ کی حرص تو مذموم ہے اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کی حرص محمود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضَاعِفْهُ لَكُمْ" یعنی ہم جو تم سے تمہارے اموال اور اولاد اور ازواج اور تمہارے جان چھڑانے (یعنی قلب سے نکالنے) کے لیے آیات سابقہ میں ارشاد کرآتے ہیں اس سے ڈرومت کہ ہم تو بالکل ہی مفلس ہو جائیں گے تم یہ سب چیزیں ہم کو قرض دے رہے ہو۔ سو اگر تم اچھا قرض دو گے یعنی خالص بلا ریاء کے یعنی ان کی جب مفرط کو چھوڑ دو گے اور جس کے لیے انفاق بھی لازم ہے جان بھی مال کا بھی تو ہم اس کو بڑھاویں گے۔ مولانا اسی مضمون کو فرماتے ہیں:

خودکہ یابد ایں چنیں بازار را　　　کہ بیک گل می خری گلزار را

نیم جان بستاند وصد جان دہد　　　آنچہ دردہ ہمت نیاید آن دہد

(تم ایسا بازار کہاں پاؤ گے کہ ایک پھول کے بدلے چمن ہی کو خرید لو' حقیر اور فانی جان لیتے ہیں اور جان باقی عطا کرتے ہیں جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں وہ عطا کرتے ہیں) (رفع الموانع ج ۱۱)

طالب جاہ

محققین نے کہا ہے کہ اس شخص سے زیادہ کوئی احمق نہیں جو طالب جاہ ہو۔ کیونکہ یہ کمال

محض وہمی انتزاعی ہے اور انتزاعی بھی ایسا جو اس شخص کے ساتھ خود قائم نہیں۔ بلکہ دوسرے کے خیال کے ساتھ قائم ہے۔ کیونکہ جاہ نام ہے دوسروں کی نظروں میں معزز ہونے کا جس کا مدار محض دوسرے کے خیال پر ہے جو کہ اپنے وجود میں خود اس دوسرے کے تابع ہے۔ وہ جب چاہے بدل دے تو ساری جاہ خاک میں مل جاتی ہے۔ مگر طالب جاہ خوش ہے کہ آہا لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں۔ جیسے چوہا خوش ہوتا ہے کہ بنیئے کی دوکان میں میرے واسطے غلہ آیا ہے؟ جی ہاں! ذرا منہ تو ڈالو! بھی چوہے دان آتا ہے جس سے ساری خوشی کرکری ہو جائے گی۔ (محاسن الاسلام ج ۱۲)

جامعیت اخلاق

اخلاق کی خوبی یہ ہے کہ اصلاح نفس کا جس قدر اہتمام اسلام میں ہے کسی مذہب میں بھی نہیں۔ جاہ طلبی نام آوری ریا کاری سے سخت ممانعت ہے۔ حسد، بغض وغیرہ پر سخت سخت وعیدیں دار ہیں۔ (محاسن الاسلام ج ۱۲)

اخلاق ذمیمہ کے دنیوی نتائج:

صاحبو! ذرا ہوش سے کام لو حسد اور کبر تو وہ چیزیں ہیں جو تمام برائیوں کی جڑ ہے ان سے نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکل سکتا شرعاً تو یہ گناہ ہیں ہی، دنیا کے نتائج بھی جو ان سے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی ایسے ہیں جس سے ایک مخلوق کی زندگی تلخ ہو جاتی ہے سب جانتے ہیں کہ انسان کی طبیعت میں تمدن ہے یعنی مل جل کر رہنا اور انسان دوسرے حیوانات کی طرح نہیں ہے جن کو مل جل کر رہنے کی ضرورت نہیں ان کے کھانے پینے کی چیز ہر جگہ موجود ہے صبح کو اٹھے اور جنگل میں چر کر پیٹ بھر لیا اور شام کو اپنے ٹھکانے میں آ کر آرام کرنے لگے انسان میں یہ بات کہاں اس کی تمام ضروریات ایک دوسرے کی اعانت سے مہیا ہوتی ہیں اسی کا نام تمدن ہے بدون اس کے انسان کی زندگی نہیں ہو سکتی جب اس کو ضرورت ہے تمدن کی تو دوسرے سے بھی ملنے کی ضرورت ہے دو باتوں کے لئے ایک اپنا کام نکالنے کے لئے کیونکہ اس کا کام دوسرے پر موقوف ہے۔ دوسرے اس دوسرے شخص کو مدد دینے کے لئے کیونکہ وہ بھی اس کا محتاج ہے یہ حقیقت ہے تمدن کی اور یہ جب ہو سکتا ہے کہ دوسرے کو نفع پہنچانے کا خیال بھی ہو اور یہ خیال حسد کی ضد ہے اور حسد اس کی ضد ہے کیونکہ حسد کے معنی ہیں

دوسرے کی نعمت کی زوال کی تمنا کرنا اور تمدن میں ضرورت تھی کہ دوسرے کو فائدہ پہنچانے اور اس کے حصول کے لئے نعمت کی کوشش کرنے کی تو ثابت ہوگیا کہ حسد ضد ہے تمدن کی۔

اسی طرح اس کا کام بھی جب ہی نکل سکتا ہے کہ دوسرے کے سامنے اپنی احتیاج لے جائے اور یہ مقتضی ہے اس بات کو کہ اس کے سامنے بڑا بن کر نہ جایا جائے ورنہ وہ التفات کیوں کرے گا یہ حقیقت ہے تواضع کی جو ضد ہے کبر کی اور کبر اس کی ضد ہے تو ثابت ہوا کہ کبر اس کی ضد ہے۔ لیجئے عقلا ثابت ہوگیا کہ حسد اور کبر تمدن کے منافی ہیں سو یہ ان میں عقلی خرابیاں ہیں قطع نظر اس سے کہ یہ شرعی گناہ بھی ہیں۔ شریعت مطہرہ کی خوبی دیکھئے کہ ہر کام میں وہ بات سکھلائی جو تمام خوبیوں کی جڑ ہے اور ان باتوں سے منع کیا ہے جو برائیوں کی جڑ ہیں۔ شریعت ایک ایسی چیز ہمارے ہاتھ میں دی گئی ہے کہ آنکھیں بند کر کے اس کے ساتھ چلے جائے۔ کہیں کوئی خرابی پیش نہ آئے گی دنیا کی بھلائی بھی اس میں ہے اور آخرت کی بھلائی بھی۔ مگر ہم لوگوں نے اس کو ایسا چھوڑا ہے کہ ہمارے کسی کام میں بھی اس کا دخل نہیں رہا ہمارا ظاہر شریعت کے موافق نہیں ہمارا باطن نہیں ہمارے اخلاق نہیں ہمارے اعمال نہیں ہماری معاشرت نہیں پھر اس کے نتائج سامنے آتے ہیں جس کو فرماتے ہیں **ظهر الفساد فی البر والبحر** تمام عالم فساد سے پر ہو رہا ہے اسی فساد عام کو حکیم سنائیؒ کہتے ہیں۔

اے بہ سرا پردۂ یثرب بخواب — خیز کہ شد مشرق ومغرب خراب

اے وہ ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو مدینہ منورہ میں آرام فرما ہے اٹھئے کہ مشرق ومغرب خرابی سے معمور ہو گئے۔ ہماری حالت یہ ہے۔

چوں گرسنہ میشوی سگ میشوی — چونکہ خوردی تند وبدرگ میشوی

جب بھوکا ہوتا ہے کتا بن جاتا ہے اور جب شکم سیر ہوتا ہے تو تندور اور ظالم بن جاتا ہے۔ نہ ہمارے عیش کی حالت درست اور نہ مصیبت کی درست۔ دو ہی حالتیں انسان پر آتی ہیں عیش یا مصیبت اور دونوں درست نہیں تو مطلب یہ ہے کہ کوئی حالت بھی درست نہیں اور یہ حالت صرف عوام کی نہیں بلکہ اکثر خواص کی بھی قریب قریب یہی حالت ہے۔ (الاسلام الحقیقی ج ۱۲)

عبدیت کا تقاضا

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ ہماری حالت ایسی ہو، ایسی ہو، یہ شخص اپنے لئے خود تجویز

کرتا ہے جو کہ خلاف عبدیت اور بے ادبی اور گستاخی ہے تمہیں کیا حق ہے تجویز کرنے کا۔ تمہاری تو یہ حالت ہونا چاہیے:

چوں کہ برمیخت بہ بندو بستہ باش　　　چوں کشاید چابک و برجستہ باش

(جب وہ باندھ دیں تو بندھے رہو اور جب کھول دے تو کھل جاؤ اور خوشی سے کودنے لگو)

چنانچہ ایک حکایت ہے حاجی صاحبؒ کی اس سے آپ کو اس کی حقیقت معلوم ہوگی۔ کہ ایک طالب علم آپ کے پاس آیا اور مرض کی شکایت کی کہ اتنے دنوں بیمار رہا۔ اس مدت میں حرم شریف میں نماز پڑھنا بھی نصیب نہ ہوئی۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ صحت وقوت بخشے۔ اس وقت حضرت نے اس کے لئے دعا کی۔ جب وہ چلا گیا تو فرمایا یہ شخص عارف نہیں ہے۔ اگر عارف ہوتا تو نماز حرم کی غیر حاضری سے مفہوم نہ ہوتا کیونکہ مقصود اصلی تو قرب ہے۔ جس طرح بھی حاصل ہو اس کا طریقہ مختلف ہے۔ ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بیمار ہو جائے اور اس پر صبر کرے۔ شکوہ شکایت نہ کرے اور اس سے قرب ہو تو مقصود جس طریقہ سے بھی حاصل ہو اس پر راضی رہنا چاہیے۔ حصول مقصود کے بعد کسی طریقہ کے فوت پر حسرت کرنا مقصود کی بے قدری ہے۔

اور اس کی ایک مثال بیان فرمائی کہ دیکھو لوگ جو حج کرنے آتے ہیں تو مقصود کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ مقصود حضوری بیت اللہ ہے۔ کوئی خاص راستہ مقصود نہیں۔ کہ مثلاً بمبئی ہی ہو کر آوے۔ اب ایک شخص تو بمبئی ہو کر آیا۔ اس کو بہت سے حالات راستہ کے معلوم ہوئے اور ایک کراچی ہو کر آیا۔ جس کو وہ خاص حالات معلوم نہ ہوئے اب کوئی بے وقوف ہی ایسا ہوگا جو حج کو چھوڑ کر کراچی سے بمبئی آوے۔ تا کہ یہ حالات معلوم ہوں۔ صوفیا نے لکھا ہے طرق الوصول الی اللہ بعدد انفاس الخلائق۔ کسی کے لئے کوئی طریقہ ہے۔ کسی کے لئے کوئی طریقہ ہے۔ کوئی طریقہ مقصود نہیں۔ مقصود رضا ہے۔ جب رضا حاصل ہے تو اب تمنا کرنا کہ یہ ہو وہ ہو یہ تجویز ہے جو ادب طریقہ کے خلاف ہے۔ صوفیاء تو اپنے ارادہ کو ایسا مٹاتے ہیں کہ یہاں تک کہتے ہیں

ارید و صاله و یرید هجری　　　فاترک ما ارید لما یرید

(میں اس سے ملاقات کا متمنی ہوں وہ مجھ سے جدائی کا خواہاں ہے میں نے اس کے ارادہ پر اپنا ارادہ مٹا دیا)

اور حافظ شیرازی نے اسی کا ترجمہ فارسی میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

میل من سوئے وصال و میل اوسوئے فراق　ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

(میں اس سے ملنا چاہتا ہوں اور اس کی خواہش میری جدائی ہے میں نے اپنی تمنا چھوڑ دی تا کہ میرے دوست کی تمنا پوری ہو جائے)

پس عبدیت یہ ہے۔ کہ اپنی خواہش کو فنا کر دے جوان کا ارادہ ہے اسی پر راضی رہے۔ (آداب التبلیغ ج ۱۳)

مبلغ کو صبر و استقلال کی تعلیم

تواصی بالصبر کے عنوان سے مبلغ کو بھی صبر و استقلال کی تعلیم دی گئی ہے اور یہ تعلیم تبلیغ عقائد میں کیوں نہیں دی گئی۔ اس کے دو جواب ہیں۔ اول یہ کہ تبلیغ عقائد بھی عمل ہے۔ تو وہ بھی تواصی بالصبر میں داخل ہے۔ پس یہ کہنا ہی صحیح نہیں۔ کہ تبلیغ عقائد میں مبلغ کو صبر کی تعلیم نہیں۔ دوسرے بعد تسلیم کے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ گو تبلیغ عقائد میں مخاطب کو ناگواری زیادہ ہوتی ہے۔ مگر جب وہ اپنے عقائد سابقہ کی غلطی سمجھ کر عقائد حقہ اختیار کر لیتا ہے تو اب اس کے لئے بار بار تبلیغ کی ضرورت نہیں رہتی۔ بخلاف اعمال کے۔ کہ ان کی تبلیغ ابتداء میں تو دشوار نہیں۔ نہ مخاطب کو اس میں زیادہ ناگواری ہوتی ہے۔ مگر اس میں تبلیغ کی بار بار حاجت ہوتی ہے۔ کیوں کہ انسان اپنے اعمال فاسدہ کو ایک بار چھوڑ کر بوجہ لذت نفسانی کے پھر اختیار کر لیتا ہے۔ تو اس میں ابتدائی تبلیغ کافی نہیں ہوتی۔ بلکہ بقاء تبلیغ کی بھی حاجت رہتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ تبلیغ عقائد کی ابتداء دشوار ہے۔ مگر بقاء سہل ہے اور تبلیغ اعمال میں ابتداء آسان ہے۔ مگر بقاء دشوار ہے۔ اس لئے یہاں ایسا عنوان اختیار کیا گیا۔ جس میں مبلغ کو بھی استقلال و صبر کی تعلیم ہے۔ (التواصی بالحق ج ۱۳)

تبلیغ ہر مسلمان پر ہے

تبلیغ صرف مولویوں کے ذمہ نہیں۔ بلکہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے۔ البتہ تبلیغ عام بطریق وعظ کے علماء کے ساتھ خاص ہے۔ باقی تبلیغ خاص انفرادی طور پر ہر شخص کے ذمہ ہے اور تبلیغ عام جو علماء کے ساتھ خاص ہے تو اس میں بھی عام مسلمانوں کے ذمہ یہ کام ہے۔ کہ وہ علماء کے ساتھ خاص ہے تو اس میں بھی عام مسلمانوں کے ذمہ یہ کام ہے کہ وہ علماء کے لئے اس کے اسباب مہیا کریں مثلاً چندہ کر کے سفر خرچ ان کو دیا جائے۔ تا کہ جہاں تبلیغ کی ضرورت ہو وہاں جائیں اور سفر خرچ لے کر کرایہ ریل وغیرہ سے بے فکر ہو

جائیں۔کیوں کہ علماء کے پاس تبلیغ کے لئے زبان تو ہے۔مگر کرایہ وغیرہ کے لئے روپیہ تو نہیں ہے اوران کے ذمہ یہ کام بھی نہیں ہے۔کہ وہ آپ سے بھیک مانگتے پھریں۔کہ ہم کو روپیہ دو تا کہ تبلیغ کے لئے سفر کریں، یہ کام عام مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے کہ وہ خود چندہ جمع کر کے علماء کو آگے کریں اوران سے عرض کریں کہ یہ روپیہ ہے اور یہ کام ہے۔ جس طرح آپ کہیں۔اس کام کو شروع کیا جائے۔(التواصی بالحق ج ۱۳)

اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

اب میں ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں۔جس سے اندازہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا کس درجہ اہتمام تھا۔حدیث میں آتا ہے۔کہ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھے۔کیونکہ ان کی باری تھی اور وہ رات شب براءت کی تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نصف شب کے وقت حکم ہوا کہ جنۃ البقیع کے مسلمانوں کے لئے جا کر دعا کریں۔تو آدھی رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے۔جس کی کیفیت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یوں بیان فرماتی ہیں:۔

تام رويدا او فتح الباب رويد اثم خرج رويدا ثم اغلقه رويدا.

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ سے اٹھے۔آہستہ آہستہ چلے۔آہستہ ہی دروازہ کھولا۔ آہستہ ہی باہر تشریف لے گئے۔آہستہ ہی اس کو بند کیا۔ہر کام آہستہ کیا۔تا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ نہ کھل جائے۔ان کو تکلیف نہ ہو۔حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کون تھیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عاشق تھیں۔جن کا محبوب کے لئے بزبان حال یہ قول تھا۔

گر برسروچشم من نشینی   نازت بکشم کہ نازنینی

(اگر تو میرے سر اور آنکھوں پر بیٹھے تو تیرا ناز اٹھاؤں اس لئے کو تو نازنین ہے)

اول تو عموماً بیوی کو شوہر سے ایسا تعلق ہوتا ہے۔کہ اگر خاوند سوتی ہوئی کو جھنجھوڑ بھی دے۔ تب بھی اس کو ایذاء نہ ہو۔بلکہ راحت ہو۔اور خصوصاً حضرات ازواج مطہرات تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ عاشق تھیں اور بالخصوص ان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔مگر اس تعلق پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نیند کا اس قدر خیال فرمایا۔کہ سب کام آہستہ کئے۔ مگر یہ تو عاشق تھیں۔ان کو خبر کیسے نہ ہوتی۔گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان ایسا

کیا تھا۔ کہ ان کو خبر نہ ہو۔ مگر جب مکان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی ہوا۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قلب نے حال نوم ہی میں اس کا احساس کیا اور ان کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلنے کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا تو بڑی پریشانی ہوئی۔ کبھی یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید آپ کسی بیوی یا باندی کے پاس چلے گئے۔ بالآخر پریشانی میں گھر سے نکلیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاتے ہوئے دیکھ کر بقیع کی طرف چلیں۔ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے دعا فرما رہے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر اطمینان ہوا اور واپس ہوئیں اور پیچھے پیچھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی واپس ہوئے اور راستہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریب ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہنچ گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس خیال سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ ہو۔ تیز تیز چلنا شروع کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ یہ آگے آگے کون ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تیز چلنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھاگنے لگیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اپنے گھر میں داخل ہو کر بستر پر لیٹ گئیں۔ مگر سانس پھولا ہوا تھا۔ اس کو کیوں کر دباتیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو گھر میں تشریف لائے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سانس پھولا ہوا معلوم ہوا۔ فرمایا:۔

یا عائشة ما لک حشیا رابیة

یہ لمبا لمبا پھولا ہوا سانس کیوں آ رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے آگے آگے تم ہی بھاگی ہوئی آ رہی تھیں۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہنس پڑیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اتخافین ان یحیف اللہ علیک و رسولهٗ** (التواصی بالصبر ج ۱۳)

غیر ضروری کے ترک کی دو صورتیں

انسان غیر ضروری امور میں مشغول ہے اور غیر ضروری امور کی سب سے بڑی فرد یہ ہے کہ دنیا میں اس کو انہماک ہے۔ اس لئے سب سے پہلے اس کی مذمت بیان فرما دی اور اس کے بعد امر ضروری یعنی آخرۃ کا ذکر کر دیا۔ کہ ذکر آخرت میں مشغول ہونا چاہیے۔ تا کہ اس انہماک کا ازالہ ہو۔ سو غیر ضروری کے ترک کرانے کی دو صورتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ اسکی مذمت کر دی جاوے اور اس سے ہٹایا جاوے۔ مگر ابھی معلوم ہو چکا ہے۔ کہ اس سے نفع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مشغلہ ضروری بتانا بھی ضروری ہے۔ ورنہ یہ شخص اس غیر ضروری کو چھوڑ کے دوسرے غیر ضروری

میں مبتلا ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ غیر ضروری سے ہٹایا جاوے اور ضروری کی طرف متوجہ کیا جاوے۔ یہی دوسرا طریقہ جو اسلم واحسن ہے۔ یہاں اختیار کیا گیا ہے۔ (ضرورت تبلیغ ج ۱۳)

اخلاق سے اشاعت اسلام

دراصل اسلام پھیلا ہے اخلاق سے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اخلاق سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے۔ چنانچہ سیر و تاریخ اس پر شاہد ہیں۔ اگر ہم بھی ویسے ہی پکے مسلمان ہو جاویں۔ تو سچ جانیئے کفار ہمیں بھی دیکھ دیکھ کر مسلمان ہونے لگیں۔ مگر اب تو ہمارے اخلاق اس درجہ گر گئے ہیں۔ کہ انہیں مثال میں پیش کر کے کفار کو نفرت دلائی جاتی ہے۔

ایک شخص نے کسی کافر سے کہا تھا۔ کہ مسلمان ہو جا۔ اس نے کہا کہ میں ایسا مسلمان تو ہو نہیں سکتا۔ جیسے بایزید ہیں۔ کیوں کہ اس پر قدرت نہیں اور ایسا مسلمان ہونا جیسے تم ہو۔ میں پسند نہیں کرتا۔ اس سے تو میں کافر ہی اچھا۔ (ضرورت تبلیغ ج ۱۳)

دراصل ہم کو غیر مقلدوں سے اسی کی زیادہ شکایت ہے۔ کہ وہ ہمارے آئمہ کو برا کہتے ہیں۔ اگر وہ آئمہ کو برا نہ کہیں۔ تو تقلید یا ترک تقلید سے ہم کو زیادہ بحث نہیں۔ تو ہر شخص کا خدا کے ساتھ اجتہادی معاملہ ہے۔ خواہ تقلید سے خدا کو راضی کرے۔ یا ترک تقلید سے ہمارا اجتہادی خیال یہ ہے۔ کہ ہم بدوں تقلید کے دین پر عمل نہیں کر سکتے۔ اگر کسی کا اجتہادی خیال یہ ہے کہ ترک تقلید سے بھی دین پر عمل ہوسکتا اور خدا راضی ہوسکتا ہے۔ تو اس کو اختیار ہے۔ ہم اس کے ساتھ نہ الجھیں گے۔ مگر اس کی کیا وجہ کہ وہ مقلدوں سے الجھتے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے آئمہ کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ ہم ان کے آئمہ کو برا نہیں کہتے۔ بلکہ ہم تمام محدثین کو اپنا امام سمجھتے اور ان کی عظمت کرتے ہیں اور کسی کی تحقیر کو جائز نہیں سمجھتے۔ (اتباع علماء ج ۱۳)

خوف ورجاء

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ حکم ہو جائے کہ سوائے ایک شخص کے کوئی دوزخ میں نہ جائے گا۔ تو میرا گمان نہ فرعون پر ہو۔ نہ ہامان پر۔ نہ قارون پر، نہ نمرود پر۔ بلکہ مجھے یہی خوف ہوگا کہ کہیں وہ ایک میں ہی نہ ہوں۔ اسی طرح اگر یہ حکم ہو جائے۔ کہ سوائے ایک کے کوئی جنت میں نہ جائے گا۔ تو مجھے یہ احتمال ہوگا کہ شاید وہ ایک میں ہی ہوں:

او خواست تا فسانہ لعنت کند مرا — کرد آنچہ خواست آدم خاکی بہانہ بود
گویند جاہلان کہ نہ کردے تو سجدہ — نزدیک اہل معرفت ایں چہ بہانہ بود

(اس نے چاہا کہ اس فسانہ سے مجھ پر لعنت کرے، جو چاہا خود کیا آدم خاکی تو بہانہ تھا جہلاء کہتے ہیں کہ تو نے سجدہ نہیں کیا لیکن اہل معرفت کے نزدیک یہ بہانہ تھا) (آداب اصلاح ج ۱۳)

رحمت خداوندی

علتی لوگوں نے غفور رحیم کو بھی علت بنالیا اور اس کو ترقی گناہ کا سبب بنادیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مغفرت ورحمت کو یاد کر کے گناہوں پر دلیر ہو گئے اور جہاں کسی نے روکا یا نصیحت کی تو صاف کہہ دیا کہ میاں تم کو کیا اللہ تبارک وتعالیٰ غفور الرحیم ہے وہ ہم کو اس حال میں بھی بخش دیں گے، سبحان اللہ! خوب سمجھے اے مانا کہ حق تعالیٰ غفور الرحیم ہیں مگر بدرجہ اطلاق کس کے لئے جو گناہوں سے توبہ اور معذرت کرے اور اپنی حرکتوں پر نادم وپشیمان ہو کر حق تعالیٰ کے سامنے التجا اور گریہ وزاری کرے چنانچہ نص ہے ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْءَ بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْم بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْآ اِنَّ رَبَّکَ مِنْ م بَعْدِھَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (بے شک آپ کا پروردگار جن لوگوں نے نادانی سے گناہ کئے پھر اس کے بعد توبہ کی اور اپنی اصلاح کی بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار اس کے بعد (ان لوگوں پر) بڑا بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے) نہ اس کے لئے جو برابر گناہوں میں ترقی کر رہا ہو اور ایک دن بھی اپنی حرکتوں پر نادم نہ ہوا اور دن بدن سرکشی پر پہلے سے زیادہ کمر بستہ ہو کہ یہ تو پورا مقابلہ اور گستاخی ہے جس کی نسبت ارشاد ہے۔ کَلَّا بَلْ (سکتہ) رَانَ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (بلکہ ان کے دلوں پر زنگ لگ گیا جو کچھ انہوں نے کیا) مولانا اس گستاخی کی نسبت فرماتے ہیں ۔

از خدا جوئیم توفیق ادب — بے ادب محروم ماند از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خود راداشت بد — بلکہ آتش درہمہ آفاق زد
از ادب پرُ نور گشت است ایں فلک — اَز اَدب معصوم و پاک آمد ملک
ہر کہ گستاخی کند اندر طریق — باشد او درلجہ حیرت غریق

اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہم ادب کی توفیق طلب کرتے ہیں، بے ادب اللہ تعالیٰ کے فضل سے محروم رہتا ہے، بے ادب صرف اپنا ہی برا نہیں کرتا بلکہ تمام اطراف میں

آگ لگا دیتا ہے، ادب کا پرنور ہونا کہ ان میں سورج، چاند اور تمام ستارے نورانی موجود ہیں فرشتوں کا معصوم اور پاک ہونا ادب ہی کی وجہ سے ہے، جو شخص راہ سلوک میں گستاخی کرتا ہے حیرت کے گڑھے میں غریق رہتا ہے۔

تم نے غفور رحیم کو یاد کر کے ایسا سبق لیا جس سے تمام عالم میں آگ لگادی یہ تو تنبیہ ہے ان لوگوں کے لئے جو مغفرت و رحمت کے بھروسے گستاخیوں پر دلیر ہوتے ہیں آگے مولانا طریقہ بتلاتے ہیں اس کی مکافات کا کیونکہ دین میں ہر مَرض کی دوا ہے اس گستاخی کی بھی دَوا ہے وہ کیا ہے۔

ہرچہ برتو آید از ظلمات و غم　　آں زبیبا کی و گستاخی ست ہم

غم چو بینی زود استغفار کن　　غم بامر خالق آمد کارکن

جو کچھ ظلمات وغم ومصائب تجھ کو پیش آتے ہیں وہ بھی گستاخی اور بے باکی سے وارد ہوتے ہیں۔ اگر تم کو غم پیش آئے تو فوراً استغفار کرو، اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے غم کارکن ہو کر آیا ہے۔

اسکا علاج بھی وہی غفور رحیم ہے جس کو تم نے علت بنایا تھا اب اس کو حکمت بناؤ اور گناہوں سے رکنے کا ذریعہ بناؤ، اس گستاخی سے توبہ استغفار کرو اس حالت کے متعلق ارشاد ہے نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ کہ میرے بندوں کو خبر کر دو کہ میں غفور الرحیم ہوں یعنی اگر وہ اپنے گناہوں اور گستاخیوں سے ترساں ولرزاں ہو کر مجھ سے معافی چاہیں گے تو میں سب جرم و گناہ معاف کر دوں گا۔

صرف معافی ہی پر اکتفا نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد رحمت وعنایت بھی ہوگی کیونکہ میں غفور ہونے کے ساتھ رحیم بھی ہوں چنانچہ بعض بندوں پر تو ایسا انعام ہوگا کہ حدیث میں آتا ہے محشر میں حق تعالیٰ ایک بندے کو بلائیں گے اور پوچھیں گے بتلاؤ تم نے فلاں گناہ کیوں کیا تھا اور یہ خطا کیوں کی تھی وہ بندہ ڈرے گا کہ اب میں جہنم میں گیا کیونکہ حق تعالیٰ اس کے سامنے اوّل صغائر کو پیش فرمائیں گے وہ ڈرے گا کہ کبائر کا تو ابھی نام بھی نہیں آیا اگر کبائر کا ذکر آیا تو بس جہنم سے ورے میرا ٹھکانا نہیں وہ اسی شش وپنج میں ہوگا کہ حق تعالیٰ حکم فرمائیں گے کہ ہم نے اس کو بخشا اور ہر گناہ کے عوض اس کو نیکیاں دے دو اب یہ شخص خود اپنے گناہوں کو گننا شروع کرے گا کہ اے پروردگار میں نے اور بھی بہت سے گناہ کئے ہیں جن کا یہاں تذکرہ بھی نہیں آیا مجھے ان کے عوض بھی نیکیاں ملنا چاہئیں

چنانچہ اب گناہ گن گن کراُن کے برابراس کو حسنات ملیں گے مگر یہ تو خبر نہیں یہ کون شخص ہوگا اس لئے ناز نہ کرنا کہ ہم بھی اسی طرح چھوٹ جائیں گے۔

پیش یوسف نازش و خوبی مکن　　جز نیاز و آہ یعقوبی مکن

ناز را روئے بباید ہمچوورد　　چوں نہ داری گرد بدخوئی مگرد یوسف

یعنی کامل کے سامنے ناز وخوبی یعنی دعویٰ اظہار کمال مت کرو بجز آہ ونیاز یعقوبی کے مت کرو ناز کرنے کیلئے گلاب جیسے چہرہ کی ضرورت ہے جب تم ایسا چہرہ نہیں رکھتے بدخوبی کے پاس مت جاؤ بے جاناز سے ایک دیہاتی جل کر خاک سیاہ ہو چکا ہے اس نے ایک کابلی کو دیکھا تھا کہ وہ اپنے گھوڑے کو بڑے پیار ومحبت سے بیٹا بیٹا کہہ کر دانہ کھلا رہا ہے اور گھوڑا کبھی ادھر منہ مارتا ہے کبھی اُدھر اور وہ کابلی کہہ رہا ہے کہ بیٹا کھاؤ بیٹا کھاؤ اس شخص نے اپنے دل میں کہا کہ افسوس ہماری بیوی ہم کو ذرا نہیں چاہتی وہ تو بڑی بے پروائی سے میرے سامنے کھانا رکھ کر چل دیتی ہے مجھ سے تو یہ گھوڑا ہی اچھا ہے تو اب ہم بھی گھر جا کر گھوڑا بنیں گے چنانچہ گھر آ کر بیوی سے کہا کہ ہم تو آج گھوڑا بنیں گے اُس نے کہا میری طرف سے چاہے تم گدھے بن جاؤ۔ غرض آپ گھوڑا بنے اگاڑی پچھاڑی باندھی گئی اور دم کی جگہ ایک جھاڑو باندھی اور توبرے میں کھانا بھروایا اور بیوی سے کہا تم ہمارے پاس بیٹھو جب ہم اِدھر اُدھر منہ ماریں تو تم کہنا بیٹا کھاؤ بیٹا کھاؤ اس نے سب احکام کی تعمیل کی رات کا وقت تھا اور چراغ پیچھے رکھا ہوا تھا یہ گھوڑے صاحب جو اُچھلے کودے چراغ گر پڑا اور جھاڑو میں آگ لگ گئی اور رفتہ رفتہ اس کے کپڑوں میں لگی اور اس نے زیادہ کودنا شروع کیا مگر اگاڑی پچھاڑی بندھی ہونے سے یہ خود کچھ نہ کر سکا اور بیوی نے بھی نہ کھولا کیونکہ بے وقوف کی بیوی بھی بے وقوف تھی وہ دوڑی ہوئی دروازہ پر گئی اور محلّہ والوں کو پکارا ارے دوڑو میرا گھوڑا جل گیا محلّہ والوں کو اس کی حالت غربت وافلاس کی معلوم تھی سب جانتے تھے کہ اس کے یہاں گھوڑا کہاں اس لئے کسی نے بھی اس کی بات پر التفات نہ کیا سمجھے کہ مسخرا پن ہے اس عرصہ میں وہ گھوڑا جل کر مرنڈا ہو گیا تو بے جاناز کا یہ انجام ہے۔ پس ناز نہ کرو بلکہ گناہوں سے توبہ کرو تائبین پر اللہ کی بڑی رحمت ہے۔ (جمال الخلیل ج ۱۴)

رحمت کی صورت

اس رحمت کی یہ حالت ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے

رحمت کے 100 حصے کر کے ایک حصہ تو دنیا میں رکھا جس کا اثر یہ ہے کہ کافروں گناہگاروں کو بھی رزق پہنچتا ہے اور اُسی کا یہ اثر ہے کہ لوگ باہم ایک دوسرے سے محبت کرتے اور ماں بچوں پر اور جانور اپنی اولاد پر جان دیتے ہیں اور حشر میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس ایک حصہ کو ننانوے حصوں کے ساتھ ملا کر پورے 100 حصوں سے مومنین پر رحمت فرمائیں گے نیز حدیث میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا قصہ آیا ہے کہ اس نے ننانوے خون کئے تھے اس کے بعد اُس کو تنبیہ ہوا اور توبہ کی فکر ہوئی وہ ایک عالم کے پاس گیا اور استفتاء کیا کہ میں نے ننانوے قتل کئے ہیں میری توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ وہ زاہد خشک تھا ننانوے خون کا نام سنتے ہی بگڑ گیا اور کہا کہ تیرے لئے توبہ نہیں ہے، سائل کو اس کے جواب پر غصہ آ گیا اور تلوار سے اس کا بھی فیصلہ کیا کہ 100 میں کسر کیوں رکھی ننانوے کا پھیرا اچھا نہیں، لاؤ پورے سو ہی کر دوں اس کے بعد کسی دوسرے عالم کے پاس گیا اور اُس سے جا کر کہا کہ میں نے 100 خون کئے ہیں اور توبہ کرنا چاہتا ہوں میرے لئے توبہ ہے یا نہیں؟ اس عالم نے جواب دیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے اور توبہ کا دروازہ ابھی بند نہیں ہوا تمہاری توبہ قبول ہو سکتی ہے مگر ایک شرط ہے کہ تم اپنی بستی سے فلاں بستی کی طرف ہجرت کر جاؤ شاید اس کی بستی کے لوگ اچھے نہ ہوں گے اس لئے عالم نے صحبت اشرار کے ترک اور صحبت اخیار کے اختیار کرنے کا مشورہ دیا تا کہ توبہ قائم رہ سکے ورنہ بدوں کی صحبت میں رہ کر توبہ پھر ٹوٹ جاتی چونکہ یہ شخص طالب بن چکا تھا اس لئے اس شرط کو منظور کر لیا اور اپنی بستی سے دوسری بستی کی طرف ہجرت کر کے چلا، تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ موت کا فرشتہ سامنے آ گیا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

(افسوس چشم زدن ہی میں صحبت یار ختم ہو گئی، ہم گل کی سیر بھی کرتے نہ پائے تھے سبز موسم بہار ختم ہو گیا)

جب موت سر پر آ گئی تو چلنے کی ہمت کہاں بے چارہ لیٹ گیا اور نزع کی حالت شروع ہو گئی مگر اس نے اُس وقت بھی اپنا کام نہ چھوڑا نزع کی حالت میں بھی صلحاء کی بستی کی طرف گھسٹتا رہا اور اپنے سینہ کو اُدھر بڑھا دیا اب رحمت حق کو جوش آیا زمین کو حکم ہوا کہ اس شخص کی بستی دور ہو جائے اور صلحاء کی بستی قریب ہو جائے چنانچہ زمین کی طنابیں کھنچ گئیں اور صلحاء کی بستی ایک ہاتھ قریب اور اشرار کی بستی ایک ہاتھ دور ہو گئی۔ جب اس کی روح پرواز ہو گئی تو

ملائکہ رحمت و ملائکہ عذاب دونوں آئے اور باہم جھگڑنے لگے ملائکہ رحمت نے کہا کہ اس کی روح کو ہم لے جائیں گے کیونکہ یہ توبہ کرکے اللہ کے راستہ میں نکل چکا ہے وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْم بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْوَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی غرض سے نکلے پھر اس کی موت واقع ہو جائے تو اس کا اجر اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذمہ ہے) ملائکہ عذاب نے کہا کہ اس کی توبہ کی تکمیل کے لئے صلحاء کی بستی میں پہنچنا شرط تھا اور شرط نہیں پائی گئی اس لئے یہ جہنمی ہے اور اس کی روح کو ہم لیں گے، یہاں سے معلوم ہوا کہ ملائکہ بھی اجتہاد کرتے ہیں اور مسائل اجتہادیہ میں ان کے درمیان بھی اختلاف ونزاع ہوتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجذوبین بھی اجتہاد کرتے ہیں اور ان میں بھی اختلاف ہوسکتا ہے کیونکہ مجذوبین کی شان مثل ملائکہ کے ہے بہر حال حق تعالیٰ نے اس اختلاف کا یوں فیصلہ کیا کہ ایک فرشتہ کو بھیجا کہ ان دونوں جماعتوں سے کہہ دو کہ دونوں بستیوں کی مسافت کی پیمائش کریں اگر یہ صلحاء کی بستی سے قریب ہو تو جنتی ہے اور ملائکہ رحمت اس کو لے جائیں اور اگر اشرار کی بستی سے قریب ہے تو جہنمی ہے اور ملائکہ عذاب اس کو لے جائیں وہ اس کے مستحق ہیں زمین کی پیمائش کی گئی تو یہ شخص بقدر سینہ بڑھا دینے کے صلحاء کی بستی سے قریب تھا کیونکہ اس کا سامان تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے ہی کر دیا تھا بس ملائکہ رحمت اس کو لے گئے۔ سچ ہے۔

رحمتِ حق بہانہ می جوید　　رحمت حق بہانہ می جوید

(اللہ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے، رحمت حق قیمت طلب نہیں کرتی)

اے مسلمانو! حق تعالیٰ کی رحمت سے تو یہ امید ہے کہ جنت میں تو ان شاء اللہ پہنچ ہی جاؤ گے مگر پھر بھی اعمال سے بیفکری نہ کرو۔) (جمال الخلیل ج ۱۴)

خوف ورجاء

وان عذابی هو العذاب الالیم کہ یہ خبر بھی دیدیجئے کہ میرا عذاب بھی بہت سخت ہے یہ تکمیل ترغیب کے لئے بڑھایا گیا ہے کیونکہ ترغیب کی تکمیل ترہیب سے ہوتی ہے جیسا کہ ترہیب کی تکمیل ترغیب سے ہوتی ہے بدون ایک دوسرے کے ہر ایک ناقص ہے کیونکہ رجاء احتمال نفع ہے اور احتمال کا مفہوم خود مستلزم ہو رہا ہے دوسرے احتمال کو اسی طرح

خوف احتمال ضرر ہے اور اُسی طرح یہ بھی مستلزم ہو رہا ہے دوسرے احتمال کو پس کسی کا تحقق بدون دوسرے کے نہیں ہو سکتا، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ترغیب و ترہیب دوش بدوش چلتے ہیں پس خوف ورجاء ہی سے مل کر ایمان کامل ہوتا ہے اس لئے مومن کو خوف کے ساتھ رجاء اور رجاء کے ساتھ خوف کا ملانا ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر حشر میں یہ ندا ہو کہ جنت میں ایک ہی آدمی جائے گا لرجوت انی اکون ہو تو میں یہ سمجھوں گا کہ وہ ایک میں ہی ہوں اور اگر یہ ندا ہو کہ جہنم میں ایک ہی جائے گا لخفت انی اکون ہو تو میں ڈروں گا کہ شاید وہ ایک میں ہی نہ ہوں گویا رجاء وخوف دونوں کامل درجہ کے تھے، بس یہی حاصل ہے آیت کا کہ بندوں کو رغبت و رہبت دونوں جمع کرنا چاہئیں یہ تو مقصود تھا جو ختم ہو گیا۔

اب ایک بات زائد از مقصود اور رہ گئی جو تفسیر کے متعلق ہے بلکہ دو ایک طلبہ علم کے لئے ایک طلبۃ العمل کے لئے یعنی ذاکرین کے لئے کیونکہ یہ لوگ عمل کے طالب ہیں جو بات طلبۃ العمل کے لئے ہے وہ تو یہ ہے کہ اس آیت کے بعد دو قصے مذکور ہیں ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جس میں ان کے لئے بڑھاپے کی حالت میں بشارت ولد مذکور ہے دوسرا قصہ قوم لوط کا ہے جس میں ان پر نزولِ عذاب کا ذکر ہے تو ان قصوں کو اس آیت سے کیا ربط ہے میرے نزدیک ان دونوں قصوں میں نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ کی تائید ہے۔ پہلے جزو سے پہلے قصہ کو تعلق ہے اور دوسرے جزو سے دوسرے قصہ کو جس میں بتلایا گیا ہے کہ جب اعمال صالحہ پر ہماری رحمت اور اعمال سیئہ پر ہمارا عذاب دنیا میں بھی آجاتا ہے جو کہ دارالجزاء نہیں بلکہ دارالعمل ہے تو آخرت میں تو ان کا ظہور کیوں نہ ہوگا جو کہ دارالجزا ہے اگر حق تعالیٰ آخرت میں کسی کو عذاب نہ فرماتے تو دنیا میں بدرجہ اولیٰ کسی پر بھی عذاب نہ آتا کیونکہ یہ دارالجزاء نہیں جب یہاں بھی بعض دفعہ بوجہ اعمال سیئہ کے عذاب آتا ہے تو سمجھ لو کہ آخرت میں تو اس کا ظہور ضرور ہی ہوگا پس رحمت کی وسعت و سبقت کو سُن کر عذاب سے بے فکر ہرگز نہ ہونا اور عذاب کی شدت سن کر رحمت سے بھی مایوس نہ ہونا کیونکہ حق تعالیٰ دنیا میں بھی بعض دفعہ ایسی حالت میں رحمت فرماتے ہیں جب کہ اسباب ظاہرہ سے اس کی اُمید کچھ نہیں رہتی جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حالت اُمید اولاد سے بعید ہو گئی تھی اسی طرح قوم لوط کی ظاہری حالت عیش و عشرت نے ان کو احتمال عذاب سے بے فکر کر دیا تھا (سبحان اللہ کیا خوب ربط ہے فللّٰہ درہ ۱۲ ظ)

دوسرا نکتہ طلبۃ العلم کے لئے یہ ہے کہ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ میں حق تعالیٰ نے طرز عنوان کو بدل دیا ہے کہ انی انا المعذب العظیم نہیں فرمایا یعنی صفت تعذیب کو اپنی طرف منسوب نہیں فرمایا جیسا کہ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ میں مغفرت ورحمت کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے، میرے نزدیک اس میں سبقت رحمتی علی غضبی (میری رحمت میرے غصہ پر غالب آگئی) کا مضمون مخفی ہے جو حدیث میں تو ظاہر ہے مگر قرآن میں مخفی ہے جیسا عنقریب اُس کی تقریر آتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ باطن بھی ہیں ان کے کلام میں صفت باطن کی بھی رعایت ہے جیسا کہ پہلی آیت میں اسی صفت رحمت پر دلالت کرنے میں ظاہر کی رعایت ہے۔ اسی لئے قرآن مجید سے اہل ظاہر وباطن سب کو حظ آتا ہے گو اہل باطن کو زیادہ حظ آتا ہے اسی کو کسی نے یوں کہا ہے۔

بہار عالم حُسنش دل و جاں تازہ می دارد برنگ اصحاب صورت رابوار باب معنی را

(جمال الخلیل ج ۱۴)

جھوٹ کی عادت

اکثر باتیں جو زبان سے نکلتی ہیں بری ہیں، صبح سے شام تک اس میں بڑا مشغلہ ہے، ایک بڑی مہلک چیز جھوٹ ہے بعض جھوٹ بولنے پر اپنے آپ کو مضطر و مجبور سمجھتے ہیں لیکن جب انہیں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارا حاکم جھوٹ سے بہت ناخوش ہوتا ہے اور یہ امر اس سے چھپا نہیں رہے گا تو اس کی رضا مندی کے واسطے چار پیسے کا نقصان کرتے ہیں اور باز رہتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا مندی کا اتنا بھی خیال نہیں، بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت ہمارے دل میں سچی نہیں ہے، جب دیکھا کہ دنیا کا کوئی نقصان نہیں ہوتا تو دین کا کام کرلیا، جہاں چار پیسے کا نقصان ہوا فوراً چھوڑ بیٹھے کیا یہ دینداری ہے حالانکہ اصلی ضرورت کا شریعت نے خود لحاظ فرمایا ہے اور بعض موقعوں پر جھوٹ بولنے کی اجازت دیدی ہے۔ مثلاً دو شخصوں میں رنجش ہے ان کی صلح کرانے کی غرض سے اگر کوئی جھوٹی باتیں کرے تو جائز بلکہ ثواب ہے۔ ایک سے کہہ دے کہ وہ تمہارے ملنے کے بہت مشتاق ہیں، ہر وقت آپ کی تعریف کرتے رہتے ہیں، اسی طرح دوسرے سے کہے کہ جب سے آپ سے مفارقت ہوئی ہے ان کو نہایت ہی بے چینی ہے اسی طرح بی بی کی رضا مندی کے لئے شارعؑ نے جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے، سچی اشتہا میں طبیب کھانے کی اجازت دیتے

ہیں اور کاذب میں منع کرتے ہیں، بڑے افسوس کی بات ہے کہ طبیب کے منع کرنے سے خوش ہوں اور طبیب مطلق نے جہاں ممانعت فرمائی ہے اس سے ناراضی ہو جب ماں سے یہ نہیں ہوسکتا کہ تمہارے نفع کی چیز ضرورت کے وقت تم کو نہ دے تو اللہ سبحانہ تعالیٰ تو ماں سے بدر جہا زیادہ شفیق ہیں تمہارے نفع کی چیزوں سے تم کو کیوں روکتے، اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقعوں پر شریعت نے اجازت فرمائی ہے مگر ضرورت وہی ہے جس کو شریعت نے ضرورت سمجھا اس میں تمہارے خیال کا اعتبار نہیں ہے جہاں ممانعت فرمائی ہے وہ موقع نفع کا نہیں ہے، اپنے آپ کو مضطر و مجبور سمجھنا عین حماقت ہے، افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں میں علماء سے پوچھنے کی عادت جاتی رہی، ورنہ یہ نوبت نہ آتی۔ (اشرف المواعظ ج ۱۴)

جھوٹ کی اقسام

انسان جب کثرت سے جھوٹ بولتا ہے تو ایک روز اللہ کے یہاں جھوٹوں کے دفتر میں اس کا نام دَرج کرلیا جاتا ہے، جیسے اقوال میں جھوٹ ہوتا ہے اسی طرح افعال میں بھی ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص لوگوں کے دکھلانے کو خیرات کرے اور ثواب کی نیت نہ ہو تو وہ فعلاً جھوٹا ہے جھوٹ میں جس قدر خداع وفریب زیادہ ہوگا اس کا گناہ بھی زیادہ ہوگا۔ جھوٹ تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جس میں کسی کی حق تلفی نہ ہو بلکہ اصلاح ہو یہ جائز ہے دوسری وہ کہ دوسروں کو ضرر پہنچے یہ حرام ہے، تیسری وہ جس میں نہ کوئی ضرر ہو نہ نفع یہ لغو ہے، اس کو بھی چھوڑنا چاہئے کیونکہ اس سے دل سیاہ ہوجاتا ہے۔ (اشرف المواعظ ج ۱۴)

غیبت کی کدورت:

زبان کا ایک گناہ غیبت ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کے پیچھے ایسی بات کہی جائے جس سے اس کی توہین ہو، خواہ وہ برائی اس کی ذات کے متعلق ہو یا اس کی کسی چیز کا عیب ہو، مکان یا گھوڑے یا کپڑے کی مذمت بھی غیبت میں داخل ہے لیکن افسوس ہے کہ اس میں ہم کو ذرا بھی احتیاط نہیں، کوئی وقت ایسا نہیں جسمیں دو چار لوگوں کی غیبتیں نہ کرتے یا نہ سنتے ہوں، ہم لوگوں کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو پھانسی کا حکم ہوگیا ہو، اور ایک اس کے پڑوسی کا مقدمہ دیوانی میں پیش ہو تو اس کے اوپر افسوس کرے اور اپنی مصیبت کو بھول جائے یہ نہ

خیال کرے کہ میں تو کل کو لٹکتا ہوں گا اس کی کیا فکر کروں، دوسروں کے ذرا ذرا سے عیبوں پر نظر ہے اور مجمعوں میں بیان کئے جاتے ہیں اور اس سے بڑے بڑے عیبوں میں خود مبتلا ہیں ان کا کچھ ذکر نہیں اگر اپنے عیبوں کا ذکر تو کیا خیال بھی ہوتا تو کبھی اصلاح کی بھی فکر ہو جاتی مگر اپنے آپ کو تو ہر شخص نے بالکل بے گناہ سمجھ لیا ہے، غیبت سننے سے جب منع کیا جاتا ہے تو بعض شخص یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ صاحب اگر ہم کسی کی بات نہ سنیں تو اپنے دل میں وہ برا مانے، لیکن اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اوپر سے کسی پر پیشاب کر دے اور وہ اس خیال سے کہ اگر میں ہٹوں گا تو یہ بُرا مانیں گے اور پڑا ہوا پیشاب کراتا رہے لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اس طرح سے کوئی اپنے آپ اوپر پیشاب کرانے سے کبھی راضی نہ ہوگا، پھر غیبت تو اس سے بھی زیادہ ناپاک و نجس ہے، پیشاب سے اگر کپڑا ناپاک ہوتا ہے تو اس سے دل ناپاک و نجس ہو جاتا ہے۔ (اشرف المواعظ ج ۱۴)

بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب کوئی تم سے پوچھے کہ تم کو اللہ سے محبت ہے یا نہیں تو سکوت کرو کچھ جواب نہ دو کیونکہ انکار تو کفر ہے اس لئے کہ اس میں تکذیب ہے حق تعالیٰ کے قول وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کی اور اقرار دعویٰ ہے اور دعوے پر کبھی پکڑ ہو جاتی ہے اور امتحان ہونے لگتا ہے گو تحدث بالنعمۃ کے طور پر محبت ظاہر کرنا دعویٰ نہیں مگر بعض دفعہ تحدث بالنعمۃ اور دعویٰ کی صورت ایک ہو جاتی ہے لہجہ کے ذرا سے فرق سے بات بدل جاتی ہے اور تحدث نعمت دعویٰ بن جاتا ہے اور دعویٰ اس طریق میں بہت سخت چیز ہے حضرت سمنون محبؒ رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ غلبہ حال میں ان کے منہ سے یہ نکل گیا۔

فلیس لی فی سواک حظ   فکیف ماشئت فاختبرنی

(میرے لئے آپ کے سوا کسی شئے میں لذت نہیں پس آپ ہمارے دعویٰ میں جس طرح چاہیں امتحان کر سکتے ہیں) (المعرق والرحیق للحرق والغریق ج ۱۴)

سلوک کا تقاضا

سالکین کو چاہئے کہ ہر حالت میں راضی رہیں اور زبان کو بند رکھیں نہ اپنے کو صاحب محبت کہیں نہ خالی اور محروم کہیں میں نے بتلا دیا کہ طالب محروم نہیں ہوا کرتا دیکھو کہیں خالی کہنے پہ وہ واقعی خالی ہی نہ کر دیں اور بالفرض اگر تم کو محبت ہی نہ ہو جب بھی خاموش ہی رہو جب محبت

تقسیم ہوگی تو تم کو بھی مل جائے گی کیونکہ چپکے کھڑے رہنے والے پر بھی رحم آ جاتا ہے دیکھو جب مٹھائی تقسیم ہوتی ہے تو بعضے بچے اچھلتے کودتے اور چلاتے ہیں کہ ہمیں بھی دو اور بعضے بیچارے چپکے کھڑے رہتے ہیں تو ان پر بھی تقسیم کرنے والوں کو رحم آیا کرتا ہے کہ یہ بچہ بے چارہ کچھ نہیں بولتا خاموش کھڑا ہے اس کو ضرور دینا چاہئے تو اس کو خاموشی کی وجہ سے اوروں سے پہلے حصہ مل جاتا ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض تم میں محبت نہ بھی ہو جب بھی دعویٰ یا نفی سے چلاؤ نہیں صورت سوال بن کر چپکے بیٹھے رہو ان شاء اللہ تم پر رحم کر کے ایک دن محبت عطا کردی جائے گی، صاحبو! یہ الوان محبت ہیں کسی میں التہاب و اضطراب ہے اور یہ بھی انہی کا رنگ ہے اور کسی میں جمود و خمود ہے یہ بھی انہی کا رنگ ہے (المعرق والرحیق للمحرق والغریق ج ۱۴)

اسوہ نبوی متعلق دنیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار عصر کی نماز کے لئے مصلے پر تشریف رکھتے تھے اچانک مکان تشریف لے گئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعجب ہوا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھے اس وقت یاد آیا کہ کہیں سے کچھ دینار آئے تھے اور وہ گھر میں ہی رکھے ہیں اور رات آنے کے قریب ہے اور نبی کے گھر میں رات کو مال رہنا نہایت غیر مناسب ہے اس لئے میں نے خرچ کر دیے، خیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بڑی شان تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامانِ غلام ایسے ہوئے ہیں کہ انہوں نے سلطنتوں کی بھی پرواہ نہیں کی۔

حضرت شجاع کرمانیؒ کا قصہ ہے کہ یہ سلطنت چھوڑ کر درویش بن گئے تھے آپ کی ایک صاحبزادی تھیں اُن کی لطافت مزاج وغیرہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں بس یہی کافی ہے کہ بادشاہ کی بیٹی تھیں جب سیانی ہوئیں تو آپ کو خیال ہوا کہ ان کا عقد کر دیا جاوے، آپ کے پاس بہت لوگوں کے پیام آتے تھے اور پیام بھی معمولی لوگوں کے نہیں بلکہ بادشاہوں کے پیام آتے تھے، وجہ یہ ہے کہ بادشاہ اگرچہ فقیر ہو جائے مگر اس کا مرتبہ تھوڑا ہی گھٹتا ہے لوگ اُسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں چنانچہ جو شخص پہلے امیر کبیر ہو اور پھر غریب ہو جاوے تو لوگ کہا کرتے ہیں کہ غریب ہو گیا تو کیا مگر حوصلہ اور دماغ تو وہی ہے بخلاف اس شخص کے جو پہلے غریب ہو اور پھر امیر ہو جاوے تو اس کی وقعت لوگوں کے دلوں میں زیادہ نہیں ہوتی گو بظاہر اس کی دل شکنی کی وجہ سے اس کے منہ پر اس کی حقارت نہ کریں مگر دلوں میں ہرگز وقعت

نہیں ہوتی کیونکہ غریب کو حوصلہ نہیں ہوتا اگر چہ کتنا ہی بڑا امیر ہو جاوے مگر رہے گا دبا ہی ہوا۔ غرض کہ جب کسی بادشاہ کی طرف سے پیام آتا تو آپ انکار فرما دیتے اس انکار پر لوگ اپنے دلوں میں جانے کیا خیال کرتے ہوں گے کہ دیکھئے کس بادشاہ پر ان کی نظر ہے حالانکہ بات یہ ہے ۔

درنیا ید حال پختہ ہیچ خام   پس سخن کوتاہ باید والسلام

(جب خام پختہ حال کو نہیں سمجھ سکتا تو تطویل کلام سے کیا فائدہ سلامتی اسی میں ہے کہ اس فضا میں سکوت کیا جائے)

لوگوں کو کیا خبر کہ کیوں انکار فرما دیتے ہیں ایک مرتبہ آپ نے مسجد میں دیکھا کہ غریب آدمی نماز میں مشغول ہے اور نماز کا حق جیسا کہ اس کا حق ہے ادا کر رہا تھا اس کے چہرہ سے وقار و مسکنت معلوم ہوتی تھی بس اس کی نماز کو دیکھ کر عاشق ہو گئے اور اسی وقت قصد کر لیا کہ لڑکی کا نکاح اس کے ساتھ کروں گا اس سے بڑھ کر کون ہو گا اس کے اور کسی حال کی تفتیش نہیں کی کہ یہ کون ہے کتنا اس کے پاس ساز و سامان ہے جب وہ نماز پڑھ چکے تو ان سے کہا کہ مجھ کو تم سے کچھ کہنا ہے، چنانچہ آپ نے پوچھا کہ تمہاری شادی ہو گئی ہے یا نہیں اس نے جواب دیا کہ مجھے لڑکی کون دیتا ہے میں کہاں اس قابل ہوں بالکل غریب و مفلس ہوں، ایسوں کو کون پوچھتا ہے اور اس نے شاہ شجاع کو پہچانا نہیں کہ یہ وہ تارک السلطنت بادشاہ ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی راضی ہو جاوے تو منظور بھی کر لو گے اس نے کہا کہ ہم جیسوں کو کون پوچھتا ہے آپ نے فرمایا کہ اگر شاہ شجاع کرمانیؒ اپنی لڑکی دے دے تو لے لو گے وہ گھبرا کر کہنے لگا کہ خدا کے واسطے میرے جوتیاں نہ لگوانا بھلا کہاں میں اور کہاں شاہ شجاع کرمانیؒ اور ان کی بیٹی، مجھ سے کیوں تمسخر کرتے ہو، قرآن مجید میں ہے لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ الخ (مردوں کو مردوں پر نہ ہنسنا چاہئے) آپ مجھ کو ذلیل کرتے ہیں اور مجھ کو بناتے ہیں جاؤ اپنا کام کرو آپ نے فرمایا واللہ میں بناتا نہیں اس پر کہنے لگا کہ اگر ایسا ہو تو میں اُن کا تبرک سمجھوں گا آپ نے فرمایا کہ میں ہی شاہ شجاع ہوں میں خوشی سے اپنی لڑکی تمہیں دوں گا اتنا توقف کرو کہ میں لڑکی سے پوچھ لوں چنانچہ آپ گئے اور لڑکی سے اس کے زہد و تقویٰ کا حال بیان کیا دلیل یہ بیان کی کہ نماز اچھی پڑھتا ہے یہ کچھ بھی نہیں فرمایا کہ دنیا کا مال و متاع بھی کچھ ہے یا نہیں غور کیجئے کہ دلیل کیا اچھی بیان فرما رہے ہیں کہ نماز اچھی

بڑھتا ہے اور چونکہ یہ تجربہ ہے کہ صحبت کا اثر بہ نسبت لڑکوں کے لڑکیوں پر زیادہ ہوتا ہے اُن کا قلب اثر صحبت کے لئے لڑکوں سے زیادہ صالح ہوتا ہے اور اسی لئے اس لڑکی پر بھی باپ کی صحبت کا اثر خوب پڑا ہوا تھا وہ بھی کامل ہوگئی تھیں ان پر اس دلیل کا کافی اثر ہوا بولیں کہ مجھ کو منظور ہے مگر ایک شرط سے کہ اس شخص میں حُبِّ دنیا نہ ہو اور آگے آپ کو اختیار ہے کہ غرض نکاح کر دیا اور اس کے گھر پہنچا دیا اور نصیحت کر دی کہ خاوند کی اطاعت کرنا۔

اب اُن صاحبزادی کا حال سنئے کہ صاحبزادی نے گھر کے دروازہ میں قدم رکھا تو دیکھا کہ ایک سوکھی ہوئی روٹی گھڑے پر ڈھکی ہوئی رکھی ہے یہ دیکھتے ہی فوراً الٹے پاؤں لوٹ پڑیں اور کہا ابا جان نے مجھ کو کہاں دھکا دے دیا اس شخص نے کہا کہ میں تو پہلے ہی سمجھے ہوئے تھا کہ بادشاہ کی بیٹی مجھ کو خاطر میں نہ لائیں گی، صاحبزادی نے کہا اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ کہ بعض گمان گناہ ہوتا ہے تم نے یہ خیال کیا ہوگا کہ میں تمہاری غریبی کو دیکھ کر واپس ہوئی ہوں سو یہ بات نہیں میں تو اس لئے لوٹی ہوں کہ والد نے کہا تھا کہ زاہد متوکل شخص ہے سو اگر تم کو خدا پر توکل ہوتا تو اس روٹی کے رکھنے کو کیوں پسند کرتے اُس نے کہا کہ میرا روزہ تھا میں نے اس خیال سے یہ روٹی رکھ لی تھی کہ اس سے روزہ افطار کروں گا، لڑکی نے جواب دیا کہ تو نے جس کا روزہ رکھا ہے تو اس کا مہمان ہے اور مہمان کی خبر گیری میزبان کے ذمہ ہے پھر کیوں اس کو رکھ چھوڑا ہے اس شخص نے فوراً اس روٹی کو خیرات کر دیا تب وہ گھر میں داخل ہوئیں، سو ایسے لوگ بے شک حرص سے بری ہیں (انوارالسراج ۴)

آئینہ چینی شکست

بعضے بزرگوں کو تو دنیا کے جاتے رہنے کی خوشی ہوتی ہے۔ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں بطور ہدیہ کے ایک آئینہ بیش قیمت آیا تھا آپ کبھی کبھی خادم سے منگا کر اس میں منہ دیکھا کرتے تھے، اتفاقاً ایک دفعہ خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اس کو بڑی فکر ہوئی بزرگوں کے پاس رہنے والے ہوتے ہیں مزاج شناس خادم نے عذر کرنے کا ارادہ کیا اور عذر کا مضمون ایک مصرع میں موزوں کر کے عرض کیا۔

از قضا آئینہ چینی شکست (قضا سے چین کا آئینہ ٹوٹ گیا)

حضرت نے فی البدیہہ فرمایا۔ خوب شد اسباب خود بینی شکست

(بہت اچھا کہ خود بینی کے اسباب ختم ہو گئے)

خود بینی کیا ہی اچھا موزوں لفظ ہے بزرگوں کا اصل مذاق تو یہ ہے کیونکہ وہ مال کی حقیقت کو پہچانتے ہیں باقی اکثر لوگوں کی وہی حالت ہے کہ اگر ان کے پاس سونے کے دو جنگل ہوں تو تیسرے کے طالب ہوں گے، یہ حال انسان کی حرص کا اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے پیٹ کو قبر کی مٹی ہی بھرے گی اسی کی نسبت شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں ۔

گفت چشم دنیا دار را یا قناعت پرکندیا خاک گور

(کہا کہ دنیادار حریص کا پیٹ یا تو قناعت سے بھر سکتا ہے یا قبر کی مٹی سے)

اور حضرت مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

کوزہ چشم حریصاں پر نشد تاصدف قانع نہ شد پر دُر نہ شد

(لالچی کی آنکھ کا کوزہ اس وقت تک نہیں بھر سکتا جب تک کہ سیپ کے اندر کا موتی نہ پڑ گیا ہو)

(انوار السراج ۴)

تلقین صبر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کا انتقال ہوا تو مجھ کو ایسا صبر کسی بات سے نہیں ہوا جیسا کہ ایک بدوی کے کلام سے ہوا وہ یہ ہے۔

فَاصْبِرْ نَكُنْ بِکَ صَابِرِيْنَ فَاِنَّمَا صَبْرُ الرَّاعِيَّة بَعْدَ صَبْرَ الرَّاسِ

خَيْرُ الْعَبَّاسِ اَجرَکَ بَعْدَهٗ وَاللّٰهُ خَيْرَ مِنْکَ لِلْعَبَّاسِ

مطلب اس کا یہ تھا کہ صبر کا ثواب تو جو کہ تم کو ملا عباس رضی اللہ عنہ سے اچھا اور اللہ عباس رضی اللہ عنہ کے لئے تم سے اچھا پھر اس واقعہ میں نقصان کس کا ہوا............؟ بس یہی تو ہوا کہ اللہ کے پاس پہنچ گئے تو وہ تمہارے مرغوب تھے تو اور زیادہ مرغوب حالت میں ہو گئے کہ وہ باقی رہنے والی ہو گی ان حقائق پر نظر کر کے کسی کے مرنے پر زیادہ غم نہ ہونا چاہئے بلکہ اس کی بقاء پر نظر کر کے خود اپنے میں وہ قابلیت پیدا کرنی چاہئے کہ جس سے اللہ میاں کے پاس جانے کے اور بقا محمود کے ساتھ باقی رہنے کے قابل ہو جائے ۔(انوار السراج ۴)

غرض کسی نے ترک طاعت کیا یا ارتکاب معصیت تو صرف نفسانی خواہش سے اس

کے اندر سبھی کچھ آ گیا ہر چیز میں خیال رکھے کہ نفس کی خواہش ہے یا نہیں، جب اس پر کوئی محافظت کرے گا تو ممکن نہیں کہ اس سے معصیت ہو سکے، تھوڑے دنوں عادت ڈالنے سے اس کا نفع معلوم ہو سکتا ہے، ہر کام کو کرتے وقت سوچ لیا کیجئے کہ اس میں نفس کو لذت آتی ہے یا نہیں اگر لذت آتی ہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ ضرور ایک فرد معصیت کا ہے پھر اس لذت سے مغلوب نہ ہو جائیے اور اس کی مضرت کو پیش نظر رکھئے اکثر گناہوں میں سب جانتے ہیں کہ مضرتیں ہیں مگر پھر خواہش نفسانی سے مغلوب ہو کر اس کو کرتے ہیں مثلاً غیبت کرنے والا جانتا ہے کہ اگر اس شخص کو خبر پہنچ گئی تو مجھ سے لڑائی ضرور ہو گی اور بہت سے نقصان پہنچیں گے، نفع تو کوئی بھی مرتب نہ ہو گا مگر پھر کرتا ہے اور کرنے سے طبیعت کو سکون ہوتا ہے، جیسے کسی سے بدلہ لے لیا، یہ خواہش نفسانی ہی ہے جس کے سامنے مضرت کا خوف بھی مغلوب ہو جاتا ہے، ایسے بھی پرہیز گار ہیں کہ خود غیبت نہیں کرتے مگر سننے میں مزہ آتا ہے، بہت کیا تو جب کسی نے غیبت کی رفع الزام کے لئے کہہ دیا میاں جانے دو اور پھر رغبت کے ساتھ سُن رہے ہیں دل میں سمجھ رہے ہیں کہ میں غیبت سے محفوظ ہوں بہت احتیاط کرتا ہوں دوسرے کو بھی منع کر دیتا ہوں (قانونی برتاؤ اللہ میاں سے) جناب اللہ میاں کو دل کی بھی خبر ہے۔

کارہا اور است باید داشتن　　　　رایت اخلاص و صدق افراشتن

(اس خدا کے ساتھ معاملہ درست کرنا چاہئے اور اخلاص اور صدق کا علم بلند رکھنا چاہئے)

(طلب الجنہ ج۱۴)

حب دنیا

صاحبو! بزرگوں نے تو مباحات میں بھی ایسے کام کو برا سمجھا ہے جس کی کوئی غرض نہ ہو پھر بلا وجہ غیبت تو کیوں نہ بری ہو گی، حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی خدمت میں چند بزرگ حاضر ہوئے اور ان کے پاس بیٹھ کر دنیا کی مذمت کرنے لگے آپ نے فرمایا **قوموا عنی فانکم تحبون الدنیا** میرے پاس سے اٹھ جاؤ کیونکہ تم کو دنیا سے محبت ہے ان حضرات کو بڑی حیرت ہوئی کہ ہم تو دنیا کی مذمت کر رہے ہیں ہم محبّ دنیا کیونکر ہو گئے فرمایا **من احب شیئا اکثر ذکرہ** جس کو کسی شے سے محبت ہوتی ہے وہ اس کا ذکر بہت کرتا ہے اگر تم کو دنیا سے محبت نہ ہوتی تو اتنی دیر تک تم بلا وجہ اس کے ذکر میں مشغول نہ رہتے بلکہ

محبوب حقیقی کو یاد کرتے جس بات پر حضرت رابعہ کی نظر پہنچی ہے وہ گہری بات ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ کسی شئے کی مذمت سے کبھی تو یہ غرض ہوتی ہے کہ مخاطبین میں سے کسی کو اس سے بچانا منظور ہے۔ مثلاً ایک شخص مریض ہے اس کے سامنے کسی شے کی مضرت کا ذکر کیا جائے یہ مذمت تو بلا وجہ نہیں اور کبھی مذمت اس غرض سے ہوتی ہے کہ اس شخص کی نظر میں اس کی وقعت ہے تو یہ اس کی مذمت کر کے اپنا کمال ظاہر کرنا چاہتا ہے مثلاً کوئی یہ نہ کہے گا کہ مجھے راستہ میں ایک پیسہ پڑا ہوا ملا تھا مگر میں نے نہ اٹھایا ہاں یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں رئیس نے ہم کو پانچ ہزار روپے دینا چاہے تھے مگر ہم نے توجہ بھی نہ کی تو پیسہ کے متعلق عدم التفات کا ذکر نہ کرنا اور اتنی بڑی رقم کے متعلق ذکر کرنا اس کی دلیل ہے۔ کہ اس شخص کے دل میں پانچ ہزار روپے کی وقعت ہے اس لئے ان سے بے پروائی ظاہر کر کے یہ اپنا کمال ثابت کرنا چاہتا ہے اسی طرح یہ کبھی نہ کہا جائے گا کہ ہم کو ایک چمار راستہ میں ملا تھا ہم نے اس کو سلام نہ کیا اور یہ کہا جاتا ہے کہ ایک حاکم ہم کو ملا تھا ہم نے اس کو سلام بھی نہیں کیا اس میں خود اقرار ہے کہ اس کے دل میں حاکم کی وقعت ہے اب سمجھئے کہ جن بزرگوں نے حضرت رابعہ کے سامنے دنیا کی مذمت کی تھی ان کے اندر طالب دنیا کوئی نہ تھا سب تارکِ دنیا تھے تو ان کی مذمت قسم اول میں تو داخل تھی نہیں کیونکہ مخاطبین میں مریض کوئی نہ تھا بس قسم دوم میں داخل تھی کہ مذمت دنیا کر کے ان کو اپنا زہد ظاہر کرنا مقصود تھا اور اس سے خود دنیا کی وقعت کرنا ہے اگر دل میں اس کی وقعت نہ ہوتی تو اس سے بے رغبتی ظاہر کرنے کا خیال ہی نہ ہوتا، جیسا کہ ایک پیسہ سے بے رغبتی کو کوئی بھی ظاہر نہیں کرتا اس لئے حضرت رابعہ نے فرمایا کہ میرے پاس سے اُٹھ جاؤ کیونکہ تم کو دنیا سے محبت ہے یعنی اس کی وقعت کسی قدر تمہارے دل میں باقی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام نے جو بعض دفعہ دنیا کی مذمت فرمائی ہے وہ بضرورت تھی یعنی وہ قسم اول میں داخل تھی کہ مخاطبین میں بعضے مریض تھے ان کی اصلاح مقصود تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب صرف صحابہ رضی اللہ عنہم ہی نہ تھے بلکہ ساری اُمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخاطب تھی۔

بہرحال بزرگوں نے تو مباحات کو بھی جبکہ ان میں کوئی غرض صحیح نہ ہو برا سمجھا ہے اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ

(الکامل لابن عدی ۳: ۹۰۷، مسند أحمد ۱: ۲۰، کنز العمال: ۳: ۸۲۹۱.)
(انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی کو چھوڑ دے) اور حق تعالیٰ نے اس کو لغو سے تعبیر فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ اور وہ لوگ فضول (کاموں اور باتوں سے اعراض کرتے ہیں) ظاہر میں اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ مالا یعنی اور لغو جب مباح ہیں تو پھر ان سے اعراض کرنے اور ان کے ترک کرنے کی کیا ضرورت ہے مگر اس میں راز یہ ہے کہ بعض کام فی نفسہ مباح ہوتے ہیں مگر ان میں بلاضرورت مشغولی مفضی الی الشر ہو جاتی ہے اور بضرورت میں یہ احتمال نہیں کیونکہ وہ بقدر ضرورت ہوگی ۱۲) اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور یہ مضمون دو تین روز ہی سے بالہام احق میں سمجھ میں آیا ہے اور میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص اپنے فضول کاموں میں غور کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ لغو اور فضول کاموں سے ضرور بطور افضاء کے گناہ تک وصول ہو گیا ہے مثلاً مجھے خود یہ واقعہ پیش آتا ہے کہ بعض دفعہ کوئی شخص آ کر بلاضرورت پوچھتا ہے کہ آپ فلاں جگہ کب جائیں گے اس سوال سے مجھ پر گرانی ہوتی ہے اور مسلمان کے قلب پر گرانی ڈالنا خود معصیت ہے گو وہ خفیف ہی ہو گناہ کبیرہ نہ ہو صغیرہ ہی ہو مگر صغائر کو ہلکا نہ سمجھو کیونکہ چھپر میں جیسے بہت سی آگ نہیں لگائی جاتی چنگاری بھی نہیں ڈالی جاتی، عقلاء تو دیا سلائی کو بھی استعمال کر کے ویسے ہی نہیں ڈالتے بلکہ بجھا کر پھینکتے ہیں گو آس پاس چھپر بھی نہ ہو کیونکہ دیا سلائی پھینکنے سے بعض واقعات سخت ہو گئے ہیں اس لئے گرانی مخاطب کو ہلکا نہ سمجھو میں اپنا حال عرض کرتا ہوں کہ واقعی مجھے اس سوال سے گرانی ہوتی ہے اگر سوال کرنے والا مخلص بھی ہو جب بھی مجھے گرانی ہوتی ہے کہ اس کو ہمارے ذاتی افعال کی تفتیش کا کیا حق ہے یہ ہمارا اتالیق ہے یا مصلح ہے کون ہے؟ ہاں اگر اس سوال کے ساتھ سوال کی مصلحت بھی بتلا دی جائے مثلاً یہ بھی کہہ دیا جائے کہ میں بھی ساتھ چلنے کا ارادہ کر رہا ہوں اس لئے پوچھتا ہوں یا اور کچھ مصلحت بیان کر دی جائے تو پھر انشراح ہو جاتا ہے کیونکہ اب یہ سوال لغو نہیں رہا اس کی صحیح غرض نکل آئی، میں پھر بقسم کہتا ہوں کہ کوئی لغو اور فضول کام ایسا نہیں ہے جس کی سرحد معصیت سے نہ ملی ہو مجھے تو اس میں شرح صدر ہے اور تفتیش کر کے دیکھو تو آپ کو بھی علم ہو جائے گا ورنہ بدوں تفتیش کے تو زہر کی بھی مضرت کا علم نہیں ہو سکتا ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ

میں نے تو ہزاروں کو سکھلایا ہے اس سے کیا ہوا اس کو یہ بھی تو تفتیش کرنا چاہئے کہ ان لوگوں کا حال کیا ہوا اسی طرح آپ کی لغو اور فضول حرکتوں سے مثلاً اگر ایک دو کو ایذا نہ ہوئی ہو تو اس سے آپ بے فکر کیوں ہو گئے اچھی طرح تفتیش کیجئے تو معلوم ہوگا کہ بہت سے قلوب کو اس حرکت سے ایذا پہنچی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لغو اور فضول ابتداءً تو مباح ہے مگر انتہاءً معصیت ہے، اس میں اباحت و معصیت دونوں ملے ہوئے ہیں، فقہاء حکماء امت ہیں وہ اس کو سمجھتے ہیں کہ ایک فعل میں مختلف حیثیات ہو سکتی ہیں اور ایک شے کی حقیقت امور متضادہ سے مرکب ہو سکتی ہے۔ (المؤدۃ الرحمانیہ ج ۱۴)

ریا مع اللہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ریاء کرنے کی کیا صورت ہے۔ سنئے مثلاً ایک شخص مختصر نماز پڑھ رہا تھا پھر اس وقت اس کا کوئی معتقد آ گیا تو اس نے نماز لمبی کر دی۔ یہ تو کھلی ریاء ہے جو ریاء مع الخالق ہے۔ پھر اس نے خلوت میں نماز پڑھی تو اب بھی نماز کو لمبی کرتا ہے اس خیال سے کہ مخلوق کے سامنے تو پھر بھی طویل ہی نماز پڑھنا ضروری ہے۔ سو کبھی حق تعالیٰ یوں نہ کہیں کہ مخلوق کے سامنے تو لمبی نماز پڑھتا ہے اور میرے سامنے مختصر پڑھتا ہے تو یہ لمبی نماز خدا کے لئے نہیں ہے بلکہ مخلوق کے سامنے ریاء باقی رکھنے کے لئے ہے۔ یہ ریاء مع اللہ ہے۔ ایسے ہی تکبر میں جب غلو ہو جاتا ہے اور اس کی جڑ پختہ ہو جاتی ہے تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی تکبر کرنے لگتا ہے۔ مثلاً دعا میں عاجزی اور خشوع کر رہا ہے۔ رونے کی سی صورت بنا کر گڑگڑا رہا تھا کہ سامنے سے کوئی دوسرا شخص آ گیا تو اب گڑگڑانا چھوڑ دیا کہ دیکھنے والے کی نظر میں سبکی نہ ہو یہ تکبر مع اللہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور ذلت کی صورت بنانے سے بھی دوسروں کی نظر میں ذلت و عار آتی ہے۔

جس شخص کے لئے شیخ نے اخفاء عمل کو تجویز کر دیا ہو اُس کے لئے اخفاء عمل ریاء نہیں یا یہ شخص خود مجتہد ہو اور اس کے نزدیک اپنے لئے اخفاء عمل کی ضرورت ہو اس کے لئے بھی اخفاء عمل ریا نہیں مگر مجتہد وہ ہے جس کا مبصر ہونا کسی مبصر کے قول سے معلوم ہوا ہو ورنہ خود اپنے اعتقاد سے یا عوام کے معتقد ہو جانے سے کوئی مبصر نہیں ہو سکتا۔ صائب نے خوب کہا ہے۔

بنمائے بصاحب نظرے گوہر خود را | عیسیٰ نتواں گشت بہ تصدیق خرے چند

یعنی چند جاہلوں کی تعریف سے تم عیسیٰ نہیں ہو سکتے یعنی صاحب کمال اور مبصر نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے لئے ضرورت ہے اولاً مجاہدہ کی اور کسی مبصر کی جوتیاں سیدھی کرنے کی۔ پھر وہ جب یہ کہہ دے کہ تم مبصر ہو گئے اس وقت تمہارا اجتہاد قبول ہوگا۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

تعلیم اعتدال

حدیث میں آیا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مکان پر سے گزرے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو بلند آواز سے قراءت کر رہے ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پست آواز سے۔ صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے ابو بکر تم بالکل آہستہ کیوں پڑھ رہے تھے۔ **قال کنت اسمع من اناجیه** کہا یا رسول اللہ میں حق تعالیٰ کو سنا رہا تھا اور اُن کے سننے کو جہر و خفض دونوں برابر ہیں)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے وجہ پوچھی کہ تم بلند آواز سے کیوں پڑھ رہے تھے۔ **قال کنت اطرد الشیطان وَ اوقظ الوسنان.** کہا میں شیطان کو بھگانا اور اونگھنے والوں کو جگانا چاہتا تھا۔ دونوں حضرات نے اپنے اپنے فعل کی معقول وجہ بیان کر دی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر یہ فیصلہ فرمایا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔

یا ابا بکر ارفع من صوتک قلیلا

کہ تم ذرا اپنی آواز بلند کر دو۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا

اخفض من صوتک قلیلا (کہ تم ذرا اپنی آواز کو پست کر دو)

اب اس کی توجیہ میں اختلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو یہ حکم کیوں فرمایا۔ علماء ظاہر نے تو مختلف توجیہات پیش کی ہیں۔ لیکن ابن عطاء اسکندری فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو اپنی رائے اور تجویز سے ہٹانا چاہا اور دونوں کے ارادوں کو فنا کرنا مقصود تھا کہ تم اپنی رائے سے کوئی کام نہ کرو۔ بلکہ ہر کام میں ہمارے اتباع کا قصد کرو۔ یہی تفویض ہے اور اسی کا نام فنا ہے۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

فنا کی حقیقت

فنا سے یہ مراد نہیں کہ سوائے حق تعالیٰ کے کوئی چیز حساً بھی نظر نہ آئے اور اپنی ذات

سے بھی نظر اٹھ جائے گو کبھی غلبہ حال میں ایسا بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ جامی فرماتے ہیں،

بسکہ در جان فگار و چشم بیدارم توئی ہر چہ پیدا می شود از دور پندارم توئی

میری جان فداء اور چشم بیدار میں تو ہی بسا ہوا ہے جو کچھ دور سے ظاہر ہوتا ہے تجھ کو گمان کرتا ہوں۔

اور اسی کو ایک شاعر اس طرح ادا کرتا ہے۔

جب کوئی بولا صدا کانوں میں آئی آپ کی تو یہ غلبہ حال ہے ورنہ فنا کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اپنے ارادہ و تجویز کو فنا کر دے۔ یعنی اپنے ارادہ و تجویز کو ارادہ و تجویز حق کے تابع کر دے۔ جس کو سید احمد رفاعیؒ نے ایک دفعہ اس طرح بیان فرمایا کہ اپنے ایک مرید سے دریافت فرمایا کیف تری شیخک تم اپنے شیخ کو کس درجہ کا سمجھتے ہو۔ اس نے کہا میں آپ کو قطب سمجھتا ہوں۔ فرمایا: نزہ شیخک عن القطبیة کہ اپنے شیخ کو قطبیت سے پاک سمجھو کہا تو شاید آپ غوث ہیں فرمایا نزہ شیخک عن الغوثیة اپنے شیخ کو غوثیت سے بھی پاک سمجھو۔ اور یہ بات تحدث بالنعمۃ کے لئے فرمائی کہ حق تعالیٰ کا اپنے اوپر جو انجام ہے اس کو ظاہر کریں جس سے مرید کا دل خوش کرنا بھی مقصود تھا کہ اس کی تسلی ہو کہ حق تعالیٰ نے مجھے ایسا شیخ دیا۔

اب مرید نے پوچھا کہ حضرت پھر آپ ہی اپنا مقام بتلایئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے تمام اولیاء کی ارواح کو ایک مقام میں جمع فرمایا اور سب سے فرمایا کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ کسی نے قطبیت مانگی اس کو قطب کر دیا گیا۔ کسی نے غوثیت مانگی وہ غوث بنا دیا گیا۔

علیٰ هذا حتّٰی دارت النوبة الی هذا الا شیٔ احمد فقلت یا رب ارید ان لا ارید واختاران لا اختار فاعطانی مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر من اهل هذا العصر۔

یہاں تک کہ اس ناچیز احمد کی نوبت آئی تو میں نے عرض کیا یا رب میں تو یہ چاہتا ہوں کہ کچھ بھی نہ چاہوں اور یہ پسند کرتا ہوں کہ کچھ بھی پسند نہ کروں (بلکہ جو آپ چاہیں میں اسی کو چاہتا ہوں) اس پر حق تعالیٰ نے مجھے وہ دولت دی جو کسی آنکھ نے نہ دیکھی اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی شخص کے دل پر اس کا خطرہ گزرا۔ یعنی اس زمانہ کے لوگوں میں سے بس یہ ہے فنا کی حقیقت کہ اپنے ارادہ کو فنا کر دیں۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

شوق تلاوت

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے

فرمایا کہ رات ہم نے تمہارا قرآن سنا تو اللہ تعالیٰ نے تم کو صوت داؤدی سے حصہ دیا ہے۔اس پر حضرت ابوموسیٰ نے عرض کیا۔

لو علمت بک یا رسول اللّٰہ لحبرتہ لک تحبیرا

یارسول اللہ!اگر مجھے یہ خبر ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سُن رہے ہیں تو میں اور زیادہ بنابنا کر پڑھتا۔

اس جواب پر حضورؐ نے انکار نہیں فرمایا جو کہ تقریر سکوتی ہے تو اگر کسی شخص کے لئے بنا سنوار کر قرآن پڑھنا مطلقاً ریاء میں داخل ہوتا تو حضرت ابوموسیٰ کی یہ تحبیر بھی ریاء میں داخل ہوتی اور ریاء حرام ہے۔گو حضورؐ ہی کے دکھلانے کے واسطے ہو کیونکہ ریاء حضورؐ کے سامنے بھی حرام ہے کسی قاعدہ سے یہ تخصیص نہیں معلوم ہوتی کہ حضورؐ کے دکھلانے کے واسطے کام کرنا جائز ہے اور وہ ریاء نہیں بہر حال یہ تحبیر بھی ناجائز ہوتی حالانکہ حضورؐ کا انکار نہ فرمانا اس کے جواز کو ظاہر کر رہا ہے تو یہی کہنا پڑے گا کہ یہاں اس تحبیر سے حضورؐ کو دکھلانا بالذات مقصود نہیں بلکہ حضورؐ کے سنانے سے مقصود آپ کی تطییب قلب کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کو راضی کرنا تھا۔(ارضاء الحق ج۱۵)

تعلیم اخلاص

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت رابعہ بصریہ ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں پانی لئے ہوئے نہایت جوش و غضب میں بھری ہوئی جارہی تھیں کسی نے پوچھا کہاں جارہی ہو۔کہاں میں آج جنت و دوزخ کا فیصلہ کرنے جارہی ہوں۔اس آگ سے جنت کو پھونکوں گی اور پانی سے دوزخ کو ٹھنڈا کروں گی۔کیونکہ ساری مخلوق جنت و دوزخ کے طمع و خوف سے عبادت کررہی ہے۔میرے محبوب کو (خلصاً مخلصاً) کوئی یاد نہیں کرتا۔اس واقعہ سے ان کے عشق کا حال معلوم ہو گیا ہوگا کہ کس درجہ کا ہے حضرت رابعہ کے کمال عشق میں کچھ شبہ نہیں مگر یہ مسئلہ اُن سے مخفی رہا کہ رسول میں ایک حیثیت ایسی بھی ہے جس کے اعتبار سے وہ غیر حق نہیں ہیں اور اس درجہ میں خدا کی محبت رسول کی محبت ہے اور رسول کی محبت خدا تعالیٰ کی محبت ہے۔

چنانچہ آپ نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو ندامت سے آنکھیں نیچی کر لیں اور کہا یارسول اللہ میں آپ سے سخت شرمندہ ہوں کہ خدا کی محبت نے دل میں اتنی جگہ کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی جگہ نہ چھوڑی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی کہ غم نہ کرو اللہ تعالیٰ کی محبت ہماری ہی محبت ہے الحمد للہ بزرگوں کی برکت سے جس

بات کی طرف حضرت رابعہ کا ذہن نہ گیا وہ ہم جیسوں کو سہولت سے معلوم ہوگئی۔ اور یہ خدا کی عطا ہے جس کو چاہے دے، بات یہ ہے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں ایک عقلی ایک طبعی اور مطلوب محبت عقلیہ ہے اور حضرت رابعہؒ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عقلیہ حاصل تھی کیونکہ وہ احکام شرعیہ کی متبع تھیں اور حضورؐ ہی کے اتباع میں فنا تھیں اور محبت عقلیہ اسی کا نام ہے کہ محبوب کے احکام کی اطاعت کرے اور اپنی خواہش وارادہ کو اس کے احکام کے سامنے فنا کردے اور اس کے حکم پر کسی چیز کو ترجیح نہ دے گا مگر طبعی محبت (یعنی میلان وانجذاب ووابستگی) اُن کو حق تعالیٰ سے زیادہ تھی اور قاعدہ ہے کہ محبت طبعیہ خاص درجہ میں ایک ہی سے ہوسکتی ہے دوسے ایک درجہ کی نہیں ہوسکتی اور یہ امر غیر اختیاری ہے کیونکہ اس کا مدار مناسب طبع پر ہے جو بندہ کے اختیار میں نہیں اسی لےء محبت طبعیہ مامور بہا نہیں بلکہ مامور بہا اور مطلوب محبت عقلیہ ہے جو امر اختیاری ہے رہی طبعی محبت تو وہ بعض کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہوتی ہے اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے شرمندہ ہوتے ہیں اور بعض کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ہوتی ہے یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمندہ ہوتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تسلی فرماتے ہیں کہ تم کو جب خدا سے محبت ہے تو ہم سے بھی محبت ہے۔ اسی طرح پہلی قسم کے لوگوں کی اللہ تعالیٰ تسلی فرماتے ہیں کہ جب تم کو رسولؐ سے محبت ہے۔ تو ہم سے بھی محبت ہے کیونکہ رسولؐ کے ساتھ جس حیثیت سے محبت ہے اس حیثیت سے وہ غیر حق نہیں۔ پس محبت عقلیہ ان دونوں قسم کے لوگوں کو اللہ و رسولؐ دونوں سے ہے کیونکہ اُس کا مبنیٰ تو اطاعت احکام ہے۔ پھر شرمندگی کی کیا وجہ ہے۔ پس حضرت رابعہؒ کی نظر اس پر نہ پہنچی کہ مطلوب محبت عقلیہ ہے نہ کہ طبعیہ۔ نیز یہ مقدمہ بھی ان کی نظر سے مخفی رہا کہ رسولؐ میں ایک حیثیت ایسی ہے جس میں وہ غیر حق نہیں اس لئے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمندہ تھیں۔ اور یہی محبت عقلیہ مراد ہے اس حدیث میں۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ نَفْسِهٖ وَمَا لَهٗ وَاَهْلِهٖ وَوَلَدِهٖ اَجْمَعِیْنَ (او کما قال) (مسنداحمد 4:227)

کہ کوئی تم میں سے اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک میں اس کو اپنی جان و مال واہل وعیال سب سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ اَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا نَفْسِیْ.

کہ یارسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں بجز میری جان کے کہ مجھے اپنی جان زیادہ محبوب معلوم ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں اے عمر! جب تک تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں اس وقت تک مومن نہ ہو گے۔ اس کے بعد اسی مجلس میں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یارسول اللہ! میں اب دیکھتا ہوں کہ آپؐ میرے نفس سے بھی اَحَبُّ ہیں یہاں دو شبہے ہوتے ہیں ایک یہ کہ حضرت عمرؓ کی اتنی جلدی کایا پلٹ گئی کہ اسی مجلس میں کچھ سے کچھ ہو گیا دوسرے یہ کہ اگر کسی مومن کی وہ حالت ہو جو حضرت عمرؓ کی حالت اولاً تھی تو کیا وہ مومن نہ ہوگا۔

پہلے شبہے کا جواب گو یہ ہوسکتا ہے کہ ایک ہی مجلس میں حضرت عمرؓ کی کایا پلٹ ہو جانا ممکن ہے کیونکہ جب فاعل و منفعل دونوں کامل ہوں تو ایسا ہو جانا کچھ بعید نہیں مگر چونکہ اشکال دوسرا بھی ہے اس لئے یہ جواب مجھے پسند نہیں بلکہ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اول یہ سمجھے کہ حضور کی مراد احبیت طبعیہ ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تکرار ارشاد سے وہ سمجھ گئے کہ مراد محبت عقلیہ ہے اور محبت عقلیہ ہر مومن کو اللہ ورسول سے زیادہ ہے حضرت عمرؓ کو تو کیوں نہ ہوتی کیونکہ وہ تو ہر وقت اللہ ورسول کے لئے اپنی جان دینے کو تیار تھے گو طبعاً اپنی جان سے محبت زیادہ ہو مگر وہ اللہ ورسول کے لئے سب سے محبوب چیز کو قربان کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ تھے۔ پس سمجھ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد احبیت عقلیہ ہے اور محبت عقلیہ مجھے سب سے زیادہ اللہ ورسول کے ساتھ ہے۔ اپنی جان سے نہیں۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

رذائل کا امالہ

ہمارے حاجی صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ رذائل کا ازالہ نہ کرو صرف امالہ کافی ہے۔ غرض ازالہ کی فکر ضرور نہیں اضمحلال بھی کافی ہے مگر اضمحلال کے لئے اس کی مشق ضروری ہے اور مشق ہوتی ہے کثرت تکرار سے یہ نہ ہو۔

الحائک اذا صلی یوماانتظر الوحی. (جولاہا اگر ایک دن نماز پڑھ لے تو وحی کا منتظر ہوتا ہے) کہ دو دن مخالفت کر کے اپنے کو کامل سمجھنے لگے کثرت تکرار کی خاصیت ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک دن ان شاء اللہ یہ رذیلہ کمزور ہو جائے گا۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

ارضائے خلق للحق ریا نہیں

ارضائے خلق للحق ریا نہیں اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کی حدیث دلیل میں بیان کی تھی اس سے ایک اشکال کا جواب ہوگیا جو زمانۂ دراز تک مجھے بھی رہا وہ یہ کہ بعض لوگ قراء سے درخواست کرتے ہیں کہ کچھ قرآن سناؤ اب اگر وہ بنا سنوار کر پڑھتے ہیں تو ریاء کا شبہ ہوتا ہے کیونکہ وہ تنہائی میں اس طرح بنا سنوار کر نہیں پڑھتے اور اگر معمولی طور سے پڑھ دیں تو درخواست کرنے والوں کا جی خوش نہیں ہوتا یہ اشکال پھر بہت دنوں کے بعد الحمد للہ حضرت ابوموسیؓ کی اس روایت سے رفع ہوا۔ اور معلوم ہوا کہ تطییب قلب مومن کے لئے خوش آوازی سے قرآن پڑھنا ریاء نہیں گو اس میں ارضاء خلق مقصود ہے مگر یہ ارضاء خلق للحق ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے تطییب قلب مومن کا امر فرمایا ہے پس جو قاری خوش آوازی سے لوگوں کو قرآن سناتا ہے اگر اُس کو دینا مطلوب نہیں اور وہ قرآن سُنا کر روپیہ نہیں لیتا تو یہ بھی اخلاص ہی ہے کیونکہ یہ سب اخلاص ہی کے مراتب ہیں ایک یہ کہ محض خدا تعالیٰ کے لئے کام کرے مخلوق کا اس میں تعلق ہی نہ ہو اور ایک یہ کہ مخلوق کے راضی کرنے کو کام کرے مگر کوئی غرض دنیوی مطلوب نہ ہو صرف اس کا خوش کرنا مقصود ہو جو دینی غرض ہے اور ایک درجہ یہ کہ کچھ نیت نہ ہو نہ دنیا مطلوب ہو نہ دین، یونہی خالی الذہن ہو کر کوئی عمل کر لیا یہ بھی اخلاص عدم الریاء ہے۔ بس ریاء یہ ہے کہ دنیوی غرض کی نیت ہو۔

اب میں طلبہ کو بشارت دیتا ہوں کہ ان میں سے بعض کو طلب علم سے کچھ بھی مطلوب نہیں ہوتا نہ دنیا نہ دین۔ محض والدین کے کہنے سے پڑھ رہے ہیں۔ سو یہ بھی ایک درجہ کے مخلص ہیں۔ خلو عن الغرض الدنیوی بھی اخلاص ہی ہے کیونکہ ریاء اور اخلاص کے درمیان کوئی واسطہ نہیں اور ریاء کی حقیقت ہے۔

اراءۃ الخلق للغرض الدنیوی: (دینوی غرض سے مخلوق کو دکھانا) اس مجموعہ میں سے ایک قید کے اُٹھ جانے سے بھی اخلاص کا تحقق ہو جائے گا۔ خواہ اراءۃ الخلق ہی نہ ہو یا ارائۂ الخلق ہو۔ مگر غرض دنیوی نہ ہو بلکہ دینی ہو یا غرض ہی کچھ نہ ہو۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

اخلاق اور ریا کا حال

بیمار پرسی میں ایک نیت تو یہ ہے کہ مسلمان کی عیادت سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں یہ تو

اعلیٰ درجہ کا اخلاص ہے اور ایک نیت یہ ہے کہ عیادت سے یہ بیمار خوش ہوگا یہ بھی اخلاص ہے کیونکہ تطییب قلب مومن بھی عبادت ہے ایک نیت یہ ہے کہ بیمار کا حق ہے کہ اس کی عیادت کی جائے یہ بھی اخلاص ہے۔ ایک یہ صورت ہے کہ کچھ نیت نہ ہو بس کسی کی بیماری کا حال سن کر دل کڑھا۔ اور دل میں دیکھنے کا جوش ہوا اور چلے گئے کوئی غرض دینی یا دنیوی ذہن میں حاضر نہیں یہ بھی اخلاص ہے بس ریاء یہ ہے کہ اس نیت سے جائے کہ اگر میں نہ جاؤں گا تو کل کو یہ مجھے پوچھنے نہ آئے گا یہ دنیوی غرض ہے بس جب تک دنیوی غرض نہ ہو ریاء نہیں بلکہ اخلاص ہی ہے۔ (ارضاء الحق ج ۱۵)

واقعہ امام صاحب

امام صاحب کا واقعہ ہے کہ آپ چلے جا رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ یہ امام ابو حنیفہ ہیں۔ یہ پانچ سو رکعتیں روزانہ پڑھتے ہیں آپ اس کو سن کر رونے لگے اور اُسی روز سے اتنا ہی عمل شروع کر دیا۔ کیوں کہ جانتے تھے کہ مخلوق تو دھوکہ میں آسکتی ہے لیکن خالق کے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں چل سکتا۔ (طریق القرب ج ۱۵)

خلوص کا معیار

خلوص کا ایک معیار ہے جو شیخ علی خواص کے مقولات میں مذکور ہے وہ فرماتے ہیں کہ خلوص کی علامت یہ ہے کہ جس بستی میں دین کا ایک کام تم کر رہے ہو اگر کوئی دوسرا اُسی کام کرنے والا وہاں آجائے تو تم کو ناگوار نہ ہو۔ بلکہ خوشی ہو کہ الحمد للہ میرا ایک معین و مددگار آگیا بلکہ اگر وہ کافی ہو تو تم اور کسی ضروری کام میں لگ جاؤ۔ اب دلوں کو ٹٹول کر دیکھ لو کہ کیا تمہاری یہی حالت ہے۔ ہرگز نہیں۔ اب تو اگر تمہارے مدرسہ کے ہوتے ہوئے بستی میں دوسرا مدرسہ ہو جائے تو دل پر نشتر سا لگتا ہے اور محض دل ہی تک یہ اثر نہیں رہتا۔ بلکہ زبان سے بھی ظاہر ہونے لگتا ہے۔ دوسرے مدرسہ کو مدرسہ ضرار اور دوسری مسجد کو مسجد ضرار کہنے لگتے ہیں۔ یہ لفظ آج کل مولویوں کی زبان پر بہت جلدی آجاتا ہے۔ بس جہاں ایک قدیم مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری مسجد بنائی گئی اور انہوں اس کو مسجد ضرار کا لقب دیا۔ حالانکہ مسجد ضرار کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مسجد ہی نہ تھی۔ اس میں بناء مسجد کی نیت ہی نہ تھی۔ کیونکہ اس کے بانی منافق تھے۔ جن کی نیت ہی مسجد بنانے کی نہ تھی بلکہ محض ایک دارالمشورہ بنانا چاہتے

تھے۔ جس کو بشکل مسجد اس لئے بنایا تا کہ مسلمانوں کو کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو۔ اور یہاں جو مسلمان بھی مسجد بناتا ہے اس کی نیت یقیناً بناء مسجد کی ہوتی ہے وہ کسی اور عمارت کی نیت نہیں کرتا۔ یہ اور بات ہے کہ بناء مسجد میں اس کی نیت تفاخر وریاء کی بھی ہو۔ مگر اس سے اس کی مسجدیت باطل نہ ہوگی۔ بلکہ اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے کوئی مسلمان نماز پڑھنے میں ریاء کا قصد کرے۔ تو اس قصد سے نماز باطل نہ ہوگی۔ گو ثواب نہ ملے مگر اس پر احکام صلوٰۃ ہی کے جاری ہوں گے، پس مسجد ضرار وہ ہے جس میں بناء مسجد کی بالکل نیت نہ ہو بلکہ محض ضرار مسلمین کی نیت ہو یا اور کسی غرض کی۔ اور یہ نیت ایسی متیقن ہو کہ خدا تعالیٰ اُس کی نسبت فرماویں کہ یہ بہ نیت ضرار بنائی گئی ہے اور اب تو تم بھی قسم کھا کر نہیں کہہ سکتے اور اگر کوئی ہیکڑی کر کے قسم کھا بھی لے تو یہ قسم خلاف شرع ہوگی جو غیر معتبر ہے (کیونکہ نیت کا علم سوائے خدا کے کسی کو قطعی طور پر نہیں ہوسکتا) اور تم جو کسی مسجد کو مسجد ضرار کہتے ہو تو بتلاؤ کیا قدرت کے وقت اس پر تم مسجد ضرار کے احکام جاری کر سکتے ہو۔ ہرگز نہیں مسجد ضرار کے احکام یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منہدم کرا کے وہاں آگ لگوادی تھی اور پاخانہ ڈلوایا تھا تو کیا تم بھی ان مساجد کے ساتھ یہ معاملہ کر سکتے ہو؟ (الوصل والفصل ج ۱۵)

حقیقت تفویض

تفویض کی حقیقت ہے اپنے آپ کو سونپ دینا مگر آج کل تفویض کے معنی تعطل کے سمجھتے ہیں۔ سو خوب سمجھ لو کہ تفویض کے معنی تعطل کے نہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ عمل خوب کرے۔ مگر دوسرے کی رائے سے کرے اپنی رائے کو دخل نہ دے۔ تو جیسے تمام ضروری کاموں کے واسطے پہلے سے مستعد ہو جاتا ہے اور تفویض بھی ایک ضروری عمل ہے تو اس کے لئے بھی مستعد رہے۔ یعنی اپنے کو کسی کے سپرد کر دے کہ وہ اس پر مشق کرے اور یہ اس کے سامنے حیات او زندگی میں كَالْمَيِّتِ فِيْ يَدِ الْغَسَّالِ ہو جاوے تو اس بناء پر تو تفویض مقابل تعطل کے ہے۔ نہ کہ عین تعطل کیونکہ تعطل میں ترک ارادہ ہے اور یہاں اہتمام ارادہ ہے۔ مگر ہم اگر اپنی حالت کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ واقع میں ہم میں نہ تفویض ہے نہ توکل۔ بلکہ ہم نے ان کے بجائے تعطل اختیار کر لیا ہے۔ (اعانۃ النافع ج ۱۵)

اقسام تفویض

تفویض کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تفویض الی اللہ اور دوسری تفویض الی الشیخ۔ میں تفویض الی اللہ کی حقیقت پہلے بتادوں پھر تفویض الی الشیخ کی حقیقت بتلاؤں گا کیونکہ تفویض الی اللہ کا درجہ بڑا ہے۔ پھر اس کے بعد مرتبہ تفویض الی الشیخ کا اس لئے پہلے تفویض الی اللہ کی حقیقت بیان کرنا ضروری ہے اور نیز تفویض الی اللہ ایسی چیز ہے کہ اُس سے طبیعت کو مناسبت بھی زیادہ ہے۔ اس لئے اُس کی حقیقت جلدی سمجھ میں آجاوے گی پھر اس کی حقیقت کا سمجھنا معین ہوگا۔ تفویض الی الشیخ کی حقیقت سمجھنے کا نیز یہ کہ ایک کی حقیقت معلوم کرنے سے دوسرے مسئلوں کی حقیقت بھی بالمقائسہ معلوم ہو جائے گی۔ گو یہ دلیل عام ہے کہ شامل ہے تفویض الی اللہ اور تفویض الی الشیخ دونوں کو یعنی ہر ایک سے دوسرے کے سمجھنے میں اعانت ہو سکتی ہے مگر ظاہر ہے کہ تفویض الی اللہ طبعاً مانوس ہے اور تفویض الی الشیخ اس باب میں اس سے کم ہے اور معروف بھی کم ہے ان وجوہ سے تفویض الی اللہ کا بیان کرنا پہلے ضروری ہوا۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہم لوگوں نے اپنی اصلاح کی سعی قریب قریب ترک کردی اس کی فکر ہی نہیں کرتے اور کام کرنا بھی ترک کر دیا۔ اور اس کو تفویض اور توکل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ واقع میں یہ توکل و تفویض نہیں۔ آپ نے کسی متوکل کو نہ دیکھا ہوگا کہ اُس نے نماز چھوڑ دی ہو۔ روزہ، زکوٰۃ حج ترک کر دیا ہو۔ کیا توکل کے یہ معنی ہیں۔ ظاہر ہے کہ توکل کے یہ معنی ہرگز نہیں اور نہ یہ معنی ہیں کہ طریق معاش کو چھوڑ دے کیونکہ جن اسباب پر مامور بہ مسببات کا ترتب عادۃً قطعی اور یقینی ہو۔ اُن اسباب کا ترک کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ ترک غذا جائز نہیں۔ ترک کسب جائز ہے کیونکہ آمدنی کسب پر یقینی طور پر موقوف نہیں اور حیات عادۃً غذا پر ضرور موقوف ہے۔ آمدنی کسب پر اس لئے موقوف نہیں کہ بہت لوگ ایسے ہیں کہ ایک پیسہ نہیں کماتے۔ مگر پھر بھی ان کو رزق ملتا ہے۔ مگر ایسا شخص کوئی نہ دیکھا ہوگا۔

جس نے عمر بھر نہ کھایا اور زندہ رہا ہو۔ یہ ہوسکتا ہے کہ نہ کھا کر ایک دو دن زندہ رہے مگر عادۃً یہ نہیں ہوسکتا کہ نہ کھانے سے 100 برس، 200 برس زندہ رہے غرض ترک غذا جائز نہیں کیونکہ اُس پر یقیناً اور قطعاً آسودگی کا ترتب ضروری ہے اور ترک اسباب معاش ظنیہ جائز ہے کیونکہ اس پر یقیناً اور قطعاً ترتب مسبب کا نہیں ہوتا بلکہ کبھی ترتب ہوتا ہے اور

کبھی نہیں ہوتا۔ غرض جن اسباب پر قطعی اور یقینی طور پر ترتب مسبب کا ہو اور وہ مسبب ضروری ہو ان کا ترک جائز نہیں اور جن اسباب پر یقینی طور پر ترتب مسبب کا نہیں ہوتا ان کا ترک جائز ہے بالخصوص وہ اسباب معاش جن پر محض درجہ وہم میں ہی ترتب مسبب کا ہوتا ہے۔ ان کا ترک تو ضرور لوازم توکل سے ہے پس توکل صرف اعمال و اسباب دنیا میں محمود ہے وہ بھی جب کہ مسبب کا ترتب اس پر عادۃً ضروری نہ ہو۔ باقی اسباب و اعمال معاد میں ترک اسباب توکل نہیں ہے۔ پس یہ کوئی دین کی بات نہیں ہے کہ اسباب معاد کو ترک کردے۔

بلکہ یہ جائز بھی نہیں اور نیک کاموں کا ارادہ کرنا بھی اسباب معاد میں سے ہے۔ تو توکل کے واسطے ترک ارادہ ضروری نہ ہوا بلکہ اس میں بھی ارادہ کیا جاتا ہے پس تفویض جو کہ مرادف توکل کا ہے ترک الاسباب و ترک الارادہ نہی۔ بلکہ بمعنی ترک الرائے ہے اور رائے بھی وہ جو مقابل ہو ارادہ مرضی حق کے۔ مطلب یہ ہے کہ ارادہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ارادہ جو مرضی حق کے موافق اور پسندیدہ ہے اور ایک وہ جو مرضی حق کے خلاف اور ناپسندیدہ ہے۔ اہل سلوک اکثر اول کو ارادہ کہتے ہیں اور دوسری قسم کو رائے سے تعبیر کرتے ہیں گو رائے بھی لغۃً ارادہ کے ہم معنی ہے مگر ان کی اصطلاح خاص میں یہ ارادہ کا مقابل ہے پس جو ارادہ مرضی حق کے مطابق ہے اس کا رہنا تو ضروری ہے اور جو ارادہ مرضی حق کے مطابق نہیں بلکہ ناپسندیدہ اور مبغوض ہے اس کا ترک کرنا ضروری ہے یعنی اس کو فنا کر دینا چاہئے۔ یہ حاصل ٹھہرا تفویض اور توکل کا اور اس کے ضمن میں جو درجہ ترک ارادہ مذمومہ کا ہے اسے فنا کہتے ہیں۔

اس تقریر سے ایک سخت اشکال اجتماع نقیضین کا ایک بزرگ کے مقولہ سے بھی رفع ہو گیا۔ مقولہ یہ ہے کہ اريد ان لا اريد واختار ان لااختار جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفویض یہ ہے کہ ارادہ کوئی چیز نہیں اگر ارادہ بھی کرے تو یہ کرے کہ ارادہ کچھ نہ کروں گا۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ یہ بھی تو ارادہ ہو گیا کہ ارادہ نہ کروں گا کیونکہ عدم ارادہ کا ارادہ بھی تو ارادہ ہی ہے پھر عدم ارادہ کا تحقق کہاں ہوا مگر یہ باتیں عارفین کی تو چٹکیوں میں ہیں گو معقولیوں کے نزدیک سخت ہیں۔ اس لئے کہ عارف کی نظر حقیقت پر ہوتی ہے۔ اس لئے جو شبہ ہوتا ہے اس کے سامنے کافور ہو جاتا ہے۔ فحوائے

اے لقائے تو جواب ہر سوال ۔۔۔ مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

(آپ کی ملاقات ہر سوال کا جواب ہے آپ سے ہر مشکل حل ہو جاتی ہے)

بات یہ ہے کہ یہ اشکال حقیقت نہ جاننے سے پیدا ہوا ہے۔

چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند (جب حقیقت کا پتہ نہ چلا ڈھکوسلوں کی راہ اختیار کی)

حقیقت واضح ہونے کے بعد اشکال کچھ نہیں ہے۔ مگر معقولی تو باوجود دعویٰ معنی شناسی کے محض الفاظ کے چکر میں پڑے رہتے ہیں سو معقولیوں نے محض الفاظ پر نظر کی اس لئے اشکال واقع ہوا اور عارفین نے اس جگہ عدم ارادہ کی حقیقت سمجھی کہ لفظ گو مطلق ہے مگر مراد خاص ہے۔ یعنی مراد وہ ارادہ ہے جو غیر مرضی حق ہو تو ان بزرگ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ غیر مرضی حق کا ارادہ نہ کروں گا۔ یعنی جو ارادہ خدا کے نزدیک پسندیدہ اور مقبول ہے وہ ارادہ تو کروں گا۔ اور جو خدا کے نزدیک پسندیدہ اور مقبول نہیں وہ ارادہ نہ کروں گا لہذا اب کوئی منافات نہیں اور کوئی اشکال نہیں رہا۔ (اعانۃ النافع ج ۱۵)

امالۂ رذائل

صاحبو! اخلاق رذیلہ فی نفسہٖ رذیلہ نہیں مگر باعتبار مصرف کے مذموم ہیں۔ مولاناؒ خوب فرماتے ہیں۔

اے بسا امساک کز انفاق بہ ۔ مال حق را جز بامر حق مدہ

(اے طالب بہت مرتبہ خرچ نہ کرنا جس خرچ سے حق تعالیٰ کے مال کو بجز امر حق کے خرچ مت کرو)

اسی وجہ سے ہمارے حضرت حاجیؒ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ صفاتِ رذیلہ کا امالہ کر دینا چاہئے یعنی مصرف شر سے مصرف خیر کی طرف ازالہ کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ صفات رذیلہ کی بعض وقت ضرورت ہو جاتی ہے۔ جن امور میں ذاتاً قبح ہے بعض اوقات اُن میں بھی عوارض کے اعتبار سے حُسن آ جاتا ہے۔ مثلاً بخل ہے کہ جیسے کسی موقعہ پر سخاوت کی ضرورت ہے۔ ایسے ہی بعض مواقع میں بخل کی بھی ضرورت ہے۔ مثلاً معاصی میں خرچ کرنے سے دل تنگ ہو اور مثلاً غصہ ہے کہ یہ محمودہ نہیں کہ بالکل غصہ نہ رہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (اعانۃ النافع ج ۱۵)

عمل اور جنت

حدیث لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَحَدٌ بِعَمَلِهٖ کا نہیں داخل ہوگا۔ کوئی جنت میں عمل کے استحقاق کی بناء پر۔ کہ اس میں بھی علیت اعمال کی نفی ہے اور مقصود اس سے عجب کا علاج ہے کہ

کوئی شخص عمل کر کے اترائے نہیں کہ میں نے اپنے عمل سے جنت لے لی کیونکہ اوّل تو عمل کے بعد بھی جذب کی ضرورت ہے اور جذب کا مدار مشیت حق پر ہے۔ سلوک کے بعد بھی وہی پہنچتا ہے جس کو حق تعالیٰ پہنچا دیں۔ کیونکہ وصول عبد کے اختیار سے خارج ہے۔ اس کا مدار ایصال حق پر ہے۔ جو حق تعالیٰ کا فعل ہے اور گو سلوک پر ایصال کا ترتب عادۃً ضرور ہوتا ہے۔ مگر جو شئے عادۃً ضروری ہو اور عقلاً لازم نہ ہو اُس کو عمل کا معلول نہیں کہہ سکتے۔ اگر وہ عمل کا معلول ہوتا تو عقلاً بھی علت کے بعد اُس کا وجود لازم ہوتا۔ اور یہاں ایسا نہیں ورنہ فعل واجب کا معلل ہونا لازم آئے گا۔ اور یہ دلائل سے باطل ہے دوسرے علت و معلول میں مناسبت بھی شرط ہے۔ جزاء عظیم کا ترتب عمل عظیم ہی پر ہو سکتا ہے۔ تو جس درجہ جزاء عظیم ہے عمل بھی اُسی درجہ عظیم ہونا چاہئے تو اب دیکھ لو کہ جنت کس درجہ عظیم ہے اور تمہارا عمل کیسا ہے۔ جنت تو کماً و کیفاً ہر طرح عظیم ہے کماً تو اس کی عظمت یہ ہے کہ غیر متناہی ہے اور کیفاً اُس کی یہ شان ہے کہ

لَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ (کسی انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزرا)

اسی طرح تواضع کے باب میں فرماتے ہیں کہ تم یہ سمجھ کر تواضع اختیار کرو کہ حق تعالیٰ کی عظمت کا حق یہی ہے کہ اُن کے ہر شخص پستی اور تواضع کو اپنی صفت بنائے اور اپنے آپ کو لاشئ محض سمجھے اس پر حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس طرح تواضع اختیار کرے گا۔ ہم اُس کو رفعت عطا کریں گے۔ لیکن تم رفعت کی نیت سے تواضع اختیار نہ کرو۔ گو ایک طرح کی رفعت اس طرح بھی حاصل ہو جائے گی۔ کیونکہ تواضع میں خاصیت ہے گو کسی نیت سے ہو کہ وہ قلوب کو کشش کرتی ہے۔ مگر اس صورت میں حقیقی رفعت یعنی قرب و رضاء حق حاصل نہ ہوگی۔

عظمت اخلاص

اللہ نے آیت میں بہت اہتمام سے اخلاص کا امر فرمایا ہے۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ فرما دیجئے کہ مجھ کو امر کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت اسی کے لئے خالص کر کے بجالاؤں۔

یہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر حکم کو ضروری ظاہر فرماتے تھے آپ رسول تھے اور رسول کا فرض منصبی ہے کہ تمام احکام کو مخلوق کی طرف پہنچائے لہٰذا اس کی ضرورت نہ تھی

کہ حق تعالیٰ خاص طور پر کسی حکم کے لئے یہ فرمائیں کہ اس کو پہنچا دو مگر پھر بھی جب کسی حکم کے لئے آپ کو یہ ارشاد ہوگا کہ اس حکم کو پہنچا دو تو ضرور اس سے اس حکم کا مہتم بالشان ہونا سمجھا جائے گا چنانچہ یہاں اخلاص کا امر فرماتے ہوئے حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لفظ قل سے خطاب فرمایا ہے کہ یہ بات امت سے کہہ دیجئے ایک تو یہی قرینہ ہے کہ آئندہ جو حکم آئے گا وہ بہت قابل اہتمام ہے پھر اس کے بعد اخلصوا نہیں فرمایا کہ یوں کہہ دو کہ مجھ کو اخلاص کا حکم کیا گیا ہے اس جملہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مامور بالاخلاص ہونا ظاہر فرمایا گیا اس سے اخلاص کی عظمت بہت بڑھ گئی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوب ہیں اور جس امر کا محبوب بھی مامور ہو وہ کیسا امر ہوگا۔ بہت ہی مہتم بالشان اور ضروری ہوگا۔ کہ رسول اور محبوب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ (الحج المبرور ج ۱۷)

حقیقت اخلاص

اخلاص کے معنی لغت میں خالص کرنے کے ہیں اور شریعت میں بھی اس کے معنی وہی ہیں جو ورود شرع سے پہلے تھے۔ خالص گھی وہ ہے جس میں کوئی دوسری چیز ملی ہوئی نہ ہو۔ اخلاص عبادت کے معنی بھی یہ ہوئے کہ عبادت کو غیر عبادت سے خالی کیا جائے یعنی کوئی ایسی غرض اس میں ملی ہوئی نہ ہو جس کا حاصل کرنا شرعاً مطلوب نہیں ہے۔ مثلاً نماز سے بزرگ مشہور ہونا زکوٰۃ دینے سے نام آوری اور حج سے حاجی کہلانا مقصود نہ ہو اور یوں کوئی نہ کوئی غرض تو ضرور ہوگی کیونکہ فاعل مختار کا فعل غرض سے خالی نہیں ہوسکتا۔ پس اخلاص کے یہ معنی نہیں کہ رضا حق اور جنت کی بھی غرض نہ ہو کیونکہ یہ غرض تو مطلوب ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ اسمیں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنا چاہئے اھ اس سے پہلے جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے جن کی طرف رغبت کرنے کا امر خود قرآن میں موجود ہے **وفی الحدیث اللھم انی اسئلک الجنۃ و ما قرب الیھامن قول اوعمل (مسند احمد ۱ / ۱۷۲)** حدیث میں ہے کہ حضورؐ اس طرح دعا کیا کرتے تھے۔ اے اللہ! میں آپ سے جنت کی درخواست کرتا ہوں اور ان اقوال و اعمال کی جو جنت کی طرف نزدیک کردیں۔ معلوم ہوا کہ جنت کی درخواست کرنا سنت ہے

اسی لئے میں نے اخلاص کی حقیقت یہ بیان کی تھی کہ عبادت کے ساتھ کوئی ایسی غرض نہ ملائی جائے جس کا حاصل کرنا مطلوب نہیں اور ثواب اور جنت کا اور عذاب سے نجات کا مانگنا مطلوب ہے۔اس لئے یہ غرض اگر عبادت میں ملی ہوئی ہوتو یہ اخلاص کے منافی نہیں۔

بعض لوگ بے دھڑک کہہ ڈالتے ہیں کہ ہم کو جنت کی پرواہ نہیں دوزخ کی پرواہ نہیں ان لوگوں کو جنت و دوزخ کی حقیقت معلوم نہیں ورنہ ساری شیخی رکھی رہ جاوے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون کامل ہوگا۔مگر حضورؐ نے بھی جنت کی طلب کی ہے اور جہنم سے پناہ مانگی ہے۔(الحج المبرور ج ۱۷)

نعمت جنت

جنت حق تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔جس کے سامنے دنیا کی نعمتیں ہیچ ہیں۔مگر ہم کو دنیا کی نعمتوں سے بھی استغناء ظاہر کرنے سے منع کیا گیا ہے اوران دنیوی نعمتوں کی قدر اور شکر کا حکم کیا گیا ہے تو خدا کی اتنی بڑی نعمت سے استغناء اور بے پروائی کیونکر جائز ہوگی۔ بس جن بزرگوں سے ایسی باتیں منقول ہیں کہ ہم کو جنت کی پرواہ نہیں وہ ان سے غلبہ حال میں صادر ہوئی ہیں اس وقت ان کو جنت کی طرف التفات نہ تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عبدیت تو یہ تھی کہ آپ کھانا تناول فرما کر یوں فرمایا کرتے تھے۔غیر مودع ولا مستغنی عنه ربنا (الصحیح للبخاری ۷/ ۱۰۶) یعنی میں اس کھانے کو ہمیشہ کے لئے رخصت نہیں کرتا (دوسرے وقت پھر اس کا محتاج ہوں گا) اور نہ اے خدا میں اس سے مستغنی ہوں پھر جنت کی نعمتوں سے کون مستغنی ہوسکتا ہے۔(الحج المبرور ج ۱۷)

حقیقت توبہ

اور توبہ گو بظاہر اختیاری ہے مگر مرہم کی طرح من کل الوجوہ اختیار نہیں کیونکہ توبہ کی حقیقت یہ ہے ''التوبۃ ندم'' (توبہ شرمندگی ہے) جس کو یوں بھی تعبیر کیا ہے۔ ''وھو تحرق الحشاء علی الخطاء وتالم القلب علی الاثم'' (وہ خطا پر اندرونی اعضاء کو جلادیتی ہے اور دل گناہ پر متالم ہوتا ہے) پس توبہ اس سوزش اور جلن کو کہتے ہیں۔یہ معلوم ہے کہ تالم مقولہ انفعال سے ہے اور وہ اختیار سے خارج ہے۔البتہ اس پر ایک

طالبعلمانہ شبہ ہوتا ہے کہ جب توبہ امر اختیاری نہیں اور حسب الارشاد "لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" (اللہ تعالیٰ وسعت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دیتے) کے غیر اختیاری کی تکلیف دی نہیں گئی تو پھر توبہ کا امر کیوں کیا گیا۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اختیاری کی دو قسم ہیں ایک وہ جو خود اختیار میں ہو۔ ایک وہ جس کے اسباب اختیار میں ہوں۔ سو توبہ باین معنی اختیاری ہے کہ اس کے اسباب اختیاری ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے عذاب کا مراقبہ سو اس کے کرنے سے عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ ندامت اور تالم قلب جو حقیقت میں توبہ ہے پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا توبہ کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۝

"وہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ان سے کوئی گناہ ہو جاتا ہے یا اپنے نفس پر ظلم ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور عذاب کو یاد کر کے اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔"

مطلب یہ کہ اگر ان سے گناہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے عذاب کو یاد کرتے ہیں۔ یہاں پر ذکر اللہ میں مضاف محذوف ہے یعنی ذکروا عذاب اللّٰہ او عظمته اللّٰہ اور واقعی اللہ تعالیٰ کی عظمت ایسی ہی چیز ہے کہ اس کے یاد رکھنے سے نافرمانی نہیں ہو سکتی اور وہ ہے بھی قابل یاد رکھنے کے پس اس کو دل سے بھلا کر اس کی نافرمانی پر کمر باندھ لینا بڑی بے باکی کی بات ہے۔ (استخفاف المعاصی ج ۱۸)

رحمت و مغفرت

بعضے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کے ناز پر توبہ نہیں کرتے حالانکہ رحمت اور مغفرت کی خبریں اس لیے دی گئی ہیں کہ تائب کو یاس نہ ہو۔ کہا گیا ہے:

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
این درگہ ما درگہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(واپس آ واپس آ جو کچھ بھی تو ہے واپس آ جا اگر کافر آتش پرست اور بت پرست ہے تو بھی واپس آ۔ یہ ہمارا دربار ناامیدی کا دربار نہیں ہے اگر سو بار تو نے توبہ توڑی ہے تو واپس آ جا)

اور جرأت اور دلیری کے واسطے نہیں کہ اور دلیر ہو کر گناہ کرو بلکہ احسان اور رحمت خداوندی کی اطلاع کا مقتضاء یہ تھا کہ متاثر ہو کر اور بھی طاعت اور فرمانبرداری کرتے نہ کہ اور

جرأت اور گستاخی اور نافرمانی کی جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کوئی کسی کے ساتھ احسان کرتا ہے تو وہ اور زیادہ محبت واطاعت کرتا ہے نہ کہ مخالفت وسرکشی۔ (استخفاف المعاصی ج ۱۸)

تفویض کی راحت

اور اہل اللہ کی راحت کا راز یہ ہے کہ ہر کام انہوں نے مفوض بحق کر دیا ہے' اپنی کچھ تجویز نہیں کرتے تو جو کچھ ہوتا ہے ان کے لیے ایذادہ نہیں ہوتا۔ حضرت بہلول نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ کیسا مزاج ہے؟ کہنے لگے کہ اس شخص کے مزاج کی کیا کیفیت پوچھتے ہو کہ دنیا کا ہر کام اس کی خواہش کے موافق ہوتا ہو۔ حضرت بہلول نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے وہ کہنے لگے کہ یہ تو عقیدہ ہی ہے کہ کوئی کام خدا کی خواہش کے خلاف نہیں ہوتا تو جس نے اپنی خواہش کو بالکل خدا تعالیٰ کی خواہش میں فنا کر دیا ہو تو جس طرح ہر کام خدا کی خواہش کے موافق ہوگا اس طرح اس شخص کی خواہش کے موافق بھی ہوگا' کوئی بات اس کی خواہش کے خلاف نہ ہوگی اور جب یہ نہیں تو اس کو رنج کیوں ہوگا۔ یہ راز ہے اس کا کہ اہل دنیا کو کبھی راحت نصیب نہیں ہوتی اور اہل اللہ کو کبھی رنج نہیں ہوتا۔ اگر کوئی کہے کہ ہم نے تو اہل اللہ کو مریض ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہے ان پر مختلف انواع کے صدمات بھی پڑتے ہیں تو صاحبو! میں نے الم یعنی دکھ کی نفی نہیں کی' ان کو الم ہوتا ہے لیکن پریشانی وکوفت نہیں ہوتی اس الم کی ایسی مثال ہے جیسے فرض کرو کہ ایک شخص کسی پر عاشق ہے اور ایک مدت کے بعد محبوب کی زیارت اس کو نصیب ہوئی اور اس کو دیکھ کر بالکل از خود رفتہ ہوگیا۔ اسی حالت میں محبوب کو سلام کیا اس نے بجائے جواب دینے کے دوڑ کر اس کو گلے سے لگالیا اور خوب زور سے دبایا کہ اس کا ارمان پورا ہو جائے۔ عاشق چونکہ فراق کی تکالیف میں بالکل ہی گھل چکا تھا اس کے دبانے پر لگیں ہڈیاں پسلیاں ٹوٹنے۔ عین اس دبانے کی حالت میں اتفاقاً ایک رقیب آ گیا' اس کو دیکھ کر محبوب نے کہا کہ اگر میرے دبانے سے تم کو تکلیف ہوتی ہو تو تم کو چھوڑ کر اس کو دبا لوں۔ اب غور کیجئے! کہ وہ عاشق اس کا کیا جواب دے گا۔ ظاہر ہے کہ وہ یہی کہے گا:

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت   سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا نصیبہ ایسا نہ ہو کہ وہ تیری تلوار کا مقتول ہو' خدا کرے یہ سعادت تیرے عشاق کی قسمت میں ہی آئے اور دوستوں کا سر سلامت چاہے کہ اپنے خنجر کو آزماتا رہے)

اور یہ کہے گا کہ؟

اسیرت نہ خواہد رہائی زبند   شکارت نجوید خلاص ازکمند

(تیرا قیدی تیری قید سے رہائی کی خواہش نہ کرے گا' تیرا شکار پھندے سے نکلنا پسند نہ کریگا)

گردو صد زنجیر آری بگسلم   غیر زلف آں نگار دلبرم

(اگر تو دو سو زنجیریں بھی لگائے گا تو میں ان کو توڑ دوں گا' سوائے اس معشوق کے)

کیا اس قید کو وہ گراں سمجھے گا؟ ہرگز نہیں' ہاں تکلیف جسمانی ضرور ہوگی مگر قلب کی یہ کیفیت ہوگی کہ اس میں راحت بھری ہوئی ہوگی بلکہ زبان سے یہ نکلتا ہوگا۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے   یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اسی طرح اہل اللہ کو اگر تکلیف پہنچتی ہے تو جسمی مگر قلب ان کا ہر وقت راحت میں ہے۔ اب تو سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ گناہ کرنے والے کیسی تکلیف میں ہیں کہ کسی وقت راحت نصیب نہیں تو گناہ سے یہ فوری مضرت ہوتی ہے۔ (ترک المعاصی ج ۱۸)

اقسام گناہ

گناہ دو قسم کے ہیں ظاہری اور باطنی یعنی جوارح کے متعلق بھی اور قلب کے متعلق بھی' گناہ کی فہرست تو بہت بڑی ہے مگر میں مثال کے طور پر مختصراً کہتا ہوں کہ مثلاً آنکھ کا گناہ ہے کسی نامحرم کو دیکھنا' امرد کو دیکھنا یا اجنبی کا ایسا بدن دیکھنا کہ اسکا دیکھنا شرعاً ناجائز ہے جیسے عورت کے سر کے بال اور یہ مسئلہ عورتوں کو بھی بتلانا چاہیے کیونکہ وہ اس میں بہت مبتلا ہیں۔ ایک گناہ آنکھ کا یہ ہے کہ کسی کی چیز دیکھ کر حرص کرے' خداتعالیٰ فرماتے ہیں:

لَاتَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَامَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا.

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آنکھوں کو اس چیز کی طرف جو ہم نے کفار کو ان کی آزمائش کے لیے نفع کے واسطے دی ہیں ہرگز نہ اٹھائیں۔''

اس کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ مال حاصل نہ کرو بلکہ مطلب یہی ہے کہ مال کو قبلہ و کعبہ نہ بناؤ کہ اس کی بدولت دین ہی ہاتھ سے جاتا رہے۔ اسی طرح زبان کا گناہ چغلخوری ہے' غیبت ہے' جھوٹ بولنا ہے۔ آج کل کوئی بھی اس سے بچا ہوا نہیں۔ الا ماشاء اللہ اس کا علاج یہ ہے کہ جو کچھ بولو سوچ کر بولو کہ میں کیا کہوں گا اور وہ بات خلاف مرضی حق تو نہ ہوگی

پھر انشاء اللہ تعالیٰ زبان کا کوئی گناہ نہ ہوگا۔ کان کا گناہ یہ ہے کہ چھپ چھپ کر کسی کی بات سنے گانا سنے' ہاتھ کا گناہ یہ ہے کہ کسی نامحرم کو چھوئے' کوئی ناجائز مضمون لکھے۔ پیر کا گناہ یہ ہے کہ کسی ناجائز موقع پر چلا جائے اور ایک پیٹ کا گناہ ہے کہ بہت ہی کم لوگ اس سے بچے ہوئے ہوں جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روزی حلال مل ہی نہیں سکتی' جب حلال نہیں مل سکتی تو حرام حلال سب برابر پھر کہاں تک بچیں۔ (ترک المعاصی ج ۱۸)

مفہوم تواضع

تواضع کے معنی یہ ہیں کہ اپنے آپ کو دوسروں سے کم سمجھو۔ نہ یہ کہ اپنے آپ کو دوسروں سے کم تر بناؤ۔ بعض لوگ خراب خستہ صورت بنا لینے کو تواضع سمجھتے ہیں چاہے دل میں تکبر بھرا ہو تو خوب سمجھ لو! کہ اگر تواضع بھی بناوٹ سے ہو تو وہ بھی درحقیقت تواضع نہیں ہے بلکہ تکبر ہے۔ حقیقی تواضع اختیار کرو! یعنی دل سے اپنے کو سب سے کمتر سمجھو! ان شاء اللہ دیکھ لو گے کہ جاہ اور عزت اور عظمت و محبت اس کے ساتھ ساتھ ہے۔

اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزلت شو   کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا

یہ حالت بدمذاقی اور فساد حس کی ہے کہ جس چیز کے طالب ہیں اس کا طریقہ بھی غلط اختیار کر رکھا ہے۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی!   کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست

(میں ڈرتا ہوں اے اعرابی تو کعبہ نہ پہنچے گا اس لیے کہ جو راستہ تو نے چلنا اختیار کیا ہے وہ ترکستان کا ہے)

یعنی جاہ حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر اس کے طریقے بھی نہیں جانتے اور جو طریقے اختیار کر رکھے ہیں ان سے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ یاد رکھئے! کہ جس چیز میں گناہ کی آمیزش ہو جاوے اس سے کبھی جاہ یا تمدن یا اتفاق حاصل نہیں ہوسکتا۔ خصوص مسلمان کو بلکہ اس کا مفاد پیدا ہوتا ہے کیونکہ ہر گناہ میں کسی نہ کسی درجہ کا کبر ضرور شامل ہوتا ہے اس کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے کہ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ یہ شخص بڑا بننا چاہتا ہے تو وہ بھی اس کے مقابلہ میں بڑا بننا چاہتا ہے۔ اب دو متکبر جمع ہو گئے ہیں اور دو متکبروں میں کبھی میل نہیں ہوسکتا کیونکہ ہر شخص دوسرے سے کھچنا چاہتا ہے اور میل کی حقیقت دوسرے کی طرف

میلان ہے، اجتماع ضدین کیسے ہوسکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ دو بادشاہوں میں بھی اتفاق نہیں ہوتا کیونکہ وہ دونوں بڑائی کے طالب ہیں اور دو فقیروں میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ کوئی ان میں بڑائی کا طالب نہیں (یعنی جو حقیقت میں فقیر ہوں ان میں اختلاف نہیں ہوسکتا نہ یہ کہ فقیر کی صورت میں ہوں) جن کی نسبت کہا ہے:

اینکہ مے بینی خلاف آدم اند نیستند آدم غلاف آدم اند

(جو کچھ تم آدمیت کے غلاف میں دیکھتے ہو سوائے انسانیت کے لبادہ کے اس میں (حقیقی معنوں میں) انسان نہیں ہے۔ (الکاف ج ۱۸)

ترک معاصی کا ایک درجہ

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص مجاہدہ نہ کرسکے اس کے لیے بھی خدا تعالیٰ نے ترک معاصی کا ایک علاج مقرر فرمایا ہے جو نہایت ہی سہل ہے یعنی جو طالب ہو اور مجاہدہ پر قادر نہ ہو وہ یہ کرے کہ جب گناہ ہو جایا کرے فوراً توبہ کرلیا کرے اور اگر معاودت ہو جائے پھر فوراً توبہ کرے۔یہ ہے وہ علاج اور اگر اب اس سہولت پر بھی کوئی اس کو اختیار نہ کرے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی طینت ہی خراب ہے اپنی اصلاح ہی نہیں چاہتا تو اس کے لیے یہ کہا جائے گا:

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

اور آخر میں یہ کہا جائے گا کہ (اناللہ وانا الیہ راجعون)۔(تیسیر الاصلاح ج ۱۸)

تسلیم و رضا

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے صاحبزادے پر ایک مقدمہ ہوگیا تھا ایک حافظ لکھنؤ کے کہتے تھے کہ مجھ کو تعجب تھا کہ سب کے لیے تو یہ دعا کرتے ہیں اپنے بیٹے کے معاملہ میں کچھ نہیں کرسکتے۔بس خواب میں دیکھا کہ مولانا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے یہ عرض کررہے ہیں کہ یا اللہ میں احمد کے بارے میں تو کچھ کہوں گا نہیں جو آپ کی مرضی ہو اس پر راضی ہوں۔جس کی یہ شان ہو کہ خدا کی مرضی ہو وہی اس کی مرضی ہو (تادیب المصیبۃ ج ۱۸)

اخلاص کی تعلیم

حضرت ابوالحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ ایک بار ایک موقع پر چلے

جا رہے تھے۔ چلتے چلتے دجلہ کے کنارے پہنچے دیکھا کہ شراب کے مٹکے کشتیوں سے اتر رہے ہیں پوچھا کہ ان میں کیا ہے کشتی والے نے کہا کہ شراب ہے۔ خلیفہ وقت معتصم باللہ کے لئے آئی ہے اور وہ دس مٹکے تھے۔ شیخ کو غصہ آیا اور کشتی والے کی لکڑی مانگ کر انہوں نے نو مٹکے یکے بعد دیگرے توڑ ڈالے اور ایک مٹکا چھوڑ دیا۔ چونکہ یہ شراب خلیفہ کیلئے لائی گئی تھی اس لئے ان کا براہ راست خلیفہ کے ہاں چالان کر دیا گیا۔ معتضد نہایت ہیبت ناک صورت میں بیٹھ کر اجلاس کیا کرتا تھا۔ لوہے کی ٹوپی اوڑھتا تھا اور لوہے کی زرہ اور لوہے کی گرز ہاتھ میں ہوتا تھا اور لوہے کی کرسی پر بیٹھتا تھا۔

معتضد نے نہایت کڑک کر ہولناک آواز سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے کیا ہے آپ کو بھی معلوم ہے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ میں یہاں تک نہ لایا جاتا۔ معتضد یہ جواب سن کر برہم ہوا اور پوچھا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی کیا تم محتسب ہو۔ شیخ نے فرمایا کہ ہاں محتسب ہوں خلیفہ نے پوچھا کہ تم کو کس نے محتسب بنایا ہے۔ فرمایا کہ جس نے تجھ کو خلیفہ بنایا ہے خلیفہ نے پوچھا کہ کوئی دلیل ہے فرمایا کہ

يَا بُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَا مُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ

(قائم کر نماز کو حکم کر نیک باتوں کا۔ اور روک لوگوں کو بری باتوں سے اور اس سے جو تجھ کو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر)۔

معتضد یہ بے باکی کی باتیں سن کر متاثر ہوا اور کہا کہ ہم نے تم کو آج سے محتسب بنایا۔ مگر ایک بات بتاؤ کہ ایک مٹکہ تم نے کیوں چھوڑ دیا۔ فرمایا کہ جب میں نے نو مٹکے توڑ ڈالے تو نفس میں خیال آیا کہ اے ابوالحسن! تو نے بڑی ہمت کا کام کیا کہ خلیفہ وقت سے بھی نہ ڈرا میں نے اسی وقت ہاتھ روک لیا کیونکہ اس سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے توڑے تھے۔ اگر اب توڑوں گا تو وہ نفس کیلئے ہوگا اس لئے دسواں مٹکا چھوڑ دیا۔ (ذم ھوی ج ۱۹)

غصہ کا عملی علاج

میں غصہ کے بارہ میں ایک گر بتلاتا ہوں جو عملی علاج ہے جو دستور العمل بنانے کے لائق ہے وہ یہ کہ غصہ آتے ہی فوراً نافذ کرنا شروع نہ کردے۔ ذرا ٹھہر جائے اور جس پر غصہ آیا ہے اس کو اپنے سامنے سے ہٹادے یا خود وہاں سے ہٹ جائے جب جوش جاتا رہے

اب فیصلہ کرے کہ اس شخص کو کیا سزا دی جائے۔ مگر اس فیصلہ کے لئے علم دین کی ضرورت ہوگی وہ بتلائے گا کہ یہ موقع غصہ نافذ کرنے کا ہے یا نہیں پھر موقع ہونے پر سزا کتنی ہونا چاہیے اس کے بعد جو کچھ فیصلہ ہوگا وہ بجا ہوگا اور ان سب باتوں کا فیصلہ سکون کی حالت میں کرے غصہ میں نہ کرے کیونکہ حدیث میں ہے: **لایقضی القاضی وھو غضبان**

کہ قاضی غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے بلکہ خوب سوچے اور معاملہ پر نظر ثانی بھی کرے۔ یہاں بھی علم دین کی ضرورت ہوگی۔ اسی طرح میاں جی کو چاہیے کہ فوراً سزا دینا نہ شروع کر دیں۔ یہ بھی سکون کی حالت میں فیصلہ کریں جب جرم ثابت ہو جائے تو سزا بھی حکم شرعی سے تجویز کریں کہ ایک لکڑی مارنی چاہیے یا دو یا تین۔ گو نفس اس پر راضی نہ ہوگا کیونکہ اس کا مزہ تو اس میں ہے کہ دھنیے کی طرح دھنتا چلا جائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مزے کیلئے مارتے ہیں سزا کے لئے نہیں ایک بات جو پہلی بات کا تتمہ ہے یہ بھی ہے کہ جب غصہ آئے تو یہ بھی سوچیں کہ آیا سزا دینا واجب ہے یا جائز۔ اگر واجب ہو تو اس آیت پر عمل کرے: **وَلَا تاخذ کم بھما رأفة فِی دین اللّٰه.**

زنا کار کیلئے فرماتے ہیں کہ اس پر شفقت غالب نہ آنی چاہیے پس اگر شرعاً سزا واجب ہو تو سزا دینا واجب ہے شیخ شیرازی فرماتے ہیں

بے حکم شرع آب خوردن خطاست   وگر خوں بفتوی بریزی رواست

اور یہ اس صورت میں ہے جب موجب سزا اپنا حق نہ ہو بلکہ حق اللہ ہو اور اگر اپنا حق ہو کہ کسی نے ہمارا نقصان کیا تھا یا ہماری نافرمانی کی تھی تو اس وقت کامل درجہ اتباع ہدیٰ کا یہ ہے

فَمَنْ عَفٰی وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ

یعنی اپنا حق معاف کر دے گو یہ بھی جائز ہے کہ بدلہ لے لے لیکن اگر معاف کر دے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اور معاف کرنا چونکہ نفس پر شاق ہے اس کیلئے بعض مراقبات کی بھی ضرورت ہے مثلاً یہ سوچے کہ اے نفس کیا تو مجرم نہیں ہے پھر یہ کہے کہ جتنی تجھ کو اس پر قدرت ہے خدا تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے۔ پھر یہ سوچے کہ تو اپنے جرم کیلئے کیا چاہتا ہے معافی چاہتا ہے یا سزا۔ یقیناً معافی چاہتا ہے تو جیسے تو اپنی لئے معافی چاہتا ہے۔ اسی طرح تجھ کو دوسروں کیلئے بھی معافی کو پسند کرنا چاہیے۔ اور یہ بھی سوچے کہ اگر تو خطا معاف کر دیگا تو حق تعالیٰ تیری خطا معاف کر دیں گے۔ (الھویٰ والھدیٰ ج۱۹)

فضیلت ضبط

مولانا محمد اسمعیل صاحب شہید نصیحت کرنے میں تیز مشہور تھے بعض لوگوں کا گمان یہ تھا کہ یہ تیزی نفسانیت کا جوش ہے آپ ایک دفعہ مجمع میں وعظ فرمارہے تھے کہ ایک بے ادب شخص نے عرض کیا کہ حضرت میں نے سنا ہے کہ آپ حرام کی پیدائش ہیں آپ نے اسی لہجہ میں جو وعظ کا لہجہ تھا نہایت متانت سے جواب دیا کہ بھائی کسی نے تم سے غلط کہا ہے میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ تو اب تک موجود ہیں تمہارا جی چاہے تو میں ان سے گواہی دلوادوں کہ ان کے سامنے نکاح ہوا تھا اور نکاح کے بعد الولد للفراش حکم شرعی ہے۔ کیا انتہا ہے اس تواضع کی۔

اس شخص کی یہ بات تمام سامعین کو سخت گراں گزری خصوصاً جاں نثاروں کو تو نہ معلوم کیسا ہیجان ہوا ہوگا۔ مگر مولانا نے استقلال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ تحمل سے کام لیا اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ شخص آپ کے قدموں میں گر پڑا اور کہا کہ میرا گمان یہ تھا کہ آپ کا غصہ نفس کیلئے ہے آج معلوم ہو گیا کہ آپ غصہ نفس کیلئے نہیں کرتے۔ (الھویٰ والھدیٰ ج ۱۹)

مظلوم و مغلوب کی رعایت

بعض ظالم، نوکروں کی بری طرح خبر لیتے ہیں ان کے ٹھوکریں مارتے ہیں۔ اس کا نتیجہ عنقریب یہ ہوگا کہ آج وہ مظلوم اور مغلوب ہیں مگر قیامت میں غالب ہوں گے۔ حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ میرے غلام چوری کرتے ہیں، خیانت کرتے ہیں۔ میں ان کو مارتا ہوں میرا ان کا کیا معاملہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ قیامت میں ترازو کھڑی کی جاویگی ایک پلہ میں ان کی خطائیں اور ایک پلہ میں تمہاری سزا رکھی جاوے گی جو پلہ بھاری ہوگا اسی کے موافق عمل ہوگا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے سب کو آزاد کیا۔ میں اپنا کام آپ کرلیا کرونگا۔ یہ ان صحابی کا غلبہ حال تھا۔ حضور کا یہ مطلب نہ تھا۔ بلکہ مقصود یہ تھا کہ اعتدال ہونا چاہیے۔ کسی نے پوچھا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنے ماتحتوں کی کتنی خطائیں معاف کیا کروں۔ آپ نے فرمایا دن رات میں سو دفعہ۔ مراد یہ ہے کہ کثرت سے معاف کیا کرو۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ایسی نہیں کہ اس تعلیم پر عمل کرنے سے کسی کی مصلحت میں کسی قسم کا بھی خلل پڑے اس میں سب کی رعایت ہے اس لئے خاص سو کا عدد مراد نہیں۔ مراد یہ ہے کہ بعض لوگ جو خفیف خفیف باتوں پر تشدد کرتے ہیں اور تسامح جانتے ہی نہیں یہ نہیں چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی امر میں اتباع ہوٰی سے کام نہ لے بلکہ اتباع ہدیٰ کا اہتمام رکھے۔ یہ حالت مذکورہ ہماری شہوت اور غضب کی ہے۔ (الھوٰی والھدیٰ ج ۱۹)

تواضع

حضرت ذوالنون مصریؒ سے لوگوں نے قحط کی شکایت کی فرمایا کہ قحط کے دور ہونے کے سوائے اس کے اور کوئی ترکیب نہیں ہے کہ مجھ کو شہر سے نکال دو۔ کیونکہ میرے گناہوں کی وجہ سے لوگ مصیبت میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ اور یہی نہیں کہ محض زبان سے کہنے پر بس کیا ہو۔ بلکہ آپ اس شہر کو چھوڑ کر چلے بھی گئے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جب ریل میں بیٹھتا ہوں تو خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! میرے گناہوں کے سبب سے یہ لوگ ہلاک نہ ہو جائیں۔ یہی امراض ہیں جن کا علاج بزرگوں نے کیا ہے کہتے ہیں۔

یکے آنکہ برغیر بدبیں مباش　　　دوم آنکہ برخویش خودبیں مباش

یہاں رات دن ہمارا سبق ہے کہ ہم ایسے ہم ویسے اور دوسرا ایسا اور ایسا۔ (نسیان النفس ج ۱۹)

عہد فاروقی کا ایک واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ آپ رات کے وقت گشت لگا رہے تھے کہ ایک گھر میں سے گانے کی آواز آئی۔ آپ نے دروازہ کھلوانا چاہا مگر وہ لوگ اس قدر منہمک تھے کہ آپ کی آواز بھی نہ سن سکے آخر آپ مکان کی پشت پر سے اندر تشریف لے گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صورت دیکھ کر وہ سب لوگ سہم گئے لیکن چونکہ جانتے تھے کہ خلاف حضرت عمرؓ کو ہرگز غصہ نہ آئے گا۔ اس لئے ایک شخص نے جرأت کر کے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! ہم لوگوں نے صرف ایک ہی گناہ کیا لیکن آپ نے تین گناہ کئے ایک تو یہ کہ آپ بغیر اجازت ہمارے گھر میں چلے آئے۔ حالانکہ قرآن شریف میں صاف حکم ہے لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَانسوا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰی اَھْلِھَا

دوسرا یہ کہ آپ نے تجسس کیا اور قرآن میں تجسس کی ممانعت ہے لَا تَجَسَّسُوْا تیسرا یہ کہ آپ مکان کی پشت پر سے تشریف لائے حالانکہ قرآن شریف میں ارشاد ہے لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُو االْبُیُوْتَ مِنْ ظُھُوْرِھَا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہوں تم بھی اپنے گناہ سے توبہ کرلو۔

آزادی کا دم بھرنے والوں کو اس حکایت سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ آزادی ان حضرات میں تھی یا آج کے مدعیان آزدی میں کہ بہائم کی طرح ۔ نہ نماز کے نہ روزے کے کھالیا اور ہوا پرستی میں عمر گزاری۔

صاحبو! واللہ یہ آزادی نہیں یہ نفس کی شرارت اور اتباع ہوا۔ اور مطلق العنانی ہے اور یہ آزادی سانڈ کی سی آزادی ہے کہ جس کھیت میں چاہا منہ مار دیا جدھر چاہا چل دیا جو چاہا کرلیا تو کیا کوئی آزاد صاحب سانڈ صاحب کو پسند کرتے ہیں اگر اس کا جواب نعم ہے تو آج سے آپ بھی ہماری طرف سے یہی لقب لیجئے اور اگر لا میں جواب ہے تو پھر ذرا مہربانی کر کے اپنے اور سانڈ میں کچھ فرق بتلایئے اسی طرح اگر کوئی شخص اتالیق یا نگران ہو تو اس کو بھی تفتیش حالات کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر اصلاح غیر ممکن ہے۔ یا شوہر ہو کر اس کو بھی بیوی کے حالات کی تفتیش کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے متعلق اس کی اصلاح ہے یا کوئی شخص مصلح قوم ہو کہ اس کو بھی مجموعی طور سے قوم کے حالات کا علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے ورنہ وعظ کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ (نسیان النفس ج ۱۹)

غیبت میں ابتلاء مشائخ

اور جو لوگ مقتداء ہیں وہ اس کی زیادہ فکر کریں کیونکہ غیر مقتدا کو تو غیبت کرنے کی نوبت کم آتی ہے اور یہ لوگ چونکہ مرجع الخلائق ہوتے ہیں اس لئے ان کو غیبت سننے کی بھی بہت نوبت آتی ہے۔ سینکڑوں آدمی ان کے پاس آتے ہیں اور ہر شخص ان کے پاس یہی تحفہ لے کر آتا ہے اور یہ اس تحفہ کو قبول کرتے ہیں۔ ہاں جو عاقل ہوتے ہیں وہ ایسے لوگوں کا علاج بھی کرتے ہیں۔

حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص آپ کو یوں کہتا تھا حضرت نے فرمایا کہ اس نے تو پس پشت کہا لیکن تم اس سے زیادہ بے حیا ہو کہ میرے منہ پر کہتے ہو۔ حضرت میر درد دہلویؒ کو سماع سننے سے کچھ رغبت تھی ان کی نسبت حضرت مرزا مظہر

جان جاناںؒ سے آ کر کسی نے کہا کہ حضرت میر درد سماع سنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی! کوئی کانوں کا بیمار ہے کوئی آنکھوں کا بیمار ہے۔ مرزا صاحب کے اس مقولے سے اکثر جاہلوں نے یہ سمجھا کہ مرزا صاحب حسن پرست تھے حالانکہ یہ الزام بالکل غلط اور بہتان ہے۔ اصل یہ ہے کہ مرزا صاحب بوجہ لطافت مزاج کے بدصورت آدمی کو دیکھ نہ سکتے تھے اور مرزا صاحب کے بچپن کے واقعات اس کی تائید کرتے ہیں۔ یعنی مرزا صاحب کی نسبت یہ مشہور بات ہے کہ شیر خوارگی کے زمانے میں آپ کسی بدصورت عورت کی گود میں نہ جاتے تھے حالانکہ اس وقت آپ کو خوب صورتی بدصورتی کا ادراک بھی نہ تھا لیکن لطافت روح کے باعث آپ کو بدصورت آدمی سے اسی وقت تکلیف ہوتی تھی اور اس کا اثر بڑے ہو کر بھی تھا۔

غرض اس قسم کے حضرات ایسے لوگوں کا منہ اسی وقت تک بند کر دیتے ہیں اور جو لوگ احتیاط نہیں کرتے وہ ان کے آنے والوں کی بدولت اکثر گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ ان کو سمجھنا چاہیے۔

ہر کہ عیب دگراں پیش تو آورد و شمرد بیگماں عیب تو پیش دگراں خواہد برد

اس لیے میں نے کہا تھا کہ مقتدا لوگ باستثناء محتاطین و متقین کے زیادہ اس آفت میں مبتلا ہو جاتے ہیں یہ ہے وہ مرض۔ (نسیان النفس ج ۱۹)

آئینہ مسلم

میں اس حدیث کے کہ **المسلم مراۃ المسلم** یہی معنی بیان کیا کرتا ہوں۔ یعنی جس طرح آئینہ کا خاصہ ہے کہ وہ تمہارے عیوب چہرہ کو تم سے چھپاتا نہیں اور دوسروں پر ظاہر نہیں کرتا اسی طرح مسلمان کو بھی ہونا چاہیے کہ کسی مسلمان کے عیوب کو اس سے چھپائے نہیں اور دوسروں پر ظاہر نہ کرے نیز یہ کہ کسی مسلمان کی طرف سے دل میں کینہ نہ رکھنا چاہیے بلکہ آئینہ کی طرح بالکل صاف باطن رہنا چاہیے کسی نے خوب کہا ہے۔

کفر ست در طریقت ما کینہ داشتن آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

یہ شعر اس مقام پر بہت زیادہ چسپاں تو نہیں ہے لیکن لفظ آئینہ کی مناسبت سے بڑھ دیا گیا ہے کہ آئینہ کی شان صفائی ہوتی ہے اور اوپر جو وجہ شبہ بیان کی گئی ہے وہ بھی صفائی کی فرد ہے۔ (نسیان النفس ج ۱۹)

جانوروں سے ہمدردی

بعض احادیث سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کے ساتھ بھی ہمدردی کرنا ضروری ہے اوران کوستانا جائز نہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اگر سواری کوٹھہرا کر بات کرنا ہوتو اس پر سے اتر پڑو اس پر چڑھے چڑھے زیادہ باتیں مت کرو۔ حتیٰ کہ جن جانوروں کے ذبح کرنے یا قتل کرنے کی بھی اجازت دی ہے ان کے ذبح اور قتل کے بھی قاعدے بتلادیئے ہیں اوراس میں ظلم کی اور ترسانے کی ممانعت اوراس پر وعید فرمادی ہے۔ (احسان التدبیر ج ۱۹)

ذبح کے آداب

ذبیحہ کیلئے فرمایا کہ چھری کو تیز کرلیا کرواور جلدی ذبح کردیا کرو۔ جب چارر گیں کٹ جائیں تو پھر آگے تک چھری چلانا بھی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ چاروں رگوں کے کٹنے کے بعد فوراً تو جان نکلتی نہیں اس لئے اگر آگے بھی چھری چلائی جائے گی تو بلاضرورت اس کو تکلیف ہوگی اور یہ حرام ہے۔

افسوس ہے کہ آجکل دوسری قومیں مسلمانوں کو بے رحم بتلاتی ہیں۔ وہ ذرا آنکھ کھول کر دیکھیں کہ مسلمانوں میں کس قدر رحم ہے اوراگر اس کا نام بھی بے رحمی ہے تو دنیا میں کوئی بھی رحیم نہیں کیونکہ تمام قومیں اپنی ضرورت میں آدمی کے قتل تک کو بھی جائز کہتی ہیں۔ چنانچہ ملکی لڑائیوں میں اور مذہبی جنگجوؤں میں ہزاروں آدمی تیغ کے گھاٹ اتر جاتے ہیں جولوگ ہتیا کرتے ہیں وہ بھی بکری وغیرہ کو سانپ کو بچھو کو مار ڈالتے ہیں اوراگر کوئی کہے کہ ہم تو کسی کو بھی نہیں مارتے تو میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جب آپ کے گھر میں بہت سے چوہے ہوجاتے ہیں اور وہ آپ کو ستاتے ہیں تو آپ ان کا کیا علاج کرتے ہیں۔ بعضے یہ کہیں گے کہ ہم ان کو پکڑ کر دوسرے محلے میں چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ بعضے ایسا کرتے بھی ہیں تو نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ اس محلے کے مسلمان خوب اچھی طرح جوتوں سے مار مار کر ان کا خاتمہ کریں۔ تو صاحبو! کیا کوئی عقل منداس کو رحم کہے گا کہ جن چیزوں کو اپنا دیوتا سمجھا جاتا ہے ان کو ایسے لوگوں کے سپرد کیا جائے جن کو بے رحم سمجھا جاتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اپنی مصلحت سے دوسروں کی جان لینا جائز ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خداتعالیٰ کی اجازت اپنی مصلحت سے بڑھ کر ہے تو خداتعالیٰ کی اجازت سے دوسروں کی جان لینا کیوں

نہ جائز ہوگا۔ اور جب جائز ہے تو مسلمانوں پر بے رحمی کا اعتراض بالکل غلط ہوا اور اگر اب بھی وہ بے رحم ہیں تو آپ ان سے زیادہ بے رحم ہیں کہ ان کے ہاتھ سے بے رحمی کراتے ہیں۔

غرض جانور کے ذبح کو بھی بے رحمی بتلانا سخت غلطی ہے ہاں ذبح میں اس کو تکلیف دینا ستانا یہ بے رحمی ضرور ہے تو شریعت مطہرہ نے اس کی کہیں اجازت نہیں دی۔ مگر افسوس ہے کہ آجکل ذبح کرنے والے اکثر اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ بلکہ بعض تو یہاں تک غضب کرتے ہیں کہ ٹھنڈا ہونے سے قبل ہی کھال بھی کھینچنا شروع کر دیتے ہیں۔ خیر قصائیوں کو اختیار ہے وہ جو چاہیں کریں خود بھگتیں گے۔ لیکن جو لوگ ذبح کرتے ہیں وہ تو ذبح میں کہ انکا فعل ہے تکلیف نہ دینے کا انتظام کر سکتے ہیں۔ خدا ہمارے بزرگوں کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے قصائیوں کو ذبح کی اجازت ہی نہیں دی۔ اس میں منجملہ دوسرے مصالح کے ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اکثر سخت دل ہوتے ہیں۔ پس دوسرے لوگ کچھ تو رحم کریں گے بالخصوص قربانی کے جانوروں میں تو لوگوں کو بہت ہی احتیاط کرنی چاہیے کیونکہ وہ تو خالص اپنی مِلک ہیں قصائیوں کا اس میں کوئی اختیار نہیں پس جب تک وہ ٹھنڈی نہ ہو جائیں ہرگز کھال نہ نکالنے دیں۔ (احسان التدبیر ج ۱۹)

حقیقی رحم کا فقدان

اکثر لوگ جانوروں پر تو رحم کرتے ہیں لیکن اپنے بھائیوں پر رحم نہیں کرتے۔ بعض کی تو یہ حالت ہوگئی ہے کہ ان کے گھر میں چیزیں رکھی سڑ جائیں گی لیکن کبھی یہ توفیق نہ ہوگی کہ پڑوسیوں کو یا کسی دوسرے حاجت مند کو اس میں سے کچھ دیدیں اور اگر کسی کو دیں گے تو ایسے شخص کو جس کے دینے سے ان کا نام ہو یا ان کا کوئی کام نکلے تو یہ دینا واقع میں اپنے ہی کو دینا ہے باقی ترحم کیلئے بہت کم لوگ ہیں کہ وہ کسی کو کچھ دیتے ہیں اور یہ لوگ زیادہ تر وہ ہیں جو کہ خود نہایت آرام میں ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ تکلیف کس چیز کا نام ہے۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے سات برس کے متصل قحط میں کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔ اور جب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ آج کل قحط کا زمانہ ہے لوگ بے وقت میرے پاس غلہ لینے کیلئے آتے ہیں اگر میں شکم سیر ہو کر کھاؤں گا تو مجھ کو ان کی تکلیف کا اندازہ نہیں ہو سکے گا تو ممکن ہے میں کسی

وقت غلہ دیتے سے انکار کردوں اور بھوکا رہوں گا تو ہر وقت یہ معلوم رہے گا بھوک کی تکلیف ایسی ہوتی ہے اس کو بھی ایسی ہی تکلیف ہورہی ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص خود آرام میں ہو اس کو دوسرے کی تکلیف کا اندازہ نہیں ہوتا۔ اور یہی سبب تھا کہ پہلے زمانہ میں تربیت کرتے وقت کچھ تکلیف بھی دیا کرتے تھے۔(احسان التلبیر ج ۱۹)

تواضع

حضرت ذوالنون مصریؒ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ مدین میں قحط پڑا لوگ ان کے پاس دعا کرنے کیلئے آئے تو آپ نے فرمایا کہ امساک باراں گناہوں کے سبب ہوتا ہے اور سب سے زیادہ گنہگار شہر میں ہوں۔ لہٰذا مجھے شہر سے نکال دو تو بارش ہو جائے گی اور یہی نہیں کہ محض زبانی کہہ دیا ہو۔ بلکہ آپ اس شہر سے چلے بھی گئے ہم لوگ شب و روز گناہوں میں مبتلا ہیں لیکن ہم کو کبھی وہم بھی نہیں ہوتا کہ ہمارے اعمال کی شامت ہے۔

حضرت سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانیؒ جن کی شان یہ تھی کہ قدمی علیٰ رقاب کل اولیاء اللہ(قال العارف السهر وردی انه قال فی حالة السکر وقال بعض العلماء انه قاله بالالهام من الله عزوجل والاقرب الیٰ سیر تهٗ هوالاول والله اعلم لکن من ثبت فضله علیه فهو مستثنیٰ من ذلک والکشف ظنی فانهم . ۱۲ احمدحسن سنبهلی عفی عنه) ان کا مقولہ ہے ان کی وہ حالت تھی جو شیخ نے گلستان میں نقل کی ہے کہ وہ یہ کہہ رہے تھے۔

من نگویم کہ طاعتم بپذیر — قلم عفو برگنا ہم کش

یعنی میں یہ نہیں کہتا کہ میری طاعت کو قبول فرمالیجئے اس لئے کہ میرے پاس طاعت ہی کہاں ہے۔ صرف یہ التجا ہے کہ میرے گناہوں کو بخش دیجئے اور آپ کے اس قول میں قدمی علیٰ رقاب کل اولیاء اللّٰہ اگرچہ اختلاف ہے کہ تمام اولیاء اللہ مراد ہیں یا اس زمانہ کے اولیاء اللہ۔ لیکن دوسری شق میں بھی کچھ کم فضیلت ثابت نہیں ہوتی تو جب یہ حضرات اپنے کو ایسا کہیں تو ہم کو کیا حق ہے کہ ہم اپنے کو جنیدؒ وقت سمجھیں۔ اور اگر جنیدؒ ہی سمجھیں تب بھی اپنے کو گنہگار سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ جنیدؒ تو اپنے کو بہت بڑا گنہگار سمجھتے تھے۔ مگر ہمارا تقویٰ کچھ ایسا لوہے جڑا ہے کہ فسق و فجور سے بھی

نہیں جاتا کچھ بھی کریں مگر پھر بزرگ کے بزرگ ہمارے تقویٰ کی وہ حالت ہے کہ جیسے بی بی تمیزہ کا وضو تھا کہ وہ کسی طرح ٹوٹتا ہی نہ تھا۔(احسان التدبیر ج ۱۹)

مراتب خلق

غصہ اوراسی طرح ہر خلق کے اندر تین مرتبے ہیں۔اول تو غصہ کا پیدا ہونا یعنی ہیجان نفس۔دوسرے یہ ہے کہ اس کے مقتضی پر جوش میں آ کر کوئی کاروائی کرنا مثلاً غصہ آیا اور جوش آیا کہ زبان سے فلاں بات سخت اس کو کہوں اور ہاتھ سے ماروں۔پس جس قدر ہیجان اور جوش کا مقتضی تھا سب افعال اس نے کر لیے۔تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ ہیجان تو ہوا لیکن نفس اس شخص کو بے قابو نہیں کرتا اور نہ جوش کو جاری کرتا ہے اور معاً کوئی کاروائی نہیں کی۔بلکہ جب جوش ختم ہو گیا اس وقت غور کر کے کاروائی کرتا ہے۔اب تینوں مرتبوں میں غور کرنا چاہیے کہ کس میں مصلحت ہے اس لئے کہ غصہ کے اندر عقلی اور شرعی حکمتیں ضرور ہیں ان کا انکار کسی طرح نہیں کیا جا سکتا اور وہ مصالح واجب التحصیل ہیں اور موقوف علیہ ان کا غصہ ہے اور بحکم مقدمۃ الواجب واجب۔بعض افراد کے اعتبار سے غصہ واجب ہوا اور بعض کے اعتبار سے منہی عنہ بھی ہے جو لوگ محققین نہیں ہیں وہ ایسے مقامات پر پہنچ کر تنگ ہوتے ہیں اور گھبراتے ہیں حتیٰ کہ بعض نے گھبرا کر یہ کہہ دیا ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ　　　باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

اس شعر کا قائل ممکن ہے کہ کوئی درویش صاحب حال ہو لیکن یہ شعر بالکل غلط ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اور ارشاد ھے : يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ اور ارشاد ہے مَا جَعَلَ عَلَيْكُم فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَج. پس شریعت میں کوئی تنگی اور گھبراہٹ اور بے چینی نہیں ہے جس کو شریعت تنگ نظر آئے خود اس کے اندر تنگی ہے یرقان کے مریض کو سب چیز زرد معلوم ہوا کرتی ہے اور صفراوی کو شیریں شے تلخ معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ ابھی معلوم ہوگا کہ شریعت میں کس قدر وسعت ہے۔حقیقت یہ ہے کہ غور کرنا چاہیے کہ تین مرتبے جو غضب کے بیان کئے گئے ہیں ان میں سے وہ مصلحتیں کس درجہ میں حاصل ہوں گی کہ وہ مرتبہ مامور بہ اور ماذون فیہ ہو اور کس مرتبہ میں حاصل نہ ہوں گی کہ وہ

منہی عنہ اور قبیح ہو۔ اول مرتبہ تھا جوش کا آنا یہ تو منہی عنہ نہیں ہے شریعت کا حکم یہ نہیں کہ ہم بالکل ٹھنڈے بن جائیں۔ بعضوں نے اپنے نفس کو اس قدر مارا کہ بالکل ہی اس غریب کو مار ڈالا۔ دیکھو! اگر شریعت میں اس قدر بے حسی مطلوب ہوتی تو کلمۃ اللہ جو شرق سے غرب تک بواسطہ اعلاء کے پھیل گیا۔ یہ کیسے ہوتا۔ یہ غصہ ہی کی بدولت ہوا۔ اسی طرح شہوۃ کا قطع کرنا اگر مقصود ہوتا تو توالد اور تناسل کیسے ہوتا اور نیز مجاہدہ کے اندر جو اجر رکھا گیا ہے وہ کیسے حاصل ہوتا۔ تقویٰ کی دولت کہاں سے نصیب ہوتی۔ مولانا اسی مضمون کو فرماتے ہیں۔

شہوت دنیا مثال گلخن است   کہ ازو حمام تقویٰ روشن است

یعنی دنیا کی شہوت کی مثال بھٹی کی سی ہے کہ اس سے تقویٰ کا حمام روشن ہے گو شہوت بمنزلہ اپلوں اور ایندھن کے ہے اور پانی جو اس سے گرم ہو رہا ہے وہ بمنزلہ تقویٰ کے ہے۔ عجیب مثال ہے سخت غلطی ہے اس شخص کی جو غصہ کو بالکل دور کرنا چاہے کہ وہ بالکل ہی ملیامیٹ ہو جائے اگر یہ مطلوب ہوتا تو یوں نہ فرماتے وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ اور یہ ارشاد نہ ہوتا وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ اور لاتغضب صیغہ نہی کا ارشاد نہ ہوتا اس لئے کہ محو ہو جانے کے وقت مادہ ہی غضب کا نہ رہتا تو اس سے نہی ہی کی ضرورت نہ رہتی پس جوش اور غصہ کا آنا منہی عنہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ امور غیر اختیاریہ میں سے ہے اور امر و نہی امور اختیاریہ کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور امور اختیاریہ نہ محمود ہیں نہ مذموم۔ ہاں اس اعتبار سے ان کو محمود کہا جا سکتا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی قضا سے پیش آئے ہیں جیسے حافظ شیرازی اسی مضمون کی نسبت کہتے ہیں۔

درطریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست   برصراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

بہرحال یہ درجہ تو منہی عنہ نہیں ہے اب دو درجہ باقی رہ گئے ایک تو جوش کے موافق کاروائی کرنا دوسرے جوش کو دبا کر عقل اور شرح کی اقتضاء کے موافق عمل کرنا۔ سو تجربہ یہ ہوا ہے کہ جوش کے موافق کاروائی کرنے میں مصالح عقلیہ بالکل نہیں ہیں اور مفاسد بہت ہیں طبعی مصلحت یعنی لذت آنا یہ بے شک ہے۔ لیکن وہ ایسی ناک کے رستہ نکلتی ہے کہ آدمی اس پر بے حد نادم ہوتا ہے مثلاً جوش آیا اور اس کو روکا نہیں اور کسی کو برا کہہ دیا وہ مخالف ہو گیا یا کسی کی آنکھ پھوڑ دی یا ہاتھ توڑ دیا تو اس کا انجام دنیا و آخرت دونوں کے اعتبار سے برا ہے۔ شرعی مصلحت بھی جوش کے مقتضا پر عمل کرنے میں کچھ نہیں ہے اس لئے ارشاد یہ ہے يَسِّرَا

وَلَا تُعَسِّرَا اَبشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا۔ یعنی سہولت کرو سختی نہ کرو۔ خوش خبری دو نفرت مت دلاؤ اور اتنے جوش پر عمل کرنے سے یقیناً نفرت ہوتی ہے اگر کوئی کہے کہ ہیبت کی سخت ضرورت ہے یہ عقلی مصلحت ہے ہم کہتے ہیں کہ ہیبت اس طرح سے نہیں ہوتی۔ ہیبت تو محبت سے ہوتی ہے تنفیر سے تو ایسا خوف ہوتا ہے جیسے درندہ سے ہوتا ہے۔ ہیبت نہیں ہوتی ہیبت محبت کے ساتھ ہوتی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کس قدر محبت تھی اور ہیبت بھی بہت تھی۔ معشوق کی محبت بھی ہوتی ہے۔ اور ہیبت بھی اس قدر ہوتی ہے کہ اس کی طرف دیکھا نہیں جاتا۔ (الغضب ج ۱۹)

غصہ کا علاج

عروہ کو غصہ آیا لیکن ابووائل کہتے ہیں کہ انہوں نے فوراً پانی منگا کر وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور کہا کہ میرے باپ نے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ الغضب من الشیطان اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان الشیطان خلق من النار یعنی غصہ شیطان کا اثر ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے دیکھئے غصہ کے وقت حرارت ہی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ چہرہ کیسا سرخ ہو جاتا ہے۔ ہاتھ پیر کانپنے لگتے ہیں یہ سب نار کے ہی فعل ہیں۔ چنانچہ شیطان سے کسی نے پوچھا کہ انسان کے جسم میں تو کہاں رہتا ہے جس وقت انسان خوش ہوتا ہے تو دل میں ہوتا ہوں اور جب غصہ ہوتا ہے تو سر کے اوپر ہوتا ہوں۔

سبحان اللہ طبیب ماہر جاہل سے ہمیشہ اچھا ہوتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا الغضب من الشیطن والشیطن من النار تو اس کا علاج بھی وہ تعلیم فرمایا جو اس کا پورا مقابل ہے یعنی یہ تعلیم فرمایا کہ غصہ کے وقت وضو کرو صرف اعضاء کا دھونا نہیں بتایا۔ اس واسطے کہ صرف نار نہیں بلکہ شیطان کا اثر ہے جو نار سے مخلوق ہے نار کا مقابل پانی اور شیطان کی شیطنت اور کفر کے مقابل عبادت عبادت تکبر کی ضد ہے اور شیطان کی تمام شیطنت کا خلاصہ کبر ہے تو وہ فعل علاج کیلئے تجویز فرمایا جو نار کا بھی مقابل ہے اور کبر کا بھی مقابل ہے یعنی عبادت ہے اور وہ فعل وضو ہے۔ صرف اعضاء کے دھونے سے حرارت بے شکم کم ہو جاتی مگر عبادت شامل ہونے سے جو تاثیر پانی کی بڑھ گئی وہ سوائے اس طریقے کے اور کسی طرح حاصل نہ ہوتی۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ وضو عبادت ہے۔ اگر عبادت مقصودہ بھی نہ ہو تو لازم عبادت تو ہے ہی۔ اور لازم شے میں بھی کچھ نہ کچھ اثر ملزوم کا ہوتا ہی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بنفشہ اور نیلوفر اور خطمی اور ملٹھی وغیرہ بھی چند دوائیں ہیں جو طبیبوں کے نسخوں میں اکثر لکھی جاتی ہے۔ مگر انہی دواؤں سے آپ علاج نہیں کر سکتے طبیب کی پھر ضرورت ہے اور طبیب کیا کرتا ہے کہ انہی دواؤں کو ایک خاص ہیئت پر جمع کر دیتا ہے اس ترکیب کو علاج میں بڑا دخل ہے تو آپ کو اگر مرض کا علاج کرانا ہو تو دواؤں کو اسی ترکیب سے استعمال کریں اپنی رائے کو دخل نہ دیجئے ورنہ نقصان ہوگا۔ ہم کو ہمارے طبیب روحانی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقعوں کیلئے وضو سکھایا ہے یہ کام ہاتھ پیر دھونے سے نہیں نکل سکتا جو باقاعدہ مرکب نسخہ سے نکلے تو وضو کو بالخاصہ غصہ کے دور کرنے میں دخل ہے۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

وضو سے قرب الٰہی

وضو عبادت ہے اور عبادت کہتے ہیں تقرب الی اللہ کو جب انسان کو حق تعالیٰ سے قرب ہوگا تو ظاہر ہے کہ شیطان سے بُعد ہوگا بلکہ شیطان خود وہاں ٹھہر نہ سکے گا اور اس کو دور ہونا پڑے گا۔ دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست

آدمی جب عبادت کرتا ہے تو جتنا یہ حق تعالیٰ کی طرف چلتا ہے اس سے زیادہ حق تعالیٰ اس کی طرف کرم فرماتے ہیں حدیث قدسی ہے من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا ومن اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ. یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص میری طرف ایک بالشت آتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو کوئی میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے میں دو ہاتھ بڑھتا ہوں۔ اور کوئی میری طرف آہستہ چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ آپ وضو سے ذرا تقرب کریں گے تو حق تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا مینہ برس پڑیگا پھر جہاں حق تعالیٰ وہاں کیسا شیطان اور جہاں رحمت کی بارش وہاں کیسی آگ۔

دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست (غوائل الغضب ج ۱۹)

غصہ کا علاج...اہل عرب کا ایمان

اور بعض اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ وضو کرنے سے بھی غصہ فرو نہیں ہوتا اس کی وجہ

صرف ضعف ایمان ہے ورنہ ہم نے عرب میں بدویوں کو دیکھا ہے حالانکہ وہ بالکل جاہل لوگ ہیں نہ خود علم ہے نہ علماء کی صحبت ان کو نصیب ہے مگر اللہ اکبر حق تعالیٰ نے کیسا ایمان ان لوگوں کے دلوں میں رکھا ہے کہ دو بدوؤں میں لڑائی ہو جاوے اور تلوار چلنے کی نوبت آ جائے اور دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں اس حال میں کوئی تیسرا شخص کہہ دے یاشیخ اصل علی النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تو بس لڑائی رہے نہ جھگڑا۔ اور ان کا غصہ اور حرارت ایک دم فنا ہو جاتی ہے اس کے مقابلہ میں یہاں دیکھئے کسی کے سامنے غصہ کی حالت میں کہتے ہیں کہ میاں! اللہ میاں کا نام لے مگر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ دونوں بدو اس لفظ کو سن کر ممکن نہیں کہ سوائے درود شریف کے اور کوئی جواب دیں اور جہاں درود شریف انہوں نے پڑھا اور ان کا جوش کافور ہوا۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

غصہ کا دوسرا علاج

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا غضب احد کم فلیجلس یعنی جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اگر کھڑا ہے تو بیٹھ جائے اور اگر اس سے نہ جائے تو لیٹ جائے۔ یقین کامل ہے کہ اس سے آگے کسی تدبیر کی ضرورت نہ ہوگی۔ اس میں اہل لطائف نے ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ غصہ کے فرو کرنے میں لیٹنے اور بیٹھنے کو کیا دخل ہے وہ یہ ہے کہ جب آدمی کھڑا ہوتا ہے تو زمین سے اس کے جسم کو بُعد ہوتا ہے اور بیٹھنے میں بہ نسبت زمین سے قرب ہو جاتا ہے۔ اور لیٹنے میں اس سے بھی زیادہ زمین سے مل جاتا ہے اور زمین کی طبیعت میں حق تعالیٰ نے انکسار رکھا ہے وہ انکسار آدمی پر بھی اثر کر جاتا ہے اور انکسار تکبر اور غضب کی ضد ہے۔ تو گویا یہ علاج بالضد ہوا اور یہی اصل الاصول علاج کا ہے اور فطری طور پر بھی یہ علاج واقعی علاج ہے تجربہ سے دیکھا جاتا ہے کہ غصہ میں بے اختیار یہ جی چاہتا ہے کہ ایسی ہیئت بنائے کہ مارنا کوٹنا پکڑنا وغیرہ آسان ہو جائے مثلاً اگر لیٹے ہوئے آدمی کو غصہ آئے تو بے اختیار اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اور اگر اس سے بھی زیادہ غصہ ہو تو کھڑا ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ لیٹا ہوا آدمی دوسرے کو مارنا پیٹنا ایسا نہیں کر سکتا جیسا کہ بیٹھا ہوا یا کھڑا ہوا کر سکتا ہے تو غصہ کا مقتضائے طبعی یہی ہوا کہ آدمی لیٹا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو کھڑا ہو جائے تو بیٹھنے کو غصہ کی اصلی ہیئت سے کچھ بُعد ہے اور لیٹنے کو بہت زیادہ بُعد ہے تو یہ تعلیم عین فطری تعلیم ہوئی کہ اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

غصہ کا تیسرا علاج

ایک تیسرا علاج اور ہے۔ سبحان اللہ! شارع علیہ السلام نے اخلاق کی کس قدر اصلاح فرمائی ہے ہر ہر مرض کے متعدد علاج بتا دیئے ہیں۔ اور جیسا کہ اس سے شفقت ثابت ہوتی ہے ایسی ہی یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اخلاق کی درستی اعمال ظاہرہ سے بہت زیادہ ضروری ہے کیونکہ متعدد تدبیریں اسی کام کیلئے کی جاتی ہیں جس کی ضرورت زیادہ ہو۔ جس مکان میں معمولی اسباب ہوتا ہے اس میں ایک تالا ڈال دیا کرتے ہیں اور جس میں کچھ قیمتی اسباب ہوتا ہے اس میں خوب مضبوط تالا بلکہ متعدد تالے ڈالتے ہیں اور جس میں خزانہ ہوتا ہے اس میں کئی کئی قسم کے تالے ڈالتے ہیں اور مزید اعتبار کیلئے پہرا بھی رکھتے ہیں وجہ اس کی یہی ہے کہ خزانہ کی حفاظت اور اسباب سے زیادہ ضروری ہے اور خزانہ دوسرے تمام سامان سے زیادہ قیمتی چیز ہے۔ شارع علیہ السلام نے جن امراض کی کئی کئی تدبیریں بتائی ہیں وہ امراض ایسے نہیں ہیں جن کو سرسری نظر سے دیکھا جاوے بلکہ وہ امراض سخت امراض ہیں اور ان سے بچنے کی کچھ زیادہ ہی ضرورت ہے جب تو ایک تدبیر پر اکتفا نہیں کیا گیا۔

مگر افسوس ہے کہ ہم لوگوں کی بڑی توجہ اگر ہوئی تو صرف اعمال ظاہری کی طرف اور یہی بڑی معراج ہے کہ پانچ وقت نماز پڑھ لیا کریں اور رمضان میں روزے رکھ لیا کریں۔ نماز روزہ واقعی رکن ایمان ہیں لیکن یہ بھی بلا شک وشبہ سمجھ لیجئے کہ درستی اخلاق من وجہ ان سے بھی زیادہ ضروری اجزاء ہیں کیونکہ اخلاق اعمال کیلئے بمنزلہ اصول کے ہیں فروع کیلئے درخت میں سے دو چار شاخوں کا بھی کٹ جانا اتنا اثر نہیں رکھتا جتنا کہ جڑ کے ایک ریشہ کا کٹ جانا رکھتا ہے۔

خیر! وہ علاج ثالث یہ ہے جس کو روایت کیا ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا دو شخصوں میں جھگڑا ہوا یہ دونوں صحابی تھے بشریت سے کوئی خالی نہیں۔ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دونوں کو غصہ آ گیا۔ یہ ظاہراً سوء ادبی ضرور ہے مگر حق تعالیٰ کو ہمارے لیے ایک تعلیم پہنچانی تھی کہ وہ بلا اس غصہ کے نہ ہوتی دونوں کو غصہ آیا۔ اور خوب جھگڑا ہوا۔ دونوں میں سے کوئی خاموش نہ ہوتا تھا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **انی اعلم کلمۃ لو قالھا لذھب عنہ مایجد** یعنی میں ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر غصہ والا اس کو پڑھ لے تو ابھی غصہ جاتا رہے اور وہ کلمہ **اعوذ باللہ** ہے۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

غصہ کے دیگر علاج

ایک علاج غصہ کا علماء نے یہ کہا ہے کہ اس جگہ سے علیحدہ ہو جائے ظاہر ہے کہ جب دوسری جگہ چلا جائے گا تو نہ وہ شخص موجود ہوگا جس پر غصہ آیا نہ وہ اسباب وہاں موجود ہوں گے جو باعث غصہ کے ہوئے تھے۔ غصہ آپ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اور ایک علاج یہ ہے کہ جس کو غصہ زیادہ آتا ہو ایک کاغذ پر یہ لفظ لکھ کر کسی ایسے موقعہ پر لگا دے کہ اس پر ضرور نظر پڑتی ہو وہ لفظ یہ ہے ''خدا تعالیٰ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت ہے کہ جتنی تجھ کو اس پر ہے''۔ غصہ جبھی آتا ہے کہ جب دوسرے کو اپنے سامنے کمزور پاتا ہے اور جب دوسرا زبردست ہوتا ہے تو غصہ نہیں آتا۔ بلکہ اگر تیسرا ابھی ایک زبردست موجود ہو اس کے سامنے بھی تو غصہ نہیں آتا۔ کہیں ایک ہاتھی مست ہو گیا تھا اور لوگوں کو مارنا شروع کیا بہت تدبیریں کیں مگر قابو میں نہ آیا۔ یہاں تک کہ مالک نے اجازت دیدی کہ گولی سے مار دیا جائے ایک پرانے فیل بان نے یہ تدبیر بتلائی کہ ایک شیر ببر کا کٹگرا اس کے سامنے لا کر رکھ دو۔ بس شیر کا لانا تھا کہ وہ مستی اور شور سب جاتا رہا اور ہاتھی چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ ہاتھی کی بھی جان بچ گئی اور مالک کا بھی نقصان نہ ہوا۔ اسی طرح جب اس عبارت کو دیکھ کر ایک قادر قوی کا استحضار ہوگا۔ یعنی حق تعالیٰ کی عظمت اور جبروت ذہن میں گزرے گی۔ بس پھر غصہ کا نام کہاں۔ اور ایک علاج یہ ہے کہ گو غصہ اپنے سے کم مرتبہ والے پر آیا ہے مگر انسان سوچے کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ میں بڑا ہوں اور یہ چھوٹا ہے۔ اس وقت میں زبردست ہوں لیکن ممکن ہے ابھی ذرا دیر میں یہ شخص زبردست ہو جائے اور میں زیردست ہو جاؤں ایسے واقعات دنیا میں دن رات رہتے ہیں۔ یہ ہماری صرف کوتاہ نظری اور غفلت ہے کہ یاد نہیں رکھتے اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ وہ شخص زبردست نہیں ہو سکتا تو دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ یہ سوچنا چاہیے کہ ممکن ہے کہ آخرت میں مجھ سے بہتر ہو اور بلکہ دنیا ہی میں خدا تعالیٰ کے نزدیک مقرب ہو اور حق تعالیٰ کے اولیاء میں سے ہو کسی کی نیکی اور بدی پیشانی پر لکھی ہوئی نہیں ہوتی۔ اگر وہ خدا تعالیٰ کے اولیاء میں سے ہے تو اس کی نسبت حق تعالیٰ کا یہ اعلان ہے کہ میرے اولیاء کو جو کوئی ستاتا ہے تو میں اس کو اس نظر سے دیکھتا ہوں جس سے شیر اس شخص کو دیکھتا ہے جو اس کے بچوں کو چھیڑتا ہے اور ایک حدیث ہے من عادی لی ولیا فقد اذنته

بالحرب فلیغوم بحرب من اللہ (یہ روایت تفسیر مظہری کی ہے) یعنی جو شخص میرے کسی مقرب بندہ سے عداوت رکھے میں اس کو اعلان جنگ دیتا ہوں۔ وہ مجھ سے لڑنے کے لئے تیار رہے العظمۃ للہ . جب کسی دنیا کے حاکم سے بگاڑ ہو جاتا ہے تو کسی کو کچھ نہیں چلتی۔ خدا تعالیٰ کے سامنے کیا کوئی پیش لے جا سکتا ہے۔ تو گو وہ مخص ضعیف ہے مگر اس کی پناہ پر سب سے بڑا زبردست موجود ہے۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

غصہ کا محل

جب غصہ ایسی بری چیز ہے تو انسان میں اس کی ترکیب کیوں رکھی گئی ہے اس کا جواب حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے اصول سے دیتا ہوں۔ حضرتؒ فرماتے تھے ہر چیز میں برائی اور بھلائی دونوں میں موقع استعمال کے فرق سے ایک ہی چیز خیر اور شر ہو جاتی ہے جیسے روپیہ کہ اسی سے آدمی کی بسر معاش ہے اور اسی کو جرائم میں خرچ کیا جائے تو آدمی مجرم بن جاتا ہے تو اسی روپیہ کی بدولت جس سے آرام پاتا تھا۔ اب قسم قسم کی تکالیف اٹھاتا ہے وجہ یہی ہے کہ بے موقعہ خرچ کیا گیا۔ اسی طرح غصہ کو حق تعالیٰ نے مضرب کیلئے پیدا کیا ہے۔ اس میں دفعہ کا ایسا اثر ہے جیسے تلوار میں کاٹنے کا کسی اپنے عزیز کے گلے پر تلوار رکھ دو جب بھی کاٹے گی اور کسی دشمن کے گلے پر رکھو۔ جب بھی کاٹے گی پس غصہ میں فی ذاتہ کوئی برائی نہیں بلکہ قصور کام لینے والے کا ہے۔ اعداء اللہ کے مقابلہ میں اس سے کتنا کام لے سکتے ہیں اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو حضرت حاجی صاحب اس کے استعمال کا موقع بتاتے ہیں کہ اپنے نفس پر اس سے کام لو کیونکہ سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے چنانچہ فرمایا گیا اعدی عدوک التی بین جنبیک ۔ جب غصہ میں تلوار کی طرح سے دشمن کے دفع کرنے کی خاصیت ہے تو اس موقع پر بڑا اچھا کام دیگا غصہ دوسروں پر چلانے سے پہلے اپنے اس بڑے دشمن پر چلایئے یہ نفس آپ کا ایسا چھپا دشمن ہے کہ جس کی دشمنی کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ دوسرے دشمن آپ کے کھلم کھلا مخالف ہوتے ہیں اور یہ جو کام آپ سے کراتا ہے لذات اور شہوات کے پردہ میں کراتا ہے تو اس کی ایسی مثال ہوگئی جیسے آپ کا ایک مخالف آپ کو سنکھیا دے اور کہے کہ یہ کھا لیجئے آپ اس کو ہرگز نہ کھائیں گے اور ایک آپ کا دوست جو در حقیقت دشمن ہو اور آپ کے قتل کی فکر میں ہو لڈو میں ملا کر زہر دیدے تو آپ اس کو بڑے شوق سے کھا لیں گے اور جب تک اس زہر کا اثر نہ ہوگا آپ کو ذرا بھی وہم نہ ہوگا۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

مرد و عورت کے غصہ کا فرق

غصہ تو مردوں میں زیادہ ہوتا ہے بات بات پر لڑتے اور چلاتے ہیں عورتیں اتنا کہاں چلاتی ہیں۔ بیبیو یہ سمجھ لو کہ چلانے کا ہی نام غصہ نہیں بلکہ دل میں ناخوش ہونے کا نام غصہ ہے مردوں کے مزاج میں حرارت ہوتی ہے اس واسطے ان کی ناراضی کا اثر مار پیٹنے چلانے وغیرہ کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے اور عورتوں کی فطرت میں حیا و برودت رکھی گئی ہے۔ اس واسطے اس ناراضی کا اثر کم ظاہر ہوتا ہے ورنہ درحقیقت اس ناراضی میں عورتیں مردوں سے کچھ کم نہیں بلکہ زیادہ ہیں اور چونکہ عقل میں ان کے نقصان ہے موجب ناراضی کو صحیح سمجھ بھی نہیں سکتیں ان کو ایسے موقعوں پر بھی غصہ آ سکتا ہے جہاں مردوں کو نہیں آتا۔

تو ان کے غصہ کے مواقع یقیناً بھی زیادہ ہیں اس کے علاوہ چیخنے چلانے کی نسبت میٹھا غصہ دیرپا ہوتا ہے چیخنے چلانے والوں کا غصہ ابال کی طرح سے اٹھ کر دب جاتا ہے اور میٹھا غصہ دل کے اندر جمع رہتا ہے۔ اسی کو کینہ کہتے ہیں کینہ کا منشاء غصہ ہے۔ سو ایک عیب تو وہ غصہ تھا اور دوسرا عیب یہ کینہ تو میٹھے غصہ میں دو عیب ہیں اور کینہ میں ایک عیب اور ہے کہ جب غصہ نکلا نہیں تو اس کا خمار دل میں بھرا رہتا ہے اور بات بہانہ اور رنجیدگیاں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں تو کینہ صرف ایک گناہ نہیں بلکہ بہت سے گناہوں کا تخم ہے اور کینہ میٹھے غصہ میں ہوتا ہے اور میٹھا غصہ عورتوں میں زیادہ ہے تو عورتوں کا غصہ ہزاروں گناہ کا تخم ہے مردوں کا غصہ ایسا نہیں مردوں کا غصہ جوشیلا ہے اور عورتوں کا غصہ میٹھا ہے۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

حسد کی قباحت

حسد کی نسبت حدیث شریف میں ہے کہ حسد نیکیوں کو ایسا کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھاتی ہے تو یہ برائی جو تمہارے دل میں اس غیبت کے مقابلہ میں پیدا ہوئی بدرجہا کیفیت میں زیادہ ہے کہ تمہاری اور نیکیوں کو بھی غارت کرے گی یہاں قوت واہمہ سے کام لو اور نفس کے خلاف حاشیے لگاؤ اور یہ سوچو کہ اگر ہم اس ایک غیبت کے بدلے میں ان برائیوں میں پڑ گئے تو کیسے بڑے برے نتیجہ ہوں گے وہم اس طرح کام لینے سے وہی نتیجہ نکلے گا جو اس خیالی صورت میں وہم کے تصرف سے ہاتھ پیر نمودار ہو جانے سے نکلا تھا جیسا کہ اس

سے ڈر کر دیکھنے والا بھاگتا ہے اسی طرح ان برائیوں سے بھاگے گا کام کی بات یہ ہے مگر ایسی امید کس سے کی جائے یہ تو سنی ہوئی باتوں کی حالت ہے۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

بھاوج کا غصہ

بہت جگہ ایسا ہوتا ہے کہ گھر کا کوئی بزرگ مر گیا اور بڑی اولاد کے ساتھ چھوٹے بچے بھی چھوڑے وہ چھوٹے بچے بڑے بھائیوں کی پرورش میں آجاتے ہیں ۔ اور بھاوج کا اختیار ہوتا ہے چونکہ بچے گھر میں رہتے ہیں اس واسطے ان کی نگرانی وغیرہ عورتوں ہی کے ہاتھ میں زیادہ رہتی ہے ۔ بڑا بھائی باہر رہتا ہے اور بھاوج صاحب ان سے دل کے کینے نکالتی ہیں ہر بات پر مارنا برا بھلا کہنا ہر چیز کو ترسانا کھانا پیٹ بھر نہ دینا کپڑے کی خبر نہ لینا اور نوکروں سے زیادہ ذلیل کر کے ان کو رکھنا یہ ان کا برتاؤ رہتا ہے اور اس پر بھی چین نہیں بطور حفظ ماتقدم خاوند سے الٹی شکایتیں کرتے رہنا غرض ایسے خلاف انسانیت برتاؤ رکھتی ہیں کہ ان کا بیان کرنا بھی مشکل ہے یہاں پر میں مردوں کو بھی خطاب کرتا ہوں کہ یتیم بچوں کی نگرانی خود بھی رکھو۔ عورت کے کہنے میں اتنے نہ رہو کہ ہر بات کو سچ جان لو۔ جب یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ بھاوج دیوروں کے ساتھ مغائرت کا علاقہ رکھتی ہے تو اس کی شکایتوں کا کیا اعتبار۔ میں تو کہتا ہوں کہ ایسے موقعہ پر مردوں کو چاہیے کہ عورتوں کو سنا دیں کہ تم سچ بھی کہو کوئی تو ہم جھوٹ سمجھیں گے۔ سب مردوں کو نہیں کہتا ہوں بہت سے مرد ایسے بھی ہیں کہ واقعی مرد ہیں اور ایسے موقعہ پر پوری عقل سے کام لیتے ہیں ۔ اور اس ساتھ کو بھیڑیئے بکری کا ساتھ سمجھتے ہیں جہاں بھیڑیا بکری اکٹھا ہوں گے وہاں بھیڑیئے کی طرف سے بکری کے ساتھ ایذا رسانی ہی ہوگی کبھی نہیں کہا جاسکتا کہ بھیڑیا بکری کی طرفداری یا اس پر رحم کرے گا۔ عورت کے کہنے سے بھائیوں کو نہ ستاؤ۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ''یتیم بچہ زندوں میں شمار ہی نہیں'' اپنے ماں باپ کے ساتھ وہ بھی مر گیا پھر مرے ہوئے کو مارنا کیا جوانمردی ہے اس کی ۔ اگر حد سے زیادہ دلدہی کرو گے تب بھی اس کا دل زندہ نہیں رہ سکتا۔

یتیم کی صورت پر مردنی چھائی ہوتی ہے ۔ دو بچوں کو برابر بٹھاؤ جن میں سے ایک یتیم ہو اور دوسرا یتیم نہ ہو اور ایک چیز دونوں کے سامنے رکھ دو اور کہہ دو کہ جو کوئی پہلے

اٹھائے یہ چیز اسی کی ہے۔ یقین کامل ہے کہ یتیم کا ہاتھ نہیں اٹھے گا۔ وجہ یہی ہے کہ اس کا دل مردہ ہو چکا ہے۔ باقی بفضلہٖ تعالیٰ ایسے بھی لوگ دیکھے جاتے ہیں جو یتیموں کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

قلم کی غیبت

بعض لوگوں کو یہ سوجھتی ہے کہ کوئی خبر معتبر یا غیر معتبر معلوم ہوئی چٹ سے اس پر ایک مضمون لکھا اور کسی اخبار کو روانہ کیا یا کسی سے اپنے خلاف طبع بات دیکھی یا سنی تو خواہ واقع میں وہ ٹھیک ہی ہو۔ مگر اپنے خلاف طبع ہونے کی وجہ سے اس پر ہجو آمیز بلکہ سب وشتم سے بھرا ہوا مضمون لکھ ڈالا۔ اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ کتنا اس میں جھوٹ ہے اور کتنا سچ۔ اور کیا کیا مفاسد شرعی اس میں بھرے ہوئے ہیں۔

خوب یاد رکھو! کہ جو حکم زبان کا ہے وہی قلم کا ہے۔ زبان سے جھوٹ بولنا جس طرح جائز نہیں قلم سے بھی جائز نہیں۔ زبان سے غیبت کرنا جس درجہ کا گناہ ہے اسی درجہ کا گناہ قلم سے بھی۔ کسی کی نسبت ایسی بات لکھنے میں ہے جو اس کو بری معلوم ہو زبان سے جیسے فضول بکنا برا اثر رکھتا ہے اور حسن اسلام کے خلاف ہے۔ حسب ارشاد **ان من حسن اسلام المرء ترکه مالایعنیه** ۔ ایسے ہی قلم سے فضول مضامین لکھنے کا اثر ہے۔ بہت موٹی بات ہے کہ جیسے زبان ترجمان قلب ہے ایسے ہی قلم بھی ہے جو بات زبان سے منع ہوگی وہ قلم سے کیوں منع نہ ہوگی۔ بلکہ قلم کے گناہ زبان سے سخت ہونے چاہئیں کیونکہ زبان کی باتوں کو ثبات اور بقا نہیں زبان کی باتوں کا اثر تھوڑی دور تک پہنچتا ہے۔ یعنی صرف وہاں تک کہ جہاں تک وہ آواز پہنچے اگر کسی نے زبان سے کسی کی غیبت کی تو سننے والے دو چار یا دس پانچ ہی آدمی ہو سکتے ہیں۔ اس گناہ میں اگر شرکت ہوئے تو اتنے ہی مجمع کی ہوئے غیبت کرنیوالا اتنے ہی مجمع کے گنہگار کرنے کا سبب بنا اور اس شخص کی آبروریزی صرف اتنے ہی مجمع کے سامنے ہوئی بخلاف قلم کے کہ اس کی آواز مشرق سے مغرب تک پہنچتی ہے جتنے آدمی اس برائی میں شریک ہوں گے ان سب کا سبب یہی شخص ہوگا نیز اس معصیت کی کیفیت بڑھ جائیگی کیونکہ ہزاروں اشخاص کے سامنے اس شخص کی آبروریزی ہوگی۔ ظاہر بات ہے کہ تنہائی میں کسی کے جوتا مارنا اور اثر رکھتا ہے اور دو چار آدمی کے سامنے مارنا اور اثر رکھتا ہے اور ہزار دو ہزار کے مجمع میں مارنا اور اہل

قلم اپنے آپ کو مرفوع القلم سمجھتے ہیں یہ ایسا خیال ہے جیسے آجکل کے شاعروں نے سمجھ رکھا ہے کہ شعر میں سب روا ہے جو مضمون بھی برے سے برا شعر میں باندھ دیا جائے جائز ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے ایسے ہی یہ خیال بھی غلط ہے کہ قلم اور زبان میں کچھ فرق ہے۔

غور کرنے سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ قلم کے گناہ زبان سے زیادہ شدید ہیں خوب یاد رکھئے کہ یہ مقاسد نظرانداز کرنے کی چیز نہیں اس کے علاج کیلئے اسباب میں غور کرنا چاہیے۔ (غوائل الغضب ج۱۹)

تفریح کے نام پر گناہ

میں تحقیق سے کہتا ہوں کہ ان کا بڑا سبب بیکار بیٹھنا ہے۔ اسی قبیل سے یہ بھی ہے جو ہمارے قصبہ میں رواج ہے کہ چوپایوں اور بیٹھکوں میں جمع ہو کر بیٹھتے ہیں اس کا نام تفریح طبع اور دل بہلانا رکھا ہے۔ وہاں نہ کوئی دنیا کا کام ہوتا ہے اور نہ دین کا کام ہوتا ہے۔ سوائے ہنسی مذاق اور ان مشغلوں کے جن کا میں بیان کر چکا۔ اور مجمع ایسا ہوتا ہے جن میں کوئی درویش نہیں کوئی بڑا نہیں کوئی عالم نہیں۔ سب مخلی بالطبع جمع ہیں نفسانی خواہشوں کا کوئی مانع موجود نہیں پھر جو کچھ بھی ہوگا وہ افعال نفس کی ہی جنس سے ہوگا اور عادت غیبت وغیرہ کی پہلے سے پڑی ہوئی ہے اور وہاں کوئی اور مشغلہ ہے ہی نہیں تو یہ لذیذ مشغلہ ضرور شروع ہوگا اگر کسی کو ذرا تعلیم کے اثر سے یا کسی وجہ سے ان باتوں کا شوق نہیں تو وہاں بیٹھ کر کم سے کم یہی ہوتا ہے کہ زائد از کار باتیں ہوتی ہیں کہ آم فلاں باغ کے اچھے ہوتے ہیں۔ اب کے بارش اچھی ہوتی ہے باغوں میں لطف آرہا ہے کھیل کود کا موسم ہے وغیرہ وغیرہ۔ (غوائل الغضب ج۱۹)

عہد رسالت کا ایک واقعہ

حضرت عائشہؓ نے حضرت صفیہؓ کی نسبت (جیسا کہ سوکنوں میں ہو جاتا ہے) صرف اتنا کہا کہ یہ کس قدر پست قد ہیں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے ایسا کلمہ کہا کہ اگر دریا پر ڈال دیا جائے تو اس کو مغلوب کر دے۔ یہ اس ایک کلمہ کی برائی ہے۔ جس کے لوگ دن رات عادی ہیں اور بیٹھکوں اور چوپایوں میں اور مجمعوں میں سوائے اس کے کوئی شغل ہی نہیں اور اسی سے طبعیتیں مالوف ہوگئیں ہیں حتیٰ کہ اگر کوئی ان باتوں سے

مجمع میں احتراز کرنا چاہے تو یقیناً اس کی زبان اتنی نہیں چلے گی۔ جتنی کہ ان باتوں کے کرنیوالے کی چلے گی تو مجمع والے بطور تمسخر کہتے ہیں آپ تو ولی اللہ ہیں آپ نے ناحق تکلیف کی مجمع میں آنا کیا ضرور تھا مسجد ہی میں بیٹھے رہے ہوتے۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

طاعت کے پیرایہ میں معصیت

میں آپ کو ایک پہچان بتلائے دیتا ہوں جس سے اگر آپ کام لیں گے تو ان شاء اللہ ان دھوکوں میں نہ پڑیں گے وہ یہ ہے کہ یاد کر لیجئے کہ طاعت میں لذت نفس نہیں ہوتی اور جس کام میں لذت نفس ہو وہ طاعت نہیں ہوتا اگر آپ کو یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ ہمارا فعل غیبت اور طعن ہو یا نہیں تو انصاف کے ساتھ حالت نفس کو تلاش کیجئے کہ ان بیانات کے وقت آپ کو لذت حاصل ہوتی ہے یا نہیں اگر لذت حاصل ہوتی ہے تو کھٹک جائے کہ اس میں نفس کی چال پوشیدہ ہے اور یہ عمل شیطانی ہے طاعت نہیں ہے اس کی ایک بہت موٹی پہچان یہ ہے کہ ان عیوب کو بار بار کہنے کو جی چاہتا ہے اگر وہ معصیت نہ ہوتا تو وہ آپ کی زبان پر ایسے آتا کہ جیسے آپ کا کوئی بیٹا نالائق ہو اور برے افعال میں مبتلا ہو اور آپ کو تنگ کرتا ہو۔ اس کے عیب آپ کی زبان پر ہر جگہ نہ آئیں گے۔ بلکہ ان کی زبان پر آنے سے آپ کا دل دکھے گا اور خفت بھی ہوگی اور حتی الامکان یہ چاہیں گے کہ یہ عیب کسی پر ظاہر نہ ہوں اور اس کو مناسب طریق سے اور تنہائی میں آپ سمجھائیں گے کہ یہ حرکتیں نازیبا ہیں ان کو چھوڑ دو یہ کبھی نہ ہوگا کہ آپ ان عیبوں کو جگہ جگہ گاتے پھریں اصلاح اس کو کہتے ہیں اگر آپ کو اس شخص کی اصلاح کرنی ہے جس کی غیبت میں آپ مبتلا ہیں تو دوسروں کے سامنے اس کے عیب ظاہر کرنے سے کیا فائدہ۔ اس کو تنہائی میں سمجھایئے اور اسی طرح سمجھایئے جیسے اپنے بیٹے کو سمجھاتے ہیں۔۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جو اثر آپ کے دس جگہ ان عیبوں کے مجمع میں ذکر کرنے سے ہوتا اس سے زیادہ ایک جگہ علیحدگی میں سمجھانے سے ہوگا یہ عمل ممتحن اور ماثور ہے اور اگر اس کی ہمت نہیں ہوتی کہ اس کو تنہائی میں سمجھائیں بلکہ مجمعوں میں اس کے عیبوں کو ظاہر کرنے میں لطف آتا ہے۔ تو سمجھ لو کہ یہ وہی شیطان کا دھوکہ ہے جو زہر آلود مٹھائی کا کام دیگا کہ حلق سے اترتے تک تو اچھی معلوم ہوتی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد اس کی حالت یہ ہوگی کہ

توان بحلق فرو بردن استخوان درشت ولے شکم بدرو چوں بگیر داندر ناف

اس خبط میں عورتیں بہت پڑی ہوئی ہیں شاید ہی کوئی بھلی مانس اس سے خالی ہو۔ دوسرے کی عیب جوئی ان کی طینت میں داخل ہے ذراسا بہانہ چاہیے کہ دوسرے کے کاموں میں گھس بیٹھیں۔ اگر کسی میں کچھ دنیا کا عیب ہوتو اس پران کی نظر ضرور پڑے گی اور اگر دنیا کا نہ ہو اور دین کا ہوتو چاہے اپنے آپ اس سے سینکڑوں درجہ بدتر گناہوں میں مبتلا ہوں مگر اس پر طعن کر ہی دیں گی اپنے آپ چاہے روزہ نماز قضا ہوتی ہو مگر دوسرے کسی کو ایک دن دیکھ لیں کہ نماز دیر سے پڑھی تو چٹ سے ٹوک دیں گی کہ یہ تو مولوی بنتے ہیں نماز تک وقت پر پڑھتے نہیں اور جوان سے کہو کہ یہ عیب جوئی ہے تو کہتی ہیں کہ کیا نماز کے لئے بھی کہنا برا ہے۔

خوب سمجھ لو کہ یہ کہنا نماز کیلئے نہیں ہے بلکہ طاعت کے پیرایہ میں معصیت ہے اور اس میں وہی گہرا مکر شیطان کا پوشیدہ ہے جس کو میں نے ابھی بیان کیا کہ اپنی نماز قضا کرنے میں مبتلا ہے ہی دوسرے کی عیب جوئی کے گناہ میں مبتلا کرتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کسی کو نماز پر تنبیہ و تاکید نہ کرو۔ بلکہ یہ کہتا ہوں کہ دوسرے کو جتنی تاکید کرو اتنی اپنے آپ کو بھی تو کرو۔ یہ کیسا امر بالمعروف ہے کہ دوسرے کو تو نماز دیر سے پڑھنے پر ملامت کی جاتی ہے اور اپنے آپ کو برابر نماز قضا ہونے پر بھی کچھ خیال نہیں ہوتا بس سمجھ لو کہ امر و نہی کچھ بھی نہیں ہے صرف شیطان نیکی کے پیرایہ میں برائی کراتا ہے۔ بے نماز تو پہلے ہی سے بنا رکھا ہے جو حق اللہ تھا۔ اب حق العبد میں بھی مبتلا کرتا ہے اور اس پیرایہ سے کہ پتہ بھی نہ چلے۔ بعض بدطینت ایسے ہوتے ہیں کہ ہر شخص کے کاموں میں گھستے ہیں۔ اور اس سے بھی بحث نہیں کہ کوئی کام اچھا ہے یا برا۔ ایک نہ ایک عیب نکال دیتے غرض! حتیٰ کہ اگر کوئی عیب نہ ملے تو یہ ہی سہی کہ اگر نیک ہیں تو اپنے لئے ہمیں کیا اور آپ نیک بن گئے تو کیا فلاں رشتہ دار ان ہی کے کیسے ہی خراب لوگ ہیں ان کو نہیں درست کیا جاتا۔ اپنے آپ ولی بنتے ہیں ۔ میں کہتا ہوں تمہیں کیا اگر ان کے رشتہ دار برے ہیں تو کیا انہوں نے برا کر دیا ہے اور اگر ان میں یہ تاثیر ہے کہ دوسروں کو برا کر دیتے ہیں تو تم ان سے بچتے رہو کہیں تمہیں بھی برا نہ کر دیں یہ بہت بری حالت ہے جتنا وقت اور خیال آدمی دوسروں کے تجسس میں صرف کرتا ہے اگر اتنا اپنے تجسس میں صرف کرے تو نہ معلوم کہاں پر پہنچے۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

چغل خوری

چغل خوری کے بارہ میں فرماتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل

الجنة قتات یعنی نہ داخل ہوگا جنت میں چغل خور۔ یہ کیسی سخت وعید ہے مسلمان کی تو ساری تمنائیں اور آرزوئیں اس پر ختم ہیں کہ جنت ملنے والی ہے اور یہاں خبر میں صاف انکار ہے کہ جنت نہ ملے گی۔ گویا تمام حوصلوں کی پست کر دینے والی وعید ہے اس میں جس قدر مبتلا ہیں اس کو کہاں تک بیان کروں زیادہ تر وجہ عورتوں میں آپس کے بگاڑ کی یہی چغل خوری ہے۔ اس میں ذاتی خاصیت ہے کہ کچھ نہ کچھ اثر لاتی ہے۔ جب کسی سے چند بار شکایت کی جائیگی تو کچھ تو اثر ہو ہی گا اس واسطے اہل اللہ نے ایسے شخص کی بات سننے سے بہت احتراز کیا ہے۔

ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے جب کوئی کسی کی شکایت کرتا کہ فلاں شخص آپ کو یوں کہتا تھا تو فرماتے کہ خیر! اس شخص نے تو پیچھے ہی برا کہا۔ اور تو نے تو میرے سامنے، اس جواب سے پھر اس کا حوصلہ آئندہ چغلی کھانے کا نہ پڑتا۔ یہ عمدہ طریقہ ہے ورنہ اس کا آئندہ حوصلہ بڑھے گا

اور بعضے یہ سمجھ کر سن لیتے ہیں کہ ہم پر اثر نہیں ہوتا یہ ہرگز ماننے کے قابل بات نہیں۔ چغل خوری کی مثال تیر کی سی ہے کہ جب وہ کمان سے چھوڑا گیا تو کسی نہ کسی کے ضرور لگے گا۔

دیکھئے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ سے فرماتے ہیں کسی کی شکایت نہ کیا کرو **فانی احب ان اخرج الیکم واناسلیم الصدور** یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ تمہاری جانب سے صاف دل رہوں۔ میں کہتا ہوں کہ آپ سے بڑھ کر کون سلیم الصدور اور قوی القلب ہوسکتا ہے اور آپ منع فرماتے ہیں کہ شکایت نہ کیا کرو تا کہ میرے دل میں کسی کی جانب سے میل نہ ہو تو دوسرا کون اس کا دعویٰ کرسکتا ہے کہ چغلی سے متاثر نہ ہوگا۔ بعض لوگ شکایت سنتے ہیں اور کہہ دیا کرتے ہیں میاں ہم نے سن تو لی مگر اثر کچھ نہیں ہوا۔ میں کہتا ہوں ضرور ہوا اور یہ کہنا اس کی غلطی ہے کیا یہ اثر نہیں ہے کہ ایک منکر میں آپ کو لطف آنے لگا۔ یہ تو سب برائیوں کی جڑ ہے۔ جب ایک بری بات میں آپ کو لطف آنے لگا ہے تو دوسری میں بھی آنے لگے گا۔ اسی طرح رفتہ رفتہ حس قلب باطل ہو جائے گا۔ اور کہیں وہ حالت نہ پیدا ہو جائے جس کی نسبت فرمایا گیا ہے۔ **فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ.** عقل کی بات یہ ہے کہ نفس جیسے اپنے دشمن پر اعتماد نہ کیجئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مشفق اور دل سوز مربی پر اعتماد کیجئے۔ جب حضورؐ یہ کھٹکا بیان

فرماتے ہیں کہ چغل خوری سے دل پر میل آجاتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس میں ضرور یہ اثر ہے اور اس کو نفس کا دھوکہ سمجھئے کہ ہم پر اثر نہیں ہوتا ایسے ہی ہر گناہ کی حالت سمجھئے کہ ان میں نفس کے کہنے سے کوئی بھلائی نہ سمجھئے اللہ و رسول کے فرمانے کو اپنا معتمد علیہ قرار دیجئے اور ہر گناہ کو اپنے لئے مضر سمجھئے اور ظاہر و باطن سب کو درست کیجئے۔ طاعت صرف اسی کا نام نہ سمجھئے کہ پانچ وقت کی نماز پڑھ لی جیسے خدا تعالیٰ نے نماز کا حکم کیا ہے ایسے ہی باطنی امراض کے ازالہ کا بھی حکم کیا ہے جن کو آپ نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ سن لیا۔ (غوائل الغضب ج ۱۹)

مجلس شیعہ میں حضرت شہیدؒ کا وعظ

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید دہلوی جب لکھنو تشریف لے گئے ہیں اس وقت وہاں شیعہ کی حکومت تھی مولانا ایک سنی کے مہمان ہوئے جو دربار شاہی میں کسی عہدہ پر ممتاز تھے اس زمانہ کے اکثر سلاطین میں تعصب نہ تھا اس لئے سنی بھی ان کے دربار میں عزت سے رہتے تھے۔ جب بادشاہ کو مولانا کا تشریف لانا معلوم ہوا تو زیارت کا اشتیاق ہوا۔ کیونکہ مولانا اسمٰعیل صاحب کی شہرت اور عزت اس زمانہ میں بہت زیادہ تھی آپ کو ایک خاص امتیاز حاصل تھا جو علماء میں کسی کو بھی اس زمانہ میں حاصل نہ تھا۔ حالانکہ مولانا اپنے کو مٹائے ہوئے تھے مگر خدا تعالیٰ نے آپ کو خاص عزت دی تھی اس کی نظیر اسی قریب زمانہ میں بھی گزر چکی ہے۔ یعنی مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو مولانا نہ مدرس تھے نہ مصنف۔ چنانچہ دیوبند کے مدرسہ میں مدرس اول مولانا محمد یعقوب صاحب تھے مولانا محمد قاسم صاحب خود مدرس نہ تھے اور نہ مولانا نے کوئی کتاب تصنیف کی اور جو رسائل آپ کے نام سے طبع ہوئے ہیں وہ اکثر خطوط کے جوابات ہیں جن کو لوگوں نے طبع کرا دیا۔ مگر بایں ہمہ آپ کی عزت و شہرت ایسی تھی کہ مخالفین بھی مولانا کے کمال کے معتقد تھے۔

یہی حال مولانا اسمٰعیل صاحب کا تھا کہ مخالفین بھی ان کے کمال کو مانے ہوئے تھے۔ چنانچہ بادشاہ لکھنو کو مذہبا شیعہ تھے مگر مولانا کا نام سن کر زیارت کے مشتاق ہوئے اور آپ کا وعظ سننا چاہا تو انہوں نے مولانا کے میزبان سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کے یہاں مولانا اسمٰعیل صاحب تشریف لائے ہیں ہم ان کی زیارت کرنا اور وعظ سننا چاہتے ہیں۔ میزبان کو بڑی فکر ہوئی کہ یہ بلا سر لگی کیونکہ مولانا صاف گو بہت ہیں وہ وعظ میں کسی کی

رعایت نہ کریں گے شیعہ کی بھی ضرور خبر لیں گے جو بادشاہ کو ناگوار گزرے گی۔ اس لئے چاہا کہ کسی طرح اس بلا کو ٹالیں مگر ادھر سے اصرار بڑھتا گیا۔ آخر سنی میزبان نے مولانا سے آکر عرض کیا کہ بادشاہ آپ کی زیارت اور واعظ کے مشتاق ہیں۔ میں کئی روز تک ان کو ٹالتا رہا۔ مگر وہ اصرار پر اصرار کئے جاتے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ ان کی درخواست کو آپ منظور فرمالیں۔ مگر خدا کیلئے وعظ میں شیعہ وسنی کے اختلاف کا ذکر نہ فرمایئے گا کیونکہ بادشاہ شیعی ہے اس کو یہ امر ناگوار ہوگا۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ اس سے بےفکر رہیں۔ میں ایسا بےوقوف نہیں ہوں جو کچھ کہوں گا موقعہ کے مناسب کہوں گا۔ واقعی سچ فرمایا کیونکہ آپ نے تو جو کچھ بھی فرمایا وہ موقعہ کے مناسب ہی تھا۔ گو بعض کی سمجھ میں نہ آوے اس کے بعد مولانا محل شاہی میں تشریف لے گئے اور بادشاہ نے بڑی تعظیم کے ساتھ آپ کا استقبال کیا پھر وعظ شروع ہوا۔ جس میں تمام درباری مع بادشاہ کے اور لکھنو کے سب علماء اور شیعوں کے مجتہد وغیرہ سبھی جمع تھے۔ مولانا نے تمہید میں فرمایا کہ صاحبو! اول وعظ کی حقیقت سن لیجئے وہ ایک روحانی علاج ہے اور علاج ہوتا ہے امراض کا تو اب اگر میں وعظ کی حقیقت پر نظر کرتا ہوں تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ جس مرض میں مخاطب مبتلا ہیں۔ اس کا علاج کروں ورنہ پھر وعظ ہی کیا ہوگا۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ بادشاہ میں مرض ہے رفض کا مگر ہمارے فلاں میزباں صاحب کہتے ہیں کہ مذہبی نزاعات وخلافیات کا بیان نہ ہو۔ مگر میں وعظ میں اسی بدعت کا علاج کروں گا۔ اس تمہید میں آپ نے میزبان کو بھی آفت سے بچالیا۔ اور بتلا دیا کہ وہ تو نزاعی مسائل کے بیان سے منع کرتے تھے۔ مگر میں نے ہی ان کی رائے قبول نہ کی تو ان پر کچھ الزام نہیں اس کے بعد مولانا نے ایک آیت پڑھ کر صحابہ کے مناقب بیان کرنا شروع کئے اور ساتھ ہی اہل بیت کے مناقب بھی بیان فرمائے اور درمیان درمیان میں شیعہ وسنی کے اختلافی مسائل کا بھی بیان فرمایا اور مذہب شیعہ کا خوب ابطال کیا۔ بادشاہ کی تو یہ حالت تھی کہ اول سے آخر تک سکتہ کی سی حالت میں بیٹھے رہے اور وعظ ختم ہوتے ہی بادشاہ اٹھے اور بہت تعظیم وتکریم کے ساتھ مولانا کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بعض علماء شیعہ کو نواب صاحب کی اس تعظیم وتکریم سے مولانا کے ساتھ حسد پیدا ہوا اور انہوں نے بعد وعظ کے مولانا پر کچھ اعتراضات شروع کئے جن پر سے ایک اعتراض منقول بھی ہے وہ یہ کہ مجتہد

شیعہ نے کہا کہ مولانا تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو کبھی برا نہیں کہا (اس دعویٰ میں بھی مجتہد نے تقیہ سے کام لیا۔ اور مولانا نے علی سبیل التسلیم جواب دیا ورنہ نہج البلاغہ شریف رضی کی موجود ہے۔ جس کو یہ لوگ حضرت علیؓ کے اقوال وخطبات ومکاتیب کا مجموعہ صحیحہ کہتے ہیں اس کو مطالعہ کرلیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت علی نے حضرت معاویہ کو کیسا برا بھلا اور سخت سست کہا ہے کلب وابن الکلب اور منافق تک کہا ہے اسی لیے ہم اس کو موضوع ومفتری سمجھتے ہیں۔۱۲ جامع) اور حضرت معاویہؓ نے ہمیشہ آپ کی شان میں گستاخی کی ہے اس سے دونوں کی حالت کا فیصلہ ہوتا ہے مولانا نے جواب دیا کہ اس سے ان دونوں حضرات کا تو فیصلہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ مگر ہمارا اور آپ کا فیصلہ تو ہو ہی گیا۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوگیا کہ آپ حضرت معاویہ کے طریقہ پر ہم کسی کو برا بھلا نہیں کہتے اور تم رات دن دن تبرا کرتے ہو۔ اس جواب سے مجتہد دم بخود رہ گیا۔

بادشاہ نے کہا قبلہ کچھ اور سننا ہو تو اور اعتراض کرلیجئے۔ (اصلاح ذات البین ج۱۹)

غیبت کا نسب نامہ

غیبت سے دوسرے تک بات پہنچی اور اس کے دل میں اول کبیدگی پیدا ہوئی پھر وہ بھی اس کی غیبت کرتا ہے اور وہ بھی بیچ والوں کی بدولت پہلے شخص تک پہنچ جاتی ہے اس عداوت میں اور ترقی ہو جاتی ہے۔ تو غیبت عداوت کا باپ بھی ہے اور بیٹا بھی۔ یعنی کبھی عداوت سے غیبت پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی غیبت سے عداوت پیدا ہو جاتی ہے جس کا نسب ایسا بیہودہ ہو اس کی بیہودگی کیلئے یہی بات کافی ہے۔ پھر جب کوئی کسی کے درپے ہو جاتا ہے تو مشاہدہ ہے کہ دین کا خیال بالکل نہیں رہتا۔ اب نہ ایذاء سے دریغ ہے نہ جھوٹ اور فریب سے۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ دشمن کو ضرر پہنچ جائے چاہے اس کے ساتھ ہمارا بھی خاتمہ کیوں نہ ہو جائے۔ پھر اس کیلئے ہر ممکن تدبیر سوچی جاتی ہے۔ خواہ دین اور حیا اس کی اجازت دے یا نہ دے کیونکہ آجکل شرافت تو رہی نہیں۔ ہمارے ماموں صاحب کا اس کے متعلق خوب شعر ہے ؎

ہے شرافت تو کہاں بس شر وآفت ہے ست ریاست سے گیا صرف ریا باقی ہے

اگر انسان میں دین بھی نہ ہو مگر شرافت ہو تو جب بھی بہت سے بیہودہ کاموں سے بچا رہتا ہے اور جب نہ دین ہو نہ شرافت تو اب اس نے کسی کام سے رکنے کی

امید نہیں آجکل شرافت نسب گو باقی ہے مگر شرافت اخلاق نہیں رہی اسی لئے دشمنی میں انسان کسی قسم کی حرکتوں سے باز نہیں آتا۔ (الانسداد للفساد ج ۱۹)

وسوسہ ریا

شیخ نے مثلاً کسی کو بتلادیا کہ ذکر جہر کرو اس نے ذکر جہر شروع کیا۔ اگلے وقت وسوسہ ہوا کہ کسی نے مجھے دیکھ لیا ہے ریا ہو گئی۔ شیخ سے جا کر عرض کیا کہ حضرت جی اگر ارشاد ہو تو آہستہ آہستہ کرلیا کروں۔ جہر سے کرنے میں تو ریا ہوتی ہے وہ ریا کس چیز کو سمجھا ہے وسوسہ ریا کو ریا سمجھ گیا اس لئے کہ ریا تو وہ ہے جو قصداً ہو اور ریا کار تو اہتمام کیا کرتا ہے دکھانے کا۔ ہاں یہ صورت ریا ہے مگر حقیقت میں ریا نہیں۔ یا یوں کہو کہ اصلی ریا نہیں ریا کی جھلک ہے ایسی مثال ہے جیسے کسی آئینہ کے اوپر مکھی بیٹھ جائے تو وہ حقیقت میں تو اوپر بیٹھی ہے لیکن اس کا عکس آئینہ کے اندر بھی ہے۔ پس اسی طرح ریا قلب کے اندر نہیں ہے قلب سے باہر ہے اس کی جھلک اندر پڑتی ہے جس سے یہ جانتا ہے کہ ریا میرے دل کے اندر ہے حالانکہ وہ باہر ہے یہ وہ مضمون ہے جس کو متنبی نے کہا ہے۔

عذل العواذل حول قلبی التائه وھوی الاحبة منه فی سودائه

یعنی ملامت کرنیوالیوں کی ملامت تو میرے قلب کے گرداگرد ہے اور محبت دوستوں کی سواد قلب میں ہے اس میں ملامت کا اثر نہیں ہے۔ خیر! یہ ایک فائدہ زائدہ تھا۔ مقصود یہ تھا کہ ایک تفسیر پر وسوسہ گناہ ہوا گناہ نہیں ہوا۔ یوسف علیہ السلام گناہ سے بالکل بری تھے۔ (عمل الذرہ ج ۱۹)

کمال تواضع

حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہید بہت تیز مشہور ہیں لیکن اپنے نفس کیلئے کسی پر تیزی نہ فرماتے تھے۔ ایک شخص نے مجمع عام میں آکر مولانا سے پوچھا کہ مولانا میں نے سنا ہے کہ آپ حرام زادہ ہیں بہت متانت اور نرمی سے فرمایا کہ کسی نے تم سے غلط کہا ہے شریعت کا قاعدہ ہے اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ. سو میرے والدین کے نکاح کے گواہ بڑے بوڑھے لوگ اب تک موجود ہیں۔ ایسی باتوں کا یقین نہیں کیا کرتے وہ شخص پاؤں پر گر پڑا۔ اور کہا کہ مولانا میں نے امتحاناً ایسا کہا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ کی تیزی سب اللہ کے واسطے ہے اہل اللہ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کی ذات کو جس قدر کوئی کہے وہ اپنے کو اس سے بدتر

جانتے ہیں۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کسی نے تکفیر کی حضرت نے سن کر برانہیں مانا اور یہ فرمایا کہ میں عنداللہ اگر مومن ہوں تو مجھ کو کسی کی تکفیر مضر نہیں اور اگر (خدانخواستہ کافر ہوں) تو برا ماننے کی کیا بات ہے۔ ذوق کے اشعار اسی مضمون میں ہیں۔

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق ہے برا وہ ہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے
اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے پھر برا کہنے سے کیوں اس کے برا مانتا ہے

دیکھئے! یہ اشعار بالکل نثر سے معلوم ہوتے ہیں کمال شاعری اسی کا نام ہے کہ پتہ بھی نہ لگے کہ نظم ہے یا نثر۔ اور بالکل سچا مضمون ہے۔ ہم لوگوں کی تو یہ حالت ہے کہ ذرا کوئی کچھ کہہ دے تو پھر دیکھئے چہرہ سرخ ہو جائیگا رگیں پھول جائیں گی اور تاویل یہ کرینگے کہ یہ غضب فی اللہ ہے۔ (عمل الذرہ ج ۱۹)

تکبر کا منشاء اور بنیاد جہالت ہوتی ہے

منشاء اس عجب و کبر کا ہمیشہ جہل ہوتا ہے۔ بڑا عالم اپنے کو وہی سمجھتا ہے جو کچھ نہ ہو۔ کیونکہ جو واقع میں بڑا ہوگا اس کی نظر کمال کی حد آخر تک ہوگی اور اپنے کو اس سے عاری دیکھے گا۔ اس لئے ممکن نہیں کہ اپنے کو بڑا سمجھے البتہ ایسے شخص کو اپنا بڑا سمجھنا شایان جو تمام مراتب کمال کو جامع ہو اور وہ صرف ایک ذات وحدہٗ لاشریک ہے اس لئے متکبر اس کا کمالی نام ہے۔ اس کے معنے ہیں اپنے کو بڑا سمجھنے والا۔ سوچو کہ واقع میں حق تعالیٰ بڑا ہے اس لئے اگر وہ اپنے کو بڑا نہ جانتا تو یہ جہل ہوتا اور جہل نقص ہے اور حق تعالیٰ تمام نقائص سے پاک ہیں۔

بس خدا کا تو یہی کمال ہے کہ وہ اپنے کو بڑا جانے اور بندہ کا یہ کمال ہے کہ اپنے کو چھوٹا سمجھے۔ اگر وہ اپنے کو بڑا سمجھے تو یہ نقص ہوگا۔ حدیث قدسی میں ہے: اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِ وَالعَظْمَةُ اِزَارِی فَمَن نَازَعَنِی فِيهِمَا قَصَمتُهٗ : یعنی عظمت و کبریا میرا خاص ہے جیسے ازار اور رداء انسان کا ملبوس خاص ہوتا ہے۔ پس جو شخص مجھ سے (ان صفات میں) کھینچا تانی کرے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عظمت اور بڑائی حق تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے ہیں اس لئے بندہ کا کمال اپنے کو عاجز سمجھنا ہے۔ چنانچہ جن حضرات کے قلب میں حق تعالیٰ کی عظمت اور کبریا آ گئی ہے وہ اپنے کو ہیچ در ہیچ سمجھتے ہیں۔ جس شخص

کی رستم کی قوت پر حاتم کی سخاوت پر نظر ہوگی وہ اپنے کو قوی اور سخی نہ سمجھے گا جس کے پیش نظر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہوگا وہ اپنے کو تو کیا عالم سمجھے گا۔ (عمل الذرہ ج ۱۹)

وقتِ تواضع

واعظوں نے ایک حیثیت کو تو غائب کر دیا اور ایک پر نظر کر رکھی ہے لہٰذا جب بیان کریں گے تو یہی کہ تمہاری نماز کیا اور تمہارا روزہ کیا۔ واعظ صاحب سے کوئی پوچھے کہ آپ کی نماز میں بھی تو دو حیثیتیں ہیں اس میں بھی اسی ایک حیثیت پر نظر کیوں نہیں رکھتے۔ عورتوں کو ہی خطاب کیوں کرتے ہو کہ تمہاری نماز کیا اور روزہ کیا۔ مجھے اس لفظ پر کہ اپنی چیز کو گھٹیا سمجھنا چاہیے ایک حکایت یاد آئی۔ ایک مرتبہ میں انٹر کلاس میں سفر کر رہا تھا میری اکثر عادت تو تیسرے درجے میں سفر کرنے کی ہے مگر بعض دفعہ اس میں تکلیف ہوتی ہے تو ایسے موقع پر میں اس کو بھی تکلف سمجھتا ہوں کہ تھرڈ میں سفر کرنے کو اپنی وضع بنالیا جاوے ہجوم وغیرہ کے موقع پر میں بے تکلف انٹر میں سفر کر لیتا ہوں۔ چنانچہ آرام کے خیال سے اس وقت انٹر کلاس میں سفر کر رہا تھا جس میں تین چار جنٹلمین بھی بیٹھے ہوئے تھے مجھے عمر بھر کبھی ایسی غیر مہذب صحبت کا اتفاق نہیں ہوا جیسی غیر مہذب جماعت سے اس دن سابقہ پڑا۔ حالانکہ وہ معمولی درجہ کے لوگ نہ تھے بلکہ بڑے بڑے درجہ کے لوگ تھے۔ ایک جنٹ تھے اور ایک وکیل تھے اور خدا جانے کیا تھے غرض ممتاز لوگ تھے۔ انہوں نے وہ خرافات آپس میں بکنا شروع کی کہ سننے والا شرما جاوے۔ اتفاق سے ایک ہندو منصف بھی اسی ڈبہ میں آ بیٹھے۔ عہدہ اس کا بھی بڑا تھا مگر غیر مذہب کا آدمی تھا۔ جنٹلمینوں نے آپس میں فحش فحش اشعار پڑھنا شروع کئے منصف صاحب کی کمبختی آئی کہ کسی شعر پر آپ بول اٹھے کہ ہاں صاحب ذرا پھر پڑھیے انہوں نے وہ شعر تو دوبارہ پڑھا نہیں مگر منصف صاحب کے سر ہو گئے ایک بولا اچھا آپ بھی شاعر ہیں اس نے کہا جی نہیں میں شاعر تو نہیں۔ دوسرے بولے آپ ضرور شاعر ہیں اس جماعت کی یہ حالت تھی جیسے بھانڈ ہوتے ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ کر تیسرا بولا آپ یقینی شاعر ہیں آپ کا تخلص مسکین ہے ایک بولے آہاہ تو یہ شعر آپ ہی کا ہے۔

مسکین خر اگر چہ بے تمیز است   چوں بار ہمے برد عزیز است

(مسکین کا گدھا اگر چہ بدتمیز ہے چونکہ ہمارا بوجھ اٹھاتا ہے اس لئے ہمیں عزیز ہے)

غرض بچارے کو ایک مشغلہ بنا دیا مگر منصف صاحب کچھ نہ کہہ سکے کیونکہ وہ خود ہی اپنے ہاتھوں بلا میں پھنسے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آپ کا خود ہی جی چاہا مسخرہ بنے کو ایسے بھانڈوں کو چھیڑا ہی کیوں تھا پھر انہوں نے ایک حرکت یہ کی کہ جب دستر خوان بچھایا اور کھانا نکالا گیا تو ایک بولے آیئے منصف صاحب آپ بھی کچھ گوہ موت کھا لیجئے دوسرا بولا کہ تم بڑے بدتمیز ہو کہ کھانے کو گوہ موت کہتے ہو۔ اس نے کہا میاں اپنی چیز کو ہمیشہ گھٹیا نام سے یاد کرنا چاہئے۔ اسی کا نام تواضع ہے اپنے کھانے کو کھانا کہنا تکبر ہے میں تو چادر لپیٹ کر ایک طرف کو لیٹ گیا اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ اے اللہ ایسا نہ ہو کہ مجھ پر بھی کچھ عنایت ہو خدا کا شکر ہے کہ مجھ پر تو کچھ عنایت نہیں ہوئی اور شاید وہ منصف صاحب کو بھی کچھ نہ کہتے مگر ان کی کمبختی نے خود ہی دھکا دیا کہ اپنے آپ پنچوں میں شامل ہوئے اور بجلی کے تار کو ہاتھ لگایا۔ خیر مجھے یہ حکایت صرف اتنی مناسبت سے یاد آ گئی کہ اپنی چیز کو گھٹیا نام سے یاد کرنا چاہئے اتنی بات تو صحیح ہے مگر جیسا گھٹیا نام ان جنٹلمینوں نے اپنے کھانے کو دیا وہ نہایت بدتمیزی اور بدتہذیبی کا نمونہ تھا۔ کھانے کو گوہ موت کہنا تواضع نہیں ہے کھانا خدا کا رزق ہے اس کو اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے مگر کسی قدر گھٹیا نام سے یاد کر سکتے ہیں مثلاً دال روٹی یا آب ونمک کہہ دیا جاوے مگر نہ اس قدر گھٹانا کہ گوہ موت ہی کہہ دیا جائے۔ کیونکہ کھانے میں یہ بھی تو ایک حیثیت کہ وہ خدا کا رزق ہے اسی لحاظ سے وہ بہت کچھ معظم ومکرم ہے غرض یہ ان کا مسخرہ پن تھا کہ رزق کے لئے ایسے الفاظ بیہودہ استعمال کئے۔ (کساء النساء ج ۲۰)

حقیقت تقویٰ

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر اللہ والوں کے یہاں جیسی دیکھی کہیں نہیں دیکھی۔ چنانچہ ایک بار حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ کے یہاں میں مہمان تھا۔ جب میں نے کھانا شروع کیا مولانا نے پوچھا کیا کھانا ہے۔ میں نے کہا ارہر کی دال اور روٹی ہے فرمایا سبحان اللہ خدا کی بڑی نعمت ہے۔ دیکھو صحابہ کرام نے جہاد میں ایک ایک چھوارے پر پورا دن گزارا ہے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بعض وقت بدوں سالن کے روٹی کھاتے تھے کبھی سرکہ سے کھا لیتے۔ واقعی اللہ کے بندے ایسے ہی شاکر ہوتے ہیں۔ اب ہماری یہ حالت ہے کہ کوئی کھانا کھلاتا ہے تو اس میں دس قسم کے اعتراضات نکالتے ہیں اور جگہ جگہ گاتے

پھرتے ہیں کہ فلانے کے یہاں گھی کم تھا گوشت سخت تھا۔ گلا گھونٹ پلاؤ تھا۔ گھونسے مار مار کر حلق سے اتارا گیا۔ یہ کیا بیہودگی ہے اپنے آپ کو ایسا بڑا سمجھتے ہیں کہ پلاؤ قورمہ بھی نظر میں نہیں آتا اگر واقعی کھانا خراب ہی تھا اور تمہیں پسند نہ آیا تو اس کو نہ کھاتے واپس چلے آتے مگر اس کی نسبت تحقیر کے الفاظ کہنا جا بجا گاتے پھرنا یہ کہاں کی تہذیب ہے دیکھو مولانا نے ارہر کی دال کو بڑی نعمت فرمایا اور فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کھایا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جَو کو پیس کر پھونک سے بھوسی اُڑا کر کھا لیا جاتا تھا پھر کس کا منہ ہے کہ پلاؤ قورمہ سے بھی ناک چڑھائے میں نے اپنے ایک استاد کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ بخش دیا میں نے پوچھا کس بات پر بخش دیا فرمایا ایک ذرا سی بات پر وہ یہ کہ ایک روز گھر میں کھچڑی پکی تھی اس میں نمک ٹھیک نہ تھا۔ میں نے اس کو حق تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر چپکے بیٹھ کر کھا لیا کچھ تکرار نہیں کیا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمیں تمہاری یہ بات پسند آئی لہٰذا تم کو بخش دیا۔ ہم تو اس بناء پر ان کے معتقد تھے کہ وہ بڑے متقی تھے نماز ایسی پڑھتے تھے ذکر و شغل کرتے تھے بڑے پابند شرع تھے مگر بخشش انکی اس پر ہوئی کہ بے نمک کی کھچڑی خوشی سے کھالی تھی۔ حق تعالیٰ کے سامنے کسی کا زہد و طاعت اور اتقا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہمارا عمل ان کی شان کے موافق ہے۔ اگر بخشش ہو سکتی ہے تو صرف نظر عنایۃ سے ہو سکتی ہے......

جس کے لئے سبب ادنیٰ بھی کافی ہو سکتا ہے۔ پھر اس سبب میں کیا مردوں ہی کا حصہ ہے عورتوں کا نہیں ہم لوگ حدیث پڑھتے ہیں جو لوگ پلاؤ قورمہ پر ناک مارتے ہیں وہ حدیث میں دیکھیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ جو کھانا پسند نہیں آیا اس کو چھوڑ دیا۔ نہ کھایا نہ کوئی بُرا لفظ اس کے متعلق فرمایا آج کل افراط و تفریط دونوں ہیں یا تو پلاؤ قورمہ پر ناک ماریں یا باوجود رغبت نہ ہونے کے کھائے چلے جاویں اور اس کو بڑی نفس کشی سمجھیں کہ طبیعت لیتی نہیں مگر زبردستی حلق سے اتارے چلے جاتے ہیں اسے نفس کی مخالفت نہیں کہتے بلکہ اس کا نام زہدِ خشک ہے شریعت میں اعتدال ہے۔ (کساء النساء ج ۲۰)

اعتدالِ طعام

سبحان اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم نہیں فرمائی کہ جی نہ چاہتا ہو تو خواہ مخواہ کھا

ہی لو بلکہ تعلیم دی ہے کہ جی چاہے تو کھاؤ نہ چاہے تو چھوڑ دو مگر اس کو بُرا کہنے کی اجازت نہیں دی اعتدال وہی ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھا دیا کھانا پسند آیا کھا لیا نہ پسند آیا چھوڑ دیا۔ حدیث میں ہے۔ لم یَعِب طعاما یعنی کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالا جیسا ہم کرتے ہیں کہ گھی کم ہے کچا ہے پکا ہے۔ یہ سارے نخرے اس لئے ہیں کہ خدا نے دے رکھا ہے۔ کھانے کی قدر بھوکے سے پوچھو اس کو یہ نہیں سوجھتا کہ روٹی تازی ہے یا باسی گھی کم یا زیادہ کھانا گرم ہے یا ٹھنڈا غرض کھانے کو کسی حال میں بُرا نہ کہنا چاہئے۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ باورچی کیسا ہی خراب اور بے ترکیبی سے پکائے اس کو تنبیہ بھی نہ کی جائے، یہ بات نہیں پکانے والے کو سمجھا دینا چاہئے مگر کھانے سے ناک منہ چڑھایا جاوے کہ منہ میں رکھا اور ذرا نمک کم ہے تو تھوک دیا اٹھا کر برتن پھینک دیا بی بی یا خادمہ کے سر پر سالن لوٹ دیا۔ بعض لوگ برتن بہت توڑتے ہیں۔ ارے برتن نے کیا خطا کی تھی بلکہ ان سے کوئی یہ پوچھے کہ یہ جرمانہ کس پر ہوا آپ نے جو اپنے گھر کا آٹھ آنہ کا پیالہ توڑا یہ تو آپ ہی کے اوپر جرمانہ ہوا جس سے لازم آیا کہ خطاوار تم ہی ہو غصہ میں یہ بھی نہیں سوجھا کہ خطاوار نوکر ہے یا تم خود ہو اور جرمانہ کس پر ہو رہا ہے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کرنا **یُخرِبُونَ بُیوتَھُم بِاَیدِیھِم** (اپنے ہاتھوں اپنے گھروں کو برباد کرتے ہیں) کا مصداق بنتا ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایک گروہ کفار کی حالت میں بیان فرمایا ہے کہ ان پر یہ عذاب الٰہی نازل ہوا کہ بھاگتے وقت اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے گھر میں رہنا نو کیا ملتا اسی طرح کھانا تو تم سے چھین ہی لیا گیا تھا کہ بھوکے رہے اور یہ جرمانہ ہوا کہ برتن بھی ٹوٹ گئے بُری بات ہے۔ کھانے میں عیب نکالنا تکبر کی بات ہے اور اتنا بڑا عیب نکالنا کہ اس کو گوہ موت کہنا۔ یہ سب ان کا مسخرہ پن تھا۔ اور اس کو تواضع میں ٹھونسنا تو نری شرارت تھی اس کو تواضع نہیں کہتے یہ تو ایسا ہے جیسے تم کسی کے پاس جاؤ اور وہ پوچھے تم کون ہو تو جواب میں یوں کہو کہ گدھا ہوں اور اس کو تواضع سمجھو تو ہرگز کوئی عقلمند اس کو پسند نہیں کرے گا اپنی نسبت کوئی تعظیم کا لفظ نہ ہو تو یہ بھی نہ ہو کہ انسان سے گدھے بن جاؤ اس کا نام تواضع نہیں ہے۔ اس کا نام ناشکری اور بدتمیزی ہے۔ اسی طرح اپنی نماز کو بالکل رائیگاں اور بیکار سمجھ لینا یہ بھی تواضع نہیں ہے اعتدال کا درجہ یہ ہے کہ نماز کو اس حیثیت سے کہ اپنا فعل ہے ہیچ سمجھے مگر اس حیثیت سے حق

تعالیٰ کا عطیہ ہے یوں سمجھے کہ جس نماز کی توفیق ہم کو دی گئی ہے ہم اس کے بھی قائل نہ تھے یہ محض حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ ایسے نالائقوں کو ایک دین کے کام کی توفیق دی۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل ۔۔۔ نسیمِ صبح تیری مہربانی

(کساء النساء ج ۲۰)

نیت لباس

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَن لَبِسَ ثَوبَ شُهرَةٍ اَلبَسَهُ اللّٰهُ ثَوبَ الذِّلِّ يَومَ القِيَامَةِ.

یعنی جو شخص کوئی کپڑا دکھاوے کی غرض سے پہنے گا اس کو خدا تعالیٰ ذلت کا لباس قیامت کے دن پہناویں گے۔

کیا عورتوں کے ان معمولی افعال کو دیکھ کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ رسوم میں نیت انکی درست ہے۔ عورتوں کو اس طرف التفات بھی نہیں کہ نیت درست اور نادرست کیسی ہوتی ہے۔ اور یہاں کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب کوئی کپڑا بناتا ہے تو دو چار کپڑوں میں سے اچھا ہی چھانٹ کر لیتا ہے تو یہ سب ترفع یا دکھلاوا ہوا اس کا گُر یاد رکھو کہ کپڑا اپنا جی خوش کرنے کو پہنا جاوے تو مباح ہے اور دوسرے کی نظر میں بڑا ہونے کے لئے پہنا جاوے تو ناجائز ہے گویا کپڑے کے اچھے ہونے کے دو مرتبے ہیں ایک یہ کہ بُرا نہ ہو جس سے اپنا دل خوش ہو اور اوروں کے سامنے ذلیل نہ ہونا پڑے۔ اس کا کچھ حرج نہیں اور ایک یہ کہ دوسروں سے بڑھا چڑھا ہو کہ اس کی طرف نظریں اٹھیں یہ بُرا ہے یہ گناہ تو کپڑے کے متعلق تھے جن سے بعض رسوم کا حکم بھی معلوم ہوا۔ (منازعۃ الھویٰ ج ۲۰)

ریائی کھانا

کھانے کے متعلق سنئے کہ رسموں سے اس کا بھی تعلق ہے۔ آپ کا خیال تھا کہ کھانا کھلانا جائز ہے اور مفتی فتویٰ دیتے ہیں کہ جائز ہے مگر شریعت کی فہرست میں تو دیکھو اس میں حدیث کا یہ مضمون بھی گناہوں میں لکھا ہوا ہے۔ یعنی حدیث میں ہے:

نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ عَن طَعَامِ المُتَبَارِيينَ.

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کے کھانا کھانے سے منع فرمایا جو آپس کی

بخشا بخشی سے کھانا کھلاتے ہوں دیکھ لیجئے یہ کھانا جائز ہے تو آپ کا یہ کہنا صحیح نہ رہا کہ کھانا کھلانے میں کیا حرج ہے اسی پر تمام ان کاموں کو قیاس کر لیجئے جن کے مجموعہ کا نام رسوم ہے آپ نے رسموں کے جواز میں یہ دلیل پیش کی تھی کہ کھانا کھلا دینا لینا آنا جانا علیحدہ علیحدہ سب افعال مباح ہیں ان کے جمع ہونے سے ممانعت کیسے لازم آ گئی میں کہتا ہوں دیکھ لیجئے کپڑا پہننے کو آپ جائز سمجھتے ہیں۔ مگر اس کے لئے شریعت میں ایک قید ہے کھانے کھلانے کو آپ جائز کہتے ہیں۔ اس میں بھی ایک قید ہے۔ اب ان رسوم میں دیکھ لیجئے کہ وہ افعال معہ ان قیدوں کے موجود ہیں یا بلا قیدوں کے اس میں آج کل کے عقلمند بھی دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ (منازعۃ الھویٰ ج۲۰)

رسمیں دو قسم پر ہیں

مجھ سے ایک شخص نے کہا کہ خدا کا شکر ہے اس زمانہ میں پہلی سی رسمیں بہت کم ہو گئیں میں نے کہا ہرگز نہیں۔ بات یہ ہے کہ رسمیں دو قسم کی ہیں ایک وہ جو شرک تک پہنچی ہیں وہ البتہ چھوٹ گئیں۔ ایک وہ ہے جن کی اصل تفاخر ہے۔ یہ پہلے سے بھی بڑھ گئیں۔ البتہ پہلے شرک کی عجیب عجیب رسمیں تھیں۔ (منازعۃ الھویٰ ج۲۰)

نکاح میں فضول خرچی

میں کہتا ہوں مجموعہ اسرافات ہیں اور آپ نے اپنی فہرست میں اسراف کو بھی گناہ نہیں لکھا جس کی نسبت قرآن شریف میں ہے۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِینَ كَانُوا اِخوَانَ الشَّیَاطِینِ
ترجمہ: فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

اسراف شریعت کی فہرست میں گناہوں میں لکھا ہوا ہے شریعت نے نکاح کو مسنون کیا اور رسوم کو اس کا جز نہیں قرار دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تقریب کو کر کے دکھلا دیا۔ (منازعۃ الھویٰ ج۲۰)

انبیاء علیہم السلام کی دلیری

انبیاء علیہم السلام اتنے دلیر ہوتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا گیا کہ فرعون کو ذرا نرمی سے کہنا۔ یعنی اس قدر صاف اور دلیر تھے کہ اگر یہ ارشاد نہ ہوتا تو جانے کیا اکھاڑ

پچھاڑ کر آتے اور نرمی سے کہنے میں ضرور فائدہ ہوتا ہے گو خاص اس کو نہ ہو مگر دوسروں کو تو یقیناً ہوتا ہے۔ نیز اس میں یہ حجت باقی نہیں رہتی کہ مجھے سوچنے کا موقع نہ دیا اور خدا کو یہ منظور ہے لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ .(تاکہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان پیغمبروں کے آنے کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے) نرمی سے بات کرنے میں یہ مصالح ہوتے ہیں اس لئے یہ فرمایا تھا کہ نرم باتیں کرنا۔(اجابۃ الداعی ج ۲۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ کو تین باتوں کا حکم

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے فیوض الحرمین میں لکھا ہے۔ کہ مجھ کو تین باتوں پر مجبور کیا گیا تو جو طبعاً مجھ پر گراں تھیں۔ مگر حکم مقدم ہے طبع پر ایک تمسک بالاسباب (یعنی اسباب کو اختیار کرنا) دوسرے عدم خروج عن المذاہب الاربعہ (مذاہب اربعہ یعنی حنفی، شافعی، مالکی حنبلی سے خارج نہ ہونا) تیسرے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر شیخین کی تفضیل (ابوبکر و عمرؓ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر فضیلت دینا) اور حکمت اس میں یہ ہے کہ اسباب اختیار کرنے میں ایک تو شان افتقار (احتیاج) کہ ہم حق تعالیٰ کے اس درجہ محتاج ہیں کہ ان کے مقرر کئے ہوئے اسباب سے بھی بے نیاز نہیں ہیں دوسرے اس میں پردہ داری ہے کہ عوام کو خبر نہیں ہوتی کہ متوکل ہیں۔ اسباب کا اختیار کرنا توکل میں پردہ ہے۔ عوام سمجھتے ہیں کہ کیا متوکل ہیں نوکری کر رکھی ہے۔ مباشرت اسباب میں دو مصلحتیں تو یہی ہیں اور ان کے علاوہ اور خدا جانے کیا کیا مصلحتیں ہوں گی۔ پس اسباب کو ہرگز ترک نہ کرنا چاہئے۔ حضرت علیؓ کا قصہ ہے کہ آپ سے ایک ملحد نے پوچھا کہ کیا آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ بے وقت موت نہیں آتی آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ جب آپ کا عقیدہ ہے تو پھر چھت کے اوپر سے کود یئے آپ نے فرمایا کہ خدا کی جانچ کرنا بھی بے ادبی ہے۔ یہ تو خدا کی جانچ ہے۔ ہاں البتہ اگر اتفاق سے گر پڑیں گے تو گرتے وقت یہ عقیدہ لے کر چلیں گے کہ اگر اس وقت موت نہیں تو ہم مر نہیں سکتے۔ سو حضرت علیؓ کے اس جواب سے بھی معلوم ہوا کہ تدبیر کی مزاحمت کرنا ٹھیک نہیں تدبیر ہو اور اس کے ساتھ توکل۔

گر توکل مے کنی درکار کن کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

(اگر توکل کرو تو کام کے اندر توکل کرو یعنی کسب اور کام کرو۔ اور ان کے اثر بخشنے میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو) (اجابۃ الداعی ج ۲۱)

اسباب میں توکّل

اسباب میں توکل یہ ہے کہ اگر اپنے نفس میں قوت پائے اور پریشانی نہ ہو تو ترک کر دینا جائز ہے تیسرے اسباب وہمیہ کہ مسبب کا مرتب ہونا ان پر بہت بعید ہے جیسا دور دراز کا سامان کرنا کہ فلاں جگہ سے روپیہ مل جاوے تو جائیداد خریدوں گا۔ اور اس جائیداد کی آمدنی سے ایک تجارت کا کارخانہ کھولوں گا اس کے بعد فلاں کام کروں گا یہ سوچ کر ان اسباب میں ایسا مشغول و منہمک ہو گیا کہ حلال و حرام کی بھی تمیز نہ رہی ایسے اسباب کا ترک واجب ہے۔ (التوکل ج ۲۱)

اسباب کے تین اقسام

اسباب کی کل تین قسمیں ہوئیں اسباب قطعیہ، اسباب ظنیہ، اسباب وہمیہ اسباب قطعیہ کا ترک حرام اور اسباب ظنیہ کا ترک بشرط قوت نفس مندوب اور اسباب وہمیہ کا ترک واجب صوفیہ کرام توکلّ سے مراد اسباب ظنیہ کا ترک لیتے ہیں اور قرآن مجید اور احادیث میں جہاں توکلّ کا امر ہے اس سے کہیں تو تقلیل یا ترک اسباب ظنیہ مراد ہے اور کسی جگہ ترک اسباب وہمیہ مقصود ہے یہ تقریر تو نفس توکل کے متعلق تھی۔ (التوکل ج ۲۱)

خواص متوکلین کی ایک غلطی:

توکل کے متعلق بعضے خواص متوکلین ایک غلطی میں مبتلا ہیں وہ غلطی یہ ہے کہ متوکلین کی حالت باعتبار توکل کے تمام احوال میں یکساں نہیں دیکھی جاتی حالانکہ توکل کا اقتضاء یہ ہے کہ تمام احوال میں حق تعالیٰ پر یکساں نظر ہو لیکن ان کے مختلف احوال میں بڑا فرق دیکھا جاتا ہے اور اس فرق کا احساس خود ان کو بھی نہیں ہوتا اور وہ فرق یہ ہے کہ اسباب کے ترک میں جتنی انکی نظر حق تعالیٰ پر ہے اس قدر نظر اسباب کے اختیار کرنے کی صورت میں نہیں ہوتی حالانکہ دونوں مواقع توکل کے ہیں کہ دونوں میں تفویض الی الحق یکساں ہونا چاہیے گو اسباب کے اختیار کرنے کو اصطلاحاً توکل نہیں کہا جاتا۔ (التوکل ج ۲۱)

توکل کی حقیقت

توکل کی حقیقت جوتفویض الی الحق ہے وہ اختیار اسباب اور عدم اختیار اسباب دونوں میں یکساں ظاہر ہونا چاہیے اس لئے کہ الشئی اذاثبت ثبت بلوازمہ تو توکل کے لوازم بلکہ حقیقت اس کی یہی تفویض الی الحق ہے کہ ہر موطن میں اس کا ظہور ہونا ضروری ہے گو اعتقاداً تو یکساں حالت ہے لیکن حالاً یکساں نہیں ہے دیکھ لیجئے اور اپنے وجدان کی طرف رجوع کر لیجئے متوکلین اور غیر متوکلین سب اس بات کو احساس کر سکتے ہیں کہ ترک اسباب جو کیفیت قلب کی تفویض کے اعتبار سے ہوتی ہے اس درجہ کی کیفیت اسباب کے اختیار کرنے میں نہیں ہوتی مثلاً ایک شخص نوکری یا تجارت چھوڑ کر بیٹھ گیا تو جیسی نظر اس صورت میں حق تعالیٰ پر ہوتی ہے اس مرتبہ کی نظر اس صورت میں نہیں ہے کہ کھانا کھا رہے ہیں اس صورت میں حالاً نظر اس پر ہے کہ کھانا کھانے سے یہ شبع ہوگا یہ حالت نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اگر چاہیں گے تو شبع اور قوت حاصل ہوگی ورنہ نہیں۔ یا مثلاً مکان بنوا رہے ہیں یہاں اس قسم کی نگاہ حق تعالیٰ پر نہیں بلکہ اسباب پر نظر ہے جتنا روپیہ پاس ہے اس پر نظر ہے اور آئندہ کے لئے فکر ہے کہ کیسے اس کی تکمیل ہوگی پس اس فرق کے کیا معنے، یہ ہے وہ غلطی جو اوّل میرے ذہن میں آئی اس کے بعد تلاش ہوئی کہ کہیں شریعت میں بھی اس کا پتہ ہے یا نہیں چنانچہ بعد تلاش کے معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ صریح دلالت اس مضمون پر اس آیت کو ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ یعنی ان سے کام میں مشورہ کیجئے پھر جب آپ عزم کریں گے تو اللہ پر بھروسہ کیجئے اس آیت میں ایک مرتبہ تو ہے مشورہ کا اور دوسرا مرتبہ ہے عزم کا یعنی جب مشورہ میں پختہ ارادہ ایک جانب کا طے ہو جائے اس کے بعد حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے یہ ظاہر بات ہے کہ مشورہ ایک تدبیر ہے پس مشورہ کا محل وہ امر ہوگا جو محل تدبیر ہو اور اس کا تعلق اسباب اور تدبیر سے ہو غیر اختیاری نہ ہو نیز عزم کا حاصل ہے ترجیح احد المقدورین اس سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ امر اختیاری کے متعلق یہ ارشاد ہے پس حاصل یہ ہوا کہ جن امور کا تعلق اسباب سے ہے انکی نسبت ارشاد ہے کہ ان کے اسباب اور تدبیر میں اول آپ مشورہ فرمائیے اور مشورہ میں جو امر طے ہو یعنی جس سبب

کی مباشرت قرار پائے جب آپ اس سبب کا عزم فرماویں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے پس اس آیت سے معلوم ہوگیا کہ توکل کچھ اسی موقع کیساتھ خاص نہیں ہے کہ جس میں اسباب کو ترک کردیا جاوے بلکہ اسباب کے اختیار کرنے کی صورت میں بھی توکل مع اپنے آثار ولوازم کے ہونا چاہئے اب دیکھ لیجئے کہ اس حالت میں توکل کس کے اندر ہے عوام تو عوام خواص جو تارک اسباب یا مقلل اسباب ہیں ان میں بھی یہ کوتاہی دیکھی جاتی ہے جیسے ان کی نظر ترک اسباب کی صورت میں اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے اس درجہ کی نظر اسباب کے اختیار کرنے کی حالت میں نہیں ہوتی تو یہ بڑی کوتاہی ہے۔ (التوکل ج ۲۱)

صفت توکل میں کمی:

حقیقت میں توکل کی صفت میں کمی ہے اور اپنی اس غلطی پر تنبیہ نہیں ہے مجھ کو خود اس پر تنبہ نہیں تھا سفر میں یہ بات محسوس ہوئی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سفر میں تو توکل کی صفت کا ظہور زیادہ ہوتا ہے یعنی جب کہیں سفر ہوتا ہے تو قلب خوف ورجا میں ہوتا ہے کہ دیکھئے کہ گھر واپس ہوگی یا نہیں اگر حق تعالیٰ خیر وعافیت رکھیں گے تو ہو جاوے گی ورنہ ممکن ہے کوئی عارض ایسا پیش آجاوے کہ جو راہ ہی میں ختم ہو جائیں حالانکہ اسباب گھر پہنچنے کے موجود ہیں لیکن ان اسباب پر نظر نہیں ہوتی صرف حق تعالیٰ پر ہوتی ہے پس اس مقام پر تو حالی توکل حق تعالیٰ نے نصیب کر دیا اور ممکن ہے کہ یہ امر میرے ضعف قلب سے ہو اور میں اس کو توکل سمجھتا ہوں بہر حال جو کچھ بھی ہو اس حالت میں نظر حق تعالیٰ پر ہوتی ہے یہ تو سفر کی حالت تھی اور مسجد سے گھر جانے تک یہ کیفیت نہیں ہوتی کہ قلب کے اندر خوف ورجا کی کیفیت ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تو پہنچیں گے ورنہ نہیں جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت ہر وقت تھی چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب سے فارغ ہو کر فوراً تیمم فرما لیتے تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی تو موجود ہے آپ فرماتے ہیں کہ شاید پانی تک نہ پہنچ سکوں پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ہر وقت اور ہر حال میں حق تعالیٰ پر تھی یہ بات ہم لوگوں کو میسر نہیں

دعا بھی اسباب توکل میں شامل ہے:

دعا بھی اسباب توکل میں داخل ہے جس پر بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب یہ امر متعین

ہے کہ جو کچھ ہوگا بہتر ہوگا پھر ایک جانب کی درخواست اور دعا کرنے کے کیا معنے بات یہ ہے کہ اس میں اظہار ہے افتقار کا اور اسی لئے دعا کرتے وقت تردید نہ کرو بلکہ جس جانب کو تم خیر سمجھتے ہو اور تمہارے علم میں وہ مصلحت ہے اس کو بالتعیین خدا تعالیٰ سے مانگو ہاں جس کے خیر ہونے میں شبہ ہو وہاں قید لگا دی جاوے اور تنگ چشموں کے نزدیک اس میں بھی بظاہر سخت تعارض معلوم ہوتا ہے کہ مانگی ہوئی چیز بھی خیر ہو اور جب اس کے خلاف واقع ہو تو اس مانگی ہوئی چیز کے مقابل خیر ہو مگر فے الواقع تعارض کچھ نہیں اس لئے کہ جس جانب کو تم مانگ رہے ہو۔ وہ تمہارے علم کے اعتبار سے خیر ہے اور جو واقع ہوگا وہ نفس الامر کے لحاظ سے خیر ہے۔ (التوکل ج ۲۱)

افتقار الی اللہ منافی توکّل نہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا کہ کھانا تناول فرما کر آپ دعا فرماتے **الحمد لله الذی اطعمنا وسقانا غیر مستغنی عنه ربنا** یعنی اے اللہ اس روٹی کے ہم محتاج ہیں ہم اس سے مستغنی نہیں ہیں۔ غرض حق تعالیٰ کے سامنے اسباب کی احتیاج کا اظہار اس نظر سے کہ اپنا افتقار (اللہ تعالیٰ کی طرف محتاجی کا اظہار) الی اللہ ظاہر ہو توکل کے منافی نہیں ہے ہاں اگر خود ان اسباب ہی کو مطلوب بنا لیوے تو یہ البتہ منافی توکل ہے غرض اسباب اور تدابیر کی مشروعیت (شرع کے مطابق جائز) ہمارے ضعف اور افتقار کے اظہار کے لئے ہے نہ کہ ان کو مقصود بالذات بنانے کے واسطے۔ (التوکل ج ۲۱)

تدابیر کی مشروعیت میں حکمت

بعض اہل اللہ نے تدابیر کی مشروعیت کی عجیب حکمت لکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ تدبیر کرنا اس لئے جائز کیا گیا ہے کہ ہم تدبیر کریں اور وہ اس کو توڑتے رہیں تا کہ ہم کو یہ معلوم ہو جاوے کہ ہمارے اسباب اور تدابیر کوئی چیز نہیں۔ موثر حقیقی حقیقت میں ذات واحد ہے چنانچہ بعض اہل حال کے ساتھ عجیب معاملہ ہوتا ہے کہنے کی بات تو نہ تھی لیکن زبان پر آئی ہوئی بات کہہ دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ عوام کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوتا ہے کہ ان کو اپنی تدابیر میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے شاذ و نادر تدبیر خطا بھی ہو جاتی ہے۔ (التوکل ج ۲۱)

بعض اہل حال وخواص سے معاملہ

اہل حال وخواص عباد کیساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے کہ جو تدبیر وہ کرتے ہیں اکثر توڑ دی جاتی ہے۔ وہ عزم کرتے ہیں کہ فلاں کام نہ کریں گے وہی ان سے صادر ہوتا ہے آخر رفتہ رفتہ ان کو واضح ہو جاتا ہے کہ ہماری حول اور قوت اور ارادہ لاشئے محض ہے اور اس کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں اور تفویض محض ان کی شان ہو جاتی ہے حضرت ابراھیم بن ادہم کی تہجد کی نماز قضا ہو گئی بہت افسوس کیا بہت روئے دوسرے روز بڑا اہتمام آنکھ کھلنے کا کیا کھانا کم کھایا پانی کم پیا اور سویرے سے سوئے اس روز صبح کی نماز بھی اڑ گئی وہ فرماتے ہیں ففوضت واسترحت کہ اس کے بعد میں نے اپنے کو تفویض کر دیا اور راحت سے ہو گیا (التوکل ج ۲۱)

توکّل کے لئے ایک ضروری دستور العمل:

جو کام کرو کم از کم ایک ہی مرتبہ ضرور سوچ لیا کرو کہ اے اللہ یہ کام آپ کے اختیار میں ہے اگر آپ چاہیں گے تو ہوگا ورنہ نہیں ہوگا یہ ایسی سہل اور آسان بات ہے کہ کچھ اس میں مشقت نہیں اور نفع اس کا کثیر ہے چند روز کر کے تو دیکھو کیا رنگ لاتی ہے۔ اب میں ختم کر چکا ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ توفیق عمل کی عطا فرماویں۔ (التوکل ج ۲۱)

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ اور مولانا جامیؒ کی حکایت:

حضرت مولانا جامی کی حکایت یاد آئی کہ جب وہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہاں امیرانہ ٹھاٹ دیکھا تو بہت جھلائے کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جن کے پاس اس قدر دنیا بھری ہوئی ہے آپ نے اسی وقت جھلا کر یہ مصرع پڑھا۔

نہ مردست آنکہ دنیا دوست دارد

اور یہ کہہ کر چل دیئے اور ایک مسجد میں آکر سو رہے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور ایک شخص ان کے سر ہو گیا کہ میرے پیسے دلواؤ جو تمہارے ذمہ ہیں مولانا جامیؒ بڑے پریشان ہوئے کہ یہاں اس کو کہاں سے پیسے دوں اس نے کہا پھر نیکیاں دلواؤ۔ یہ اسی کشمش میں تھے کہ ایک طرف سے حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی سواری بڑی شان سے آتی ہوئی نظر

بڑی خواجہ صاحب نے مولانا جامیؒ کو پریشان دیکھ کر سواری روکی قرض خواہ کو دھمکایا کہ فقیر کو کیوں تنگ کرتے ہو جاؤ تمہارا جو کچھ تمہارا مطالبہ ہو ہمارے خزانہ سے وصول کرلو جو ہم نے یہاں پہلے سے جمع کرر کھا ہے یہ کہہ کر مولانا جامی کو اپنے ساتھ سوار کرلیا یہ دیکھ کر آنکھ کھل گئی ۔اب تو ان کو تنبہ ہوا کہ خواجہ صاحب بڑے درجہ کے درویش ہیں اور میں نے سخت غلطی کی جو ان پر اعتراض کیا ہے اسی سوچ میں تھے کہ اتنے میں خواجہ صاحب نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے یہ دوڑ کر قدموں میں گر پڑے اور خطا معاف کرائی خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ذرا وہ اپنا مصرع تو پھر سناؤ جو آتے ہی سنایا تھا مولانا جامی نے شرمندہ ہو کر عرض کیا کہ حضرت وہ تو میری حماقت تھی فرمایا کہ ایک بار تم نے اپنی خواہش سے حماقت کی تھی اب ہماری خوشی کے لئے وہ حماقت کرلو چنانچہ آپ نے پڑھا کہ ؎

نہ مرد ست آنکہ دنیا دوست دارد

تو حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا۔

اگر دارد برائے دوست دارد غرض مال کی محبت کا یہ درجہ خلاف زہد نہیں اور نہ مال کا جمع کرنا مطلقاً خلاف زہد ہے البتہ اس کو ذریعہ معاصی بنانا یہ خلاف زہد ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر کچھ حرج نہیں بلکہ بعضوں کے لئے مالدار ہونا ہی مفید ہے اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کس کو مال سے قرب ہوگا اور کس کو افلاس سے ۔اس لئے کسی کو مال دیتے ہیں کسی کو مفلس رکھتے ہیں (الفصل والانفصال ج ۲۱)

اخلاق حسنہ کا نام ونشان مسلمانوں میں مٹ رہا ہے:

اخلاق کی حالت یہ ہے کہ جو اچھے اخلاق تھے ان کا نام ونشان مسلمانوں سے مٹتا جاتا ہے۔ اخلاص شکر وصبر توکل حمیت وغیرت تواضع، مروت، ہمدردی، رحم، ایفاء وعدہ یہ اخلاق حسنہ ہیں۔ہمارے اندر ان کی بجائے ریا، فخر، تکبر، حسد، کینہ، بخل، خلاف وعدگی اور جھوٹ وغیبت رہ گئے ہیں تو دین کے پانچ اجزاء تھے عقائد عبادات، معاملات ومعاشرت واخلاق پانچوں کی یہ حالت ہے جو میں نے عرض کی، پھر ہم نے اپنے کو اللہ کی جماعت بتلاتے ہیں اور مستحق بننا چاہتے ہیں عزت وترقی وغلبہ کے اور جب پستی ہوتی ہے تو سوال کرتے ہیں کہ یہ وعدہ الٰہی کے خلاف کیوں ہوا کیا۔اب بھی ہمارا منہ سوال کا ہے حزب اللہ ایسے ہی ہوتے ہوں گے۔(القرض ج ۲۱)

نعمتوں کی دو اقسام:

نعمتوں میں بھی غور کر لیجئے جو کہ محل ہیں شکر کا اگر چہ احصاء نعمتوں کا محال ہے لیکن جو نعم ہم کو معلوم ہیں سو وہ دو قسم کے ہیں دنیویہ اور دینیہ دنیویہ تو یہ ہیں کہ تندرستی چشم و گوش، ہاتھ پاؤں، نوکر چاکر، عزت و آبرو، بیوی بچے، مکان جائیداد، دینیہ یہ ہیں کہ اپنی محبت و معرفت عطا فرمائی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اپنی مرضیات اور نامرضیات سے آگاہ فرمایا اگر ہم کو مطلع نہ فرماتے اور ہم کو اپنی رائے اور عقل اور سلیقہ پر چھوڑ دیتے اور پھر ان غلطیوں پر مواخذہ فرماتے تو ان کو حق حاصل تھا دیکھو۔ دنیا میں نوکروں کو کہا جاتا ہے کہ ہمارے اشارہ پر چلو اگر کچھ مخالفت کرتے ہیں مواخذہ کرتے ہیں، باز پرس کرتے ہیں کہ تم نے ہمارے اشارہ کو نہیں سمجھا تو باوجود ایک قلیل معاوضہ کے جب ہم کو یہ حق ہے تو کیا حق تعالیٰ کو حق نہ تھا کہ ہم کو ہماری عقل پر چھوڑ دیتے اور معاصی پر مؤاخذہ کرتے اگر ایسا کرتے تو کیسی سخت مصیبت ہوتی اس لئے کہ ہماری عقل مرضیات و نامرضیات کے ادراک کیلئے کافی نہ تھی ایسا نہیں، کیا بلکہ تمام احکام کو صاف صاف بیان فرما دیا ہے اور ایک مرتبہ نہیں۔ (الشکر ج ۲۱)

وجودی اور عدمی نعمتیں

نعمتیں دو قسم کی ہیں وجودی اور عدمی لوگ وجودی کو شمار کرتے ہیں مثلاً رزق ملنا، کپڑا ملنا، مال حاصل ہونا ان کو تو نعمتیں جانتے ہیں اور عدمی کی طرف کسی کا ذہن ہی منتقل نہیں ہوتا حالانکہ وہ اپنے اسباب کے اعتبار سے بے انتہا ہیں مثلاً اس وقت ہم آرام اور عافیت سے بیٹھتے ہیں اس مکان کی چھت ہم پر نہیں گرتی یہ دیواریں نہیں گرتیں، آسمان سے پتھر نہیں برستے کوئی سانپ بچھو درندہ ہم کو نہیں ستاتا چور رہزن ڈاکو نہیں لوٹتے۔ بستی میں امن و امان قائم ہے۔ کوئی ہم کو زہر نہیں دیتا کوئی قتل نہیں کرتا۔ روٹی ہم کھاتے ہیں قبض نہیں ہوتا ہضم ہو جاتی ہے۔ لقمہ گلے میں پھنس کر نہیں مرتے۔ پانی پیتے ہیں گلے میں نہیں رکتا۔ ہاتھ پاؤں ہمارے چلتے ہیں رہ نہیں جاتے۔ آنکھوں کا نور سلب نہیں کیا جاتا کانوں کی سماعت نہیں لیجاتی اسی طرح بے شمار نعمتیں ہیں کہ اگر رات دن شمار کرنے لگیں تو شمار نہیں کر سکتے۔ غرض ہر وقت بے شمار نعمتیں ہیں اب فرمایئے کہ ہم کیا شکر ادا کر رہے ہیں۔ خیر اس

پرتو ہم کو قدرت نہیں کہ تمام نعمتوں پر شکرادا کریں اس لئے کہ ان نعمتوں کا احصاء محال ہے۔لیکن جس قدر قدرت ہے اتنا بھی نہیں کرتے۔بعض دن چوبیس کے چوبیس گھنٹے ایسے گزر جاتے ہیں کہ اس میں زبان سے بھی ایک مرتبہ **الحمد للہ** نہیں کہتے اگر کوئی ذہین آدمی کہے کہ ہم تو پانچ وقت نماز میں الحمد پڑھتے ہیں۔بات یہ ہے کہ یہ تمہارا **الحمد للہ** کہنا محض درجہ عنوان میں ہے درجہ معنون میں نہیں یہ چھلکا ہے جس میں گری نہیں۔یعنی الفاظ شکر ہیں اور شکر نہیں اور جب شکر کے معنی نہیں تو شکر نہیں جیسے کوئی بادام خریدے اور اس میں سے مغز نہ نکلے اور نرا چھلکا ہو تو اس کو بادام نہ کہیں گے اسی طرح ہر عمل کا ایک مغز اور روح ہے اور ایک پوست اور صورت ہے۔(الشکر ج ۲۱)

شکر کی روح

روح شکر کی یہ ہے کہ منعم اور نعمت کی دل سے قدر ہو۔میں اس کو ایک مثال سے عرض کرتا ہوں اس شکر کی حقیقت ذہن نشین ہو جائے گی وہ یہ ہے کہ مثلاً آپ کا کوئی دوست ہو کہ جس پر آپ مال و جان نثار کرنے سے دریغ نہ کرتے ہوں اور وہ آپ کو عنایت ولطف سے کوئی شئے ہدیۃً بھیجے اور اس سے پہلے اس محبوب نے کبھی آپ کو منہ بھی نہ لگایا تھا اس وقت آپ کی کیا حالت ہوگی۔دفعتاً آپ کی حالت بدل جائے گی اور غایت فرحت سے شادی مرگ ہو جائے تو عجب نہیں اور اس شئے کو آپ چومیں گے سر پر رکھیں گے آنکھوں سے لگائیں گے سب کو دکھلاتے پھریں گے کہ ہمارے دوست نے ہم کو یہ تحفہ بھیجا ہے اگر ممکن ہوگا تو اس کو اٹھا کر تبرکات اور منجملہ یادگار کے قرار دے کر رکھیں گے اور اس دوست کے ساتھ پہلے سے دس گنی محبت زیادہ ہو جاوے گی غرض ایک خاص جوش و خروش ہوگا اور اس کے لئے اطاعت بھی لازم ہوگی کہ اگر اس وقت وہ دوست سر بھی مانگے تو حاضر ہے عمر بھر میں حق تعالیٰ کی کسی نعمت پر ایک ہی مرتبہ کوئی بتلا دے کہ کسی کی یہ حالت ہوتی ہو حالانکہ ہر ساعت میں نعمتوں کی ہم پر بارش ہے اور نری **الحمد للہ** پڑھنے سے کیا ہوتا ہے اگر کوئی کہے کہ ہر حالت کا پیدا ہو جانا ہماری وسعت میں نہیں ہے تو کھانا تو ہم پہلے کھا لیتے ہیں لیکن یہ کود پھاند ہم سے نہیں ہوسکتی۔بات یہ ہے کہ امور اختیاریہ میں بھی اس کا ہر مرتبہ اختیاری نہیں ہوتا صرف مرتبہ غیر اختیاری ہوتا ہے مگر باوجود اس کے بھی اس کو اختیاری محض مراتب

ابتدائیہ کے سبب کہا جاتا ہے جیسے یوں کہا جاوے کہ تحصیلداری مل جانا اختیاری ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ جو اس کا طریقہ ہے کہ پاس حاصل کرو امتحان دو شرائط اس کی جمع کرو یہ اختیاری ہے غرض طریقہ کسی شے کا جب اختیاری ہوتا ہے تو اس شے کو اختیاری ہی کہتے ہیں اور دوسری مثال لیجئے ایک شخص علامہ دوراں ہے اگر کوئی چاہے کہ میں آج ہی ایسا ہو جاؤں تو غیر اختیاری ہے لیکن جو اس کا قاعدہ اور طریقہ ہے اس کے اعتبار سے اختیاری ہے ایسے ہی شکر کے مراتب ہیں ابتدائی درجہ تو مرتبہ عقلی ہے کہ حق تعالیٰ کو منعم حقیقی جاننے اور عقلاً اس کی قدر پہچاننے اور انتہائی مرتبہ یہ ہے کہ اس کا اثر طبع اور جوارح اور حرکات وسکنات میں نمایاں ہو جیسا میں نے مثال میں عرض کیا ہے۔ (الشکر ج ۲۱)

حق تعالیٰ شانہ سے محبت حاصل کرنے کا طریقہ:

طریقہ تحصیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچا کرو اور یاد کرو اور ہر نعمت کو اس کی طرف سے جانو رفتہ رفتہ حق تعالیٰ سے محبت ہو گی اور شکر کا درجہ کاملہ نصیب ہو جاوے گا جیسے کوئی عالم ہونا چاہئے تو اول الف با تا شروع کرتا ہے بتدریج علم کامل تک نوبت پہنچ جاتی ہے پس جب حقیقت شکر کی یہ ہوئی ہم جو دیکھتے ہیں تو اپنے اندر کوئی درجہ شکر کا نہیں پاتے نہ عقلی درجہ ہے نہ طبعی دونوں سے معرّا ہیں اس لئے شکر خواہ عقلی ہو یا طبعی اس کے لوازم میں سے ہے منعم کے حقوق کو ادا کرنا اور اس کی نافرمانی نہ کرنا اب دیکھ لیجئے کہ ہم سے صبح شام تک کتنی طاعت ہوتی ہے اور کتنی نافرمانیاں غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ کوئی وقت بھی نافرمانی سے خالی نہیں گزرتا مگر ہم نے نافرمانیوں کی فہرست چونکہ بہت مختصر بنا رکھی ہے اس لئے ہم کو یہ امر معلوم نہیں ہوتا ہم چوری، زنا، غصب، قتل ناحق، شراب پینے وغیرہ کو محض گناہ سمجھتے ہیں اور حالانکہ گناہ ہاتھ سے بھی ہوتا ہے پاؤں سے بھی ہوتا ہے آنکھ سے بھی ہوتا اور سب سے زیادہ یہ کہ قلب ہمارا بہت گندہ ہے قلب میں حسد، تکبر، حرص، حب مال، حب جاہ کینہ بھرا ہوا ہے نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں اور قلب میں یہ بلائیں بھری ہوئی ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب ہم ہر وقت نافرمانی میں مبتلا ہیں تو کھل کھیلیں اور جن نافرمانیوں سے محفوظ ہیں اس میں بھی مبتلا ہو جاویں اس لئے کہ جتنے جرائم سے بچیں بہتر ہے ورنہ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ کسی شخص پر ایک مقدمہ قائم ہو وہ اور جرائم کا بھی مرتکب ہونے لگے

اس کوتو یہ چاہئے کہ اس مقدمہ سے بھی کسی طرح بری ہو میرا مقصود اس تعمیم نافرمانی کے بیان سے صرف اس شخص کو جتلاتا ہے جو ناز کرتا ہے کہ ہم بڑے فرمانبردار ہیں الحاصل نافرمانیوں کا ارتکاب کرنا بڑی ناشکری ہے یہ تو بیان تھا نعمتوں اور اس کے شکر کے متعلق۔ (الشکر ج ۲۱)

عورتوں کو اپنے شوہروں کے شکر کی ضرورت:

بعض عورتیں اللہ تعالیٰ کی بندیاں ایسی بھی ہیں جو شوہر کو معظم سمجھتی ہیں۔اس کی لائی ہوئی چیزوں کو شکریہ کے ساتھ قبول کرتی ہیں اور جن کا اس حدیث پر عمل ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ جس نے آدمیوں کا شکر نہیں کیا وہ خدا تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کرتا۔سو یاد رکھو کہ جب تک شوہر کا شکر نہ کرو گی اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرا شکر بھی قبول نہ ہوگا۔خدا تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ جب ہم کوئی نعمت اپنے کسی بندے کے ذریعہ سے تم کو دیں تو ہمارے شکر کے ساتھ اس آدمی کا شکر بھی کرو۔غرض شکر کی حقیقت یہ ہے کہ زبان سے بھی شکر و کرو ہاتھ اور پاؤں سے شکر کرو۔دل سے بھی شکر کرو اور زبان کا شکر یہی نہیں ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ تیرا شکر کہہ دیا کرو بلکہ زبان کو ان کاموں میں مشغول کرو جو خدا تعالیٰ کو پسند ہیں اور ان باتوں سے بچاؤ جن سے وہ ناراض ہوتے ہیں۔زبان سے خدا تعالیٰ کا ذکر کرو قرآن کی تلاوت کرو۔مسئلے مسائل پڑھو دوسروں کو بتلاؤ زبان سے غیبت نہ کرو۔چغلی نہ کھاؤ۔جھوٹ نہ بولو۔یہ زبان کا شکر ہے۔ کان کے متعلق شکر یہ ہے کہ اچھی باتیں سنو۔قرآن اور مسئلے مسائل اور اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنو۔غیبت اور چغلی اور حکایات و شکایت نہ سنو۔ (تحقیق الشکر ج ۲۱)

دل کا شکر

دل کے متعلق شکر یہ ہے کہ اس میں خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا کرو۔تواضع اور مسکنت اور توکل اور خوف خدا تعالیٰ پیدا کرو۔اور بری عادتیں اس میں سے نکال دو۔تکبر اور حسد اور عجب وغیرہ سے اس کو پاک وصاف رکھو کسی کو حقیر نہ سمجھو۔ (تحقیق الشکر ج ۲۱)

سارے بدن کا شکر

اور سارے بدن کے متعلق یہ شکر ہے کہ عورت کوئی ایسا کپڑا نہ پہنے جس سے

بدن جھلکے۔ اور نامحرم سے پردہ میں کمی نہ کرے۔ اپنی مسلمان بہن کے سامنے بڑا بننے یا اترانے کے واسطے کوئی بڑھیا کپڑا یا زیور نہ پہنے جس سے اس کا دل ٹوٹے۔ اسی طرح مرد کوئی لباس خلاف شرع نہ پہنے۔ (تحقیق الشکر ج ۲۱)

کامل شکر

کامل شکر یہ ہے کہ تمام اعضاء زبان اور ہاتھ دل سب کے سب خداتعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوں دل میں محبت و معرفت الٰہی ہو۔ اور کسی عضو سے گناہ کا ارتکاب نہ ہو۔ اس وقت تم شاکر ہوگی۔ اس لئے کہ تم کو ایک احکام جاننے کی۔ دوسرے ہمت کی ضرورت ہوگی۔ سو بحمد اللہ اس وقت علم کا سامان بہت آسان ہو گیا ہے ضروری معلومات کے لئے بہشتی زیور کے حصے بھی کافی ہیں۔ سو سب سے پہلے تو علم کا اہتمام کرنا چاہئے دوسری ضررت ہے ہمت کی کہ دل سے یہ ہمت کرلو کہ ہم خداتعالیٰ کی نافرمانی کبھی نہ کریں گے اگر کوئی غیبت اور شکایت کی باتیں کرے اس کی بات ہرگز نہ سنو چاہے کوئی ہو اگر کہیں خلاف شرع رسمیں ہوں وہاں کبھی نہ جاؤ چاہے۔ ساری برادری ناراض ہو جائے کچھ پرواہ نہ کرو۔ (تحقیق الشکر ج ۲۱)

فرح بطر اور فرح شکر میں فرق:

مصیبت زائل ہو جانے پر خدا کا شکر کرنا چاہئے یہ خوشی ممنوع نہیں یہ تو فرح شکر ہے یہ عمدہ حالت ہے ممنوع فرح بطر ہے جس کو اترانا کہتے ہیں یہ مذموم ہے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ فرح بطر کے بعد غفلت ہوتی ہے فرح شکر کے بعد غفلت نہیں ہوتی اب فیصلہ تمہارے ہاتھوں میں ہے آزماؤ کہ یہ خوشی کیسی ہے اگر دل میں خوف خدا رہا اور نمازی ہو گئے لوگوں کے حقوق ادا کر دیئے تو یہ فرح شکر ہے اگر ایسا نہ ہوا تو فرح بطر ہے اس سے ڈرنا چاہئے خدا جانے پھر کیا بلا نازل ہو جائے۔ اور آفات دو قسم کی ہیں آفاقی انفسی آفاقی تو جیسے لڑائی ہو جائے مرض عام پھیل جائے۔ انفسی یہ ہے کہ اپنے اوپر کوئی بلا آئے جس میں سب سے بڑھکر قساوت قلبی ہے کہ گناہ کرتے کرتے دل سخت ہو جائے جس سے روز بروز غفلت بڑھتی جاتی ہے یہ سخت آفت ہے اس سے رفتہ رفتہ کبھی ایمان جاتا رہتا ہے خدانخواستہ ایمان گیا تو آخرت برباد ہوئی لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص بڑا خوش اقبال تھا کہ کھاتے پیتے عیش میں مر گیا۔ (التنبیہ ج ۲۱)

دنیا کی حقیقت

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر آخرت کا وجود نہ ہوتا یا تحصیل و دنیا و آخرت سے مانع نہ ہوتی تب بھی دنیا کی حقیقت ایسی ہے کہ اس کو معلوم کر کے عاقل ہرگز اس کی طرف رغبت نہ کرتا اور آخرت کے مقابلہ میں تو اس کا طلب کرنا محض حماقت اور جہالت ہے۔ شاید اس پر اہل دنیا کو یہ سوال ہو کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ دنیا خود قابل ترک ہے ہماری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آئی ہم تو دیکھتے ہیں کہ دنیا سے بہت راحت ملتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی ایسی مثال ہے جیسے سانپ کے کاٹے کو نیم کے پتے میٹھے معلوم ہوتے ہیں مگر تندرست آدمی کو کڑوے معلوم ہوتے ہیں۔ پس آپ کو دنیا اس لیے اچھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی ایمانی حس درست نہیں' اگر ایمانی حس درست ہوتی جس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں:

صحت ایں حس بجوئید از طبیب صحت آں حس بجوائید از حبیب

(جسمانی امراض کا حال حکیم سے پوچھو اور امراض روحانی کی کیفیت شیخ کامل سے پوچھو)

کہ ایمان کی حس اگر درست کرنا چاہو تو اس کا طریقہ مقبولان الٰہی سے پوچھو۔ بہرحال وہ حس جو مجاہدات کے ذریعے سے خانقاہوں میں حاصل کی جاتی ہے درست ہو تو اس کہنے کی بھی ضرورت نہ رہی کہ آخرت ایسی چیز ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا قابل ترک ہے بلکہ تم خود بخود دنیا سے دلبرداشتہ ہو جاؤ۔ اس کی حالت کو ان لوگوں سے پوچھئے جن کی عمر دراز ہو گئی ہے جنہوں نے دنیا کو اچھی طرح آزمایا ہے اور اس کے سرد و گرم کا تجربہ حاصل کیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ایک تجربہ کار شاعر کہتا ہے:

ومن یحمد الدنیا لعیش یسرہ فسوف لعمری عنقریب یلومھا

اذا ادبرت کانت علی المرء حسرۃ وان اقبلت کانت کثیرا ھمومھا

کہ جو شخص کسی خوش کن عیش کی وجہ سے دنیا کی تعریف کر رہا ہے میری جان کی قسم وہ عنقریب اس کی خود ہی برائی کرے گا۔ اس کی حالت یہ ہے کہ جب یہ چلی جاتی ہے تو آدمی کو حسرت و رنج دے کر جاتی ہے اور جب آتی ہے تو بہت سے افکار ساتھ لاتی ہے

اور یہ حسرت انہی لوگوں کو ہوتی ہے جو اس میں پھنسے ہوئے ہیں ورنہ عاقل کو خصوصاً عارف کو حسرت نہیں ہوتی کیونکہ کھنا بلا جائے تو خوشی کی بات ہے مگر جو لوگ دنیا کے عاشق ہیں ان کے یہاں چوری ہو جائے تو ان کی بری حالت ہو جاتی ہے۔ (المراقبہ ج ۲۲)

بعض علماء ومشائخ کا باہمی حسد

معقولی علماء اور مشائخ میں یہ مرض خاص طور سے ہے کہ اپنے ہم پیشہ کے نام سے جلتے ہیں۔ معقولی علماء کی تو یہ حالت ہے کہ دوسرے کا نام آیا اور جو منہ میں آیا کہنا شروع کر دیا۔ دوسرے مدرسہ کے طالب علموں کو طرح طرح کی ترکیبوں سے توڑتے ہیں۔ کان پور میں ایک مدرسہ تھا اس میں دستار بندی کا جلسہ ہوا انہوں نے دوسرے مدرسہ کے ایک طالب علم کو جہاں ان کی زیادہ کتابیں ہوتی تھیں دستار بندی کے لیے کھینچا (ساری خرابی چندہ کی ہے ہزاروں آدمیوں کا چندہ مدرسہ میں آتا ہے تو ان کو کارروائی دکھلانا بھی ضروری ہے اور وہ کارروائی یہی ہے کہ فارغ شدہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہو اور اس کو کون دیکھتا ہے کہ جن کی دستار بندی ہوئی ہے ان کو کچھ آ بھی گیا ہے یا نہیں بس یہ فکر رہتی ہے کہ قوم کو گنتی گنادیں ایسا نہ کریں تو مدرسہ کی نیک نامی کیسے ہو) غرض اس طالب علم کو کھینچا اور چونکہ یہ اندیشہ بھی تھا کہ عین وقت پر دوسرے مدرسہ والے اس کو اپنی طرف لے جائیں اس کے انسداد کیلئے یہ کیا کہ اس طالب علم کو کسی میلہ سے بلا کر کوٹھری میں بند کر دیا اور وہاں اس کی آسائش کا پورا انتظام کر دیا کوئی تکلیف نہیں ہونے پائی اور صبح کو عین وقت پر نکالا اور دستار بندی کر کے چھوڑ دیا کہ اب جہاں چاہو جاؤ ہمیں تو ایسی ترکیبیں نہیں آتیں۔ (القاف ج ۲۱)

دل کی عجیب وغریب مثال

دل کی حالت تو موج کی سی ہے کہ ہر وقت زیر و زبر ہوتا رہتا ہے۔ حدیث میں خود موجود ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شکایت کی کہ جب تک ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں رہتے ہیں تو گویا دوزخ جنت آنکھ کے سامنے ہوتے ہیں پھر ہم اہل وعیال میں مشغول ہو جاتے ہیں تو یہ حالت نہیں رہتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ حالت مستمر رہتی تو تم سے فرشتے مصافحہ کیا کرتے۔ "**ولکن یا حنظلة ساعة فساعة**" یعنی کبھی وہ حال ہوتا ہے اور کبھی یہ۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایسے ذکر کا جس میں دوسری طرف توجہ بھی نہ ہو استمرار مامور بہ نہیں ہے بلکہ مقدور بھی نہیں قلب کو تو قلب کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس میں تقلب ہوتا رہتا ہے یعنی لوٹتا پوٹتا رہتا ہے' غرض یہ کہ

ذکر ہر وقت نہیں رہ سکتا۔ اس کا جواب سن لو سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک ہی چیز کی طرف قلب کا ہر وقت متوجہ رہنا عادۃً ناممکن ہے اس کو ہم مانتے ہیں اور ہم خود کہتے ہیں کہ تم ایک ہی چیز دل میں نہ رکھو مختلف چیزوں کو رکھو مگر وہ مختلف چیزیں ہوں اس ایک چیز کے تعلق کی پس خدا تعالیٰ کی یاد بھی خاص مختلف چیزوں کے ساتھ مجتمع ہو سکتی ہے (القاف ج ۲۱)

توجہ الی المحبوب کے تین درجات

توجہ الی المحبوب کے تین درجے ہیں توجہ الی الذات اور توجہ الی الصفات اور توجہ الی الافعال اور ذات تو ظاہر ہے اور صفات بھی ظاہر ہیں اور افعال جیسے یہ خیال کرنا کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا یہ سب توجہ الی الحق ہی ہے اور اس سے شعر کے معنی اور زیادہ صاف ہو گئے یعنی اس میں تو ئی سے مراد مرتبہ ذات ہے اور خوئے تو سے مراد صفات ہیں اور بوئے تو سے مراد افعال ہیں۔ پس ان سب کی طرف توجہ حق تعالیٰ ہی کی طرف توجہ ہے اب سب سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ عالم کے ہر جزو کی طرف توجہ کرنا بھی توجہ الی اللہ ہو سکتی ہے کیونکہ کم از کم اس کے افعال کے ساتھ تو ہر وقت ہی تعلق ہوگا۔ حتیٰ کہ اس نیم کے درخت کو اس نظر سے دیکھیں کہ محبوب کے تصرف سے اس کی شاخیں ایسی ہیں یوں پھل آتا ہے یوں پتے پیدا ہوتے ہیں ذائقہ پھل کا اور ہے اور پتوں کا اور خصوص بھی ہر جزو کے علیحدہ ہیں یہ بھی توجہ الی غیر اللہ نہیں ہے بلکہ نیم معرفت ہے کیونکہ مفضی الی معرفۃ الافعال ہے اور اگر اس طرح دیکھیں کہ اس کو خدا تعالیٰ نے بنایا ہے یعنی مصنوع سے ذات صانع کی طرف انتقال کریں تو پھر نیم نہیں بلکہ پوری معرفت ہے۔ (تحقیق الشکر ج ۲۱)

محض خوف ریاء کو مانع عبادت نہ سمجھو

حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ عبادت جیسے ہی ہو کئے جاؤ خواہ ریا ہی سے ہو کیونکہ ریا اول اول ریا ہوتی ہے پھر عادت ہو جاتی ہے اس کے بعد عبادت ہو جاتی ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ ریا کی اجازت ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ محض خوف خدا ریا کو مانع مت سمجھو باقی جب اس کا وقوع ہو دفع کر دو ایک بزرگ کے سامنے ایک شخص نے شکایت کی کہ فلاں جماعت کی فلاں عبادت بے نتیجہ ہی کیا فائدہ ہوا انہوں نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا:

سودا قمار عشق میں مجنوں سے کوہ کن — بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز — اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

خلاصہ یہ ہے کہ نیک کام کرتے رہو جیسے بھی ہو لشٹم پشٹم کیے جاؤ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ اول اول انتظام سے نہیں ہوتا جی نہیں لگتا تو اس کی پرواہ مت کرو جیسے ہو کرو جس دن توفیق ہو کرو یہ خیال نہ کرو کہ کل تو کیا نہیں آج کرنے سے کیا فائدہ ہوگا جیسے بھی بنے کیے جاؤ۔ مولانا فرماتے ہیں:

دوست دارد دوست ایں آشفتگی — کوشش بیہودہ بہ از خفتگی

(محبوب حقیقی اس آشفتگی کو پسند فرماتے ہیں سعی اگرچہ بے ثمر ہو لیکن تعطل سے بہتر ہے)

کیا اچھی تعلیم ہے کوشش اگرچہ بے انتظامی سے ہو کافی ہے مگر شرط وہی ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں:

اندریں رہ می تراش وی خواش — تادم آخر دمے غافل مباش

(اس راستہ میں آخر وقت تک تراش وخراش (محنت ومشقت سے فارغ مت رہ تا کہ تیرا آخری سانس آخر وقت تک شاید اللہ کی مہربانی سے کارآمد ہو جائے) (رطوبۃ اللسان ج ۲۱)

اکابرین کے صدمات میں صبر جمیل کے چند واقعات

ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جوان صاحبزادے کا عین عین عید کے دن انتقال ہوا۔ ادھر جوان بیٹے کے نزع ہو رہی ہے ادھر نماز کا وقت قریب ہے۔ مولانا نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ لو بھائی خدا کے سپرد ہم تو اب جاتے ہیں کیونکہ ہمیں نماز پڑھنی ہے۔ انشاء اللہ اب قیامت میں ملاقات ہوگی۔ یہ کہہ کر رخصت ہو گئے اور نماز کا اہتمام شروع کر دیا' آنکھ سے تو آنسو جاری تھے لیکن ایک کلمہ بھی بے صبری کا زباں سے نہیں نکلا' خوش تھے کہ اللہ کی یہی مرضی ہے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے جوان صاحبزادے کا انتقال ہو گیا' لوگ تعزیت کے لیے آئے لیکن چپ بیٹھے ہیں کہ کیا کہیں۔ اہل اللہ کا رعب ہوتا ہے کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ کچھ کہے اور آخر کہتے بھی تو کیا کہتے۔ اگر کہے کہ رنج ہوا تو اس کے اظہار کی کیا ضرورت اگر کہے کہ صبر کیجئے تو وہ خود ہی کیے بیٹھے ہیں۔ آخر ہر جملہ خبر یہ کہ کوئی نہ کوئی غایت تو ہونی چاہیے بڑی دیر کے بعد آخر ایک نے ہمت کر کے کہا کہ حضرت بڑا رنج ہوا۔ فرمایا معلوم ہے کہنے کی کیا ضرورت ہے' بس پھر سارا مجمع چپ' لوگ آتے تھے اور کچھ دیر چپ بیٹھ کر چلے جاتے تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے

انتقال کا صدمہ حضرت مولانا کو اس درجہ ہوا تھا کہ دست لگ گئے تھے اور کھانا موقوف ہو گیا تھا لیکن کیا مجال کہ کوئی کچھ ذکر کر دے۔ میں بھی اس موقع پر حاضر ہوا اب میں وہاں پہنچ کر متحیر کہ یا اللہ کیا کہوں۔ آخر چپ ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ ایک مولانا ذوالفقار علی صاحب تھے' حضرت مولانا محمود حسن رحمتہ اللہ علیہ کے والد بڑے عاشق مزاج اور حضرت حاجی صاحب کے والہ وشیدا۔ ان کا یہ رنگ تھا کہ جب میں حضرت حاجی صاحب کے انتقال کے بعد اول مرتبہ ان سے ملنے گیا تو میری صورت دیکھتے ہی بڑے جوش کے ساتھ کہا:

بنال بلبل اگر بامنت سر یاری ست   کہ مادو عاشق زاریم کار ما زاری ست

(اے بلبل اگر تجھ کو میری دوستی کا خیال ہے تو رو کیونکہ ہم دونوں لاغر عاشق ہیں اور ہمارا کام رونا ہی ہے)

اور آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے میں آبدیدہ ہو گیا' خیر وہاں کچھ دل کی بھڑاس نکلی۔ حضرت مولانا گنگوہی پر اتنے بڑے بڑے صدمات پڑے لیکن کیا ممکن کہ کسی معمول میں ذرا فرق آجائے' چاشت' تہجد' اوابین کوئی معمول قضا تو کیا کبھی مؤخر بھی نہیں ہونا پایا۔ یہاں تک کہ کھانا بھی جب سامنے آیا تو اسے بھی خدا کی نعمت سمجھ کر کھالیا۔ آنے والے کو یہ حالت دیکھ کر خیال ہوتا تھا کہ انہیں کچھ بھی رنج نہیں۔ حالانکہ رنج اس قدر ہوتا تھا کہ میں نے ایک عریضہ صاحبزادہ کی تعزیت کا لکھا تھا اس کے جواب میں مجھے فقط یہ لکھا کہ شدت ضبط سے قلب و دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ مجھ کو حیرت ہوئی تھی کہ یہ بھی کیسے ظاہر فرما دیا' بے حد عنایت تھی کہ اتنا لکھ دیا ورنہ وہاں ضبط کی یہ شان تھی کہ کسی طرز سے پتہ نہ چلتا تھا نہ چہرہ سے نہ زبان سے وہی معمولات وہی اذکار اشغال وہی تعلیم' تلقین کسی معمول میں ذرا فرق نہیں۔ واللہ یہ تعلق مع اللہ کی قوت ہے' یہ وہ قوت ہوتی ہے کہ:

موحد چہ برپائے ریزی زرش   چہ فولاد ہندی نہی برسرش

امید و ہراسش نباشد زکس   ہمیں ست بنیاد توحید وبس

(موحد کے پیروں میں روپیہ کا خواہ ڈھیر لگا دیا جائے یا اس کے سر پر ہندوستانی تلوار رکھی جائے اس کو کسی سے امید و خوف نہ ہو گا توحید یہی ہے بس) (راحت القلوب ج ۲۲)

دل کھول کر گناہ کرنے سے ارمان نہیں نکلتا

نافرمانی میں خاص اسی وقت تو لطف آجاتا ہے لیکن پھر بعد کو بس پوری مصیبت کا سامنا

ہے۔ مثلاً دن کو ایک حسین عورت سامنے سے گزری۔ نفس نے دیکھنے کا بہت تقاضا کیا لیکن فوراً آنکھیں بند کر لیں، نظر کے روکنے میں اس وقت تو بہت تکلیف ہوگی لیکن جب الگ ہو گئے تو واللہ دیکھو گے کہ دل میں ایک بہار ہوگی اور سارا دن ساری رات آرام میں گزرے گا اور اگر نظر بھر کر دیکھ لیا اور پھر چار دن نظر نہ آئے تو دوزخی کی زندگی گزرے گی۔ کہتے ہیں کہ صاحب نظر کے روکنے کی کلفت نہیں اٹھتی۔ میں کہتا ہوں کہ ایک منٹ کی کلفت نہ اٹھائی اور چار دن کی کلفت اٹھالو گے، یہ تو وہی ہوا کہ گنا نہ دے بھیلی دے بعض کو بعض معاصی کی نسبت یہ غلطی ہوگئی ہے کہ ایک مرتبہ اچھی طرح دل کھول کر گناہ کر لینے سے ارمان نکل جائے گا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اس سے قلب کے اندر جڑ اور زیادہ جمتی ہے گو اس وقت کچھ تسکین کی سی ہو جائے۔

تمباکو کی سی لت ہے کہ جتنا یہ پیو گے اتنی ہی اور لت بڑھے گی اور اگر ہر بار خواہش کو روک لو گے تو کچھ دن بعد بالکل بجھ جائے گی یونہی نفس کو مارو۔ ان شاء اللہ مادہ فاسد جڑ پیڑ سے نکل جائے گا۔ خلاصہ عذر کا یہ ہوتا ہے کہ صاحب ہمت نہیں ہوتی، دین کے واسطے تو ہمت نہیں ہوتی اور دنیا کے واسطے بڑی ہمتیں کرتے ہو۔ حضرت اگر کوئی حاکم آپ پر ایک شخص کو مسلط کر دے کہ جس وقت یہ نامحرم پر نظر کرے فوراً اس کی آنکھوں میں تکلے دے دینا تو سچ کہئے کیا پھر بھی نظر کو نہ روک سکو گے۔ دیکھیں تو پھر نظر کیسے نہیں رکتی۔ پھر افسوس ہے اللہ تعالیٰ کے تکلوں کا ڈر نہیں۔ بات یہ ہے کہ تکلیف اٹھانا گوارا نہیں ورنہ سب کچھ ممکن ہے۔ خدا کے طالب نہیں راحت کے طالب ہیں مگر راحت حقیقی بھی تو اللہ ہی کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں: "اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" (یاد رکھو دلوں کو اطمینان اللہ کے ذکر ہی سے حاصل ہوتا ہے)

ہیچ کنجے بے دود بے دام نیست جز بہ خلوت گاہ حق آرام نیست

(کوئی گوشہ جال اور درندوں سے خالی نہیں سوائے اللہ کی خلوت گاہ کے اور کہیں آرام نہیں) (راحت القلوب ج ۲۲)

لوگ ناموری کی خاطر شادی میں زیادہ خرچ کرتے ہیں

مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک شادی کے متعلق جس میں بہت زیادہ خرچ کیا گیا تھا جس میں نیت محض ناموری کی تھی یہ فرمایا کہ خرچ تو خوب کیا لیکن

اتنے خرچ سے ایسی چیز خریدی کہ جس کو اگر بیچنے لگیں تو پھوٹی کوڑی کو بھی کوئی نہ لے وہ کیا چیز ہے۔ نام بس ایسے ہی لوگوں نے اخراجات غیر ضروریہ اختراع کر رکھے ہیں۔ مرتے ہیں، کھپتے ہیں، برباد ہوتے ہیں مگر ان کو پورا کرتے ہیں، ارے آگ لگاؤ ایسی ضرورتوں کو۔ یہ دیکھو کہ شریعت کا حکم کیا ہے۔ (جلاء القلوب ج ۲۲)

حضرت صدیق اکبرؓ کا ایک عجیب واقعہ استقلال

ایک واقعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استقلال کا اس سے بھی زیادہ عجیب ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کچھ قبائل عرب مرتد ہو گئے تھے جن میں تو مسیلمہ کذاب وغیرہ مدعیان نبوت کے ساتھ ہو گئے اور بعض لوگ کسی کے ساتھ تو نہیں ہوئے بلکہ ظاہر میں اپنے کو مسلمان کہتے رہے توحید و رسالت کے مقرر رہے کہ کعبہ کو قبلہ مانتے رہے، نماز کی فرضیت کے قائل رہے مگر زکوٰۃ فرضیت سے منکر ہو گئے اور یہ کہا کہ فرضیت زکوٰۃ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے مخصوص تھی اب فرض نہیں اور رعلت یہ بتلائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمانوں پر فقر زیادہ تھا اس لیے اس وقت زکوٰۃ کی ضرورت تھی۔ اب وہ حالت نہیں رہی اس لیے فرضیت بھی باقی نہیں رہی۔ جیسے آج کل بھی بہت سے لوگ اس قسم کی تاویلیں کیا کرتے ہیں۔ پہلی جماعت کے بارے میں سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بالاتفاق یہ رائے تھی کہ ان کے ساتھ جہاد کیا جائے۔

مگر دوسری جماعت کے حق میں سب کی رائے نرم تھی حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی یہ رائے تھی کہ ان کے ساتھ نرمی کی جائے اور جو کھلے کافر ہیں صرف ان سے لڑائی کی جائے ان لوگوں پر جہاد نہ کیا جائے۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے اس دوسری جماعت کے متعلق بھی وہی تھی جو اور مرتدین کے متعلق تھی وہ ان لوگوں کو کافر کہتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس کے ساتھ قتال کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ یہ لوگ تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہیں ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں ان پر کیونکر جہاد ہو سکتا ہے اور ان کو کفار کی طرح کیسے قتل کیا جا سکتا ہے۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ سب کچھ سہی مگر یہ لوگ نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں (کہ نماز کو تو فرض مانتے ہیں اور زکوٰۃ کو فرض نہیں مانتے حالانکہ شریعت نے دونوں

کو فرض کیا ہے تو یہ لوگ فرض قطعی کے منکر ہیں اور) ان لوگوں نے دین کو بدل دیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ" (جو شخص آپ کے دین کو بدل دے پس اس کو قتل کر دو) اس لیے میں ان کے ساتھ قتال کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر کہا کہ آپ کلمہ گو آدمیوں سے کیسے قتال کریں گے۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خُوَارٌ فِي الْاِسْلَامِ وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ وَفِي رِوَايَةٍ عِنَاقًا عِقَالاً كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاُقَاتِلَنَّهُمْ عَلَيْهِ ○

اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! یہ کیا کہ تم جاہلیت میں تو زبردست تھے اور اسلام میں اتنے بودے ہو گئے بخدا اگر یہ لوگ ایک رسی کو یا ایک بکری کے بچے کو بھی روکیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس پر بھی ان سے قتال کروں گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" (یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت میں بھی تھا تو خدا تعالیٰ میرے ساتھ بھی ہیں اگر میں تنہا بھی جہاد کو نکل کھڑا ہوں گا تو خدا میرے ساتھ ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ میں تمام دنیا پر غالب آؤں گا کیا انتہا ہے اس وقت قلب کی۔ چنانچہ پھر سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پر متفق ہو گئے اور بعد میں اقرار کیا کہ اس وقت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم لوگوں کو سنبھالا ورنہ ہم گمراہی میں پڑ چکے تھے کہ ان لوگوں کو مسلمان سمجھے تھے ۱۲ ظ)

اس واقعہ سے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استقلال وقوت قلب کا بخوبی یہ پتہ چلتا ہے کہ تمام صحابہ کے اختلاف کرنے پر بھی وہ تنہا اس جماعت کے مقابلہ پر آمادہ رہے۔ غرض صحابہ میں جو سب سے افضل تھے وہ سب سے زیادہ مستقل اور قوی القلب تھے اور یہ بات تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تھی کہ وہ غلبہ حالات وکیفیات سے کبھی مغلوب نہ ہوتے تھے اسی لیے نہ وہ کبھی وجد میں رقص کرتے تھے نہ کپڑے پھاڑتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کپڑے پھاڑنے والے گو معذور ہوں گے مگر صاحب کمال نہیں، کامل کو ضبط کیفیت پر پوری قدرت ہوتی ہے۔ ہمارے مشائخ میں سے حضرت شیخ عبدالحق ردولوی قدس اللہ سرہ کا ارشاد ہے:

منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد
ایں جا مرداںند کہ دریاہا فرو برند و آروغ نزنند

یعنی منصور طریق سلوک میں بچے تھے کہ ایک قطرہ پی کر فریاد کرنے لگے اور جوش میں آ کر انا الحق کہہ بیٹھے اور یہاں مرد ہیں کہ دریا کے دریا پی جائیں اور ڈکار تک نہ لیں ان حضرات کا دریا وجد یا رقص یا سطح کی صورت سے نہیں بہتا البتہ ان کا دریا دوسری راہ سے نکلتا ہے یعنی افادات و نفع رسانی کی راہ سے کہ وہ اپنے جوش و خروش کو طالبین کی توجہ میں صرف کرتے ہیں جس سے ہزارہا مخلوق درجہ ولایت پر پہنچ جاتی ہے یا اگر کبھی بہت ہی غلبہ ہوا تو ان کا دریا آنسوؤں کی راہ سے بھی کسی وقت بہہ نکلتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

یا رب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں　　　یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

(اے اللہ چشمہ محبت کیسا چشمہ ہے کہ اس کا میں نے ایک قطرہ پیا اور آنسوؤں کا دریا ہو گیا)

یہ حضرات بڑے عالی ظرف ہوتے ہیں بہت ضبط کرتے ہیں ہاں کبھی ضبط پورا نہ ہو سکا تو آنکھوں سے آنسو بہا لیتے ہیں اور یہ نقص نہیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت تھی کہ نماز میں بعض دفعہ آپ روتے تھے تو سینے سے ایسی آواز نکلتی تھی جیسے ہنڈیا پکتی ہو۔ الغرض یہ بات ثابت ہو گئی کہ جو لوگ چلاتے چیختے اور کپڑے پھاڑتے ہیں وہ اہل کمال نہیں ہیں۔ اسی لیے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "لَاتَشُقُّوا جُيُوبَكُمْ بَلْ تَشُقُّوا قُلُوبَكُمْ"

(اپنے دامنوں کو نہ پھاڑو اپنے دلوں کو چیرو)

ہاں صاحب حال ہیں اسی واسطے شیخ سعدی ان پر ملامت و طعن سے منع فرماتے ہیں:

مکن عیب درویش حیران و مست　　　کہ غرق است ازاں مے زند پاؤ دست

(درویش حیران و مست یعنی صاحب کمال پر لعن طعن مت کرو اس لیے کہ وہ محبت میں غرق ہے اس وجہ سے ہاتھ پیر مارتا ہے) (ذم المنسیان ج ۲۲)

اپنے گناہوں کو بہت زیادہ سمجھنا تکبر ہے

مشہور ہے کہ ایک مچھر بیل کے سینگ پر جا بیٹھا تھا جب وہاں سے اڑنے لگا تو بیل سے معذرت چاہی کہ معاف کیجئے گا آپ کو میرے بیٹھنے سے بہت تکلیف ہوئی ہو گی، بیل نے کہا ارے بھائی مجھ کو تو خبر بھی نہیں کہ تو کب بیٹھا تھا اور کب اڑا تو جیسے وہ مچھر سمجھا تھا کہ مجھ میں اتنا وزن ہے کہ جس سے بیل بھی دب گیا ہو گا۔ اسی طرح یہ شخص بھی اپنے گناہوں کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ جس سے اسباب کا اندیشہ ہو گیا کہ حق تعالیٰ میرے ان گناہوں سے متاثر

ہو گئے ہوں گے۔ حالانکہ حق تعالیٰ پر کسی چیز کا بھی کچھ اثر نہیں ہوتا۔ تو اپنے گناہوں کو اتنا بڑا سمجھنا کہ توبہ کافی نہ ہو یہ درحقیقت تکبر ہے گو صورۃً شرمندگی ہے۔

پھر صاحب ہمارا تو نصوص پر ایمان ہے۔ نصوص میں یہ کہیں نہیں وارد ہوا کہ فلاں گناہ میں توبہ نہیں۔ سب سے بڑا گناہ کفر ہے مگر توبہ اس کے لئے بھی ہے۔ ابوجہل تک کو بھی توبہ کا حکم ہے اگرچہ اس کے متعلق خبر دے دی گئی کہ وہ ایمان نہیں لائے گا مگر پھر بھی حکم ہے کہ توبہ کر۔ تو حضرت اس سے بڑھ کر کس کا کفر شدید ہوگا۔ اور اس کا کفر ظاہراً ممتنع (یہ علم بھی عجیب وغریب ہے جس کی علماء ظاہر کو غالباً ہوا بھی نہیں لگی ۱۲) الزوال بھی تھا کیونکہ نص کے اندر خبر دے دی گئی تھی مگر اس کو بھی حکم ہے کہ آمن و تب الیہ ۔(راحت القلوب ج۲۲)

اسرار کی مثال

اسرار کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کا محل سرائے اور زنان خانہ اور خاص خزانہ ہوتا ہے بادشاہ اگر کسی کو خود اپنے محل سرائے اور زنان خانہ کی سیر کرا دے تو اس کی عنایت ورحمت ہے خود کسی کو اس درخواست کا حق نہیں ہے کہ حضور مجھے اپنے زنان خانہ یا خزانہ پر مطلع فرما دیجئے اور اگر کوئی ایسی درخواست کرے گا تو وہ شاہی عتاب میں گرفتار ہوگا اور اس پر دوسرے جرائم کی نسبت عتاب زیادہ ہوگا کیونکہ اور جرائم کا منشا کبر نہیں بلکہ شہوت ہے اور اس جرم کا منشا کبر ہے اور کبر سے بدتر کوئی جرم نہیں کیونکہ متکبر ایسی صفت کا مدعی ہے جو سلطان کے ساتھ خاص ہے یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ کبریا کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَاءِ یْ وَالْعَظْمَةُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَ عَنِيهِمَا قَصَمْتُهٗ (مسند احمد ۲: ۴۱۴) کبریائی میری چادر اور عظمت میری ازار ہے یعنی میری صفات مخصوصہ سے ہیں تو جو شخص ان میں مجھ سے منازعت (تکرار) کرے گا یعنی شرکت کا قصد کرے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا، ایسی وعید کسی اور جرم کی نسبت وارد نہیں ہے۔ (استمرار التوبہ ج۲۳)

حکایت حضرت جنیدؒ

حضرت جنیدؒ کی حکایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایک شخص کو سوال کرتے دیکھا جو کہ صحیح وتندرست تھا آپ نے دل میں فرمایا کہ یہ شخص صحیح سالم ہے اور پھر سوال کرتا ہے۔ رات

کو اپنے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص آپ کے پاس مُردار لایا اور کہا کہ اس کو کھائیے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو مُردہ ہے کیونکر کھاؤں اس شخص نے جواب دیا کہ آج صبح تم نے اپنے ایک بھائی کا گوشت کھایا ہے تو اس کے کھانے میں کیوں تامل ہے انہوں نے کہا کہ میں نے تو غیبت نہیں کی۔ اس نے جواب دیا کہ گو زبان سے غیبت نہیں کی لیکن دل میں اس کو حقیر تو سمجھا اور دل ہی سے تو سب کچھ ہو جاتا ہے۔ آخر جنید رحمۃ اللہ علیہ بہت گھبرائے اور اس فقیر کے پاس پہنچے وہ کوئی کامل شخص تھا ان کو دیکھتے ہی کہا وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے)۔ (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

توبہ کے موانع

ایک مانع توبہ کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ انسان گناہ کو بہت ہی بڑی چیز سمجھ لیتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اتنے بڑے گناہ کے مقابلے میں توبہ سے کیا کام نکل سکے گا۔ علیٰ ہذا البعض کو یہ وسوسہ ہوتا ہے کہ ہمارے گناہ اس قدر کثیر ہیں کہ ان کی معافی ممکن ہی نہیں اگرچہ ہم کتنی ہی توبہ کریں ان دونوں غلطیوں کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی بارگاہ کو بندوں پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح دنیا میں عادت ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بہت بڑے امر میں کسی کی نافرمانی کرے یا معمولی باتوں میں ہمیشہ نافرمانی کرے تو ان دونوں کے قصور کو معاف نہیں کیا جاتا اسی طرح گویا خدا کے کارخانے کو بھی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ قیاس مع الفارق ہے بندہ اول تو محتاج ہے اس کو اپنا دل ٹھنڈا کرنے کی بھی ضرورت ہے، دوسرے کے مقابلے میں اپنی بات رکھنے کی بھی ضرورت ہے دوسرے بندہ متاثر ہے کہ جب کسی نے اس کی مخالفت کی تو اس پر کچھ اثر ہوا اگر مکرّر مخالفت ہوئی اس اثر اور انفعال (شرمندگی) میں ترقی ہوئی اسی طرح ترقی ہوتے ہوتے اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ استعداد (صلاحیت) موافقت سلب ہو جاتی ہے اس لئے یہ معاف نہیں کر سکتا برخلاف خدا تعالیٰ کے کہ ان کا ہر فعل اختیاری ہے وہاں تاثر کا نام بھی نہیں وہ عذاب بھی کرتے ہیں تو ارادہ محض سے کہ اس میں غیر اختیاری جوش کا شائبہ بھی نہیں ہوتا اس کا علاج یہ ہے کہ اس خیال فاسد سے توبہ کرے اور رحمت کی حدیثیں مطالعہ میں رکھے یقین ہے کہ ان سے یہ مایوسی مبدّل بامید (امید میں تبدیل ہونا) ہو جائے گی، حدیث میں ہے کہ اگر کسی شخص نے تمام روئے زمین کی برابر گناہ کئے اور وہ

توبہ کرلے تو خدا تعالیٰ اس کے سب گناہ معاف فرمادیں گے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عدد گناہوں کا بڑھ جانا موجب یاس نہ ہونا چاہیئے ، رہی کیفاً زیادتی اس کو یوں سمجھئے کہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ کفر ہے کہ اس کی برابر کوئی دوسرا گناہ نہیں ہے پھر دیکھ لیجئے جس وقت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروزِ عالم ہوئے دنیا کا کیا حال تھا بجز معدو دے چند فرقوں کے اور ان میں بھی گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ ساری دنیا کفر و جہل سے پُر تھی خصوصاً عرب اور پھر اس میں بھی خاص کر قریش کہ انہوں نے تین سو ساٹھ بت اپنے لئے بنا رکھے تھے یعنی ہر دن ایک نیا خدا (بزعم شاں) ان سے سر تسلیم خم کراتا تھا لیکن دیکھ لیجئے خدا تعالیٰ نے اسی قبیلۂ قریش سے فلکِ اسلام کے لئے کیسے نیرّ اکبر پیدا کئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسی قبیلے کے ہیں جن کے بارے ارشاد ہے اِذْيَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَاتَحْزَنْ (جب وہ کہنے لگے اپنے ساتھی سے غم نہ کرو) حضرت عمرؓ اس قبیلے کے ہیں جن کے لئے حدیث ہے اَشَدُّهُمْ فِيْ اَمْرِاللّٰهِ عُمَرُ وَعَلِيٌّ هٰذَا (المستدرک للحاکم ۳: ۴۲۲) (احکام الٰہی کے جاری کرنے میں سب سے زیادہ مضبوط حضرت عمرؓ ہیں) غرض یہ سمجھنا کہ ہمارے گناہ معاف نہ ہوں گے غلطی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان بغیر توبہ کئے مرجاتا ہے۔

ایک مانع توبہ سے یہ ہے کہ انسان یہ خیال کرتا ہے کہ مجھ سے پھر گناہ ہو جائے گا اور جب کہ ہنوز صدورِ گناہ کا احتمال باقی ہے تو توبہ سے کیا فائدہ ہوگا لہٰذا توبہ اس وقت کرنی چاہیئے کہ اس کے بعد پھر گناہ نہ ہو۔

صاحبو! میں پوچھتا ہوں کہ زندگی کا کون سا حصہ ہے جس میں نہ ہونے کا یقین کرلیا ہے جوانی میں اگر چالاکی عیاری نہیں تو بدمستی لاابالی پن ہوتا ہے، بڑھاپے میں اگر آوارگی بدمستی نہیں ہوتی تو حرص طولِ امل حیل سازی مکر و فریب حسد بغض۔ (تفصیل التوبہ ج ۲۳)

غفور رّحیم کی خبر سے مقصود

ایک مانع توبہ سے یہ ہے کہ بندہ سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے اس کو ہمارے گناہ بخش دینے کیا مشکل ہیں لیکن صاحبو! یہ جواب ظاہری بیماریوں میں کیوں نہیں دیا جاتا اور امراض سمی میں اس پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا کیا کوئی شخص بتلا سکتا ہے کہ اس نے اس خیال سے کہ خدا تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ ہم کو ضرور تندرست کر دے گا۔ امراض جسمانی کا

علاج نہ کیا ہو یا کوئی شخص بتلا سکتا ہے کہ اس نے خدا کی رحمت پر بھروسہ کر کے زہر کھالیا ہو کبھی نہیں بلکہ اگر کوئی دوسرا یوں کہے کہ میاں خدا کی رحمت پر بھروسہ کر کے سنکھیا کھا جاؤ تو اس کو دیوانہ بتلایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ خدا کے غفور رحیم ہونے کے یہ معنی کہ سنکھیا کھاؤ تو ضرر نہ کرے بلکہ سنکھیا ضرر بھی کرے گا اور خدا غفور رحیم بھی رہے گا اسی طرح گناہ کا ضرر ہوتا ہے لیکن اس سے خدا تعالیٰ کے غفور رحیم رہنے میں کوئی نقص نہیں آتا۔

صاحبو! اس خبر سے کہ ہم غفور رحیم ہیں مقصود یہ ہے کہ جو گناہ تم سے ہو گئے ہیں ان کی وجہ سے پریشان خاطر مت ہو اور توبہ کو بے کار نہ سمجھو۔ ہم ان سب کو معاف کر دیں گے چنانچہ اس آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (آپ فرمادیں کہ اے میرے بندو جو اپنے نفسوں پر زیادتی کر کے گناہ کر چکے ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید مت ہو جاؤ۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو معاف کر دے گا در حقیقت وہی بخشش کرنے والے اور رحم کرنے والے ہیں) کا شانِ نزول یہی ہے کہ جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل مکہ میں مبعوث ہو کر دعوت اسلام فرمائی تو لوگوں نے آ کر عرض کیا کہ ہم آپ پر ایمان تو لے آئیں لیکن جو گناہ ہم نے اس کے قبل کئے ہیں ان پر تو ہم کو ضرور سزا ہوگی بس جب دینِ آبائی بھی چھوڑا بدنامی بھی اٹھائی اور آخرت کا عذاب بھی باقی رہا تو ہم کو فائدہ ہی کیا ہوا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم لوگ پچھلے گناہوں کا اندیشہ نہ کرو ہم غفور رحیم ہیں سب پچھلے گناہ بھی معاف کر دیں گے اور اگلے بھی بس معلوم ہوا کہ مقصود آیت سے ان لوگوں کی ناامیدی کو دور کرنا ہے جو اسلام اور توبہ سے اس خیال پر رُکتے تھے نہ کہ وہ مقصود جو لوگوں نے سمجھا۔ (تفصیل التوبہ ج ۲۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے زیادہ اعلم باللہ ہیں بلکہ آپ کا ارشاد ہے: انا اعلمکم باللّٰہ (تفسیر الکشاف: ۱۳۹) (میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم رکھنے والا ہوں) آپ کی کیفیت ملاحظہ فرمایئے کہ باوجود سردار عالم ہونے کے کس قدر سادگی آپ کے ہر ہر انداز میں تھی بیٹھنے میں کبھی آپ نے کوئی ممتاز جگہ نہیں بنائی حتیٰ کہ لوگ جب زیارت کو آتے تو صحابہؓ سے

دریافت کرتے مَنْ مُحَمَّدٌ فِيْكُمْ (تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں) صحابہؓ جواب دیتے کہ هٰذا الْاَبْيَضُ الْمُتَّكِئُ (یہ جو گورے گورے سہارا لگائے بیٹھے ہیں) اور سہارا لگانے کا کوئی یہ مطلب نہ سمجھے کہ حضور کوئی گاؤ تکیہ لگا کر بیٹھتے تھے عربی محاورے میں ہاتھ پر سہارا لگا لینے کو بھی اِتّکا کہا جاتا ہے یہ ضروری نہیں کہ تکیہ وغیرہ ہی ہو چلنے میں یہ حالت تھی کہ ہمیشہ ملے جلے چلتے تھے۔ آخر کیا وجہ تھی کہ باوجودیکہ آپ کی شان یہ ہے کہ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''۔ (ضرورۃ التوبہ ج ۲۳)

ضرورت توبہ

توبہ کا شرط ابتدائی ہونا ثابت تو بیشک ہو گیا مگر وہ مطلق توبہ نہیں ہے بلکہ توبہ عن الشرک والکفر ہے۔ اور یہ ایک فرد ہے توبہ کا تو بعض افراد توبہ کا ابتدائی ہونا ثابت ہوا اور درجے توبہ کے دو ہیں توبہ عن الکفر اور توبہ عن المعاصی یہ البتہ محتاج اثبات رہا کہ یہ دوسری قسم بھی آیا شرط ابتدائی ہے یا نہیں تو بات یہ ہے کہ گویا توبہ اس فرد توبہ کے درجے میں تو شرط نہیں یعنی شرط امتیاز نہیں لیکن شرط کمال ضرور ہے چنانچہ موٹی بات ہے (اول الاعمال ج ۲۳)

حبط اعمال کا مفہوم

محققین کے نزدیک دوسری نصوص کی دلیل سے مراد حبط کمال ہے جو خاصہ کفر ہے اسی طرح ایک اور حدیث میں بھی عدم ایمان سے مراد عدم ایمان کامل ہے اور موجود ہے وہ حدیث یہ ہے لَایَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِیْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَایَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ (صحیح بخاری ۱۷۸:۳ ،صحیح مسلم،الایمان ب ۲۴ رقم: ۱۰۰) جس کا حاصل یہ ہے کہ زنا کرتے وقت ایمان باقی نہیں رہتا اور چوری کرتے وقت ایمان باقی نہیں رہتا اس سے بھی ایک باطل کے دھوکہ کو قوت ہوئی مگر اہلسنت کا اتفاق ہے اس بات پر کہ اس سے ایمان نہیں جاتا اور اس کا ماخذ حدیث کا صریح لفظ ہے لَاتُكَفِّرُوْهُ بِذَنْبٍ (مجمع الزوائد ۱ :۱۰۶) یعنی مسلمان کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہ سمجھو اور اس کے بعد دوسرا یہ جملہ ہے جو اس سے بھی زیادہ اوضح فی المقصود ہے۔ لَاتُخْرِجُوْهُ عَنِ الْاِیْمَانِ یعنی اس کو مومن ہونے سے خارج مت کرو۔ (اول الاعمال ج ۲۳)

توبہ کا قانون

قانون توبہ یہ ہے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّاذَنْبَ لَهٗ (سنن ابن ماجه: ۴۲۵۰، کنز العمال: ۱۰۱۴۹) یعنی جب آدمی گناہ سے توبہ کر لیتا ہے تو وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا گناہ کیا ہی نہیں تو اگر توبہ ٹوٹ بھی گئی تو پھر کر لے پھر گناہ معاف ہو گیا پھر ٹوٹ گئی پھر کر لی۔ پھر ٹوٹ گئی پھر کر لی اس پر اگر یہ خیال کیا جائے کہ کہاں تک معافی ہوا کرے گی اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو بھی اپنی طرح سمجھا ہمارا تو دستور یہ ہے کہ کہتے ہیں ایک خطا خطا دو خطا خطا تیسری مادر بخطا وہاں یہ نہیں ہے اللہ جل جلالہ کی شان تو بڑی ہے۔ (اول الاعمال ج ۲۳)

حکایت حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ

مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر چار حرفوں کی تہمت نہ لگی ہوتی تو میں ایسا اپنے کو غائب کرتا کہ کوئی یہ بھی نہ جانتا کہ میں دنیا میں پیدا بھی ہوا ہوں۔ مگر اس غائب نہ کر سکنے پر بھی آپ کی یہ حالت تھی کہ ایسی وضع سے رہتے تھے کہ دیکھ کر کوئی نہ پہچانتا تھا کہ یہ کوئی عالم ہیں۔ بس ایک لنگی گاڑھے کی کندھے پر ڈالے ہوئے رہا کرتے تھے۔ غدر میں مولانا کے پیچھے پولیس پھرتی تھی مگر کسی نے بھی آپ کو نہ پہچانا ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ مولانا مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے پولیس آئی اور خود مولانا ہی سے پوچھا کہ تم کو معلوم ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحب کہاں ہیں تو آپ ذرا سا اپنی جگہ سے کھسک کر فرماتے ہیں کہ ابھی تو یہاں تھے، پولیس چلی گئی۔ سفر میں جب کبھی جاتے تو ساتھیوں کو نام بتلانے کی ممانعت تھی کہ میرا نام کسی سے ظاہر نہ کرنا اور اگر کوئی آپ سے دریافت کرتا کہ آپ کا نام کیا ہے تو فرماتے میرا نام خورشید حسن ہے یہ مولانا کا شاید کسی تصرف سے تاریخی نام تھا۔ مگر اسے کوئی جانتا بھی نہ تھا، مشہور نام محمد قاسم تھا وہ نہیں بتلایا کرتے تھے اگر کوئی وطن کا نام پوچھتا تو فرماتے الہ آباد۔ ایک بار کسی نے عرض کیا کہ حضرت آپ کا وطن تو نانوتہ ہے الٰہ آباد کیسے ہو گیا۔ فرمایا نانوتہ بھی تو خدا ہی نے آباد کیا ہے۔ بتلا دیا کہ معنی لغوی کے اعتبار سے وہ بھی الٰہ آباد ہے۔ سبحان اللہ کیسا اخفا حال تھا مگر باوجود اس اخفا کے چھپے تھوڑا ہی رہتے تھے آخر عشاق نے پہچان ہی لیا طالبوں نے تاڑ ہی لیا پھر ایسے مشہور ہوئے کہ دنیا میں نام روشن ہے، بھلا آفتاب کہیں

چھپ سکتا ہے۔ جب شاہجہانپور میں مباحثہ ہوا ہے مسلمانوں کا اور آریوں اور عیسائیوں کا تو مسلمانوں نے مولانا کو بھی بلایا تھا، مولانا تشریف لے گئے مگر وقت سے کچھ ہی پہلے پہنچے تھے اس لئے آپ سیدھے میدان مناظرہ میں تشریف لے گئے، صورت سے کسی نے بھی نہ پہچانا کہ یہ کوئی عالم ہیں۔ ایک نیلی لنگی موٹی سی سر پر ڈال رکھی تھی اس شان سے آپ پہنچے۔ لوگ سمجھے کہ کوئی معمولی آدمی ہیں مگر آپ کا سادہ حسن تکلف والوں کے حسن سے بڑھا ہوا تھا، بڑے بڑے جبے عمامے والے مولوی آپ کے حسن خداداد کے سامنے گرد تھے کیونکہ

حُسْنُ الْحَضَارَةِ مَجْلُوْبٌ بِتَطْرِيَةٍ وَفِي الْبَدَاوَةِ حُسْنٌ غَيْرُ مَجْلُوْبٍ

(شہریوں کا حسن بناوٹی ہوتا ہے اور دیہاتیوں کا حسن خداداد ہے)۔ (العمر ہ بذبح البقرہ ج ۲۳)

اخلاق کے مراتب

اخلاق کے اندر دو مرتبے ہیں ایک نفس اخلاق دوسرے عمل مقتضی الاخلاق یہ بات جو میں کہتا ہوں بڑے کام کی ہے جو مصیبت میں پھنسا ہوگا اس کو اس کی قدر ہوگی اور ان شاء اللہ نجات ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ خود وجود اخلاق رذیلہ مذموم نہیں ہے، ہاں عمل مقتضی الاخلاق الرذیلہ مذموم ومنہی عنہ ہے مثلاً وجود غصہ کا مذموم نہیں لیکن اس کے بے محل صرف کرنا ناجائز ہے۔ مجاہدے سے پہلے بے موقع غصہ چلاتا تھا اب موقع پر چلاتا ہے نہ یہ کہ بے موقع کبھی آتا کبھی آتا نہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) تو اخلاق رذیلہ کے ازالہ پر اس کو قدرت نہیں ہاں اُن کو بے محل صرف نہ کرنے پر قدرت ہے اس لئے صرف اسی کی تکلیف دی گئی ہے جب یہ بات ہے تو ان اخلاق رذیلہ کے ابھرنے اور ان سے متاثر ہو جانے سے غمگین اور ناامید ہونا محض بے وجہ ہے مثلاً کسی کو نصیحت کی گئی اور اس کے نفس پر طبعاً گراں ہوئی۔ چہرہ پر تغیر آ گیا۔ مگر نصیحت کی مخالفت نہیں کی تو کچھ مضائقہ نہیں اور کچھ مواخذہ نہیں ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اللہ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ تعالیٰ فرماتے ہیں یعنی جب وہ غصہ کو ضبط کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اچھے لوگوں کو بھی غصہ آتا ہے مگر ان میں اور دوسروں میں فرق یہ ہے کہ اور لوگ ضبط کے موقع پر

بھی ضبط نہیں کرتے اور یہ حضرات ضبط کرتے ہیں بلکہ اسے ترجیح اس حالت کو معلوم ہوتی ہے کہ غصہ رہے ورنہ ضبط اور صبر کی فضیلت کیسے حاصل ہوگی۔ (اطاعۃ الاحکام ج ۲۳)

اخلاق ذمیمہ کا صرف امالہ مطلوب ہے

حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اخلاق ذمیمہ کا رہنا ضروری ہے اور شیخ کامل کا کام ان کا ازالہ نہیں بلکہ اسکا کام ان کا امالہ ہے یعنی ان کا معرف بدل دینا مثلاً بخل ہے پہلے حقوق واجبہ میں بخل تھا اب منہیات و محرمات میں اس کو صرف کرنے لگا اور واجبات میں اگر اس کا تقاضا بھی ہوتا ہے تو اس کا استعمال نہیں کرتا تو اگر یہ صفت ہی نہ رہے تو محرمات میں امساک مال کس قوت سے کرلے اسی طرح غصہ رہنا چاہیئے کیونکہ اگر غصہ نہ ہوتو مخالف کی مدافعت ضرور یہ کیسے کرسکتا ہے۔ مشہور ہے کہ ایک سانپ کسی بزرگ کا مرید ہوگیا تھا ان بزرگ نے اس سے عہد لیا کہ کسی کو ستانا مت اس نے عہد کرلیا چند روز بعد پیر کا اُدھر گذر ہوا دیکھا کہ وہ پڑا ہوا ہے پوچھا کیا حال ہے کہا حضرت یہ بیعت کی برکت ہے میں عہد کرلیا تھا جس کی خبر جانوروں کو ہوگئی اس لئے جانور بہت ستاتے ہیں ان بزرگ نے کہا کہ بندہ خدا میں نے تو کاٹنے سے منع کیا تھا۔ پھنکارنے سے تو منع نہ کیا تھا۔ پھنکارنے کی اجازت ہے پس انسان کے اندر کچھ حرکت ضرور ہونا چاہیئے۔

حضرت امام حسینؓ کا اپنے غلام سے عفوودرگزر

ایک بار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کھانا کھا رہے تھے اور مہمان بھی حاضر تھے۔ غلام کا پاؤں پھسلا اور شوربہ کا پیالہ حضرت امام کے اوپر گرا۔ حضرت نے اس کو نظر تادیب سے دیکھا۔ غلام نے فوراً یہ آیت پڑھی وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ یعنی اللہ تعالیٰ مدح فرماتے ہیں غصہ پینے والوں کی۔ اللہ اکبر اس وقت کے غلام بھی ایسے ہوتے تھے کہ اس وقت آقا بلکہ بزرگ بھی ایسے نہیں۔ ہر بات میں قرآن وحدیث ہی ان کی زبان پر تھا۔ قرآن شریف سنتے ہی حضرت امامؓ نے فرمایا کظمت غیظی یعنی میں نے اپنا غصہ ضبط کرلیا۔ پھر غلام نے پڑھا وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاس یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگون کی مدح فرماتے ہیں جو لوگوں کا قصور معاف فرمانے والے ہیں۔ فرمایا عفوت عنک یعنی میں نے تجھ کو معاف کیا۔ پھر اس نے

آگے پڑھاوَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ یعنی اور اللہ احسان کرنے والے بندوں کو چاہتے ہیں فرمایا اعتقتک یعنی میں نے تجھ کو آزاد کیا۔(الظلم ج ۲۳)

لیکن باوجود اس کے حضورؐ نے اپنی عمر کے ۶۳ رسال اس حالت سے گزار دیئے کہ کسی کو اُف تک نہیں فرمایا۔ اپنے اہل کے ساتھ حضورؐ اس قدر نرم تھے اور اسقدر دلجوئی فرماتے تھے کہ حضرت عائشہؓ نو برس کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں آئی تھیں ۔آپ ایک مرتبہ ان کے ساتھ دوڑے تھے، نیز آپ اپنے گھر کا خود کام بھی کر لیتے تھے بکری کا دودھ نکال لیتے تھے۔اپنی جوتی سی لیتے تھے جھاڑو دے لیتے تھے۔(الظلم ج ۲۳)

خوف کو ترک معاصی میں بڑا دخل ہے:

معصیت میں مطلوب یہ ہے کہ اس کو ترک کیا جائے اور معاصی کے ترک پر ثواب ورضاء قرب کا وعدہ تو رغبت کی وجہ سے معاصی کو ترک کرے گا اور خوف کی وجہ سے ان کے فعل سے رکے گا ،کیونکہ گناہوں کے ارتکاب پر عذاب کی وعید ہے،اس طرح سے یہ رغبت اور خوف دونوں مل کر انسان کو طاعات میں مشغول اور معاصی سے متنفر بنادیں گے اور یہ دونوں مستقل طریقے ہیں،ان میں سے اگر ایک بھی حاصل ہو جائے وہ بھی اتباع احکام کے لےءکافی ہو جائے گا کیونکہ اگر صرف خوف ہی ہواور رغبت نہ ہوتو جب بھی گناہوں سے بچے گا اور طاعات کو ترک نہ کرے گا

غیبت کا منشاء کبر ہے:

غیبت کا منشا کبر ہے کیونکہ جب کوئی شخص اپنے آپ کو دوسرے سے بڑا سمجھے گا جبھی اس کی برائی کرے گا۔ چنانچہ جن کو اپنے سے افضل سمجھا جاتا ہے ان کے واقعی عیوب میں بھی تاویل کر لی جاتی ہے۔اسی طرح اگر ہر شخص کو اپنے سے اچھا سمجھا جائے تو اس کی غیبت اور برائی پر جرأت نہ ہواس کے ہر عیب میں کوئی نہ کوئی تاویل ضرور کر لی جاتی مگر آج کل کبر کا مرض عام ہے، ہر شخص اپنے کو دوسروں سے افضل سمجھتا ہے اس لئے غیبت کی بھی کثرت ہے اور چونکہ کبر میں نفس کو حظ ہوتا ہے اس لئے غیبت کر کے جی برا بھی نہیں ہوتا جب فخر کے ساتھ گناہ ہو گا تو جی کہاں برا ہو گا اور ظاہر ہے کہ گناہ پر فخر کرنا سخت گناہ ہے اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ حدیث میں غیبت کو زنا سے بدتر کہا گیا ہے کیونکہ زنا کا خاصہ ہے کہ اس سے انسان کے دل میں ندامت اور

شرمندگی پیدا ہوتی ہے، اسی لئے کھلم کھلا اس کا ارتکاب نہیں کیا جاتا، چھپ چھپا کر پردہ میں کیا جاتا ہے کہ کہیں کسی کو خبر نہ ہو جائے بلکہ زنا کر کے انسان خود اس عورت کی نظروں میں بھی اپنے آپ کو ذلیل سمجھتا ہے، جس سے یہ حرکت کرتا ہے تو اس پر فخر نہیں کر سکتا۔(رجاء اللقاء ج ۲۴)

غیبت حق العبد بھی ہے:

زنا میں صرف خدا کا گناہ ہے جس کو اگر وہ چاہیں معاف کر سکتے ہیں، اور غیبت میں خدا کا بھی گناہ ہے اور بندے کا حق بھی ہے، اس کو حق تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں فرمائیں گے جب تک کہ وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی گئی ہے اور بندہ محتاج ہے، نہ معلوم قیامت میں وہ اس شخص کی نیکیاں ملتی ہوئی دیکھ کر معاف کرے یا نہیں، اگر اس کی ساری ہی نیکیاں مل گئی تو یہ میاں بالکل خالی ہاتھ ہی رہ جائیں گے اس لئے اس گناہ سے بچنے کی بہت ہی فکر چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اندر سے کبر کا مادہ نکالے اس کے بغیر غیبت نہیں چھوٹ سکتی، تکبر کے ہوتے ہوئے اگر غیبت چھوٹے گی بھی تو دو چار دن سے زیادہ نہیں چھوٹے گی، پھر چونکہ مادہ کبر کا اندر موجود ہے وہ پھر اس کو اسی میں مبتلا کر دے گا۔ افسوس یہ ہے کہ آج کل ہم لوگوں نے دین فقط تسبیحوں اور نفلوں کو سمجھ لیا ہے، دل کی اصلاح کو ضروری ہی نہیں سمجھتے اور میں سچ کہتا ہوں کہ دل کی اصلاح کے بغیر ظاہری اعمال بھی درست نہیں ہو سکتے اور دل کی اصلاح کا یہی طریقہ ہے کہ اپنے اندر خدا کی محبت اور خوف اور فکر آخرت پیدا کیا جائے، جب دل پر محبت اور خوف اور فکر سوار ہو جائے گا تو بہت جلد اس کی اصلاح کی امید ہے۔ امراض قلب کی زیادہ تر وجہ بے فکری ہے، جب دل فکر سے خالی ہوتا ہے تو اس میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، مگر فکر سے مراد فکر آخرت ہے ورنہ دنیا کی فکر تو اس کے لئے سم قاتل ہے۔(رجاء اللقاء ج ۲۴)

بدگمانی بڑا جھوٹ ہے:

ایک عام گناہ جس میں بکثرت ابتلاء ہے یہ ہے کہ بے تحقیق کوئی بات سن کر کسی کی طرف منسوب کر دی یا بدگمانی پکالی۔ تحقیق کا مادہ ہی آج کل نہ رہا۔ بس کسی سے کچھ سن لیا اور انکل پچو گھوڑے دوڑا لئے۔ قرآن وحدیث میں اس کی سخت ممانعت ہے اور بہت ہی تاکید کے ساتھ

تحقیق کا حکم ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ولا تقف ما لیس لک به علم یعنی جس بات کی پوری تحقیق نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو۔ ایک آیت میں ارشاد ہے یایها الذین امنوا ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا یعنی اگر کوئی فاسق فاجر کوئی خبر لاوے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ حدیث میں ہے ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث (الصحیح للبخاری ۴: ۵) بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بھی بڑا جھوٹ ہے مگر آج کل بدگمانی کو گناہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔ پھر بدگمانی بھی کسی بڑی وجہ سے نہیں کی جاتی ذرا سا اشارہ سن لیا اور طومار باندھ دیا، یاد رکھو یہ بہت سخت گناہ ہے ان باتوں سے احتیاط کرو ورنہ سارا تقویٰ و طہارت دھرا رہ جائے گا۔ (رجاء اللقاء ج ۲۴)

مدرسہ دارالعلم ہے:

تعدد فی نفسہ تو برا نہ تھا کیونکہ مدرسہ دارالعلم ہے اور دین کے لئے علم کی ضرورت ہے، تو جتنے دارالعلم زیادہ ہوں گے اتنے ہی دین کی قوت ہوگی اور اس کی نظیر بھی موجود ہے۔ دیکھئے ایک شہر میں بلکہ ایک قصبہ میں مسجدیں متعدد ہوتی ہیں اور اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا بلکہ کسی کا دل نہیں کھٹکتا پھر مدارس نے کیا قصور کیا ہے مسجد دارالعمل ہے اور مدارس دارالعلم تو جیسے دارالعمل کا تعدد دین کے لئے مضر نہیں بلکہ مسلمانوں کے لئے آرام دہ ہے اور ترقی دین کی علامت ہے ایسے ہی دارالعلم کا تعدد بھی دین کے لئے مفید اور علامت ترقی ہونا چاہئے لیکن عجیب بات ہے کہ مساجد کے تعدد سے کوئی نہیں کھٹکتا اور مدارس کے تعدد سے کھٹکتے ہیں۔ یہ بات دراصل بے بنیاد بھی نہیں ہے اس میں ایک راز ہے وہ یہ کہ عادۃً تعدد مساجد کی بنا ان باتوں پر نہیں ہوتی جن پر تعدد مدارس کی بنا ہوتی ہے یعنی باہمی مخالفت اور جاہ اور بڑائی، اس واسطے مساجد سے کوئی نہیں کھٹکتا اور مدارس سے کھٹکتے ہیں اور جہاں کہیں مساجد میں بھی یہ خرافات شامل ہو جاتی ہیں اور تعدد کی بنا جاہ اور بڑائی پر ہو جاتی ہے تو وہاں مساجد کی بھی یہی گت ہو جاتی ہے کہ ہر شخص ان کو بری نظر سے دیکھنے لگتا ہے۔ (السوق لاهل الشوق ج ۲۴)

اتفاق کی اصل:

حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ لوگ اتفاق اتفاق پکارتے پھرتے ہیں مگر جو اصل ہے اتفاق کی اس سے بہت دور ہیں تو اتفاق کی اصل تواضع ہے جن دو شخصوں میں

تواضع ہوگی ان میں نااتفاقی نہیں ہوسکتی اور تواضع کی ضد تکبر ہے جہاں تکبر ہوگا وہاں اتفاق نہیں ہوسکتا اب لوگ ہر بات میں تکبر کو اختیار کرتے ہیں اور اور زبان سے اتفاق اتفاق پکارتے ہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے اگر دونوں تواضع سے کام لیں تو اتفاق قائم رہے اور تواضع جب ہوتی ہے جبکہ حب مال و جاہ نہ ہو اور جہاں مال و جاہ کا دخل ہوگا وہاں تزاحم ضرور ہوگا۔ یہ حب مال و جاہ فساد کی جڑ ہیں اگر یہ نہ ہوں تو خدا کی قسم کہ تزاحم کبھی نہ ہو (السوق لاهل الشوق ج۲۴)

کبر سے احتراز کی ضرورت

لوگ کفر سے تو بچتے ہیں اور اس کے نام سے بھی ڈرتے ہیں جو ایک شاخ ہے کبر کی اور کبر سے نہیں بچتے اور اس سے نہیں ڈرتے حالانکہ وہ اصل ہے کفر کی، حیرت ہے شاخ سے تو ڈرا جائے اور جڑ سے نہ ڈرا جائے۔ یہ ایسا ہوا جیسے کوئی جلیبی اور قلاقند سے تو بچے لیکن گڑ خوب کھاوے۔ (السوق لاهل الشوق ج۲۴)

کبر دلوں کے اندر ایک چنگاری ہے:

کبر دلوں کے اندر ایک چنگاری ہے جو راکھ سے دبی ہوئی رکھی ہے۔ اس کا انتظار نہ کیجئے کہ جب وہ ظاہر ہوگی اور آگ بھڑک اٹھے گی، اس وقت بچا لیں گے کیونکہ جس وقت آگ بڑھک اٹھتی ہے پھر کسی کے بس میں نہیں آتی۔ مال اور اسباب کو تو جلاتی ہی ہے، بجھانے والے کو بھی لپیٹ لیتی ہے۔ آگ سے زیادہ چنگاری سے حفاظت کیجئے کیونکہ آگ کی طرف تو التفات ہوتا بھی ہے اور آدمی اس سے ہوشیار ہو ہی جاتا ہے مگر چنگاری کی طرف التفات کم ہوتا ہے اور وہ دبے ہی دبے اپنا کام کر جاتی ہے تو اس کا انتظار کیوں کیا جائے کہ جب کفر تک نوبت آئے گی اس وقت تکبر کا علاج کر لیں گے، پہلے ہی سے اس کی تدبیر کیوں نہ کی جائے تا کہ کفر تک نوبت ہی نہ آئے۔ مولانا کہتے ہیں:

علت ابلیس انا خیر بداست — ایں مرض در نفس ہر مخلوق ہست

''ابلیس کی بیماری اپنے کو بہتر سمجھنے کی تھی اور یہ مرض ہر مخلوق کے اندر موجود ہے۔''

(السوق لاهل الشوق ج۲۴)

عجیب بات ہے کہ یہی سب سے خطرناک چیز ہے اور اسی کا علاج نہیں کیا جاتا۔ اچھے

اچھے نمازی اور پرہیز گار ہیں جن کے لوگ معتقد ہیں مگر ان کے اندر یہ بلا بھری ہوئی ہے کہ اس کو کچھ گناہ اور عیب ہی نہیں سمجھا جاتا، معمولی گناہوں سے بچتے ہیں اور کبر جیسے گناہ کی کچھ پرواہ نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ دین نام رکھا گیا ہے صرف اعمال ظاہری کا اور اعمال باطنی کو دین کے اندر داخل ہی نہیں سمجھا جاتا۔ پس نیچا کرتا پہن لیا اور پانچوں وقت کی نماز پڑھ لی اور پاجامہ شرعی پہن لیا اور اپنے آپ کو شبلی وقت سمجھنے لگے خواہ باطنی معاصی میں سر سے پیر تک آلودہ ہوں اور یہ حالت ہو جو ایک بزرگ کہتے ہیں:۔

از بروں چوں گور کافر پر حلل و اندروں قہر خدائے عزوجل

''باہر سے مثل کافر کی قبر کے خوب زینت ہے اور اندر خدائے تعالیٰ کا قہر ہو رہا ہے۔''

از بروں طعنہ زنی بر با یزید وز درونت ننگ می دارد یزید

''باہر سے تو ایسے صوفی کہ بایزید بسطامی کو بھی شرمندہ کریں اور باطنی حالت اس قدر خراب کہ یزید بھی شرمندہ ہو جائے۔''

بعض اوقات راستے میں اس طرح دبے ہوئے اور جھکے ہوئے چلتے ہیں جن سے معلوم ہو کہ بڑے متواضع ہیں حالانکہ دل میں یہ ہوتا ہے کہ اسی متواضعانہ ہیئت کو دیکھ کر لوگوں کی نظریں ہماری طرف اٹھیں۔ یہ ایک کبر دقیق ہے اس کا پتہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ کے ایک مقولے سے چلا، فرمایا تھا کہ بعض کبر بصورت تواضع ہوتا ہے جیسا کہ بعض متخضعین میں دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی مجمع میں پہنچے تو صف نعال میں بیٹھ گئے، اس کے سوا کوئی جگہ ہی نہیں اختیار کرے، لوگ جانتے ہیں کہ یہ فلاں شخص ہیں یا وضع قطع اور صورت وشکل سے بھی سفید پوش اور شریف پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہیں، پڑھے لکھے کی صورت چھپتی نہیں ہے اب لوگ اصرار کرتے ہیں کہ حضرت یہاں تشریف لائیے صدر مقام پر بیٹھئے آپ کہاں بیٹھ گئے، ہم سب کو شرمندہ کر دیا، یہ جگہ آپ کے بیٹھنے کی نہیں۔ آپ کو خدا تعالیٰ نے بڑا رتبہ دیا ہے مگر یہ ہیں کہ جوں جوں اصرار ہوتا جاتا ہے اور اسی جگہ پر جمے جاتے ہیں اور نہایت عاجزی سے کہتے ہیں کہ بھائی میں تو اس جگہ کے بھی قابل نہیں، من آنم کہ من دانم (میں اپنے آپ کو خوب جانتا ہوں) سفید کپڑوں کو یا ظاہری تقدس کو مت دیکھو، اندر تو میرے سارے عیب ہی بھرے ہوئے ہیں۔ (سچ کہتا ہے واقعی سارے عیب

ہی بھرے ہوئے ہیں کیونکہ ام العیوب یعنی کبر موجود ہے) کتنا ہی کہئے مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے بلکہ اور نیچے کو کھسکتے جاتے ہیں، یہ وہی کبر ہے جس کو مولانا نے فرمایا کہ بعض کبر بصورت تواضع ہوتا ہے، صورت تو ایسی کہ بالکل سراپا متواضع معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ لوگ ہم کو متواضع سمجھیں اور اس طرح ان کے دلوں میں ہماری وقعت اور بڑائی آ جائے تو بڑائی مقصود ہوئی نہ تواضع یہ کبر بڑا خطرناک ہے۔ (السوق لاھل الشوق ج ۲۷)

تکبر تمام اخلاق ذمیمہ کا اصل الاصول ہے:

اور اصل الاصول تمام اخلاق ذمیمہ کی کبر ہے اور اس کے شعبے اس قدر مخفی ہیں کہ بڑے بڑے علم والوں کو بھی پتہ نہیں چلتا جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ بہت سے لوگوں میں کبر بصورت تواضع ہوتا ہے اور اس وصف میں اہل علم زیادہ حصہ رکھتے ہیں اور دیا سلائی کے مصالحہ کی طرح یہ مادہ سب میں موجود ہے کسی کو بے فکر نہ ہونا چاہئے نہ معلوم کس وقت رگڑ لگ جاوے اور جل اٹھے اور سب خانما کو پھوک دے۔ یہ کبر وہ چیز ہے جو سبب ہوا ہے ابلیس کے کافر ہونے اور رجیم ہونے کا۔ حق تعالیٰ نے اس کے اور اس کے تمام شعبوں کی برائی بیان فرمائی ہے فبئس مثوی المتکبرین میں اور چونکہ تمام اخلاق ذمیمہ کبر ہی سے پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے (السوق لاھل الشوق ج ۲۷)

شیخی عورتوں کی سرشت میں داخل ہے:

عورتوں کے بڑے اختیارات زبان پر ہوتے ہیں جب ذرا سی بات پر اسی ماما کو دے دوں پھوٹی خاک ملی جھاڑو ماری کہہ ڈالتی ہیں تو یہ تواضع کیسی؟ اصل یہ ہے کہ تواضع وغیرہ کچھ نہیں حقیقت اس کی بے حسی ہے کیونکہ تواضع اور شیخی ضدیں ہیں دونوں جمع نہیں ہوسکتیں، دیدوں پھوٹی کہنے کے وقت تو اس کو جوتی کے برابر بھی نہیں سمجھتیں جو کہ یقیناً شیخی ہے اور باوجود اس کے اس کو سرھانے بٹھاتی ہیں جب شیخی موجود ہے تو اس کی ضد کیسے موجود ہوسکتی ہے تو ضرور اس سرھانے بٹھانے کی وجہ تواضع کے سوا کچھ اور ہے اور وہ بجز بے حسی کے اور کیا ہے۔ کوئی کام بھی اپنے موقع پر نہیں۔ شیخی جس موقع پر کارآمد ہے یعنی حفظ مراتب میں وہاں اس کا ظہور نہیں ہوتا وہاں بے نفس بن جاتے ہیں۔ یہ بے نفسی نہیں بلکہ بے حسی اور بے

تمیزی ہے اور جس موقع پر شیخی مذموم اور ممنوع ہے وہاں استعمال کیا جاتا ہے اور یہ ذمیمہ عورتوں کی تو گویا سرشت میں داخل ہے۔ اٹھنے میں بیٹھنے میں بولنے چالنے میں اور زیور میں تو ایسا اس شیخی کو نباھا ہے کہ اس کی بناوٹوں کی بناء اسی پر وہ زیور بلا باجہ کا نہ پہنیں گی۔ باجہ میں فائدہ یہ ہے کہ جب کہیں جائیں تو پہلے سے مردوں عورتوں سب کو آپ کی تشریف آوری کی اطلاع ہو جائے جب کہیں جائیں گی تو ڈولی سے اترتے ہی گھر میں اطلاع کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ بیگم صاحبہ آئی ہیں کوئی ان سے پوچھے کہ کون سے ملک کی بیگم ہیں یا یہ لفظ نواب بے ملک کا ترجمہ ہے وہاں پہنچ کر ایسی جگہ بیٹھیں گی کہ سب کی نظر ان پر پڑے۔ ہاتھ کان ضرور دکھلائیں گی۔ ہاتھ گو ڈھکے ہوئے ہوں مگر گرمی کے بہانہ یا کسی ضرورت کے بہانے کھول کر ضرور دکھلائیں گی کہ ہمارے پاس اتنا زیور ہے اور اگر کوئی بی بی بہت ہی مہذب ہوئیں اور قسمت سے بہشتی زیور پڑھی ہوئی ہیں اور دکھاوے اور شیخی کی مذمت ان کو یاد ہوئی تو خدا سلامت رکھے باریک کپڑوں کو وہ ان کے بالا ارادہ ہی سب بناؤ سنگار دکھلا دیتے ہیں اور اگر کسی کی نظر نہ بھی پڑی تو کھجلی اٹھا کر کان تو دکھا ہی دیں گی جس سے اندازہ کیا جاوے کہ جب اتنا زیور ان کے کانوں میں ہے تو گھر میں روپیہ تو نہ معلوم کتنا ہوگا۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا چاہے گھر میں خاک نہ ہو روپیہ کے بجائے چوہے ہی قلابازیاں کھاتے پھرتے ہوں۔ یہ گناہ تو ہاتھ پیر سے کئے پھر وہاں بیٹھتے ہی سوائے غیبت کے اور دوسرا مشغلہ ہی نہیں۔ ان عورتوں کو شیخی کے مواقع دو ملتے ہیں۔ خوشی کا اور ایک غمی کا، انہی دو موقعوں میں اجتماع ہوتا ہے۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

دین دار اور تعلیم یافتہ عورتوں میں بھی شیخی کا مرض ہے:

خاوند پر تفاخر، جائیداد پر تفاخر، مکان پر تفاخر، نسب پر تفاخر، اور یہ مرض جاہل عورتوں تک محدود نہیں، لکھی پڑھی عورتوں میں بھی موجود ہے۔ حتیٰ کہ جو اپنے کو دین دار اور عالم سمجھتی ہیں ان میں بھی موجود ہے مجمعوں میں بیٹھ کر کہتی ہیں میں نے مشکوٰۃ شریف پڑھی ہے۔ میں نے جلالین شریف پڑھی ہے۔ ایک جگہ کی عورتیں بہت تعلیم یافتہ اور دیندار ہیں اور باعمل بھی ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ آج کل عمل بالدین کے معنی صرف نماز، روزہ کے رہ گئے ہیں باقی رہے اخلاق سو ان کی طرف کسی کا یہ خیال بھی نہیں جاتا کہ ان کو بھی کچھ دین

سے علاقہ ہے۔ خیر جو معنی بھی ہوں وہاں کی عورتیں بہت دیندار ہیں۔ ان عورتوں نے مجھ سے وعظ کی فرمائش کی تو مجھ کو بہت سوچنا پڑا کہ ان کو کس چیز کی اصلاح کی ضرورت ہے جس کا میں بیان کروں۔ بہت سوچ کر سمجھ میں آیا کہ اور ظاہری امراض ان میں نہ سہی مگر شیخی اور فضول خرچی ان میں ضرور ہے۔ میں نے اسی کا وعظ کہا اس کو سن کر ان مستورات نے میرے پاس کہلا بھیجا کہ ہماری آج آنکھیں کھلیں اور مجھے یہ عیب اس طرح معلوم ہوا تھا کہ ہمارے یہاں وہ عورتیں ایک روز صبح سے شام تک رہیں اور یہی مشغلہ رہا۔ ایک کہتی تھی کہ میں نے مشکوٰۃ شریف پڑھی ہے۔ دوسری کہتی تھی کہ میں نے شرح وقایہ پڑھا ہے۔ تیسری کہتی تھی میں نے جلالین شریف پڑھی ہے۔ میں نے دل میں دعا کی اے اللہ ان کے منہ سے وعظ کی فرمائش ہو۔ چنانچہ شام ہی کو وعظ کی فرمائش ہوئی۔ بیان ہوا، الحمد اللہ بہت نفع ہوا، سب نے بہت دعائیں دیں۔ یہ ان کے قرآن وحدیث کے پڑھنے کی برکت تھی کہ ان کو نفع محسوس ہوا اور کہنا بھی دلسوزی سے تھا، اس کا بھی اثر ہوتا ہے جب پڑھی لکھی اور دیندار بیبیوں تک میں تفاخر اس طرح رچا ہوا ہے تو دنیا داروں میں کیوں نہ ہو۔ اسی تفاخر سے عورتوں کو بار بار کپڑے بدلنا گھنٹوں وقت اس میں صرف کرنا زیور بہت وزنی لادنا باجود و فی نفسہ شاق ہونے کے ان کو آسان ہے۔ غرض ہر کام میں شیخی اور تفاخر موجود ہے۔ عورتوں میں زیادہ اور مردوں میں بھی کافی درجہ میں ان شادی بیاہ کی رسموں کو اور تقریبات کو دیکھ لیجئے کہ ہر قسم کا مبنی تفاخر ہی پر ہے۔ جہیز دیں گے بیٹی کو لیکن دکھائیں گے تمام برادری کو ایک جگہ نیوتہ دیا گیا جس میں تین گنیاں تھیں اول گنیاں دیں لیکن ساتھ ہی خیال آیا کہ تین گنیوں کو کون دیکھے گا اس واسطے ان کے روپیہ بھنا کر سینی میں رکھ کر بھیجے گئے تاکہ اہل مجمع کی نظریں تو پڑیں۔ باجہ گاجہ اور جتنے سامان شادی بیاہ کے ہیں سب کی بناء اسی تفاخر اور نمود پر ہے اور یہ تفاخر گو مرد بھی کرتے ہیں مگر اصل جڑ اس میں عورتیں ہی ہیں۔ یہ اس فن کی امام ہیں اور ایسی مشتاق اور تجربہ کار ہیں کہ نہایت آسانی سے تعلیم دے سکتی ہیں جو آدمی جس فن کا ماہر ہوتا ہے اس کو اس فن کے کلیات خوب منکشف ہوتے ہیں۔ یہ ایک کلیہ میں سب کچھ سکھا دیتی ہیں جب ان سے پوچھا جائے کہ شادی بیاہ میں کیا کیا کرنا ہے تو ایک ذرا سا کلیہ چٹکلہ سا بتا دیتی ہیں کہ زیادہ نہیں اپنی شان کے موافق تو کرلو یہ کلیہ نہیں بلکہ کلھیا ہے

اور کاہیا بھی ایسی ہے کہ ہاتھی بھی اس میں سما جاوے۔ یہ تو اتنا سا جملہ کہہ کے الگ ہوگئیں کرنے والوں نے جب اس کی شرح پوچھی تو وہ اتنی طویل ہوئی کہ ہزاروں جزئیات اس میں سے نکل آئیں جن سے دنیا کی بھی بربادی ہوئی اور آخرت کا بھی کوئی گناہ نہیں بچا یہ شیطان کا ساشیرہ ہے جس کا ایک قصہ ہے۔ (دواء العیوب ج ۲۴)

بخل طبائع پر غالب ہے:

لوگ عبادات مالیہ میں کوتاہی زیادہ کرتے ہیں کیونکہ عام طور سے بخل طبائع پر غالب ہے جان دینا اور بدن پر مشقت برداشت کر لینا تو ان کو آسان ہے مگر روپیہ اور مال خرچ کرنا دشوار ہے۔ جیسا مولانا نے ایک بدوی کا قصہ لکھا ہے کہ سفر میں ایک کتا اس کے ساتھ تھا۔ راستہ میں بھوک کی وجہ سے وہ مرنے لگا تو بدوی رونے لگا۔ کسی نے رونے کا سبب پوچھا تو کہا یہ کتا میرا رفیقِ سفر تھا۔ اب یہ مر رہا ہے اس لئے رو رہا ہوں۔ پوچھا اس کو مرض کیا ہے؟ کہا اس کا مرض جوع الکلب ہے یعنی بھوکا ہے۔ سائل کو بھی یہ سن کر رحم آیا۔ اس نے ایک طرف بڑا سا بورا رکھا ہوا دیکھا۔ پوچھا اس بورے میں کیا ہے۔ کہاں اس میں سوکھی روٹیوں کے ٹکرے ہیں۔ اس نے کہا پھر تو دو چار ٹکڑے اس کتنے کو کیوں نہیں دے دیتا جس سے تجھے اتنی محبت ہے کہ اس کے مرنے پر رو رہا ہے۔ کہا واہ صاحب واہ روٹی میں تو میرے دام لگے ہیں آنسوؤں میں کون سے دام لگے ہیں اس لئے مجھے رو لینا آسان ہے روٹی نہیں دے سکتا۔ مولانا نے اسی مضمون کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

گفت ناید بے درم در راہ ناں   لیک ہست آب دو دیدہ رائے گاں

اس نے کہا کہ بغیر درم کے روٹی نہیں آتی لیکن دو آنسو مفت کے ہیں

خیر اس بدوی نے تو بخل کی حد ہی کر دی مگر یہ ضرور ہے کہ بخل عام طور پر طبائع پر غالب ہے اور اکثر آدمیوں کو روپیہ پیسہ ہاتھ سے نکالنا گراں ہوتا ہے۔ ہاں نماز یا قرآن جتنا چاہو پڑھوا لو، اسی واسطے اکثر سود خوار بخیل نمازی اور روزہ دار بہت دیکھے جاتے ہیں۔ اسخیاء کی حالت برعکس ہے ان سے مال تو جتنا چاہو لے لو اور جان میں ایسے بخیل ہیں

(الجمعین بین النفعین)

اخلاق مامون الرشید

مامون کے اخلاق بہت اعلیٰ درجہ کے تھے ایک دفعہ قاضی یحییٰ بن اکثم مامون کے یہاں مہمان ہوئے۔ رات کو انہیں پیاس لگی اور پیاس کی وجہ سے نیند نہ آئی۔ ادھر ادھر کروٹیں بدلنے لگے۔ مامون رشید نے پوچھا یا یحییٰ مالک تتقلب نام لے کر پکارنا بے تکلفی کی وجہ سے تھا ورنہ خلیفہ کے دل میں قاضی صاحب کی جتنی عظمت تھی وہ ابھی معلوم ہو جائے گی۔ انہوں نے بتلایا کہ پیاس لگ رہی ہے۔ خلیفہ نے اس وقت کسی غلام کو آواز نہ دی کیونکہ تھوڑی ہی رات گزری تھی غلاموں کی آنکھ ابھی لگی تھی ان کو جلدی جگانا گوارا نہ ہوا تو خلیفہ آہستہ آہستہ خود اٹھے اور گلاس میں پانی لا کر قاضی صاحب کو خود پلایا۔ قاضی یحییٰ نے عرض کیا کہ امیر المومنین آپ نے کسی غلام کو آواز نہ دے دی۔ فرمایا ان کی ابھی آنکھ لگی ہے اس وقت ان کو جگانا مناسب نہ تھا۔ کہا پھر میں خود جا کر پی آتا ہوں۔ فرمایا تم مہمان تھے اور مہمان کا خود پانی پینے کو جانا اکرام ضیف کے خلاف تھا اور قاضی صاحب خود جاتے بھی تو کیا ہوتا ان کو پانی ملتا تھوڑا ہی کیونکہ محل شاہی اتنا وسیع اور بڑا ہوتا ہے کہ اس میں بدون کسی کے بتلائے کیا پتہ لگے کہ پانی کہاں ہے اور پاخانہ کہاں ہے۔ چنانچہ شاہ چین ایک دفعہ کسی دوسرے بادشاہ کے یہاں مہمان ہوا۔ رات کو پاخانہ کی ضرورت ہوئی اور جگہ معلوم نہ تھی بڑا پریشان ہوا۔ محل شاہی اتنا بڑا کہ وہاں بیسیوں درجہ طے کر کے زینہ ملتا ہے۔ پھر زینہ کے بعد نہ معلوم کتنے درجے ہوں گے۔ پاخانہ کی کیونکہ خبر ہوئی آخر کار جب کوئی جگہ نہ ملی تو اس نے اپنی چادر میں قضاء حاجت کی اور صبح کے وقت سویرے جنگل میں جا کر خود پھینک آیا اور اپنے ملک میں واپس آ کر اپنے ولی عہد کو یہ وصیت لکھی کہ جب کوئی تمہارے یہاں مہمان ہو تو سب سے پہلے اس کو پاخانہ بتلا دو اور تم بھی کہیں مہمان ہو تو سب سے پہلے پاخانہ دریافت کر لو ورنہ سخت مصیبت ہو گی۔ ہاں اگر چھوٹا گھر ہو تو سونگھ سونگھ کر شاید پتہ لگ جائے کہ پاخانہ کون سا ہے۔ بس جہاں سے بدبو آئے گی وہیں پاخانہ ہو گا مگر بعض دفعہ اس میں بھی غلطی کا اندیشہ ہے جیسے ایک آزاد شخص نے اپنا واقعہ بیان کیا۔ واللہ اعلم صحیح تھا یا غلط مگر تکذیب کی وجہ بھی کچھ نہیں وہ کہتے تھے کہ میں اپنے دوست کی شادی میں بنگالہ گیا اور ان کے یہاں مہمان

ہوا۔ رات کو قضاء حاجت کی ضرورت ہوئی، پاخانہ معلوم نہ تھا، میں بڑا پریشان تھا، آخر کار سونگھنا شروع کیا۔ ایک گڑھے میں سے بدبو آئی تو میں سمجھا کہ یہی پاخانہ ہے۔ میں نے وہاں بیٹھ کر قضاء حاجت کر لی، صبح کو شادی کی تقریب میں ایک بڑے مجمع کی دعوت تھی۔ قسم قسم کے کھانے لائے گئے آخر میں کسی نے کہا کہ بھائی اچار بھی تو لے آؤ۔ اب میں نے دیکھا کہ ایک شخص اسی جگہ گیا جہاں میں نے قضاء حاجت کی تھی اور اسی گڑھے میں سے جس میں پاخانہ کیا تھا کئی برتن بھر بھر کے لائے جب میں نے اس کی بدبو سونگھی تو یقین آ گیا کہ یہ تو وہی ہے، اب میں نے دیکھا کہ لوگ اس میں سے کھانے لگے۔ میں ڈر کے مارے خاموش رہا کہ اگر تو نے اپنی حرکت کی اطلاع کی تو لوگ تجھے ماریں گے اور وہ سب میرے سامنے اسی میں سے کھاتے رہے، اللہ معاف کرے۔ اس شخص نے بڑی غلطی کی ان کو واقعہ ظاہر کر دینا واجب تھا اور اپنا عذر بھی کہ مجھے اس کی بدبو سے یہ خیال ہوا کہ شاید یہ سنڈاس ہے، بہر حال مامون رشید نے قاضی یحییٰ بن اکثم کو خود اپنے ہاتھ سے پانی پلایا اور یہ وہ سلاطین تھے جن سے بڑے بڑے سلاطین کانپتے تھے، مگر اس پر بھی علماء صلحاء کا اتنا ادب کرتے تھے کہ خود پانی پلایا، کسی غلام کو بھی نہ جگایا۔ بہر حال اخلاق یہ نہیں ہیں کہ تمہارے ہی ہو کر بیٹھ جائیں اور باتیں بنانے لگیں بلکہ اخلاق ملکات باطنہ کا نام ہے وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ (اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں جب وہ یہ کریں اور وہ صبر کرنیوالے ہیں جب کہ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں جب معاملہ کریں) میں انہی اخلاق کا ذکر ہے۔ آج کل ان کا پتہ ہی نہیں بلکہ بعض تو ان پر نکیر کرتے ہیں کہ یہ کہاں کی اصلاح ہے کہ خواہ مخواہ مسلمانوں پر بدگمانی کر کے حکم لگاتے ہیں کہ تم میں تکبر ہے تم میں حسد ہے، تم میں عجب ہے، تم کو بدنظری کا مرض معلوم ہوتا ہے۔ یہ محض بدگمانی ہے اور افسوس یہ ہے کہ ان نکیر کرنے والوں میں بعض وہ بھی جو اصلاحی مولوی ہیں اس لئے ان کی حالت عام معترضین سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ مولوی جب بگڑتا ہے تو بہت دور پہنچتا ہے اس وقت وہ مولوی سالار بخش صاحب کی اصطلاح کا مولوی ہو جاتا ہے، مولوی صاحب وعظ میں کہا کرتے تھے کہ آج کل جو کہ مولوی ہیں ان مولوی کی اصل بھی معلوم ہے۔ یہ لفظ ہے مولوی مو کہتے ہیں موسم کو اور لوی

کہتے ہیں بٹیر کو، یہ تو موسم کی بٹیریں ہیں۔مولوی سالار بخش صاحب کو کچھ مراق تھا مگر بعض لطیفے ان کے بہت اچھے ہوتے تھے۔بعض باتیں کام کی بھی کہتے تھے تو جو مولوی بگڑتا ہے وہ مولوی صاحب کی تفسیر کے موافق مولوی ہوتا ہے۔چنانچہ ایسے مولویوں نے فتویٰ لگا دیا کہ مشائخ بدگمانی سے مسلمانوں پر امراض قلبیہ کا حکم لگاتے ہیں اور بدگمانی حرام ہے۔نص میں موجود ہے۔ان بعض الظن اثم واجتنبوا کثیراً من الظن (بلاشبہ بعض گمان گناہ ہیں اور بہت سے گمانوں سے بچا کرو) مگر میں کہتا ہوں سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جاست۔بات یہ ہے کہ ان بعض الظن اثم کو پڑھا تم نے مگر سمجھا ہے مشائخ ہی نے، کیونکہ تمہارے پاس صرف الفاظ ہیں اور ان کے پاس معانی ہیں۔دیوبند میں سے ایک رئیس مجھے کہنے لگے کہ تم لوگ حاجی صاحب کے پاس دوڑ دوڑ کر کیوں جاتے ہو وہ تو کچھ زیادہ پڑھے ہوئے بھی نہیں۔حضرت نے صرف کافیہ تک پڑھا تھا میں نے کہا کہ تم کو کیسے سمجھاؤں کہ حضرت کے پاس کیا چیز ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے۔اس کو ایک مثال سے سمجھو وہ یہ کہ ایک شخص تو وہ ہے جس کو مٹھائیوں کے نام خوب یاد ہیں مگر اس کے پاس کھانے کو کوئی مٹھائی بھی نہیں اور ایک وہ شخص ہے جس کے پاس قسم قسم کی مٹھائیاں موجود ہیں مگر اس کو نام معلوم نہیں اب تم بتلاؤ ان میں سے کون کس کا محتاج ہے۔یقیناً جس کے پاس مٹھائیاں رکھی ہوئی ہیں اس کو نام یاد کرنے کی کچھ ضرورت نہیں اس کو ہر مٹھائی کی لذت حاصل ہے اور وہ مزے لے کر ہر اک کو کھا رہا ہے۔البتہ جس کو محض نام یاد ہے وہ اس کا محتاج ہے کیونکہ محض نام یاد کرنے سے اس کا پیٹ نہیں بھر سکتا نہ کچھ لذت آ سکتی ہے۔میں جب ڈھاکہ گیا تو نواب ڈھاکہ اپنی بیویوں سے قسم قسم کے کھانے پکوا کر میرے واسطے خود لایا کرتے تھے اور سامنے رکھ کر مجھ سے پوچھتے کہ بتلایئے کہ اس کھانے کے کیا اجزاء ہیں میں کہہ دیتا کھانے کی اجازت اس بتلانے پر موقوف ہے تو مجھ کو کھانے ہی کی ضرورت نہیں اور اگر موقوف نہیں تو پھر بتلانے کی ضرورت نہیں جب کہ اصل چیز میرے پاس آ چکی۔نواب صاحب ہنستے اور ہر کھانے کا نام اور اجزاء بتلاتے۔بے چارے بڑے بے نفس تھے کہ نواب ہو کر خود اپنے ہاتھ سے کھانا لاتے اور یہ بھی ان کی محبت تھی کہ اپنی بیگمات سے خاص طور پر میرے واسطے کھانے پکواتے تھے۔غرض اہل ظاہر کی اہل اللہ کے سامنے وہ مثال ہے کہ کسی کو مٹھائی کے نام تو یاد ہوں مگر

آ نکھ سے کبھی نہ دیکھی ہوں اور اہل اللہ کو نام تو یاد نہیں مگر حقیقت ان کے پاس موجود ہے اس لئے وہ ہمارے محتاج نہیں اور ہم ان کے محتاج ہیں (الجمعین بین النفعین)

مرض بخل:

ایک مرض کی طرف اس وقت متوجہ کرتا ہوں اور وہ مرض بخل کا ہے جو ہم طالب علموں کے طبقہ میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ ہم لوگوں میں پوری سخاوت نہیں ہے حتیٰ کہ عوام میں مشہور ہو گیا کہ علماء کنجوس بہت ہوتے ہیں۔ گو اس دعوے کی دلیل میں وہ بعض ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جن کا منشاء بخل نہیں بلکہ انتظام ہے۔ مثلاً بعض لوگوں کو علماء کے اس فعل پر اعتراض ہے کہ یہ لفافوں کو الٹ کر دوبارہ کام میں لے آتے ہیں۔ میں ایسا بہت کرتا ہوں اور میں نے یہ طریقہ حضرت استاد سے سیکھا ہے۔ مولانا کی عادت تھی کہ لفافوں کو الٹ کر دوبارہ کام میں لے آتے تھے۔ اسی وقت سے مجھے بھی اس کی عادت ہے۔ سو یہ اعتراض تو لغو ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ایسے کام میں انگریزوں کی تو تعریف کی جائے اور مولویوں کو الزام دیا جائے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ یہ جو کاغذ بن کر آتا ہے اس میں حیض کے چیتھڑوں اور گوڈر کو کام میں لایا جاتا ہے۔ لکھنؤ میں کاغذ بننے کی مشین تھی۔ میں نے وہاں جا کر خود اس کا مشاہدہ کیا ہے اور اس پر لوگ تعریف کرتے ہیں کہ انگریز بڑے عاقل ہیں، کسی چیز کو ضائع نہیں کرتے۔ ہر چیز کو خواہ کیسی ہی بے کار ہو کام میں لے آتے ہیں۔ نیز ہم نے سنا ہے کہ ولایت میں درختوں کی چھال سے بھی کاغذ بنتا ہے جو ہمارے یہاں بے کار شمار ہوتی ہے نیز ہمارے بھائی ایک ریاست میں ملازم تھے۔ زمانہ جنگ میں کاغذ بہت گراں ہو گیا تھا تو انہوں نے ہم طالب علموں سے سیکھ کر یہی عمل شروع کیا کہ لفافوں کو الٹ کر دوبارہ کام میں لانے لگے اور الٹے ہوئے لفافے کلکٹر کو دکھائے۔ وہ بہت خوش ہوئے اور ان کی بہت مدح لکھی کہ ہمارے منیجر نے ایک مفید طریقہ ایجاد کیا ہے جس سے ہم بہت خوش ہوئے۔ سب اہل ریاست کو اس طریقہ پر عمل کرنا چاہئے۔ لیجئے اب تو انگریزوں کا بھی فتویٰ ہو گیا اب تو ان لوگوں کو جو انگریزوں کے معتقد ہیں مولویوں کے اس فعل پر اعتراض کا حق نہیں رہا تو یہ کنجوسی نہیں ہے بلکہ انتظام ہے کہ مال کو اضاعت سے بچانا ہے

جب ایک لفافہ دو مرتبہ اس طرح کام دے سکتا ہے تو کیا وجہ کہ اس سے دوبارہ کام نہ لیا جاوے مگر دیکھنا یہ ہے کہ جو شخص لفافے اُلٹتا ہے وہ جیسا صرف میں منتظم ہے ایسا آمد میں بھی منتظم ہے تو اس کو یہ فعل مبارک ہے اور جو آمدنی میں حرام وحلال کی پروانہیں کرتا محض صرف ہی میں منتظم ہے تو واقعی طماع ہے۔(الجمعین بین النفعین ج ۲۴)

اخلاق باطنہ

اخلاقِ باطنہ کی حقیقت یہ ہے کہ اعمال باطنہ درست ہوں چونکہ اس سے علماء تک بھی غافل ہیں اس لئے حق تعالیٰ نے اس کا اہتمام فرمایا ہے کہ شرائطِ کمال میں ان کو بھی داخل فرمایا۔ چنانچہ اول وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا (اور وہ اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں جب وہ عہد کریں) فرمایا اور اس سے آگے ارشاد فرمایا: وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ (اور صبر کرنیوالے ہیں سختی اور تکلیف میں اور جنگ کے وقت) یہی جز واس وقت مقصود بالبیان ہے اور جو مضمون میں بیان کرنا چاہتا ہوں اس کو اسی جزو سے تعلق ہے۔(الجمعین بین النفعین ج ۲۴)

طاعت کے ساتھ خوف کی ضرورت:

اعمال کے ساتھ جو خوف ہوتا ہے اس میں لذت ہوتی ہے۔ اللہ اکبر! صحابہ کی یہ حالت تھی کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما میں گفتگو ہوئی۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے بہت لوگوں کو مسلمان کیا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی بہت نیک کام کئے اور سب پر اجر کے اُمیدوار ہیں۔ اعمال نیک میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تو اس پر راضی ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جو کام کئے اس پر اجر مل جاوے اور جو بعد میں کئے ہیں ان پر نہ اجر ملے نہ مواخذہ ہو۔

اس کا تجربہ کر لیجئے وہ لوگ جن کے نوکر ہیں یا بیوی بچے ہیں ان کو اچھی طرح سے اس کا تجربہ ہو جائے گا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نوکر یا بیوی بچوں نے کوئی کام آقا، خاوند، باپ کی خوشنودی اور رضا کے لئے کیا لیکن وہ پسند نہ آیا اور اس قدر غصہ آیا کہ کام نہ کرنے پر اس قدر غصہ نہ آتا۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ طاعت کے ساتھ بھی خوف ہونا چاہئے۔ رضا جوئی اور خوف ساتھ ساتھ ہیں۔ ایک مثال سے اس کی مزید توضیح ہوگی۔(شوق اللقاد ج ۲۴)

اطاعت کی حالت میں خوف کا ہونا محبت کا مقتضاء ہے:

جب ہمارے طاعت وافعال کی یہ حالت ہے تو ہم کو باوجود اعمال صالحہ کے بھی ڈرنا چاہئے۔ طاعت کر کے ڈرنا ان لوگوں کا طریقہ ہے جو خدا سے محبت رکھتے ہیں۔اس کی مثال میں محمود وایاز کا واقعہ قابل ذکر ہے۔

ایک مرتبہ محمود نے اپنے خزانے سے ایک نہایت قیمتی گوہر منگا کر وزیر اعظم کو دے کر حکم دیا کہ اس کو توڑ ڈالو۔ وزیر اعظم نے عذر کیا کہ یہ ایک نہایت قیمتی موتی ہے، ہرگز مناسب نہیں کہ اس کو توڑ ڈالا جائے۔محمود نے دوسرے وزیر کو دیا۔اس نے بھی اس قسم کا عذر کیا۔سب سے آخر میں محمود نے وہ موتی ایاز کو دے کر حکم دیا کہ اس کو توڑ ڈالو۔ایاز نے فوراً توڑ ڈالا۔محمود نے نہایت غضبناک ہو کر کہا تم نے ایسا قیمتی موتی کیونکر توڑ ڈالا۔ ایاز نے جواب میں کہا کہ خطا ہوئی۔محمود کو یہ ادا پسند آئی اور کہا کہ وزراء نے موتی کے قیمتی ہونے کا خیال کیا اور میرے حکم و اطاعت پر توجہ نہ کی اور ایاز نے باوجود اطاعت و فرمانبرداری کے اقرار قصور کیا۔یہی ادا ہے جو مجھے ایاز کی بھاتی ہے۔

اس حکایت سے معلوم ہوا کہ اطاعت وفرمانبرداری کی حالت میں خوف کرنا محبت کا مقتضا ہے کہ خطا ہونے پر تو قصور کا اقرار کرے ہی مگر خطا نہ ہونے کی حالت میں بھی خوف کرے اور اقرار خطا کرے۔لیکن جب ہم اپنے کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم باوجودیکہ ہر وقت خطاوار ہیں لیکن خطاوار ہونے پر بھی اقرارِ جرم نہیں کرتے۔خدا کے لئے قلوب کو ٹٹول کر دیکھو کہ ہم کہاں تک افعال واعمال میں خداوند تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہیں۔جب ہمیں اپنی حالت پر نظر ڈالنے کا موقع ملے گا تو معلوم ہوگا کہ ہم کیا ہیں اور واضح ہو جائے گا کہ کوئی قلب کسی وقت جرم سے خالی نہیں۔(شوق اللقاد ج ۲۴)

ریا ودکھلاوے کی نیت سے ثواب نہیں پہنچتا:

مشہور حدیث ہے انما الاعمال بالنیات (الصحیح للبخاری ۱ : ۲) اب دیکھ لیجئے آپ کی افعال مروجہ میں نیت کیا ہے فقط ریا اور دکھلانا برادری کو کہ ہم نے فلانے کی موت ایسی کی۔کہا کرتے ہیں اے میاں روپیہ دو روپیہ کے چنوں کے لئے تک کٹی کراتے ہو معلوم ہوا

کہ صرف نک کٹی کا خیال اس کا موجب ہوتا ہے۔ جب اس کام میں صرف نیت ریا کی ہے تو ثواب کیسا اور جب فاعل کو ثواب نہ ہوا تو موہوب لہٗ کو کیا چیز پہنچے گی اور جو کوئی اس سے منع کرے تو کہتے ہیں کہ واہ صاحب ایصال ثواب سے منع کرتے ہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ منع کرنے والا ایک طریق سے منع کرتا ہے اور دوسرا طریق ایصال ثواب کا بتلاتا ہے جیسے کہ اس وقت حج بمبئی سے منع ہوگیا اور چاٹ گام سے اجازت ہے۔ دوسرا طریق یہ کہ جتنا روپیہ سویم و چہلم میں صرف کرتے ہو محتاج بیواؤں کو خفیہ طور پر دے دو دیکھو کتنا ثواب ہوتا ہے مگر بڑا خیال تو یہ ہے کہ برادری کیا کہے گی۔ چار چار دانہ برادری کو ملنے چاہئیں تا کہ اعلان ہو جاوے چاہے بھلا ایک کا بھی نہ ہو۔ طرح طرح کے دستور باندھ رکھے ہیں۔ مثلاً جمعرات کا دن آیا اب آج تلاش پڑی کہ لاؤ مسجد کے ملا کو فاتحہ دینے کے واسطے، چاروں طرف سے حلوے اور مٹھائی کی بھرمار ہو رہی ہے۔ ہفتہ کے اور چھ دن میں تو بے چارے کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ بچی کھچی روٹی اور بگڑا ہوا سالن اس غریب کے لئے اور آج ساتویں دن تمنائیں کرتے کرتے یہ دن آیا کہ ایک سالن سے دوسرا سالن اسے ملے گا مگر وہ یوں بیکار ہے کہ اک دم سے اتنا آن پڑا کہ سب کھا نہیں سکتا اور ہفتہ بھر تک رکھا بھی نہیں جا سکتا بگڑ جائے گا۔ بے چارہ اس کو سکھاتا ہے اور پھنکی بنا کر نگلتا ہے جو چیز سکھانے کے قابل نہیں جیسے حلوا اور تر چیز تو اس کو محلّہ والوں سے چھپا کر بیچ لیتا ہے۔ خیال تو کیجئے کہ اس کی نیت بگڑی اور آپ کا مال ضائع گیا۔ اگر بجائے اس کے کہ جمعرات ہی کو خیرات کریں اور دونوں میں بھی کوئی نئی چیز اس کے پاس بھیج دیا کرتے تو اس کی نیت نہ بگڑتی اور نہ سکھانے کی نوبت آتی۔ (اشرف المواعظ ج ۲۴)

خوف کی حد

خوف میں بھی ایک حد ہے چنانچہ الحمدللہ ایک حدیث سے میں اس کو سمجھا ہوں۔ حدیث میں آپ کی یہ دعا مذکور ہے **اللھم انی اسئلک من خشیتک ماتحول به بینی وبین معاصیک**. (موارد الظمآن للهیثمی بلفظ آخر ۲۰۹۵) اے اللہ میں آپ سے آپ کی خشیت کا وہ درجہ مانگتا ہوں جس سے میں معاصی سے بچ جاؤں معلوم ہوا کہ زیادہ خوف مطلوب نہیں۔ ورنہ وہ حال ہوگا جو ایک وکیل صاحب کا حال ہوا تھا جو میرے ہم نام تھے صرف اتنا فرق تھا کہ ان کے نام میں علی نہ تھا انہوں نے احیاء العلوم کا باب الخوف دیکھا تو اس کو دیکھ کر ان پر ایسا

خوف طاری ہوا کہ یاس کے قریب ہو گئے۔ وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے جب ہر حالت میں سوء خاتمہ کا خطرہ ہے پھر عمل سے کیا نفع؟ میں نے کہا کہ آپ کو احیاء العلوم کی کتاب الخوف دیکھنا جائز نہیں آپ کو اس کا باب الرجاء دیکھنا چاہیے اور مشکوۃ وغیرہ میں احادیث رجاء کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ حضرت امام غزالی پر خوف کا بہت غلبہ ہے اس لئے کتاب الخوف میں ان پر یہ حال غالب ہے اسی کا یہ اثر ہے کہ اس باب کے مطالعہ کا تحمل نہیں ہوسکتا۔ امام غزالی پر خوف کا غلبہ ایسا رہا کہ دس برس تک اس کی وجہ سے قبض میں مبتلا رہے۔ اور صحرا اقدس میں پھرتے رہے۔ معتقدین نے ایک طبیب نصرانی کو جسے ڈاکٹر کہنا چاہیے آپ کا قارورہ دکھلایا اس نے تشخیص میں کمال کیا کہ قارورہ دیکھ کر کہا کہ صاحب قارورہ کو کوئی ظاہری مرض نہیں ہے اس پر خالق کا خوف غالب ہے اس کا علاج خدا ہی کے پاس ہے وہ وکیل صاحب بھی مغلوب الحال تھے اس لئے کتاب الخوف کو دیکھ کر یہ خیال ہو گیا کہ عمل سے کیا نفع (الحدود والقیود ج ۲۵)

شوق کے لئے بھی ایک حد ہے حدیث میں ہے **واسئلک شوقاً الی لقائک فی غیر ضراء مضرة وفتنة مضلة**۔ اور میں آپ سے آپ کی بقاء کا شوق مانگتا ہوں جس میں نہ کوئی جسمانی تکلیف ہو اور نہ ایسا فتنہ ہو جو گمراہ کر دے۔ ضواء مضرۃ تو یہی ہے کہ ایسا شوق غالب ہو کہ جسم کو گھلا دے جیسا کہ بعض عشاق شوق میں گھل گئے ہیں اور فتنہ مضلۃ یہ ہے کہ شوق بقاء میں تشبیہ و تجسیم میں مبتلا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی خاص صورت میں تصور کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہونگے ویسے ہونگے۔ جس کی نسبت مولانا فرماتے ہیں۔

گہ ترا گوید زمستی بوالحسن　　　یاصغیر السن یارطب البدن

غلبہ شوق ہی کا اثر ہے آگے اس سے بتری کرتے ہیں۔

اے بروں از وہم وقال وقیل من　　　خاک برفرق من وتمثیل من

اس تمثیل کا عذر بتاتی ہیں۔

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت　　　ہردمت گوید کہ جانم مفرشت

(الحدود والقیود ج ۲۵)

اعتدال کے درجات

افراط، تفریط، اعتدال، مثلاً قوت عقلیہ میں تفریط کا درجہ حماقت ہے اور درجہ افراط کا نام جزبزہ جس کا ترجمہ ہے۔ چربرا یعنی بہت تیز اور درجہ اعتدال کا نام حکمت ہے اسی

طرح قوت شہوت میں ایک درجہ افراط کا ہے جس کا نام فجور ہے ایک درجہ تفریط کا ہے جس کا نام خمود ہے۔ ایک درجہ اعتدال کا ہے جس کا نام عفت۔ اور قوت غضب میں افراط کا نام تہور ہے اور تفریط کا نام جبن ہے اور اعتدال کا نام شجاعت ہے یہ کل ۹ درجے ہوئے جنکی مفصل تعریف کتب حکمت واخلاق میں مذکور ہے جن میں سے مطلوب صرف تین درجے ہیں اور ان تینوں کے مجموعہ کا نام عدالت ہے۔ چھ درجے مطلوب نہیں حکما کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان کا کمال یہ ہے کہ ان تینوں قوتوں میں اعتدال کا درجہ حاصل کرے اور اگر افراط کا درجہ ہو یا تفریط کا تو یہ کمال نہیں بلکہ نقص ہے۔ پس آج کل جو ترقی کا مفہوم یہ ہے کہ کسی حد پر نہ ٹھہرو یہ باتفاق حکماء غلط اور باطل ہے۔ اور علماء اسلام کے نزدیک تو باطل ہے ہی کیونکہ اسلام میں اعتدال ہی کی تعلیم ہے۔ اسی لیے اس امت کو امت عادلہ اور امت وسط قرآن میں کہا گیا ہے۔ اور شہود میں اور روایت حدیث میں جو عدالت شرط ہے اس کے معنی یہی ہیں کہ ان نو درجوں میں سے تین معتدل درجے حاصل کئے ہوئے ہوں اور افراط وتفریط کے درجات سے مبرا ہوں۔ ہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اعتدال کے بھی درجے ہیں ایک تو اعتدال حقیقی بالمعنی اللغوی ہے۔ اس پر تو بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی قادر نہیں اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

اعتدال کی قسمیں

لن یشادالدین احدالا غلبه فسددواوقاربوا (الصحیح للبخاری ۱:۱٦' سنن النسائی الایمان ۲۸)

کہ دین پر کوئی غالب نہیں آسکتا یعنی درجہ کمال حقیقی پر۔ پس سیدھے چلتے رہو اور قریب قریب چلتے رہو اور ایک اعتدال حقیقی اصطلاحی ہے یعنی ایسا اعتدال جس پر عام طور پر سب کو قدرت ہے۔ مامور بہ اور مطلوب یہی اعتدال ہے۔ (الحدود والقیود ج ۲۵)

اسراف اور تفاخر کا منشاء

حدیث مسلم میں ہے لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من کبر . (سنن ابی داؤد: ۴۰۹۱' سنن الترمذی: ۱۹۹۸) جس کے دل میں رائی

برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ غرض ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے خرچ کرنے کو اچھا سمجھ لیا ہے تو اب خرچ کرتے چلے جاتے ہیں اسراف کی بھی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ خرچ کی شریعت میں ایک حد ہے۔ جس سے آگے بڑھنا اسراف ہے اور اسراف کی سخت ممانعت ہے بلکہ اس پر اتنی سخت وعید ہے کہ مسرف کو شیطان کا بھائی فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین و کان الشیطان لربه کفورا.

تحقیق فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

اور اس میں راز وہی ہے جو میں نے ابھی بتلایا ہے کہ اسراف کا منشا تفاخر ہے اور تفاخر کا منشا کبر ہے اور تکبر علت ابلیس ہے۔ (حرمات الحدود ج ۲۵)

نفرت نفسانی

ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے بے نمازی آدمی سے نفرت آتی ہے، سلام کرنے کو جی نہیں چاہتا، میں نے کہا کہ تم اس وقت اپنے کو اس سے افضل سمجھتے ہو یا نہیں۔ اگر اپنے کو افضل سمجھتے ہو تو یہ نفرت شرعی نہیں بلکہ نفسانی ہے۔ کہنے لگے کہ ہاں میں اپنے کو افضل سمجھتا ہوں۔ میں نے کہا بس یہی کسر ہے اس حالت میں تم اس سے بدتر ہو کیونکہ تکبر اور عجب سے بدتر کوئی گناہ نہیں۔ وہ تو بے نمازی ہی ہے مگر بے نماز اپنے کو حقیر و ذلیل سمجھا کرتا ہے اور تم نمازی ہو کر اپنے کو بڑا سمجھتے ہو اور دوسرے مسلمان کو حقیر سمجھتے ہو تم اس سے بھی زیادہ ایک گناہ میں مبتلا ہو۔ یہاں شاید کسی کو یہ سوال ہو کہ جب باوجود گناہ اور فسق و فجور کے ہم دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھیں گے تو پھر حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کیا چیز ہے۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کو بھی اپنے سے افضل بھی سمجھیں اور پھر اس سے بغض بھی رکھیں۔ اس پر ہم کو غصہ بھی آوے اس سے ترک تعلق بھی کریں اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو اپنی اولاد پر بھی کبھی غصہ آتا ہے یا نہیں اس وقت آپ کی کیا حالت ہوتی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اولاد پر غصہ کرنے کے وقت ان کے فعل سے نفرت بھی ہوتی ہے ان سے قطع تعلق بھی چند روز کیلئے کر لیا جاتا ہے مگر اس کیساتھ ایک شفقت بھی دل میں ہوتی ہے۔ اور وہ شفقت ہی ان سب افعال کا منشاء ہوتی ہے جس کی علامت یہ ہے کہ اس کی بدحالی پر رنج و افسوس ہو کر رونا آتا ہے اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ خدا کرے کسی طرح جلدی اس کی

اصلاح ہو جائے۔ نیز آپ غصے کے وقت اولاد کو حقیر و ذلیل بھی نہیں سمجھتے۔ چنانچہ اگر کوئی دوسرا اس کو حقیر و ذلیل کرنے لگے تو آپ کو ناگوار ہوتا ہے بس اگر یہی شان عاصی پر غصہ کرنے کی ہو تو وہ بغض فی اللہ ہے ورنہ نفسانی بغض ہے۔ ایک اشکال اس جگہ یہ ہوتا ہے کہ صاحب بے نماز سے اپنے کو بدتر کیسے سمجھ لیں اور اس کو افضل کیسے سمجھیں جب خدا نے ہم کو ایک چیز دی ہے اور دوسرے کو نہیں دی۔ تو لامحالہ ہم دوسرے کو اس سے محروم دیکھ کر اپنے سے کم اور اپنے کو اس سے زیادہ سمجھیں گے۔ مثلاً خدا تعالیٰ نے ایک شخص کو ہزاروں روپے دیئے ہیں اور دوسرے کو ایک بھی نہیں دیا تو اس صورت میں وہ ہزاروں والا اپنے کو مفلس سے کم اور مفلس کو اپنے سے زیادہ کیونکر سمجھ سکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس اشکال کا جواب تو خود اشکال ہی کے اندر آ گیا۔ وہ یہ کہ جب یہ نعمت خدا نے آپ کو دی ہے تو آپ یوں سمجھیں کہ میں تو سب سے بدتر تھا اور اب بھی بدتر ہوں مگر خدا نے محض اپنے فضل سے مجھ کو یہ نعمتیں دیدی ہیں اس میں میرا کچھ کمال نہیں۔ اس مضمون کے استحضار کے بعد آپ میں کبر و عجب پیدا نہ ہوگا۔ باقی یہ میں نے کب کہا ہے کہ آپ اپنے کو بے نماز اور بے نماز کو نمازی سمجھنے لگیں۔ اگر میں یہ کہتا اس وقت یہ اشکال ہو سکتا تھا کہ صاحب امیر آدمی کو اپنے کو مفلس اور مفلس کو امیر کیسے سمجھ لے۔ نہیں امیر اپنے کو امیر ہی سمجھے اور مفلس کو مفلس سمجھے مگر اس سے اپنے کو افضل نہ سمجھے یہ خیال کر لے کہ میں خود امیر نہیں ہوا بلکہ خدا نے مجھے امیر کیا ہے۔ اور وہ اس پر بھی قادر ہے کہ یہ نعمت مجھ سے سلب کر کے دوسرے کو دیدے۔ یہ بات جس کے دل میں جمی ہوئی ہوگی وہ ہرگز اپنے کو دوسرے سے افضل نہ سمجھے گا اور نہ دوسروں کو حقیر سمجھے گا۔ بلکہ انکی حالت پر اس کو رحم آئے گا۔ (حرمات الحدود ج ۲۵)

آدابِ قرض

لایقضین قاض بین اثنین وھو غضبان (سنن الدارقطنی ۴:۲۰۶)

غصہ کی حالت میں قاضی کو فیصلہ نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ غصہ میں فیصلہ صحیح نہ ہوگا اس میں غالب احتمال غلطی کا ہے اسی طرح غصہ میں تین طلاق دینے کا انجام اکثر برا ہوگا بعد میں ندامت و حسرت ہوگی۔ چنانچہ ہم نے بہت واقعات دیکھے اور سنے ہیں کہ تین طلاق دے کر بعد میں لوگ پچھتاتے تھے اور اب نکاح باقی رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہاں تک

کہ بعض جگہ شوہر کا کفر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ شاید اس سے کبھی کلمہ کفر نہ نکل گیا ہو جس سے نکاح ٹوٹ گیا ہو تو اب یہ تین طلاقیں واقع نہ ہونگی انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. اسی لئے شریعت نے تین طلاق ایک دم سے دینے کی ممانعت کی ہے۔(حرمات الحدود ج ۲۵)

بچوں کو غصہ میں سزا نہ دینے کا حکم

غصہ میں بچوں کو مارنا نہ چاہیے کیونکہ غصہ میں یہ خیال نہیں رہتا کہ یہ کتنی سزا کا مستحق ہے ضرور حد سے تجاوز ہو جاتا ہے مکتب کے میاں جی اس میں زیادہ مبتلا ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ لڑ کر آئے بیوی سے اور فیض عام پہنچا سب لڑکوں کو بس ذرا سی بات پر ایک لڑکے کے چھڑی لگائی تھی کہ ایک طرف سے سبھی کو مارتے چلے گئے خطا کی ایک نے اور سزا دی سب کو بھلا یہ بھی کوئی انسانیت ہے انکو خدا کا خوف نہیں آتا کہ آخرت میں اس کی باز پرس ہوگی یاد رکھو لڑکوں کے معاف کرنے سے یہ ظلم معاف نہیں ہوتا وہ اگر معاف بھی کر دیں تو سرکار مدعی ہوگی(حرمات الحلود ج ۲۵)

حقیقت توکل

توکل کی حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد ہو اسباب پر نظر نہ ہو۔اس کی ایک صورت یہ ہے کہ اسباب کو جمع ہی نہ کرے ایک صورت یہ ہے کہ اسباب کو جمع کر کے پھر ان پر نظر نہ کرے۔تو شیخ کو چاہیے کہ جس شخص کی طبیعت کمزور دیکھے اس کو مال جمع کرنے سے نہ روکے بلکہ مال جمع کرنے کے ساتھ اس کو توکل کی تعلیم دے اور طبیعت کا کمزور ہونا قوی ہونا یہ فطری امر ہے اگر کوئی شخص فطرۃً کمزور ہو تو اس سے ولایت ومغفرت میں کچھ نقصان نہیں آتا۔(حرمات الحدود ج ۲۵)

حضرت علیؓ کی نگہداشت نفس

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جمعہ کے دن ایک نیا کرتہ پہنا جوان کو اچھا معلوم ہوا، آپ نے قینچی منگا کر اس کی دونوں آستین کاٹ ڈالیں لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں یہ کرتہ پہن کر اپنے کو اچھا لگا اور جس وقت انسان اپنی نگاہ میں اچھا لگے اس وقت وہ خدا کی نظر میں برا ہوتا ہے اس لئے میں نے کرتہ کو معیوب کر دیا تھا تاکہ اس پر نظر نہ رہے۔(حرمات الحدود ج ۲۵)

سبحان اللہ ان حضرات کو اپنے نفس کی کیسی نگہداشت تھی ان کو قیمتی کپڑا پہننا بالکل جائز تھا کیونکہ ان کو قیمتی لباس سے اپنے اوپر نظر نہ ہوتی تھی اور اگر کبھی اس کا شبہ ہوتا تو فوراً ہی اسکا علاج کر لیتے تھے۔

غلبہ شوق کی روحانی خرابی

خرابی روحانی یہ ہے کہ شوق سے ناز بڑھ جاتا ہے کیونکہ غلبہ شوق میں انبساط زیادہ ہوتا ہے اور زیادت انبساط سے ناز پیدا ہوتا ہے تو یہ شخص ناز میں آ کر کچھ سے کچھ بکنے لگتا ہے۔ مجذوبین میں یہی تو نقص ہے گو اس وقت اس شخص کو گناہ نہ ہو کیونکہ غلبہ حال سے وہ بے خبر ہوتا ہے مگر تاہم یہ حال کمال کے منافی ہے۔ کمال یہی ہے کہ ادب سے تجاوز نہ ہو۔ پھر یہ شخص تو بے خبر ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ اس کی باتیں دوسرے لوگ سن لیتے ہیں وہ ان سے گمراہ ہو جاتے ہیں اہل شوق کو چاہیے کہ مجمع عام میں اپنی باتیں نہ کیا کریں مولانا اسی کی شکایت فرماتے ہیں۔

ظالم آں قومے کہ چشماں دوختند   از سخنہا عالمے را سو ختند

یعنی وہ لوگ بڑے ظالم ہیں جنہوں نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر دنیا کو اپنی باتیں سنائیں اور مخلوق کو گمراہ کیا نیز بعض دفعہ غلبہ حال رفع ہو جانے کے بعد بھی اس شخص کی زبان سے حسب عادت کلمات شطحیہ نکل جاتے ہیں اس وقت گناہ بھی ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولا فتنۃ مضلۃ۔ میں اس کی بھی نفی فرمادی کہ غلبہ شوق سے میں گمراہی کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ (حرمات الحدود ج ۲۵)

خواص کا ایک مرض

آجکل مشائخ میں ایک مرض افراط شفقت ہے آپ کو سنتے ہی معلوم ہو گیا کہ اس کو کون مرض سمجھتا ہے۔ شفقت کی کمی تو سمجھا جاتا ہی نہیں اور یہ تفریط شفقت عوام میں زیادہ ہے۔ کیونکہ عوام میں خودغرضی زیادہ ہے ان کو اپنی غرض مطلوب ہوتی ہے اس لیے دوسروں پر شفقت نہیں ہوتی یا کم ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص سو رہا ہو اور یہ نماز کا وقت ہے تو عوام اس کو جگاتے نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھے گا تو اپنے واسطے نہیں پڑھے گا تو اپنا نقصان کریگا اور خواص میں شفقت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے جو صفت محمودہ ہے مگر بعض کی شفقت افراط کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے اور یہ مرض ہے مگر عام طور پر اس کو مرض نہیں سمجھا جاتا بلکہ لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ صفات محمودہ میں جس قدر بھی زیادت ہو محمود ہی ہے حالانکہ یہ غلط ہے شریعت نے صفات محمودہ کیلئے بھی حدود مقرر کی ہیں ان حدود سے تجاوز محمود نہیں بلکہ مذموم ہے (التزاحم فی التراحم ج ۲۵)

دوسروں کی فکر کا اصل منشاء

دوسروں کی فکر کا اصل منشاء جاہ وغیرہ ہے اس وقت بھی فکر غیر سے منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ تھے ان کا مرید بہت مجاہدہ وریاضت کرتا تھا مگر اثر کچھ نہ تھا وہ بزرگ بھی بہت پریشان تھے کہ کیا بات ہے اثر کچھ نہیں۔ ایک روز اس سے پوچھا کہ میاں یہ تو بتلاؤ کہ تمہاری نیت اس سے کیا ہے۔ حضرت نیت یہ ہے کہ اپنی اصلاح ہو جائے تو دوسروں کو ہدایت کروں فرمایا توبہ کرو یہ شرک فی الطریقت ہے ابھی سے بڑا بننے کی فکر ہے۔ یہاں تو بجز اس کے کچھ نہیں مٹ جائے گم ہو جائے۔

افروختن وسوختن وجامہ دریدن پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

(یعنی افروختہ ہونا پروانہ نے جلنا شمع نے، جامہ دری کرنا گل نے مجھ سے سیکھا ہے)

تو درو گم شود وصال اینست وبس گم شدن راگم کن کمال اینست وبس

(وصال بس یہی ہے کہ محبوب حقیقی کی محبت میں مٹ جاؤ گم ہو جاؤ بڑا کمال یہی ہے کہ اس گم ہونے کو بھی گم کر دو (یعنی فنا الفنا حاصل کرو)۔

پھر خدا جس کو چاہے بڑا بنا دے خود کون اس کا قصد کرے اور خود کرنے سے ہوتا بھی نہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

(یعنی یہ سعادت قوت بازو سے نہیں حاصل ہو سکتی جب تک خدائے تعالیٰ نہ عطا کریں)۔

(التصمدی للغیر ج ۲۵)

ذکر ریائی

حضرت مولانا جامیؒ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص ذکر ریائی کرتا ہے فرمایا کرتا تو ہے تم تو یہ بھی نہیں کرتے۔

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن بازی اگرچہ پانہ سکا سر کو کھو سکا

کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

یعنی اس نے کچھ تو کام کیا کرنے والے کو نہ کرنے والا کیا چڑا سکتا ہے البتہ اگر وہ اپنے عیوب ہی سے قطع نظر کرلے گا وہ دوسرے کو کہہ سکے گا۔ (التصمدی للغیر ج ۲۵)

غیبت گناہ جاہی ہے

غیبت نہایت سخت گناہ ہے حتیٰ کہ حدیث میں آیا ہے **الغیبة اشدمن الزنا** (مجمع

الزوائد ۸: ۹۱' مشکوۃ المصابیح ۴۸۷۴) یعنی غیبت زنا سے سخت تر ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ غیبت تو حق العبد جب وہ معاف کرے گا تب معاف ہوگا اور زنا حق اللہ ہے توبہ اور ندامت سے معاف ہو جائے گا اور آخرت میں جب غیبت کرنے والے کی نیکیاں مغتاب کو ملنے لگیں گی تو وہ کیوں معاف کرے گا اس لئے کہ وہ وقت شدت احتیاج کا ہے اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہیں اپنے حق کو معاف فرمادیں گے اور عبد محتاج ہے اور ایک فرق اور ہے جس کو ہمارے حضرتؒ نے دو کلموں میں فرمایا۔ فرمایا کہ غیبت گناہ جاہی ہے اور زنا گناہ باہی ہے شرح اس کی یہ ہے کہ آدمی جب زنا سے فارغ ہوتا ہے تو خود اپنی نظر میں بھی اور غیروں کی نظر میں بہت ذلیل و خوار ہوتا ہے غرض اس کو بعد گناہ کے ذلت و ندامت ہوتی ہے اور غیبت کے بعد ندامت نہیں ہوتی بلکہ فخر کرتا ہے اور اظہار و اعلان کرتا ہے اور بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جس معصیت کے بعد ندامت اور عجز ہو وہ اس اطاعت سے بھی بہتر ہے جس کے بعد عجب اور پندار ہو چہ جائیکہ گناہ بھی اور موجب عجب بھی ہو اور عجب اس میں لازم ہے کیونکہ غیبت آدمی جب ہی کرتا ہے جبکہ اپنے کو پاک سمجھے پس یہ عیب بڑا سخت ہے۔ (التصمدی للغیر ج ۲۵)

اسراف کی خرابیاں

ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسراف سے دنیا ہی خراب ہوتی ہے مگر نہیں غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہو جائے گی۔ کہ اس سے دنیا و دین دونوں خراب ہوتے ہیں۔ کیونکہ اول تو اسراف سے خدا نے منع فرمایا ہے تو وہ گناہ ہوا اور گناہوں سے دین کا خراب ہونا ظاہر ہے۔ دوسرے اسراف سے پریشانی بہت زیادہ لاحق ہوتی ہے۔ اور پریشانی سے دین کا بھی بہت ضرر ہوتا ہے۔ (الاسراف ج ۲۵)

حقیقت اسراف

ہر چند کہ اسراف عرفاً اس کو کہتے ہیں کہ مال میں بے موقع زیادہ خرچ ہو مگر اسراف کی حقیقت صرف یہی نہیں بلکہ اس کی ایک فرد یہ بھی ہے۔ حقیقت میں اسراف کہتے ہیں۔ حد اعتدال گزر جانے کو جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ خرچ کرنے میں انسان حد اعتدال سے گزر جائے۔ اسی طرح تمام گناہ اسراف میں داخل ہیں کیونکہ شریعت نے انہی باتوں کو گناہ کہا ہے۔ جن میں سے حد اعتدال سے خرچ ہوتا ہے۔ اسراف کی حقیقت جاننے کے

بعد اب ہم کو اپنی حالت پر نظر کرنا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ ہم لوگ حد اعتدال پر کہاں تک قائم ہیں اور اعتدال سے کس قدر نکلے ہوئے ہیں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ یا تو بخل میں مبتلا ہیں یا فضول خرچی میں بس ہماری وہ حالت ہے۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی   تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

(الاسراف ج ۲۵)

حضرت ذوالنون مصریؒ کی تواضع

ایک بار حضرت ذوالنون مصریؒ سے لوگوں نے کہا کہ دعا فرمایئے کہ بارش ہو قحط کی وجہ سے سب لوگ پریشان ہیں آپ نے فرمایا کہ جب تک موانع مرتفع نہ ہوں اس وقت تک بارش نہیں ہوسکتی۔ اور بارش کے مانع ذوالنون مصریؒ کے گناہ ہیں۔ تو مجھے پہلے شہر سے نکال دو جب بارش ہوگی لوگ یہ سن کر رونے لگے۔ آپ کو شہر سے کون نکالتا۔ آخر آپ کو خود ہی بھاگ گئے۔ خدا کی شان آپ کے بھاگنے کے بعد بارش ہوگئی۔ حضرات یہ موقع ہے امتحان کا۔ ذوالنون مصریؒ کے بھاگنے کے بعد بارش ہوجانے کو بہت ہی کم لوگوں نے تو سمجھا ہوگا کہ آپ کی اس تواضع کی برکت سے ہوئی اور بعضے ایسے بھدے لوگ بھی ہوں گے کہ سچ مچ حضرت ذوالنون مصریؒ کے گناہوں کو بارش نہ ہونے کا سبب سمجھے ہوں گے۔ کہ دیکھو واقعی جب تک یہ شہر میں رہے بارش نہ ہوئی جب یہ نکل گئے فوراً بارش ہوگئی معلوم ہوا کہ یہی بارش سے مانع تھے اور ایسے بھولے لوگ ہر زمانہ میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ اب بھی ایسے لوگ بہت سے ہیں۔ (الاسراف ج ۲۵)

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی تواضع

ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے اپنی نسبت فرمایا۔ واللہ میں کچھ نہیں ہوں مجھے کچھ نہیں آتا۔ جو لوگ میرے معتقد ہیں وہ محض حسن ظن سے معتقد ہیں سو بعضے بھدے لوگ اس سے یہ سمجھنے لگے کہ جب مولانا قسم کھا رہے ہیں تو سچ مچ ان کو کچھ نہ آتا ہوگا۔ غضب یہ کہ حضرت کے ایک معتقد کو شبہ ہوگیا کہ حضرت نے اس بات پر قسم کیسے کھائی۔ اب یا تو حضرت کی قسم جھوٹی یا ہمارا اعتقاد ہی جھوٹا ہے۔ میں نے کہا کہ بندہ خدا کمالات دو قسم کے ہیں ایک موجودہ ایک آئندہ۔ حضرت کی نظر کمالات آئندہ پر ہے۔ جن کے سامنے وہ کمالات موجودہ کو کوئی چیز نہیں سمجھتے اس لیے ان کی قسم صحیح ہے۔ کیونکہ عارفین جس قدر ترقی کرتے جاتے ہیں

وہ اپنی پہلی حالت اور گزشتہ مقامات سے توبہ کرتے جاتے ہیں مثلاً آج ہم کو خدا تعالیٰ کی جس قدر معرفت حاصل ہے جب اس سے آگے ہم کو ترقی ہوگی تو ہم سمجھیں گے کہ اب تک ہم خدا تعالیٰ کی نسبت ناقص اعتقاد کئے ہوئے تھے۔ جب یہ حالت ہے تو عارفین کا آئندہ کمالات کے اعتبار سے موجودہ کمالات کی نفی کر دینا بالکل سچا ہے۔ اور ہمارا اعتقاد حضرت کے موجودہ کمالات پر ہے جو ان کی نظر میں چاہے کمالات نہ ہوں۔ مگر ہم تو ان کو یقیناً کمالات سمجھے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کی قسم بھی صحیح اور ہمارا اعتقاد بھی سچا، (الاسراف ج ۲۵)

اسراف بخل سے زیادہ برا ہے

مفاسد اسراف کے زیادہ ہیں یا بخل کے سوا ایک مدت تک میں بھی اس غلطی میں رہا کہ میں بھی بخل کو اسراف سے زیادہ برا سمجھتا تھا۔ مگر اس وقت تک آثار پر میری نظر نہیں تھی۔ مگر جب آثار کو دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ اسراف زیادہ برا ہے۔ بخل میں تو صرف یہی ہے کہ دوسرے کو نفع نہیں پہنچتا۔ پس یہی ایک خرابی ہے مگر یہ کوئی زیادہ نقصان نہیں جیسے کہ تجارت میں۔ اگر نفع نہ ہو تو یہ ٹوٹا نہیں ہے۔ تو بخیل آدمی صدقہ خیرات کے ثواب سے محروم رہتا ہے۔ مگر اس سے دوسروں کو تکلیف اور نقصان نہیں پہنچتا۔ بلکہ بخیل آدمی کو دیکھا ہے کہ وہ اکثر خوشامدیں لوگوں کی بہت کیا کرتا ہے۔ اور خوشامد کر کے کام نکالتا ہے۔ تا کہ روپیہ خرچ نہ ہو جائے۔ تو بخیل آدمی اول تو خوشامدی بہت ہوتا ہے تو کسی کو ستاوے گا کیا دوسرے خرچ کے ڈر کے مارے وہ کسی پر ظلم بھی نہیں کرتا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ نالش کرے۔ پھر خواہ مخواہ روپیہ خرچ کرنا پڑے۔ تو بخیل کے ہاتھ سے ظلم بہت کم ہوتا ہے اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا۔ مگر شریعت نے بخل کو اس لئے جرم قرار دیا ہے کہ اس سے کسی کو نفع بھی نہیں پہنچتا۔ اور مسرف سے لوگوں کو نقصان بہت پہنچتا ہے۔ کیونکہ آج جو یہ لوگوں کو دے رہا ہے آخر یہ آتا ہے کہاں سے۔ ظاہر ہے کہ قارون کا خزانہ تو ہے نہیں یقیناً ایک دن روپیہ ختم ہو جائے گا۔ پھر یہ لوگوں سے قرض لے گا۔ دوسروں کی امانتیں خرچ کرے گا۔ کسی کی چیز مانگ کر بازار میں رہن رکھے گا اور روپیہ اپنے خرچ میں لائے گا۔ (الاسراف ج ۲۵)

لباس میں اسراف

حدیث میں ہے جس شخص میں جو صفت نہ ہو اس کو ظاہر کرنے والا ایسا ہے جیسے دو

کپڑے جھوٹ کے پہننے والا اس کی ایک تفسیر تو ظاہر ہے کہ اس نے دو کپڑے یعنی لنگی چادرہ جھوٹ کی پہن لی۔ یعنی سراسر جھوٹ ہو گیا۔ (الاسراف ج ۲۵)

اسراف کی حد حقیقی

اسراف کی حد حقیقی تو یہ ہے کہ التجاوز علی الحد الشرعی حد شرعی سے آگے بڑھنا اس تعریف سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اسراف مال ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سب کو عام ہے۔ یعنی غیر اموال میں بھی اسراف ہوتا ہے مگر میں اس وقت اسراف فی الاموال (مالوں میں فضول خرچی کرنا) ہی کو بیان کر رہا ہوں۔ تو شریعت کی حد سے تجاوز کرنا یہ ہے اسراف مگر جب تک شریعت کی حدود نہ معلوم ہوں اس وقت تک اس کی پوری حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک کپڑا میں پہنوں تو میں مسرف (فضول خرچ) ہوں اور نواب رامپور پہنیں تو وہ مسرف نہیں۔ مثلاً دس روپے گز کا کپڑا پہننا نواب صاحب کے لئے اسراف نہیں کیونکہ ان کے نزدیک دس روپے کی حقیقت اتنی ہے جتنی ہمارے نزدیک دس کوڑیوں کی ہے تو ایک اسراف تو ایسا ہے جو ہر شخص کی حالت اور وسعت کے تابع ہے اور ایک اسراف وہ ہے جو کسی کی حیثیت کا تابع نہیں (الاسراف ج ۲۵)

امتیاز شان کی نیت شرعاً کبر ہے

علماء کی وضع کوئی شخص اس نیت سے اختیار کرے کہ ذرا شان امتیاز پیدا ہو گی تو یہ بھی حرام ہے کیونکہ منشاء اس کا یہ ہے کہ امتیاز شان اور ترفع حاصل ہو اور یہ منشاء شرعاً کبر میں داخل ہے اور یہ مرض عورتوں میں بھی بہت زیادہ ہے، کپڑا خریدنے میں اکثر ان کی نیت اچھی نہیں ہوتی۔ سردیوں میں رضائی کی چھینٹ خریدتی ہیں تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایسی چھینٹ ہو کہ محلّہ بھر میں ویسی نہ نکلے۔ (الاسراف ج ۲۵)

ترفع اور تکبر کا عملی علاج

میں کیرانہ گیا ہوا تھا ایک صاحب آئے اس شان سے کہ خدمت گار ساتھ مٹھائی لئے ہوئے اور فرمائش کی کہ مجھے بیعت کر لیجئے۔ میں اس حرکت کو دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ ان میں

مرض تکبر اور ترفع کا ہے میں نے کہا جلدی نہ کیجئے مجھے اس وقت وعدہ کے سبب ایک اور جگہ جانا ہے وہاں میرے ساتھ چلئے اور یہ مٹھائی بھی لے لیجئے وہ خود مٹھائی لے کر میرے ساتھ چلے دوسرے مکان پر پہنچے میں اسی طرح وہاں سے اور ایک مکان پر گیا اور وہاں سے اور مکان پر۔ اسی طرح بہت سے مکانوں پر گیا اور ایسی ایسی جگہ سے قصداً گزرا جو خوب آباد ہیں اسی طرح خوب چکر لگوایا۔ ان کا علاج ہو گیا ترفع اور تکبر سب ملیا میٹ ہو گیا۔ یہ عملی علاج ایک ہی جلسہ میں ان کے لئے اکسیر ہو گیا اب مرض کا نام ونشان بھی نہیں رہا۔ دیکھئے اتنی سی دیر میں مزاج درست ہو گیا اتنی ذراسی تدبیر نافع ہو گئی۔ زبان سے اس حرکت کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا گیا لیکن اس حرکت کا منشا مع تمام اس جیسے اور حرکات کے رخصت ہوا۔ (الصالحون ج ۲۶)

رضائے حق کی لذت

آج کل لوگ سود کے جواز کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اسے تو کسی طرح حلال کرنا ہی چاہئے۔ دوسری قوموں کی ترقی کو دیکھ دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آتا ہے میں سچ کہتا ہوں کہ سود کی ضرورت اور مصلحت اس وجہ سے آپ کے ذہن میں آتی ہے کہ اپنے مقصود کو نہیں سمجھا۔ اگر مقصود پر نظر پڑ جائے تو یہ ساری مصلحتیں اور ضرورتیں کلیۃً ذہن سے نکل جائیں۔ اور آپ خود اپنی زبان سے یہ کہنے لگیں۔

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار بگزارند و خم طرہ یارے گیرند

(بڑی مصلحت یہی ہے کہ دوست سب کو چھوڑ کر بس ایک محبوب حقیقی کے ہو جائیں)

اس مقصود کا نام رضاء حق ہے اور وہ حق تعالیٰ کی مرضیات کے خلاف کرنے سے حاصل نہیں ہوتی سود لینا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے اور رضا حق و مخالفت احکام یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ آپ رضا حق کی لذت سے واقف نہیں اس لئے سود کی خوبیاں آپ کو نظر آتی ہیں اور سود لینے والوں کی حالت دیکھ کر منہ میں پانی بھر آتا ہے اگر رضاء حق کا پتہ چل جاتا تو سود پر ہرگز نظر نہ پڑتی۔ حضرت رضاء محبوب وہ چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ساری چیزوں سے نظر اندھی ہو جاتی ہے بس وہی چیز اچھی معلوم ہوتی ہے جس میں رضاء محبوب کو دخل ہو۔ میرے قصبہ کا قصہ ہے کہ ایک شخص سے کسی نے کہا کہ اگر تم بالکل ننگے ہو کر مجمع سے نکل جاؤ تو میں تجھ کو اتنے مرمرے دوں۔ حضرت چونکہ وہ مرمروں کا طالب

تھا اس نے ایسا ہی کیا ننگا ہو کر بھرے مجمع میں سے نکل گیا اور ذرا بھی آنکھ نہیں جھپکی۔ عزت گئی آبرو گئی مگر اسے کچھ پروا نہیں ہوئی کیونکہ اس کی نظر اس وقت ان چیزوں پر تھی ہی نہیں اس کا تو مقصود کچھ اور ہی تھا اس پر نظر تھی جب عزت آبرو پر نظر ہی نہ تھی تو آنکھ کیوں جھپکتی اس کو خبر بھی نہیں ہوئی کہ کس نے مجھے ننگا دیکھا اور کس نے نہیں دیکھا اسی طرح اگر کوئی بازاری عورت اپنے عاشق سے ایسی ہی فرمائش کرے اس کو ذرا بھی جھجک نہ ہوگی کیونکہ اس عاشق کا مقصود تو بیسوا کو راضی کرنا تھا اس کو کسی دوسرے سے کیا مطلب کوئی راضی ہو یا ناراض کوئی برا کہے یا بھلا اس پر ان باتوں کا کیا اثر ہو سکتا ہے صاحبو جب ایک عورت کے عشق میں یہ بات ہو سکتی ہے کہ ساری مصلحتیں اور تمام عزت و آبرو برباد کر دی جاتی ہے تو محبوب حقیقی یعنی حضرت حق کے عشق میں یہ حالت کیوں نہیں ہو سکتی اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلے بود گوے گشتن بہر او اولے بود

(مولا حقیقی کا عشق لیلیٰ سے کب کم ہو اس کے لئے گوچہ گردی زیادہ ہے)

(الصالحون ج ۲٦)

عنایت خداوندی

کوئی شخص ملحد ہو کافر ہو خدا کا کیسا ہی دشمن ہو لیکن وہ بھی اگر ان کو راضی کرنا چاہے تو بس ایک دفعہ کلمہ پڑھ لے کلمہ پڑھنا تھا کہ وہ راضی ہو گئے پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دو دفعہ جرم کرنے کے بعد پھر وہ کبھی راضی نہ ہوں۔ نہیں کسی نے ایک دفعہ دو دفعہ دس دفعہ ہزار مرتبہ خلاف ورزی کی لیکن جب آستانے پر آ کر حاضر ہو گئے اور اپنی تقصیر کی معافی چاہی بس سب معاف۔

اگر خشم گیرد بہ کردار زشت چو باز آمدی ماجرا در نوشت

(یعنی اگر اللہ تعالیٰ برے کاموں کی وجہ سے غصہ ہو جائیں تب توبہ کر کے باز آ جا تا کہ تیرا ماجرا لپیٹ دیں)

یہ آپ کے عقائد کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی ہزار دفعہ مرتد ہو اس کے بعد پھر ایمان لائے تو وہ مومن ہے بتایئے یہ نظیر اور کہیں مل سکتی ہے۔ کسی کو ایک مرتبہ ناراض کر دو تو اس کا راضی کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور دو تین دفعہ کے بعد تو وہ بات بھی نہیں کرتا چہ جائے کہ راضی ہونا۔ اور وہاں معافی کی کوئی حد ہی مقرر نہیں عمر بھر کوئی یہی سلسلہ رکھے کہ ایک دن مومن ہوا ایک دن کافر تو جب مومن ہوگا اس کے ساتھ وہی برتاؤ ہوگا جو اس سے پہلے مومن ہونے کے وقت تھا ساری

عمر بھی اس سے یہ نہ کہا جائے گا کہ جا اب ہم تیرا ایمان اور تیری توبہ نہیں قبول کرتے اس کی نظیر کوئی ایک بھی نہیں دکھا سکتا تو میرا یہ کہنا صحیح ہوا کہ اتنی آسان کسی کی بھی رضامندی نہیں جتنی کہ حضرت حق جل شانہ کی ہے اب ایک بات اور بھی سمجھ لیجئے وہ یہ کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا کیا کرو کہ آج مومن ہوئے کل کافر ہو گئے آج گناہ کیا کل توبہ کرنے لگے۔(الصالحون ج ۲۶)

اللہ کی محبت حاصل ہونے کا طریقہ

اور اللہ کی محبت کے حاصل ہونے کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا یاد کرنا ہے اس کے لئے بھی ایک وقت مقرر کر کے سوچا کرو کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی کس قدر نعمتیں ہیں چند روز کے بعد آپ کو مشاہدہ ہوگا کہ ہم سرتا سر عنایات اور نعمتوں میں غرق ہیں اس سے آپ کے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت اور اپنی ناکارگی اور تقصیر جاگزیں ہوگی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یطیع کا تعلق آپ سے بھی ہے آپ کے ساتھ محبت کا طریقہ بھی یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہمارے لئے مشقتیں اٹھائیں اور اپنی امت پر شفقت فرمائی اس کو سوچا کرو جب محبت پیدا ہوگی۔ اطاعت خوشی سے ہوگی ادھر محبت ہوگی۔(تسہیل الاصلاح ج ۲۶)

خشیت اعتقادی

ایک خشیت اعتقادی یہ تو ہر مسلمان کو حاصل ہے کیونکہ ایمان نام ہی ہے خوف و رجا کا پس اس درجہ سے تو کوئی مسلمان خالی نہیں مگر اعتقادی خشیت گناہوں سے روکنے میں کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ استحضار خشیت کی بھی ضرورت ہے یہ دوسری قسم ہے پھر استحضار کے دو درجے ہیں ایک استحضار کامل دوسرے استحضار ناقص استحضار کامل کے ساتھ معصیت ہرگز نہیں ہوسکتی مگر ہم لوگوں کو استحضار کامل حاصل نہیں اور اسی کی ضرورت ہے لیکن استحضار کامل ایک دو دن میں حاصل نہیں ہوا کرتا اس کے لئے مشق کی ضرورت ہے پہلے آپ استحضار ناقص ہی کیجئے اس سے گو معصیت کا انعدام نہ ہوگا مگر تقلید ضرور ہو جائے گی اور وہی کیفیت ہو گی جو میں نے ابھی بیان کی ہے کہ خشیت ناقصہ کے ساتھ معصیت بھی ناقص ہی ہوگی اور معاً توبہ و استغفار کی توفیق ہوگی وہ حالت نہ رہے گی جو پہلے تھی کہ گناہ کر کے دل پر جوں بھی نہ رینگتی تھی پھر اسی حالت پر اکتفانہ کیجئے بلکہ استحضار ناقص سے استحضار کامل کی طرف ترقی کیجئے ان شاء اللہ تعالیٰ شدہ شدہ آپ ایک دن کامیاب ہو جائیں گے۔(الاسعاد و الابعاد ج ۲۶)

اسباب تکبر

تکبر کچھ دولت اور شرافت پر نہیں ہوتا ہم لوگ اس تکبر میں مبتلا ہیں کہ ہم کو اپنے علم پر ناز ہے اور یہ تکبر اس سے بدر جہا بدتر ہے اس واسطے کہ دنیا دار لوگ اپنے عیوب پر بھی نظر رکھتے ہیں گو اجمالاً ہی کیونکہ جب کبھی کسی دنیا دار سے کہا جاوے کہ تم میں فلاں فلاں عیب ہیں تو اقرار کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں بھائی ہم میں تو صدہا عیب ہیں خدا اصلاح کرے بخلاف علماء کے کہ ان کو تو خود اپنے عیوب پر نظر نہیں ہوتی اگر بتلا دیا جاوے تب بھی اس عیب کو عیب نہ مانیں گے تاویل سے کھینچ تان کر اس عیب کو ہنر بنا دیں گے اور اس بتانے والے پر الٹا کوئی عیب لگا دیں گے خوب سمجھ لیجئے کہ دنیا داروں کا تکبر جہل تھا تو وہ جہل بسیط تھا اور یہ جہل مرکب ہے اب بتایئے کون گروہ اس مرض سے خالی ہوا۔ (ذم المکروھات ج ۲۶)

حسد بہت مخفی مرض ہے

حسد بہت مخفی مرض ہے بہت ہوشیاری سے کام لینے کی ضرورت ہے اور حسد اسی کا نام نہیں کہ دوسرے کی مصیبت دیکھ کر جی خوش ہو بلکہ یہ بھی حسد ہے کہ دوسرے کی چیز دیکھ کر اس کے پاس سے زوال کی خواہش ہو تو دیکھئے ہم لوگوں کی یہ حالت ہے یا نہیں کہ کسی کا سامان دیکھ لیا یا گھوڑا دیکھ لیا یا زیور دیکھ لیا تو خواہش ہوتی ہے کہ یہی بعینہ ہمارے پاس آ جائے۔ اس کے کیا معنی ہیں سوائے اس کے کہ ان سے چھن جائے۔

ورنہ اس کے بعینہ منتقل ہونے کی خواہش کیوں ہے اور اگر یہ نہ ہو تو حسب مال تو جبلی چیز ہے اگر اس کو دوسرے کا زیور یا سامان دیکھ کر اس جبلی عادت کو ہیجان ہوتا ہے کہ مجھے بھی ایسا ہی مل جائے نہ کہ یہی آ جائے اس کا کچھ ڈر نہیں۔ اس کو غبطہ کہتے ہیں کہ دوسرے کی اچھی حالت کی تمنا کرے کہ یا اللہ ہم کو بھی ایسی حالت نصیب فرما۔ اور یہ کچھ گناہ نہیں بلکہ کہیں گناہ کہیں مستحب ہے۔ مگر ہم لوگوں کو اتنی تمیز کہاں کہ غبطہ اور حسد کو الگ الگ پہچانیں۔

غیبت کی خرابیاں

ایک گناہ زبان کا غیبت ہے جس میں ہم لوگ اس قدر مبتلا ہیں کہ خدا کی پناہ خاص کر

مستورات میں تو یہ مرض بہت ہی زیادہ ہے بیبیوں کے لئے تو یہ گناہ طبیعت ثانیہ ہو گیا ہے حتیٰ کہ ان کو یہ بھی احساس نہیں رہا کہ غیبت کچھ بری چیز ہے یا غیبت کیا چیز ہے یہاں تک کہ اگر کسی بی بی کو غیبت پر ٹوکا جائے تو جواب دیتی ہے کہ اس میں غیبت کی کیا بات ہے میں تو اس کے منہ پر کہہ دوں گویا غیبت کی تعریف انہوں نے یہ سمجھ رکھی ہے کہ پیچھے وہ بات کہی جائے جو کہ منہ پر نہ کہہ سکیں اور کہہ سکنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ ان کا مقابلہ نہ کر سکے حالانکہ ایک معنی نہ کہہ سکنے کے یہ بھی ہیں کہ منہ پر کہنا اس کو نا گوار ہو صحیح معنی یہ ہیں (ذم المکروھات ج ۲۶)

غیبت سے عداوت پیدا ہوتی ہے

ایک عجیب لطف یہ ہے کہ بعض غیبت کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو کیسے خبر پہنچے گی بلکہ بعضے مخاطب سے یہ کہتے ہیں کہ میاں کسی سے ذکر نہ کرنا خود تو دوسرے سے ذکر کر دیا اور دوسرے کو نصیحت ہے کہ ذکر نہ کرنا جو کام اپنے آپ سے نہ ہو سکے دوسرے سے اس کی ہو سکنے کی توقع عجیب بات ہے جب بات دوسرے کے منہ تک پہنچ گئی پھر چھپنا کیا معنی میں کہتا ہوں کہ کوئی غیبت بھی نہیں چھپ سکتی کیونکہ غیبت اکیلے تو ہوتی نہیں کم از کم دو آدمیوں میں ہوتی ہے جب بات ایک سے دوسرے تک پہنچ گئی تو اپنے قابو سے باہر ہو گئی۔ اب جہاں تک بھی پہنچے روک تھام نہیں ہو سکتی زبان سے بات نکلنے کے بعد یہ توقع کرنا کہ چھپ سکے گی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں تک عقل کے موافق ہے۔

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

(وہ راز کب مخفی رہ سکتا ہے جس کے لئے محفلیں منعقد کی جائیں) (ذم المکروھات ج ۲۶)

نفس کا مکر

عورتوں میں یہ مرض بہت ہے اول تو تہجد گزار عورتیں ہیں ہی کم اور اگر کوئی ہے بھی تو رات کو تہجد پڑھیں گی اور صبح کو دو چار دفعہ اس کو منہ پر لا دیں گی کسی سے کہیں گی آج میرا سر بھاری ہو رہا ہے رات کو نیند نہیں آئی۔ آنکھ کھل گئی تھی میں نے کہا لاؤ تہجد ہی پڑھ لوں جب پڑھنے کھڑی ہوئی تو بارہ رکعتیں پوری ہی کر کے چھوڑیں ایسا لطف آیا کہ چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا تھا کسی سے کہیں گی بہن تم بھی تہجد پڑھا کرو میری آنکھ رات کو کھل گئی تھی کیا نور ظہور کا

وقت تھا جس نے تہجد نہ پڑھا اس نے کچھ بھی نہ کیا۔ کسی سے بطور مسئلہ کے پوچھیں گی کیوں جی اگر وقت زیادہ ہو تو تہجد میں بارہ رکعت سے بھی زیادہ پڑھ لیں تو کچھ حرج ہے۔ اس سے یہ جتلانا مقصود ہوتا ہے۔ کہ ایسی شوقین ہیں کہ نفلوں سے انکا جی ہی نہیں بھرتا۔ خوب سمجھ لو کہ حق تعالیٰ کے سامنے فریب نہیں چلتا یہ سب نفس کے مکر ہیں اپنی طاعت کو جتلانا درحقیقت غیر اللہ کو مقصود بنانا ہے یہ کیا حماقت ہے کہ طاعت میں نام تو لگایا جائے خدا تعالیٰ کا اور مقصود ہو غیر وہ طاعت منہ پر مار دینے کے قابل ہے حق تعالیٰ کی غیرت سے ڈرنا چاہئے۔ کسی ادنیٰ سے آدمی کے ساتھ بھی وہی معاملہ کر کے دیکھئے اس کو کتنا غیظ آتا ہے۔ کسی کے واسطے پان لگا کر لائے اور جب اس کے سامنے آؤ تو بجائے اس کے ہاتھ میں دینے کے ایک بھنگی کے ہاتھ میں رکھ دو تو دیکھئے اسے کتنا غصہ آتا ہے اور اس حرکت کو اپنی توہین سمجھ کر وہ پان کو الٹا آپ ہی کے منہ پر مارے گا۔ (ذم المکروھات ج ۲۶)

نامشروع تحریر کا حکم

نامشروع تحریر کا وہی حکم ہے جو نامشروع تقریر کا ہوگا اور کسی بات کا لکھنا زبان سے ادا کرنے ہی کے حکم میں ہے تو کتاب میں لکھنا اسی بات کا درست ہے اور اسی مضمون کو دیکھنا بھی درست ہے جس کا زبان سے کہنا درست ہے تو بری کتابوں کا لکھنا اور دیکھنا سب زبان ہی سے بری باتیں کہنے کے حکم میں ہے صاحبو! جو بات زبان سے کہی جاوے کتاب میں لکھی جاوے یا سنی جاوے یا پڑھی جاوے اس کو سوچ سمجھ کر اور خیال کر کے سن کر یا پڑھا یا دیکھا جائے بہت اہتمام کے ساتھ اس کی عادت کر لینی چاہئے۔ (ذم المکروھات ج ۲۶)

کثرت کلام کا منشاء

ایک قاعدہ سمجھنا چاہئے کہ ہر فعل کا کوئی نہ کوئی منشاء ہوتا ہے یعنی اگر کوئی گالیاں بکتا ہے تو گالیاں بکنا تو زبان کا فعل ہے مگر اس کا منشاء اندر ہے یعنی قلب میں غضب ہونا جب قلب میں غصہ آتا ہے تب زبان سے گالیاں نکلتی ہیں ہر فعل کی یہی حالت ہے کہ اس میں جوارح قلب کے تابع ہوتے ہیں جب قلب کو حرکت ہوتی ہے تب ہی جوارح کو ہوتی ہے اور قلب کی حرکت کا بھی کوئی سبب ہوتا ہے جس سے اس میں حرکت پیدا ہوتی ہے اس سبب

ہی کو منشاء کہتے ہیں اب سمجھ لیجئے کہ کثرت کلام کا منشاء کیا ہے جس سے یہ مرض پیدا ہوتا ہے سوچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیز ترفع ہے یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اس واسطے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی ایسے موقع پر زیادہ نہیں بول سکتا جہاں اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے دیکھو اپنے کسی بزرگ کے سامنے اور استاد کے سامنے کوئی زیادہ نہیں بولتا اس واسطے کہ اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے اور اس کو بڑا اپنے ہم جولیوں میں یا اپنے چھوٹوں کے سامنے بے محابا بولتا ہے ان شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ کثرت کلام جب ہی ہو سکتی ہے جبکہ اپنا بڑا ہونا اپنے ذہن میں ہو اور جب آدمی اپنے آپ کو چھوٹا سمجھے تو ممکن نہیں کہ اس سے کثرت کلام ہو سکے اب میں پوچھتا ہوں کہ ہمارے لئے کوئی موقع اپنے کو برا سمجھنے کا ہے یا نہیں میں کہتا ہوں کہ ہرگز نہیں کیونکہ ہم لوگ جو اپنے لئے بڑے بننے کا کوئی موقع تجویز کرتے ہیں۔ یہ اسی وقت تک ہے جب تک ہماری نظر کوتاہ ہے اور اگر ذرا بھی اس میں وسعت ہوتی تو کوئی موقع بھی بڑے بننے کا نظر میں نہ آتا اس واسطے کہ اگر کوئی آدمی کسی سے بڑا ہے تو اس کے اوپر بھی ایک بڑا ضرور موجود ہے اور حالت یہ ہے کہ جس سے یہ بڑا ہے بعض اوقات اس کے سامنے بھی نہیں ہوتا اور جو اس سے بڑا ہے وہ ہر وقت اس کے سامنے ہے وہ کون یعنی حق تعالیٰ شانہ صاحبو! کوئی آدمی لاکھ بڑوں کا بڑا ہو مگر حق تعالیٰ کے سامنے تو چھوٹا ہی ہے اور حق تعالیٰ ہر وقت حاضر ناظر ہیں۔ تو اس کا اپنے آپ کو بڑا سمجھنا جب ہی ہو سکتا ہے جب حق تعالیٰ کی طرف سے نظر ہٹ جائے اور یہ کس قدر غفلت اور حرمان کی بات ہے۔

ہر آں کہ غافل از دے یک زمان ست   درآں دم کافرست اما نہاں ست

(جو شخص اس سے ایک گھڑی غافل ہے اس گھر میں کافر ہے لیکن نہاں ہے) (ذم المکروھات ج ۲۶)

اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کے مقاصد

صاحبو! اپنے آپ کو بڑا سمجھنا ایسا فعل ہے جس میں مفاسد ہی مفاسد ہیں۔ آدمی اپنے آپ کو کبھی بڑا نہ سمجھے اگر یوں ذہن میں نہ آوے تو چاہئے بہ تکلف اس کی مشق کرے اہل اللہ نے اس کی تدابیر لکھی ہیں اور یہ ہیں کہ اگر اپنے سے چھوٹے کو دیکھے تو اس وقت یہ خیال کرے کہ یہ مجھ سے عمر میں چھوٹا ہے اس نے گناہ کم کئے ہیں میری عمر زیادہ ہے گناہ بھی میرے زیادہ ہوں

گے اور اپنے سے بڑے کو دیکھے تو یوں خیال کرے کہ اس کی عمر زیادہ ہے اس نے نیکیاں مجھ سے زیادہ کی ہوں گی۔ لوگ ان باتوں کو تو ہمات سمجھتے ہیں لیکن یہ تو ہمات ہی کام دینے والے ہیں آخر اپنے کو بڑا سمجھ کر کونسی بات حاصل ہوگی اور کیا نفع ہو جائے گا شیطان ایک یہ بھی وسوسہ ڈالتا ہے کہ ان خیالات کے یعنی دوسروں کے گناہ کم ہونے اور دوسروں کی طاعات کے زیادہ ہونے کا تو کوئی ثبوت نہیں پھر خواہ مخواہ ان میں پڑنا سوائے خبط الحواسی کے اور کیا ہے۔(ذم المکروھات ج ۲۶)

بزرگوں کے چند واقعات

ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ آپ چلے جاتے تھے راستہ میں ایک کتا ملا وہ سامنے سے آتا تھا راستہ تنگ تھا اور آس پاس کیچڑ تھی دونوں ایک دم سے نہیں جا سکتے تھے۔ بس یہی صورت تھی کہ یا تو یہ کیچڑ میں اترتے یا وہ اترتا۔ یہ بھی کھڑے ہو گئے وہ بھی کھڑا ہو گیا انہوں نے کتے سے کہا کہ راستہ چھوڑ کر کیچڑ میں اتر جا اس نے کہا تم کیوں نہیں اترتے انہوں نے کہا کہ میں مکلف ہوں میرے کپڑے یا بدن ناپاک ہو جائیں گے تو نماز نہ ہوگی۔ اس نے کہا اگر کپڑے نجس ہو گئے تو پانی سے ذرا سی دیر میں پاک ہو سکتے ہیں لیکن میرے اترنے سے جو آپ کے باطن میں نجاست پیدا ہوگی کہ مجھ سے اپنے کو بڑا سمجھا اور کیچڑ میں نہ اترے تو یہ ناپاکی ہزار سمندروں سے بھی پاک نہ ہوگی۔ میں تو اتر ہی جاؤں گا میرا کیا بگڑے گا اور تمہارا قلب بگڑ جائے گا اور وہ سمندر میں بھی دھونے سے پاک نہ ہوگا۔ یہ سن کر ان پر ایک حالت طاری ہوئی اور بہت روئے اور کیچڑ میں اتر پڑے۔ حضرت بایزید کی حکایت ہے کہ ایک بار راستہ میں ایک کتے سے دامن بچا کر نکلے کتے نے کہا میری ظاہری نجاست کو دیکھا اور اپنی باطنی نجاست کو نہ دیکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تجھ سے دوستی کر لوں اس نے جواب دیا کہ تمہارا میرا کیا ساتھ تمہاری تعظیم و تکریم ہوتی ہے اور مجھ کو ہر شخص دھتکارتا ہے اس پر یہ بہت روئے اور کہا کہ جب ایک کتا مجھے دوستی میں قبول نہیں کرتا تو حق تعالیٰ کے مقبول بننے کا کیسے خیال کیا جائے۔ انہیں بزرگ کی ایک اور حکایت ہے جس کو شیخ نے بوستاں میں لکھا ہے۔

شنیدم کہ روزے سحر گاہ عید　　　ز گرما برآمد بروں بایزید

(میں نے سنا کہ ایک روز عید کی صبح کے وقت بایزید حمام سے باہر نکلے)

قصہ یہ ہے کہ حضرت بایزید ایک دفعہ عید کے روز حمام میں سے غسل کر کے کپڑے بدل

کر نکلے راستہ میں جا رہے تھے کہ کسی نے کوٹھے پر سے کوڑے کا ٹوکرا سر پر پھینک دیا یہ ایسی بات تھی کہ اس پر اتنے بڑے شخص کو غصہ آنا کم تھا مگر ان بزرگ نے کچھ بھی نہیں کہا اور سیدھے گھر کو چلے آئے اور نہا دھو کر دوسرے کپڑے پہن لئے پیشانی پر بل بھی نہیں پڑے ایک تو یہ ان حضرات کے حالات ہیں اور ایک ہمارے حالات ہیں کہ ٹوکرا تو کہاں اگر کوئی بات بھی خلاف مزاج کہہ دے تو آپے میں نہ رہیں رگیں پھول جائیں آنکھیں سرخ ہو جائیں منہ میں جھاگ آ جائے اور بلا انتقام لئے ہرگز نہ مانیں اور سزا میں بھی یہ نہ ہو کہ جرم کے برابر ہی سزا دیں اور بدلہ پر اکتفا کریں بلکہ جہاں تک بھی قابو چلے اس کی عقوبت میں کمی نہ کریں ترفع کا مادہ انسان میں طبعاً رکھا ہوا ہے بڑے بڑے مجاہدوں سے اصلاح ہوتی ہے۔(ذم المکروھات ج ۲۶)

عورتوں سے خطاب

خاص کر میں عورتوں کو خطاب کرتا ہوں کیونکہ انہوں نے اس میں ایسا حصہ لیا ہے کہ ایک دنیا کو پریشان کر ڈالا ہے شادی بیاہ میں جو کچھ ہوتا ہے ان کی خرابیاں اس حد کو پہنچ گئی ہیں کہ وہ لوگ بھی جو دین سے کچھ تعلق نہیں رکھتے چلا اٹھے کہ ان کا انسداد ہونا چاہئے کیونکہ جہاں ایک شادی عورتوں کے قانون کے موافق ہوگئی وہیں دیو نکل گیا اور کئی کئی پشتیں قرض میں بندھ گئیں۔ دین تو غارت ہوا ہی تھا دنیا بھی برباد ہوگئی شادی بیاہ سے قطع نظر ان کی ذرا سی نقل و حرکت ہو تو اس کے لئے وہ سامان ہونا چاہئے جس کے لئے ایک معقول رقم چاہئے جوڑا بھی نیا ہونا چاہئے زیور بھی اسی وقت بنایا جائے جوتا بھی عمدہ ہی ہو یہ تو مال کا خرچ ہوا پھر اس میں وقت بھی اتنا صرف ہوتا ہے کہ اس میں بہت سے کام ہو سکتے تھے ان سب مفاسد کی وجہ وہی حرص ہے کہ جس کو ذرا اپنے سے اونچا دیکھا اسی کی ریس کرنے لگیں کہ ہم بھی اسی کے سے کپڑے پہنیں اسی کا سا زیور ہو اسی کا سا مکان ہو اسی کی سی معاشرت ہو۔(ذم المکروہات ج۲۶)

جملہ رسوم کا مبنیٰ

حدیث شریف میں ہے۔لایدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر (الصحیح المسلم الایمان ب : ۳۹)

(جس کے دل میں ذرہ بھر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ داخل ہوگا) اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ

تکبر شریعت میں منع ہے جب یہ بات ہے کہ رسوم کا مبنی یہی ہے تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ رسوم شرعاً منع نہیں ہیں اور جب رسوم ممنوع اور گناہ ہوئیں تو ان میں خرچ کرنا اضاعۃ مال ہوا یا نہیں پس معلوم ہو گیا ہوگا کہ صرف ناچ میں خرچ کرنے کو ہی اضاعۃ مال نہ کہیں گے بلکہ اضاعۃ مال کی حقیقت یہ ٹھہری کہ جہاں شریعت نے منع کیا۔ وہاں خرچ کرنا اضاعۃ مال ہے۔ (ذم المکروہات ج ۲۶)

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمہ اللہ اور مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کتنے بڑے امیر تھے اور اسی کے ساتھ شیخ وقت بھی تھے مولانا جامی ان کے پاس گئے دیکھا کہ بڑے ٹھاٹھ ہیں۔ مولانا جامی کو یہ بات پسند نہ آئی اور یہ مصرعہ سنا کر چل دیے اور ایک مسجد میں جا پڑے۔ نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد۔ (وہ مرد خدا نہیں جو دنیا کو دوست رکھے) دوپہر کو خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور حساب و کتاب ہو رہا ہے ان کو ایک شخص نے آ کر پکڑ لیا کہ میرے تین پیسے جو تمہارے ذمہ ہیں وہ دیتے جاؤ وہاں ان کے پاس پیسے کہاں تھے بہت حیران ہوئے کہ کیا کروں۔ دیکھا کہ خواجہ عبید اللہ احرار ایک سواری میں سوار سامنے سے گزرے اور یہ واقعہ دیکھ کر اپنے کسی خادم سے کہا کہ جو خزانے ہم نے یہاں بھیجے ہیں ان میں سے یہ دام دے کر ان کو چھڑا دو یہ ہمارے مہمان ہیں بس مولانا کی آنکھ کھل گئی اور سمجھے کہ میں غلطی پر تھا اٹھ کر شاہ صاحب سے معافی چاہی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ صاحبزادہ وہ مصرعہ کیا پڑھا تھا انہوں نے عذر کیا کہ اب کیا مجال جو ایسا حرف زبان پر لاؤں فرمایا پہلے اپنی خوشی سے پڑھا تھا اب ہماری خوشی کے لئے پڑھ دو۔ غرض مجبور ہو کر پڑھا مصرعہ نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد (وہ مرد خدا نہیں جو دنیا کو دوست رکھے) شاہ صاحب نے بیساختہ فرمایا۔ گر دارد برائے دوست دارد (اگر رکھے دوست کی وجہ سے رکھے) حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں بڑے امیر تھے مگر ہم میں اور ان میں فرق یہ تھا کہ وہ حلال سے کماتے تھے اور حلال میں خرچ کرتے تھے نہ آمد میں ان پر کوئی اعتراض ہو سکتا تھا نہ خرچ میں اور ہماری یہ حالت ہے کہ نہ کمانے میں حلال و حرام کا خیال نہ اٹھانے میں۔ آمد بھی قابل الزام خرچ بھی قابل الزام۔ (ذم المکروہات ج ۲۶)

غصہ کا علاج

مجھے یاد ہے کہ میں پہلے غصہ میں تعجیل کرتا تھا جس سے کام بگڑتا تھا تو میں نے اس کا یہ علاج کیا ہے کہ ایک کلیہ یاد کرلیا کہ تعجیل نہ کرنا چاہئے اس سے برسوں تک کام لیتا رہا بحمد اللہ اس طریق سے تعدیل ہوگئی (الارتیاب والاغتیاب ج ۲۶)

بدگمانی کا علاج

میں بدگمانی کا علاج بتلاتا ہوں اس کا علاج یہ ہے کہ جب کسی سے بدگمانی پیدا ہو تو اپنے عیوب کو پیش نظر کرلیا کرو جیسے حضرت مرزا جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے خواجہ میر درد کی شکایت کی کہ وہ سماع سنتے ہیں حالانکہ خواجہ میر درد نقشبندی ہیں اور نقشبندیہ کے یہاں سماع بالکل نہیں مگر جب دل میں آگ لگتی ہے تو چاہے نقشبندی ہو یا چشتی بعض اوقات وہ سماع کی طرف مضطرب ہو جاتا ہے تو مرزا صاحب نے یہ شکایت سن کر فرمایا کہ میاں کوئی آنکھوں کا مریض ہے کوئی کانوں کا مریض ہے یعنی میرے سامنے ان پر کیا اعتراض کرتے ہو میں خود ایک مرض میں مبتلا ہوں آنکھوں کے مرض میں۔ کیونکہ مرزا صاحب کو لوگوں نے حسن پرست مشہور کر رکھا تھا حالانکہ حسن پرست نہ تھے بلکہ لطیف الطبع تھے اسی لئے جب جامع مسجد دہلی میں نماز پڑھنے کے لئے تشریف لاتے پالکی کے پٹ بند کر دیا کرتے تھے تاکہ راستہ میں دکانوں کا بے قاعدہ عمارت پر نظر نہ پڑے کیوں کہ اس سے ان کے سر میں درد ہو جاتا ہے اور یہ لطافت مرزا صاحب میں فطری تھی چنانچہ شیر خوارگی کے زمانہ میں بھی کسی بدصورت آدمی کی گود میں نہ جاتے تھے ہمیشہ خوب صورت آدمیوں کی گود میں جاتے تھے کیا اس وقت بھی حسن کے سبب شہوت نفس کا احتمال ہوسکتا ہے ہرگز نہیں پس معلوم ہوا کہ آپ حسن پرست نہ تھے بلکہ لطیف الطبع تھے لیکن عوام کو لطافت کی کیا خبر وہ تو آپ کے واقعات لطافت کو حسن پرستی ہی پر محمول کرتے تھے تو حضرت مرزا صاحب نے خواجہ میر درد کی شکایت سن کر فوراً تہمت کو پیش نظر کرلیا کہ میں بھی تو ایک تہمت سے متہم ہوں۔ (الارتیاب والاغتیاب ج ۲۶)

غیبت کا منشاء

اس سے یہ معلوم ہوا کہ غیبت کا منشا یہی کبر ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ متکبر کی غرض

پوری طرح غیبت ہی سے حاصل ہوتی ہے تجسس اور بدگمانی سب اسی کے مقدمات ہیں اگر کوئی شخص بدگمانی اور تجسس کرے مگر غیبت سب سے اشد ہے۔ یہ نسب نامہ اور باہمی تعلق ہے ان گناہوں کا کہ یہ سب تکبر سے ناشی ہیں اس کے بعد تفاخر بالانساب سے ممانعت ہے یہ بھی تکبر ہی سے ناشی ہے عرب میں یہ مرض بہت تھا اور اب بھی (الارتیاب والاغتیاب ج ۲۶)

غیبت کا ضرر و مفسدہ

عورتوں میں یہ مرض زیادہ ہے کیونکہ وہ عموماً بے کار رہتی ہیں بے کاری میں سوائے غیبت کے ان کا کچھ مشغلہ نہیں ہوتا اور مردوں میں یہ مرض کم ہے اگر ان کو کچھ کام نہ ہو تو ان میں بھی یہ مرض زیادہ ہوتا۔ اور مفاسد افتراق کا علم سب کو ہے کیونکہ مقدمہ بازی لڑائی جھگڑا سب اسی کی بدولت ہوتے ہیں اور اتفاق کے اندر جو مصالح و منافع ہیں افتراق کی صورت میں ان سے بھی محرومی ہو جاتی ہے۔ (الارتیاب والاغتیاب ج ۲۶)

شاہجہاں کے صعوبت زوال کی حکایت

عالمگیر نے جب شاہجہاں کو معزول کر کے مقید کیا تو دریافت کیا کہ اس حالت میں آپ کے لئے کیا شغل تجویز کیا جائے فرمایا کہ کچھ بچے پڑھنے کے لئے بھیج دو ان کو بیٹھا پڑھایا کروں گا عالمگیر نے کہا ہاں ابھی تک بوئے سلطنت دماغ سے نہیں نکلی کیونکہ یہ میاں بھی بادشاہوں سے کم نہیں ہوتے چنانچہ ایک میاں جی کی گفتگو بادشاہ سے ہوئی تھی میاں جی نے کہا میری بادشاہت تمہاری سلطنت سے افضل ہے کیونکہ میری فوج میری اطاعت تمہاری فوج سے زیادہ کرتی ہے بادشاہ نے کہا ہرگز نہیں میاں جی نے کہا بہت اچھا ابھی امتحان کر لیجئے اپنی فوج کو حکم دیجئے کہ سب کے سب اپنے منہ کالا کر کے ایک لنگوٹی باندھ کر ڈنڈے ہاتھ میں لیں اور بازار کے بیچ میں کو کالے ڈنڈے پیلے ڈنڈے کہتے ہوئے ڈنڈے بجاتے ہوئے نکل جائیں چنانچہ بادشاہ نے فوج کو یہ حکم دیا سب نے انکار کر دیا کہ دشمن کے مقابلہ میں بھیج دو جان دینے کو حاضر ہیں لیکن اگر بیچنے کے واسطے ہم نے نوکری نہیں کی تو بادشاہ بہت کھسیانا ہوا اس کے بعد میاں جی نے اپنے مکتب کے لڑکوں کو حکم دیا سب نے منہ کالے کر کے ڈنڈے ہاتھ میں لئے اور بیچ بازار میں کالے ڈنڈے پیلے ڈنڈے کرتے

ہوئے نکل گئے بچوں کو اپنے میاں جی سے محبت بہت ہوتی ہے ایک بار مجھے میرے والد صاحب نے حافظ صاحب کے پاس سے اٹھانا چاہا کسی بات پر خفا ہو گئے تھے مگر میں مچل گیا اور ہرگز نہ اٹھا آخر والد صاحب تھک کر خاموش ہو گئے نیز میں اکثر اپنا کھانا مکتب میں منگا لیا کرتا تھا تا کہ زیادہ آوے اور حافظ صاحب بھی کھالیں اور ان کو سہارا لگے کیونکہ ان کی آمدنی کافی تھی اور یہ قاعدہ ہے کہ گھر سے جب کھانا باہر جاتا ہے تو خوراک سے زیادہ ہی بھیجا جاتا ہے تا کہ سب کی بس کی نہ ہو۔ مگر جتنی محبت لڑکوں کو میاں جی سے ہوتی اتنا ہی میاں جی کو تنگ بھی کرتے ہیں لوہاری میں ایک میاں جی تھے وہ اپنے حجرہ میں جو چیز کھانے پینے کی رکھتے لڑکے سب کھا جاتے تھے ایک دفعہ ان کے پاس بتاشے آئے تو انہوں نے ایک لوٹے میں رکھ کر اس کا منہ بند کر دیا لڑکوں کو فکر ہوئی کہ ان کو کس طرح نکالیں تو ایک نے رائے دی کہ لوٹے میں پانی ڈالو سب گھل جائیں گے پھر شربت بنا کر پی لو چنانچہ ایسا ہی کیا اوپر سے منہ بند کا بند رہا اور اندر سے خالی ہو گیا تو دیکھئے شاہجہاں کے دماغ میں بوئے سلطنت بسی ہوئی تھی تو انہوں نے معزولی میں بھی ایسا کام تجویز کیا جو سلطنت کے مشابہ تھا میں یہ کہہ رہا تھا کہ تواضع ایک دن میں حاصل نہیں ہوسکتی تکبر کو دماغ سے نکالنے کے لئے زمانہ چاہئے تو جب تک اصل مرض کا علاج ہو اس وقت تک مرض کا علاج کرو یعنی غیبت سے بچنے کیلئے فوری تدبیر یہ کرو کہ بدوں سوچے کوئی بات نہ کیا کرو جو بات کرو سوچ کر کرو اس سے غیبت کم ہو جائے گی اور کچھ دنوں کے بعد بالکل نہ ہوگی۔ اب اگر کوئی کہے کہ اس کلیہ کو کون یاد رکھے کہ ہر بات سوچ کر کیا کرے۔ (الارتیاب والاغتیاب ج ۲۶)

غیبت کی حدود

بعض دفعہ غیبت کی ضرورت ہوتی ہے تو سنئے؟ شریعت نے اس کے لئے بھی حدود مقرر کئے ہیں وہ یہ کہ غیبت ایک تو حظ نفس کے لئے ہے یہ تو حرام ہے اور ایک ضرورت سے ہے جس کو شریعت ضرورت کہے وہ جائز ہے مثلاً کسی عورت کو استفتاء کی ضرورت ہے اور اس ضرورت سے اپنے شوہر کا حال مفتی سے کہنا پڑے تو اس کو اس وقت شوہر کی غیبت جائز ہے اسی طرح قاضی کے یہاں بیان کرنا بھی جائز ہے اور مفتی اور قاضی میں فرق یہ ہے کہ مفتی کا جواب تو جملہ شرطیہ ہوتا ہے کہ اگر یہ واقع صحیح ہے تو اس کا حکم یہ ہے اور قاضی کا فیصلہ جملہ

انشائیہ ہوتا ہے کہ اس معاملہ کی صورت اس طرح ہو جانا چاہئے اسی لئے مفتی صرف ایک شخص کے بیان پر فتویٰ دے سکتا ہے اور قاضی ایک شخص کے بیان پر فیصلہ نہیں کر سکتا بلکہ اس کو دونوں طرف کا بیان سننا ضروری ہے پھر شہادت وحلف کے بعد فیصلہ کرے قاضی یا سلطان کو یہ جائز نہیں ہے کہ صرف مدعی کا بیان سن کر فیصلہ کرنے لگے جب تک کہ مدعی علیہ سے دریافت نہ کرے یک طرفہ بیان سن کر قاضی وسلطان کو قضیہ شرطیہ کے ارادہ سے بھی حکم بیان کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں احدالفریقین کی حمایت ظاہر ہوگی اور قاضی وسلطان کو فریقین میں تسویہ کا حکم ہے بخلاف مفتی کے کہ اس کو ایک شخص کا بیان سن کر بھی فتویٰ دے دینا جائز ہے کیونکہ اس کا فتویٰ واقعہ کا فیصلہ نہیں بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اگر واقعہ یوں ہی ہے تو مسئلہ یہ ہے اور اگر یوں نہیں تو جواب دوسرا ہے آج کل لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں کہ مفتی کے فتویٰ کو فیصلہ سمجھتے ہیں اور جب ایک واقعہ میں دو شخص استفتاء کرتے ہیں اور جواب مختلف دیا جاتا ہے تو علماء کو بدنام کرتے ہیں کہ اس کو کچھ جواب دیا اس کو کچھ جواب دے دیا اور یہ نہیں دیکھتے کہ سوال کرنے والوں نے سوال مختلف کیا ہے اور مفتی کا جواب جملہ شرطیہ ہوتا ہے تو دو سوال کے بدلنے سے ضرور بدلے گا اور ہر سوال کا جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ واقعہ یہ ہے کہ تو جواب یہ ہے اور دوسری طرف واقعہ ہے تو جواب دوسری طرح ہے۔ (الارتیاب والاغتیاب ج۲۶)

تجسس کے بعض افراد دقیق ہیں

تجسس کے بعض افراد دقیق ہیں چنانچہ تجسس کا ایک فرد یہ ہے کہ دو آدمی باتیں کر رہے ہوں اور ایک آدمی آڑ میں اس طرح بیٹھا ہو کہ ان کو اس کے موجود ہونے کی اطلاع نہ ہو تو اس طرح آڑ میں بیٹھ کر کسی کی باتیں سننا بھی تجسس میں داخل ہے اس کو اگر آڑ میں بیٹھنا ہے تو زبان سے کہہ دینا چاہئے کہ میں بیٹھا ہوا ہوں یا اس کے سامنے سونے لیٹ گیا ہو اور دوسروں کو یہ خیال ہو کہ یہ سو گیا ہے اور وہ آپس میں باتیں کرنے لگیں مگر یہ جاگ رہا ہے تو اس کو چاہئے کہ ان کو اطلاع کر دے کہ میں جاگ رہا ہوں۔ البتہ اگر وہ لوگ اس کے متعلق باتیں کر رہے ہوں اور اس کو ضرر پہنچانا چاہتے ہوں تو تجسس کے ساتھ ان کی گفتگو سننا جائز ہے نیز اگر دو شخص آپس میں انگریزی یا عربی میں گفتگو کر رہے ہوں اور تیسرا شخص بھی ان زبانوں کو سمجھتا ہو مگر ان دونوں کو خبر نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ ان دونوں کو مطلع کر دے کہ میں

انگریزی یا عربی سمجھتا ہوں کانپور میں ایک جنٹلمین میرے پاس آئے اور بچہ کی تعلیم کے لئے معلم کی درخواست کی میرے سامنے اس وقت ایک طالب علم تھے ان سے اس کے متعلق عربی میں گفتگو کرنے لگا تو وہ جنٹلمین کہنے لگے کہ شاید آپ عربی میں مجھے اخفاء کے لئے گفتگو کر رہے ہیں لیکن میں عربی سمجھتا ہوں اس لئے اگر ارشاد ہو میں دوسری جگہ بیٹھ جاؤں اس شخص کی تہذیب پر مجھے حسرت ہوئی اور اب میں اپنی حرکت سے اتنا شرمندہ ہوا کہ میرے اوپر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کی تہذیب کا میرے اوپر خاص اثر ہوا اور اب ایسے مہذب سے اخفا کی ضرورت نہیں۔ (الارتیاب والاغتیاب ج۲۶)

کفر و شرک کا مبنیٰ

کفر و شرک کا مبنیٰ ہمیشہ کبر ہے۔ اب غور کر کے دیکھئے تو یہ بھی ثابت ہو جائے گا اور بہت سے معاصی کا مبنیٰ بھی کبر ہی ہے جو کفر و شرک سے نیچے ہیں۔ ایسے گناہ کبر سے اس طرح ہوتے ہیں کہ گنہگار اپنے برے عمل کو صرف اس عار کی وجہ سے نہیں چھوڑتا کہ لوگ کہیں گے کیا اتنے روز سے یہ احمق رہا اس کام کو ہمیشہ سے کیوں کرتا رہا جواب چھوڑنا پڑا۔ اس شخص نے عیب حماقت سے اپنے نفس کو بچایا۔ یہی کبر بڑا مرض ہے اور علاج بالضد ہوا کرتا ہے۔ یہ مرض پیدا ہوا عدم معرفت کبریا حق سے تو علاج معرفت کبریا حق ہوگا یعنی عظمت حق تعالیٰ کی اس کو حق تعالیٰ نے آیت میں بلفظ حصر اپنے واسطے ثابت کیا ہے۔ (علاج الکبر ج۲۶)

صفت کبر مضاد ایمان ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر. (الصحیح المسلم کتاب الایمان باب: ۳۹)

یعنی جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ بلکہ ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ تشدد ہے۔

اخرجوا من النار من کان فی قلبه مثقال ذرة من ایمان. (اتحاف السادة المتقین ۱: ۱۳۹)

یعنی قیامت کے دن حکم ہوگا کہ جس کے دل میں ایک ذرہ بھر بھی ایمان ہے اسے

دوزخ سے نکالو۔ اس کو پہلی حدیث سے ملایئے تو کیا نتیجہ نکلتا ہے وہاں فرماتے ہیں ایک ذرہ بھر کبر جس کے دل میں ہے جنت میں نہ جائے گا۔ یہاں فرماتے ہیں ایک ذرہ بھر بھی ایمان جس کے دل میں ہے جنت میں جائے گا اس سے صاف یہ بات نکلتی ہے کہ ذرہ بھر کبر بھی جس دل میں ہے اس میں ذرہ بھر ایمان نہیں ہوسکتا۔ اور ذرہ بھر ایمان جس دل میں ہے اس میں ذرہ بھر کبر نہیں ہوسکتا ہے (علاج الکبر ج ۲۶)

رسومات بیاہ وشادی میں تفاخر کا منشاء

بیاہ شادی کی جتنی رسمیں ہیں سب تفاخر ہی پر مبنی ہیں پھر کسی کے دل کو صدمہ تو کیا اور ان سے خوش ہوتے ہیں خاص کر جبکہ ان پر وہ ثمرہ مرتب بھی ہو جائے جس کے واسطے کی جاتی ہیں۔ یعنی علو اور شہرت جبکہ کسی کے یہاں تقریب میں بدنظمی نہ ہو اور کوئی اختلاف پیدا نہ ہو اور خیریت سے اختتام کو پہنچ جائے تو نام ہوتا ہے یوں کہتے ہیں اپنی حیثیت سے زیادہ لگا دیا بڑی ہمت کی پانچ روپے کی اوقات میں کھانا کیا اچھا دیا۔ بارات کیسی بڑھیا لایا۔ اس کو کفر نہ کہئے مگر قریب کفر ضرور ہے دیکھئے شرعی مسئلہ ہے اور کتابوں میں لکھا ہے کہ گناہ کو چھوٹا سمجھنا کفر ہے اس کو سب جانتے ہیں مگر اس کو خاص کر لیا ہے۔ (علاج الکبر ج ۲۶)

مفاسد غیبت

غیبت کوئی جب ہی کرتا ہے کہ جب اپنے آپ کو اس سے اچھا سمجھتا ہے جس کی غیبت کرتا ہے۔ کسی مریض کو ہنساتا وہی شخص ہے جو خود تندرست ہو اور اگر اپنے آپ کو اس سے بھی زیادہ مریض پائے تو کہیں نہیں دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے سے کم مریض کو ہنساتا ہو۔ یہ اچھا سمجھنا ہی کبر ہے۔ علی ہذا دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر جو آدمی جلتا ہے (جسے حسد کہتے ہیں) اس کی بناء بھی اس پر ہے کہ اس صاحب نعمت سے زیادہ اپنے آپ کو اس نعمت کا اہل سمجھتا ہے یہ بھی اپنے نفس کی بڑائی ہے جسے کبر کہتے ہیں۔ غرض اکثر گناہوں کو ٹٹولو تو بنا کبر ہی پر پاؤ گے۔ لہٰذا سب کو چھوڑ دو حتیٰ کہ معاصی کی اصل ہی دل میں سے نکل جائے کیونکہ بڑائی کو حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص فرمایا ہے کسی دوسرے کا اس میں حصہ نہیں تو جو شخص کبر کو نہیں چھوڑتا وہ نہیں پہچانتا کہ یہ کس کا حق تھا اور کس کو دیتا ہے تو اس نے نہ نفس کا حق

پہچانا نہ حق تعالیٰ کا اس سے بڑھ کر جاہل کون ہوگا یہ شخص معاصی سے کبھی چھوٹ نہیں سکتا جس گناہ میں بھی پڑ جائے کم ہے۔ کیونکہ معاصی کی جڑ اس کے دل میں موجود ہے ایک سے بچے گا دوسرے میں پڑ جائے گا۔ گناہ ہونہ پڑا۔ (علاج الکبر ج ۲۶)

حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کا مذاق

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا پر جب فاقہ اور مرض نہ ہوتا تو یہ بے قرار ہوکر فرماتیں کہ شاید محبوب ناراض ہیں جو بہت دنوں سے پیام وسلام نہیں آیا۔ یعنی فاقہ اور بیماری یہ ان کے نزدیک محبوب کا پیام وسلام تھا۔ پھر ان لوگوں کی بیماری اور فاقہ مستی کو مصیبت کون کہہ سکتا ہے ہاں یوں کہئے کہ صورت مصیبت ہے۔ (تعظیم العلم ج ۲۷)

یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

لوگ اہل اللہ کی تکالیف کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ وہ بھی ان کی طرح پریشان ہوں گے مگر جس کو یہ دولت حاصل ہو جس کا مذاق عبدیت اور فنا ہو چکا ہو بھلا وہ بھی کہیں تکلیف سے پریشان ہوا کرتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ وہ روتے بھی ہوں آہ بھی کرتے ہوں بیماری میں تڑپتے بھی ہوں مگر اس تڑپنے سے ان کا دل پریشان نہیں ہوتا دل کو اس وقت ایک خاص سرور و لذت حاصل ہوتی ہے۔ باطن میں وہ پوری راحت میں ہوتے ہیں۔

دمادم شراب الم درکشند   وگر تلخ بینند دم درکشند

(ہر وقت رنج کی شراب پیتے ہیں جب اس میں رنج کی تلخی دیکھتے ہیں خاموش رہتے ہیں)

(تعظیم العلم ج ۲۷)

حضرت امام اعظم کی اپنے صاحبزادہ کو نصیحت

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے صاحبزادے حماد کو نصیحت فرمائی تھی کہ علم کلام و مناظرہ میں مشغول نہ ہونا۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے آپ کو خود مناظرہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ فرمایا: ہاں ہم نے مناظرہ کیا ہے لیکن ہماری یہ حالت تھی کہ ہم یہ تمنا کرتے تھے کہ حق بات خصم کے منہ سے نکلے اور ہم اس کو قبول کریں اور تم کو یہ تمنا ہوتی ہے کہ خصم کے منہ سے سوائے باطل کے کچھ نہ نکلے تاکہ تم غالب رہو ہم کو یہ بات گوارا نہ تھی کہ ہمارا مسلمان

بھائی اپنی زبان سے غلط بات کہے۔ پھر اس کی پیچ کرے یا ہم حق بات کہیں اور اس کو ہار کر ہماری بات ماننا پڑے جس سے ہمارا غلبہ اور اس کا عجز ظاہر ہو یا ضد میں آ کر وہ ہماری حق بات کو رد کرنے لگے تو اس کے ایمان کا ضرر ہو اس لیے ہم یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ خصم کے منہ سے حق بات نکلے تو ہم اس کو جلدی سے قبول کرلیں جس سے اس کی عزت بھی ہو اور حق بھی واضح ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ امام صاحب کے بعد کا زمانہ بھی غنیمت تھا کیونکہ اس زمانہ کے لوگ جو یہ تمنا کرتے تھے کہ خصم کے منہ سے باطل کے سوا کچھ نہ نکلے اور حق بات ہمارے ہی منہ سے نکلے تو اس تمنا کا منشا یہ تھا کہ وہ لوگ اس بات کا قصد کرتے تھے کہ اگر کبھی خصم کے منہ سے حق بات نکل گئی تو ہم ضرور مان لیں گے ورنہ اگر ان کی نیت یہ نہ ہوتی تو اس تمنا کی ان کو کیا ضرورت تھی کہ خصم کے منہ سے باطل ہی نکلے۔ معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ غلط بات ہی کا رد کرنا چاہتے تھے حق بات کے رد کرنے کا وہ قصد نہیں کرتے تھے مگر آج کل تو یہ تمنا کرتے ہیں کہ خصم کے منہ سے حق بات نکلے نہ یہ تمنا کرتے ہیں کہ باطل نکلے کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے یہ بات دل میں ٹھان لیتے ہیں کہ خصم کے منہ سے جو کچھ نکلے گا اس کو رد ہی کریں گے خواہ حق ہو یا باطل ہو۔ افسوس تو یہ ایک تیسرا درجہ ہے جو پہلے زمانہ میں نہ تھا یہ آج پیدا ہوا ہے کہ مناظرہ میں ہر شخص یہ ٹھان لیتا ہے کہ دوسرے کے منہ سے جو کچھ نکلے اس کو رد ہی کرنا چاہیے اگرچہ وہ حق بات ہی ہو۔ "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) (تعظیم العلم ج ۲۷)

حضرات اکابر دیوبند کی بے نفسی

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سے ایک معقولی صاحب آ کر لپٹ گئے کہ میں آپ سے مناظرہ کروں گا' مولانا نے فرمایا کہ مناظرہ سے دو مقصود ہوتے ہیں ایک اظہار حق یہ تو آج کل مفقود ہے دوسرے بڑا بننا اور اپنی شان علم جتلانا آج کل زیادہ تر یہی مقصود ہوتا ہے تو اس کیلئے آپ کو مناظرہ کی ضرورت نہیں' فضول کیوں مشقت میں پڑتے ہیں۔ بآواز بلند کہے دیتا ہوں کہ صاحبو! آپ مجھ سے زیادہ عالم ہیں میں جاہل ہوں مجھے کچھ نہیں آتا بس آپ کا مقصود حاصل ہو گیا۔ چنانچہ مولانا نے بآواز بلند یہ مضمون فرما دیا اور وہ معقولی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ سبحان اللہ! یہ حضرات کیسے بے نفس تھے اپنے آپ کو بالکل مٹائے ہوئے تھے۔ حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ (مولانا محمد یعقوب صاحب) کی عادت تھی کہ درس میں اگر کسی طالب علم نے

آپ کی تقریر پر اعتراض کیا اور آپ کو معلوم ہو گیا کہ مجھ سے تقریر میں غلطی ہوئی ہے تو فوراً اپنی غلطی کا اعتراف فرما لیتے تھے پھر ایک دفعہ نہیں بلکہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد بار بار فرماتے تھے کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی یہاں تک کہ اعتراض کرنے والا شرما شرما جاتا تھا اور بعض دفعہ جب کسی مضمون میں پڑھاتے ہوئے شرح صدر نہ ہوتا تو صاف فرما دیتے کہ مجھے اس مقام پر شرح صدر نہیں ہوا پھر اسی پر بس نہیں کرتے تھے بلکہ عین درس میں طلبہ کے سامنے کتاب اٹھا کر اپنے ماتحت مدرسین میں سے کسی کے پاس پہنچ جاتے اور بے تکلف فرما دیتے کہ مولانا مجھے اس مقام پر شرح صدر نہیں ہوا ذرا آپ اس کی تقریر فرما دیجئے۔ انہوں نے تقریر کر دی تو پھر اپنے حلقہ درس میں انہی صاحب کا نام لے کر فرماتے کہ مولانا نے اس مقام کی یہ تقریر کی حقیقت میں ایسا بے نفس ہونا بڑا مشکل ہے آج کل لوگ اس کو ذلت سمجھتے ہیں مگر واللہ عزت وتواضع ہی میں ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے: "من تواضع للّٰه رفعه اللّٰه" (جو شخص اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو رفعت عطا فرماتے ہیں) آخر ان حضرات نے جو ایسی بے نفسی اختیار کر رکھی تھی کیا اس سے ان کی جاہ وعزت میں کچھ کمی آ گئی بخدا پہلے سے زیادہ عزت ہو گئی کہ آج ان کی یہ باتیں کمالات اور کرامات میں شمار ہو رہی ہیں لیکن طلبہ کیساتھ یہ برتاؤ اسی وقت تک ہونا چاہیے جب کہ سوال صحیح ہو۔ (تعظیم العلم ج ۲۷)

مسلمان کی اصل کامیابی

مسلمان کی اصل کامیابی رضائے حق ہے اور اس کی اصل کوشش اس کی طلب ہے جس کا طریق اتباع احکام ہے خواہ دنیا میں کسی حال میں رہے اور اس حالت میں جو حظ اور راحت مومن کو ہوتی ہے وہ سب کامیابیوں سے بڑھ کر ہے اسی بناء پر حق تعالیٰ نے ایمان واعمال کے ثمرات میں راہ حق پر ہونے کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ارشاد ہے: "اُولٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔) (تعظیم العلم ج ۲۷)

منتظر سلام رہنا تکبر کی علامت ہے

ہم لوگوں کی کیفیت یہ ہے کہ علم دین پڑھ کر ہم اس کے منتظر رہتے ہیں کہ لوگ ہم کو

سلام کریں کیونکہ یہ دنیا دار ہیں اور ہم دیندار ہیں۔ نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سو اس قسم کے لوگ متکبر ہیں اور زیادہ وجہ اس انتظار کی یہ ہوتی ہے کہ اپنے کو عالم سمجھتے ہیں مگر صاحبو! یہ کہاں لکھا ہے کہ جاہل عالم کو سلام کرے ہاں یہ لکھا ہے کہ سوار پیادے کو سلام کرے آنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے مگر یہ کہیں نہیں کہ جاہل عالم کو سلام کرے بلکہ دونوں کے ذمہ برابری ضروری ہے تو یہ انتظار تکبر نہیں تو کیا ہے۔ (طلب العلم ج ۲۷)

فقراء کا تکبر عجیب ہے

اس وقت تو فقراء بھی الا ماشاء اللہ تکبر وغیرہ بہت سی خرابیوں میں مبتلا ہیں اور فقراء کا تکبر بہت ہی عجیب ہے کیونکہ فقیری کا تو حاصل یہ ہے کہ اپنے کو مٹایا جائے تو یہ فقیر ہو کر بھی نہ مٹے' غرض سب قابل الزام ہیں کہ معاشرت واخلاق وغیرہ کو سب نے دین سے نکال دیا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جس کو دین سمجھتے ہیں اس کی بھی تحقیق نہیں جیسے نماز مثلاً اور ان میں بھی سب سے زیادہ خاص ان لوگوں کی شکایت ہے جو نمازی بھی ہیں کہ باوجود اس کے پڑھنے کے کوئی مسئلہ کبھی کسی عالم سے دریافت نہیں کرتے۔ خدا جانے ان کو کبھی کوئی شبہ ہی نہیں ہوتا یا خود سارے مسائل معلوم ہیں یہ تو کہا نہیں جا سکتا کہ سارے مسائل ان کو معلوم ہیں کیونکہ نماز کے متعلق اتنے مسائل ہیں کہ اب تک بھی مجھے کتاب دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو جو لوگ نہ لکھے نہ پڑھے ہیں ان کو کیونکر معلوم ہو گئے۔ اصل بات یہ ہے کہ جی کو سمجھا لیا ہے کہ یوں بھی ہو جاتی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دین کی طلب نہیں یہی ہے وہ مرض جس کو میں بیان کر رہا ہوں اور اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس تقریر کو پھر پیش نظر کر لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں پر طلب دین کو فرض کر رہے ہیں اس حد تک کہ کبھی طالب کا پیٹ نہ بھرے تو ہر مسلمان پر فرض ہوا کہ کتنی ہی عمر ہو جائے برابر دین کی طلب میں رہے اس سے کوئی ڈرے نہیں کہ انہوں نے مولویت ہی کو فرض کر دیا۔ (طلب العلم ج ۲۷)

شکر کا مفہوم

شکر کے معنی ہیں منعم کے۔ انعام کے جواب میں منعم کا دل سے یا زبان سے یا ہاتھ پاؤں سے کوئی ایسا فعل کرنا جس سے منعم کی عظمت ظاہر ہوتی ہو (شکر المثنوی ج ۲۷)

حق سبحانہ فرماتے ہیں:

مَایَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَۃٍ فَلاَ مُمْسِکَ لَھَا وَمَا یُمْسِکْ فَلاَ مُرْسِلَ لَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۝

یعنی حق سبحانہ جس چھوٹی یا بڑی نعمت کو کھول دیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جس کو وہ بند کر دیں اس کو کوئی چھوڑنے والا نہیں اور وہی غالب مطلق اور حکیم مطلق ہیں۔ نیز فرماتے ہیں: "مَآ اَصَابَکُمْ مِنْ نِّعْمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ" یعنی جو نعمت تم کو ملی وہ حق سبحانہ کی طرف سے ہے ان نصوص میں تصریح ہے کہ ہر نعمت خواہ علم ہو یا کچھ اور اسی کے اختیار میں ہے اور بدوں اس کے دیئے کسی کو نہیں مل سکتے۔ پس بجائے اس کے ناز کیا جاوے ہم کو حق سبحانہ کا شکر کرنا چاہیے کہ اس نے ہم پر انعام کیا اور ہم سے یہ خدمت لی ہم کو ناز کا کیا حق ہو سکتا ہے جب کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ارشاد ہوتا ہے: "لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْھَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ"

"یعنی اے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہم چاہیں تو جو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجی ہے اسے سلب کر لیں۔" (شکر المثنوی ج ۲۷)

اہل علم میں اخلاق حسنہ کی کمی پر اظہار افسوس

اے صاحبو! اہل علم میں جو فضائل ہونا چاہیے وہ ہمارے اندر کہاں ہیں، صبر کہاں ہے، شکر کہاں ہے، تواضع کہاں، حب جاہ سے نفرت اور خموں کی رغبت جو مسلمان ہم سے ملتے ہیں ہم خود ان سے تعظیم کے طالب ہوتے ہیں اگر کوئی ایک مرتبہ ہم کو بلاوے اور نذر دے دوسری دفعہ اگر بلائے گا تو خیال ہوتا ہے کہ اب کی مرتبہ بھی نذر ملے گی اور اگر نہیں دیتا تو قلب میں شکایت ہوتی ہے اور بعضے زبان سے بھی ظاہر کر دیتے ہیں اور یہ حالت میں عام واعظوں کی بیان نہیں کرتا ان کے حالات تو اس سے بھی زیادہ ناگفتہ بہ ہیں۔ یہ تو ان علماء کی حالت ہے جو علم کے ساتھ مشیخت کی مسند پر بھی بیٹھے ہیں اور لوگوں کے مقتدا بنے ہیں تو آخر یہ کیا بات ہے یہ کیا آفت ہے۔ بس بات یہ ہے کہ علم ہمارے صرف زبان پر ہے ہمارے اندر نہیں پہنچا۔ اگر قلب میں اس کا اثر ہوتا اور قلب اس سے رنگین ہوتا تو ہماری یہ حالت نہ ہوتی۔

علم چوں برتن زنی مارے بود　　　علم چوں بردل زنی یارے بود

(علم کو اگر دل پر مارو تو دوست بن جاتا ہے اور علم کو اگر بدن پر مارو تو سانپ بن جاتا ہے)

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت   رنگ گمراہی زدل بزدایدت

(علم وہ ہے جو تجھے راستہ دکھادے اور تیرے دل سے گمراہی کا رنگ دور کرے)

ایں ہوسہا از سرت بیروں کند   خوف وخشیت دردلت افزوں کند

(یہ علم تمام خواہشات نفسانی کو باہر نکال دیتا ہے اور خوف وعاجزی کو تیرے دل کے اندر زیادہ کرتا ہے)(مظاھر الاحوال ج ۲۷)

ٹھنڈا پانی پینے میں حکمت

ایک بزرگ نے سنا کہ فلاں صوفی شوربے میں پانی ملا کر کھاتا ہے فرمایا وہ طفل مکتب ہے وہ اس تجلی کو معطل کرتا ہے جو شوربے کی لذت میں ظاہر ہے ہمارے حاجی صاحب رحمہ اللہ کا ارشاد جو خود مجھ سے فرمایا میاں اشرف علی پانی جب پیو خوب ٹھنڈا پینا ہر بن مو سے الحمدللہ نکلے گا اور گرم پانی پیو گے تو زبان تو الحمدللہ کہے گی مگر دل اس کا ساتھ نہ دے گا۔ یہ ہیں حقائق جن کو محقق ہی سمجھتا ہے۔(تقلیل الکلام ج ۲۷)

بیت المال میں ضرورت احتیاط

حضرت عمر فاروقؓ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان سے ملنے کو آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو اندر بلالیا اور ان کے آتے ہی چراغ گل کر دیا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ میرے آتے ہی آپ نے چراغ کیوں گل کر دیا فرمایا کہ اس میں بیت المال کا تیل ہے اور میں اس وقت بیت المال ہی کا کام کر رہا تھا اب چونکہ ہم اور آپ باتیں کریں گے اور یہ کام بیت المال کا نہیں ہے اس لئے اس تیل سے بات چیت میں انتفاع نہیں کر سکتے حضرت آپ کو اس پر بھی تعجب ہوگا مگر اس کی وجہ وہی ہے کہ آپ کو شریعت کے اصول وقواعد معلوم نہیں اور جو معلوم بھی ہیں تو ان پر عمل کا اہتمام نہیں ہے، شاید یہاں کسی کو یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ اتنی احتیاط کس سے ہو سکتی ہے یہ تو قدرت سے باہر ہے تو سن لیجئے کہ قدرت سے باہر تو نہیں ہاں دشوار ضرور ہے مگر دشواری اسی وقت تک ہے جب تک آپ نے ہمت نہیں کی ذرا ہمت کر کے عمل شروع کیجئے ان شاء اللہ قدم قدم پر غیب سے اعانت ہوگی۔(اسباب الفتنہ ج ۲۸)

ہمت وارادہ پر نصرت خداوندی

چنانچہ میں اپنا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ ہمت وارادہ کے بعد حق تعالیٰ کیسی امداد فرماتے ہیں۔

بارہ اکبر پور ایک مقام ہے اس کے قریب ایک چھوٹا سا اسٹیشن لالپور ہے ایک دفعہ میں بارہ سے وہاں پہنچا اور بارش کے سبب وقت سے بہت پہلے پہنچا اتفاق سے جس وقت میں پہنچا بارش ہونے لگی اور اسٹیشن کا سائبان بوچھار سے نہ بچا سکتا تھا۔ اکبر پور میں ایک منصف صاحب میرے جاننے والے تھے ان کو اطلاع ہوگئی تو انہوں نے اسٹیشن ماسٹر کو لکھ دیا کہ یہ ہمارے دوست ہیں ان کی راحت کا کافی انتظام کیا جائے۔ اس غریب نے ہمارے واسطے ایک بڑا کمرہ کھلوا دیا شام ہوئی تو چوکیدار سے کہا کہ کمرہ میں روشنی کردو اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ غالباً اس وقت ہمارے واسطے سرکاری تیل جلا کر روشنی کی جاوے گی جو شرعاً جائز نہیں کیونکہ سرکاری تیل سرکاری کاموں کے واسطے دیا جاتا ہے نہ کہ مسافروں کی خاطر رات بھر جلانے کے واسطے اب اگر اسٹیشن ماسٹر مسلمان ہوتا تو میں بے تکلف اس سے کہہ دیتا کہ ہمارے واسطے سرکاری تیل کا جلانا جائز نہیں مگر وہ ہندو تھا میں نے سوچا کہ اس کے سامنے شرعی مسئلہ بیان کروں تو یہ کیا سمجھے گا بلکہ عجب نہیں کہ تمسخر کرنے لگے غرض جب کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی تو میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ اس وقت آپ ہی مجھ کو گناہ سے بچایئے میری کوشش تو بے کار ہے۔ میں دل دل میں دعا ہی کر رہا تھا کہ دفعۃً اسٹیشن ماسٹر نے ملازم سے کہا کہ دیکھو سرکاری تیل نہ جلانا ہماری ذاتی لالٹین رکھ دینا۔ اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اگر انسان ہمت وارادہ کرے تو خدا تعالیٰ مدد کرتے ہیں اس لئے آپ گھبرائیں نہیں بلکہ ہمت سے کام لینا چاہئے۔ دنیا کے کاموں میں تو آپ کبھی ہمت نہیں ہارتے بڑے سے بڑا اور مشکل سے مشکل کام شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ السعی منی والاتمام من اللہ (میرا کام کوشش کرنا ہے پورا کرنا اللہ کا کام ہے) چنانچہ اس نیت کی برکت سے کامیاب بھی ہوتے ہیں مگر دین کے کاموں میں ہمت نہیں کرتے۔ (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

حضرت گنج مرادآبادیؒ کی سادگی

مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب میں یہی بات تھی کہ ان کا غصہ اور تیزی سادگی کے

ساتھ تھی اس لئے کسی کو ناگواری نہ ہوتی تھی بعض دفعہ وہ بڑے بڑے عہدہ داروں کو ایسی تیز تیز باتیں فرمادیا کرتے تھے کہ ہم ویسی باتیں کہیں تو ایک دن میں بدنام ہو جائیں۔

ایک مرتبہ وزیر حیدرآباد مولانا کے یہاں حاضر ہوئے تو آپ فرماتے ہیں ارے نکالو ارے نکالو، صاحبزادے نے عرض کیا حضرت حیدرآباد کے وزیر ہیں فرمایا ارے تو میں کیا کروں میں کیا ان سے تنخواہ پاتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا اچھا رات کے دو بجے تک رہنے کی اجازت ہے اس کے بعد چلے جائیں، بے چارے وزیر نے اسی کو غنیمت سمجھا اور اس کی تہذیب دیکھئے کہ رات کے ۲ بجے فوراً چلا گیا خدام نے کہا بھی کہ صبح کو چلے جایئے گا۔ اب تو مولانا سو رہے ہیں انہیں کیا خبر ہوگی کہا نہیں یہ بے ادبی ہے بزرگوں کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرنا چاہئے، اب حضرت کی اجازت نہیں ہے میں نہ ٹھہروں گا تو مولانا بڑے سے بڑے کو ایسی تیز تیز کہہ دیتے تھے اور کچھ ناگوار نہ ہوتا تھا۔

ایک دفعہ لیفٹیننٹ گورنر نے آپ کی زیارت کو آنا چاہا اور اپنے سیکرٹری کے ذریعہ سے باقاعدہ اجازت حاصل کی مولانا نے اجازت دے دی اور لوگوں سے فرمایا وہ ہم کو کیا جانیں لوگوں نے عرض کیا حضرت آپ کو تو سارا زمانہ جانتا ہے پھر فرمایا کہ وہ بیٹھیں گے کہاں ہمارے یہاں تو سونے کی کرسی بھی نہیں۔ خدام نے عرض کیا کہ حضرت وہ لکڑی کی کرسی پر بھی بیٹھ جاویں گے فرمایا اچھا۔ پھر فرمایا کہ کیا ہم لیفٹیننٹ گورنر کو دروازہ تک لینے جاویں، عرض کیا گیا کہ اگر مزاج چاہے تو مضائقہ بھی نہیں، یہ باتیں ان کے آنے سے پہلے ہو رہی تھیں، مگر کچھ دیر کے بعد مولانا بھول بھال گئے اور جب وہ تاریخ آئی جس میں لیفٹیننٹ گورنر آنے والے تھے تو حضرت نے نہ کچھ سامان کیا نہ استقبال کیا بلکہ اپنی جگہ سے اٹھے تک نہیں جیسے بیٹھے تھے ویسے ہی بیٹھے رہے لیفٹیننٹ گورنر تو بیٹھ گئے باقی سب انگریز جو ان کے ساتھ تھے کھڑے رہے ایک میم بھی کھڑی رہ گئی تو مولانا نے ایک الٹے گھڑے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا بی تو اس پر بیٹھ جا وہ اس پر بیٹھ گئی پھر لیفٹیننٹ گورنر نے عرض کیا کہ حضرت ہمیں کچھ وصیت فرمایئے فرمایا تم کو اللہ تعالیٰ نے حکومت دی ہے دیکھو ظلم مت کرنا ورنہ تم سے حکومت چھن جائے گی۔ پھر اس نے کہا کہ حضرت ہمیں کچھ تبرک عطا فرمایا جائے، آپ نے فرمایا مجھ غریب کے پاس تمہارے دینے کو کیا رکھا ہے، پھر خادم سے پکار کر فرمایا ارے مٹھائی کی ہنڈیا

میں کچھ چورا پڑا ہوتو ان کو دیدے یہ مانگ رہے ہیں چنانچہ وہ چورا تھوڑا تھوڑا سب کو بانٹا گیا اور سب نے نہایت ادب سے اس کولیا میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ لیفٹیننٹ گورنر کو مولانا کے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی کیا مولانا حاکم تھے یا نواب اور رئیس تھے کچھ بھی نہیں پھر آخر یہ دل کشی کس چیز کی تھی کہ مسلم اور غیر مسلم ان کے دروازے پر آتے تھے۔

صاحبو! یہ سادگی ہی کی دل کشی تھی تکلف اور تصنع سے یہ بات پیدا نہیں ہوا کرتی اسی کو فرماتے ہیں۔

دل فریبان نباتی ہمہ زیور بستند　　دلبر ماست کہ باحسن خدا داد آمد

زیر بارند درختاں کہ ثمرہا دارند　　اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

(دل فریبان نباتی زیور متعارف سے مزین ہیں ہمارے محبوب میں حسن خداداد ہے جو درخت پھلدار ہیں وہ زیر بار ہیں سرو بہت اچھا ہے کہ ہر غم سے آزاد ہے) (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

حضرت حاتم اصمؒ کی حکایت

مجھے حضرت حاتم اصمؒ کی حکایت یاد آئی کہ ایک شخص نے مجمع میں ان کے سامنے ہدیہ پیش کیا اول تو انہوں نے قبول سے انکار کیا اس نے اصرار کیا تو آپ نے لے لیا۔ لوگوں نے بعد میں پوچھا کہ حضرت اگر آپ کو لینا ہی تھا تو پہلے انکار کیوں کیا اور جو نہ لینا مقصود تھا تو بعد میں کیوں لے لیا۔ آپ نے فرمایا کہ اصل میں تو مجھ کو لینا مقصود نہ تھا اس لئے انکار کر دیا تھا مگر پھر میں نے دیکھا کہ اس وقت مجمع میں ہدیہ رد کر دینے سے اس شخص کی ذلت ہوگی اور میری عزت اور لے لینے سے میری ذلت ہوگی کہ انکار کے بعد لے لیا اور اس کی عزت ہوگی تو میں نے اپنے بھائی کی عزت کو اپنی عزت پر ترجیح دی اب ہماری یہ حالت ہے کہ دلجوئی کریں گے تو ایسی کہ حرص میں مبتلا ہو جائیں گے پس جو آیا لے لیا چاہے حرام ہو یا حلال واپس کرنا جانتے ہی نہیں یا استغناء برتتے ہیں تو ایسا جو کبر تک پہنچ جاتا ہے استغناء میں چونکہ اپنی عزت ہوتی ہے اور ایک قسم کا حظ حاصل ہوتا ہے اس لئے اس میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں کہ پھر کسی کا دل توڑنے کی بھی پروا نہیں کرتے غرض ہماری کوئی بات اعتدال کی نہیں بس یہ حالت ہے۔

چوں گرسنہ میشوی سگ میشوی　　چونکہ خوردی تند و بدرگ میشوی

(جب بھوکا ہوتا ہے تو کتے جیسا ہو جاتا ہے اور جب شکم سیر ہوتا ہے تو مغرور و متکبر بن جاتا ہے) (اسباب الفتنہ ج ۲۸)

ذکر ریائی

مولانا جامیؒ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص ریا سے ذکر کرتا ہے فرمایا وہ تم سے پھر بھی اچھا ہے کہ خدا کا نام تو لیتا ہے تم تو ریا سے بھی خدا کا نام نہیں لیتے قیامت میں اس کا ذکر ریائی ٹمٹماتا ہوا چراغ بن کر پل صراط سے اس کو پار کردے گا مگر تمہارے پاس تو ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی نہیں یہ ہیں محقق لوگ جو اعمال صالحہ کی اتنی قدر کرتے ہیں غرض کام نہ کرنے والے سے پھر بھی بہت اچھا ہے کہ کچھ کرتا تو ہے اور جو بالکل نہیں کرتا وہ تو بالکل محروم ہے حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے ایک مجمع صلحاء کے بارے میں جو ایک دینی کام کے لئے اٹھے تھے مگر ناکام رہے طعن کے طور پر کہا کہ ان لوگوں نے ناحق اس میدان میں قدم ڈالا بھلا کیا حاصل ہوا تو مولانا نے اس کے جواب میں سودا کا یہ قطعہ پڑھ دیا۔

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن　　بازی اگرچہ پانہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز　　اے روسیا تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

(الحج ج ۲۸)

کہ مرکوبات ان نعمتوں میں سے ہیں جن کے ساتھ تلبس کم ہے یعنی رکوب کے اعتبار سے کم ہے۔ اسی لئے نکاح پر شکر کیا جاتا ہے گھر بنا کر شکر کیا جاتا ہے اور سواری کا جانور خریدتے وقت تو شاید شکر کر لیا جاتا ہو مگر سواری کے وقت بہت کم شکر کرتے ہیں اس کی یہی وجہ ہے کہ نعمت مرکوب کی طرف التفات کم ہے (النعم المرغوبہ فی النعم المرکوبہ ج ۲۸)

لطیفہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ

ایک لطیفہ یاد آیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میرے باپ یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو جیسا کہ ایک اعرابی نے مجھ کو تسلی دی ایسی کسی نے نہیں دی سچ یہ ہے کہ دیندار خواہ گاؤں کا ہو یا شہر کا اس کا فہم چونکہ دین کی وجہ سے درست ہو جاتا ہے اس لئے وہ حقائق امور کو خوب سمجھتا ہے وہ مضمون تسلی کا یہ ہے

اصبرتکن بک صابرین فانما　　صبر الرعیة بعد صبرالراس

خیر من العباس اجرک بعده　　واللّٰه خیر منک للعباس

مطلب یہ ہے کہ اب صبر کیجئے ہم بھی آپ کی وجہ سے صبر کریں گے کیونکہ چھوٹوں کا صبر بڑے کے صبر کے بعد ہوتا ہے اور اس واقعہ میں نہ تمہارا کچھ نقصان ہوا بلکہ نفع ہی ہے اور وہ نفع یہ ہے کہ تم کو ثواب ملا اور وہ ثواب تمہارے لئے حضرت عباسؓ سے بہتر ہے اور حضرت عباسؓ کا بھی کچھ نقصان نہیں ہوا اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مل گئے اور اللہ تعالیٰ عباسؓ کے لئے تم سے بہتر ہے یعنی تمہارے پاس رہنے سے اللہ کے پاس رہنا بہتر ہے یہ عجیب مضمون ہے۔(غض البصر ج ۲۸)

شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی حکایت متعلق پردہ پوشی

مجھے مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت یاد آئی شاہ صاحب مسجد میں بیٹھ کر حدیث کا درس دیا کرتے تھے ایک مرتبہ حسب معمول حدیث کا درس ہو رہا تھا کہ ایک طالب علم وقت سے دیر کر کے سبق کے لئے آئے حضرت شاہ صاحب کو منکشف ہو گیا کہ یہ جنبی ہے غسل نہیں کیا وہ طالب علم معقولی تھے معقولی ایسے ہی لاپروا ہوتے ہیں شاہ صاحب نے مسجد سے باہر ہی روک دیا اور فرمایا کہ آج تو طبیعت سست ہے جمنا پر چل کر نہائیں گے سب لنگیاں لے کر چلو سب لنگیاں لے کر چلے اور سب نے غسل کیا اور وہاں سے آ کر فرمایا کہ ناغہ مت کرو کچھ پڑھ لو وہ طالب علم ندامت سے پانی پانی ہو گیا اہل اللہ کی یہ شان ہوتی ہے کیسے لطیف انداز سے اس کو امر بالمعروف فرمایا اور جب بزرگوں کی شان معلوم ہو گئی کہ وہ کسی کو رسوا نہیں کرتے تو اب مستفیدین کو بھی چاہیے کہ ایسے شیوخ سے اپنے عیب کو نہ چھپایا کریں اس لئے کہ عیب ظاہر نہ کرنا دو وجہ سے ہوتا ہے یا تو خوف ہوتا ہے کہ یہ ہم کو حقیر سمجھیں گے سو ان حضرات میں نہ تو یہ بات ہے کہ کسی کو حقیر سمجھیں اس لئے کہ یہ حضرات سوائے اپنے نفس کے کسی کو حقیر نہیں سمجھتے اور یا یہ خوف ہوتا ہے کہ کسی کو اطلاع کر دیں گے سو نہ ان حضرات میں یہ بات ہے اس لئے ان سے صاف کہہ دینا چاہئیے مگر یہ اظہار معالجہ کے لئے ہے نہ کہ بلا ضرورت کیونکہ بلا ضرورت گناہ کو ظاہر کرنا بھی گناہ ہے اور بضرورت ظاہر کرنے کے حق میں حضرت عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

چنداں کہ گفتیم غم باطبیباں درماں نکردند مسکیں غریباں
ماحال دل را با یار گفتیم نتواں نہفتن درد از حبیباں

(ہر چند کہ طبیبوں کے پاس ہم نے اپنا غم بیان کیا لیکن انہوں نے ہم مسکینوں

غریبوں کے درد کا درماں نہ کیا، ہم اپنے دل کا اپنے محبوب دوست سے بیان کریں گے محبوبوں سے اپنا درد نہ چھپانا چاہئیے)

غرض چونکہ وہ لوگ کسی کو فضیحت نہیں کرتے اور جو فضیحت کرنے والے ہیں ان کو اطلاع نہیں ہوتی اس لئے یہ گناہ بدنگاہی کا اکثر چھپا ہی رہتا ہے اس لئے لوگ بے دھڑک اس کو کرتے ہیں۔(غص البصر ج ۲۸)

ہر گناہ کی توبہ الگ ہے

یہ یادرکھئے کہ ہر گناہ سے توبہ کرنے کا طریقہ الگ ہے اگر جھوٹ بولا ہے تو اس کی توبہ یہ ہے کہ حق تعالٰی سے استغفار کرلو اور اگر غیبت کی ہے تو اس کے لئے صرف استغفار کافی نہیں بلکہ جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی بھی چاہو مگر معافی چاہنے میں اس کی ضرورت نہیں کہ اس سے یوں کہو کہ میں نے تیری فلاں فلاں غیبت کی ہے اور تجھے یوں برا بھلا کہا ہے کیونکہ اس تفصیل سے خواہ مخواہ اس کو ایذا دینا ہے ممکن ہے کہ اب تک اس کو غیبت کی اطلاع بھی نہ ہوئی ہو تو تم خود کہہ کر اس کا دل کیوں دکھاتے ہو بلکہ اجمالاً معافی چاہ لو کہ میرا کہا سنا معاف کردو اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جن لوگوں کے سامنے تم نے غیبت کی تھی ان کے سامنے اس کی مدح وثنا بھی کرو اور پہلی بات کا غلط ہونا ظاہر کردو اور اگر وہ بات غلط نہ ہو سچی ہو تو یوں کہہ دو کہ بھائی میری اس بات پر اعتماد کرکے تم فلاں شخص سے بدگمان نہ ہونا کیونکہ مجھے خود اس پر اعتماد نہیں رہا (یہ توریہ ہوگا کیونکہ سچی بات پر بھی اعتماد قطعی بدوں وحی کے نہیں ہوسکتا) اور وہ مرگیا ہو جس کی غیبت کی تھی تو اب غیبت کے معاف کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے لئے دعاواستغفار کرتے رہو یہاں تک کہ دل گواہی دے دے کہ اب وہ تم سے راضی ہوگیا ہوگا غرض حفاظت لسان کی سخت ضرورت ہے جتنے گناہ زبان سے ہوتے ہیں اور کسی عضو سے نہیں ہوتے ہیں سب کی تفصیل کہاں تک بیان کروں اگر تفصیل دیکھنے کا شوق ہو تو امام غزالیؒ کی کتاب ''احیاء العلوم'' میں باب آفات اللسان دیکھو اور ''ضمان الفردوس'' ایک رسالہ اردو میں ہے اس کا مطالعہ کرو۔(مطاهر الاقوال ج ۲۸)

غیبت محرمہ

غرض دینی ضرورت سے اگر کسی کی غیبت کرے تو جائز ہے مگر ضروری ہونے کے

ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ وہ بات محقق ہوگئی جو تم بیان کرنا چاہتے ہو اگر دینی ضرورت نہیں بلکہ محض نفسانیت ہی نفسانیت ہے تو اس صورت میں امر محقق کا بیان کرنا بھی جائز نہیں کہ یہ غیبت محرمہ ہے اور بلا تحقیق کوئی بات کہی جائے تو بہتان ہے (مطاهر الاقوال ج ۲۸)

تواضع حاصل کرنے کا طریقہ

اور تواضع محض کتابیں پڑھنے سے نہیں حاصل ہوتی بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس کو مولانا فرماتے ہیں۔

قال را بگذار و مرد حال شو   پیش مردے کاملے پامال شو

یعنی تواضع حال سے پیدا ہوتی ہے اور حال کسی کامل کی جوتیاں سیدھی کرنے سے حاصل ہوتا ہے پس تواضع حاصل کرو اور اپنی بات غالب کرنے کے لئے مباحثہ کبھی نہ کرو ایک گناہ زبان کے متعلق یہ ہے کہ کسی کو کوسا جائے یا کسی کو طعنہ دیا جائے یا اس کے عیب کو جتلایا جائے میں سب کی تفصیل کہاں تک بیان کروں بس۔ (مطاهر الاقوال ج ۲۸)

غرباء میں بھی مرض حب جاہ ہوتا ہے

ایک سب انسپکٹر صاحب تھے ان کے یہاں کوئی تقریب تھی تو انہوں نے تمام برادری کو جمع کیا ایک شخص برادری میں اندھے اور بہت ہی غریب تھے وہ نہیں آئے وہ دل کے بھی اندھے ہی تھے حسد ان پر غالب ہوا اور شرکت سے انکار کر دیا بعضے آدمیوں میں یہ ایسی بدخصلت ہوتی ہے کہ ہیں تو دو کوڑی کی حیثیت کے مگر ایسے موقعوں پر بڑی آن بان دکھاتے ہیں اور ایسے موقعوں کے منتظر رہتے ہیں ویسے تو ان کو کوئی پوچھتا نہیں جب ایسے مجمعوں میں نہیں آتے تو خواہ مخواہ غل مچتا ہے اور شہرت ہو جاتی ہے (گو بدنامی اور برائی کے ساتھ ہو) بس اسی کی اصلیت حب جاہ وشہرت ہے حب جاہ کچھ بڑے ہی آدمیوں کے ساتھ خاص نہیں ایک فقیر میں بھی ہو سکتی ہے جب وہ نہ آئے تو سب انسپکٹر صاحب جیٹھ بیساکھ کی دھوپ میں دوپہر کے وقت ان کو منانے کو گئے اور مسجد دروازہ پر تھی کبھی مسجد میں آنے کی توفیق نہ ہوئی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس کام کی ضرورت آدمی کے ذہن میں ہو اس میں دھوپ مانع نہیں ہوتی اگر دھوپ واقعی مانع ہے گھر سے نکلنے کو تو اس میں مانع کیوں نہ ہوئی یہ سب عذر

بارد ہیں اور حیلے ہیں دنیا کے کاموں میں بھی یہ حیلے چل جاویں تو جانیں اس کا کسی کے پاس کیا جواب ہے دین کے لئے ذراسی بھی مشقت کسی سے نہیں اٹھتی ۔(مطاہر الاقوال ج ۲۸)

درستی باطن کا خلاصہ

صاحبو! باطن کی درستی کا خلاصہ ایک لفظ میں ہے یعنی محبت الٰہی باطن کی درستی کے مدعی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ان کے قلب میں محبت الٰہی موجود ہے اس بے فکری اور موٹا پے پر یہ دعویٰ کس قدر بے محل ہے خدا جانتا ہے کہ محبت تو وہ چیز ہے کہ آدمی کو کانٹا بنادیتی ہے موٹا پا تو بے فکری سے پیدا ہوتا ہے اور محبت میں بے فکری کہاں اہل محبت کی حالت تو یہ ہوتی ہے ۔

داما دم شراب الم درکشند　　　وگر تلخ بینند دم درکشند

(ہر دم رنج والم کی شراب پیتے ہیں اور جب اس میں رنج کی کڑواہٹ دیکھتے ہیں تو خاموش ہو رہتے ہیں)(مطاہر الاقوال ج ۲۸)

اہل اللہ کی زندگی پُر لطف ہونے کا راز

راحت کی کنجیاں حق تعالیٰ کے پاس ہیں یہ ایسی موٹی بات ہے کہ جو خدا کا قائل ہے وہ اس سے انکار کر ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ ہر چیز کا مالک خدا تعالیٰ کو مانے گا اور کنجی والے سے قفل کے اندر کی چیز لینے کا طریقہ عقلاً یہی ہے کہ اس کو راضی کیا جاوے اگر کوئی کہے کہ کبھی کنجی چھین کر بھی تو اندر کی چیز لی جاسکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جب ہوسکتا ہے جب کہ کنجی والا اس سے کمزور ہو اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کسی سے کمزور نہیں تو حق تعالیٰ سے اگر کنجی کے اندر کی چیز مل سکتی ہے تو رضا ہی سے مل سکتی ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی راحت کا طالب ہو اور وہ خدا کو بلا راضی کئے راحت کو حاصل کر لے یہ الٹی چال سائنس کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی خلاف کہاں گئی عقل جب طاعت ہی سعادات دنیویہ واخرویہ کی شرط ٹھہری اور اطاعت نام ہے عمل کا جس کا بڑا حصہ اعمال ظاہری ہیں تو ظاہر کا ضروری ہونا صاف واضح ہو گیا اور اس باب میں نصوص اس قدر ہیں کہ ان کا احصاء نہیں ہوسکتا پس نصوص کا اگر انکار ہے تو کفر صریح ہے اور اگر تاویل ہے تو بلا عمل کے کوئی عقلمند بنتا ہو یا تعلیم یافتہ یا دیندار یا مقتدا بنتا ہو کسی شمار میں بھی نہیں اور وہ غلطی میں مبتلا ہے اور نفس نے اس کو دھوکہ میں ڈال رکھا

ہے ان نصوص میں ایسی من گھڑت تاویلیں کرنا بمقابلہ تمام اُمت سلف اور خلف کے غیر مقبول اور الحاد اور زندقہ ہے غرض نصوص سے بھی ظاہر کی ضرورت ثابت ہے ادھر سائنس سے بھی اوپر ثابت ہو چکا کہ نرے خیالات کسی کام کے لئے کافی نہیں بلکہ ان خیالات کو درجہ عمل میں آنے کی ضرورت ہے اور بلا اس کے کوئی ترقی نہیں ہو سکتی تو دین کے لئے نرے باطن کی ضرورت کا قائل ہونا کیسے صحیح ہوگا اور ظاہر کیسے اڑ جاوے گا مدعیان تعلیم ذرا غور کریں۔(الظاهر ج ۲۸)

اللہ تعالیٰ کے عاشق صادق بننے کی ضرورت

میں طلباء سے کہتا ہوں کہ تم کسی کی تحقیر کی پروانہ کرو، اگر کوئی تمہارے طرز میں عیب نکالے نکالنے دو، تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کافی ہے، تم ان کو راضی کرنے کی فکر کرو اور یاد رکھو کہ عشق میں تو ملامت ہوا ہی کرتی ہے تم خدا تعالیٰ کے عاشق بننا چاہتے ہو تو ملامت سننے کے لیے تیار رہو۔

نسازد عشق را کنج سلامت   خوشار سوائی کوے ملامت

(عشق کے لیے گوشہ سلامتی لائق نہیں اس میں تو رسوائی کے کوچہ کی ملامت بہت اچھی ہے)

اور اگر کوئی تم کو نحوست ونکبت سے مطعون کرے یا کوئی دیوانہ کہے تو تم اس کو یہ جواب دو۔

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم   مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

(ہم اگر قلاش ہیں یا دیوانہ ہیں تو کیا غم ہے، یہی دولت کیا کم ہے کہ اس ساقی ومحبوب حقیقی اور اس کی شراب محبت سے مست ہیں)

عارف شیرازی سلامت کو مٹانے اور ملامت کو گوارا کرنے کے حق میں فرماتے ہیں:

ایں خرقہ کہ من دارم دررہن شراب اولیٰ   ویں دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ

(یہ لباس جو کہ میں پہنے ہوئے ہوں، شراب خانہ میں رکھنا بہتر ہے اور میرے دفتر فضولیات کو شراب کے مٹکے میں ڈبونا بہتر ہے۔)

من حال دل اے زاہد باخلق نخواہم گفت   کایں نغمہ اگر گویم باچنگ و رباب اولیٰ

(زاہد اپنے دل کے حال کو دنیا سے کہنا نہیں چاہتا اگر میں اس نغمہ کو گاؤں تو کوچہ ملامت ہی زیادہ بہتر ہے)

ایک بزرگ نے چنگ ورباب کی تفسیر ملامت سے کی ہے کہ ملامت کے وقت میں یہ نغمہ عشق ظاہر کروں گا کیونکہ محبوب کے لیے ملازمت اور دھول دھپہ میں بھی لذت ہوتی ہے اور یہ حالت عشاق مجازی تک پر طاری ہوتی ہے وہ بھی اپنے اشعار میں اس ذلت کو ظاہر کرتے ہیں۔

بجرم عشق توام می کشند و غوغائیست   تو نیز برسر بام آ کہ خوکش تماشائیست

(تیرے عشق کے جرم میں مجھے کھینچے لیے جاتے ہیں اور بھیڑ لگی ہوئی ہے تو بھی تو کوٹھے پر آ کر دیکھ لے کہ کتنا اچھا تماشا ہو رہا ہے)

جو کلام مؤثر ہو سمجھ لو کہ حال سے نکلا ہے' خواہ عشق حقیقی کا حال ہو یا مجازی کا ہو' حالات دونوں کو قریب قریب ہی پیش آتے ہیں۔(الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

اخفاءعبادت میں ریا

عام صوفیہ کا مشہور قول ہے کہ اظہار عبادت مخلوق پر ریا ہے اور محققین حضرات کا ارشاد ہے کہ اخفاء عبادت خلق سے ریا ہے کیونکہ مخلوق پر نظر ہی کیوں گئی جو اس سے اخفاء کا اہتمام کیا۔ اگر تم مخلوق کو ایسا سمجھتے جیسی مسجد کی صفیں تو ان سے اخفاء نہ کرتے۔ کوئی مسجد کی صفوں سے بھی اخفاء کا اہتمام کیا کرتا ہے بس تم مخلوق کو کالعدم اور لاشئے محض سمجھو کسی پر نظر نہ کرو' صرف ایک ذات پر نظر رکھو۔

دلارامے کہ داری دل در و بند   دگر چشم از ہمہ عالم فروبند

(جس دل آرام یعنی محبوب سے تم نے دل لگا رکھا ہے تو پھر تمام دنیا سے آنکھیں بند کرلو)

یہی تو وحدۃ الوجود ہے جو کسی کی زبان سے کسی طرح نکل گیا وہ کافر کہلائے گا کیونکہ اس نے زبان عشق میں اس کو ظاہر کیا اور عاشق کی زبان کافی نہیں ہوتی۔ توضیح مراد کے لیے عاقل کی زبان کافی ہوتی ہے چنانچہ محققین اسی وحدۃ الوجود کو زبان عقل سے ظاہر کرتے ہیں ان پر کوئی فتویٰ نہیں لگا سکتا مگر جن پر فتویٰ لگایا گیا ہے ان کو اس کی بھی پروانہیں وہ اپنے کلام میں تاویل بھی نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ایمان و کفر مخلوق کے ہاتھ میں نہیں ہے اور تاویل وہ کرے جو مخلوق پر کچھ بھی نظر کرتا ہو اور جس کی نظر مخلوق پر بالکل نہ ہو اس کو اس کی بھی ضرورت نہیں۔(الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

فنا بغرض شہرت کبر ہے

فناء بغرض شہرت کبر ہے اسی طرح تفویض بغرض راحت تجویز ہے۔ بعض لوگ اس غرض سے تفویض کرتے ہیں کہ اس میں راحت بہت ہے تم اس کا قصد کر کے تارک تفویض نہ بنو بلکہ فنا کا اس لیے قصد کرو کہ تم واقع میں فنا ہی کے مستحق ہو۔

وجودک ذنب لایقاس به ذنب

(تیرا وجود ہی گناہ ہے کسی گناہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا)

اور تفویض اس نیت سے کرو کہ یہ محبوب کا حق ہے کہ سب کام اسی کے سپرد کر دیا جاوے۔

سپردم بتو مایہ خویش را　　تو دانی حساب کم و بیش را

(میں نے اپنا سرمایہ تیرے حوالے کر دیا حساب کی کمی بیشی کو تو ہی جانے) (الرحیل الی الخلیل ج ۲۹)

بزرگوں کا مذاق

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کو کسی نے برا بھلا کہا تو بجائے اس کے کہ لوٹ کر اس کو جواب دیتے یا برا مانتے یہ کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ میرے بہت سے عیب تمہیں معلوم نہیں ہوئے ورنہ اور زیادہ برا بھلا کہتے' دیکھئے کیا شان ہے بزرگوں کی۔ان کا مذاق تو یہ ہے:

تو بھلا ہے تو برا ہو نہیں سکتا اے ذوق　　ہے برا وہی کہ جو تجھ کو برا جانتا ہے

اور اگر تو ہی برا ہے تو وہ سچ کہتا ہے　　پھر برا کہنے سے کیوں اس کے برا مانتا ہے

وہ تو پروا بھی نہیں کرتے کسی کے برا بھلا کہنے کی' کیوں وہ عاشق ہیں اور عاشق کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کو تو برا بھلا سننے میں مزا آتا ہے۔

نہ سازد عشق را کنج سلامت　　خوشا رسوائی کوئے ملامت

(عشق کو سلامتی کا گوشہ اچھا نہیں لگتا بلکہ اس کو محبوب کے کوچہ کی ملامت اچھی معلوم ہوتی ہے)

وسوسہ ریاء ریاء نہیں

ذاکر کو بھی جب شیطان ذکر سے روکتا ہے تو محض وسوسہ سے اس کو پریشان کرتا ہے اور اس کو اتنی قدرت نہیں کہ کسی کو پکڑ کر عمل سے روک دے پس وہ اگر ذاکر نادان ہے تو اس کو اس طرح نقصان پہنچ جاتا ہے کہ شیطان نے اس وسوسہ سے اس کو ڈرایا اور وہ دفع وسوسہ کے لیے اس کے مقابلہ کو کھڑا ہو گیا اور وسوسہ سے ڈر کر اس کے پیچھے ہولیا' پھر جتنی دیر اس کے پیچھے چلتا رہا اتنی دیر ذکر سے رہ گیا اس طرح شیطان کا کام بن گیا اور اس کی غرض حاصل ہو گئی کہ ذاکر کو اتنی دیر کے لیے ذکر سے روک دیا تو اے ذاکرین ہوشیار رہو اور خوب سمجھ لو کہ یہ بھی شیطان کا مکر ہے اور گہرا مکر ہے کہ تم کو وسوسہ سے ڈرا کر اپنا کام بنا لیتا ہے اس

سے ہرگز مت ڈرو اور یاد رکھو کہ ذکر کرنے میں اگر ریاء کا وسوسہ آئے تو اس کی کچھ پروا مت کرو یہ وسوسہ ریاء کا ہے ریاء نہیں ہے اسی طرح اس کا محل قعر قلب نہیں حوالی قلب ہے اور قلب میں جو متوہم ہوتا ہے تو وہ اس کا عکس ہے۔ (البا طن ج ۲۹)

وسوسہ کی مثال

اس کی مثال ایسی ہے جیسے آئینہ کے اوپر کوئی مکھی بیٹھی ہو تو ایک مکھی آئینہ کے اندر بھی نظر آئے گی مگر وہ مکھی آئینہ کے اندر نہیں ہے بلکہ خلاف واقع ایک چیز نظر آتی ہے اس کو دیکھ کر وہ شخص جو آئینہ کی خاصیت کو نہیں جانتا یہ سمجھتا ہے کہ آئینہ کے اندر مکھی ہے۔ چنانچہ بچوں کے سامنے جب آئینہ لاتے ہیں تو وہ اس کے اندر اپنا عکس دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ اس کے اندر ہمارا بھائی بیٹھا ہے اور خوش ہوتے ہیں اور اس کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہیں وجہ اس کی یہی ہے کہ ان کو آئینہ کی اس خاصیت کی خبر نہیں کہ اس کے اندر باہر کی چیز کا عکس نظر آیا کرتا ہے جس کا وجود واقع میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔

اور سمجھدار آدمی جو اس آئینہ کی خاصیت کو جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اس کے اندر کچھ بھی نہیں ہے۔

تو اے سالکین! تم بچے مت بنو' سمجھ لو کہ اس ریاء کا کچھ وجود نہیں ہے' شیطان باہر سے عکس ڈال کر تم کو ڈراتا ہے اور چاہتا ہے کہ تم کچھ دیر کو اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے لڑنے میں اور دفع کرنے میں مشغول ہو جاؤ اور اتنی دیر ذکر سے رہ جاؤ' یہ ایسا ہے جیسے ایک بچہ کے سامنے کوئی ڈراؤنی صورت آئینہ میں دکھائی جائے کہ وہ اس کو دفع کرنے میں اور اس سے لڑنے میں مصروف ہو جاتا ہے کبھی آئینہ کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے کبھی آئینہ کے پیچھے ہاتھ لے جاتا ہے مگر ہاتھ اس کے کچھ بھی نہیں آتا۔ (البا طن ج ۲۹)

توبہ کرنے کا ایک فائدہ عاجلہ

توبہ کرنے کا ایک فائدہ عاجلہ بھی ہے وہ یہ کہ بار بار توبہ کرنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ چند روز میں بتدریج وہ گناہ چھوٹ جاتا ہے۔ پس یہ توبہ کی برکت ہے کہ اس سے تائب آخر کار متقی پرہیزگار ہو جاتا ہے۔ غرض اگر گناہ اور توبہ دونوں کے سلسلے برابر جاری رہیں تب بھی ان شاء اللہ تعالیٰ گناہ کا سلسلہ مٹ جائے گا اور توبہ کا سلسلہ

''بمقتضائے ''سبقت رحمتی علی غضبی'' (میری رحمت میرے غضب سے بڑھ گئی) غالب آ جائے گا جیسے سلیٹ کی لکھائی ہے کہ پانی سے مٹ جاتی ہے اسی طرح گناہ بھی آب رحمت سے مٹ جائیں گے۔ لیکن اس سے گناہوں پر دلیر نہ ہونا چاہیے اس لیے کہ میرا مقصود تو اس سے یہ ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ میں گناہ نہ کروں اور نفس سے کشاکش ہوتی ہے کبھی یہ غالب ہوتا ہے کہ باوجود تقاضاء شدید کے نفس کے مقتضاء پر عمل نہیں کرتا اور کبھی بمقتضاء بشریت اس پر نفس غالب آ جاتا ہے اس سے کڑھتا ہے اور روتا ہے اور توبہ کرتا ہے اور پھر گناہ ہو جاتا ہے وہ پھر ایسا ہی کرتا ہے اور اس کی ہمت ٹوٹنے کی ہوتی ہے ایسے شخص کی ہمت بندھانے کے لیے یہ مضمون بیان کر رہا ہوں کہ ایسا شخص اس تدبیر سے ان شاءاللہ تعالیٰ ایک نہ ایک دن ضرور متقی و پرہیزگار ہو جائے گا۔ اگر نہ بھی ہو لیکن مغفور تو ان شاءاللہ ہو ہی گا۔ باقی جو پہلے سے گناہ میں دلیر ہے اور اس کو کچھ غم ہی نہیں اس کے غم کے علاج ہی کی کیا ضرورت ہے اس کو یہ خطاب نہیں کہ گناہ سے مغموم نہ ہو کہ توبہ اس کا علاج ہے بس میرا مقصود گناہ کی اجازت دینا نہیں۔ نیز ظاہر ہے کہ جس سے گناہ بالکل نہ ہو اور جس سے گناہ ہوا کرے لیکن توبہ بھی کر لے ان میں بڑا فرق ہے۔ (خواص الخشیۃ ج ۲۹)

اخلاق صرف ظاہری نرمی کا نام نہیں

یہ بات خوب غور سے سن لو کہ عقائد کی پختگی کے بعد اعمال و اخلاق کو لو اور اخلاق صرف ظاہری نرمی کا نام نہیں ہے جیسا لوگ تواضع وغیرہ کے یہی معنی سمجھتے ہیں جیسا کہ ایک حکایت میں ہے۔ کہ ایک گاڑی بان اپنے بچپنے میں کسی مکتب میں پڑھنے گیا۔ کریما پڑھا کرتا تھا' تواضع کا بیان پڑھ رہا تھا۔ ایک روز میاں جی نے پوچھا کہ تواضع کسے کہتے ہیں کہنے لگا کہ اجی یہی کہ اگر کوئی آدمی آوے جاوے تو حقہ بھر کر پلانا تمبا کو پان کھلانا اور کیا میاں جی نے یہ سن کر خوب مارا گاڑی بان اس روز سے جو بھاگے ہیں تو آج تک پڑھنے نہ گئے اور اب گاڑی جوت رہے ہیں۔ اکثر لوگ تواضع کے یہی معنی سمجھتے ہیں سو نرم نرم باتوں کا نام اخلاق نہیں (دعاء ج ۳۰)

اخلاق کا مفہوم

اخلاق کہتے ہیں خشیۃ' توکل' حق پسندی' قناعت' صبر اور اخلاص فی العبادۃ کو یہ چیزیں اپنے میں پیدا کرنی چاہئیں تب کہیں اخلاق حاصل ہو سکتے ہیں۔ (دعاء ج ۳۰)

شفقت میں ضرورت اعتدال

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ انہوں نے بازار سے شکر خریدی اور خوب مضبوط کپڑے میں باندھ لی کئی منزل پر گھر تھا گھر جا کر جو کھولا تو دیکھا کہ اس میں ایک چیونٹی ہے پریشان ہو گئے پھر اسی جگہ واپس تشریف لے گئے اور اس چیونٹی کو اس کے ٹھکانے پر چھوڑ آئے البتہ ترحم و ہمدردی میں بھی اعتدال واجب ہے پس گاؤکشی یا گوسفند کشی خلاف ترحم و ہمدردی نہیں کیونکہ وہ امتثال ہے خالق تعالیٰ شانہ کے حکم کا (جو کہ مالک ہے تمام اشیاء کا) حق تعالیٰ نے اس کو ہمارے لئے حلال فرمایا ہے اس لئے ایسی ہمدردی کے ہم مامور نہیں ہیں ایسی ہمدردی کریں گے تو معتوب ہوں گے کیونکہ گائے بھینس بکری خالق تعالیٰ شانہ کے حکم کے سامنے کوئی چیز نہیں ہے اگر ہم ان کی رعایت کریں اور ان کو ذبح نہ کریں تو خالق تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنا لازم آتا ہے۔(الاخلاص ج ۳۰)

ریا سب کے آخر میں دل سے نکلتی ہے

اپنے اساتذہ میں اگر دو شخص ہوں ایک مشہور اور دوسرا غیر مشہور تو ہم اپنے کو مشہور کی طرف نسبت کرتے ہیں غیر مشہور کی طرف نسبت کرتے ہوئے عار آتی ہے۔ اسی واسطے بزرگان دین نے لکھا ہے کہ ریا بہت آخر میں دل سے نکلتی ہے۔ ہاں اگر یہ اکرام دنیا کے لئے نہ ہو دفع شر یا دلجوئی کے لئے ہو اور غریب کی تحقیر بھی نہ ہو تو وہ مذموم نہیں حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگوں کی دینداری بس صورۃً اور ظاہراً ہے اور حقیقی دینداری بہت ہی کم ہے خود ہی فرماتے ہیں وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ (میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے کم ہیں) اکثر لوگ رسم پرستی اسم پرستی ظاہر پرستی میں مبتلا ہیں اور یہ سب دنیا ہے اور دنیا کی نسبت ارشاد ہے لو كانت الدنيا تزن عندالله جناح بعوضة ماسقى منها كافراً شربة ماء (سنن ابن ماجه ۴۱۱۰، الدر المنثور ۶: ۱۷) یعنی اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی قدر رکھتی تو کافر کو اس سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے۔(الاخلاص ج ۳۰)

ہمارے اعمال کی حالت

اہل علم اہل زہد اپنی حالت کا موازنہ صحیح کر کے دیکھیں تو زیادہ حصہ اپنے اعمال

میں اغراض نفسانیہ کا پائیں گے مثلاً عبادات نافلہ تلاوت قرآن وذکر ونوافل تہجد اور جو اعمال اخفاء کے قابل ہیں ان کو کر کے ہمارا جی چاہتا ہے کہ ان کا عام طور پر ظہور ہو جاوے اور لوگوں میں ہم عابد زاہد مشہور ہوں مثلاً تہجد میں اگر کوئی شب کو ایسے وقت اٹھا کہ کسی کو خبر نہ ہوئی اور تہجد پڑھ کر سو رہا تو اس حالت میں اور جس حالت میں کہ دوسرے کو اطلاع ہو بڑا فرق ہوتا ہے اطلاع ہونے پر بڑی خوشی ہوتی ہے اور اگر اطلاع نہ ہو تو جی چاہتا ہے کہ کسی طرح ظہور ہو جاوے اور اس کے متجسس رہتے ہیں کہ کوئی ہمارا ذکر تو نہیں کرتا اگر کسی نے ذکر نہ کیا تو نفس کو ایک طرح کا افسوس ہوتا ہے کہ رات کا اٹھنا بے کار ہی ہوا۔ اسی طرح تمام اعمال میں ہماری یہ حالت ہے۔ (الاخلاص ج ۳۰)

غلو فی الاخلاص

اہل خلوص کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے وہ رات دن اسی غم میں گھلتے ہیں کہ ہماری نماز کو جو فلاں شخص نے دیکھا اور ہم کو خوشی ہوئی یہ بھی ریاء ہوگئی حالانکہ یہ فرحت طبعی ہے ریاء نہیں مگر یہ نہیں سمجھتے اور اپنی عبادت کو بے کار جانتے ہیں اور شب وروز اسی غم میں رہتے ہیں۔ انجام ایسے اخلاص کا یہ ہوتا ہے کہ شیطان بہکا دیتا ہے کہ جب تمہارا عمل کارآمد نہیں ہے تو ایسے عمل سے فائدہ ہی کیا پس یہ شخص مایوس ہو کر اس عمل ہی کو چھوڑ دیتا ہے اور کبھی عمل تو نہیں چھوڑتا لیکن اخلاص کے اندر سعی ترک کر دیتا ہے اور بعض مرتبہ یہ مضرت ہوتی ہے کہ اپنے شیخ سے بدگمانی ہو جاتی ہے کبھی ان کے کمال میں بدگمانی ہو جاتی ہے کہ میاں اگر یہ صاحب کمال ہوتے تو ہم کو اخلاص ضرور نصیب ہوتا اور کبھی توجہ میں بدگمانی ہوتی ہے کہ ہماری طرف توجہ نہیں ہے اور یہ کفران نعمت ہے جو شخص تمہارا مربی اور مصلح ہو اور اس کو ہر وقت تمہارا خیال رہتا ہو یہ خیالات تمہارے اگر اس کو معلوم ہو جاویں تو اس کا دل ضرور دکھے گا اور نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ نعمت تم سے سلب ہو جاوے گی۔ یہ غلو فی الاخلاص ہے کہ ایک دولت حاصلہ کی نفی کر رہے ہو۔ کسی درویش سے ایک ہاتھی سوار نے کہا کہ باوا دعاء کرو کہ ترقی ہو درویش نے کہا کہ باوا ہاتھی پر تو سوار ہے کیا بانس پر سوار ہوگا اسی طرح تم کو اللہ تعالیٰ نے اخلاص نصیب فرمایا ہے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے نہ کہ اس کا کفران کیا جاوے غرض یہ فرحت طبعی ہے اس کو ریا سمجھنا غلطی ہے خوب سمجھ لینا چاہئے کہ ریاء اعمال

اختیاریہ میں سے ہے اور وسوسہ ریاء غیر اختیاری پس وسوسہ ریا نہیں ہے جیسے کہ وسوسہ کفر کفر نہیں خود صحابہ رضی اللہ عنہم کو وساوس آ جاتے تھے۔ (الاخلاص ج ۳۰)

اخلاص کا وجود

اخلاص نیت کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ کسی نیک عمل کے کرنے کے وقت اس امر کا بھی تصور و قصد ہو کہ یہ عمل حق تعالیٰ کی رضا کے واسطے ہے اب دیکھنا چاہئے کہ اس معنے کے اعتبار سے اخلاص کا وجود کہیں متحقق ہے کہ نہیں ہم غور کر کے جو دیکھتے ہیں تو اس معنے کے اعتبار سے عوام میں تو کیا خواص میں بھی اخلاص نہیں نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں تلاوت کرتے ہیں اور کبھی عمل سے پہلے خصوصیت کے ساتھ ابتغاء مرضاۃ حق کا تصور تک بھی نہیں ہوتا ہے چنانچہ ابھی سب نے نماز جمعہ کی پڑھی ہے کسی کے دل میں بھی تصور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا نہیں ہوا ہوگا۔ غایۃ مافی الباب گاہ گاہ نیک عمل کرتے وقت اس کا تصور ہو جاتا کہ یہ ایک نیک کام ہے پس اگر نیت کے معنے یہی ہیں کہ قصد کرنا رضائے حق کا تو اس معنی کو تو کسی کی نیت بھی خالص نہیں اور دنیا میں کوئی بھی مخلص نہیں کیونکہ اکثر اوقات اس کا بلکہ کسی اور غایت کا بھی مطلق تصور نہیں آتا اور اسی بنا پر یہ جو عقلی مسئلہ مشہور ہے کہ افعال اختیاریہ کا صدور مسبوق بتصور الغایۃ ہوتا ہے مجھ کو اس مسئلہ میں ایک شبہ ہے کیونکہ اکثر مواقع پر کوئی غایۃ بھی ذہن میں نہیں ہوتی تنویر اس کی یہ ہے کہ ہم سے بہت سے افعال میں اگر مجرد صدور کوئی دریافت کرے کہ یہ فعل کیا فائدہ سمجھ کر کیا ہے تو ہم حیران رہ جاتے ہیں کہ کیا فائدہ بیان کریں ہاں کچھ دیر کے بعد گڑھ مڑھ کر کوئی وجہ بیان کر دیں تو وہ اور بات ہے ہاں اگر غایت پہلے سے سوچ لیتے ہیں تو بمجرد سوال اس کو بیان کر دیتے ہیں مثلاً ہم کسی امر پر زدوکوب کریں اور بعد اس ضرب کے کوئی ہم سے وجہ پوچھے تو فوراً بتلا دیں گے کہ اس وجہ سے مارا تو وجہ یہ ہے کہ پہلے سے اس غایت کا قصد ہو گیا تھا۔ اور اگر دو وقت کے کھانا کھانے کے بعد فوراً اس کا جواب لینا چاہیں کہ تم نے کھانا اس وقت کیا فائدہ سوچ کر کھایا تو کوئی معقول وجہ بے سوچے نہیں بتلا سکتے کیونکہ پہلے سے تصور نہ تھا اس لئے نہیں بتلا سکے۔ اس لئے یہ قاعدہ اب تک سمجھ میں نہیں آیا ہاں اگر یوں کہا جاوے کہ اجمال کے

درجہ میں غایۃ کا تصور ہوتا ہے تو خیر مگر علم تفصیلی تو ہرگز نہیں ہوتا پس نیت کے اگر یہ معنے لئے جاویں گے تو تمام ہی مسلمانوں کے اعمال بے کار ٹھہریں گے۔(الاخلاص ج ۳۰)

اعمال صالحہ کی تین صورتیں

نیک عمل میں نیت تین طرح کی ہوسکتی ہے ایک یہ کہ وہ فعل قصداً اور اختیاراً کیا جاوے لیکن اس میں نہ غایۃ محمودہ کا تصور ہو نہ غایۃ مذمومہ کا دوسرے یہ کہ غایۃ محمودہ کا قصد ہو مثلاً یہ کہ میں نماز اس لئے پڑھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ غایۃ مذمومہ کا ارادہ ہو مثلاً نماز اس لئے پڑھے کہ مخلوق کے نزدیک بڑا بنے۔ پس ان تینوں صورتوں میں سے ریاء مذموم اخیر کی صورت ہے اور صورت اولی وثانیہ اخلاص میں داخل ہے اس لئے کہ ریا یہ ہے کہ مخلوق کے نزدیک بڑا بننے کے لئے کوئی فعل کرے سو اس کے ارتفاع کی دونوں صورتیں ہیں ایک یہ کہ کوئی غایۃ مقصود نہ ہو ہاں محرک اس کا امتثال ہو گو اس امتثال کی کوئی غایت تصور میں نہ آوے اور ایک یہ کہ مقصود ہو اور محمود ہو مقید کا ارتفاع کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ وہ قید نہ ہو دوسری خاص قید سے مقید ہو اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ وہ دوسری قید بھی نہ ہو۔ البتہ صورۃ اولی اخلاص کا ادنے درجہ ہے اور صورۃ ثانیہ اعلیٰ درجہ۔(الاخلاص ج ۳۰)

حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید کی طبعاً نرم مزاجی

ایک مرتبہ محل شاہی میں آپ کا وعظ ہوا بہادر شاہ کے محل میں ایک بوڑھی بی بی تھیں جو بادشاہ کی بہن تھیں ان کو معلوم ہوا کہ مولوی اسماعیل صاحب بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہیں پوچھا بیٹا اسماعیل میں نے یوں سنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کروں بلکہ بی بی صاحبہ کے ابا ہی منع کرتے ہیں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بڑی بی نے کہا کیا واقعی بی بی صاحبہ کے ابا اس سے منع کرتے ہیں فرمایا جی ہاں پھر **کل بدعة ضلالة** پر ایک بلیغ تقریر فرمائی۔ کہنے لگیں تو اب سے ہم کبھی نہ کریں گے ہم کو اس بات کی خبر نہ تھی۔ مولانا گنگوہ بھی تشریف لائے ہیں وہاں کے پیر جیون کو آپ نے ایسے ایسے نرم جواب دیئے کہ سب لوگ حیران ہوگئے۔ یہ واقعہ میں نے شاہ احمد حسین صاحب گنگوہی سے سنا ہے اگر مولانا میں طبعی طور پر سختی ہوتی اور مزاج ہی کے سخت ہوتے تو ہر جگہ اس کا ظہور ہوتا مگر وہ موقعہ ہی پر سختی کرتے

تھے اور ویسے بہت نرم تھے چنانچہ ایک شخص کو معلوم ہوا کہ مولانا بہت تیز مزاج ہیں اور اس کا تو یقین ہو گیا مگر اسے یہ خیال ہوا کہ اس بات کا امتحان کرنا چاہئے تیزی اللہ کے واسطے ہے یا نفس کے لئے اس نے اس طرح امتحان کیا کہ ایک دن آپ جامع مسجد دہلی میں وعظ فرما رہے تھے سامعین کی کثرت سے مسجد بھری ہوئی تھی اس ظالم نے بھرے مجمع میں جا کر کہا کہ مولانا میں نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں۔غور کیجئے ایک شخص کو بھرے مجمع میں ایسا لفظ کہا جائے تو اس کا کیا حال ہوگا خصوصاً اس شخص کا جو وعظ کہہ رہا ہو اس کو تو اس طعن سے ایسا غصہ آئے گا کہ سارا مضمون اگلا پچھلا بھول جائے گا مگر مولانا کے چہرہ پر اس سے بل بھی نہیں پڑا نہ تقریر میں کوئی بندش ہوئی۔نہایت نرم لہجہ میں فرمایا کسی نے تم سے غلط کہہ دیا ہے کہ شرعی قاعدہ ہے **الولد للفراش** (الصحیح البخاری ۲،۵ ۱۹۲' سنن ابی دائود ۲۲۷۳) کہ بچہ فراش کے تابع ہوتا ہے اور میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ اب تک موجود ہیں تو شرعاً میں ثابت النسب ہوں حرام زدہ نہیں اور ثابت النسب کو غیر ثابت النسب کہنا شرعاً جائز نہیں بلکہ گناہ ہے۔یہ فرما کر پھر وہی مضمون شروع کر دیا جو پہلے سے بیان فرما رہے تھے یہ ہیں وہ واقعات جن سے خواہ مخواہ دشمنوں کے دل بھی موم ہو جاتے ہیں اور تواضع سے وہ رفعت حاصل ہوتی ہے جو تصنع سے کبھی نہیں ہوتی۔(الاخوۃ ج ۳۰)

تواضع سے رفعت حاصل ہوتی ہے

ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی نے ان کی دعوت کی اور کہہ دیا کہ فلاں وقت مکان پر تشریف لے آئیے گا چنانچہ جب وہ وقت پر آئے تو داعی نے کہا کیوں آئے کیسے آئے فرمایا بھائی تم نے دعوت بھی کی تھی کہا کس نے دعوت کی تھی خواہ مخواہ لوگوں کے سر ہوتے پھرتے ہو یہ سن کو وہ بے چارے لوٹ چلے تو وہ کہتا ہے جاتے کہاں ہو ہم نے تو دعوت کی تھی تم نخرے کرتے ہو وہ پھر واپس چلے آئے تو کہنے لگا سبحان اللہ آپ تو کھانے کے لئے ہاتھ دھوئے پھرتے ہیں وہ بے چارے پھر لوٹنے لگے تو کچھ دور جانے کے بعد کہتا ہے عجیب آدمی ہو ہم نے تو تمہاری دعوت کی تھی میاں چلے جا رہے ہیں۔کئی بار ایسا ہی کیا وہ بار بار چلے جاتے تھے اور چلے آتے تھے۔وہ پیروں میں گر پڑا کہ حضرت میں تو دیکھنا چاہتا تھا پس میں نے آزمالیا کہ واقعی آپ بزرگ ہیں فرمایا میاں اس سے دھوکہ نہ کھانا بزرگی تو وہ ہے جو انسان کے اوصاف میں ہو اور جو

بات تم نے میرے اندر دیکھی ہے۔ یہ صفت تو کتے کے اندر بھی ہے کہ دھمکا دو تو چلا جائے گا اور روٹی دکھلا دو تو آ جائے گا (یہ بات پہلے سے بھی زیادہ تواضع کی ہے) (الاخوۃ ج ۳۰)

سرہانے کی طرف بیٹھنے کی دو حیثیتیں

حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (جو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے مدرس اول تھے) ایک بار چارپائی پر پائنتی کی طرف بیٹھے تھے کہ حجام خط بنانے آیا اور آ کر کھڑا ہو گیا وہ اس کا منتظر تھا کہ مولانا سرہانے کی طرف بیٹھ جاویں تو میں پائنتی کی طرف بیٹھوں مگر مولانا سرہانے کی طرف نہ ہوئے اور اس سے فرمایا کہ کھڑا کیوں ہے بیٹھتا کیوں نہیں اس نے کہا حضور میری کیا مجال جو سرہانے بیٹھوں فرمایا اچھا یہ بات ہے تو پھر جب کبھی مجھے سرہانے بیٹھا ہوا دیکھو اس وقت خط بنا جانا اب تو میں سرہانے نہیں بیٹھتا۔ وہاں کوئی دوسرے بزرگ بھی موجود تھے انہوں نے حجام سے کہا کہ بھائی یہ تو سرہانے نہ بیٹھیں گے تو ہی سرہانے بیٹھ کر اپنا کام کر چنانچہ مجبور ہو کر وہی سرہانے بیٹھا اور خط بنا کر چلا گیا۔ تو کیا اس سے کچھ مولانا کی وقعت کم ہو گئی ان کی تو وہ وقعت ہوئی کہ آج تک ان کا یہ فعل مقام مدح میں بیان کیا جا رہا ہے باقی میں یہ نہیں کہتا کہ آپ بھی ایسا ہی کریں نہیں آپ کو اجازت ہے کہ سرہانے بیٹھ کر خط بنوا لیا کریں مگر سرہانے کی طرف بیٹھنے کی دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ تم اپنے کو اس سے افضل سمجھو اس لئے سرہانے بیٹھو یہ تو تکبر اور حرام ہے اور ایک یہ کہ انتظاماً سرہانے بیٹھو تا کہ دوسرے کا دماغ نہ بگڑ جاوے پھر وہ اس عادت کی وجہ سے کسی موقعہ پر ذلیل ہو گا اس پر اپنا واقعہ یاد آیا کہ طالب علمی کے زمانہ میں ایک بار میں گھر پر آیا تو ایک بڑے میاں غریب قوم کے میرے پاس آئے میں نے اصرار کر کے ان کو قالین پر بٹھایا اتنے میں والد صاحب تشریف لے آئے انہوں نے نہایت تیز لہجہ میں اس سے فرمایا کہ تجھے یہاں بیٹھنے کو کس نے کہا اٹھ اور نیچے بیٹھ۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ والد صاحب نے بہت زیادتی کی آخر ہم کو اس غریب پر کونسی فضیلت حاصل ہے۔ خدا کے نزدیک نہ معلوم کون بڑا ہے جب وہ بڑے میاں چلے گئے تو والد صاحب نے فرمایا کہ تم نے اپنے نزدیک یہ کام تواضع کا کیا تھا مگر اس غریب کے حق میں تم نے بدخواہی کی کیونکہ آج یہاں قالین پر بیٹھا کل کو دوسری جگہ بھی یہ قالین ہی چاہے گا پھر وہاں اس کی کمبختی آئے گی کیونکہ سب آدمی تمہاری طرح متواضع نہیں

ہیں جو ہر شخص کو اپنے سر پر بٹھالیں اس وقت معلوم ہوا کہ والد صاحب کا فعل حکمت وانتظام پر مبنی تھا پس جو شخص منتظم ہو وہ تو حفظ مراتب کی رعایت کرے۔ (الاخوۃ ج ۳۰)

شکر کی حقیقت

اہل بلاغت نے اس راز کو سمجھا ہے وہ کہتے ہیں کہ حمد تو زبان کے ساتھ خاص ہے اور شکر زبان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ قلب اور لسان اور جوارح سب سے ہوتا ہے اور گو زبانی شکریہ میں شکر کی تصریح ہوتی ہے اور عملی شکر میں اس کی تصریح نہیں ہوتی مگر درجہ عملی شکر کا بڑھا ہوا ہے۔ دیکھو اگر تم اپنے دو غلاموں کو انعام دو جن میں سے ایک غلام نے تو محض زبان سے شکریہ ادا کر دیا اور ایک غلام روپیہ اور خلعت ہاتھ میں لے کر آپ کے پیرو ں میں گر پڑا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے مگر زبان سے کچھ نہیں کہا تو بتلاؤ کس کا شکر بڑھا ہوا ہے یقیناً جو پیروں میں گر پڑا اس کا شکر بڑھا ہوا ہے معلوم ہوا کہ شکر عمل سے بھی ہوتا ہے اور اس میں قدر نعمت زیادہ ظاہر ہوتی ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

گرچہ تفسیر زبان روشن ترست — لیک عشق بے زبان روشن گرست

(اگر چہ زبان کی تفسیر روشن تر ہے لیکن بے زبان کا عشق زیادہ روشن بنانے والا ہے)

اور اگر زبان سے بھی شکریہ ہو اور پھر پیروں میں گر پڑے تو یہ تو نور علی نور ہے یہ اس لئے کہہ دیا کہ شاید کوئی اس تقریر سے یہ سمجھ جائے کہ میں زبانی شکریہ کو بے کار کہتا ہوں نہیں بے کار تو وہ بھی نہیں مگر اس پر اکتفا کر لینا غلطی ہے کیونکہ وہ تو محض صورت ہے۔ حقیقت شکر عمل ہے پس ہم کو حقیقت کا لحاظ زیادہ کرنا چاہئے اور جو لوگ جامع اور محقق ہوتے ہیں وہ صورت اور حقیقت دونوں کی رعایت کرتے ہیں۔ (عمل الشکر ج ۳۰)

حکایت حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار سورہ طہ پڑھی تھی پھر خواب میں دیکھا کہ نامہ اعمال میں یہ سورت لکھی ہوئی ہے مگر ایک آیت کی جگہ خالی ہے ملائکہ سے پوچھا کہ یہ آیت کیوں نہیں لکھی گئی میں نے تو اس کو بھی پڑھا تھا جواب ملا کہ اس وقت ایک شخص وہاں گزر رہا تھا تم نے اس کے سنانے کو اس آیت کو سنوار کر پڑھا تھا تو یہ آیت تم نے اخلاص

کے ساتھ نہیں پڑھی تھی اس لئے قبول نہیں ہوئی جگہ خالی چھوڑ دی گئی اگر کبھی خلوص سے پڑھ دو گے تو لکھ دی جائے گی۔ اب یہاں ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ بعض دفعہ قراء سے فرمائش کی جاتی ہے کہ تھوڑا قرآن سنادو اب اگر وہ سنوار کر پڑھیں تو ریاء لازم آتی ہے کہ مخلوق کے لئے بنا بنا کر پڑھا جاتا ہے اور اگر معمولی طور سے پڑھیں یا انکار کر دیں تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے اس میں عرصہ تک مجھے اشکال رہا پھر خدا تعالیٰ نے سمجھا دیا جواب یہ ہے کہ سنوار کر پڑھنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس نیت سے سنوار کر پڑھیں کہ لوگ ہماری تعریف کریں گے ہم قاری مشہور ہوں گے یہ تو واقعی ریاء ہے اور ایک یہ کہ اس نیت سے سنوار کر پڑھیں کہ ایک مسلمان کا جی خوش ہوگا یہ ریاء نہیں بلکہ موجب ثواب ہے۔ (عمل الشکر ج ۳۰)

تطییب قلب مسلم میں ریا نہیں

تطییب قلب مسلم مطلوب ہے اور اس کی دلیل مجھے حدیث سے معلوم ہوئی وہ یہ کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی نماز میں حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کا قرآن سنا یہ بہت خوش الحان تھے صبح کو آپ نے فرمایا کہ اے ابوموسی رات میں نے تمہارا قرآن سنا **لقد اوتیت مزمارا من مزامیر آل داؤد** (الصحیح للبخاری ۶، ۲۴۱، الصحیح لمسلم، صلوۃ المسافرین ۳۴، رقم ۲۳۶) تم کو خدا تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی سے حصہ عطا کیا ہے اس پر حضرت ابوموسیٰ اشعری نے عرض کیا **لو علمت بک یا رسول اللہ لحبرته لک تحبیرا** یا رسول اللہ اگر مجھے یہ خبر ہو جاتی کہ آپ میرا قرآن سن رہے ہیں تو میں آپ کی خاطر اور زیادہ بنا سنوار کر پڑھتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس قول پر نکیر نہیں فرمایا پس آپ کی تقریر سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر سے قرآن کو بنا سنوار کر پڑھنا جائز تھا کیونکہ اس میں تطییب قلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھی اور یہ ریا نہیں بلکہ یہ بھی خدا ہی کے لئے سنوارنا ہے کیونکہ حق تعالیٰ ہی نے تطییب قلب نبی کا امر فرمایا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راضی کرنا خدا کا راضی کرنا ہے۔ **مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ** (جس شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی) (عمل الشکر ج ۳۰)

دنیا کی عجیب مثال

ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دنیا کی مثال آخرت کے ساتھ ایسی ہے جیسے پرندہ اور سایہ آخرت پرندہ ہے اور دنیا سایہ ہے تم پرندہ کو پکڑ لو سایہ خود بخود اس کے ساتھ چلا آئے گا اور اگر سایہ کو پکڑو گے تو نہ وہ قبضہ میں آئے گا نہ یہ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ طالب آخرت کے پاس مال بہت آجاتا ہے نہیں بلکہ حق تعالیٰ اپنے چاہنے والوں کو راحت اور چین دیدیتے ہیں جو خدا کا ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ اس کو وہ راحت دیتے ہیں کہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوتی چاہے اس کے پاس مال و دولت کچھ بھی نہ ہو مگر اطمینان اور انشراح قلب سے زیادہ ہوتا ہے خوب کہا ہے۔

چوں ترا نانے وخر قانے بود — ہر بن موئے تو شیطانے بود

(جب تیرے پاس کھانے کی اشیاء ہیں اس وقت تک تیرا بال بال بادشاہ ہے)

شاید کسی کو شبہ ہو کہ کہہ دینا تو آسان ہے مگر جب فقر وفاقہ پڑا ہوگا تو نانی یاد آئی ہوگی تو میں سچ کہتا ہوں کہ ان کو نہ نانی یاد آئی تھی نہ دادی ہاں خدا بے شک یاد آیا تھا۔ صاحبو تجربہ کر کے دیکھ لیجئے آزما کر مشاہدہ کر لیجئے واقعی اہل اللہ سلاطین سے زیادہ سکون میں ہیں۔ ان کی یہ شان ہے۔

مبین حقیر گدایان عشق راکیں قوم — شہان بے کمرو خسروان بے

(گدایان عشق کو حقیر مت سمجھو یہ لوگ تخت وتاج کے بادشاہ ہیں)

(اور)

گدائے می کدہ ام لیک وقت مستی بیں — کہ ناز برفلک و حکم برستارہ کنم

(میں گدائے میکدہ ہوں مگر مستی کے وقت دیکھ کہ فلک پر ناز اور ستارہ پر حکم کرتا ہوں) (عمل الشکر ج ۳۰)

توکل کا درجہ فرض

توکل کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ اعتقاداً ہر حال میں خالق پر نظر رہے اسی پر اعتماد ہو یہ تو فرض ہے یعنی اسباب ہوں یا نہ ہوں ہر حال میں بھروسہ خدا پر ہو اصلی کارساز اسی کو سمجھیں اسباب پر نظر نہ رکھیں۔ دوسرا درجہ توکل کا علمی ہے یعنی ترک اسباب اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ سبب کسی ضروری مقصود دینی کے لیے ہے تو اس کا ترک حرام ہے جیسا کہ اسباب

جنت میں سے نماز وغیرہ ہیں ان کا ترک جائز نہیں اور اگر مقصود دنیوی کا سبب ہے تو پھر اس میں بھی تفصیل ہے کہ اگر عادۃً اس مقصود کا توقف ثابت ہے اور وہ مسبب مامور بہ ہے تو اس کا ترک بھی حرام ہے جیسے کھانا سبب شبع ہے اور پانی پینا سبب ارتواء ہے ان اسباب کا ترک جائز نہیں اور اگر سبب پر مقصود دنیوی کا ترتب ضروری اور موقوف نہیں تو اقویاء کے لیے ایسے اسباب کا ترک جائز بلکہ بعض صورتوں میں افضل ہے اور ضعفاء کے واسطے ترک کی اجازت نہیں اور اگر وہ سبب محض وہمی ہے تو اس کا ترک سب کے لیے افضل ہے اور اگر اشتغال میں کوئی دینی ضرر ہے تو اس کا ترک واجب ہے خوب سمجھ لو۔ (الرحمۃ علی الامۃ ج ۳۱)

ریا ہمیشہ نہیں رہتی

حاجی صاحب ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ریاء ہمیشہ ریاء ہی نہیں رہتی۔ پہلے ریاء ہوتی ہے پھر عادت ہو جاتی ہے پھر عبادت بن جاتی ہے۔ غرض ریاء ہمیشہ ریاء نہیں رہا کرتی آخر کار مبدل بخلوص ہو جاتی ہے پھر وہ خلوص موجب قرب ہو جاتا ہے تو اہل تربیت کے نزدیک ابتداء عمل کے لیے اخلاص کی قید بھی ضروری نہیں وہ تو یوں فرماتے ہیں کہ جس طرح ہو ذکر کرنا چاہیے' خلوص کا انتظار نہ کرنا چاہیے' دوسرے یہ کہ بعض اعمال سے دوسروں کو تو نفع پہنچ جاتا ہے پھر ان کی برکت سے اس عامل کا کام بن جاتا ہے فقیہ ابواللیث رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب سے ریاء کار مر گئے ابواب خیر بند ہو گئے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ریاء بھی کوئی اچھا عمل ہے۔ نہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں بہت سے لوگ نام آوری کے لیے خانقاہیں اور سرائے مدرسے وغیرہ بنایا کرتے تھے۔ مقصود ان کا صرف نام ہوتا تھا مگر جب ان سے مخلوق کو نفع پہنچا تو کوئی ان میں خدا کا خاص بندہ بھی ہوتا تھا وہ بانی کے حق میں دعاء خیر کرتا تھا حق تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتے تھے۔ اس طرح وہ ریاء بواسطہ نافع ہو جاتی تھی۔ (شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمہ ج ۳۱)

حقیقت تواضع

اخلاق پر ایک قصہ یاد آیا ایک گاڑی بان اپنی حکایت بیان کرتا تھا کہ ایک مولوی صاحب سے کریما پڑھا کرتا تھا اس میں تواضع کا بیان آیا۔ مولوی صاحب نے سبق

پڑھا کر اگلے دن سنا اور پوچھا کہ بتلا تواضع کس کو کہتے ہیں' کہا جی کوئی آیا اس کو حقہ دے دیا' پان کھلا دیا' بٹھا لیا' انہوں نے خوب پیٹا' اس قصہ کو سن کر تو لوگ ہنستے ہیں کیونکہ ایک جاہل اور گنوار کا قصہ ہے لیکن آج کل کے تعلیم یافتوں کے اخلاق اور تواضع دیکھئے تو ان کی حقیقت بھی اس سے زیادہ نہیں جس کو اس گنوار نے تواضع کہا تھا جھکتے بہت ہیں اور نرمی سے بولتے ہیں لیکن دل میں تکبر بھرا ہوا ہے اور جس کے سامنے جھکتے ہیں اور نرم بولتے ہیں اس کو اپنے سامنے سمجھتے بھی کچھ نہیں' بڑا اپنے آپ ہی کو سمجھتے ہیں حالانکہ تواضع کے معنی فروتنی اور انکسار کے ہیں یعنی اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا اور اخلاق مع الخلق کی حقیقت ہے دوسرے کی رعایت اپنے آپ سے زیادہ کرنا۔

اب دیکھ لیجئے کہ یہ دونوں چیزیں آج کل کے لوگوں میں کہاں تک موجود ہیں' بس جو کچھ ہے زبانی جمع خرچ ہے میں کہتا ہوں کہ آج کل کے جو کچھ اخلاق ہیں وہ صورت ہے اخلاق کی اور حقیقت کا اس میں پتہ بھی نہیں (السلام التحقیقی ج ۳۱)

حضرت صدیق اکبرؓ کا ادب:

حضرت صدیق اکبرؓ کا ادب دیکھئے کہ مصافحہ سے انکار نہ کیا جوان سے مصافحہ کرتا اس سے مصافحہ کر لیتے تھے اور یہ نہ کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہیں راحت رسانی اس کو کہتے ہیں۔ اگر کوئی دوسرا ہم سواں ہوتا تو خود کبھی مصافحہ نہ کرتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو تکلیف دیتا سادگی یہ تھی جو حضرت صدیقؓ کے فعل سے ظاہر ہوتی ہے کہ ایسے موقعہ پر بڑوں کو کلفت سے بچانا چاہئے خود ہی مصافحہ کر لیا تو کیا حرج ہوا۔ بزرگوں کی راحت رسانی کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے مگر آج کل تعظیم ایسا غلو کیا جاتا کہ راحت پہنچانے کی مطلق فکر نہیں کی جاتی غرض کہ لوگ آتے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کو السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے جاتے تھے اور مصافحہ کرتے جاتے تھے اس وقت تک سب لوگ یہی سمجھتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہیں یہاں تک جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر دھوپ آنے لگی اس وقت حضرت صدیقؓ کھڑے ہو کر ایک کپڑا لے کر آپ پر سایہ کرنے لگے جب صحابہ کو خبر ہوئی کہ آقا یہ ہیں اور جن سے ہم مصافحہ کرتے

تھے وہ غلام ہیں پھر صحابہ کا ادب یہ تھا کہ دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرنے کا قصد نہیں کیا اگر آج کل کے لوگ ہوتے تو یہ معلوم کر کے کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ نہیں کیا بلکہ آپ کے خادم اور رفیق سے کیا ہے دوبارہ پھر آپ سے مصافحہ کرتے مگر حضرات صحابہ ان تکلفات سے بری تھے۔ تو اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ جو حضرت ابوصدیقؓ کے ساتھ ظاہر ہوا ہے اس سے غایت درجہ اتحاد معلوم ہوتا ہے کیونکہ لوگ حضرت ابو بکر کو السلام علیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے اور انہی سے مصافحہ کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔

عارفین نے اس واقعہ کا نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو جو مرتبہ فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا ہوا ہے جس کی وجہ سے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غایت درجہ اتحاد نصیب تھا اس کے اظہار کے واسطے حق تعالیٰ نے یہ صورت واقعہ ظاہر کر دی اور حضرت صدیق کو ہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی زبان سے کہلوا دیا اور اہل حال صوفیوں کو خشک فتوے سے بچا دیا۔ صدیق کا مقام ایسا عالی ہوتا ہے کہ اس کے علوم کا ماخذ بھی وہی ہوتا ہے جو نبی کا ماخذ ہے اور جو بات نبی کے دل میں آتی ہے وہ صدیقؓ کے دل پر بھی فائض ہوتی ہے مگر صدیق کے علوم کا اعتبار نبی کی تائید کے بغیر نہیں ہوتا۔ (تحقیق الشکر ج ۲۱)

بحمداللہ تمت